ایک دردناک نثری مرثیہ، ایک ناقابلِ فراموش داستان

شیرِ خوارزم

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار

مولانا محمد اسماعیل ریحان
استاذ تاریخ اسلام، جامعۃ الرشید، کراچی

المنہل

شیرِ خوارزم

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

اور

تاتاری یلغار

ساتویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام پر تاتاریوں کی ہولناک یلغار کا تاریخی جائزہ، سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ کے دفاعی کارناموں کا ولولہ انگیز تذکرہ، عالمِ اسلام اور حرمین شریفین کے تحفظ کی خونچکاں جدوجہد

ایک دردناک نثری مرثیہ، ایک ناقابلِ فراموش داستان

مولانا محمد اسماعیل ریحان

استاد تاریخ اسلام، جامعۃ الرشید، کراچی

Cell: 0322-2151145, 0322-2855000
E-mail: rehanbhai@gmail.com

نام کتاب ـــــــ شیر خوارزم، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور تاتاری یلغار

مؤلف ـــــــ محمد اسماعیل ریحان

طبع اوّل ـــــــ محرم ۱۴۳۱ھ/ جنوری ۲۰۱۰ء

ناشر ـــــــ منہل التراث اسلامی

رابطہ نمبر:

Cell: 0322-2151145, 0322-2855000
E-mail: rehanbhai@gmail.com

بیت العزیز، پلاٹ نمبر 253، سینٹرل مسلم آباد، نزد دولین برج
پرانا گولیمار، سائٹ ٹاؤن، کراچی

انتساب

ان جانبازوں کے نام جو

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

کے جذبوں کے امین بن کر باطل کی ہمہ گیر یلغار کے سامنے

آہنی دیوار کی طرح ڈٹے ہوئے ہیں

تفصیلی فہرست

تیسراباب، چنگیز خان......۶۴

چوتھاباب، شہزادہ جلال الدین منکبرتی......۷۳

پانچواں باب، خطرات وحوادث......۷۷

چھٹاباب، خوفناک پیش گوئیاں اور تاتاری یلغار کے اسباب......۸۴

ساتواں باب، چنگیز خان کا عالمِ اسلام پر حملہ......۱۱۱

آٹھواں باب، سرحدوں کے محافظ......۱۲۵

نواں باب، سقوط بخارا و سمرقند......۱۳۴

دسواں باب، ویرانوں کا مسافر......۱۴۸

= گیارہواں باب، مغربی تاتاریوں کی خوں ریزی......۱۶۳

عرض ناشر

انسان خواہ کتنا ہی ناتواں سہی مگر اس کی فکر کی پرواز زماں و مکاں کی پابند نہیں۔ زیر نظر کتاب عالم اسلام کا درد اور تاریخی و تحقیقی ذوق رکھنے والے ایک مؤرخ کی قوتِ فکر، شب و روز کی محنت اور اس کی جستجو و تحقیق کا کرشمہ ہے۔

تاریخ کے موضوع سے واقفیت رکھنے والے شخص جب اس کتاب کا گہری نظر سے مطالعہ کریں گے تو اس کتاب پر کی جانے والی جان توڑ محنت اور اس میں موجود اچھوتا پن ان سے پوشیدہ نہیں رہے گا۔ آج سے سینکڑوں برس قبل امت مسلمہ کو پیش آنے والے وہ دلدوز حادثات اور جگر سوز سانحات جو تاریخ کی مختلف کتابوں سے چن چن کر آئندہ صفحات میں پروئے گئے ہیں اس قدر رُودااثر ہیں کہ پڑھنے والے شخص کی آنکھیں اشک بار اور دل درد و غم سے تڑپ اٹھتا ہے۔

یہ کتاب درحقیقت امت مسلمہ کو بیدار کرنے اور اسے آیندہ آنے والے خطرات کے مقابلہ کے لئے تیار کرنے کی ان کوششوں کا ایک ادنیٰ حصہ ہے جو آج امت کے دردمند اہل قلم سرانجام دے رہے ہیں۔ یہ ایک آئینہ ہے جو ماضی میں کی گئی امت مسلمہ کی غفلتوں، غلطیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں اور ان پر مرتب ہونے والے بھیانک واقعات اور سبق آموز نتائج کو نگاہوں کے سامنے واضح کر کے ہمیں مستقبل میں پیش آنے والے خطرات سے آگاہ کر رہا ہے۔

امت مسلمہ پر مصائب کا ایک بھیانک دور ہم سے سینکڑوں برس قبل گزر چکا ہے اور دوسرا دور آج پوری طرح ہم پر مسلط ہے، ان دونوں پر خطر زمانوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں پیش گوئیاں موجود ہیں۔ افسوس کہ اس وقت امت انہی غلطیوں کو اجتماعی طور پر زور و شور سے دھرا رہی ہے جن کے نتیجہ میں ماضی کی مسلم آبادی کو اپنے نصف حصہ سے محروم ہونا پڑا تھا۔ جب آپ اس کتاب کا مطالعہ کریں گے اور پھر اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائیں گے تو آپ کو کائنات کی ہر چیز چیخ چیخ کر پکارتی ہوئی محسوس ہوگی کہ آج ہم ایک مرتبہ پھر انتہائی مجرمانہ کردار ادا کرتے ہوئے اپنی اور آیندہ آنے والی نسلوں کے ایمان، عزت و ناموس اور ان کی آزادی کو عالم کفر کی انہی آتشیں آندھیوں کے سپرد کر چکے ہیں جو ہماری ہستی کو پہلے بھی بارہا جلا کر راکھ کر چکی ہیں۔

بارگاہ رب ذوالجلال میں التجا ہے کہ مصنف کی اس شاندار کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر انہیں اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کوشش کو امت مسلمہ کی بیداری کا ذریعہ بنائے۔ (آمین)

خادم ملک وملت
عبدالصبور علوی
مدیر: بیت السلام کراچی

آئینہ قرآن

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا O فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا
بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا O ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ
أَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا O إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ
لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا O عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ
عُدتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا O (سورۃ بنی اسرائیل ع ۱)

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کو یہ بات بتلا دی تھی کہ تم سرزمین میں دو بار خرابی کرو گے اور بڑا زور چلانے لگو گے پھر جب ان میں سے پہلی بار کی میعاد آئے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کر دیں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہو کر رہے گا۔ پھر ہم ان پر تمہارا غلبہ کر دیں گے اور مال اور بیٹوں سے ہم تمہاری امداد کریں گے اور ہم تمہاری جماعت بڑھا دیں گے۔ اگر تم اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لیے اچھے کام کرو گے اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آئے گی (تو ہم پھر دوسروں کو مسلط کر دیں گے) تاکہ مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح پہلے وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔ عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمائے اور اگر تم پھر وہی شرارت کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔ (ترجمہ از بیان القرآن)

آئینہ حدیث......پیش گوئیاں

مخبر صادق نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

1 قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مسلمان ترکوں کی ایک ایسی قوم سے قتال نہ کرلیں جن کے چہرے تہہ بہ تہہ ڈھالوں کی طرح ہوں گے وہ بالوں کے لباس اور بالوں ہی کے جوتے پہنیں گے۔

2 تم قیامت سے پہلے ایسی قوم سے قتال کرو گے جس کے جوتے بالوں کے ہوں گے، ان کے چہرے گویا تہہ بہ تہہ ڈھالوں کی طرح ہوں گے سرخ چہروں اور چھوٹی آنکھوں والے ہوں گے۔

3 قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک تم ایسے لوگوں سے قتال نہ کرلو جو چھوٹی آنکھوں اور چھوٹی چپٹی ناکوں والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم ج۲ص ۳۹۵)

صحیح مسلم کے شارح اور عالم اسلام پر تاتاری یلغار کے عینی شاہد امام نووی رحمہ اللہ علیہ (متوفی ۶۷۶ھ) ان احادیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''بلاشبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی علامات والے ان ترکوں (یعنی تاتاریوں) ① سے قتال کا مشاہدہ ہوگیا ہے......وہ لوگ ان تمام علامات کے ساتھ ہمارے زمانے میں پائے گئے ہیں اور مسلمانوں نے ان سے بارہا قتال کیا ہے جو اب تک جاری ہے۔ (مسلم شریف حاشیۃ ''المنہاج'' شرح مسلم للنووی، ج۲ص ۳۹۵ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ملا علی بن سلطان القاری فرماتے ہیں:

زیادہ قریب الفہم بات یہی ہے کہ ان احادیث میں چنگیز اور اسکے ساتھیوں کے ہاتھوں برپا ہونے والے فساد کی جانب اشارہ ہے۔ (مرقات ج۱۰ص ۱۴۲)

امام ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی رحمہ اللہ نے ان احادیث کی تشریح کے بعد فرمایا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے بالکل مطابق یہ خبر واقع ہو چکی ہے، مسلمان عراق عجم میں سلطان خوارزم رحمہ اللہ ② کی قیادت میں ان سے قتال کر چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے مقابلے میں سلطان کی نصرت فرمائی تھی، مگر پھر پانسہ تاتاریوں کے حق میں پلٹ گیا اور وہ عراق عجم اور دیگر ممالک پر قابض ہو گئے اور اس وقت ③ ان کے ایسے بڑے بڑے گروہ یورش کر رہے ہیں جنکی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور مسلمانوں سے ان کو ہٹانے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں (ان کی تعداد کی کثرت کی وجہ سے) یوں لگتا ہے کہ یہ لوگ یاجوج ماجوج ہیں یا ان کی آمد کی تمہید ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ انہیں ہلاک کردے اور ان کی جمعیت کو منتشر کردے، چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قوم کی تعداد، ان کی کثرت اور ان کی طاقت وشوکت کا علم ہو گیا تھا اس لیے آپ یہ نصیحت فرما گئے تھے

کہ "جب تک ہوسکے "ترکوں" کو ان کے حال پر رہنے دینا" ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب بھی ان کافروں کے خلاف نصرت اور فتح کی امید رکھتے ہیں۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ۷ ص ۲۳۸)

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ ان احادیث کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق ان واقعات کا ایک حصہ ۶۱۷ھ میں پیش آچکا ہے، ترکوں (تاتاریوں) کا ایک عظیم لشکر ظاہر ہوا جس نے ماوراء النہر اور خراسان کے باشندوں کو ہلاک کر دیا صرف وہی لوگ بچے جنھوں نے غاروں میں پناہ لی۔ دنیا کے اسلام کو پامال کرتے ہوئے یہ لوگ قہستان تک جا پہنچے۔ رے، قزوین، ابہر، زنجان، اردبیل اور آذربائی جان کا پایہ تخت مراغدان کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ (عمدۃ القاری، باب قتال الترک)

حواشی وحوالہ جات

① ...... تاتاری ترک بن یافث بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کے باعث ترکوں ہی کی ایک قدیم مگر غیر معروف شاخ تھے۔

② ...... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ رحمہ اللہ مراد ہیں اس لیے کہ انہوں ہی نے تاتاریوں کو کئی شکستیں دی تھیں، ان کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو تاتاریوں کے مقابلے میں ایک بار بھی فتح حاصل نہیں ہوئی تھی۔

③ ...... یہ تحریر ۶۲۷ھ کی ہے۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

یہ عبرت انگیز داستان عالم اسلام پر تاتاری حملے کے پس منظر، اس کے اسباب وعلل، عواقب واثرات اور اس ہمہ گیر تباہ کاری سے عالم اسلام خصوصاً حرمین شریفین کو بچانے کے لیے سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ کی جہادی خدمات کے موضوع پر تحریر کی گئی ہے۔

راقم کو اس موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سوال کا جواب قدرے وضاحت سے پیشِ خدمت ہے۔ کتب حدیث (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ) میں ''اشراط الساعۃ'' کے ضمن میں قیامت سے قبل مسلمانوں اور ترکوں کے درمیان جنگوں کی پیش گوئیوں پر مشتمل احادیث متعدد طرق اور مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہیں، جن میں ان ترکوں کا حلیہ تک بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اکثر شراح حدیث نے پورے شرح صدر کے ساتھ تاتاری یلغار کو ان احادیث کا مصداق قرار دیا ہے خصوصاً ساتویں صدی ہجری کے شارحینِ حدیث جو تاتاری یلغار کے وقت موجود تھے حضور خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو کھلی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھنے کا برملا اظہار کر چکے ہیں اور اس معجزے کے ظہور کی چشم دید شہادت دے چکے ہیں۔ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات محدثین کی آراء کی روشنی میں ہمیں اس دور کی غیر معمولی اہمیت، ان جنگوں کے ناقابلِ تردید اثرات، ان حوادث کی خاص وقعت اور اس انقلاب کے حیرت انگیز نتائج کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

ان احادیث سے واقفیت سے قبل اس دور کی تاریخ کے مطالعے کے باعث راقم کو اس موضوع سے پہلے ہی دلچسپی تھی، تاریخ اسلام میں سقوطِ بغداد اور فتنہ تاتار کے مطالعے کے دوران میں سلطان جلال الدین کے شجاعانہ کردار سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ مذکورہ احادیث سامنے آنے کے بعد اس موضوع پر کام داعیہ مزید اہمیت اختیار کر گیا۔ انہی دنوں عظیم مؤرخ، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تاریخ دعوت و عزیمت کے مطالعے کا موقع ملا جس کی پہلی جلد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ نے ''فتنہء تاتار اور اسلام کی ایک نئی آزمائش'' کے عنوان سے تقریباً بتیس صفحات پر ایک فکر انگیز مضمون تحریر کیا ہے اور اس میں تاتاری حملے کے اسباب، اس کے ظہور کے وقت عالمِ اسلام کی بدحالی، اس حادثے سے طاری ہونے والی زبردست تباہی اور اس کے بعد تاتاریوں میں یک دم اسلام کی اشاعت کا نہایت مؤثر انداز میں جائزہ لیا ہے اور بڑے بلیغ پیرائے میں فکر ونظر کے نئے زاویوں کی طرف راہنمائی کی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ فاضل مؤرخ نے کتاب کے دیباچے میں اس باب میں مزید پیش رفت کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے کہا ہے:

''مواد اور وقت دونوں کی کمی، اور مصنف کی بعض معذوریوں کی بنا پر اس باب میں اضافہ اور ترقی

کی بڑی گنجائش ہے لیکن یہ ایک ابتدائی کوشش اور ایمانی فکر ونظر کا ایک نمونہ ہے جس کو بہت آگے بڑھایا جاسکتا ہے۔''

صاحبِ ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کی اس راہنمائی سے اس میدان میں کام کی ضرورت کا احساس مزید شدت سے دامن گیر ہوگیا، اور اس موضوع پر تحقیق کے نئے راستوں اور دروازوں کی طرف راہنمائی ملی، اس کام کے کئی اور پہلو سامنے آگئے جن میں سے ہر ایک پر مستقل کتاب تصنیف کی جاسکتی ہے، مگر سرِ دست میں نے اتنا ضروری سمجھا کہ تاتاری یورش کے پسِ منظر، اس کی ظاہری ومخفی وجوہات، اس کی تباہ کاریوں کی قدرے تفصیل، نیز خوارزم شاہی خاندان کے متعلق ضروری معلومات اور اس سیلابِ محشر خیز کے راستے میں رکاوٹ بننے والے عظیم مجاہدین خصوصاً سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبرتی کی جدوجہد اور قربانیوں کی داستان کو محفوظ کرلیا جائے۔

راقم نے ان اہداف کو سامنے رکھ کر مواد کی تلاش میں کتبِ تاریخ کی ورق گردانی شروع کردی اور سلطان جلال الدین کے حالات کا کھوج لگانے کے لیے اپنی کوشش اور جستجو کا دائرہ کار بڑھا دیا، میں ایک بار پھر ایک عرصے تک اس فکر میں بھی سرگرداں رہا کہ سلطان کے حالات پر قدیم یا جدید دور میں تحریر کردہ کوئی مستقل تصنیف دستیاب ہو جائے تاکہ میرا کام آسان ہوسکے مگر بڑے بڑے کتب خانوں کی خاک چھاننے کے بعد بھی اس موضوع پر کوئی کتاب ہاتھ نہ لگی۔ اس مردِ مجاہد کے حالات کسی ایک کتاب میں یکجا نہ مل سکے، جن کتابوں میں سلطان جلال الدین کا تذکرہ ملا وہ ضمنی انداز میں تھا، ان میں سلطان جلال الدین کی زندگی کے مختلف اور متنوع حالات منتشر اور متفرق انداز میں بکھرے ہوئے نظر آئے۔ صرف سلطان کے احوال سے بحث کرنا ان کتب کا موضوع نہیں تھا، اس لیے سلطان کی تاریخی جدوجہد اپنی اہمیت کے لحاظ سے جس ترتیب، تحقیق، اور تشریح کا تقاضا کررہی تھی، یہ مآخذ اسے پورا کرنے سے قاصر تھے۔ تب میرے دل میں یہ تقاضا بڑی شدت کے ساتھ پیدا ہوا کہ کاش اس مجاہد کے کارنامے کسی ایک کتاب میں تفصیل سے دستیاب ہوجائیں۔

ایک مدت تک جب میں اس کوشش میں ناکام رہا تو سوچنے لگا کیوں نہ خود سلطان کے حالات کو جمع کرکے انہیں کتابی شکل دی جائے۔ اپنی نااہلیت اور بے بضاعتی کے باوجود اس صورتحال کے پیشِ نظر راقم نے وقت کی ضرورت اور سلطان جلال الدین رحمہ اللہ کا حق سمجھتے ہوئے اس اہم اور نازک کام کی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔ اور شوال ۱۴۱۸ھ (فروری ۱۹۹۸ء) میں اللہ کا نام لے کر اس کام کا آغاز کردیا جو گزشتہ آٹھ صدیوں سے امت کے اہل علم پر قرض تھا۔ عالمِ اسلام کے دفاع کے لیے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے عظیم کارناموں کو ہدف بنا کر کیے جانے والے اس کام میں اس کی وسعت کے باعث بعض وہ موضوعات بھی شامل تھے جن کی تحقیق کی ضرورت کا ذکر میں پیچھے کرچکا ہوں۔ تاریخ نویسی ویسے ہی ایک نازک اور دشوار فن ہے، روایات کے پلندے میں سے رطب ویابس کو جھاڑ کر صحیح اور سچی بات پیش کرنا روایت اور درایت کے فن سے گہری آشنائی کے بغیر ممکن نہیں پھر جب مطلوبہ خاص موضوع پر پہلے سے کوئی تصنیف بھی سامنے نہ ہو تو کام جتنا مشکل ہوجاتا ہے اس کا اہل علم کو خوب اندازہ ہے۔

یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے یہ بتاتا چلوں کہ اس موضوع پر کام کے دوران ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ میں سلطان کے بارے میں مؤرخین کی متضاد آرائی کے باعث اس تشویش کا شکار ہوگیا کہ کہیں یہ دلیر بادشاہ محض خاندانی انا

کے لیے لڑنے والا ایک لیڈر تو نہ تھا!!۔

دراصل تاریخ کی متداول کتب میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبرتی کا نام جہاں ایک بہادر حکمران کے طور پر سامنے آتا ہے وہاں انہیں ایک شکست خوردہ سپاہی، ایک آوارہ گرد مہم جو اور ایک ایسے عاقبت نااندیش بادشاہ کے طور پر بھی متعارف کرایا گیا ہے، جو تاریخ میں کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکا اور بے مقصد لڑ بھڑ کر گمنامی کی موت مر گیا۔ اس قسم کے بعض مؤرخین کی مبالغہ آمیز طعن و تشنیع سے متاثر ہونے کے بعد راقم کا احساس یہ تھا کہ سلطان کو ایک سرفروش قائد کی حیثیت سے کرانا زیادتی ہوگی اور یہ کہ سلطان کی مدح سرائی کرنے والے چند تاریخ نگار ایک نا اہل شخص کی تعریف و توصیف کے مرتکب ہوئے ہیں۔ ان دنوں میں اپنی کتاب کے حصہ اول کے دوسو کے لگ بھگ صفحات لکھ چکا تھا مگر اس غیر متوقع صورتحال سے جو میرے مقصد کے برعکس تھی، جہاں سلطان سے میری عقیدت کو شدید دھچکہ لگا وہاں اس موضوع پر مزید محنت کی ہمت بھی نہ رہی اور میں نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا۔

پھر نہ معلوم کیوں اس جذبے کے ساتھ میری توجہ دوبارہ اس کام کی طرف ہوگئی کہ میں حقیقت تلاش کروں گا چاہے وہ کتنی ہی تلخ کیوں نہ ہو۔ اس سے قبل میرے مطالعے کا دائرہ کار ان کتب تک محدود تھا جو اسلامی کتابوں کی مارکیٹ میں عام مل جاتی ہیں یا ہر بڑے کتب خانے میں دستیاب ہو جاتی ہیں مگر اب میں نے ہر اس کتاب کی تلاش شروع کر دی جو میرے علم کے مطابق کہیں موجود تھی۔ اس وسیع پیمانے پر مطالعے سے جہاں اس موضوع پر معلومات کے نت نئے خزانے ملے وہاں سلطان کے بارے میں میرا مذکورہ تاثر بھی پائیدار ثابت نہ ہوا۔ جوں جوں مطالعہ بڑھا اور ماٰخذ کی تلاش اور جستجو میں پیش قدمی ہوئی تو سلطان کی زندگی کے نئے نئے پہلو سامنے آتے گئے اور اعتراضات والزامات کی دھند چھٹتی چلی گئی، بالآخر میں یہ محسوس کرنے لگا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی شخصیت کُہر کی دبیز تہہ سے برآمد ہو کر روشنیاں بکھیرنے والے سورج کی طرح، اپنی تمام تر رعنائیوں سے ساتھ میرے سامنے جلوہ گر ہو چکی ہے۔

مجھے کتاب پر از سرنو کام کرنا پڑا تھا مگر میں خوش تھا کہ میں جہالت کی رو میں اندھا دھند بہنے سے بچ گیا ہوں۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس ہو گیا کہ سلطان جلال الدین پر وارد شدہ اکثر اعتراضات و اشکالات ان کے حالات سے صحیح معنوں میں ناواقفیت پر مبنی ہیں، ان کے بارے میں مشہور غلط فہمیاں ان کی جدوجہد کے گہرے پسِ منظر سے لاعلمی کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ تاریخ کے چند مصادر دیکھنے والے شخص کا سلطان جلال الدین کے متعلق یہی تاثر ہوتا ہے کہ وہ اپنی شجاعت اور دلیری کے باوجود ایک نا اہل حکمران تھے جنہیں مسلم سلاطین میں کوئی نمایاں مقام نہیں دیا جا سکتا، مگر تحقیق اور جستجو کے ساتھ اس عہد کی تحریروں کا وسیع مطالعہ کرنے اور خاص کر اس ہوش ربا دور کی فتنہ انگیزی کو مدنظر رکھنے اور سلطان کی تمام تر کدو کاوش کے پسِ منظر کا بغور جائزہ لینے سے نہ صرف بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے، بلکہ تاریخِ اسلام کے اس فیصلہ کن اور انقلابی موڑ پر سلطان کا کلیدی کردار بھی واضح ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ سطح مرتفع پامیر سے لے کر کوہِ قاف تک اور بحیرہ کیسپین سے لے کر دریائے سندھ تک پھیلی ہوئی سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی تاریخی معرکہ آرائیاں دراصل ایک ایسی عظیم جہادی تحریک کا ظہور تھی جسے ہم کسی بھی لحاظ سے صلیبیوں کے مقابلے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے جہاد سے کم نہیں قرار دے سکتے۔

مسلم سلاطین اور فاتحین میں سلطان جلال الدین وہ واحد شمشیر زن ہیں جنہوں نے دنیا کی ایسی چار اقوام سے جہاد کیا جو مسلمانوں کی سخت دشمن تھیں۔ وہ منگولیا سے یلغار کرنے والے تاتاریوں سے لڑے۔ ان کی تلوار نے ہندو راجاؤں سے برصغیر کے وسیع وعریض علاقے کو آزاد کرایا۔ انہوں نے عیسائیوں سے بھی جہاد کیا اور گرجستان کو پہلی بار مکمل طور پر اسلامی عمل داری میں شامل کیا۔ ان کی شمشیر باطنی فدائیوں کے خنجروں کے بالمقابل بھی چمکی اور اس اسلام دشمن گروہ کو انہوں نے اس طرح کچلا کہ صدیوں تک اسے سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

افسوس کہ اسلام کے اتنے عظیم سپوت کے حالات ضبط کرنے میں بڑی کوتاہی سے کام لیا گیا ہے، حالانکہ ان کی انتھک کاوشیں اور بے مثال جہادی مہمات اس کی حقدار تھیں کہ ملت اسلامیہ کو ان سے روشناس کرایا جاتا اور ان سے شجاعت، حمیت اور ایثار و سرفروشی کا مؤثر درس لیا جاتا۔ اس تاثر کے تحت راقم نے یہ بھی ضروری سمجھا کہ جہاں سلطان جلال الدین کے حالات اور ان کے کارنامے پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیے جائیں وہاں ان کے متعلق بدگمانیوں کا قلع قمع بھی کیا جائے تاکہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے بغیر ان کے صحیح مقام سے آگاہ ہوسکیں۔

اس کام کی انجام دہی کے لیے میرے سامنے مندرجہ ذیل مراحل تھے:

1 ...... تاریخ کے قدیم اور نایاب مآخذ و مصادر کی تلاش اور ان کا حصول۔

2 ...... ان کا از سرِ نو گہرا مطالعہ کرنا۔

3 ...... باہم مخالف روایات پر غور وخوض کر کے ان میں تطبیق کی صورت نکالنا، یا بعض روایات کو درایت کے اصول پر دیگر روایات پر ترجیح دینا۔

4 ...... باہم غیر متخالف روایات میں مذکور ایک ہی واقعے کے منتشر اجزاء کو یکجا کرنا۔

5 ...... حاصل شدہ تمام معلومات کو ترتیب دے کر اپنی عبارت میں منتقل کرنا۔

عبارت میں واقعات کی ترتیب کو ایسے ادبی رنگ اور ایسی جاندار منظر کشی کے ساتھ پیش کرنا جس سے کتاب بوجھل محسوس نہ ہو اور قارئین کی دلچسپی برقرار رہے۔ گویا مجھے تاریخ و تحقیق کے ساتھ ساتھ ادب و انشاء کا حق بھی ادا کرنا تھا۔ ان تمام مراحل میں سے پہلا اور آخری مرحلہ سب سے دشوار تھے۔ مطلوبہ کتب کا حصول کوئی آسان کام نہ تھا، کتابوں کا ذاتی سرمایہ بہت کم تھا، مطلوبہ مآخذ میں سے اکثر نایاب تھے۔ ان کا حاصل کرنا جوئے شیر دریافت کرنے کے مترادف تھا، بہرحال تلاش جاری رہی اور بالآخر ملک کے بڑے بڑے کتب خانوں کی طرف رجوع کرنے سے مطلوبہ کتب کا خاصا حصہ مہیا ہوگیا مگر اس کے باوجود بعض اہم مآخذ تک رسائی ممکن نہ ہوسکی۔ اگر یہ مآخذ مل گئے تو آئندہ ایڈیشن میں بہت سے مفید اضافے ہوسکتے ہیں۔

تاریخ پر کسی تالیف کے دوران مذکورہ واقعات کے دنوں، مہینوں اور سالوں کی صحیح تعین ایک بہت اہم مسئلہ ہوتا ہے، راقم جس موضوع پر کام میں مشغول تھا، اس میں بہت سے واقعات کی صحیح تاریخ کا کسی کتاب میں ذکر نہیں اور بہت سے واقعات کی تاریخوں میں روایات کا زبردست اختلاف ہے۔ اس مرحلے پر راقم کو بعض جگہ قرائن سے کام لے کر ماہ وسن کا اندازہ کرنا پڑا اور بعض مقامات پر تاریخوں کے اختلاف کے درمیان ترجیح کا طریقہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ یہ محض اللہ سبحانہٗ وتقدس کی توفیق ہے کہ تیرہ سال کی مدت میں مجھ جیسے بے مایہ شخص کے ہاتھ سے یہ کام پایہ

تکمیل کو پہنچ سکا ورنہ اس کام میں درپیش مشکلات سے نبرد آزما ہونا میرے بس کی بات نہ تھی۔

اس تالیف میں خالص تحقیقی انداز کی خشکی نہیں، بلکہ کتاب کے بہت سے مواقع پر واقعات کی منظر کشی نے اسے ایک داستان کا رنگ دے دیا ہے اور میں ایسا کرنے پر مجبور تھا اس لیے کہ تاریخ کے جھروکوں سے دعوتِ نظارہ دینے والے بہت سے مناظر مجھے اس پر برانگیختہ کرتے تھے کہ میں اپنے قارئین کو بھی اس احساس سے آشنا کراؤں جو میں خود اس موقع پر محسوس کر رہا تھا، خاص کر جہاں کوئی مؤرخ حق کے سپاہیوں اور باطل کے علمبرداروں کے ٹکراؤ کا تذکرہ کرتا تو میرے تصور میں ابھرتی ہوئی نیزوں کی چمک، شمشیروں کی کاٹ اور تیروں کی سرسراہٹ مجھ سے مطالبہ کرتی کہ میں اس تاثر کو سطحِ قرطاس پر منتقل کر کے اپنے قارئین کو بھی اس دور کے تاریخی معرکوں کی سیر کراؤں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تالیف تحقیق برائے تحقیق نہیں بلکہ تحقیق برائے دعوتِ عمل ہے۔

اس تالیف میں محض تحقیقی انداز اختیار نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس صورت میں باہم متخالف روایات پر تفصیلی بحث کرنا، تطبیق یا ترجیح کا طریقہ اختیار کرنا اور پھر اس کے دلائل پیش کرنا میری ذمہ داری ہوتی اور ظاہر ہے کہ اس طرح کام کی مشکلات کے ساتھ ساتھ کتاب کی ضخامت بھی کئی گنا بڑھ جاتی اور قارئین کے لیے نہ صرف اتنی مہنگی کتاب خریدنا مشکل ہوتا بلکہ اس اکتا دینے والے انداز پر مشتمل تصنیف کو پڑھنا بھی ہر کسی کے بس میں نہ ہوتا، لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اختلافی روایات کے بارے میں غور وخوض سے کام نہیں لیا گیا بلکہ ایسی روایات کو پرکھا گیا ہے، اور جہاں تطبیق ممکن نہ ہوئی تو ترجیح کا طرز اختیار کیا گیا ہے اور اس کے لیے حتی الامکان قرائن وشواہد پر غور کیا گیا ہے، البتہ چند مقامات ایسے بھی ہیں جہاں اپنے ذوق اور وجدان پر کسی روایت کو اختیار کیا گیا ہے۔ بہر حال قارئین کو ان الجھنوں سے بچانے کے لیے راقم نے حتی الامکان اس اختلاف کو سامنے لانے سے گریز کرتے ہوئے عموماً ایک ہی راجح روایت پر اکتفا کیا ہے، یا ایسی عبارت اختیار کی ہے جس سے مخالف روایات میں تطبیق ہو جائے، یا ان کا اختلاف کم سے کم ہو جائے۔ البتہ بعض مواقع پر ضرورت سمجھتے ہوئے کتاب کے متن یا حاشیے میں اختلافِ روایات کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے نیز بعض اہم مقامات پر غلط روایات پر مختصر بحث بھی کی گئی ہے۔

راقم کا احساس ہے کہ سلطان جلال الدین کے بلند مقام سے صحیح معنوں میں اس وقت تک آگاہی نہیں ہوسکتی جب تک اس پر آشوب دور اور ان کٹھن حالات کے پس منظر سے واقفیت نہ ہو جن کے دائرے میں سلطان نے اپنی لافانی جہادی مہمات سرانجام دیں۔ اس ضرورت کے تحت اس تالیف کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، پہلا حصہ اس پس منظر کی وضاحت کرتا ہے جس کے آئینے میں ہم سلطان کی جد وجہد کا صحیح مقام متعین کر سکتے ہیں، گویا یہ حصہ سلطان کے کارہائے نمایاں کے لیے تمہید کی حیثیت رکھتا ہے اور اس میں سلطان کی زندگی کی جھلکیاں ضمناً شامل ہیں۔

کتاب کا دوسرا حصہ براہ راست سلطان جلال الدین کی سرگزشتِ جہاد بیان کرتا ہے، اس میں سلطان کی تخت نشینی سے لے کر ان کی شہادت تک کے حالات ذکر کیے گئے ہیں۔ تاہم یاد رہے کہ یہ تالیف سلطان جلال الدین کی سوانح حیات نہیں ہے بلکہ اس کا اصل موضوع اس نازک دور کے پس منظر میں سلطان کے جہادی کارناموں کا تذکرہ ہے، اس لیے سلطان کے وہ حالات جو کسی طرح بھی اس موضوع سے متعلق نہ تھے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ اہل ذوق ان سے آگہی کے لیے کتاب کے اصل مآخذ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

یہ بھی نہ بھولیں کہ سلطان جلال الدین کی زندگی کے جس پہلو نے مؤلف کو اپنا گرویدہ بنا کر اس کتاب کی تیاری پر برانگیختہ کیا، وہ عالم اسلام کے دفاع کے لیے سلطان کا بے پناہ قربانیاں دینا ہے، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے ہمیں سلطان کی ذات میں بعض عیوب نظر آ سکتے ہیں مگران کمزوریوں کی وجہ سے ہم سلطان کے عظیم احسان کو فراموش نہیں کر سکتے۔ ذاتی خامیوں، کوتاہیوں اور لغزشوں سے انبیاء علیہم السلام کے سوا بھلا کون پاک ہوسکتا ہے۔ اس لیے کتاب کا مطالعہ فقط اس نگاہ سے کریں کہ مؤلف نے آپ کے سامنے ایک شخص کی ایثار پیشہ زندگی کا ایسا مرقع پیش کیا ہے جو اپنے اندر دعوتِ عمل، درسِ شجاعت اور سامانِ عبرت کا وافر حصہ لیے ہوئے ہے۔ مؤلف نے اسی تاثر کے ساتھ یہ اوراق تحریر کیے ہیں اور اپنی خامہ فرسائی سے اس دردِ دل کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر قارئین بھی اس تاثر کو محسوس کر کے سچائی کے راستے میں آنے والی مشکلات سے نہ گھبرانے اور حق پر ڈٹ جانے کا عزم کرلیں تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے شوال ۱۴۱۸ھ (فروری ۱۹۹۸ء) میں شروع کیا جانے والا یہ کام رمضان ۱۴۳۱ھ (اگست ۲۰۱۰ء) میں تکمیل کو پہنچ رہا ہے، مجھ سے بے مایہ اور کم استعداد شخص کے ہاتھوں اس عظیم کام کی انجام دہی محض خالق جل شانہٗ کی دست گیری سے ممکن ہوئی۔ بندہ حیران ہے کہ اس توفیق پر اپنے خالق و مالک کا کس زبان سے شکر ادا کرے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا اَنْتَ اَھْلُہ. اَللّٰھُمَّ لا اُحْصِیُ ثَنَاءً عَلَیْکَ اِلَّا کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِہٖ

اس تالیف میں جو ذرّۂ خیر ہے وہ میرے رب کی طرف سے ہے اور جو مادّۂ شر ہے وہ میری جانب سے ہے۔
برادرِ عزیز مولانا رشید احمد منیب نے کتاب کی تصحیح میں بڑی جانفشانی سے کام لیا، نیز بہت سے مفید مضامین کی طرف راہنمائی کی اور بعض جگہ کارآمد حواشی کا اضافہ بھی کیا۔

حق تعالیٰ شانہٗ تمام معاونین کو بہترین جزائے خیر مرحمت فرمائے۔

محمد اسماعیل ریحان، کراچی

دس رمضان ۱۴۳۱ھ۔ بیس اگست، ۲۰۱۰ء شب تین بجے

آیئے! سچائی تلاش کریں

مکافاتِ عمل فطرت کا اٹل قانون ہے جو ہر زمانے میں سچا اور حتمی ثابت ہوا ہے۔ فرد کی زندگی سے لے کر قوموں کی حیات تک میں یہ قانون کارفرما نظر آتا ہے۔ اقوامِ عالم کے عروج اور تنزل کی عبرت انگیز تاریخ، بڑی بڑی مملکتوں اور حکومتوں کے قیام اور ان کی شکست وریخت کے افسانے، دنیا کے قدیم مذاہب اور نظریاتی تحریکوں کی کامیابی اور پھر ان کی ترقی معکوس کی داستانیں اس قانونِ الٰہی کی اثر انگیزی پر گواہ ہیں۔

بنی اسرائیل کی تاریخ کے دو عظیم انقلابات ..... قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے عروج وزوال کی داستان جس انداز سے بیان کی ہے وہ مسلمانوں کو دعوتِ غور وفکر دیتی ہے۔ جب اس قوم کی سرکشی اور نافرمانی تمام حدود سے تجاوز کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ادبار وحرمان کی گھٹاؤں کو مسلط کر دیا، بخت نصر بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا پیام بن کر بابل سے آیا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر بنی اسرائیل کے فلک بوس اقبال کو پیوندِ زمین کر گیا۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلٰلَ الدِّيَارِ.

(پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آئے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے۔)

ایک طویل عرصے کے بعد انبیاء علیہم السلام کی دعوت سے ان کے مردہ قلوب میں پھر حیات کے آثار پیدا ہوئے اور اس قوم نے ذلت وخواری کی پستی سے نکل کر اقوامِ عالم میں پھر اپنا مقام پیدا کیا مگر یہ دورِ عروج بھی پائدار ثابت نہ ہوا کفر وشرک، تکذیبِ رسل، تکبر وتفاخر، ظلم وستم، مکر وفریب، عیش وعشرت اور تحاسد وانتشار جیسے ان کے عظیم جرائم نے پھر قہرِ الٰہی کو دعوت دی۔

فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْءُ وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا.

(پھر جب پچھلی بار کی میعاد آئے گی تو پھر ہم دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ مار مار کر تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی گھس پڑیں اور جس جس پر ان کا زور چلے سب کو برباد کر ڈالیں۔)

تباہی و ہلاکت کی یہ دوسری پیش گوئی یورپی حملہ آور طیطوس رومی کے ہاتھوں پوری ہوئی جس نے نسلِ یہود کو خاک وخون میں لت پت کر کے القدس کو شعلوں کا لبادہ پہنا دیا۔

اس امت کی تاریخ کے دو عظیم ترین حادثے ..... بنی اسرائیل کی تاریخ کا یہ اجمالی خاکہ ذہن نشین کرنے کے بعد ہم امت مسلمہ کی تاریخ اور اس کے مد وجزر کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان اسلام کو اپنی

متاعِ عزیز سمجھتے رہے، اللہ کی توحید، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت پر ان کا ایمان پختہ اور گہرا رہا، جہاد ان کا محبوب مشغلہ رہا اور ان کی نگاہوں میں دنیا کی زندگی حقیر و بے ثبات رہی وہ اللہ کی زمین پر خلافت و قیادت کے حق دار رہے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے نظام کا نفاذ ان کا نصب العین تھا، ان کی زندگی سراپا دعوتِ اسلام تھی، ان کی راتیں سجدہ ریزی میں اور دن شہہ سواری میں بسر ہوتے تھے، ان کے خلفاء چین سے لے کر فرانس تک کے تاجداروں سے خراج وصول کرتے تھے۔ ان کے اخلاق تمام اقوام عالم کے لیے نمونہ عمل تھے، ان کی معاشرت، معیشت، تمدن اور تہذیب سے یورپ و افریقہ کے ظلمت کدوں میں ارتقا کا تموج پیدا ہوا۔ مشرق و مغرب والوں نے ان سے اصول جہانبانی سیکھے، دنیا کی ہر قوم ان کی آگے سرنگوں تھی اور ترقی کے ہر میدان میں ان کی خوشہ چین تھی۔ مگر آخر کار اسلام کا یہ سنہرا دور ختم ہوا اور اس کی رفتارِ عروج دھیرے دھیرے تنزل کی جانب گامزن ہوئی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی حرارت سرد پڑنے لگی، مادہ پرستی، دنیوی ترقی، نفع پسندی اور آرائش و آسائش کی طمع دلوں میں جگہ بنانے لگی۔

رفتہ رفتہ دنیا کی چاہت دلوں میں اس قدر گھر کر گئی کہ آخرت میں جوابدہی کا تصور پس منظر میں چلا گیا، اللہ کی کھلم کھلا نافرمانیوں کا زور ہو گیا، موت سے کراہت محسوس ہونے لگی اور اللہ کے راستے میں سربکف ہو کر میدان کارزار میں اترنے والے رجالِ کار روز بروز کم ہوتے گئے حتیٰ کہ فریضۂ جہاد کو طاق نسیان میں رکھ کر امت ہمہ تن باہمی اکھاڑ پچھاڑ میں مشغول ہو گئی۔ چوتھی صدی ہجری میں مرکز خلافت کے کمزور پڑنے اور نت نئی خود مختار حکومتوں کی روز مرہ تشکیلات سے امت مسلمہ کے تنزل کی رفتار حد درجہ تیز ہو گئی اور چھٹی صدی کے آخر تک عالم اسلام انتشار و افتراق کی آخری حدود کو چھو رہا تھا جب کہ کافر حکمران بڑے کروفر سے عالمِ اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے نگلنے کی تیاریاں کر رہے تھے، غرضیکہ وہ امت مرحومہ جسے اس کے مشفق و مربی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک جسم اور ایک عمارت کی حیثیت دے کر گئے تھے چھ صدیوں بعد اس کی شکست و ریخت کے آثار و اسباب مکمل ہو چکے تھے۔

چونکہ قانونِ مکافاتِ عمل ہر قوم اور ہر امت کے لیے یکساں ہے اس لیے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اپنے تمام فضائل و کمالات کے باوجود قدرت کے اس حتمی دستور کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کی طرح یہ امت بھی (روز اول سے لے کر اپنی موجودہ دور کی تاریخ تک) دو مرتبہ قانونِ الٰہی کے تحت ظہور پذیر ہونے والے ایسے ہمہ گیر حوادث کا نشانہ بنی، جن کی تباہ کاری اور ہلاکت خیزی نے تقریباً سارے عالمِ اسلام کو تہہ و بالا کر ڈالا، اور پوری اسلامی دنیا فنا و بقا کی زبردست کش مکش میں مبتلا ہو گئی۔

چھٹی صدی ہجری کے اختتام اور ساتویں صدی ہجری کے آغاز پر امت مرحومہ کو وہ پہلا عظیم حادثہ پیش آیا جو اہل اسلام کی غفلتوں اور کوتاہیوں کے تسلسل کی پاداش میں فطرت کا ایک شدید تازیانہ تھا اور جس کے صدمے سے تمام عالمِ اسلام کی زندگی داؤ پر لگ گئی تھی۔ یہ منگولیا کے درندوں کی بلاخیز یلغار تھی جس نے عالمِ اسلام کو خاکستر کر دیا، آباد زمین کے نصف حصے کو کھنڈر بنا دیا اور خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ کر دیا۔

اسلامی تاریخ کا دوسرا عظیم ترین المیہ عالمِ اسلام پر اقوامِ مغرب کا موجودہ عالمی تسلط ہے جس کی ابتدا بارہویں صدی ہجری (اٹھارہویں صدی عیسوی) میں ہوئی اور جس کے ہمہ گیر تخریبی اثرات سے عالمِ اسلام کا کوئی گوشہ محفوظ نہیں رہ سکا، جس میں فرانس، برطانیہ، روس اور امریکا کبھی یکے بعد دیگرے اور کبھی متحد ہو کر پورے عالم اسلام کو یرغمال

بنائے ہوئے ہیں، قوامِ مغرب کا یہ حملہ اسلام کی جغرافیائی سرحدوں پر بھی ہوا اور نظریاتی سرحدوں پر بھی۔ برصغیر سمیت تقریباً سارے اسلامی ممالک ایک طویل عرصے تک ان کے زیرنگین رہے۔ غلامی کی اس منفی تاثیر سے مسلمانوں کی اکثریت اپنے دین و مذہب، اپنے اسلاف کے علمی ورثے، اپنی معاشرت، تہذیب تمدن اور ثقافت غرضیکہ ہر شے سے لاتعلق ہو کر رہ گئی۔ غیروں کی کفش برداری اور ان کی نقالی کو سرمایہ فخر سمجھا جانے لگا، غیر مسلم حملہ آوروں کی غلامی کرتے کرتے مسلمان جذبہ حریت اور قومی غیرت سے محروم ہو گئے اور جہاد کا لفظ اور مفہوم ان کے لیے اجنبی بن گیا، کافر اقوام کا یہ تسلط ہنوز باقی ہے بلکہ اس وقت اپنی انتہاء پر ہے، افغانستان اور عراق کے بعد اب پاکستان ان کی زد میں ہے، بیت المقدس پانچ عشروں سے ان کے زیر قبضہ ہے اور کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے محاصرے میں ہیں۔ انا للّٰہ و انّا الیہ راجعون.

جب دور حاضر سے ماضی کی طرف پلٹ کر ایک بار پھر ہم منگولیا کے حملہ آوروں کی عالم اسلام پر یلغار کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس جگر پاش حقیقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ اس طوفانِ پر آشوب سے شش صد (٦٠٠) سالہ قدیم اسلامی تہذیب و تمدن خاک میں مل گیا تھا اور مسلمانوں کی افرادی قوت اتنی گھٹ گئی تھی کہ وہ عالمی تناظر میں ایک اقلیت بن کر رہ گئے تھے۔ عالم اسلام کے مغربی شہروں کے سوا کوئی علاقہ تاتاری غارت گروں سے محفوظ نہیں رہ سکا تھا اور جہاں ان کے قدم نہیں پہنچے وہاں بھی ان کا خوف لوگوں کو حواس باختہ کیے دے رہا تھا، ہر شخص یہ یقین کر چکا تھا کہ تاتاری آج نہیں تو کل یہاں بھی آگ اور خون کی ہولی کھیلیں گے۔ اس جانکاہ حادثے میں امت مسلمہ اپنی ہر قسم کی جمع پونجی لٹا بیٹھی، عظیم الشان مساجد، بڑے بڑے مدارس، نادر و گراں مایہ کتب سے پر لائبریریاں، شرابِ معرفت کے جام لنڈھانے والی خانقاہیں...... یہ سب کچھ مٹ گیا۔

عالمِ اسلام کے جلیل القدر ائمہ، فقہاء، محدثین، صوفیاء، محققین، مؤرخین، سائنسدان اور ادیب اسی سیلاب کی لہروں میں گم ہو گئے۔ بڑے بڑے نامور بادشاہ، شہزادے، سپہ سالار اور مجاہد قائدین اسی طوفان کی نذر ہوئے۔ ہزاروں قلعے اور لاکھوں کی آبادی پر مشتمل بڑے بڑے شہر بے نام و نشان ہو گئے، ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ انسانوں کے صفحہ ہستی سے مٹ جانے سے نسلوں کی نسلیں اور قوموں کی قومیں اپنا وجود کھو بیٹھیں۔ چند برس میں دنیا کا نقشہ اس طرح پلٹ گیا جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تاریخ کی ہزاروں تخریب کاریوں اور ہلاکت خیزیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اس مقام پر آ کر مؤرخ بھی تابِ ضبط کھو بیٹھا اور یہ لکھنے پر مجبور ہو گیا:

> ''اس حادثے کی ہولناکی اور دہشت انگیزی کے باعث میں کئی سال تک اس کے تذکرے سے احتراز کرتا رہا، اس کے ذکر کو ناپسند کرتا رہا، اب بھی میں پس و پیش میں ہوں (کہ لکھوں یا نہ لکھوں)۔ ہاں! بھلا اسلام اور مسلمانوں کی موت کا اعلان کرنا کس کے لیے آسان ہے؟...... کون ہے جو اسے احاطۂ تحریر میں لانے کا حوصلہ کرے؟ اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی، اے کاش کہ میں اس حادثے سے پہلے ہی مر گیا ہوتا اور بھولا بسرا ہو چکا ہوتا۔ مگر کچھ دوستوں نے مجھے یہ لکھنے پر آمادہ کیا، حالانکہ میں متذبذب تھا، پھر میں نے سوچا کہ نہ لکھنے کا کوئی فائدہ نہیں، اب میں بتاتا ہوں کہ یہ ایسا حادثۂ عظمیٰ اور مصیبتِ کبریٰ ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ گزشتہ دن اور رات اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔

یہ حادثہ تمام دنیا پر چھا گیا ہے مگر خاص کر مسلمانوں پر۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر آج تک ایسی مصیبت نازل نہیں ہوئی تو وہ یقیناً سچا ہوگا۔ کیونکہ تاریخ میں اس واقعہ کے قریب بلکہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں ملتا۔

بڑے بڑے حوادث کے تذکرے میں مؤرخین جو عظیم ترین حادثہ بیان کرتے ہیں وہ بیت المقدس میں بخت نصر کے ہاتھوں بنی اسرائیل کا قتل عام ہے، مگر درحقیقت بیت المقدس ان شہروں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں جنکو ان بدبختوں (تاتاریوں) نے تباہ و برباد کیا ہے، ان شہروں میں سے ہر ایک بیت المقدس سے کئی گنا بڑا ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے مقتولین کو تاتاریوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے افراد کی تعداد سے کچھ نسبت نہیں ہے، اس لیے کہ ان شہروں میں سے ایک شہر کے افراد کی تعداد بھی بنی اسرائیل کے تمام مقتولین سے زیادہ ہے۔ شاید دنیا والے اس عالم کے فنا ہونے تک اس جیسا حادثہ پھر نہیں دیکھیں گے، سوائے یاجوج ماجوج کی تباہ کاری کے۔ (کہ وہ اس سے زیادہ ہوگی)

جہاں تک دجال کے ظاہر ہونے کا تعلق ہے تو وہ ان لوگوں کو زندہ چھوڑ دے گا جو اس کے تابع ہو جائیں گے اور صرف مخالفت کرنے والوں کو قتل کرے گا، مگر ان تاتاریوں نے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑا، بلکہ عورتوں، مردوں، بچوں سب کو قتل کر ڈالا حتیٰ کہ انہوں نے حاملہ عورتوں کے شکم چاک کر کے بچوں کو نکال کر ذبح کیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن. وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم. یہ ایسا عظیم فتنہ ہے کہ اس کی چنگاریاں ہر طرف اڑ رہی ہیں اور اس کا فساد ہر طرف پھیل چکا ہے، اور یہ شہروں سے اس بادل کی طرح گزرتا چلا گیا ہے جس کو آندھی ہانک رہی ہو۔" (التاریخ الکامل لابن اثیر ج ۷ ص ۵۷۰)

مشہور جغرافیہ دان، مؤرخ اور سیاح یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) جو اس حملے کے وقت سلطنتِ خوارزم کے شہر مرو میں تھے ایک خط میں اس سانحہ پر اپنے غم اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان شہروں میں کفار اور خدا کے منکر گھس چکے ہیں، ان پردوں پر گمراہوں اور دشمنوں کا حکم نافذ ہے، وہ محلات حرفِ غلط کی طرح مٹ چکے ہیں، اب وہ وطن صرف انسانی لاشوں اور کوّوں کا ٹھکانہ بن گیا ہے، وہاں صرف الوؤں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں، ان ممالک کی حدود میں بادِ سموم کے بگولے چل رہے ہیں، دوسروں کا دل بہلانے والا وہاں جا کر خود وحشت زدہ ہو جاتا ہے، تباہی و بربادی کے اس حادثے پر شاید ابلیس بھی مرثیہ کہتا ہوگا۔

كَانْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهَا اَوَانِسَ كَا لدُّمیٰ وَاَقْيَالُ مُلكٍ فِیْ بَسَالَتِهِمْ اُسُدٗ

(گویا کہ وہاں مورتیوں کی مانند حسین و پاکباز خواتین اور اپنی شجاعت میں شیروں جیسے دلیر بادشاہ کبھی آباد ہی نہ تھے۔)

فَمَنْ حَاتِمٌ فِیْ جُوْدِهٖ وَابْنُ مَامَةَ وَ مَنْ اَحْنَفُ اِنْ عُدَّ حِلْمٌ وَ مَنْ سَعْدٗ

(بھلا اب سخاوت میں حاتم اور ابن امامہ کا کردار کون ادا کرے گا۔ اور اگر تحمل کا اندازہ کیا جائے تو احنف اور سعد کون ہوگا۔)

تَدَاعٰی بِهِمْ صَرْفُ الزَّمَانِ فَاَصْبَحُوْا   لَنَـا عِبْرَةً تُدْمِي الْحَشَا وَلِمَنْ بَعْدُ

(زمانے کے حوادث ان کے پرخچے اڑا دیے پس وہ ہمارے لیے اور بعد والوں کے لیے ایسی داستانِ عبرت بن گئے جو جگر کا خون کر دیتی ہے۔) (معجم الادباء ج ۱، ص ۳۴، ۳۵)

آمدند و کندند ..... اس زمانے کے کسی بلیغ انسان نے تاتاریوں کی غارت گری بچشمِ خود دیکھنے کے بعد کہا تھا: ''آمدند و کندند و سوختند و بُردند و رفتند'' (وہ آئے، سب کچھ کھود ڈالا، جلا دیا، لوٹ لیا اور چلے گئے۔)

اس کا یہ جملہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہو گیا تھا، کیونکہ اس ایک جملے میں تاتاریوں کی دہشت گردی کی پوری داستان پنہاں ہے۔

تاتاری یلغار کی متواتر شہرت اور ایک سوالیہ نشان ..... عالمِ اسلام کو پیش آنے والا یہ اندوہناک سانحہ اتنا مشہور ہے کہ تاریخ سے دلچسپی نہ رکھنے والے افراد بھی اس سے واقف ہیں، شاید ہی کوئی فرد ہو جو چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ناموں کو دہشت گردی اور خون ریزی کی علامت کے طور پر نہ جانتا ہو۔ ان بے رحم درندوں کے ہاتھوں امتِ مسلمہ کا جو قتلِ عام ہوا اس کی شہرت تواتر کے درجے کو پہنچ گئی ہے اور زمانہ قدیم سے لے کر دورِ حاضر تک ان کی بہیمیت اور درندگی کے عبرتناک واقعات ہر دردمند مسلمان کے لیے باعثِ حزن و ملال رہے ہیں......

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور تاریخ کے قاری کے قلب و جگر کو جھنجھوڑتا ہے......وہ یہ کہ تاتاریوں کی اس ہمہ گیر یورش کے سامنے کوئی مردِ مجاہد سینہ سپر ہوا؟؟......کیا اس نازک ترین موقع پر نبی السیف والملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ کا مظہر بن کر اس طوفان کے راستے میں بھرپور مزاحمت کر سکا؟......تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے ایک عام فرد کو اس کا جواب عموماً نفی میں ملتا ہے؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور کی چند معتبر کتب کے سوا، اکثر و بیشتر تواریخ خصوصاً وہ کتابیں جو بعد کے دور میں تحریر کی گئیں اور مخصوص حالات کی بنا پر لوگوں میں زیادہ مقبول ہوئیں، وہ تاتاریوں کی یورش کے بیالیس سال (۶۱۶ھ تا ۶۵۸ھ) تک کے حالات میں ان کے خلاف کسی منظم اور مربوط جدوجہد کے ذکر سے خالی ہیں، چنانچہ ان کتب کے مطالعے سے تاریخ کا عام طالب علم یہ تاثر لیتا ہے کہ ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) میں عین جالوت کے مشہور معرکے سے قبل تاتاریوں کو کبھی شکست کا سامنا نہیں ہوا، تاریخ کے اس ادھورے مطالعے اور اس کے حذف و تحریف شدہ مواد کے ایسے سطحی جائزے کا نتیجہ اس شکستگی اور احساسِ کمتری کی صورت میں برآمد ہوتا ہے جو دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں۔

مسلمان حکمرانوں کی خطرناک غفلت اور سلطان جلال الدین کا کردار ..... اس میں شک نہیں کہ اس دور کے اکثر ملوک و سلاطین نے اس یلغار کے سامنے سپر ڈال دی تھی، اور جذبہ جہاد کو فراموش کیے مسلمانوں کے اس عظیم قتلِ عام پر وہ خاموش تماشائی بنے رہے تھے، اس دور کے دردمند اہلِ علم و فضل کی تحریرات مسلمان بادشاہوں کی اس بے حمیتی کا کھلا ثبوت ہیں۔ چنانچہ شیخ نجم الدین رازی رحمہ اللہ جو اسی زمانے کے ایک عظیم صوفی بزرگ ہیں اپنی تصنیف ''مرصاد العباد'' کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان ملعون اور ذلیل تاتاریوں نے اسلام اور مسلمانوں کو جس فتنے اور خرابی میں مبتلا کر دیا ہے اسے لفظوں میں سمونا ممکن نہیں۔ ہمارے بادشاہوں اور حکمرانوں پر اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری عاید ہوتی ہے اس لیے کہ اَلَا مِیْرُ رَاعٍ عَلٰی رَعِیَّتِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْھُم (امیر اپنی رعایا کا نگران ہے اور اس سے ان کے حقوق کے بارے میں پوچھ ہوگی۔) اللہ نہ کرے اگر اب بھی ان کے دلوں میں اسلامی غیرت وحمیت کا جذبہ بیدار نہ ہوا اور وہ دینی ولولے اور دلیری سے عاری رہے، اگر اب بھی سب مل کر ایک مستحکم جمعیت نہ بنے، اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالاً وَّ جَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَ اَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ (جہاد میں نکلو چاہے ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو) کے حکم کی تعمیل کے لیے کمر بستہ نہ ہوئے، اپنی جان، مال اور بادشاہت کو اس فتنے کے تدارک کے لیے قربان نہ کیا تو اس بات کے آثار نظر آ رہے ہیں کہ اسلام کا وجود بالکل ختم ہو جائے اور اکثر اسلامی ممالک پر حاوی یہ فتنہ باقی ماندہ دنیائے اسلام کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے اور ساری دنیا کفر سے بھر جائے۔ نعوذ باللہ من ذلک اور اس کا خطرہ پیدا ہو چلا ہے کہ اسلام کا جو نام باقی رہ گیا ہے ہم نام نہاد حقیقت سے کورے مسلمانوں کے اعمالِ بد کی نحوست سے، یہ بھی مٹ جائے کہ پھر اسلام کا نام ونشان بھی نہ رہے۔''

اس دور کے دیگر مؤرخین نے بھی مسلمان حکمرانوں کی اس مجرمانہ غفلت پر جابجا اظہارِ افسوس کیا ہے، مگر کم ہمتی، بزدلی، آرام پسندی، خودغرضی اور عاقبت نااندیشی کے ان لاتعداد جان بلب مریضوں کے درمیان ہمیں اس دور میں ہمت، ولولے، فرض شناسی اور جذبہء جہاد سے سرشار ایک ایسا کردار نظر آتا ہے جس نے اس عالمگیر آفت سے تمام عالمِ اسلام کے دفاع کی ذمہ داری تن تنہا اپنے سر لے لی اور مسلم حکمرانوں کی کوتاہیوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اس نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس فریضے کو انجام دینے کی حتی الامکان کوشش کی۔ تاریخ کا یہ لازوال کردار، اور اسلام کا یہ عظیم سپوت ''سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبرتی'' ہے۔ مایوسی اور یاس انگیزی کے اس مہیب دور میں، ناامیدی کی ان گھنگھور گھٹاؤں میں، سلطان جلال الدین ہی وہ مردِ مجاہد تھے جو امید کی شمع بن کر روشن ہوئے، وحشت اور بہیمیت کی ان طوفان خیز آندھیوں میں ایک وہی رجلِ رشید تھے جنہوں نے اسلام کے خیمے کو اکھڑنے سے بچانے کے لیے اپنی تمام توانائیاں صرف کر دیں۔

سلطان جلال الدین کی جدوجہد اور ان کی حق تلفی...... اگر فکر ونظر کا دائرہ وسیع کر کے، ذہن کو تعصب سے پاک کر کے تاریخ کا عمیق مطالعہ کیا جائے خصوصاً اس دور کی قدیم ونایاب کتبِ تواریخ کو کھنگالا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس عالمی دہشت گردی وخون ریزی کے کربناک پس منظر کو بھی سامنے رکھا جائے تو یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس دور میں ''سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ'' وہ مردِ آہن تھے جنہوں نے چنگیزی وحشت وبہیمیت کے طوفان کے سامنے سدِ سکندری کا کردار ادا کیا، اور جب تک ان کے دم میں دم رہا، انہوں نے اس عالمگیر فتنے کو مزید بڑھنے سے نہ صرف روکے رکھا بلکہ اس پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ فاتحِ عالم سوز چنگیز خان کا سارا غرور خاک میں مل گیا، صرف ۶۱۸ھ کے ایک سال میں سلطان شہید نے چنگیزی لشکروں کو کئی میدانوں میں پے در پے شکستیں دیں، اگر اپنوں کی

غداری آڑے نہ آتی تو سلطان اپنی زندگی ہی میں ان حملہ آور کافروں کو تہس نہس کر ڈالتے مگر صد افسوس کہ سلطان کو خود اپنوں کی بے وفائی اور ناقدری نے نہتا کر دیا اور وہ تنہا ہی ان درندوں سے لڑتے بھڑتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

سلطان جلال الدین کے ساتھ بے مروتی اور ناانصافی کا یہ رویہ ان کی شہادت کے بعد بھی برقرار رہا، ان کی قربانی اور جدوجہد کو ایک سازش کے تحت طاقِ نسیان میں ڈال دیا گیا۔ چنگیز خان کو شہرت کے آسمان پر پہنچانے والے اربابِ سخن ان عظیم قربانیوں سے نظریں چراتے رہے جو اس بلائے بے درماں کو روکنے کے لیے سلطان جلال الدین کی قیادت میں مجتمع ہونے والے مجاہدوں نے پیش کی تھیں۔ چنگیز خان کے ظلم وستم اور اس کی طوفانی یلغار کا ذکر تو زبان زدِ خواص وعوام ہو گیا مگر جن محاذوں پر اس کو منہ کی کھانی پڑی ان کا تذکرہ نظر انداز کر دیا گیا۔ مؤرخین کے ہاتھوں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے حالات پر مشتمل ایسی درجنوں کتابیں پایہ تکمیل تک پہنچی ہیں جن میں ان کی درندگی، بے رحمی اور خون آشامی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ ایسا تاثر دیا گیا ہے جو ان کی شخصیات کا ایک سحر انگیز تصور پیش کرتا ہے اور ان کی غیر معمولی ہیبت آمیز عظمت دلوں میں پیدا کرتا ہے۔ مگر اس کے برخلاف وہ مردِ مجاہد جو سر پر کفن باندھ کر ان قاتلینِ انسانیت کے مقابلے پر اترا اور جو واقعی اس کا اہل تھا کہ اس کی شخصیت کو غیر معمولی مانا جاتا، اس کی قربانیوں، کاوشوں اور جدوجہد کی خوب چھان بین کر کے اسے شرح وبسط سے بیان کیا جاتا، اربابِ قلم نے اسے یہ مقام دیا کہ اسے چنگیز خان کے تذکرے کے ضمن میں آجانے والے محض اس کے ایک معمولی حریف کی حیثیت سے متعارف کرایا۔ اس کے حالات، سیرت، کردار اور کارناموں کے لیے کسی تحقیق یا تفصیل کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔

سلطان جلال الدین کی حق تلفی کی وجوہات ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ رحمہ اللہ کو تاریخ میں اپنی حیثیت اور مرتبے کے مطابق جگہ نہ ملنے کی کی وجوہات کیا ہیں؟ اس تصنیف کے دوران یہ سوال بار بار میرے دل ودماغ کو بے چین کرتا رہا اور میں تاریخ کے قدیم وجدید مآخذ ومراجع کی چھان بین کے دوران اس سوال کا جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا، بالآخر اس دور کی تواریخ کے وسیع جائزے اور گہرے غور وخوض کے بعد اس کے مندرجہ ذیل اسباب سامنے آئے۔

1 ...... یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دنیا میں غیر معمولی کارنامے انجام دینے والے افراد بے شمار ہوتے ہیں مگر شہرتِ دوام اور تاریخ میں اپنی حیثیت کے مطابق مقام انہی کو نصیب ہوا ہے جن کے مداحوں نے ان کے تذکرے کو تاریخ کا حصہ بنانے کی جدوجہد کی۔

تاریخ میں سلطان کو ان کا کما حقہ مقام نہ ملنے کی سب سے بڑی وجہ ان کے وفادار اور حاضر باش سوانح نگاروں کی کمیابی بلکہ نایابی ہے۔ تاتاریوں کے حملے سے خوارزم کی عظیم سلطنت اس طرح اجڑی کہ اس کے مدارس ومکاتب بے نام ونشان ہو گئے، یہاں کے فقہاء، مفسرین، محدثین، ادباء، مؤرخین اور شعراء کی ایک پوری نسل نابود ہو گئی، جو زندہ بچ گئے ان میں سے بہت سے تاتاریوں کی قید میں ذلت ونکبت کی زندگی گزارتے رہے، بہت سے ہجرت کر کے دور دراز کے علاقوں کو چلے گئے اور بقیہ عمر گوشۂ گمنامی میں گزار کر رخصت ہو گئے، ایسے حالات میں ایسے افراد کہاں میسر آسکتے تھے جو سلطان جلال الدین کی زندگی کو قریب سے دیکھ چکے ہوں، ان کے سرد وگرم ایام کے رفیق ہوں، ان کی صبح وشام سے بلاواسطہ آگاہ ہوں، پھر اہل سخن بھی ہوں اور سوانح نگاری کا حق ادا کر سکتے ہوں۔ صرف سلطان جلال الدین

کے ایک معتمد مصاحب محمد بن احمد النسوی نے اس فرض کو ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی اور ''سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی'' کے عنوان سے اس موضوع پر ایک جلد تصنیف کی۔ اگرچہ اس پر آشوب زمانے میں اتنا کام ہو جانا بھی غنیمت تھا کیونکہ اگر محمد بن احمد النسوی یہ مواد جمع نہ کر جاتے تو بعد میں اس موضوع پر کام کرنا نہ صرف مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہوتا، تاہم سلطان جلال الدین کے عظیم کارناموں اور ان کی عبقری و غیر معمولی شخصیت کا حق صرف اس ایک تصنیف سے ادا نہیں ہوتا جو اس زمانے کے گہرے پس منظر، سلطان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کے تفصیلی جائزے، اور ان کے خاندانی و نجی کوائف کی مبسوط توضیح سے خالی ہے۔

2 ......سلطان جلال الدین کے حالات پر کما حقہ، محنت نہ ہونے کی ایک وجہ نسلی اور وطنی تعصب بھی ہے۔ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ خود سلطان کے اپنے ہم وطن اور ہم نسل افراد کو سلطان پر قلم اٹھانے کا موقع ہی میسر نہ آ سکا، مگر دیگر ممالک کے اہل سخن نے بھی سلطان کے حالات قلم بند کرنے سے احتراز کیا، اس کی بڑی وجہ اس دور کا نسلی اور وطنی امتیاز تھا (جو آج پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ موجود ہے) اس دور کے دیگر ممالک کے اہل قلم نے اپنے وطن کی معمولی شخصیات کو بھی بڑی اہمیت دی اور ان کی مدح خوانی میں اوراق کے اوراق سیاہ کر ڈالے، مگر سلطان جلال الدین کی اس حیثیت کو نظر انداز کر ڈالا کہ مسلمان ہونے کے ناطے وہ بھی ان کے ہم قوم اور ان کے دینی بھائی تھے جو ہزاروں میل طویل سرحدوں پر پہرہ دے کر کفر کی عالمی یلغار سے ان کا دفاع کرتے رہے۔

یہ حقیقت ہے کہ جن شخصیات کو ان کی قوموں نے اپنا سمجھا ان کے معمولی کارناموں کو بھی بے حد سراہا، ان کی جدوجہد و قربانی چاہے غیر اقوام کے بہت سے لوگوں سے فروتر رہی، مگر ان کے ہم قوموں نے ان پر مدح و ستائش کے پھول برسا کر ان شخصیات کو اقوام عالم کے لیے باعثِ رشک بنا دیا، ادباء نے ان کی سوانح حیات لکھی، شعراء نے ان پر قصیدے تحریر کیے، حکماء نے ان کے اقوال کو حکمت کے موتی سمجھ کر چنا۔ انہیں قوم کا محسن سمجھا گیا اور ان کے احسان کے بدلے ان کا نام زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ نپولین اور ہٹلر جیسے ظالم و جابر لیڈروں کے نام آج اسی لیے زندہ ہیں ان کی قوم نے انہیں اپنا محسن و رہنما سمجھ کر ان کا نام زندہ رکھنے کی جدوجہد کی ہے۔ قوموں کی زندگی شخصیات کی زندگی کی ضامن ہے، جو قومیں نظریاتی طور پر انتشار کا شکار ہو کر اپنے تشخصات بدل ڈالتی ہیں ان کی قابل قدر شخصیات بھی گم نامی کے اندھیروں میں اوجھل ہو جاتی ہیں۔ سلطان جلال الدین بھی انہی مظلوموں میں سے ایک ہیں جو اپنی قوم کی ناقدری کا شکار ہوئے اور علاقائی وطنی اور نسلی تعصب کا نشانہ بنے۔

سلطان جلال الدین کی ساتھ روا رکھے جانے والے اس تعصب کی ایک واضح مثال ہم برصغیر کی تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں، کہ سلطان نے ایک عرصے تک برصغیر کے ایک وسیع رقبے پر جو جہلم سے لے کر وادیٔ سندھ کی آخری حدود تک پھیلا ہوا تھا، حکمرانی کی ہے، اس تمام عرصے میں انہوں نے اہل ہند کا محسن اور ان کے ملک کا محافظ بن کر تاتاریوں کو ادھر بڑھنے کا موقع نہ دیا، ان کا عدل و انصاف اور رعایا سے حسن سلوک بھی مثالی رہا۔ مگر اس کے باوجود ہندوستان کی تاریخ کی مبسوط کتابوں میں سلطان جلال الدین کے لیے بمشکل دو تین سطریں دستیاب ہوتی ہیں اور وہ بھی سلطان التمش کے حالات کے ضمن میں، گویا سلطان جلال الدین کا بذاتِ خود ہندوستان کی حکمرانی اور فتوحات میں کوئی دخل ہی نہ تھا، ان کا ہندو راجاؤں کو کئی معرکوں میں شکستِ فاش دینا کوئی جہاد نہ تھا۔ ستم تو یہ ہے کہ برصغیر کے اکثر مؤرخین نے

سلطان جلال الدین کو ایک مفرور اور آوارہ گرد سپاہی کی حیثیت سے متعارف کرایا جو تاتاریوں کے خوف سے ہندوستان میں چند دن روپوش رہ کر واپس چلا گیا تھا۔ اس کے برعکس برصغیر کے بعض ایسے حکمران جن کا دور حکومت اور دائرۂ عملداری سلطان جلال الدین کی بہ نسبت بہت کم تھا اور اپنی شخصیت و کردار کے لحاظ سے بھی وہ کچھ بہتر نہ تھے، ہندوستان کی تاریخ میں نمایاں مقام پا چکے ہیں۔ اسے وطنی و نسلی تعصب کے سوا اور کیا کہا جائے گا؟

3 ...... تیسری بڑی وجہ یہ ہے کہ سلطان جلال الدین کے حالات پر جن مؤرخین کو کم یا زیادہ لکھنے کی توفیق ہوئی وہ بھی پوری طرح سلطان کے موافق نہیں تھے۔ انہوں نے سلطان کے کارنامے بیان کرنے میں عموماً وضاحت سے کام نہیں لیا اس کے ساتھ ساتھ وہ جا بجا سلطان پر مختلف قسم کے الزامات بھی عائد کر گئے ہیں جن میں سے بہت سے الزامات بالکل بعید از عقل ہیں۔

ان مؤرخین کے اس طرزِ عمل کی وجوہات بیان کرنے سے پہلے ہم ان کو دو قسموں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

(الف) ......وہ مؤرخین جو تاتاریوں کے زیرِ اثر تھے۔ (ب) ......وہ مؤرخین جو ان ممالک سے تعلق رکھتے تھے جو سلطان جلال الدین کے سیاسی حریف تھے۔

یاد رہے کہ سلطان کا تذکرہ کرنے والے اکثر مؤرخین ان دو قسموں سے باہر نہیں تھے۔

وہ مؤرخین جو کہ تاتاریوں کے زیرِ اثر تھے ان کا سلطان جلال الدین کی مدح سرائی سے احتراز کرنا یا انکے کارناموں کو وضاحت سے بیان نہ کرنا قطعاً باعثِ تعجب نہیں۔ تاتاریوں کا ان پر پورا دباؤ تھا ان کی حکومت میں رہتے ہوئے ان کے دشمن کی شان میں رطب اللسان ہو کر وہ اس تصنیف سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے اور جان سے بھی۔ اس دور میں وسط ایشیا، خراسان، ایران اور عراق، تاتاریوں کے مختلف خاندانوں کے زیرِ حکومت تھے، اگرچہ ان کی پچھلی نسلیں مسلمان ہو گئیں تھیں مگر ان کی خاندانی نخوت باقی تھی اور اپنے خونخوار وسفاک آباء پر تفاخر ان کے دلوں میں رچا بسا تھا۔ تاتاریوں کے غیر مسلم اور مسلم حکمرانوں کا یہ تسلط کئی نسلوں تک برقرار رہا اس دور کی اکثر تاریخیں انہی ایام میں لکھی گئیں۔ ان مؤرخین کو مذکورہ بالا حالات کے باعث ایسا طرزِ تحریر اختیار کرنا پڑا جس سے سلطان جلال الدین کے حالات بھی (چاہے ضمناً ہی سہی) قلمبند ہو جائیں اور حکمران طبقے کے دلوں میں ان کی وفاداری کے متعلق کوئی شک بھی پیدا نہ ہو۔

اس کی واضح مثال ''تاریخ جہاں کشا'' ہے جو عطا ملک جوینی کی تصنیف ہے، موصوف تاتاری حکومت میں ایک اہم عہدے پر فائز تھے۔ یہ کتاب درحقیقت بانی حکومت چنگیز خان کے حالات پر مشتمل ہے ''جہاں کشا'' (دنیا کا فاتح) سے چنگیز خان ہی مراد ہے، مگر اس کتاب میں ضمناً سلطان علاؤ الدین محمد اور سلطان جلال الدین کے حالات بھی آ گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ لکھنے سے ان مصنفین کا مقصد یہی تھا کہ ان عظیم المرتبت مسلمان حکمرانوں کے کچھ نہ کچھ حالات بعد والوں تک پہنچ جائیں مگر تاتاریوں کی تلوار کے نیچے ان کے کسی مسلمان ملازم کا ان حالات کو قلمبند کرنا آزادانہ طور پر نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے اگر ان لوگوں کی تحریرات میں سلطان جلال الدین کے متعلق کوئی نامناسب بات نظر آئے تو اسے مذکورہ مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے نظر انداز کرنا چاہیے۔

اگر ماضی قریب میں اس قسم کی مثال دیکھنا چاہیں تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حالات پر ان کے خلیفۂ رشید حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ کی تصنیف تذکرۃ الرشید ص ۷۳ تا ص ۹۷ کا مطالعہ کریں جس میں

انگریزوں کے خلاف حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے جہاد کے حالات کو بڑے ذومعنٰی الفاظ میں تحریر کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ کتاب انگریزوں کے دور میں لکھی گئی تھی اس لیے اگر کھلے لفظوں میں حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے جہاد کے حالات بیان کیے جاتے تو حضرت قدس سرہٗ کے متعلقین پر انگریزوں کی جانب سے سخت افتاد پڑنے کا خطرہ تھا، اس لیے ایسا انداز اختیار کرنا پڑا جس سے اصل مدعا بھی بیان ہو جائے اور سرکاری قانون کی گرفت سے بھی بچاؤ ہو سکے۔

تذکرۃ الرشید مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۶۱۴ تا ص ۶۲۲ پر اس کے متعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہٗ کا نہایت اہم مکتوب نقل کیا گیا ہے اس کے آخر میں حضرت شیخ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ مولانا میرٹھی رحمہ اللہ دبی زبان میں کسی دوسرے پیرایے میں بھی بیان کر سکتے تھے اور اختیار کردہ طرز تحریر میں جو کچھ خوشامد کے سے الفاظ حکومتِ برطانیہ کے حق میں نکل گئے ہیں ان سے بچ سکتے تھے لیکن انہوں نے اس زمانے کے حالات کے اعتبار سے جیسا مناسب جانا لکھ دیا۔ میں مزید یہ بات بھی کہتا ہوں کہ آفتاب آفتاب ہی ہے اس پر اگر پردہ ڈالا جائے تو چھپ نہیں سکتا، اگر مولانا میرٹھی رحمہ اللہ یا کسی بھی دوسرے سیرت نگار نے کوئی ایسی بات لکھ دی جو ان حضرات کے کارناموں کو واضح کرنے سے قاصر ہے، اس سے ان کے مخلصانہ جہاد فی سبیل اللہ پر کوئی پردہ نہیں پڑ سکتا۔''

اس مثال اور حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے مکتوب سے یہ واضح ہو گیا کہ کٹھن اور گھمبیر حالات میں بعض اوقات مصلحت بین مؤرخین اپنی عبارت میں کسی شخصیت کے کارناموں کی کما حقہ وضاحت سے پہلو کترانے پر مجبور ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں برصغیر پر انگریزوں کے تسلط کی بہ نسبت، ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام پر تاتاریوں کا اقتدار زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا، لہٰذا اس دور میں بعض مؤرخین نے ان کے ظلم و ستم کے خلاف صف آراء ہونے والے مجاہدین کے حالات تحریر کرنے میں وہی مصلحت آمیز انداز اختیار کیا، جو دورِ قریب کے محتاط اہل قلم اپناتے رہے ہیں۔

دوسری قسم کے مؤرخین وہ ہیں جو ان ممالک سے تعلق رکھتے تھے جو سلطان جلال الدین کے سیاسی حریف اور رقیب تھے۔ ان حضرات میں بعض بڑی قابل صد احترام ہستیاں بھی شامل ہیں۔ ان کی اکثریت کا تعلق شام، مصر، بغداد، الجزیرہ اور ان سے ملحقہ دیگر بلاد عرب سے تھا۔ ان علاقوں کے حکمران سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے ہی سے سلطنت خوارزم کو اپنے لیے ایک خطرہ تصور کرتے تھے، سلطان علاؤالدین محمد نے کوئی درجن بھر منتشر حکمتوں کو اپنی مملکت میں شامل کر کے ایک وسیع و عریض سلطنت کی بنیاد ڈال کر اپنے تمام پڑوسیوں کو ہراساں کر دیا تھا۔ خوف، اندیشے اور عدم اطمینان کی یہ فضا سلطان جلال الدین کی زندگی میں بھی برقرار رہی اور ان کے تمام ہمسایہ حکمران ان کی خوبیوں کو پرکھنے، ان کی قربانیوں کا اعتراف کرنے اور عالم اسلام کی حفاظت کے لیے ان کے مخلصانہ جذبے پر یقین کرنے کے بجائے ان سے بدظن ہی رہے۔ پھر ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ'' کے بمصداق عوام کا بھی یہی ذہن بن گیا یا بنا دیا گیا، وہاں بسنے والے اہل علم و دانش بھی اپنی دینی صلابت، تقویٰ و دیانت اور علمی وسعت کے باوجود اس مسموم فضا سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور یہ کوئی ناممکن بات نہیں۔ حالات حاضرہ پر غور کرنے سے بھی ہمیں ایسی کئی مثالیں مل سکتی ہیں۔

ذرائع ابلاغ کی ترقی اور شعور وآگہی کے اس دور میں بھی کتنے ہی ایسے مخلص اور ایثار پیشہ رہنما نظر آسکتے ہیں جو اغیار کی عداوتوں کے ساتھ ساتھ اپنوں کی بدگمانی اور اہل صحافت کی بے اعتنائی کا شکار ہیں، یہی نہیں بلکہ بعض نامور اہل علم ودانش بھی ان سے بدظن ہیں...... حالاں کہ اس زمانے کی بہ نسبت آج کل حالات کی تحقیق کے لیے ایسے بے شمار وسائل اور آلات مہیا ہیں جن کا اس دور میں تصور بھی نہ تھا۔

سلطان جلال الدین کو بھی اہل قلم کی تائید میسر تھی نہ انہیں اتنا وقت مل سکا کہ وہ اس بداعتادی کی فضا کو تبدیل کر نے کی کوشش کرتے۔ اس لیے ان کے متعلق غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کی فضا ختم نہ ہوسکی اور بعض بڑے بڑے مایہ ناز مؤرخین بھی ان کے متعلق غلط پروپیگنڈے سے متاثر رہے۔ اس بیان سے یہ واضح ہوگیا کہ اس دور کی معتدل اور منصف مزاج شخصیات نے بھی اگر سلطان جلال الدین کے خلاف کچھ لکھا ہے تو وہ ان کی مجبوری تھی یا ان کے گردوپیش میں گونجنے والے آوازوں کا لازمی اثر تھا۔ یہ بھی نہ بھولیئے کہ دیگر ممالک کے عوام وخواص میں سلطان جلال الدین سے بددلی کا تاتاری غارت گروں کو زبردست فائدہ حاصل ہوتا تھا، اس لیے تاتاریوں اور ان کے قائدین کی سازشی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں کہ سلطان جلال الدین کے متعلق غلط باتیں منسوب کرنے میں دشمنانِ اسلام کے کارندوں اور جاسوسوں کا پورا پورا ہاتھ ہوگا۔

4 ......سلطان جلال الدین کی ناقدری کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ سلطان بظاہر اپنی جدوجہد میں ناکام نظر آئے اور ان کی تمام تر کوشش اور محنت کے باوجود انجام کار میدان تاتاریوں کے ہاتھ میں رہا۔ اگرچہ یہ ظاہری فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتی، اور نہ ہی سلطان جلال الدین جیسا مجاہد اس کو مقصود سمجھتا ہے بلکہ وہ تو فتح وشکست سے بے نیاز ہوکر فرض کی تکمیل کے لیے موت کے منہ میں کود جاتا ہے...... مگر لوگوں کی نگاہیں فتح وشکست کے ظاہری مناظر میں الجھ کر رہ جاتی ہیں۔ وہ ''چڑھتے سورج کو سلام'' کے عادی ہوتے ہیں۔ اس لیے سلطان کو اس عمومی تاثر کے تحت ایک ناکام انسان سمجھ کر نظرانداز کردیا گیا۔ اگر سلطان تاتاریوں کو حتمی شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے تو بلاشبہ انہیں بھی تاریخ میں سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطان محمود غزنوی کے ہم پلہ تسلیم کیا جاتا۔

5 ......سلطان کے اپنے حق سے محرومی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے بعد ان کے مشن کو سنبھالنے والا ان کا کوئی جانشین باقی نہ رہا۔ وہ خوارزمی شاہی خاندان کے آخری حکمران تھے۔ وہ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوئے کہ ان کی نہ کوئی نرینہ اولاد تھی، نہ ہی کوئی ایسا معتمد ساتھی تھا جو ان کے بعد اس جہاد کی قیادت کرسکتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا جاری کردہ کام بظاہر بالکل ختم ہوگیا، اور وہ لوگ بھی جو ان کے عظیم مشن کے حوالے سے ان سے عملی وابستگی رکھتے تھے، بکھر گئے۔ اس طرح جو لوگ ان سے عقیدت ومحبت کا دلی تعلق رکھتے تھے وہ بھی اس سلسلہ جہاد کے رکنے کے باعث جلد یا بدیر ان کو بھول گئے۔

ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ ..... بعض کوتاہ نظروں کو سلطان جلال الدین کے مقام سے ناواقفیت کی بناء پر جب یہ خیال ہوتا ہے کہ سلطان کی تمام تر کدوکاوش تاتاریوں سے چند بے نتیجہ جنگوں تک محدود رہی اور وہ عالمِ اسلام کی حفاظت میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کرسکے تو اس کے ساتھ ساتھ ان کا محدود مطالعہ انہیں یہ باور کراتا ہے کہ تاتاریوں سے عالمِ اسلام کی بھرپور مدافعت اور حقیقی مزاحمت کا دور بہت بعد میں شروع ہوا۔ عین جالوت کے معرکے کو اس سرگرم

سلسلہ جہاد کا نقطہ آغاز قرار دیا جاتا ہے اور سلطان جلال الدین کی قربانیوں سے قطع نظر کر کے تاتاریوں سے جہاد کا سہرا ان حکمرانوں کے سر باندھ دیا جاتا ہے جو تاتاری یلغار کے چالیس، پچاس سال یا زیادہ عرصے بعد میدان میں آئے۔

بلاشبہ ان مسلم سلاطین کا اپنے اپنے دور میں تاتاریوں سے جہاد کرنا ایک قابل تعریف کارنامہ ہے اور اس پر وہ بجا طور پر تمام امت کی طرف سے خراجِ تحسین کے مستحق ہیں مگر ان حضرات کی قربانیوں کو تسلیم کرتے ہوئے سلطان جلال الدین کی حیثیت کو مجروح یا نظرانداز کرنا صریح زیادتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان شاہانِ اسلام نے اپنے اپنے ممالک اور شہروں میں تاتاری یلغار کا کامیاب مقابلہ کر کے تاریخ میں قابلِ فخر مقام حاصل کیا ہے، مگر یقیناً انہیں اس ہمہ گیر طوفان کی ان سرکش و بلاخیز لہروں سے پالا نہیں پڑا جس کے تھپیڑے سلطان جلال الدین نے برداشت کیے تھے۔ سلطان جلال الدین نے جس نازک گھڑی میں اس عالم گیر استعماری طاقت کے خلاف تلوار بے نیام کی وہ دنیا کی تاریخ کا دہشت ناک ترین دور تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ان درندوں کی تمام تر افرادی قوت اپنے قائد اول چنگیز خان کی قیادت میں یکجا تھی، جو کہ ایک بلائے ناگہانی کی طرح عالمِ اسلام کو روندتا چلا آرہا تھا اور سالوں کی فتوحات ہفتوں میں حاصل کر رہا تھا۔ اس موقع پر سلطان جلال الدین ہی وہ مرد غازی تھے جو ایک آہنی چٹان بن کر اس آتش گیر طوفان کے سامنے ڈٹ گئے اور انسانی تاریخ کی اس سب سے سرعت انگیز اور خطرناک ترین یلغار کی رفتار کو نہ صرف یہ کہ مدھم کر دیا بلکہ کئی مقامات پر اس سرکش و بے لگام دشمن کو شکستِ فاش دے کر اس کا وہ زور بھی توڑ دیا جس کے بل بوتے پر وہ ساری دنیا کو فتح کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ چنگیز خان کی موت تک سلطان کی تلوار اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن کر چمکتی رہی، اس کی موت کے بعد جب اس کی عظیم سلطنت اس کے بیٹوں کے ہاتھ آئی تو سلطان جلال الدین چار پانچ سال تک ان کے مقابلے میں بھی سربکف رہے۔

تاتاری یورش سلطان جلال الدین کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی جاری رہی مگر حقیقت یہ ہے کہ پھر اس میں وہ زور، قوت، اور ہمہ گیری نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ ہر قوم کے جوش و خروش اور ولولے کی وہ حرارت جو اس کے بانی اور قائد اول کی زندگی میں ہوتی ہے، بعد میں اس نہج پر برقرار نہیں رہتی بلکہ بتدریج دھیمی ہوتی جاتی ہے، اس لیے تاتاریوں کے تباہ کار سیلاب کی موجیں اگرچہ اس کے بعد بھی ایک عرصے تک مچلتی اور امنڈتی رہیں مگر ان میں وہ حدّت اور تیزی نہ تھی جو اس کے پہلے دھارے میں تھی۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے سلطان جلال الدین کے جہاد کی اس ممتاز حیثیت کو بڑے مختصر اور جامع الفاظ میں یوں سمویا ہے۔ ''قاوم التتار فی اول حدھم و حدتھم''یعنی سلطان جلال الدین رحمہ اللہ نے تاتاریوں سے ان کی یلغار کے ابتدائی اور شدید مرحلے میں مقابلہ کیا۔ (العبر فی خبر من غبر ج ۳ ص ۲۰۳)

سلطان جلال الدین، حرمین شریفین کے محافظ ..... ویسے تو عالم اسلام پر سلطان جلال الدین کے متعدد احسانات ہیں مگر سب سے بڑا احسان جسے ہم نے اپنی کم نظری کے باعث نظرانداز کر رکھا ہے، یہ ہے کہ سلطان نے اپنی بے لوث قربانیوں کے ذریعے کعبۃ اللہ اور روضہء اطہر کو ان درندہ صفت کفار کے شر سے بچائے رکھا جو کسی دین و مذہب اور تہذیب و ثقافت کا احترام نہیں جانتے تھے۔ تاتاریوں کے نزدیک حریف کی عبادت گاہوں کا ادب ایک مذاق تھا، ان کے ہاں کسی مذہب کے شعائر اور کسی قوم کے مقدس مقامات کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

اس دور کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ تاتاریوں کو جہاں بھی کسی مشہور انسان کے مزار یا مقبرے کا پتا چلتا وہ اسے کھود ڈالتے اور مردے کی ہڈیوں کو نذرِ آتش کر کے راکھ ہوا میں اڑا دیتے۔ یہ ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ہارون الرشید اور سلطان محمود غزنوی جیسے عظیم شخصیات کی مرقدیں بھی اس ستم سے محفوظ نہیں رہیں۔

پس خوارزم، ایران اور افغانستان میں ہزاروں مساجد، مدارس، کتب خانوں، مزارات اور خانقاہوں کو تودۂ خاک بنا ڈالنے والے یہ درندے اگر جزیرۃ العرب کا رخ کر لیتے تو کوئی انسانی طاقت انہیں مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کے احترام پر مجبور نہیں کر سکتی تھی۔

قدرتِ الٰہیہ نے اس موقع پر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے مٹھی بھر جانثاروں سے وہ کام لیا جو اس نے ابرہہ کے لشکر کے خلاف پرندوں کو سونپا تھا۔ سلطان نے اس معمولی سی قوت کے ساتھ تاتاریوں کا سالہا سال کامیابی سے مقابلہ کیا اور انہیں حجاز مقدس کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھنے دیا۔ یہ سلطان کا وہ عظیم کارنامہ ہے کہ اگر ان کی متاعِ حیات میں اس کے سوا کچھ اور نہ بھی ہوتا تب بھی وہ دنیا بھر کے مسلمانوں سے تاقیامت خراجِ تحسین کے مستحق تھے۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ، تمام اقوامِ عالم کے محسن ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اس اعزاز کے حقدار بھی تھے کہ اسلامی دنیا کے اہلِ علم و دانش کے علاوہ ایشیائی ممالک کے تاریخ نگار خصوصاً ان کی ذات میں خاص دلچسپی لیتے اس لیے کہ سلطان جلال الدین کی جدوجہد صرف خوارزم کے مسلمانوں کی حفاظت وحمایت تک محدود نہ تھی بلکہ اس کا دائرہ ماوراء النہر سے لے سرزمین ہند تک اور ساحلِ سندھ سے لے کر قفقاز کے پہاڑوں تک وسیع تھا۔ بلکہ اگر مزید ایک قدم آگے بڑھ کر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو ہمیں سلطان جلال الدین کی ذات اس دور کے تمام انسانوں کی محسن نظر آئے گی، اور یہ واضح ہوگا کہ ان کی انتھک کوششوں اور لافانی قربانیوں کے اثرات صرف عالمِ اسلام تک محدود نہیں رہے، بلکہ دنیا کے آخری کونے تک بسنے والے تمام انسان جو اس نازک دور میں تاتاریوں کی وحشتناک یلغار سے دہشت زدہ تھے، سلطان کی اس جدوجہد سے نفع اٹھانے والوں میں شامل تھے۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''تاریخ دعوت وعزیمت'' میں تاتاری یورش کی ہمہ گیری پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''تنہا عالم اسلام نہیں بلکہ اس وقت کی پوری متمدن دنیا تاتاریوں کے حملہ سے لرزہ براندام تھی۔ جہاں ان کے پہنچنے کے بہت کم امکانات تھے وہاں بھی دہشت پھیلی ہوئی تھی۔ ''گبن'' اپنی مشہور کتاب ''تاریخ انحطاط وسقوط رومہ'' میں لکھتا ہے: ''سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعے تاتاری طوفان کی خبر سنی۔ ان پر اتنی وحشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لیے نہیں نکلے۔''

ان تاریخی شواہد کی روشنی میں پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ تاتاریوں کا یہ سیلِ بے کراں جو کہ اپنی طغیانی کے پہلے ہی سال میں چین سے لے کر بحیرہ خزر تک کے علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا اگر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی صورت میں ظاہر ہونے والی آہنی دیوار سے ٹکرا کر تھم نہ جاتا تو اگلے دو، چار برسوں میں نہ صرف افریقہ بلکہ یورپ اپنی آخری حدود تک اس طوفان کی زد میں آ کر تہہ و بالا ہو جاتا۔

یہ وہ دور تھا کہ عالم اسلام سے پھوٹنے والی علم و دانش کی روشنی یورپ پر چھائے ہوئے جہالت کے اندھیرے کو چیر رہی تھی اور وہاں بیداری کے دور کا آغاز ہو رہا تھا، مسلمانوں کے علمی خزانے یورپ منتقل ہونے لگے تھے اور وہاں علم کے ایسے متوالے جنم لے رہے تھے جو اپنے ماحول کی روایتی غیر معقولیت سے باغی تھے۔ اگر اس حالت میں تاتاری اپنی وحشت و درندگی کے ساتھ یورپ پر قابض ہو جاتے تو علمی انقلاب کے یہ بیج جو مسلمانوں کی تحقیقات نے یورپی دانش وروں کے اذہان میں بوئے تھے، پھوٹنے سے قبل ہی جل کر راکھ ہو جاتے۔ اس صورت میں یہ ممکن نہ تھا کہ یورپ آیندہ تین چار صدیوں تک کسی علمی انقلاب سے آشنا ہو پاتا بلکہ یورپ کی اپنی جاہلانہ ثقافت ایک نسبتاً زیادہ پس ماندہ تہذیب و تمدن میں بدل جاتی تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی۔

تاریخ کے ان پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس میں کوئی شک نہیں رہتا کہ دس سال تک چنگیزی یلغار کے سامنے سپرِ فولاد بن کر سلطان جلال الدین نے تمام اقوامِ عالم پر احسان کیا ہے، اگرچہ ان کی کوشش کا مقصد بنیادی طور پر مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ اور عالمِ اسلام کا دفاع تھا مگر مشرق میں قائم کردہ ان کا یہ حصار معروضی طور پر اقوامِ مغرب کے لیے بھی پناہ گاہ کا کام دے رہا تھا۔ یہ انھی کی قوتِ بازو کا کمال تھا کہ تاتاریوں کا دھاوا یورپ کے جنوب مغربی ممالک کو روندنے کے بعد مزید آگے نہ بڑھ سکا کیونکہ سلطان کی معرکہ آرائیاں انہیں اپنی طاقت ایشیائی محاذوں کی جانب مجتمع کرنے پر مجبور کر رہی تھیں۔

آخری بات...... تاریخ کی جزئیات میں رخنہ اندازی ہو سکتی ہے، مگر تاریخ مجموعی تاثر کے لحاظ سے انصاف کرتی ہے، بشرطیکہ اس کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے اور حقیقت .....صرف حقیقت تلاش کی جائے۔ یہ اوراق آپ کو اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے حالات کے منتشر اجزاء اور متفرق ٹکڑے جو قدیم مآخذ میں موجود ہیں آج بھی سلطان کی عظمت، شجاعت، شرافت، بلند کرداری اور اپنی لازوال جدوجہد میں ان کی صداقت کی ببانگِ دہل گواہی دے رہے ہیں۔ کسی کے اعتراضات والزامات کی سیاہی، سلطان کی اس حیثیت کو نہیں چھپا سکتی۔

''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'

سلطان جلال الدین کی عظمت اور عبقریت کو سمجھنے کے لیے یہی ثبوت کافی ہے کہ ان کی جدوجہد اور کارناموں کو طرح طرح کے پردوں میں چھپانے کے باوجود تاریخ سے نکالا نہ جا سکا، طعن و تشنیع کی دبیز تہہ کے باوجود تاریخ کے اوراق میں ان کے محاسن اور مناقب کی خوشبو مہک رہی ہے۔ تاریخ کا منصف مزاج قاری سلطان جلال الدین پر بے جا اعتراضات اور ناروا الزامات کی دھند کے پار ان کی عظمت کے فلک بوس مینار ملاحظہ کر سکتا ہے۔

محمد اسماعیل ریحان
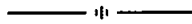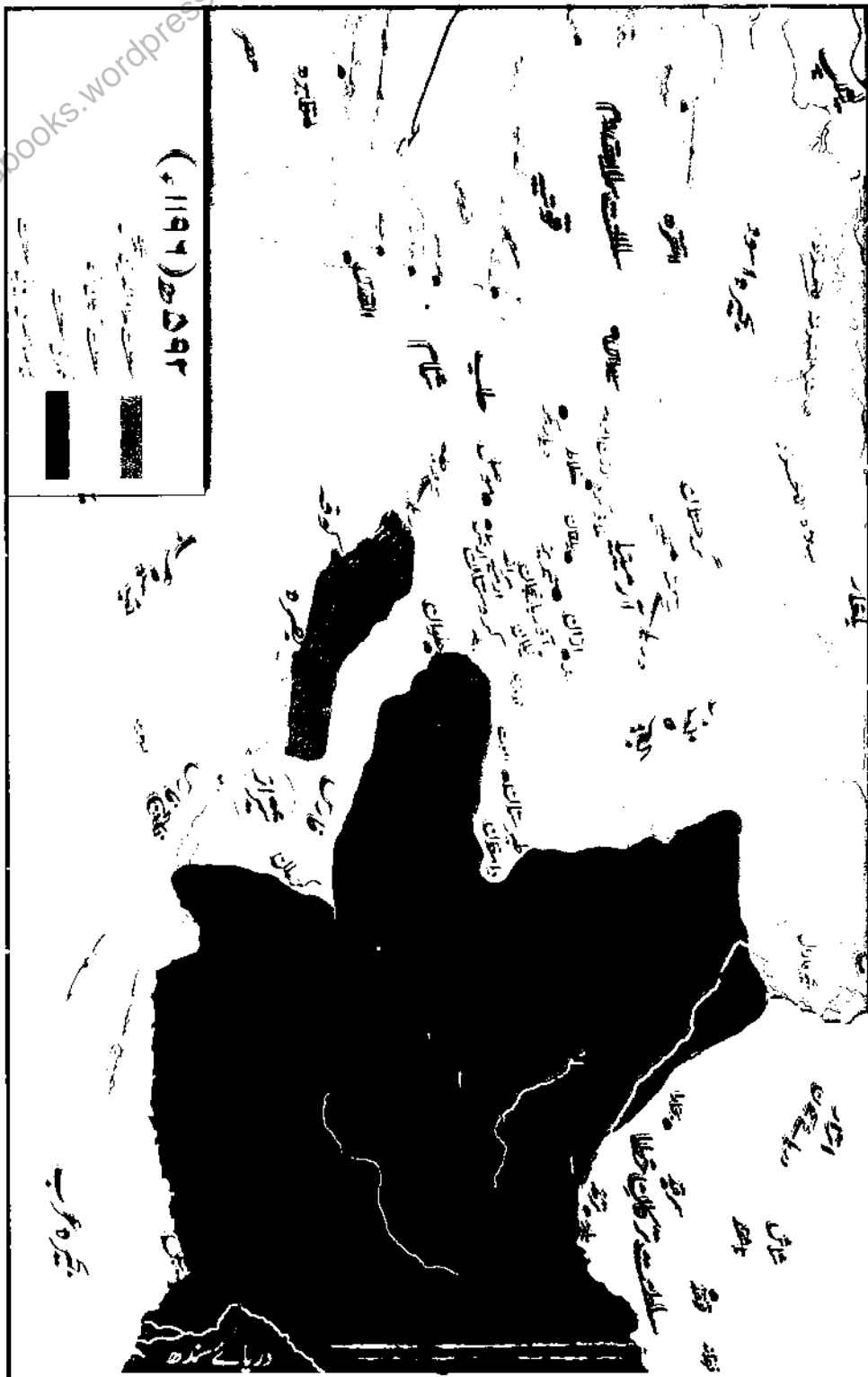
خوارزم اور شاہانِ خوارزم

رنگ و آبِ زندگی سے گل بداماں ہے زمیں سینکڑوں خوں گشتہ تہذیبوں کا مدفن ہے زمیں

خوارزم کا جغرافیائی و تاریخی خاکہ ..... دنیا کے نقشے پر نگاہ ڈالیے۔ یہ ایشیا ہے، دنیا کا عظیم ترین براعظم، اس کی گود ''وسط ایشیا'' تاریخ کے صفحات پر بکھری ہوئی انگنت داستانیں از بر کیے ہوئے اپنے وسیع و عریض رقبے پر نمودار ہونے والی ہزاروں حکومتوں کے تغیرات و حوادث کی عینی شاہد ہے۔ مگر اس آباد و شاداب خطے پر ایک دور ایسا بھی آیا ہے جس کو یاد کر کے آج بھی اس سرزمینِ جنت نظیر پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک تاریک اور گھٹاٹوپ دور تھا جو ساتویں صدی ہجری کے دوسرے عشرے سے شروع ہوا اور بالآخر سقوطِ بغداد پر منتج ہوا۔

وسط ایشیا اپنی زرخیز چراگاہوں، آبادی سے معمور گنجان شہروں اور تجارتی گزرگاہوں کی بدولت زمانہ قدیم سے دنیا بھر میں مشہور و معروف رہا ہے۔ اس میں دو بڑے دریا ہیں، ایک دریائے سیحون جسے سیر دریا بھی کہا جاتا ہے اور دوسرا دریائے جیحون، جو آج دریائے آمو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کا درمیانی حصہ ''ماوراء النہر'' کہلاتا ہے جو اپنی سرسبزی و شادابی میں لاثانی ہونے کے ساتھ ساتھ مردم خیزی میں بھی ہمیشہ سے نمایاں رہا ہے۔ یہاں سمرقند کا مشہور شہر واقع ہے جہاں سے فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے فقہاء نے جنم لیا۔ یہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا شہر بخارا آباد ہے۔ دریائے جیحوں کے افغانستان سے ملنے والے کنارے کو دیکھیں تو سامنے سنن الترمذی کے مؤلف امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کا شہر ترمذ دکھائی دے گا۔

اس مختصر سی سیر کے بعد آیئے اپنے اصل مقصد کی طرف چلیں۔ دریائے جیحوں کے کنارے کنارے شمال کی طرف بڑھتے جائیں تو موجودہ جمہوریہ ازبکستان کی شمال مغربی سرحد پر اورگنج نامی شہر نظر آئے گا۔ یہی اورگنج کئی صدیوں قبل خوارزم نامی ایک ریاست کا پایۂ تخت تھا۔ اورگنج کے علاوہ ہزار اسپ، اور خیوا بھی ریاست خوارزم کے اہم شہر شمار ہوتے تھے۔

خوارزم زمانہ قدیم میں ..... خوارزم کا علاقہ اس وقت سے ایک علیحدہ ریاست شمار ہوتا آیا ہے جب شاہِ فارس بہرام گور کے ایک رشتہ دار نے اس پر قبضہ جمالیا تھا۔ (۱) زمانہ قدیم ہی سے خوارزم کے ہر حکمران کو ''خوارزم شاہ'' کہا جاتا تھا۔ تاریخی روایات کے مطابق کیخسرو وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سکندر اعظم کے حملے سے ۹۸۰ برس قبل اس ریاست کے حاکم کو خوارزم شاہ کا لقب دیا تھا۔ (۲) اس روایت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خوارزم کا تمدن کس قدر قدیم تھا۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ''خوارزم شاہ'' کے لقب کا رواج اس علاقے کے اسلامی دور میں بھی یہاں کے آخری تاجدار سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے زمانے تک باقی رہا۔ غالباً تاریخ اسلام میں یہ واحد مثال ہے کہ اسلام سے پہلے دور کا لقب اسلامی عہد کے حکمرانوں میں بھی اسی طرح رائج رہا ہو۔

خوارزم میں اسلام ..... خوارزم پر مسلمانوں کی فوج کشی سب سے پہلے خلیفہ ولید بن عبدالملک اموی کے زمانہ خلافت میں ہوئی۔۹۳ھ مطابق ۷۱۲ء میں خلیفہ کے حکم سے فاتح ترکستان قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ نے یہاں کا رخ کیا، اس وقت کا ''خوارزم شاہ'' برائے نام حکمران تھا، اس کا بھائی خرزاد ریاست کے سیاہ وسپید کا مالک تھا، ''خوارزم شاہ'' اس صورتحال سے نہایت پریشان تھا، قتیبہ بن مسلم کی آمد کو اس نے اپنے لیے نیک فال سمجھا اور ان سے اس شرط پر مصالحت کرلی کہ وہ اسے ''خرزاد'' کی زیادتیوں سے نجات دلائیں گے۔ قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ نے اس شرط کو منظور کرلیا اور یوں سرزمین خوارزم بغیر کسی کشت وخون کے اسلامی پرچم کے سائے تلے آ گئی [۳] یہاں کے باشندوں نے جوق در جوق اسلام قبول کیا اور بہت جلد یہ پورا خطہ اسلام کے نور سے جگمگانے لگا۔

کاث اور جرجانیہ ..... زمانہ قدیم میں ریاست خوارزم کے دو دارالحکومت تھے، ایک دریائے جیحوں کے مشرقی کنارے پر تھا جسے ''کاث'' کہا جاتا تھا اور دوسرا مغربی کنارے پر تھا جسے ''جرجانیہ'' ''گرگانج'' یا ''اورگنج'' کہتے تھے۔

قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کے ہاتھوں خوارزم کی فتح کے بعد کاث کا نام ''المنصوریہ'' پڑ گیا اور اس کی رونق اور آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا لیکن ایک عرصے بعد دریا نے اپنا راستہ تبدیل کرلیا جس سے المنصوریہ (کاث) غرق ہوگیا۔ المنصوریہ کی بربادی کے بعد وہاں کے باشندوں نے دریا کے مغربی کنارے پر آباد اورگنج (جرجانیہ) میں سکونت اختیار کرلی، یوں اورگنج کی آبادی میں یکدم زبردست اضافہ ہوگیا۔ ریاست کے سرکاری دفاتر اور انتظامی مراکز بھی یہیں منتقل ہوگئے۔ ترکستان کے تجارتی قافلوں کی راہ میں ہونے کے باعث اورگنج اس خطے کی مرکزی تجارتی منڈی بھی بن گیا۔

رفتہ رفتہ ''جرجانیہ'' اور ''گرگانج'' کے لفظ لوگوں کی زبانوں سے اتر گئے اور اکثر مقامی باشندوں نے اس شہر ہی ریاست کے نام سے موسوم کرکے ''خوارزم'' کہنا شروع کردیا، تاہم بہت سے لوگ پھر بھی اسے اورگنج کے سابقہ نام سے یاد کرتے رہے۔

اسلامی دور کے خوارزمی حکمران ..... اسلامی مقبوضات میں شامل ہونے کے بعد خوارزم کو تاریخ میں بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اسلام کے کتنے ہی نامور فقہاء، محدثین، دانشور اور بادشاہ یہاں کی خاک سے اٹھے اور دنیا میں آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ یہ علاقہ علم وحکمت، تزکیہ ومعرفت، تہذیب وتمدن اور صنعت وحرفت کا مرکز بن گیا۔

زمانے کی گردش کے ساتھ ساتھ تختِ خوارزم پر یکے بعد دیگرے مختلف حکمران براجمان ہوتے رہے، مگر یہ سب خلافتِ اسلامیہ کے ماتحت ایک صوبے دار کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ تاہم ایک عرصے کے بعد جب عباسی خلفاء کی شوکت کو گہن لگا تو یہاں کے حکمران خلافت کی کفش برداری سے آزاد ہوگئے۔ ان خودمختار حکمرانوں کا پہلا دور ۳۴۰ھ (۹۵۱ء) میں ابوسعید احمد خوارزم شاہ سے لے کر ۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء) میں ابوالحارث خوارزم شاہ تک رہا۔ دوسرا دور ۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء) میں التون تاش خوارزم شاہ سے شروع ہوکر ۴۲۹ھ (۱۰۳۷ء) میں ''ماہ ملک خوارزم شاہ'' پر ختم ہوا، اس کے بعد تیسرے دور میں اس خطے کی زمام اقتدار اس خاندان کے ہاتھ میں آئی جس کی ابتداء ''انوشت گین خوارزم شاہ'' سے، اور انتہاء ''سلطان جلال الدین منکبرتی خوارزم شاہ'' پر ہوئی ہے۔

سلطنت خوارزم کا پہلا آزاد مسلم حکمران، انوشت گین .....

علم غیبے کس نمی داند بجز پروردگار

جب ملک شاہ سلجوقی نے گرجستان سے الغوری قبیلے سے تعلق رکھنے والا ایک ترکی النسل غلام خریدا تو کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کم حیثیت غلام کل خوارزم شاہ کہلائے گا اور ایک صدی بعد اسی غلام کی نسل سے پیدا ہونے والے فاتحین سلجوقی خاندان پر زمین تنگ کر دیں گے۔

اس غلام کا نام انوشت گین تھا۔ حد درجہ خدمت گزار، اطاعت شعار، بلا کا ذہین، دلیر، مدبر اور فہیم تھا۔ جلد ہی وہ سلطان ملک شاہ کے دل میں گھر کر گیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان نے اسے ایک ہزار چیدہ چیدہ سپاہیوں کا افسر مقرر کر دیا۔ انوشت گین نے اس میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ان دنوں خوارزم کا صوبہ براہ راست ملک شاہ کے تابع تھا وہاں کا صوبے دار فوت ہوا تو ملک شاہ کی مردم شناس نگاہوں میں انوشت گین کے سوا اس عہدے کے لیے کوئی موزوں معلوم نہ ہوا۔ ۴۷۵ھ مطابق ۱۰۸۲ء میں ملک شاہ کے حکم سے انوشت گین خوارزم کی صوبے داری پر مامور ہوا اور آخری دم تک اس ذمہ داری کو بخوبی نبھاتا رہا۔

قطب الدین بن انوشت گین ...... انوشت گین کی زندگی میں بھی اس کا بیٹا محمد عرف قطب الدین باپ کی نیابت میں خوارزم کا نظم و نسق سنبھالے ہوئے تھا۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد اس نے بڑی خوش اسلوبی سے تیس (۳۰) برس تک ریاست کا نظام چلایا اور اپنے نئے آقائے نعمت سلطانِ وقت شاہ سنجر بن ملک شاہ سلجوقی کا دل و جان سے تابعدار رہا۔ ④

مظفر الدین اِتسنر ...... ۵۲۲ھ مطابق ۱۱۲۸ء میں محمد قطب الدین نے داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے خوارزم شاہی تخت و تاج اپنے بیٹے مظفر الدین اتسنر کے حوالے کیا۔ اس ۳۲ سالہ نوجوان نے برسر اقتدار آتے ہی سلجوقی سلطنت کا طوقِ اطاعت گزاری گردن سے نکال دینے اور مکمل خود مختاری حاصل کرنے کا عزم کر لیا مگر سلطان سنجر سلجوق کی تلوار کی دھار ایسی نہ تھی جسے نظر انداز کر دیا جاتا، اس لیے اتسز موقع کی تلاش میں رہا۔ جلد ہی قدرت نے اس کے لیے ایک غیر متوقع موقع فراہم کر دیا۔

سلطان سنجر سلجوق ماوراء النہر کے باغی حاکم ''طغاج خان'' کی سرکوبی کے لیے بخارا میں افواج مرتب کر رہا تھا، اس لشکر کشی میں اتسنر بھی سلطان سنجر کے ہمراہ تھا۔ ایک دن سلطان سنجر دو پہر کو ستانے کے لیے اپنے خیمے میں تنہا لیٹا ہوا تھا کہ سلطان کے چند نمک حرام افسران تلواریں سونتے ہوئے اس کے خیمے میں داخل ہو گئے، آہٹ پا کر سلطان نے نگاہیں اٹھائیں تو خود کو چمکتی ہوئی شمشیروں اور خون آشام خنجروں سے گھرا ہوا پایا۔ سلطان کا بچ نکلنا بہت مشکل تھا، اس کا محافظ دستہ ساتھ موجود نہ تھا مگر اس سے پہلے کہ غداروں کی تلواریں سلطان کے لہو میں غوطہ کھاتیں، اچانک گھوڑوں کی ٹاپوں سے فضا گونج اٹھی۔ اگلے ہی لمحے اتسنر تلوار لہراتے ہوئے خیمے کی طرف لپکتا ہوا دکھائی دیا، یہ دیکھتے ہی غداروں کا گروہ سلطان کو وہیں چھوڑ کر فرار ہو گا۔ سلطان سنجر سلجوق نے اٹھ کر اتسنر کو سینے سے لگا لیا اور دریافت کیا:

''تمہیں کیسے علم ہوا کہ میں گھر گیا ہوں؟''

اتسنر نے جواباً کہا: ''سلطان عالی قدر! میں اپنے خیمے میں بے خبر سو رہا تھا کہ ایک ہولناک خواب نے مجھے بیدار کر دیا، مشیتِ الٰہی نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ تیرا آقا خطرے میں ہے، چنانچہ میں نے فوراً یہاں کا رخ کیا''۔ ④

سلطان سنجر جس کی عالی ظرفی، شجاعت، سخاوت اور احسان شناسی تاریخ میں مشہور و معروف ہے اتسز کے اس احسان کا تاعمر ممنون رہا اور اس واقعے کے بعد اتسنر کی جانب سے پیش آنے والی ہر ناخوشگوار حرکت کو برداشت کرتا

رہا۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد جب آتسز نے خوارزم شاہی ریاست کی خودمختاری کا اعلان کیا تو اس کے سابقہ احسان نے سلطان سنجر سلجوق کی شمشیرِ آبدار کو کسی حتمی کارروائی سے باز رکھا۔

ایل ارسلان ..... اکتیس برس کی حکمرانی کے بعد ۵۵۱ھ مطابق ۱۱۵۶ء میں مظفرالدین آتسز خوارزم شاہ دنیا سے رخصت ہوا اور اس کا بیٹا ابوالفتح ایل ارسلان اس کا جانشین ہوا۔ ایل ارسلان کے سات سالہ دورِ حکومت میں سلطنت خوارزم میں کوئی نمایاں توسیع نہیں ہوئی اس کا سارا زمانۂ اقتدار سرحدی شورشوں کو رفع کرنے اور آس پاس کی ریاستوں کے ساتھ مصالحانہ تعلقات استوار رکھنے کی کوششوں میں گزرا لیکن اس میں بھی اسے کوئی خاص کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ ۵۵۸ھ مطابق ۱۱۶۳ء میں ایل ارسلان راہیِ آخرت ہوا۔

سلطان شاہ اور علاؤ الدین تکش ..... ایل ارسلان کی وفات کے ساتھ ہی اس کے دونوں بیٹوں سلطان شاہ اور علاؤ الدین تکش کے مابین اقتدار کی خوں ریز جنگیں شروع ہوئیں جو وقفے وقفے سے کئی سال تک جاری رہ کر بالآخر ۵۸۹ھ میں سلطان شاہ کی طبعی موت اور علاؤ الدین تکش کی فتح یابی پر اختتام پذیر ہوئیں۔ خانہ جنگی کے اس دور میں دارالحکومت ''اورگنج'' پر مستقل قبضہ تکش ہی کا رہا تھا۔ اگرچہ ایک مختصر عرصے کے لیے سلطان شاہ کو بھی یہاں تسلط حاصل ہوا مگر یہ تسلط عارضی تھا۔ (یاد رہے کہ ''خوارزم'' ریاست کا نام تھا اور ''اورگنج'' پایۂ تخت تھا۔ مگر اُس دور کے عوام، خواص اور مؤرخین کی ایک بہت بڑی تعداد صرف ''اورگنج شہر'' کو بھی ''خوارزم'' کے نام سے یاد کرتی رہی ہے۔)

سلطان شاہ کی موت تک علاؤ الدین تکش کو چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہو سکا، بھائی سے گلوخلاصی کے بعد ہی اس نے پہلی بار باضابطہ طور پر اپنے نام کے ساتھ ''سلطان'' کا لقب استعمال کیا۔ اب جبکہ وہ بلاشرکت غیرے اپنے آباؤ اجداد کی وسیع وعریض قلمرو کا فرمانروا بن چکا تھا، اس کی تمام تر توجہ بیرونی فتوحات کی طرف مبذول ہوگئی۔ (۹)

سلطنتِ خوارزم کے ہمسائے ..... سلطان تکش کو خوارزم کے تخت پر برسرِ اقتدار چھوڑ کر آیئے ہم ذرا اس کی ہمسایہ حکومتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہ چھٹی صدی ہجری کا اختتامی دور ہے جو آئندہ صدی کے رُبعِ اول میں برپا ہونے والے انقلاب کی تمہید ہے، اس لیے ہم خوارزم کے آس پاس کی ان حکومتوں کا تعارف پیش کرتے ہیں جن سے واقف ہوئے بغیر ہمارا تحقیقی و تاریخی سفر نامکمل رہے گا۔ اس وقت سلطنت خوارزم کے اہم ہمسایوں میں درج ذیل حکومت شامل تھیں۔

ترکانِ خطا (قراخطائیہ) ..... ریاست خوارزم کے مشرق میں ماوراءالنہر کا بسیط میدان دریائے سیحوں تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں اس علاقے پر ترکانِ خطا کی حکومت تھی۔ یہ ایک جنگجو، اجڈ اور سخت جان قوم تھی جو عام ترکوں سے مختلف تھی، یہ لوگ غیر مسلم تھے اور زمانۂ قدیم سے اس خطے میں آباد تھے، دریائے سیحوں کے اُس پار بھی چینی ترکستان تک کا علاقہ ان کے ہاتھ میں تھا۔ ان کے زیرِ قبضہ شہروں میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اس وقت سے آباد تھی جب اس علاقے میں اسلامی حکومت قائم تھی، عباسی خلافت اور سلجوقی حکومت کے کمزور پڑنے کے بعد یہاں ترکانِ خطا غالب آ گئے اور مسلم آبادی والے بہت سے علاقوں پر قابض ہو گئے۔ حتیٰ کہ ۵۳۶ھ (۱۱۴۱ء) میں بخارا اور سمرقند جیسے قدیم اسلامی تاریخی شہر بھی ان کے زیرِ قبضہ آ چکے تھے، یہاں کی مسلمان آبادی نہایت مظلومانہ زندگی بسر کر رہی تھی۔ ''ترکانِ خطا'' ہمیشہ سے سلجوقی اور خوارزم شاہی حکمرانوں کے سخت ترین حریف رہے تھے اور سنجر سلجوق جیسے فاتح بھی اس قوم کو زیرنگیں نہیں کر سکے تھے۔ میدان آزما ہونے کے ساتھ ساتھ تُرکانِ خطا بلا کے مطلب

پرست اور عیار بھی تھے۔غوری، سلجوقی اور خوارزمی درباروں کے باہمی اختلافات میں یہ اپنی قوت کا وزن کسی ایک فریق کے پلڑے میں ڈال کر مخالف کو چاروں شانے چت کر دیتے اور بعد میں موقع محل دیکھ کر اپنے حلیف کو طاقت آزمائی کی دعوت دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ مسلم آبادیات مثلاً سمرقند و بخارا پر انہوں نے عوام کا دل بہلانے کے لیے مسلمان گورنر مقرر کر رکھے تھے مگر ان کی حیثیت کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی۔

خلافتِ عباسیہ بغداد...... خوارزمی ریاست کے جنوب مغرب میں ریاست کی حدود ختم ہونے پر عباسی خلافت کے محدود مقبوضات شروع ہو جاتے تھے جو چند صوبوں پر محیط تھے۔ مدینۃ الاسلام بغداد اب بھی خلافتِ اسلامیہ کا مرکز تھا، مگر عباسی خلفاء کے اس آخری دور میں خلافت زوال و انحطاط کی عبرت انگیز تصویر بن گئی تھی۔ عالم اسلام کی مرکزیت پارہ پارہ ہو چکی تھی، اسلامی سلطنتوں کے ساتھ دربار خلافت کا تعلق صرف اتنا باقی رہ گیا تھا کہ ان میں باہم ہدایا کے تبادلے ہوتے، خیر سگالی کے وفود آتے جاتے، دربار خلافت سے نئے حاکم کو بطور تبرک پروانۂ فرمان روائی عطا ہوتا، مگر یہ سب کچھ بھی اسی وقت ہوتا تھا جب فریقین باہمی تعلقات استوار کرنا چاہتے۔ ناخوشگوار حالات میں کسی خود مختار قوت آزما کو بغداد پر لشکر کشی سے بھی عار نہ ہوتی، اور خلافت مآب بھی کسی ایسے حریف کو ٹھکانے لگانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

اس گئے گذرے دور میں بھی دنیائے اسلام میں بڑے بڑے مشائخ، فقہا، محدثین، فلسفی اور دانشور علم و حکمت کے چراغ روشن کیے ہوئے تھے۔ اسی زمانے میں فرغانہ کے شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ (م ۵۹۳ھ۔ ۱۱۹۶ء) نے فقہ حنفی کی سب سے مشہور و متداول کتاب ھدایہ تالیف کی۔ ملک العلماء علاؤ الدین کاسانی رحمہ اللہ (م ۵۸۷ھ۔ ۱۱۹۱ء) نے بدائع الصنائع جیسی شہرہ آفاق کتاب اسی دور انحطاط میں مکمل کی۔ ہرات میں امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (م ۶۰۶ھ۔ ۱۲۰۹ء) حکمت اور علم کلام کے موتی لٹا رہے تھے۔ یاقوت حموی (مؤلف معجم البلدان) اور ابن اثیر موصلی (مؤلف تاریخ الکامل) جیسے نامور مؤرخین کا تعلق اسی عہد سے ہے۔

جہاں تک بغداد کا تعلق ہے، وہ سیاسی لحاظ سے ایک عضو معطل بن جانے کے باوجود ہزاروں علماء، صوفیاء اور علم و معرفت کے پروانوں کی جلوہ گاہ ہونے کی وجہ سے اب بھی عالم اسلام کا قلب کہلانے کا استحقاق رکھتا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ۔ ۱۱۱۱ء) اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (م ۵۶۱ھ۔ ۱۱۶۵ء) ایک طویل مدت تک بغداد میں رہ کر عالم اسلام کو روحانی غذا مہیا کرتے رہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (م ۵۹۷ھ۔ ۱۲۰۰ء) نے نہ صرف فقہ، حدیث، فن رجال اور تاریخ پر کئی سو کتب کا ذخیرہ تیار کیا بلکہ وہ بغداد کے گرتے ہوئے روحانی ڈھانچے کو تقویت پہنچانے کے لیے بیک وقت ایک ایک لاکھ باشندگانِ بغداد کے سامنے پُر تاثیر وعظ کہتے رہے۔ خلیفۂ وقت، وزراء اور شہزادے تک ان کے وعظ میں شریک ہوتے تھے۔ بالکل آخری دور میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (م ۶۳۶ھ۔ ۱۲۳۸ء) جیسے ممتاز بزرگ اہل بغداد کی اصلاح میں منہمک نظر آتے ہیں۔ یہ وہ ہستی ہیں جن سے تصوف کے مشہور سلسلے ''سہروردیہ'' کا آغاز ہوا۔

لیکن ان تمام تر کوششوں کے باوجود وہ بگاڑ جو حکمران اور آسودہ حال طبقے میں جاگزیں ہو چکا تھا، کم ہونے کی بجائے بڑھتا چلا گیا۔ حکام میں رشوت ستانی اور بدعنوانی عام تھی، نئی نئی جاگیروں کے حصول کا شوق جنون کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ تھی کہ بغداد میں مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات شدت اختیار

کرتے جارہے تھے، چوکوں اور چوراہوں پر مناظرے ہوتے جن سے مذہبی منافرت مزید بڑھ رہی تھی، حتیٰ کہ حکمران طبقے اور قصر خلافت میں بھی ان اختلافات کی بنیاد پر مستقل فریق پائے جانے لگے تھے۔ انہی میں سے ایک فریق آگے چل کر بغداد کی عبرت ناک تباہی اور خلافت عباسیہ کے حسرتناک انجام کا فوری سبب بنا۔

علاؤالدین تکش خوارزم شاہ کے زمانہ اقتدار میں بغداد میں خلیفہ ابوالعباس ناصر مسند خلافت پر متمکن تھا۔ ⑦ ۵۷۵ھ (۱۱۷۹ء) میں بائیس (۲۲) سال کی عمر میں وہ منصب خلافت پر فائز ہوا تھا۔ اس وقت خود بغداد کے گلی کوچوں میں بھی خلافت کی گرفت کمزور پڑ چکی تھی۔ عوام حکام سے اور حکام خلافت مآب سے بے زار نظر آتے تھے۔ امراء آزاد تھے اور نیم خودمختار صوبے داروں کی بے باکیاں حد سے متجاوز تھیں، خلیفہ ناصر نے زمامِ اقتدار سنبھالتے ہی خلافت کے بچے کھچے وجود کو سہارا دینے کے لیے ہاتھ پیر مارنے شروع کیے۔ اس کی ساری دل چسپیاں صرف بغداد کا سابقہ وقار بحال کرنے کی طرف مرکوز تھیں۔ بغداد سے باہر کی اسلامی دنیا کے مسائل پر توجہ دینا اس کے معمولات سے خارج تھا۔ دیگر اسلامی سلطنتوں کے حالات سے اسے صرف اس قدر سروکار تھا کہ وہاں خلافتِ بغداد کے خلاف ہونے والی حرکتوں کا علم اسے ہوتا رہے۔ بلاشبہ وہ اس میں پورے طور پر کامیاب رہا۔ اس کا قائم کردہ جاسوسی نظام اپنی کارکردگی میں فقید المثال تھا۔ وہ بغداد میں بیٹھ کر دہلی کے دربار میں ہونے والی گفتگو سے واقف رہتا تھا۔ اس کے امراء اپنی نجی مجلسوں میں بھی اس کے خلاف منہ سے کوئی لفظ نکالتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔ وہ دوسرے ممالک سے چلنے والے قافلوں کو پیش آنے والے واقعات اُن قافلوں کی آمد سے پہلے بیان کر دیتا تھا۔ اس کامیاب جاسوسی نظام کی بدولت وہ بڑی حد تک اپنا رعب و دبدبہ قائم کر کے اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ ہو گیا۔

عالم اسلام کی بڑی خوش قسمتی ہوتی اگر خلیفہ اپنی فراست، تدبر اور منصوبہ ساز صلاحتیں امت کے اجتماعی مفاد کے لیے استعمال کرتا۔ مگر یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ خلیفہ نہ صرف یہ کہ اپنی ہمسایہ اسلامی ریاستوں پر کفار کی یلغار کے موقع پر غیر جانبدار رہا، بلکہ خوارزم کی تباہی و بربادی میں خلیفہ کا پورا پورا ہاتھ تھا۔ ⑦

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سلطنت شام ومصر..... بغداد کے مغرب میں شام و مصر کی سلطنت غازیِ اسلام سلطان صلاح الدین ایوبی کے زیر نگیں آچکی تھی۔ صلاح الدین ایوبی امت مسلمہ کی سو سالہ دعاؤں کا ثمر تھے۔ گذشتہ ایک صدی سے عالم اسلام کو عیسائی حکمرانوں کے متواتر حملوں کا سامنا تھا۔ خلافت عباسیہ میں وہ دم خم باقی نہ رہا تھا کہ وہ ان چیرہ دستیوں کا منہ توڑ جواب دیتی۔ منصور، ہارون الرشید، مامون الرشید اور معتصم باللہ جیسے باحشمت خلفاء کا زمانہ قصہ پارینہ بن چکا تھا۔ تمام صوبے مرکز سے کٹے ہوئے تھے، خصوصاً مصر میں فاطمی خاندان کی شیعہ حکومت نے مرکز اسلام کو کمزور سے کمزور تر کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہنے دی تھی۔ ان حالات کے باوجود جب تک ملک شاہ سلجوقی جیسے اولالعزم مجاہد اسلامی سرحدوں کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیتے رہے عیسائیوں کو زیادہ آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ پانچویں صدی کے آخر میں ملک شاہ کے وفات پاتے ہی صلیبی سیلاب عالم اسلام کے دروازے پر دستک دینے لگا۔ رجب ۴۹۲ھ (۱۰۹۹ء) میں عیسائی سلطنتوں کی متحدہ افواج نے بیت المقدس کا محاصرہ کرلیا۔ بیالیس دن پر محیط اس محاصرے کے دوران اہل شہر کو کسی بیرونی اسلامی ریاست سے کوئی امداد نہ پہنچ سکی۔ حتیٰ کہ ماہِ شعبان میں عیسائی افواج شہر میں داخل ہوگئیں۔ کئی ہفتے

تک مسلم آبادی کا قتل عام جاری رہا، صرف مسجد اقصیٰ میں شہید کیے جانے والے افراد ستر ہزار سے متجاوز تھے۔

عیسائی فاتحین کے گھوڑے مقتولین کے خون میں غوطے لگا رہے تھے۔ اس کے بعد تقریباً ایک صدی تک مسلمان قبلۂ اول کے لیے ترستے رہے۔ آخر کار مشیت ایزدی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کو مسجد اقصیٰ کی بازیابی کے لیے صلیبی حکمرانوں سے ٹکر لینے کا حوصلہ عطا کیا۔ ۵۶۷ھ (۱۱۷۲ء) صلاح الدین ایوبی نے فاطمی شیعہ حکومت کو ختم کر کے مصر میں اپنا اقتدار مضبوط کرلیا۔ اندرونی شورشوں کو رفع کرنے کے بعد ۵۶۹ھ (۱۱۷۴ء) میں انہوں نے عیسائی مقبوضات پر دھاوا بول دیا۔ بالآخر چودہ سال کے مسلسل جہاد کا نتیجہ بیت المقدس کی فتح کی صورت میں ظاہر ہوا۔ رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں ۹۱ سال کے تعطل کے بعد قبلۂ اول پھر فرزندان توحید کے سجدوں سے آباد ہوگیا۔

اس تمام تر تاریخی جدوجہد کے دوران بغداد وخوارزم کی سلطنتیں اپنے اندرونی اور باہمی تنازعات میں الجھی رہیں۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی کی افواج صلیبیوں سے آخری معرکہ آزمائی کے لیے بیت المقدس پر حملہ کی تیاری کر رہی تھیں، خلیفۃ المسلمین اپنے وزیر اعظم مجدالدین سے سرد جنگ لڑنے میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اور ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ بیس (۲۰) سالہ جہادی خدمات انجام دے کر جان جاں آفریں کے سپرد کر رہے تھے، خوارزم میں سلطان تکش اپنے بھائی کے اقتدار کا خاتمہ کر کے بیس (۲۰) سالہ خانہ جنگی سے فارغ ہو رہا تھا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کی رحلت کے بعد ان کے بیٹوں اور بھائی الملک العادل کے درمیان اقتدار کے حصول کے لیے زبردست کشمکش پیدا ہوگئی۔ بالآخر الملک العادل نے تمام شام اور مصر پر قبضہ مستحکم کرلیا۔ ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) میں الملک العادل نے وفات پائی اور اس کی سلطنت اس کے فرزندوں کے درمیان تقسیم ہوگئی۔ اس کا حوصلہ مند بیٹا الملک الکامل مصر کا حاکم بن گیا۔ دوسرے بیٹے الملک المعظم عیسیٰ نے شام اور القدس کی حکومت سنبھال لی۔ تیسرے بیٹے الملک الاشرف موسیٰ کو خلاط اور الجزیرہ کا اکثر حصہ ورثے میں ملا۔ چوتھے بیٹے الملک المظفر شہاب الدین نے رُہا اور میافارقین کی ولایت حاصل کی۔ غرضیکہ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی وفات کے چھبیس سال بعد ان کی عظیم مملکت ان کے برادرزادوں کے درمیان منقسم ہو کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ (۹)

غوری سلطنت ..... جن دنوں سلطان تکش خوارزم میں اپنی حکومت کی بنیادیں مستحکم کر رہا تھا، اس کے جنوب مشرق میں موجودہ افغانستان کے علاقے سے غوری سلطنت ایک طوفان کی اُمنڈتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ اس سلطنت کا دارالحکومت ''فیروزکوہ'' تھا۔

یہاں کا حکمران سلطان غیاث الدین غوری تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین کو غزنی کے تخت پر بٹھا کر ان کو سلطان ''معزالدین'' کا خطاب دے رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ تاریخ میں شہاب الدین غوری ہی کے نام سے پہچانے گئے۔ تاہم اس طرح یہ دونوں بھائی مستقل سلطان ہوگئے۔ پھر بھی سلطان شہاب الدین غوری نے ہمیشہ خود کو چھوٹا سمجھا اور بڑے بھائی کی زندگی میں وہ اس کی نیابت کا دم بھرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں بھائی جس مثالی اتحاد واتفاق سے حکومت کر رہے تھے اس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملے گی۔ شہاب الدین غوری کی تلوار ہندوستان کے بت پرستوں کے خلاف مسلسل بے نیام رہی اور غیاث الدین کی ترک تازیوں سے اس کے شمال مغربی و

شمال مشرقی ہمسائے (خوارزمی سلاطین اور ترکان خطا) ہمیشہ خائف رہے۔ ان دونوں حوصلہ مند بھائیوں نے اپنی صلاحیتیں کبھی باہمی محاذ آرائی میں ضائع نہیں کیں بلکہ متحد ہوکر ہمیشہ بیرونی طاقتوں کے خلاف سینہ سپر رہے۔

۵۸۷ھ (۱۱۸۷ء) میں تراوڑی کے تاریخی میدان میں سلطان شہاب الدین غوری اور دہلی کے راجا پرتھوی راج کے مابین گھمسان کا رَن پڑا، پرتھوی راج کی ٹڈی دل فوج میں ڈیڑھ سوراجے اپنے لشکروں سمیت شامل تھے، صرف جنگی ہاتھیوں کی تعداد تین ہزار سے زائد تھی، جبکہ تین لاکھ سوار تھے، پیادہ افواج کی تعداد کا کوئی شمار ہی نہ تھا، شہاب الدین غوری کے سرفروشوں کو اس تعداد سے کچھ نسبت نہ تھی مگر نصرت خداوندی ان کے شامل حال رہی۔ ہندوؤں کو بڑی عبرت ناک شکست ہوئی، پرتھوی راج فرار ہوتے ہوئے مارا گیا، اور دہلی پر غوری حکمرانوں کے ہاتھوں اسلامی پرچم لہرا دیا گیا۔ اس کامیابی کے بعد سلطان شہاب الدین نے چند سال کے اندر اندر مزید فتوحات حاصل کیں اور نوخیز غوری حکومت کو غزنی سے بنگال تک وسعت دے دی۔

یہ نکتہ سرگزشتِ ملتِ بیضا سے ہے پیدا　　　کہ اقوام زمینِ ایشیا کا پاسباں تو ہے

غوری خاندان کے اس اچانک عروج سے خوارزمی حکمرانوں کو تشویش لاحق تھی اور یہ ایک قدرتی امر تھا، اس لیے کہ غوری حکمران اپنے آپ کو غزنوی سلاطین کا نائب تصور کرتے ہوئے ان کے تمام مقبوضات پر حاوی ہونے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ جنوب میں وہ اس مہم کو سرانجام دے چکے تھے جبکہ شمال کا قرض ابھی ان پر باقی تھا۔ ⑩

اتابکان شیراز..... خوارزم کے جنوب مغرب میں شیراز کے علاقے پر اتابکانِ شیراز کی چھوٹی سی خود مختار حکومت قائم تھی۔ اتابک سعد بن زنگی یہاں کا حکمران تھا۔ یہ حکومت صلح پسند تھی، ''چلو تم اُدھر کو، ہوا ہو جدھر کی'' کی پالیسی پر عمل پیرا رہی، خوارزم شاہی حکمرانوں کو غالب دیکھتی تو اظہارِ وفاداری کرتی اور ان کا پہلو کمزور دیکھ کر بغاوت کرنے سے بھی نہ چوکتی۔

یہی خطہ شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کا وطن تھا۔ اتابکانِ شیراز کی شان میں شیخ کے اشعار بوستان میں موجود ہیں۔ سعد بن زنگی کے نام پر ہی شیخ نے اپنا تخلص سعدیؔ رکھا تھا۔ خوارزمی سلطنت کے نابود ہونے کے بعد یہ حکومت تاتاریوں کی باج گزار بن گئی تھی۔

سلاجقہ عراق..... سلجوقی حکومت کئی ٹکڑوں میں بٹ کر انحطاط کے آخری درجے میں تھی۔ رے، ہمدان اور عراق کے کچھ حصے پر ان کا ایک گروہ جو ''سلاجقہ عراق'' کے نام سے معروف تھا حکومت کر رہا تھا۔ ان کا آخری حکمران طغرل ثانی، سلطان تکش کا ہم عصر تھا، بے حد دلیر، جنگجو اور قوتِ جسمانی میں بے مثل تھا۔ اس کی جنگ آزما طبیعت کسی وقت بھی خوارزم کے لیے خطرہ بن سکتی تھی۔

سلاجقہ روم..... سلجوقی خاندان کا ایک اور گروہ ارض روم (موجودہ ترکی) پر قابض تھا۔ یہ فرنگیوں سے بھی نبرد آزما رہتے اور خوارزمی حکومت کے بھی مستقل حریف رہے۔ چونکہ خوارزمی اقتدار سلجوقی حکومت کے بطن سے ظہور پذیر ہوا تھا اور سلجوقی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ساتھ خوارزم عروج پذیر ہوا تھا، اس لیے سلجوقی حکمرانوں کی ہر شاخ نے خوارزمیوں کو اپنا مدمقابل خیال کیا۔

سلاجقہ روم کی حکومت کا سلسلہ ساتویں صدی ہجری کے آخر تک قائم رہا، ان کا پایۂ تخت قونیہ تھا۔ یہاں کا حاکم ''غیاث الدین کی خسرو اول'' تھا، اس کے بعد اس کا بیٹا ''علاؤالدین کیقباد'' تکش کے وارثین کا ہم عصر رہا۔

اتابکان آذربائی جان..... اتابکان آذربائی جان بھی سلجوقی حکمرانوں کے پروردہ تھے۔ انہوں نے بھی قوت وشوکت پاکر خودمختار حکومت قائم کرلی تھی۔ ساتویں صدی ہجری میں سلطان تکش کے پوتے جلال الدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں یہ حکومت ختم ہوکر خوارزم شاہی مقبوضات میں شامل ہوگئی۔ مگر اس کے چند سال بعد ہی خود خوارزمی سلطنت بھی مٹ گئی۔

الموت..... قزوین کے کوہستانی سلسلے میں الموت نامی قلعے میں ''ملاحدہ'' کی اجارہ داری تھی۔ نہ صرف خوارزم بلکہ آس پاس کی تمام حکومتیں ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ تھیں۔ ان کا بانی حسن بن صباح تھا اور آخری حکمران رکن الدین خورشاہ تھا۔ اس حکومت کا خاتمہ سقوط بغداد کے ساتھ ساتھ ہی ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوا۔

اربیل..... عراق کے نواح میں اربیل کے علاقے پر مظفرالدین کوکبری کی چھوٹی سی خودمختار حکومت قائم تھی۔ خلافت بغداد سے اس کے گہرے مراسم تھے۔ (۱۱)

مذکورہ حکومتوں کے علاوہ متعدد چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں کے بننے اور ختم ہونے کا سلسلہ اس دور میں بڑی تیزی سے جاری رہا۔ شام، عراق اور موجودہ ترکی کے علاقوں میں اس طوائف الملوکی کا زیادہ دور تھا۔

سلطان علاؤ الدین تکش کا دورِ حکومت..... سلطان تکش نے حد درجہ مہم جویانہ طبیعت پائی تھی۔ اپنے بھائی ''سلطان شاہ'' کی وفات کے بعد ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) میں کامل طور پر مملکت خوارزم کا انتظام سنبھالتے ہی اس نے ریاستی حدود اربعہ کے اضافے پر توجہ دی۔ خوارزم شاہی اقتدار کے عروج کے ساتھ ہی سلجوقی سلطنت سمٹ کر مختلف ٹکڑوں میں بکھر چکی تھی اور روز بروز زوال پذیر تھی۔ عراق میں طغرل ثانی سلجوقی اقتدار کا آخری نمایندہ تھا۔ تکش نے چند زوردار حملوں کے بعد اس کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ رے اور ہمدان جیسے اہم شہر بھی اس کے مقبوضات میں داخل ہوگئے اور خوارزمی ریاست کی حدود بغداد کی سرحدوں کو چھونے لگیں۔

خلیفہ ناصر سے جھڑپ..... یہ صورتحال خلیفہ ناصر کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے خوارزم شاہ سے مطالبہ کیا کہ عراق کے بعض اضلاع خلافت بغداد کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ تکش نے اسے منظور نہ کیا۔ دونوں مملکتوں کے باہمی تعلقات روز بروز کشیدہ ہوتے گئے۔ ۵۹۲ھ (۱۱۹۶ء) میں ہمدان کے مقام پر خوارزمی اور خلافتی افواج کے مابین گھمسان کا معرکہ ہوا جس میں بغداد کی افواج بدترین شکست سے دوچار ہوکر پسپا ہوگئیں۔

اس سے پہلے بھی تکش اور خلیفۂ بغداد کی فوجوں میں دوبار معمولی جھڑپیں ہوچکی تھیں، لیکن اس بار خلافتی افواج کو ایسی زک پہنچی کہ انہوں نے پھر کبھی خوارزمی سرحد پر حملے کی ہمت نہ کی۔

ترکان خطا کی گوشمالی..... خلیفہ ناصر کا مزاج درست کرنے کے بعد تکش نے ترکان خطا کی سرکوبی کا ارادہ کیا۔ بلاشبہ یہ ایک دشوار تر جنگی مہم تھی مگر تکش میں حوصلے کی کمی نہ تھی چونکہ خوارزمی وغوری حکمرانوں کے تعلقات اب تک کشیدہ رہے تھے اور ترکان خطا جیسے مشترکہ دشمن کے مقابلے میں کامیابی کے لیے دونوں درباروں کا اتحاد ضروری تھا، سو تکش نے اس ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے غیاث الدین غوری کے ساتھ مصالحت کرلی۔

غیاث الدین غوری کے مشورے سے تکش نے خلیفہ بغداد سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش بھی شروع کی۔ خلافت بغداد سے بھی اس کا مثبت جواب آیا۔ ہر طرف سے مطمئن ہوکر تکش پوری قوت سے ترکان خطا کے مقابلے کی تیاری کرنے لگا۔ ترکان خطا اس کے لیے پہلے ہی مستعد تھے، انہوں نے ازخود یلغار کرکے ''اورگنج'' کا محاصرہ کرلیا۔

تکش کی افواج نے فصیل بند ہو کر اس دلیری سے مقابلہ کیا کہ ترکان خطا کی بڑی تعداد ماری گئی اور باقی ماندہ نے پسپائی اختیار کی۔ (۱۲)

حسن بن صباح کے جانشینوں سے ٹکر...... ابھی ترکان خطا کی مکمل سرکوبی نہیں ہوئی تھی کہ تکش کو ایک اور مہم سر کرنا پڑی۔ خوارزمی ریاست موجودہ ''جمہوریہ ایران'' کے اکثر علاقے پر محیط ہو چکی تھی، شمال مغرب میں اس کا آخری اہم شہر ''قزوین'' تھا۔ قزوین سے متصل دشوار گزار سلسلہ کوہ میں ایک ناقابل تسخیر فلک بوس پہاڑ پر حسن بن صباح کے پیروکاروں کا مرکز ''قلعہ الموت'' واقع تھا۔

حسن بن صباح کا تعلق اسماعیلی فرقے سے تھا۔ یہ وہ فرقہ ہے جس کے پیروکار چھٹی صدی ہجری کے وسط تک مصر پر قابض رہے تا آنکہ صلاح الدین ایوبی نے آکر ان کا تختہ الٹا۔ حسن بن صباح بذات خود اپنے مذہب کا مجتہد تھا۔ اس نے بڑی حد تک اسماعیلیہ عقائد و اعمال میں ترامیم اور تغیرات کر کے مذہب کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا۔ اس کے داعی پورے ایران و ترکستان میں پھیل گئے۔ قلعہ الموت ان کی سرگرمیوں کے لیے نہایت محفوظ مستقر کا کام دیتا رہا۔ قلعے کے آس پاس کے کوہستانی سلسلے میں انہی لوگوں کا راج تھا۔ حسن بن صباح نے قلعہ الموت کے اردگرد پھیلے ہوئے سرسبز و شاداب کہسار میں کئی میل پر پھیلی ہوئی ایک مصنوعی جنت تعمیر کروائی جس میں نفسانی لذتوں کا ہر سامان میسر تھا۔ حسن اس جنت میں اپنے مخصوص معتقدین کو کچھ عرصہ رہنے کا موقع دے کر ان کی اس قدر پختہ تربیت کرتا کہ وہ اس کے اشارۂ ابرو پر جان نثار کرنے میں دیر نہ کرتے۔ یہ مخصوص لوگ ''فدائی'' کہلاتے۔ انہیں خنجر زنی کی خاص مشق کرا کے دنیا کے اہم سیاسی و عسکری مراکز میں بطور جاسوس مقرر کر دیا جاتا۔ حسن کا اشارہ ملتے ہی بڑے بڑے جرنیل، امراء اور سلاطین فدائی خنجر کی بھینٹ چڑھ جاتے۔ حسن بن صباح کی ان سرگرمیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام دنیا کے درباروں پر اس کی ہیبت چھا گئی اور اس کا ہر مطالبہ تسلیم کیا جانے لگا۔

۵۱۸ھ (۱۱۲۴ء) میں حسن بن صباح مر گیا لیکن اس کے نائبین نے قلعہ الموت سے اپنی کارروائیاں اسی طرح جاری رکھیں، ان کی سفاکانہ غارت گری سے عالم اسلام نہایت ضیق میں تھا۔ نظام الملک طوسی اور شہاب الدین غوری جیسی نابغۂ روزگار ہستیوں نے ان کے بے رحم خنجر سے لہو کا غسل کیا۔ سلطان سنجر، سلطان صلاح الدین ایوبی اور امام فخر الدین رازی جیسی گراں مایہ شخصیتیں ان کی زد میں رہیں۔ (۱۳)

سلطان تکش نے اس فتنے کو انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کیا اور ایک لشکر جرار لے کر الموت کا رخ کیا مگر طویل محاصرے کے بعد بھی قلعہ الموت ناقابل تسخیر رہا۔ تاہم تکش نے ان کا ایک اور قلعہ بزور شمشیر فتح کر لیا۔ کچھ عرصے بعد فدائیوں نے ''ترشیز'' میں اپنا ایک نیا مرکز بنا لیا اور حسب سابق اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ انہی دنوں ایک فدائی نے موقع پا کر تکش کے وزیر ''نظام الملک ہریوہ'' کو شہید کر دیا۔ سلطان تکش اس حادثے سے نہایت رنجیدہ ہوا اور شہزادہ قطب الدین محمد کو تازہ افواج دے کر ترشیز پر حملے کا حکم دے دیا۔ شہزادہ قطب الدین نے ترشیز کا محاصرہ کر لیا۔ طرفین میں شدید خوں ریز جنگ جاری رہی۔ چار ماہ گذر گئے مگر فصیل سَر نہ ہو سکی۔ آخر کار سلطان تکش نے شدید بیماری کے عالم میں بستر سے اٹھ کر خود فیصلہ کن حملہ کے لیے ترشیز کا رُخ کیا۔ طبیبوں نے اس طویل سفر سے منع کیا مگر سلطان نہ رکا۔ راستے ہی میں مرض اس قدر بڑھ گیا کہ بچنے کی امید نہ رہی، بالآخر ترشیز پہنچنے سے قبل ۱۹ رمضان ۵۹۶ھ (۳ جولائی

۱۲۰۰ء) کو چھبیس سال تک خوارزم پر حکومت کرنے والا یہ عظیم المرتبت بادشاہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ چونکہ اس طویل دور حکومت میں خوارزم کا مرکزی حصہ ''اورگنج'' سلطان تکش ہی کے زیر قبضہ رہا اس لیے اصل حکمران کہلانے کے قابل وہی ہے۔ اس کا چھوٹا بھائی سلطان شاہ بیس سال تک اس سے بے سود الجھتا رہا مگر آخر تک کچھ حاصل نہ کر سکا۔ اگر سلطان تکش اس بے فائدہ خانہ جنگی میں مبتلا نہ ہوتا تو امت مسلمہ ایک عظیم جانی و مالی خسارے سے محفوظ رہ جاتی۔

سیرتِ سلطان تکش ...... سلطان تکش علماء کا بڑا قدردان تھا اور مدارس دینیہ کے قیام کا بڑا ولولہ رکھتا تھا۔ اس کی تدفین اسی مدرسے میں ہوئی جو اس نے بذات خود تیار کرایا تھا۔

خانہ جنگی سے فرصت پا کر تکش کو خوارزمی تخت پر بیٹھنے کے لیے صرف چھ سال مزید میسر آ سکے مگر اس مختصر عرصے میں بھی اس نے حیرتناک کامیابیاں حاصل کیں اور جب اس کا انتقال ہوا تو سلطنتِ سلجوقیہ کے کھنڈرات پر تعمیر شدہ سلطنت خوارزم از حد وسیع ہو چکی تھی۔ شمال مغرب میں ایشیائے کوچک کی سلجوقی مملکت، اور جنوب مشرق میں غوری خاندان کی نئی جنگ آزما قوت کے سوا ترکستان اور ایران کا تقریباً سارا علاقہ خوارزمی حکومت کے زیر تصرف آ چکا تھا۔

تکش کی کامیابیوں میں اس کی ملکہ ترکان خاتون کا بڑا دخل تھا۔ ترکان خاتون کا تعلق ترکوں کے زبردست جنگجو قبیلے ''قبچاق'' سے تھا۔ ترکان خاتون اس قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی۔ جب تکش نے اس سے نکاح کیا تو قبچاقی ترکوں کی بے پناہ طاقت اس کے ساتھ ہو گئی جسے وہ ہر معرکے میں کامیابی کے ساتھ کام میں لایا۔ ترکان خاتون فوجی اور سیاسی امور میں بذات خود بھی بڑی حد تک دخیل رہی اور سلطان تکش کو ہر مہم میں اس کی رائے کا لحاظ رکھنا پڑا۔ تکش کے فاتحانہ وسپاہیانہ اوصاف اس کے جانشین علاؤ الدین محمد اور پوتے جلال الدین منکبرتی میں بھی بدرجہ اتم موجود تھے۔ (۱۴)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ ۵۹۶ھ میں وفات پانے والی اہم شخصیات میں سلطان تکش کا نام سرفہرست رکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ تکش ابن ارسلان، طاہر بن حسین کی اولاد سے تھا۔ یہ خوارزم، خراسان اور رے سمیت دیگر کئی وسیع علاقوں کا حکمران تھا۔ اسی نے سلجوقی اقتدار کا خاتمہ کیا۔ عادل اور نیک سیرت تھا۔ موسیقی کے فن سے بھی آشنا تھا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کا عالم اور اصول فقہ سے خوب واقف تھا۔ اس نے خوارزم میں احناف کے لیے ایک عظیم الشان مدرسہ تعمیر کرایا تھا۔ اسی مدرسے کی خاک میں اسے دفن کیا گیا۔'' (۱۵)

تکش کے عفوو درگزر کا ایک قصہ ...... ایک بار سلطان تکش ایک شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ اہل شہر نے اپنے غصے کی بھڑاس نکالنے کے لیے ایک کانے کتے کو کرتا اور ٹوپی پہنا کر اس کا نام ''خوارزم شاہ'' رکھ دیا کیونکہ سلطان تکش بھی یک چشم تھا۔ بعد ازاں اس کتے کو منجنیق میں رکھ کر شہر سے باہر خوارزمی فوج کے پڑاؤ کی طرف پھینک دیا اور فصیل سے صدا بلند کی:

> ''لو! یہ ہے تمہارا بادشاہ''

تکش نے ایک طویل محاصرے کے بعد جب شہر فتح کیا تو دیگر اہل شہر کے ساتھ اس شرارت کے منصوبہ سازوں کو بھی معاف کر دیا۔ (۱۶)

حواشی وحوالہ جات

① بیہقی بہ روایت ابوالریحان البیرونی ② کذا قال البیرونی

③ تاریخ الکامل لابن اثیر ج ۳۔ص ۲۱۵

④ ابن اثیر ج ۳ ص ۳۷۴......ابن خلدون ج ۵ ص ۸۸......

⑤ جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۳

⑥ ابن اثیر ج ۷، ص ۲۲۵ تا ۲۳۰، ۴۱۱ تا ۴۱۳...... جہاں کشا جوینی ج ۲......ابن خلدون ج ۵ ص ۹۰، ۹۱

⑦ اس کا دور خلافت ۴۷ سال تک رہا، اموی وعباسی خلفاء میں سے کسی نے اتنے طویل عرصے تک حکومت نہیں کی۔

⑧ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۰، ۶۲۱......البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۵

⑨ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۹۳ تا ۹۶......ابن اثیر ج ۷ ص ۲۲۵ تا ۲۳۰، ۴۱۱ تا ۴۱۳......ابن خلدون ج ۵ ص ۹۱

⑩ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۰۰......ابن خلدون ج ۵ ص ۹۴......تاریخ ملت ج ۳

⑪ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ج ۳

⑫ روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۱۵......ابن خلدون ج ۵ ص ۹۵

⑬ حسن ابن صباح از عبدالحلیم شرر ص ۵۶ تا ۶۰

⑭ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۴......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۲......ابن خلدون ج ۵ ص ۹۵

⑮ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۲۸ ⑯ ابن اثیر ج ۷ ص ۴۳۱
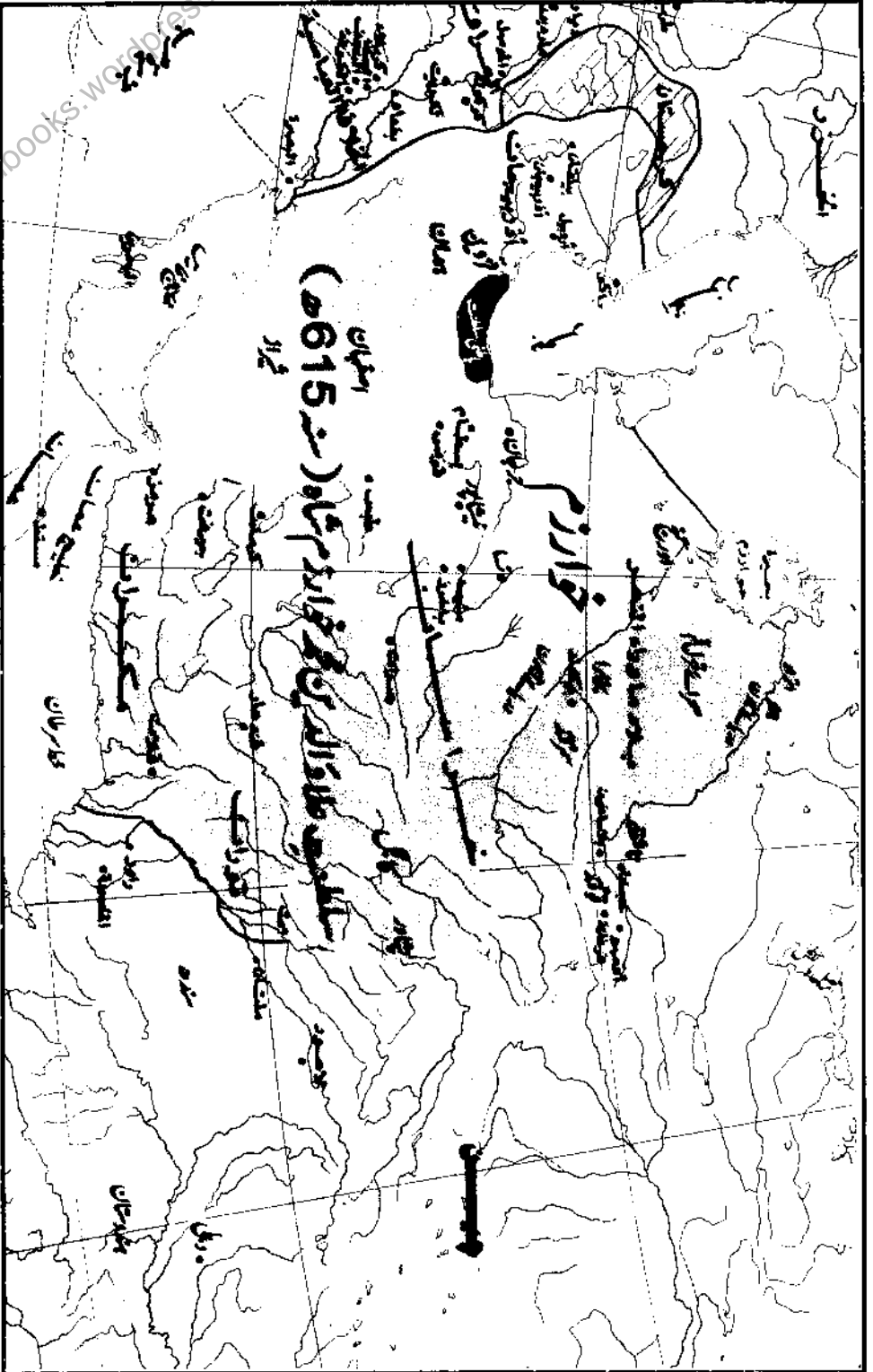
سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ

اے مردِ خدا! ملکِ خدا تنگ نہیں ہے　　جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی تخت نشینی ..... سلطان تکش کی ناگہانی موت کے باوجود بلند ہمت شہزادے قطب الدین محمد نے ترشیز کا محاصرہ جاری رکھا، آخر کار اہلِ شہر صلح پر مجبور ہو گئے، صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ قطب الدین محمد نے محاصرہ اٹھا لیا اور بسُرعت پایۂ تخت روانہ ہوا۔ اور گنج پہنچ کر ۲۰ شوال ۵۹۶ھ (۲/ اگست ۱۲۰۰ء) کو قطب الدین محمد اپنے باپ کا لقب اختیار کر کے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ بن کر تختِ خوارزم پر براجمان ہوا۔ (۱) چوں کہ اس کا اصل نام صرف محمد تھا اس لیے مؤرخین کبھی اسے محمد خوارزم شاہ کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے اپنے باپ کا صحیح جانشین نظر آتا تھا، جرأت، دلیری، جہاں گیری و جہاں داری میں وہ اپنے دور کا سکندر تھا، عرب مؤرخین نے اپنی تواریخ میں اس کی شخصیت کا اچھے لفظوں میں ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے باپ کی طرح فقہ حنفی کا پابند، مسلک اہل سنت والجماعت کا پیروکار، خوش عقیدہ اور دیندار تھا۔ غیرت و شجاعت کی بھی اس میں کمی نہ تھی۔ لیکن ان تمام تر خوبیوں کے باوجود اس سے چند ایسی سنگین غلطیاں ہوئیں جن کے وبال سے اس کے سارے کارناموں پر پانی پھر گیا اور عالمِ اسلام مشرق تا مغرب راکھ کا ڈھیر بن گیا۔

غوریوں سے ٹکر ..... علاؤ الدین محمد کے برسرِ اقتدار آتے ہی آس پاس کی ریاستوں نے اسے ناتجربہ کار گمان کر کے خوارزم پر چڑھائی کے منصوبے بُننے شروع کر دیئے۔ حاکم افغانستان غیاث الدین غوری نے سابقہ صلح نامے کا خیال نہ کرتے ہوئے حملہ کر کے خوارزمی سلطنت کے شہروں نسا، مرو اور سرخس پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد طوس اور نیشاپور پر یلغار کر کے انہیں بھی غوری سلطنت میں شامل کر لیا۔

علاؤ الدین محمد کو تخت پر قدم رکھتے ہی ایک بھیانک صورتحال کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ تاہم اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے غوری حکمران کو لکھا:

> ''میں سمجھتا تھا کہ میرے والدِ محترم کے سانحۂ وفات کے بعد اگر ترکانِ خطا خوارزم پر حملہ آور ہوئے تو آپ میری امداد کریں گے، لیکن مقامِ حیرت ہے کہ خود آپ نے مجھ پر یلغار کر دی۔ یہ مردانگی کے خلاف ہے۔ آپ میری ریاست سے افواج واپس بلائیں ورنہ میں ترکانِ خطا سے مدد لینے پر مجبور ہو جاؤں گا۔''

غیاث الدین نے اس مراسلے کا کوئی مثبت جواب نہ دیا۔ اس پر علاؤ الدین محمد شمشیر بکف ہو کر میدانِ جنگ میں اتر پڑا، اور غوری و خوارزمی سپاہ میں ایک طویل معرکہ آزمائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ (۲)

غوریوں کی قیادت غیاث الدین غوری کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان کی مہمات میں

مصروف تھے۔ ان کی انتھک جہادی سرگرمیوں کے باعث پشاور سے لے کر دہلی اور بنگال تک کا علاقہ اسلامی حکومت میں داخل ہوگیا تھا۔ سلطان شہاب الدین کی ہندوستان سے فاتحانہ واپسی ہوئی تو غوریوں کو مزید تقویت حاصل ہوئی اوران لڑائیوں میں مزید شدت آ گئی۔ اسی اثناء میں غیاث الدین غوری کی وفات ہوگئی۔ اب سلطان شہاب الدین کو بذات خود ہوسِ اقتدار کی ان جنگوں کی قیادت کرنا پڑی جوامت مسلمہ کے لیے سراسر سببِ خسران تھیں۔

ایک فیصلہ کن مقابلے کیلیے جنگی ہاتھیوں پر مشتمل لشکر جرار لے کر سلطان شہاب الدین خوارزم کے پایۂ تخت پر حملہ آور ہوئے۔ خوارزمی فوج نے خود شہر بند ہوکر عقب سے دریائے جیحوں کی اس نہر کا بند کاٹ دیا جس کے کنارے غوری افواج خیمہ زن تھیں۔ غوری افواج کے پڑاؤ کا میدان ایک بڑی جھیل میں تبدیل ہوگیا اور غوری افواج کو اس سے نکلنے ہی میں چالیس دن صرف ہوگئے۔ اس غیر متوقع صورتحال کے بعد سلطان شہاب الدین اپنی افواج کو لے کر واپس ہوگئے۔ راستے میں خوارزمی افواج کے چھاپہ ماردستوں اور ترکان خطا کی چیرہ دستیوں نے اس کی بہت کم فوج کو زندہ سلامت وطن واپس پہنچنے دیا۔

شوال ۶۰۱ھ (اپریل ۱۲۰۶ء) میں سلطان شہاب الدین پھر ہندوستان کی مہم پر نکلے۔ اس دوران وہ دریائے جہلم کے کنارے آرام کررہے تھے کہ ایک فدائی کے خنجر نے انہیں لیلائے شہادت سے ہمکنار کردیا، ابن اثیر کے بقول ان کی تاریخ شہادت یکم شعبان ۶۰۲ھ تھی۔ ③

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن   نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت غور کی نوخیز سلطنت کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں علاؤالدین محمد نے غوریوں کا سب سے مضبوط گڑھ ہرات فتح کرلیا اور اسی سال غوری خاندان کے آخری حکمران غیاث الدین محمود کو قتل کر کے غور اور فیروز کوہ پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس طرح خوارزمی سلطنت کی جنوب مشرقی حدود موجودہ افغانستان کی جنوبی سرحدوں سے متجاوز ہوکر دریائے سندھ کے کنارے تک پھیل گئیں اور عظیم غوری سلطنت کے ورثا پنجاب کی حدود میں سمٹنے پر مجبور ہوگئے۔ ④

ترکانِ خطا سے معرکے ..... غوری خاندان کے خلاف دس سال کی مسلسل جنگ جوئی سے فارغ ہوکر محمد خوارزم شاہ نے اپنے باپ سلطان تکش کی اس مہم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم کیا جو اس نے ترکان خطا کے خلاف شروع کی تھی۔ غوریوں سے نبرد آزمائی کے زمانے میں محمد خوارزم شاہ ترکان خطا سے صلح کر کے ان کو خراج ادا کرتا رہا تھا۔ یہ ایک سیاسی چال تھی۔ اب فیصلہ کن ٹکراؤ کا وقت آ چکا تھا۔ علاؤالدین محمد نے افواج مرتب کر کے مشرق کی طرف بخارا کا رُخ کیا جہاں کی مسلم اکثریت ترکان خطا کے ظلم وستم سے بلبلا رہی تھی۔ اہل شہر نے سلطان علاؤالدین محمد کی آمد کو نعمت خداوندی جان کر اظہار اطاعت کیا اور شہر بغیر مزاحمت کے فتح ہوگیا۔ اس کے بعد خوارزمی افواج سمرقند کی طرف روانہ ہوگئیں۔ یہاں ترکان خطا کی طرف سے مقرر کردہ کٹھ پتلی مسلمان حاکم عثمان خان نے جو خانِ خانان کہلاتا تھا بلا روک ٹوک شہر خوارزم شاہ کے حوالے کردیا۔ ⑤

شان دار فتح ..... ترکان خطا سلطان کی ان فتوحات سے نہایت برافروختہ ہوئے، مؤرخ ابن خلدون کے بیان کے مطابق اس وقت ان کا بادشاہ طانیکوطراز نامی ایک جنگجو بوڑھا تھا جس کی عمر سو سال سے زائد تھی۔ نہایت شجاع، عیار

اور تجربہ کار انسان تھا، ہر جنگ میں فتح یاب ہوتا آیا تھا سلطان سنجر سلجوق اور سلطان شہاب الدین غوری جیسے باعظمت فاتحین بھی اس سے شکست کھا چکے تھے۔ وہ اپنا ٹڈی دَل لشکر لے کر از خود خوارزمی افواج پر حملے کے لیے بڑھا، علاؤ الدین محمد نے بھی دریائے جیحوں عبور کر کے پیش قدمی کی۔

ربیع الاول ۶۰۶ھ میں دونوں لشکر ایک صحرا میں آمنے سامنے ہوئے۔ یہ جمعہ کا دن تھا۔ سلطان علاؤ الدین نے حکم دیا کہ تیر انداز اور شمشیر زن اس وقت تک حرکت میں نہ آئیں جب تک مساجد میں خطبوں کے دوران خطیب اَللّٰھُمَّ انْصُرْ جُیُوشَ الْمُسْلِمِیْن نہ کہہ دیں، جونہی یہ وقت آیا سلطان علاؤ الدین کے اشارے پر مسلمانوں نے حملہ کر دیا۔ نصرت خداوندی سلطان علاؤ الدین کے ساتھ تھی۔ گھمسان کی لڑائی کے بعد ترکان خطا کے قدم اکھڑ گئے، ان کی بے شمار فوج تہ تیغ ہوگئی۔ خود شاہ ''طانیکوطراز'' زخمی ہو کر گر پڑا، ایک مجاہد جو اسے جانتا نہ تھا بجلی کی طرح لپکا، وہ اس کا سر اڑانے کے لیے تلوار سونت چکا تھا کہ قریب کھڑی خطائی باندی نے چلا کر کہا: ''اسے قتل مت کرو، یہ ہمارا بادشاہ طانیکوہ ہے۔''

سپاہی اسے گرفتار کر کے سلطان علاؤ الدین محمد کے پاس لے گیا جس نے اسے گرفتار شدگان کے ساتھ خوارزم کے قید خانے بھیج دیا۔ یہ ایک بے مثال فتح تھی، جس نے ترکان خطا کی کمر توڑ کے رکھ دی۔ سلطنت خوارزم میں فتح یابی کا جشن منایا گیا۔

درباری منشیوں نے ملک بھر میں نشر کرنے کے لیے فتح نامے تحریر کیے اور ان میں علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو سکندر ثانی کے لقب سے یاد کیا۔ سلطان کو معلوم ہوا تو کہا:

''سکندر کے دورِ حکومت کی بنسبت سلطان سنجر کا زمانہ زیادہ طویل تھا، بہتر ہوگا کہ نیک فالی کے طور پر اس کے ساتھ سنجر کا لقب بھی بڑھا لیا جائے۔''

اس دن سے امراء سلطنت علاؤ الدین محمد کو ''سنجرِ ثانی'' اور ''سکندرِ ثانی'' کے القابات سے یاد کرنے لگے۔ فخر الملک نظام الدین فرید جامی اور ضیاء الدین فارسی نے فتح کے جشن میں یادگار قصیدے پڑھ کر سنائے۔ (۶) ضیاء الدین نے اپنے قصیدے میں کہا:

سلطانِ علاء دنیا سنجر کہ ذوالجلال — چہ از خلق برگزیدش و جاہ و جلال داد
شاہِ عجم سکندرِ ثانی کہ رائے او — بر فتحِ ملکِ ترکِ حشم را مثال داد
خورشید وار تیغ تو از مشرقِ صواب — آمد بدید و ملکِ خطا را زوال داد

طبقاتِ ناصری میں معتمد راویوں کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ خطائی بادشاہ طانیکوطراز نے اسلام قبول کر لیا تھا اور خوارزم شاہ اسے عزت و احترام سے اپنے پاس بٹھاتا تھا، طانیکو پینتالیس بڑی جنگیں لڑ چکا تھا، خوارزم شاہ اس سے ان معرکوں کی داستانیں بڑی دلچسپی سے سنتا تھا۔ ایک بار اس نے پوچھا:

''تم نے اتنے معرکوں میں شرکت کی اور اتنے بادشاہوں کو شکست دی، ان میں سب سے زیادہ دلیر اور مضبوط کسے پایا؟''

طانیکوہ نے جواب دیا: ''شہاب الدین غوری سے زیادہ باہمت، دلیر اور مضبوط میں نے کسی کو نہیں پایا، اگر اس کا

لشکر تازہ دم ہوتا تو میں اسے کبھی شکست نہ دے سکتا مگر اس کا لشکر قلیل اور گھوڑے تھکے ماندہ تھے جس کے باعث میں جیت گیا۔''

خوارزم شاہ نے کہا: ''تم سچ کہتے ہو۔'' ⑦

سید مرتضیٰ کی فراست ..... جب ترکانِ خطا کے خلاف کامیابی کا جشن منایا جارہا تھا، اہل خوارزم نے سید مرتضیٰ بن صدرالدین کو جو شادیاخ کے ایک بزرگ تھے، دیکھا کہ وہ زاروقطار رورہے ہیں۔ دیکھنے والے بڑے حیران ہوئے کہ خوشی ومسرت کے اس موقع پر یہ آنسو کیسے؟؟..... چنانچہ سید صاحب سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

''ہماری سلامتی کے لیے ترکان خطا کا وجود ضروری ہے، یہ سخت جان قوم ہمارے اور منگولیا کے جنگلیوں کے درمیان ایک آہنی دیوار کی طرح حائل رہی ہے، اس دیوار کے ٹوٹ جانے کے بعد منگولیا کے درندوں کا طوفان عنقریب ہم پر اُمنڈ آئے گا اور ہر شے کو بہا کرلے جائے گا۔''

اہل خوارزم نے اس وقت سید صاحب کے اس ارشاد کو کوئی اہمیت نہ دی، کیونکہ منگولیا کے وحشیوں کے متعلق ان کی معلومات برائے نام تھیں، مگر جلد ہی حالات نے بتادیا کہ یہ قول حرف بحرف درست نکلا۔ ⑧

علاؤالدین محمد، دشمن کی قید میں ..... ترکان خطا کی سیادت کا چراغ ٹمٹمارہا تھا لیکن ایک غیر متوقع کامیابی سے ان کے قدم کچھ مدت کے لیے پھر جم گئے۔ قصہ یہ ہوا کہ ترکان خطا کے ایک سردار گورخان نے سمرقند پر حملہ کردیا سلطان علاؤالدین محمد اس وقت خود سمرقند میں موجود تھا۔ اس کی افواج نے منہ توڑ جواب دیا۔ مگر خوارزم شاہ کے دوسردارانِ لشکر جو گورخان سے ساز باز کرچکے تھے جنگ کے فیصلہ کن مرحلے میں میدان چھوڑ گئے۔ سلطان کی وفادار فوج کی تعداد اس وقت اتنی نہ تھی کہ وہ جم کرلڑ سکتی اسے پسپا ہونا پڑا۔ بہت سے خوارزمی افسران دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہوگئے۔

جب اسلامی لشکر پسپا ہوکر اپنے علاقے میں واپس پہنچا تو فوج نے سلطان کو نہ پایا۔ سب لوگ حواس باختہ ہوگئے، سلطنت میں افراتفری اور انتشار پھیل گیا، تمام ملک بے چین ہوگیا۔ کچھ لوگ قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے تھے کہ سلطان قتل کردیا گیا ہے۔ دراصل سانحہ یہ ہوا کہ افسران کے ساتھ خود سلطان بھی گرفتار شدگان میں شامل تھا۔ یہ ایک انتہائی نازک صورتحال تھی جس سے پوری خوارزمی شاہی سلطنت کا شیرازہ آناً فاناً بکھر سکتا تھا۔ خوش قسمتی سے خوارزم شاہ اور اس کا ایک وفادار سالار ابن شہاب الدین مسعود ایک ایسے خطائی فوجی کی قید میں تھے جو ان دونوں کے مرتبے سے ناواقف تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خوارزم شاہ اور مسعود نے ایک عجیب ڈرامہ رچایا جو دراصل مسعود کے زرخیز ذہن کی پیداوار تھا۔ امیر مسعود نے سلطان سے کہا: ''مصلحت یہی ہے کہ آپ فی الحال اپنے بادشاہ ہونے کا کسی سے تذکرہ نہ کریں بلکہ خود کو میرا غلام ظاہر کریں۔''

خوارزم شاہ نے یہ بات مان لی۔ اور اپنے اس امیر کی خوب خدمت شروع کردی۔ شاہ اسے کپڑے پہناتا، پانی پلاتا، کھانا اس کے سامنے لاکر رکھتا، حتیٰ کہ موزے اور جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے اسے پہناتا اور اپنے ہاتھوں سے اتارتا۔ غرض ایسی فدویانہ خدمت کی کہ شاید مسعود کے کسی حقیقی غلام نے بھی نہ کی ہوگی۔ ان کا نگران خطائی سپاہی کئی دن حیرت اور دلچسپی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ آخر ایک دن وہ مسعود سے پوچھ بیٹھا: ''تمہارا ساتھی تمہاری اتنی خدمت کیوں کرتا ہے؟''

مسعود بولا: ''کیوں کہ یہ میرا غلام ہے۔''

خطائی کو احساس ہوا کہ اس کا قیدی کوئی عام آدمی نہیں ہے، اس بے چینی سے نے پوچھا: ''تم کون ہو؟''
مسعود بولا: ''میں امیر مسعود ہوں۔ خوارزم شاہ کا درباری۔''
یہ سن کر خطائی اس کی تعظیم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: ''اگر میری قوم کو میرے ہاں تمہاری موجودگی کا علم نہ ہوتا تو میں تم جیسے معزز آدمی کو ضرور آزاد کر دیتا۔''

کچھ دن گزرنے پر مسعود نے اسے کہا: ''مجھے اندیشہ ہے کہ میرے اہلخانہ واپس آنے والے خوارزمی سپاہیوں کے ساتھ مجھے نہ پاکر میری موت کا یقین کر چکے ہوں گے اور ماتم ونوحہ میں مشغول ہوں گے۔ عن قریب وہ میرا مال آپس میں بانٹ لیں گے اور میں مفلس ولاچار ہو کر برباد ہو جاؤں گا۔ میرا خیال یہ ہے کہ تم میری آزادی کے لیے کچھ فدیہ طے کر لو اور کسی ہوشیار آدمی کو میرے گھر بھیج کر انہیں میری حالت اور عافیت کی خبر پہنچاؤ اور ان سے میری رہائی کا فدیہ بھی وصول کر لو۔''

خطائی تو دل وجان سے چاہتا تھا کہ کسی طرح اس مالدار قیدی کے فدیے میں بھاری رقم حاصل کی جائے۔ اس نے اس بات کو بخوشی قبول کر لیا اور ایک شخص اس کام کے لیے چن لیا۔ مسعود نے کہا:
''میرے گھر والے اس آدمی کو نہیں جانتے، اگر مناسب سمجھو تو میرے غلام کو بھی ساتھ بھیج دو، یہ بڑا قابل اعتماد ہے، گھر والے بھی اسے جانتے ہیں، یہ تمہارے آدمی کی بات کی تصدیق کر کے گھر والوں کو مطمئن کر دے گا، انہیں میری زندگی کی خوشخبری بھی دے دیگا اور مالِ فدیہ جمع کرنے کے لیے دوڑ دھوپ بھی کر سکے گا۔''

خطائی نے یہ تجویز بھی مان لی اور اپنے آدمی کے ساتھ خوارزم شاہ کو جانے کی اجازت دے دی نیز کچھ محافظ بھی ان کے ساتھ کر دیئے تا کہ وہ بحفاظت منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں۔

جب یہ لوگ شہر خوارزم (اورگنج) کے نزدیک پہنچے تو خوارزم شاہ جو اب تک غلام کے روپ میں تھا ان سب سے آگے نکل کر شہر میں داخل ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی طویل گمشدگی کے باعث اسے مردہ سمجھ لیا گیا تھا۔ عوام وحکام سخت بے چین تھے۔ سلطان کے بھائی تاج الدین علی شاہ نے اپنی تخت نشینی کا اعلان کر دیا تھا۔ سلطان کے اچانک اس طرح واپس پہنچنے سے سب لوگ حیرت زدہ رہ گئے۔ تاج الدین علی شاہ فرار ہو گیا اور مملکت میں سلطان کی بخیریت واپسی پر جشن منایا گیا۔

ادھر خطائی نگران زرِفدیہ کے انتظار میں تھا۔ ایک دن وہ امیر مسعود سے جو ابھی تک اسی جگہ قید تھا، کہنے لگا:
''میں نے سنا تھا کہ خوارزم شاہ قتل ہو گیا، کیا یہ درست ہے؟''
امیر مسعود نے جواباً کہا: ''نہیں! خوارزم شاہ وہی شخص تھا جو میرے ساتھ تمہاری قید میں تھا۔''
یہ سن کر نگران بھونچکا رہ گیا اور بولا:
''تم نے مجھے اسی وقت کیوں نہ بتایا۔ میں اسے عزت وتوقیر کے ساتھ واپس بھیجتا۔''
مسعود نے کہا: ''مجھے اس کے بارے میں تم سے خطرہ تھا اس لیے بتانا مناسب نہ سمجھا۔''
نگران کہنے لگا: ''اچھا تو چلو اب ہمیں اپنے ساتھ اس کے ہاں لے چلو۔''
امیر مسعود اس نگران کو ساتھ لے کر خوارزم شاہ کے پاس پہنچ گیا۔ خوارزم شاہ نے ان دونوں کا بہت اعزاز کیا اور

انہیں بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔ (۹)

اندرونی و بیرونی مہمات ..... کچھ مدت تک علاؤالدین محمد کی پوری توجہ اندرونی شورشیں رفع کرنے پر مرکوز رہی۔ جلد ہی اس نے صورتحال پر قابو پا لیا۔ تاج الدین علی شاہ کو گرفتار کر لیا گیا اور سلطان نے بغاورت کے جرم میں اس کو قتل کرا دیا۔ بعدازاں سلطان کی فوجوں نے فارس، شمالی ایران، خراسان اور عراق کے کوہستانی اضلاع میں مسلسل کامیابیاں حاصل کیں، ہمدان، اصفہان، شیراز، قم اور بلادِ جبل کا تمام علاقہ بھی خوارزمی حکومت میں شامل ہو گیا۔ (۱۰)

ترکان خطا کی آخری شکست ..... چینی ترکستان مشرق میں خوارزم کی آخری حدود کے ساتھ لگتا تھا، کاشغر (کشی) یہاں کا دارالحکومت تھا، یہاں اگرچہ مسلمانوں کی بھی کثیر تعداد آباد تھی مگر اقتدار چینی ترک قبائل کے پاس تھا۔ ان دنوں میں سے ایک سردار کشلوک خان (کشلی خان) نے غیر معمولی طاقت حاصل کر لی تھی۔ اس جنگجو سردار نے خوارزم شاہ کے ہاتھوں ترکان خطا کی شکستوں سے فائدہ اٹھا کر ترکان خطا کے باقی ماندہ علاقوں پر حملے شروع کر دیے تھے۔ اس صورتحال میں ترکانِ خطا نے اپنی بقا کے لیے خوارزم شاہ سے اتحاد کرنا چاہا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اپنا لشکر لے کر کشلوک خان پر حملہ کر دے۔

ادھر کشلوک خان خوارزم شاہ کو ترکان خطا کے خلاف مشترکہ جنگ چھیڑنے کی پیش کش کر چکا کیوں کہ ترکان خطا کی خرمستیوں سے دونوں تنگ تھے۔ چنانچہ دونوں اس قصے کو ہمیشہ کے لیے نمٹانے کے لیے تیار ہو گئے۔

طے شدہ منصوبے کے مطابق کشلوک خان اپنا ٹڈی دل لشکر لے کر ترکان خطا کے مقبوضات کی طرف بڑھا، ترکان خطا بھی اپنی تمام تر قوت یکجا کر کے اپنے سردار گورخان کی قیادت میں میدان جنگ میں صف آراء ہوئے۔ خوارزم شاہی افواج کشلوک کی پشت پناہی کر رہی تھیں، مگر انہوں نے ابتداء جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ دراصل خوارزم شاہ کا دوطرفہ کھیل کھیل رہا تھا، اس کا منصوبہ یہ تھا جنگ چھڑنے کے بعد اگر کشلوک خان کا پلّہ بھاری ہوا تو وہ اسی کے ساتھ رہے گا اور اگر ترکانِ خطا جیتنے لگے تو وہ ان کے ساتھ جا ملے گا۔ خوارزم شاہ کا یہ دھوکا اتنا کامیاب تھا کہ ترکان خطا اور کشلوک میں سے ہر ایک یہ گمان کر رہا تھا کہ خوارزمی افواج ان کے ساتھ ہیں۔ تاہم جنگ چھڑی تو ترکان خطا کشلوک خان کے لشکر کے سامنے نہ جم سکے اور پسپا ہونے لگے، یہ دیکھ کر خوارزمی افواج نے ان پر ہلہ بول دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر خطائی سپاہی موت کے گھاٹ اتر گئے، ان کی رہی سہی طاقت بھی فنا ہو گئی اور انہیں دوبارہ کبھی سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یوں عالم اسلام کو ایک دیرینہ دشمن سے نجات حاصل ہوئی جس کا سہرا سلطان علاؤالدین محمد کے سر رہا۔ (۱۱)

ترکان خطا کے بچے کھچے افراد پہاڑوں میں روپوش ہو گئے، ان کے ایک گروہ نے علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی اطاعت قبول کر کے اس کے لشکر میں شمولیت اختیار کر لی۔ (۱۲)

کشلوک خان سے جنگِ چپاول ..... فتح کے بعد خوارزم شاہ نے کشلوک خان سے مطالبہ کیا کہ اس نے جنگ کے نتیجے میں خطائیوں کا جو علاقہ حاصل کیا ہے وہ اس میں خوارزم کو حصہ دار بنائے کیوں کہ اگر خوارزمی افواج اس کی پشت پناہی نہ کرتیں تو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، مگر کشلوک خان خوارزم کے اس ''احسان'' کے اعتراف کے باوجود تقسیمِ علاقہ جات پر آمادہ نہ ہوا۔ خوارزم شاہ نے دوبارہ کہلوایا:

''جس طرح ہم خطائیوں کو نمٹانے میں برابر شریک رہے، مفتوحہ علاقے کی تقسیم میں بھی اشتراک ہونا چاہیے۔''

مگر غالباً اب کشلوک خان کی نیت بدل گئی تھی، یا ممکن ہے اسے خوارزم شاہ کے فریب کا علم ہو گیا ہو، اس نے جواب دیا: ''میرے پاس تمہارے لیے صرف تلوار ہے۔ تم نہ تو خطائیوں سے زیادہ شان وشوکت کے مالک ہو، نہ ان سے زیادہ زبردست سلطنت رکھتے ہو، اب اگر تم اسی حالت پر صلح نہیں کرتے تو میں اپنا لشکر لے کر تمہاری سرحد پر آرہا ہوں اور تمہارا حشر، خطائیوں سے زیادہ برا ہوگا۔''

خوارزم شاہ کی افواج اس وقت کشلوک خان سے جنگ کے لیے تیار نہ تھیں، اس لیے اس نے کھل کر مقابلے سے گریز کیا، وہ اپنی فوج سرحد پر لے آیا، مگر جس طرف کشلوک خان کی فوج جاتی خوارزم شاہ وہاں سے کوچ کر کے میلوں دور نکل جاتا اور کشلوک کے ملک میں گھس کر اس کی خوراک ورسد کے ذخائر اور بستیوں پر شب خون مارتا، اگر کشلوک کے لشکر سے کوئی دستہ ادھر ادھر روانہ ہوتا تو وہ بھی خوارزمی افواج کی زد میں آجاتا، یہ ایک قسم کی گوریلا جنگ تھی جس سے کشلوک خان کے چھکے چھوٹ گئے، اس نے خوارزم شاہ کو میدان میں لانے کے لیے طعنوں کی بوچھار کر دی، وہ کہلواتا رہا:

''یہ بادشاہوں کا طریقہ جنگ نہیں، یہ چوروں کا انداز ہے، اگر تم اپنے دعوے کے مطابق واقعی بادشاہ ہو تو لازم ہے کہ ہم میدان میں آکر لڑیں، اگر تم جیتے تو میرا علاقہ لے لینا، اگر ہار گئے تو میں تمہارے علاقے پر قابض ہو جاؤں گا۔''

مگر خوارزم شاہ ایسا نادان نہ تھا کہ جوش میں آکے اپنی کامیاب حکمت عملی تبدیل کر دیتا، اس نے کشلوک کو معنیٰ خیز جوابات دے کر سفارتی محاذ پر اپنا دفاع کیا اور کھلے میدان میں آنے کی غلطی نہ کی۔

خوارزم شاہ کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں کشلوک اسلامی شہروں پر تاخت وتاراج نہ شروع کر دے لہٰذا اس نے سرحدی شہروں فرغانہ، شاش، اسفیجاب اور کاشان کے باشندوں کو دیگر محفوظ شہروں کی طرف منتقل کرا دیا۔ (۱۳)

غزنی پر قبضہ ...... ۶۱۲ھ میں غوریوں کا آخری شہر غزنی بھی خوارزم شاہ کے قبضے میں آ گیا، وہاں کے حاکم قتلغ تگین نے اپنے آقا تاج الدین یلدز سے غداری کر کے شہر خوارزم شاہ کے حوالے کر دیا تھا اور یلدز لاہور فرار ہو گیا تھا۔

شہر پر قبضے کے بعد شاہ اپنے بیٹے جلال الدین کو وہاں کا حاکم بنانا چاہتا تھا۔ اس موقع پر اس نے قتلغ تگین سے پوچھا کہ تمہارے آقا کا تمہارے ساتھ معاملہ کیسا تھا، اس نے بتایا کہ اس نے پورا شہر، خزانہ اور انتظام میرے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ یہ سن کر شاہ نے کہا:

''جس شخص نے تمہیں ہر چیز کا مالک ومختار بنایا اور وہ تمہارا ہم قوم بھی تھا، تم نے اس سے غداری کی تو میں تم پر کیسے اعتماد کر سکتا ہوں کہ اگر میں اپنے بیٹے کو یہاں کا حکمران بنا جاؤں تو تم اس کے وفادار رہو گے۔''

اس کے بعد شاہ نے غزنی کا خزانہ تیس جانوروں اور چار سو قلیوں پر لدوا کر دارالحکومت روانہ کر دیا، قتلغ تگین کو قتل کرا دیا اور شہزادہ جلال الدین کو چند امراء اور کچھ سپاہ کے ساتھ غزنی میں چھوڑ دیا۔ (۱۴)

ملکہ ترکان خاتون، نظام مملکت میں ایک اہم رخنہ ..... حکومت وسلطنت کی اس کامل قوت، روز افزوں شان و شوکت اور جہاں گیر رعب وہیبت کے باوجود سلطان علاؤ الدین محمد کے نظام مملکت میں ایک خطرناک رخنہ موجود تھا، جسے دور کرنا سلطان کے بس کی بات نہ تھی۔ اس رخنہ اندازی اور رکاوٹ کا سبب سلطان کی حقیقی والدہ ترکان خاتون تھی۔ ترکان خاتون کو امور مملکت میں جس قدر اثر ورسوخ اپنے شوہر سلطان تکش کی حیات میں حاصل تھا، اپنے بیٹے

علاؤالدین محمد کے ایام حکومت میں اس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ سلطنت کے سیاہ وسپید پر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔

دارالحکومت اورگنج میں سلطان کے دربار سے علیحدہ اس کا اپنا مستقل دربار آراستہ ہوتا تھا۔ قپچاتی ترک امراء اس کے آگے دورویہ صفوں میں ایستادہ رہتے۔ اس کے ہاں سیاسی ودرباری مصروفیات اور تحریری ودفتری کام اتنا زیادہ تھا کہ ان کو تحریر کرنے کے لیے سات عالم فاضل منشی ہر وقت مستعد رہتے۔ خود بھی نہایت ماہر خطاط تھی، اس کے اپنے تحریر کردہ احکام اتنے خوش خط ہوتے تھے کہ ان کی نقل کرنا یا ان میں جعل سازی کی کوشش کرنا بے حد مشکل تھا۔

اس کے احکام خوارزم شاہ کے لیے پریشانی کا باعث بھی بن جاتے تھے کیوں کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ سلطنت کے کسی عامل کے پاس خوارزم شاہ کا کوئی حکم پہنچتا، مگر اس سے قبل کہ وہ اس کی تعمیل کرتا، دوسرا قاصد ترکان خاتون کا اس کے برعکس فرمان لے کر آ پہنچتا۔ الجھن سے بچنے کے لیے ضابطہ یہ بنا دیا گیا تھا کہ اگر خوارزم شاہ اور ترکان خاتون کی جانب سے وارد تحریری احکام میں اختلاف ہو تو عمالِ سلطنت اس فرمان پر عمل کریں جو بعد میں جاری کیا گیا ہو۔ ⑮

سلطان اور اس کی والدہ کے فرامین میں روزمرہ کے اس تصادم سے نہ صرف عمالِ حکومت پریشان تھے بلکہ والدہ اور بیٹے کے درمیان ایک مستقل رنجش اور کشیدگی کی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔

عرب مؤرخین نے ترکان خاتون کی ذاتی خوبیاں کثرت سے بیان کی ہیں مگر یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ایک ہی مملکت میں اس طرح کی دو حکمرانیوں کا قیام کسی خوشگوار انجام کا باعث نہیں ہوتا۔

سلطنتِ خوارزم کا تمدنی، ثقافتی اور اقتصادی نقشہ ..... سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ کے زمانے میں سلطنت خوارزم اقتصادی اور معاشی خوشحالی کے اعتبار سے ثریا کی بلندیوں کو چھو رہی تھی۔ مشہور جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے دولت وثروت سے بھرپور اس ملک کا پایۂ تخت کا دورہ کرنے کے بعد لکھا:

''میں نے خوارزم سے زیادہ عظیم، خوشنما اور دولت مند شہر کہیں نہیں دیکھا۔'' ⑯

نئے مفتوحہ ممالک کے بیش بہا خزانے، ان کے ہرے بھرے باغات اور کھیتوں کی پیداوار، روزمرہ کی معرکہ آرائیوں اور فتوحات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اموال، یہ سب غنائم کھنچ کھنچ کر خوارزم میں جمع ہو رہے تھے۔ اقطارِ عالم سے ہنرمند اور صنعت پیشہ افراد کشاں کشاں خوارزم چلے آ رہے تھے، یہاں آکر ان کی کاریگری کے جوہر صحیح معنوں میں کھلتے تھے۔ زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ اشیاء میں ان کی باریک بینی اور جدت طرازی نے خوارزمی معاشرت کو اوجِ فلک پر پہنچا دیا تھا۔

عسکری وسائل یہاں اسلحہ سازی کے نئے نئے کرشمے ظاہر ہو رہے تھے۔ خوارزمی اسلحہ ساز بڑی ہنرمندی سے ایسی لچکدار تلواریں تیار کر لیتے تھے جو موڑ کر دُہری کی جا سکتی تھیں، ہلکی زنجیر دار زرہیں بنائی جاتی تھیں جن کو پہن کر جسم کے تمام اعضاء کی نقل وحرکت بڑی سہولت سے جاری رہتی تھی۔ حد درجہ مضبوط فولادی خَود تیار کیے جاتے تھے جو ہلکے پھلکے ہونے کے باوجود تلوار اور نیزے کی کاری ضربات بآسانی سہہ لیتے تھے۔ ڈھالوں پر بیل بوٹے بنانے کے لیے سونے چاندی کا کام ہوتا تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کے مقابلے میں آتشیں تیروں اور نفت کا استعمال بڑی کامیابی سے کیا تھا۔ خوارزمی اہل فن نے اسے کئی درجے ترقی دے کر مزید مؤثر بنا لیا تھا۔ تقریباً تمام شہروں کے دفاع کے لیے سنگین فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ زیادہ اہم خطوط پر واقع شہروں کے گرد دو دو فصیلیں بھی

موجود تھیں۔ عام طور پر شہروں کی فصیلوں کا دائرہ کئی میل کا ہوتا تھا۔

شہر کے درمیانی حصے میں قلعے کا ہونا لازمی تھا جو عموماً کسی بلند ٹیلے یا پہاڑی پر تعمیر کیا جاتا تھا۔ شہر کی فصیل سَر ہونے کے بعد قلعہ آخری دفاعی حصار ثابت ہوتا تھا۔ شہروں کی فصیلوں میں کئی دروازے مختلف سمتوں کھلتے تھے اور یہ مضبوط ترین لوہے سے تیار کیے جاتے تھے۔ علاؤالدین محمد نے قلعوں اور فصیلوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دی، جس کی وجہ سے اس کے زیرِ نگین علاقوں کا دفاع حد درجے مستحکم ہوگیا اور اس کی سلطنت کے شہر اس قابل ہو گئے کہ کئی کئی ماہ تک بڑے سے بڑے دشمن کو فصیل سے اندر پَر نہ مارنے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ علاؤالدین محمد نے تمام قلعوں میں خوراک، اسلحہ اور ہر قسم کے سامانِ رسد کے بے بہا ذخائر جمع کرا دیئے تھے جو ہر کڑے وقت پر کام آتے رہے۔

سلطنت خوارزم کی اصل دفاعی زنجیریں دریائے سیحوں اور دریائے جیحوں کے کنارے کنارے پھیلے ہوئے بڑے بڑے فصیل بند شہروں کی دو قطاریں تھیں۔ بناکت، تاشقند، جند، اترار اور قوقند نے دریائے سیحوں کے کنارے اور سمرقند، بخارا، اورگنج، بلخ اور ترمذ نے دریائے جیحوں کے آس پاس دو ایسے طویل مضبوط دفاعی خط تیار کیے تھے جن کا توڑ مشرق و مغرب کے حملہ آوروں کے لیے ہر لحاظ سے مشکل ترین تھا۔ محاصرے کی صورت میں ان میں سے کوئی بھی شہر فی الفور دوسرے شہروں سے کمک حاصل کر سکتا تھا۔

ظاہری اسباب و وسائل کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ساتویں صدی ہجری کی ابتداء میں خوارزم کی عسکری قوت دنیائے اسلام کی مضبوط ترین اور جنگ آزما قوت تھی جو حال ہی میں ترکان خطا سمیت اپنے تمام مخالفین کی سرکوبی کر چکی تھی اور کسی بیرونی دشمن سے مغلوب ہونے کے امکانات اس عسکری طاقت کے لیے بہت کم تھے۔

زرعی خوشحالی..... دو عظیم دریاؤں اور بے شمار ندی نالوں اور نہروں پر مشتمل اس سرزمین کا نظامِ معیشت اپنی مثال آپ تھا۔ آبادی کا بڑا حصہ زراعت پیشہ تھا، زرعی نظام کا دارومدار نہری پانی پر تھا جو بکثرت میسر تھا۔ دریائے جیحوں کے دونوں کناروں کو کاٹ کر کئی بڑی بڑی نہریں نکالی گئی تھیں جن میں کشتیاں بھی چل سکتی تھیں، دریا کے اردگرد کے تمام شہر اور دیہات ان نہروں سے پانی حاصل کرتے تھے آب پاشی کا نظام اتنا عمدہ تھا کہ ان بڑے شہروں میں جن کی مردم شماری لاکھوں سے متجاوز تھی کبھی پانی کی کمی کا مسئلہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ ہمہ وقت سیراب ہونے والی یہ مٹی بڑی زرخیز تھی اناج، دالیں، کپاس اور ہر قسم کے پھل فراوانی سے پیدا ہوتے تھے۔ گھاس کی وسیع چراگاہوں نے ہر سمت ہریالی کی چادر تان دی تھی ان میں بھیڑ، بکری اور ہر قسم کے مویشی سارا سال چرتے دکھائی دیتے، بلخ میں اتنا غلہ پیدا ہوتا کہ سارے صوبۂ خراسان کو پورا ہو سکتا تھا۔ سرحدی علاقے اکثر پہاڑی تھے ان میں پھلوں کی بہتات تھی۔ قوقند کا تربوز اتنا رَس بھرا، بڑا اور وزنی ہوتا تھا کہ ایک طاقتور گدھا بمشکل دو تربوز اٹھا سکتا تھا۔ ان پہاڑی علاقوں میں کشمش، اخروٹ، بادام، پستہ اور انجیر بے حد و حساب پیدا ہوتے۔ قوقند میں انار کے باغات بھی بکثرت تھے، یہاں کے انار اپنی منفرد ترشی آمیز مٹھاس کی بناء پر ملک بھر میں مشہور تھے، ان کا حجم بھی دو مشت سے کم نہ ہوتا تھا، ان کا رَس بڑے بڑے پیالوں میں نکال کر بطور مشروبِ خاص پیا اور پلایا جاتا تھا۔ انگور بھی خوب پیدا ہوتے تھے، خاص کر صوبہ خوارزم کے شہر درگان کے چاروں طرف کئی میل تک صرف انگوروں کے باغات پھیلے ہوئے تھے۔ دامغان کا سیب نہایت لذیذ ہوا کرتا تھا اور شاش میں کپاس کی پیداوار وافر ہوتی تھی۔

صنعت وتجارت ...... پایۂ تخت اورگنج صنعت وحرفت اور تجارت کا عالمی مرکز تھا، روزانہ لاکھوں کروڑوں کے حساب سے لین دین ہوتا۔ اور گنج کے مقامی صنعت کار تیر، زرہیں، کمانیں، تلواریں، تالے، ریشمی کپڑے، رنگین اور دھاری دار پارچہ جات، کمبل، قالین اور دریاں تیار کرنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ گھوڑوں کا چمڑا رنگنے کے کارخانے بھی موجود تھے، نیز چتلے خرگوشوں کی کھالیں اُود بلاؤ کی کھال کی ٹوپیاں، پہاڑی لومڑیوں کی کھال کی پوستینیں، سمور اور سنجاب کی بیش قیمت کھالیں یہاں کا خاص تحفہ شمار کی جاتی تھیں۔ یہاں کے شکاری باز پکڑ کر سدھایا کرتے اور ان کو بڑے مہنگے داموں فروخت کیا کرتے تھے۔ بھیڑ بکریاں اور ان کی چربی فروخت کرنے والے پیشہ ور بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں یہاں کے عنبر، پستہ، بادام، انگور، کشمش، تل، شہد اور اخروٹ بھی برآمد کیے جاتے تھے۔ دریا سے پکڑی جانے والی مچھلیاں بڑے شوق سے کھائی جاتی تھیں اور دور دور تک ان کی مانگ تھی۔ بخارا کے قالین، تیل، جائے نماز، ریشمی پارچہ جات اور بھیڑ بکریوں کی کھالیں بہت مقبول تھیں۔ سمرقند میں گھوڑوں کی زینیں، رکابیں اور لگامیں بنانے کے کیے کارخانے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہاں کے اہل حرفت تانبے کی برتن سازی میں بڑے طاق تھے۔ یہاں کی نفیس و نازک صراحیاں لاجواب سمجھی جاتی تھیں، نیز سفر میں کام دینے والے مضبوط و پائیدار خیمے بھی خوب فروخت ہوتے تھے۔ سمرقند کا کاغذ سارے عالمِ اسلام میں مشہور تھا، اہل علم اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔ سمرقند کے صنعت کاروں نے چین کے کاریگروں سے اس فن کی تربیت حاصل کی تھی۔

سلطنت خوارزم میں اور گنج، سمرقند اور بخارا خاص تجارتی مراکز تھے۔ اترار، بلخ، مرو اور نیشاپور کی شاہراہوں سے یہاں روزانہ بیسیوں تجارتی کاروان آتے تھے جو دنیا کے کونے کونے کا سامان لادے ہوئے ہوتے تھے۔ حلب کے شیشے، روم کا ریشمی کپڑا، یمن کی دھاری دار چادریں، چینی برتن اور ہندوستان کی فولادی مصنوعات کے انبار ان تجارتی منڈیوں میں دیکھے جا سکتے تھے۔

خوارزم کے دوسرے شہروں میں شاش چمڑے کی مصنوعات کے لیے مشہور تھا۔ یہاں چمڑے کی ٹوپیاں اور گھوڑوں کے چمڑے کی زینیں نہایت عمدہ تیار کی جاتی تھیں۔ نیز خیمے، مصلے، عبائیں، ترکش اور کمانیں بھی برآمد کی جاتی تھیں۔ کاشان کی تیار کردہ مخمل اپنی مثال آپ تھی۔ بناکت کا سوتی کپڑا مشہور تھا۔ فرغانہ میں نہایت دیدہ زیب کپڑا تیار کیا جاتا تھا، اس کے علاوہ یہ شہر تلواروں اور دیگر اسلحہ جات کی صنعت کے لیے بھی مشہور تھا۔ ترمذ صابن سازی کی صنعت کا مرکز تھا۔ ترکستان کے خنجر اپنی تیز دھار میں اور یہاں کے گھوڑے اپنی سرعتِ رفتار کے باعث مشہور تھے۔

معدنیات ...... صوبہ ماوراء النہر ہمیشہ معدنی دولت سے مالا مال رہا۔ اس عہد میں بھی یہاں سے سونا، چاندی، لوہا اور فولاد بڑی مقدار میں حاصل کیا جاتا تھا۔ فرغانہ سے تانبا وافر مقدار میں نکالا جاتا تھا، لوہا بھی بکثرت موجود تھا۔

شہریوں کی بود و باش ...... شہر اکثر فصیل بند ہوا کرتے تھے۔ فصیل کا دائرہ کئی کئی کوس ہوتا تھا۔ اہم اور بڑے شہروں کے گرد دو دو فصیلیں بھی ہوا کرتی تھیں۔ یہ فصیلیں مضبوط پتھروں سے چنی جاتی تھیں۔ دیوار کی موٹائی کئی گز ہوتی تھی اور عام حالات میں بیرونی حملہ آوروں کے لیے اسے توڑنا ناممکن ثابت ہوتا تھا۔

فصیل کے چاروں طرف کئی مضبوط آہنی دروازے نصب کیے جاتے تھے۔ ان کے اوپر بُرج بنے ہوتے تھے جہاں پہرے دار تیر و کمان سنبھالے مستعد رہتے تھے۔ شہروں کی اصل اور گنجان آبادی فصیل سے اندر ہی بستی تھی۔

فصیل کے باہر میدانی علاقے میں بھی آبادی کی ٹکڑیاں اِدھر اُدھر بکھری ہوئی دکھائی دیتی تھیں مگر کسی خطرے کا سامنا ہونے پر یہاں کے رہنے والے بوریا بستر لپیٹ کر فصیل کی پناہ میں آ جاتے تھے۔

مساجد ..... سلاطین اور امراء مساجد کی تعمیر پر دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے۔ ان کی فلک بوس مینار اور گنبد گزرنے والے قافلوں کو دور ہی سے نظر آ جاتے اور اس طرح انہیں آبادی کا علم ہو جاتا۔ مملکت کے شمال مشرقی حصے میں مساجد کے مینار عموماً بڑے نفیس، نازک اور پتلے ہوتے تھے۔ (۱۷) بخارا کی جامع مسجد جو جامع الکبیر کہلاتی تھی فن تعمیر کا نادر شاہکار تھی (۱۸) اس کی بے مثال خوشنمائی کو دیکھ کر غیر مسلم سیاح دنگ رہ جاتے اور اسے خوارزم شاہ کا محل گمان کرتے۔

اندرونی نظام ..... شہروں کا اندرونی نظام ہر لحاظ سے مثالی تھا۔ کشادہ سڑکیں اور پختہ گلیاں پتھروں اور اینٹوں سے چنی جاتی تھیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف صف بستہ درخت اس کثرت سے کھڑے ہوتے کہ دائیں بائیں واقع مکانات ان کے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ مکانات کی تعمیر میں پتھر، لکڑی، گارے اور اینٹوں کا استعمال ہوتا۔ تہہ خانوں اور بالا خانوں کی تعمیر کا ذوق عام تھا۔ اورگنج، سمرقند اور بخارا میں مکمل طور پر لکڑی کے بنائے گئے مکانات بھی کافی تھے۔

نہری پانی کی تقسیم ہر محلے کو اس طرح کی جاتی تھی کہ ہر مکان سے صاف ستھرے پانی کی ایک پختہ نالی گزرا کرتی تھی۔

علمی سرگرمیاں ..... ان شہروں میں چپے چپے پر مساجد تعمیر کی گئی تھیں۔ تقریباً ہر محلے میں ایک دو مسجدیں لازماً ہوتی تھیں جن کے ساتھ ساتھ مکاتب دینیہ کا نظام بھی چلتا تھا۔ ان مکاتب میں تعلیم حاصل کرنا ہر بچے کے لیے ضروری تھا۔ مکاتب کے علاوہ ہر شہر میں کئی کئی بڑے مدارس بھی ہوا کرتے تھے، جن میں صَرف، نحو، ادبِ فارسی و عربی، فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم آلیہ و عالیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔ تقریباً ہر مدرسے کے ساتھ بیش بہا کتب پر مشتمل ایک لائبریری بھی ہوا کرتی تھی جہاں سے اہل علم اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ سلاطین خوارزم ہمیشہ دین پرست رہے، مدارس کے جس نظام کی بنیاد ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اعظم نظام الملک نے رکھی تھی اس نے سلاطین خوارزم کے عہد میں مزید ترقی کی۔ خوارزمی سلاطین ذاتی دلچسپی سے نئے نئے مدارس تعمیر کراتے رہے، سلطان تکش کو اپنے تعمیر کردہ مدرسے سے اتنا تعلق تھا کہ اس کی تدفین بھی اس مدرسے میں ہوئی۔

قریہ قریہ، شہر شہر ان مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا تھا۔ جہاں سرکاری سرپرستی میں تعلیم دی جاتی تھی۔ تعلیم بالکل مفت تھی، طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام بھی مدرسے کے ذمہ دار حضرات کیا کرتے تھے۔ اساتذہ کے لیے معقول تنخواہوں کا بندوبست تھا۔ حکومت کی جانب سے ان مدارس کے لیے بڑی بڑی جاگیریں وقف کر دی گئی تھیں، جن کی آمدنی سے ان کا نظم و نسق بخوبی چلتا رہتا تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی علماء ان مدارس کو زینت بخشتے تھے اور شائقینِ علم دنیا کے کونے کونے سے علمی پیاس بجھانے کے لیے اِدھر کا رُخ کرتے۔ دارالحکومت اورگنج کی جامعہ سب سے زیادہ مشہور تھی جہاں کے صدر مدرس علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ (صاحب تفسیر کبیر) تھے۔ ان مدارس کے علاوہ جگہ جگہ فقہاء و محدثین کے ذاتی حلقہ ہائے درس بھی تھے جہاں طلبہ پروانوں کی طرح جمے رہتے تھے۔ (۱۹)

مناظرِ قدرت کا بے پناہ حسن ..... شاش، فرغانہ اور کاشان کے علاقے اپنے طبعی حسن، فطری رعنائی اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے بڑی شہرت رکھتے تھے۔ برف پوش چوٹیوں کے دامن میں وسیع سبزہ زار، شجر پوش جنگلات، پھلوں اور پھولوں سے ڈھکی ہوئی وادیاں، آبِ سرد و شیریں کے گنگناتے چشمے، جھاگ بنا کر گرتے ہوئے مترنم آبشار، اور بل

کھاتے ہوئے پہاڑی راستے جنتِ ارضی کا نمونہ پیش کرتے، قدرتی حسن کے دلدادہ گھنٹوں ان مناظر کو تکتے اور سیر نہ ہوتے۔ علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں:

"لم یکن فی بلاد اللہ انزہ منھا ولا احسن عمارۃ." (اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر آباد شہروں میں سے کوئی بھی ان مقامات سے زیادہ پاکیزہ اور خوشنما آباد نہ تھا۔)

جو ایک بار اس چمنستان کی جھلک دیکھ لیتا اس کی طبیعت لوٹ جانے پر آمادہ نہ ہوتی۔ ماوراء النہر خصوصاً بخارا اور سمرقند کی قدرتی دلکشی سے متاثر ہو کر مشہور سیاح ابن حوقل نے اپنے تاثرات یوں نقل کیے ہیں:

"تم بخارا کے قلعے پر چڑھ جاؤ اور اس کے بعد اپنی نظر کو جولانی دو۔ دور دور تک نگاہ دوڑاؤ، بجز سرسبزی اور ہریالی کے تمہیں کوئی چیز نظر نہ آئے گی، ایسی سرسبزی کہ آسمان کے رنگ سے جس کا رنگ مل جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک نیلا شامیانہ کسی سبز فرش پر تنا ہوا ہے، اور بخارا کے قصور و محلات ان کے بیچ میں کچھ ایسے معلوم ہوتے ہیں کہ ستارے جگمگا رہے ہیں، ایک ایسی زمین ہے جس میں نہ نشیب ہے نہ فراز، جیسے آئینے کی سطح۔"

پھر کچھ اور چیزوں کا ذکر کر کے آگے لکھتا ہے:

"بخارا سے دریائے سُغد کی وادی کی طرف چلے جاؤ، دائیں بائیں "کوہِ مُبتم" تک تمہیں مسلسل ملی جلی آبادیاں نظر آتی چلی جائیں گی، ایسی آبادیاں کہ جن کے چاروں طرف سبزہ زار محیط ہے، ان کی تر و تازگی کسی طرح ختم نہیں ہوتی، یہ آٹھ دن کا راستہ ہے ایک دوسرے کے ساتھ بالکل گتھے ہوئے اشجار، باغات، بساتین، میدان جنہیں نہروں نے گھیر رکھا ہے، ایسی نہریں جو ہمیشہ جاری رہتی ہیں، بیچ بیچ میں ان ہی باغوں اور مرغزاروں کے بڑے بڑے تالاب جن میں پانی چھلکتا رہتا ہے۔ کھیتیاں ہیں کہ جدھر نظر اٹھاؤ لہلہاتی معلوم ہوں گی جو دریائے سغد کے دونوں کناروں پر پھیلی ہوئی ہیں، پھر ان کھیتوں کے پیچھے چراگاہیں ہیں اور درمیان میں اونچے اونچے قصور، محلات، قلعے، ہر شہر اور ہر گاؤں پر آبادی کے ساتھ ملتے چلے جائیں گے اور ان کی وجہ سے علاقے کا حسن دوبالا ہو گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سبز دیبا کے کپڑے کے ساتھ ان بہتی صاف شفاف نہروں کو کسی نے سی دیا ہے۔

اسی علاقے کے باشندوں کے گھروں میں اور ان کے باغات میں یہی نہریں گھومتی رہتی ہیں، کوئی سڑک، کوئی بازار، کوئی سمت، کوئی قصبہ اس میں ایسا نہیں ہے جس میں ان نہروں کا پانی نہ دوڑ رہا ہو اور سامنے کوئی حوض پانی سے بھرا ہوا نہ چھلک رہا ہو۔ یہی حال فرغانہ، شاش، اشروسنہ اور سارے ماوراء النہر کا ہے کہ گھنے درختوں سے وہ بھرا ہوا ہے، جن میں طرح طرح کے فواکہ، میوے، پھل پھول ہیں۔ ترکستان کے پہاڑوں تک یہی حال ہے، انگور، اخروٹ، سیب اور دوسرے فواکہ، گلاب، بنفشہ اور طرح طرح کے پھول نظر آئیں گے۔ پھر پہاڑ کے قریب تو ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے جس کا جی چاہے کھا سکتا ہے، توڑ سکتا ہے، نہ کوئی روکنے والا نہ ٹوکنے والا، میں نے ماوراء النہر کے انہی پہاڑوں میں دیکھا کہ پستے کے درختوں کی وہ کثرت ہے کہ وہاں ان کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، جس کا جی چاہے، جتنا چاہے لے سکتا ہے، یہاں میں نے گلاب کے بھی طرح طرح کے پھول دیکھے ہیں، جو خریف کے آخر موسم تک باقی رہتے ہیں، ان کی پنکھڑیوں

کی بیرونی سطح کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور اندرونی کا کچھ اور، اگر بیرونی سطح سرخ ہے تو اندرونی زرد، باہر والی نیلی ہے تو اندرونی پیلی ہے۔'' (۴۰)

متفاوت موسم..... سلطنت خوارزم آج کے مندرجہ ذیل ممالک پر محیط تھی۔ 1 ازبکستان 2 تاجکستان 3 ترکمانستان 4 افغانستان 5 ایران 6 پاکستان کا صوبہ سرحد، 7 بلوچستان کا کچھ حصہ۔

اتنے عظیم رقبے پر مشتمل اس مملکت میں موسم حد درجے متفاوت تھا۔ سلطنت کے شمال میں موسمِ سرما بہت شدید ہوا کرتا تھا، پہاڑوں پر خوب برف گرتی، سردی کا یہ عالم ہوتا کہ چشمے اور دریا جم جاتے، ان دِنوں دریائے سیحوں کا کشادہ پاٹ یخ بستہ ہوکر برف کی سِل بن جاتا۔ مٹکوں میں بھی جما ہوا پانی ملتا جسے آگ پر پگھلا کر استعمال کیا جاتا۔ صوبہ خوارزم میں بھی شدید سردی پڑتی تھی۔ اور سرد طوفانی ہوائیں ہاتھوں پیروں کو شل کر کے رکھ دیتی تھیں۔

اس کے برعکس دوسری طرف جنوب میں ساحل سمندر اور بلوچستان کے صحرائی علاقے دنیا کے گرم ترین خطے شمار ہوتے تھے۔ مغرب میں ایران کا جنوبی حصہ بھی اکثر تپتے ہوئے ریگزاروں پر مشتمل تھا۔ (۴۱)

چند جغرافیائی وضاحتیں..... غوری سلطنت کے خاتمے اور ترکانِ خطا کی ہزیمت کے بعد ایک طرف تو خوارزمی حکومت کی سرحدیں درۂ خیبر اور پشاور سے آگے نکل کر دریائے سندھ کی لہروں سے ہم آغوش ہو رہی تھیں اور دوسری طرف مشرق اور شمال مشرق میں دریائے سیحوں سے متجاوز ہو کر چین کی حدود کو چھو رہی تھیں۔

دریائے جیحوں اور دریائے سیحوں مملکتِ خوارزم کے زرعی و معاشی نظام کے لیے بنیاد کا کام دیتے تھے، عظیم گلیشروں سے نمودار ہوتے ہوئے یہ دونوں دریا شمال مغرب کی طرف بہتے چلے جاتے تھے اور ایک طویل سفر طے کرتے ہوئے بحیرۂ آرال میں (جسے بحیرۂ جند، بحیرۂ خوارزم اور بحیرہ سرداریا بھی کہا جاتا ہے) جا گرتے۔ یہ دونوں دریا ایک ہی سمت میں بہتے ہوئے اپنے مابین کوئی ڈھائی ہزار کلو میٹر چوڑا ایک مستطیل میدان بناتے ہیں۔ اس میدان کا شمالی حصہ جو بحیرۂ آرال کے ساتھ لگتا ہے، ایک بے آب و گیاہ صحرا ہے، سرخی مائل رنگت کی زمین بڑے بڑے قطعات میں تاحد نظر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ کئی سو میل طویل و عریض اس ویرانے میں انسان تو کجا جنگلی جانور بھی بہت کم پائے جاتے ہیں۔ یہ عظیم صحرا قزل قم یا صحرائے جَند کہلاتا ہے۔

اور گنج اس کے مغرب میں اور بخارا و سمرقند اس کے جنوب میں واقع ہیں۔ درحقیقت سیحون وجیحون کے مابین پائے جانے والے میدان کا شمالی حصہ جس قدر غیر آباد ہے، جنوبی و مغربی حصہ اتنا ہی زرخیز اور آبادی سے معمور ہے۔ یاد رہے کہ دریائے جیحوں کی لمبائی ۲۵۰۰ کلو میٹر اور دریائے سیحوں کی ۲۱۲۰ کلو میٹر ہے۔ دریائے سیحوں جو اب سیر دریا کے نام سے مشہور ہے، مشرق اور شمال مشرق میں نہ صرف خوارزم بلکہ عالم اسلام کی آخری سرحد تھا۔ اس کا چوڑا پاٹ اس میں مچلتی ہوئی تند و تیز لہریں، نیز دریا کے آگے پھیلا ہوا کوہستانی سلسلہ عالم اسلام کے لیے ایک ایسی قدرتی فصیل کی حیثیت رکھتا تھا جسے عبور کرنا کسی بھی حملہ آور قوم کے لیے حوصلہ شکن تھا۔

اکثر مقامات پر اس کوہستانی سلسلے کی صرف چوڑائی عبور کرنے کے لیے ایک ہزار میل سے زائد سفر طے کرنا پڑتا تھا۔ فولاد کی مانند مضبوط ان پہاڑوں میں گنتی کے چند درّے ایسے تھے جو قافلوں کے گزرنے کے لیے قدرتی راستوں کا کام دے سکتے تھے مگر یہ راستے اکثر برف سے اَٹے رہتے تھے۔ یہ کوہستانی دیوار براعظم ایشیا کو کئی ہزار میل تک دو

حصوں میں قطع کرتی چلی گئی ہے۔ یہ جنوب میں تبت سے شروع ہو کر شمال کی طرف بل کھاتی ہوئی پھیلتی گئی ہے۔ انسانی تاریخ کی ابتداء سے یہ سلسلہ کوہ اسی طرح قائم دکھائی دیا ہے۔ ان پہاڑوں کے پار چین اور منگولیا کے علاقے ہیں۔ اُس پار بسنے والے انسانوں کو یہ دیوار عبور کر کے اِس طرف کی دنیا سے میل جول کے مواقع بہت کم میسر آئے، اسی طرح اِس طرف کے باشندے دوسری سمت کے حالات سے عمومی طور پر لاتعلق رہے۔ صرف سیاح یا تجارتی قافلے کبھی کبھار یہ سرحد عبور کیا کرتے تھے۔

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی حدودِ حکومت جب اس سلسلہ کوہ سے جا لگیں تو اسے اس عظیم سلطنت کے بارے میں علم ہوا جو حال ہی میں اس پہاڑی دیوار کے پار قائم ہوئی تھی۔ اس نئی حکومت کا بانی ''چنگیز خان'' تھا۔

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشا، ج:۲،ص:۴۸ ② روضۃ الصفا، ج:۴،ص:۸۱۷......ابن خلدون، ج:۵،ص:۹۵

③ ابن اثیر، ج:۷،ص:۴۴۸ ④ روضۃ الصفا، ج:۴،ص:۸۱۹......ابن اثیر، ج:۷،ص:۵۱۲

⑤ ابن خلدون، ج:۵،ص:۱۰۲

⑥ روضۃ الصفا، ج:۴،ص:۸۲۰......ابن اثیر، ج:۷،ص:۵۱۲......ابن خلدون، ج:۵،ص:۱۰۰

⑦ طبقاتِ ناصری، ج:۱،ص:۳۶۴ ⑧ جہاں کشا، ج:۲،ص:۱۷۸......خوارزم شاہی،ص:۸۰

⑨ البدایہ والنہایہ، ج:۷،ص:۵۶......ابن اثیر:۷،ص:۵۱۱

⑩ جہاں کشا جوینی، روضۃ الصفا، تاریخ ابن خلدون اور تاریخ ابن اثیر میں ان معرکوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اہل ذوق تشنگی دور کرنے کے لیے ان مآخذ سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

⑪ ابن خلدون، ج:۵،ص:۱۰۴،۱۰۵......ابن اثیر، ج:۷،ص:۵۱۴

⑫ ابن اثیر، ج:۷،ص:۵۱۵......نہایۃ الارب، ج:۷،ص:۷۵۶

⑬ نہایۃ الارب، ج:۷،ص:۷۵۶ ⑭ نہایۃ الارب، ج:۷،ص:۷۵۷

⑮ نہایۃ الارب، ج:۷،ص:۳۶۲......ابن خلدون، ج:۵،ص:۱۰۸،۱۰۹

⑯ یاقوت کے اس بیان میں خوارزم سے مراد دارالحکومت اورگنج ہے۔

⑰ چنگیز خان، باب:۱۴،ص:۱۰۹ ⑱ اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود،ص:۱۶۷

⑲ معجم البلدان، تاریخ خوارزم شاہی، چنگیز خان، اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود، تاریخ دعوت وعزیمت، ج:۱

⑳ ابن حوقل کا یہ بیان حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''ہزار سال پہلے'' (ص:۱۵۸، تا ص:۱۶۰) میں نقل کیا ہے۔

㉑ معجم البلدان......تاریخ خوارزم شاہی......چنگیز خان......تاریخ دعوت وعزیمت ج:۱......اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود

تیسرا باب

چنگیز خان

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں — سو بار ہوئی حضرتِ انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیامِ ازلی ہے — صاحبِ نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک
اس سیلِ سبک سیر و زمیں گیر کے آگے — عقل و نظر و علم و ہنر ہیں خس و خاشاک

(اقبال)

منگولیا کا سیاہ بادل..... تاریخ میں وحشت و بہیمیت کی بے شمار داستانیں محفوظ ہیں۔ ظلم و جبر کے ان گنت پیکرِ مجسم ظہور پذیر ہوئے جن کے سفا کانہ کارنامے آج تک بنی نوع آدم کی جبین پر سیاہ دھبہ ہیں۔ یمن کے فرزندانِ توحید پر ذونواس کا ظلم وستم، مصر کے اہل ایمان پر فرعون کا جبر وتشدد اور ایک لاکھ بے قصور مرد وزن کو بھیڑ بکریوں کی طرح ھانک کر بابل لے جانے والے بخت نصر کی خون آشامی تا قیامت قابل صد نفرین ہے۔ بیت المقدس پر صلیبیوں کے قبضے کے بعد مسجد اقصیٰ میں خونِ مسلم کی ارزانی آج بھی لہو کے آنسو رلاتی ہے۔ ہسپانیہ میں مسلمانوں کے قتل عام کی دل خراش داستان آج بھی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے قلب وجگر کو تڑپاتی ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی پاداش میں برصغیر کے لوگوں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا ظلم وستم کبھی بھلایا نہیں جاسکتا، ۱۹۴۷ء میں مسلمانانِ ہند پر سکھوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں جو قیامت بیتی اس کے تذکرے آج بھی کلیجہ چھلنی کر دیتے ہیں۔ ہٹلر، مسولینی اور اسٹالن جیسے درندہ صفت انسان تا ابد انسانیت سے خراجِ لعنت وصول کرتے رہیں گے۔

یہ سب داستانیں ایسی ہیں کہ جنہیں دہراتے ہوئے بھی دل لرزتا ہے، ان میں سے ہر ایک اپنے پس منظر میں تباہی و بربادی کے ہزاروں مناظر لیے ہوئے ہے۔ مؤرخ انہیں نقل کرتا ہے، اگرچہ اس کی طبیعت بوجھل ہو جاتی ہے، اس کا دماغ ان کربناک لمحات کے تصور کی تکلیف سے شل ہو جاتا ہے مگر مؤرخ اپنا فرض منصبی سمجھ کر دل تھامتے ہوئے یہ سب کچھ لکھتا ہے اور پوری تفصیل سے لکھتا ہے۔ وہ اس امید پر لکھتا ہے کہ آنے والی نسلیں اس تحریر کو پڑھیں گی اسے تسلیم کریں گی، اپنے ماضی سے سبق حاصل کریں گی اور اس کی روشنی میں مستقبل کا لائحہ عمل طے کریں گی۔ مگر اللہ جل شانہ کی اس دھرتی پر ایک بار قتل و غارت گری کی آندھیاں اس شدت سے چلیں کہ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے وقت کے مؤرخ کو یہ توقع نہ تھی کہ مستقبل میں اس کے بیان کو صحیح اور درست وممکن تسلیم کرنے والا کوئی شخص دنیا میں موجود ہوگا۔

مؤرخین کو گنگ اور دم بخود کر دینے والی تباہی و بربادی کی یہ داستان جس شخص کے ہاتھوں وجود میں آئی اسے ''چنگیز خان'' کہا جاتا ہے۔ جس نے آباد زمین کے نصف کو زیر نگین کیا اور اسے برباد کر دیا، جس نے لہو کے سمندر میں شہ سواری کرتے ہوئے مشرق تا مغرب ہیبت و دہشت کی فضا طاری کر دی، جو سیاہ بادل کی طرح منگولیا کے صحرا سے

اٹھا اور عالم اسلام پر قہر کی بجلیاں گرا کر اسے سوختہ کر گیا۔ چنگیز خان کا اصل نام تموجن تھا، (عرب مؤرخین اسے تمر جی کہتے ہیں)۔ بظاہر وہ صحرائے گوبی (منگولیا) میں پیدا ہونے والا ایک انسان تھا، مگر در حقیقت وہ اقوام عالم کو جھلسا دینے والی آتشِ سوزاں تھا۔

صحرائے گوبی کے بھوت ..... سرزمین چین کے شمالی حصے میں گوبی (منگولیا) کا عظیم ریگستان واقع ہے۔ گرمیوں میں یہاں بادلوں تک بلند ہوتی ہوئی تند و تیز ریتیلی آندھیاں چلتی ہیں۔ اونچے اونچے ناہموار ٹیلے ان ہواؤں کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں شمال کی جانب سے سخت سرد ہوا چلتی ہے جو ہر شے کو یخ بستہ کر دیتی ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں جنگلی خانہ بدوش قبائل آباد چلے آتے تھے۔ ان خانہ بدوشوں کی گزر اوقات شکار اور گلہ بانی پر تھی۔ ہرن، ریچھ، لومڑیاں اور ہر قسم کے جنگلی جانور ان کی خوراک تھے، گائیوں، گھوڑوں اور بھیڑ بکریوں کے بڑے بڑے گلے ان کی ملکیت میں ہوتے تھے۔ گرمی کے موسم میں دودھ بکثرت میسر آجاتا تھا، مگر سرما کی برف باری ہوتے ہی چارہ ملنے کے مواقع ختم ہو جاتے اور جانوروں کا دودھ سوکھ جاتا۔ مجبوراً یہ لوگ گرمی کے دنوں کے بچائے ہوئے سوکھے گوشت پر گزارا کرتے۔

کھانے کا یہ دستور تھا کہ پہلے جوان اور طاقتور لوگ حسبِ دلخواہ جو میسر ہوتا اچھی طرح کھا لیتے۔ پھر عورتیں اور بوڑھے ان کے بچے کھچے سے پیٹ بھرتے آخر میں بچوں کی باری آتی جو ہڈیاں چوس چوس کر پیٹ کی آگ بجھاتے یا چوہوں اور گلہریوں کا شکار کر کے ان کا گوشت نوچتے۔

ہوا کے زوردار جھکڑوں سے کسی قدر محفوظ رکھنے والے گول گنبد نما بڑے بڑے خیمے ان کا مسکن تھے۔ ان خیموں کو ''یورت'' کہا جاتا تھا۔ ان یورتوں کو اِدھر سے اُدھر منتقل کرنے کے لیے بڑے بڑے چھکڑے ہوتے تھے جن کے آگے کئی کئی بیل جوتے جاتے تھے۔

ریگستان میں جہاں پانی اور چارہ میسر آتا یہ قبائل وہیں ڈیرہ ڈال لیتے اور پانی یا غذا ختم ہونے پر یورتوں کو لاد کر کسی اور چراگاہ کی طرف رواں دواں ہو جاتے۔ ہر قبیلے کے افراد اپنی حفاظت کے لیے ایک چالاک اور بہادر آدمی کو سردار منتخب کر لیتے تھے۔ پانی اور چارے کی تلاش میں پسندیدہ مقامات پر قبضے کے سلسلے میں یہ قبائل اکثر آپس میں کشت و خون کرتے رہتے تھے۔ ایسے مواقع پر سردار کی دانشمندی اور جرأت ہی اپنے قبیلے کو دشمن کی زک سے محفوظ رکھتی تھی۔

ان قبائل کو سخت جانی ورثے میں ملی تھی۔ کئی کئی دن کے فاقے برداشت کرنا ان کے لیے ایک عام سی بات تھی، قبیلے کے مرد مسلسل کئی کئی دن گھڑسواری کرتے اور اچانک دشمن کو جا لیتے۔ صحرا میں بسنے والے یہ لوگ سرخ و زرد رنگت والے تھے، ان کے چہرے چوڑے اور گٹھے ہوئے تھے۔ ناکیں چھوٹی چپٹی اور داڑھیاں چھدری تھیں، جسم مضبوط اور توانا مگر چھریرے تھے۔ ان کا حلیہ باقی تمام اقوام سے نرالا تھا، کسی غیر قوم کا آدمی ان میں فوراً پہچان لیا جاتا تھا اس لیے ان میں کوئی جاسوس داخل نہیں ہو سکتا تھا، مکاری اور عیاری ان کی فطرت میں داخل تھی۔ سمور دار جانوروں کی کھالیں اوڑھے اور بالوں والے جوتے پہنے صحرائے گوبی کی وسعتوں میں پھرتے ہوئے یہ جنگلی بھوتوں کے غول معلوم ہوتے تھے۔

مغل ..... ان جنگلی قبائل میں سے ایک بڑا قبیلہ ''مغل'' کہلاتا تھا، جھیل بیکال کے آس پاس کی چراگاہیں ان کے قبضے میں چلی آرہی تھیں، یہ سرسبز علاقہ اس جھیل سے لے کر منچوریا کے سرحدی پہاڑوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس میں دو ندیاں

بھی بہتی تھیں۔صنوبر کے درخت قطار در قطار نظر آتے تھے، بے حد وسیع و عریض صحرائے گوبی کے شمال میں یہ حصہ ان قبائل کے لیے گویا جنت تھا، یہاں قابض ہونے کے لیے مختلف قبائل حملہ آور ہوتے رہتے۔مگر کامیاب نہ ہوتے اس لیے کہ مغل قبیلہ جو کہ شمالی گوبی کا سردار تھا ہر جارحیت سے نپٹنا جانتا تھا۔
تموجن ...... ۵۴۹ھ (۱۱۵۴ء) میں اس قبیلے کے سردار یسوکائی کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کا نام ''تموجن'' رکھا گیا۔ ابھی تموجن کی عمر تیرہ برس ہی تھی کہ اس کا باپ دشمن کے ہاتھوں مارا گیا، قبیلے والوں کو اس کے نوعمر بیٹے سے حفاظت و نگہبانی کے فرائض کامیابی سے انجام دینے کی امید نہ تھی۔وہ اِدھر اُدھر بکھر کر دوسرے سرداروں کے ماتحت چلے گئے۔
''تموجن'' کی ماں اولون، اس کا بھائی قسار اور چند وفادار ساتھی پیچھے رہ گئے۔دشمن قبائل حملے کے لیے موقع کی تاک میں تھے، انہوں نے تموجن کو قید کر لیا اور گاؤں کو آگ لگا دی، اس کے خاندانی مقبوضات دشمن کے پاس چلے گئے۔
بظاہر قصہ نمٹ گیا تھا مگر تموجن کی تقدیر میں کچھ اور تحریر تھا۔وہ چکما دے کر دشمن کی قید سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔وہ اپنے گاؤں واپس آیا اور اسے خاکستر پایا اس نے اپنی ماں، بھائیوں اور چند دوسرے اہل خاندان کو ساتھ لیا اور دشمن پر ضرب لگانے کا موقع تلاش کرنے کے لیے پہاڑی دروں میں چھپتا پھرا۔اس نے مستقل طور پر اپنی آبائی سرزمین کو چھوڑنے کی بجائے وہیں رہ کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔دشمن شکاری کتوں کی طرح اس کی بُو سونگھتا پھر رہا تھا مگر وہ تموجن کو نہ پکڑ سکا۔دشمن کے خلاف کامیاب مزاحمت سے اس کے بکھرے ہوئے قبیلے کے بہت سے افراد سمجھ گئے کہ تموجن قبیلے کو منظم و محفوظ رکھ سکتا ہے۔وہ ایک ایک کر کے واپس آکر اس سے ملنے لگے۔تموجن کی بھی ابتدائی جدوجہد یہی تھی کہ کسی طرح اپنے قبیلے کا شیرازہ جمع کیا جائے۔اسی دوران سترہ سال کی عمر میں وہ بورتائی کو بیاہ لایا لیکن ابھی کچھ دن ہی گذرے تھے کہ ٹنڈرا کے قدیم جنگلی حملہ آور ہو کر اس کی بیوی کو اغوا کر کے لیے گئے۔تموجن جو کہ پہلے ہی انتقامی آگ میں جل رہا تھا مزید برافروختہ ہو گیا۔ایک چھاپہ مار کارروائی کے ذریعے اس نے اپنی بیوی واپس لے لی مگر وہ اپنے پہلے بیٹے جوجی کے نسب کے بارے میں ہمیشہ شکی رہا۔
چالاکی، مکاری، بے خوفی اور غیظ و غضب بچپن سے اس کے خمیر میں تھے۔ان کٹھن حالات میں یہ تمام عادتیں مزید ابھرتی چلی گئیں، باپ کا انتقام اور موروثی زمین ہر حالت میں واپس لینے کا جذبہ ترقی کرتا چلا گیا۔
جلد ہی مختلف دشمن قبائل سے اس کی خون ریز معرکہ آرائیاں شروع ہوئیں، کئی بار وہ شکست و فنا کے دہانے پر پہنچا اور کئی بار موت اس کے قریب سے گزر گئی مگر وہ میدان سے نہ ہٹا، اس کے اپنے قبیلے کے بہت سے افراد واپس آچکے تھے۔یہ وہ لوگ تھے جو اپنے قبیلے کے سوا ہر قوم سے جان کا خوف رکھتے تھے۔اور حقیقت یہی تھی کہ سب قبائل مغل قبیلے کو مٹانے کے درپے تھے۔تموجن کے ساتھ آملنے والے مغلوں کی تعداد بہت زیادہ نہ تھی مگر یہ سب کے سب تموجن کے پکے جاں نثار تھے۔ایک حملے میں تموجن شدید زخمی ہو گیا۔وہ دشمن کے نرغے میں آگیا تھا، اس کے حلق میں تیر پیوست کر کے اسے مردہ سمجھ کر برف پر پڑا ہوا چھوڑ دیا گیا۔اس کے دو ساتھی وہاں پہنچ گئے، انہوں نے اس کے زخم سے خون چوسا، ایک پیالے میں برف پگھلا کر اس کے زخم صاف کیے یوں وہ مرنے سے بال بال بچا۔ان تمام سختیوں کے باوجود وہ اپنی قوم کی شیرازہ بندی میں مصروف رہا یہاں تک کہ تیرہ ہزار جنگجو اس کے پاس جمع ہو گئے۔اب تک ان کا کوئی مستقل پڑاؤ نہ تھا، دشمن سے تحفظ کے لیے اور خوراک کے حصول کے لیے انہیں بہت جلد جلد اپنی جگہ بدلنا پڑتی تھی۔

تموجن کی پہلی فتح ..... ایسے ہی ایک سفر کے دوران ان کے قدیم دشمن تایجوت قبیلے نے ترغاتائی نامی شخص کی قیادت میں ان کا راستہ روک لیا، یہ تیس ہزار مسلح تایجوت تھے، تموجن نے نہایت برمحل اور ماہرانہ انداز سے اپنی صفیں ترتیب دیں اور مقابلے پر آ گیا۔ دن بھر کی معرکہ آرائی کے بعد چھ ہزار تایجوت مارے گئے اور بقیہ پسپا ہو گئے۔ تایجوت وہی قبیلہ تھا جس نے تموجن کو قیدی بنا کر اس کا گاؤں جلا دیا تھا۔ اس شکست سے ان کے اقتدار پر کاری ضرب لگی۔ اس کے ساتھ ہی تموجن کی نخوت وتکبر میں بھی اضافہ ہو گیا اور اس نے باقاعدہ سرداروں والے ٹھاٹ باٹ اختیار کر لیے۔ اس کے قبیلے کا یاک کی نو دموں والا پرچم سربلند ہوتا گیا۔ روز بروز اس کے ساتھی بڑھنے لگے۔ بغورچی اس کا دیرینہ رفیق تھا اور قسار اس کا چھوٹا بھائی اس کا دست راست تھا۔ جبی نویان، سوبدائی بہادر اور مقولی بہادر تین انتہائی لڑاکے اور سفاک نوجوان سالار اس کے لیے ہر معرکہ میں کامیابی کا پیش خیمہ تھے۔

اونگ خان ..... تموجن نے اپنے باپ کے دیرینہ حلیف طغرل اونگ خان کی فوجوں سے مدد لی اور ایک نئی کامیابی حاصل کرنے کے لیے تاتاریوں کے ایک جنگجو قبیلے پر زوردار حملہ کیا اور اس کی قوت فنا کر دی۔ طغرل اونگ خان قوم قرایت کا سردار تھا اس نے تموجن کے والد یسوکائی سے بھی دوستانہ تعلق رکھا تھا اور تموجن کی بھی سرپرستی کرتا رہا۔ تموجن بھی اسے اپنا باپ کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ قرایت قوم مغلوں کی بہ نسبت بہت زیادہ قوت مند اور وسیع علاقے پر قابض تھی، تہذیب ومعاشرت میں بھی نسبتاً وہ دیگر خانہ بدوش اقوام سے بہتر تھی۔

قرولتائی ..... تموجن اگرچہ اپنا کھویا ہوا علاقہ واپس لے چکا تھا مگر ہوسِ اقتدار اور ذوقِ کشت وخون جواب اس کی سرشت بن چکا تھا اسے چین نہ لینے دیتا تھا۔ تیس سال کی عمر میں اس کی قوت پورے عروج پر تھی۔ اس نے مزید پیش قدمیاں کیں اور اپنا دائرہ عملداری بڑھالیا، نئے نئے جنگجو اور زور آزما لوٹ مار کی حرص میں اس کے گرد جمع ہوتے گئے، اس نے اپنی ہمسایہ اقوام پر حملے کی تیاری کی۔ قوم قرایت کا سردار طغرل اونگ خان اب تک اس کا سرپرست اور حلیف رہا۔ مگر تموجن نے جلد ہی اس کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا، اونگ خان مارا گیا۔ اونگ خان کا مسکن قراقرم تموجن کو بھلا معلوم ہوا، اس نے اس علاقے کو اپنا مرکز بنالیا۔ ان فتوحات کے بعد تموجن نے قرولتائی (مشاورت) طلب کر کے اپنے ماتحت تمام سرداروں کو جمع کیا اور تمام ایشیائے بلند پر قبضہ کرنے کا عزم کر کے اپنی قیادت کے عہد وپیمان کے ساتھ ''چنگیز خان'' کا لقب اختیار کیا۔ یہ واقعہ ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) کا ہے۔

منگولیا اور کوہ طیان شیان کے پاس بسنے والے سارے آزاد منش سردار اس کی قیادت میں جمع ہو گئے تھے۔ اب اس کا لشکر اڑھائی لاکھ افراد پر مشتمل تھا اور ایک لاکھ مربع میل کی حدود میں پھیلا ہوا تھا۔ ایغور، قرایت، تاتاری، مرکیت اور دیگر تمام دشمن قبائل اس کے سامنے سرنگوں ہو کر اپنی خدمات اسے پیش کر چکے تھے۔ یاک کی نو دموں کے نشان کے ساتھ اب دو سینگوں والا پرچم بھی اس تباہ کار فوج پر سایہ فگن تھا۔

ختا (چین) پر حملے کا منصوبہ ..... اب تک چنگیز خان کی ترک تازیاں اپنے ہی جیسے خانہ بدوش وغیر متمدن قبائل کی سرکوبی تک محدود تھیں لیکن اس کا اگلا حملہ منگولیا کے جنوب میں واقع چین کی عظیم الشان ختائی سلطنت پر تھا جو پانچ ہزار سالہ قدیم تمدن کی مالک تھی، یہاں چاول کی شراب پی جاتی، عورتوں کے ہاتھوں میں بجتی ہوئی گھنٹیوں کے ساتھ پُر کیف گیت سنے جاتے، ریشمی لباس پہنے جاتے، لوگوں کی زیادہ توجہ اس بات پر مرکوز رہتی کہ اپنی عادات واطوار میں

زیادہ سے زیادہ شائستگی کیوں کر پیدا کی جاسکتی ہے۔ یہاں ایک ایک شہر میں کئی کئی لاکھ افراد رہتے تھے۔ چین کے بادشاہ منگولیا کے صحرا نشینوں کو اپنی آوارہ رعیت سمجھتے تھے۔ ان کے کسی باغیانہ اقدام سے بچاؤ کے لیے انہوں نے عظیم دیوارِ چین تعمیر کی جو صدیوں سے اسی طرح قائم تھی اور شمال کے ہر حملے سے بچاؤ کے لیے کافی سمجھی جاتی تھی، اس دیوار پر چھ گھوڑے ایک ساتھ دوڑ سکتے تھے۔

چنگیز خان نے جن منتشر بلکہ متضاد قبائل کو مسخر کیا تھا ان کو متحد رکھنے کا اس کے نزدیک صرف اور صرف ایک ہی طریقہ تھا اور وہ تھا ''دوسری قوموں کو نیست و نابود کرنے کی مصروفیت''۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے ان جنگجوؤں کو فارغ چھوڑ دیا تو یہ آپس میں کٹ مریں گے۔

پیش بندیاں اور جاسوسی ..... ختا کی عظیم اور بے حد وسیع مملکت پر یلغار سے پہلے چنگیز خان نے آس پاس کے تمام حریفوں کی سرکوبی ضروری سمجھی تاکہ وہ اس کے لیے بعد میں کوئی مصیبت نہ کھڑی کردیں۔ اس نے ھیا کی سلطنت پر حملہ کے لیے بذات خود پیش قدمی کی اور انہیں اپنا تابع کرلیا۔ قراختائیوں اور کرغیزیوں کا سر کچلنے کے لیے اپنے تجربہ کار سرداروں کو روانہ کیا۔ اس مہم کو سرانجام دے کر چنگیز خان نے ختا پر حملے کا عزم کرلیا۔ لیکن وہ حملے سے پہلے کوئی بہانہ پیدا کرنا چاہتا تھا۔

اس کے لیے اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا، ختا کے شہنشاہ کا انتقال ہوگیا اور اس کا بیٹا ''دائی دنگ'' کا لقب اختیار کرکے تخت نشین ہوا۔ منگولیا کے تمام قبائل اب تک چین کی بادشاہت کے باج گزار سمجھے جاتے تھے۔ خود چنگیز خان بھی سابق شہنشاہ سے اظہارِ وفاداری کرکے اس سے ''باغیوں کا دشمن سردار'' کا خطاب حاصل کرچکا تھا، سابق بادشاہ نے ایک بار چنگیزی دستوں کو اپنی مدد کے لیے چین کے اندرونی حصوں میں طلب کیا تھا۔ یہ دستے شاہ کے دشمنوں کو نمٹانے کے ساتھ ساتھ سلطنت کا سارا نظام دیکھنے بھالنے کے علاوہ اپنی آیندہ متوقع یلغار کے لیے ضروری پیش بندیاں بھی کرکے واپس آئے تھے، چین کی تمام شاہراہوں، پہاڑوں اور شہروں کے مکمل نقشے ان کے پاس تھے۔

جنگ کا بہانہ ..... نئے بادشاہ ''دائی دنگ'' نے برسرِ اقتدار آتے ہی دیگر باج گزاروں کی طرح چنگیز خان سے بھی خراج طلب کیا۔ چنگیز خان کو اب کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔ اس نے ازخود ایسا جواب دیا کہ جنگ ناگزیر ہوگئی۔ اس نے شاہِ چین کے قاصد سے پیغام سن کر نفرت سے تھوکتے ہوئے کہا: ''میں دائی دنگ جیسے بے وقوف کو خراج ادا کرکے خود کو ذلیل کیوں کروں؟ ہاں! اگر دائی دنگ چاہے تو ہمارے تابع رہ کر حکومت کرسکتا ہے، اگر وہ اس پر آمادہ نہیں تو ہم سمندر کی موجوں کی طرح بپھرا ہوا لشکر لے کر آرہے ہیں۔''

کچھ عرصے بعد ایک ٹڈی دَل لشکر کے ساتھ چنگیز خان نے چین کا رخ کیا۔ ہراول تیس ہزار منتخب سپاہیوں پر مشتمل تھا جبکہ قلب اور دونوں بازوؤں میں مجموعی طور پر تین لاکھ افراد تھے۔ ناقابلِ تسخیر دیوارِ چین عبور کرنے کے لیے اس کے جاسوسوں کا سرحدی قبائل کے ساتھ گٹھ جوڑ کام آیا اور لشکر کھلے دروازوں سے حدودِ ختا میں داخل ہوگیا، ایک طویل اور صبر آزما معرکہ آرائی شروع ہوگئی جو کئی سال تک جاری رہی۔ ہر سال بہار کے موسم میں تاتاری پیش قدمی کرتے اور خزاں کے موسم میں ٹھہر جاتے۔ آہستہ آہستہ اہلِ چین کی مدافعت کمزور پڑتی گئی۔ دائی دنگ ''چن'' خاندان کا آخری بدقسمت بادشاہ ثابت ہوا، وہ بدشگونی کا شکار ہوکر وقت سے پہلے ہمت ہار بیٹھا اور دارالحکومت پیکنگ کو چھوڑ

کر بھاگ گیا۔ تاتاری افواج نے کچھ عرصے کے محاصرے کے بعد پیکنگ بھی فتح کر لیا۔ قدیم چینی بادشاہت پامال ہوگئی۔ کوریا تک کا وسیع علاقہ تاتاریوں کے آگے مسخر ہوگیا۔ چنگیز خان مقولی بہادر کو چین میں اپنا نائب مقرر کر کے اپنی آبائی ریگستانی دنیا میں واپس لوٹ آیا۔ اس کی عمر پچپن سال سے متجاوز ہو چکی تھی۔ اس کئی سالہ طویل مہم نے اسے بری طرح تھکا دیا تھا اور کسی نئی یلغار سے قبل اسے آرام کی ضرورت تھی۔

قراقرم میں سکونت ..... صحرائے گوبی کی وسعتوں میں جہاں جا بجا خانہ بدوشوں کی عارضی اقامت گاہیں ٹکڑیوں کی شکل میں بکھری ہوئی تھیں قراقرم ہی ایک ایسا آباد علاقہ تھا جہاں مستقل رہائش کے لیے گھاس پھونس اور مٹی سے تیار کردہ مکانات نظر آتے تھے، یہ ایک مستقل آبادی تھی، اور صحرا میں سب سے زیادہ متمدن سمجھی جاتی تھی، قراقرم کے اصل باشندے ''قرایت'' کہلاتے تھے۔ چنگیز خان اس علاقے کو بھی اپنی آبائی سرزمینوں میں شمار کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے کئی سال قبل یہاں کے سردار طغرل اونگ خان کو قتل کر کے اسی علاقے کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ یہاں کا تمدن ترقی یافتہ ممالک کے دیہاتوں سے بڑھ کر نہ تھا، مگر صحرائے گوبی کی ویرانیوں میں اسے ''ترقی یافتہ شہر'' کی حیثیت حاصل تھی۔

چین کی مہم سے واپس آ کر چنگیز خان کافی عرصہ صحرائے گوبی کے اس گوشے (قراقرم) میں مقیم رہا۔ وہ اسے اپنا دارالحکومت قرار دے چکا تھا۔ یہاں کی کچی مٹی سے لیپی ہوئی گھاس پھونس کی چھتوں والی جھونپڑیاں اب دنیا بھر کے لوٹ مار کے سامان سے بھرپور تھیں۔ ریشمی استر اور سفید سمور کے ایک بلند شامیانے میں اس کا دربار تھا جس میں اس کے سالار اور اس کے چاروں بیٹے جوجی، چغتائی، اوکتائی اور تولی اس کی خدمت میں موجود رہتے۔

جوجی امیر شکار تھا جو لشکر کے لیے غذا مہیا کرنے کا ذمہ دار تھا۔ چغتائی امیر قانون تھا۔ اوکتائی امیر مشاورت تھا اور سب سے کم عمر تولی سالارِ اعظم تھا۔

تاتاریوں کی تمدنی ترقی ..... ان فتوحات کے بعد رونما ہونے والی تاتاریوں کی تمدنی ترقی کے بارے میں عطا ملک جوینی کا بیان ہے:

> ''چنگیز خان نے چند برسوں کے اندر اندر گوبی کے ویرانے کو عشرت کدہ بنا دیا تھا، تاتاری قوم گویا زندان سے چمنستان میں، اور بیابان سے مسرت کے ایوان میں جا پہنچی، دور دراز کے علاقوں کی مصنوعات اور ہر طرح کے ساز و سامان کی صحرائے گوبی میں ریل پیل ہوگئی، خور و نوش کی عمدہ سے عمدہ چیزوں کی کثرت ہوگئی۔ زراعت سے سرسبزی و شادابی کے دور کا آغاز ہوگیا۔'' (جہاں کشا، ج ا ص ۱۵ تا ۲۰)

یاسا کے قوانین ..... چنگیز خان نے اپنے ماتحت مختلف اقوام کو قابو کرنے کے لیے خود ایک قانونی دستاویز بھی تیار کی تھی جسے ''یاسا'' کا نام دیا گیا، اس کی رعایا میں سے ہر شخص کے لیے یاسا کی پابندی لازمی تھی۔ اس میں عقیدے کی تعلیم بھی تھی مگر مختصر۔ زیادہ تر احکامات تھے۔

یاسا میں ایک خدا خالقِ ارض و سماء پر ایمان لانے کی تعلیم دی گئی مگر اس کی تفصیلات بیان نہیں کی گئیں۔ یاسا کے قوانین کے مطابق ہر فرد کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی تھی مگر چنگیز خان کے حکم کے دائرہ میں رہتے ہوئے۔ دشمن کے لیے جاسوسی، جھوٹی گواہی، کالے جادو، چوری، زنا اور اغلام کی سزا موت تھی۔ مہینے میں تین بار نشہ کرنے کی رخصت تھی۔ گرج چمک اور بارش کے دوران پانی کا استعمال ممنوع تھا۔ دوسری قوموں سے مکاری، دغا اور فریب کی اجازت

تھی۔ان کا قتل عام جائز اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی بھی درست تھی۔ یاسا اسی قسم کے عجیب وغریب احکامات کا مجموعہ تھا جو شخص واحد کی قوتِ فکر کا نتیجہ تھا۔ لامحالہ اس میں بے شمار خامیاں بلکہ حماقتیں موجود تھیں، وحی کی رہنمائی سے محروم ضابطے کبھی کامیابی کے ضامن نہیں ہو سکتے۔

بہر حال چنگیز خان کو حکومت کے لیے قانون ترتیب دینا تھا سو اس نے ضرورت سمجھتے ہوئے اسے ترتیب دیا اور اس پر عمل بھی کرایا۔

چنگیز خان کے حملے کا انداز..... چنگیز خان کی مسلسل فتوحات کا ایک بڑا سبب دشمن پر اس کے تیز اور اچانک حملے تھے۔ تاتاری خانہ بدوشوں کے ہر کنبے کے پاس کئی کئی گھوڑے ہوتے تھے، یلغار کے دوران وہ مسلسل گھوڑے تبدیل کرتے رہتے تھے اس طرح گھوڑے تھکے بغیر سفر جاری رکھتے تھے۔ جب کہیں حملے کا ارادہ ہوتا تو تاتاری اسے دشمن پر بالکل ظاہر نہ ہونے دیتے اور ہفتوں کا سفر دنوں میں طے کرتے ہوئے اچانک دشمن پر جا پڑتے۔ ان کی ایک بڑی اہم چال یہ بھی تھی کہ دشمن پر کئی اطراف سے حملہ کرتے۔ ان میں سے ایک سمت سے کیا جانے والا حملہ محض دشمن کو الجھانے اور دوسرے محاذوں سے بے خبر رکھنے کے لیے ہوتا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ مخالف فوج تاتاری لشکر کے انتظار میں ایک سرحد پر پہرا دیتی رہی اور آثار واطلاعات سے روز بروز یہ یقین بڑھتا جاتا کہ تاتاری اسی طرف آ رہے ہیں مگر اچانک تاتاری لشکر کا ایک بڑا حصہ کئی سو میل کا چکر کاٹ کے دوسرے پہلو سے سرحد عبور کر کے کسی شہر پر قابض ہو جاتا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ میدانِ جنگ میں تاتاری مغلوب ہونے لگتے تو فوج کا کچھ حصہ میدان سے ہٹا کر اسے دشمن کی پشت یا پہلو پر بھیج دیتے۔ اس چال سے دشمن بوکھلا جاتا اور دو طرفہ حملے کی زد میں آ کر جنگ کی جیتی ہوئی بازی چشم زدن میں ہار جاتا۔

ظلم وستم اور غارتگری..... چنگیز خان مفتوحہ اقوام پر رحم کرنے کا قائل نہ تھا۔ جن علاقوں کے عوام مرعوب ہو کر بغیر جنگ کے مطیع ہو جاتے وہاں بھی لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا جاتا، تاتاری فوج گھروں میں گھس کر سب کچھ لوٹ لیتی۔ عورتوں کی کھلے عام عصمت دری کی جاتی۔ تاہم ایسے علاقے اکثر قتل عام سے محفوظ رہ جاتے۔ جنگ کے بعد زیر قبضہ آنے والے شہروں کو مکمل طور پر لوٹ کر آبادی کو فنا کر دیا جاتا۔ ہر طرف لاشوں کے پہاڑ نظر آتے۔ کھوپڑیاں کاٹ کاٹ کر ان کے بلند مینار بنا دیے جاتے، آخر میں شہر کو آگ لگا کر راکھ کر دیا جاتا اور کوئی ذی نفس زندہ نہ بچ پاتا۔

بعض اوقات لڑائی میں قید ہونے والوں سے جبری مشقت لی جاتی، ان سے پُل اور مورچے تعمیر کرائے جاتے، خندقیں کھدوائی جاتیں، لیکن جب تاتاری کسی دور دراز علاقے کی طرف کوچ کرتے تو ان قیدیوں کے بوجھ سے نجات پانے کے لیے سب کو قتل کر دیتے البتہ اگر ان میں کوئی شخص کسی فن یا صنعت کا ماہر ہوتا تو اس کی جاں بخشی کر کے اس کے ہنر کا فائدہ اٹھایا جاتا، حسین وجمیل عورتیں بھی قتلِ عام سے مستثنیٰ ہوتیں، انہیں خانِ اعظم اور اس کے سرداروں کی خدمت کے لیے زندہ رکھا جاتا۔

ہڈیوں کا پہاڑ..... تاریخ نگارستان (فارسی) میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ چنگیز خان کی حدودِ مملکت میں داخل ہوا۔ دور سے انہیں ایک سفید پہاڑ نظر آیا۔ اہل قافلہ کو اس بات میں ذرہ بھر شک بھی نہ تھا کہ یہ کوئی برف پوش پہاڑ ہے، مگر قریب جا کر دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے کہ وہ پہاڑ دراصل ان مردوں کی ہڈیوں سے بنا تھا جو چنگیز خان کی

خوں ریزی کی نذر ہو گئے تھے۔

تاتاریوں کا مذہب..... تاتاریوں کے دین و مذہب کے بارے میں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ خالق و قادرِ مطلق ایک ہستی کا تصور رکھتے تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا تھے۔ عبادات کے انداز و اطوار میں وہ ہند کے غیر آریہ قدیم باشندوں سے ملتے جلتے تھے۔

خبرِ قرآنی کے مطابق اس قوم میں ضرور کوئی پیغمبر مبعوث ہوئے ہوں گے مگر زمانے کی گردش اور شیطانی تلبیسات کے اثرات سے ان کی تعلیمات فراموش ہو چکی تھیں۔ تاتاریوں میں ستارہ پرستی کے اثرات بھی معلوم ہوتے تھے۔ تمام تاتاری صبح طلوعِ آفتاب کے وقت سورج کو سجدہ کرتے تھے۔ نیز بجلی کی چمک اور ابر کی گرج سے انتہائی خوفزدہ ہوتے تھے، ان کے نزدیک آسمان لازوال تھا، اور اس پر نظر آنے والے غیر معمولی مناظر کو وہ آسمانی غضب گمان کرتے تھے۔ ان کے نزدیک ہوا میں کچھ ارواح بستی تھیں جو طوفان، گرج، چمک اور دوسرے آسمانی انقلابات برپا کرتی تھیں۔ ان ارواح کو وہ ''تینگری'' کہتے تھے۔ چنگیز خان روزانہ ایک پہاڑ پر چڑھتا وہ اس پہاڑ کو ''تینگری'' کا ٹھکانہ تصور کرتا تھا وہاں وہ چاروں اطراف کی ہواؤں اور آسمان سے خطاب کر کے دعائیں مانگتا اور ''تینگری'' کی مدد و نصرت طلب کرتا۔

کشلوک خان کی سرکوبی..... تبت سے لے کر چینی ترکستان کی آخری حدود تک کا وسیع علاقہ کشلوک خان نامی ترک سردار کے زیرِ قلم تھا۔ اس کی سرحدیں ایک طرف خوارزم شاہ کی علمداری سے اور دوسری طرف چنگیز خان کی حدودِ مملکت سے مل رہی تھی کچھ ہی عرصہ پہلے کشلوک نے خوارزم شاہ کے ساتھ ملکر ترکانِ خطا کو شکست دی تھی۔ تب سے کشلوک کی طاقت برابر بڑھ رہی تھی۔ وہ چنگیز خان کا تابع ہونے کی بجائے خود مختار رہنا پسند کرتا تھا۔

چنگیز خان نے ختائی شہشاہت کو نابود کرنے کے بعد قراقرم میں جبی نویان کو ایک لشکر دے کر کشلوک خان کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یہاں سطح مرتفع پامیر پر جبی نویان نے ایک طویل جنگ کے بعد کشلوک خان کی قوت ختم کر کے اس کا سر کاٹ کر چنگیز خان کے پاس بھجوا دیا۔ اس فتح کے بعد چینی ترکستان کے مسلم قبیلے اور تبت کے بدھ مت قبائل بھی چنگیز خان کی شمشیرِ خون آشام کے زیرِ سایہ آ گئے۔ اب اس کی سرحدیں بارہ سو میل چوڑی کوہستانی پٹی کے فرق کے ساتھ دنیائے اسلام کے ساتھ مل چکی تھیں۔ آس پاس کی مسلم آبادیات کے تاجروں کی آمد و رفت نے ان دو مختلف تہذیب و تمدن والی قوموں کو ایک دوسرے کے احوال سے آگاہ کیا۔ جب چنگیز خان نے ان تاجروں سے خوارزم، بغداد، مصر اور ہندوستان کے حالات سنے تو اسے اندازہ ہوا کہ ابھی اس کی شہ سواری کے لیے ایک اور وسیع میدان باقی ہے۔

چین کے مسلمان..... چین کے مغربی حصوں میں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد آباد تھی، یہ وہ لوگ تھے جن کے آباؤ اجداد عرب ممالک اور ماوراء النہر سے آنے والے مسلم تاجروں کی لسانی و عملی تبلیغ سے متاثر ہو کر صدیوں پہلے دینِ حق قبول کر چکے تھے۔ چین پر چنگیز خان کے تسلط کے بعد یہ لوگ بھی اس کی رعایا بن گئے تھے، ان میں سے بہت سے اب بھی تجارت کی غرض سے مسلم ممالک کا سفر کرتے رہتے تھے، یہ لوگ عربی، فارسی اور ترکی زبانیں خوب جانتے تھے۔ چنگیز خان مفتوحہ قوموں کے ہر طبقے سے اس کی استعداد کے مطابق کام لینے کا ماہر تھا، چنانچہ ایسے کئی مسلمانوں کو اس نے اپنے دربار میں ترجمان کی حیثیت سے جگہ دی۔

بعض مسلمانوں کو اس نے بیرونِ ملک اپنے سفارتی وفود کے ساتھ روانہ کیا۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کو تجارت کی غرض سے دیگر ممالک کا سفر کرنے کی ترغیب دی گئی اور یہ تنبیہ بھی کر دی گئی کہ وہاں اپنے کان اور آنکھیں خوب کھلے رکھیں اور وہاں کے حالات کی اطلاعات بھجواتے رہیں، گویا یہ تاجروں کے روپ میں جاسوس تھے۔ چونکہ یہ مسلمان چنگیزی شمشیر کے نیچے دب کر بالکل بے بس ہو چکے تھے، ان کے اہل و عیال کی زندگیاں تاتاریوں کے رحم و کرم پر تھیں، لہٰذا اپنے آپ کو مجبور تصور کرتے ہوئے یہ لوگ دربارِ قراقرم سے جاری کردہ ہر حکم کو بجالاتے، اس بات سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا کہ دربار قراقرم کے لیے ان کی یہ خدمات عالم اسلام کے حق میں کیا نتائج پیدا کریں گی۔

ضروری وضاحت..... چنگیز خان کا اصل قبیلہ (جیسا کہ آپ اس باب کے شروع میں پڑھ چکے ہیں) ''مغل'' تھا مگر مسلم مؤرخین نے اکثر ان کے لیے ''التتر'' کا لفظ استعمال کیا ہے اس لیے ہم نے بھی اس کتاب میں اکثر مواقع پر اس قوم کو ''تاتاری'' کے لفظ ہی سے تعبیر کیا ہے۔

مآخذ

1 چنگیز خان از ہیرلڈ لیمب
2 البدایہ والنہایہ ج ۷
3 روضۃ الصفا ج ۵
4 5 سیرۃ سلطان جلال الدین
6 تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی
7 تاریخ نگارستان
7 اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی

شہزادہ جلال الدین منکبرتی

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شہزادہ جلال الدین کی پیدائش..... جب چنگیز خان ایشیائے بلند پر اقتدار کے پنجے گاڑ رہا تھا، تقدیرِ ازلی خوارزمی ایوان میں اس مجاہد کو وجود بخش رہی تھی جو مستقبل میں اس جہاں کش فاتح کا سب سے بڑا حریف ثابت ہونے والا تھا۔ علاؤالدین محمد کی بے تابانہ دعائیں قبول ہوئیں اور اسے بارگاہِ حق سے ایک بیٹا عنایت ہوا جسے تاریخ ''جلال الدین منکبرتی'' کے نام سے جانتی ہے۔ تاریخ پیدائش کسی کتاب میں مذکور نہیں دیکھی گئی البتہ قرائن سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ تاجِ خوارزم کا یہ گراں مایہ موتی چھٹی صدی ہجری کے آخری عشرے میں یا اس سے چند سال قبل سیپِ عدم سے عالمِ وجود میں آیا۔ (1)

سلطان علاؤالدین محمد کی متعدد بیگمات تھیں۔ ان میں سے جس خوش قسمت خاتون کے بطن سے جلال الدین کی ولادت ہوئی وہ ہندی نژاد تھی۔ (2) علاؤالدین محمد کے ہاں اس سے قبل کوئی نرینہ اولاد نہ تھی۔ جلال الدین کے بعد اس کے ہاں دیگر تین بیگمات سے چار بیٹے ہوئے جن کے نام تواریخ میں رکن الدین غورشاہ، قطب الدین ازلاق سلطان، غیاث الدین پیر شاہ اور آق سلطان مذکور ہیں۔ قطب الدین ازلاق اپنی دادی (ترکان خاتون) کا چہیتا ہونے کے باعث سب سے لاڈلا تھا۔ غیاث الدین خوبرو تھا مگر معمولی عقل وفہم کا مالک اور کسی قدر مغرور اور بے مروّت تھا۔ (3) البتہ رکن الدین غورشاہ غایتِ حسن و جمال کے ساتھ ساتھ شجاعت اور رحمدلی کے اوصاف سے بھی بہرور تھا۔ شہزادہ جلال الدین کو اپنے بھائیوں اور بہنوں سے بہت محبت اور پیار تھا، خاص کر اپنی سوتیلی بہن شہزادی خان سلطان سے اسے بے حد تعلقِ خاطر تھا۔ شہزادی بھی بھائی کے عمدہ خصائل کی گرویدہ تھی۔

تعلیم وتربیت کا زمانہ..... شہزادہ جلال الدین نے جس طرح بہنوں اور بھائیوں کے لیے ایک مشفق بھائی ہونے کا ثبوت دیا اسی طرح ہمیشہ اپنے والدین کی حد درجے تابعداری کا مظاہرہ کیا، جلال الدین کی ماں ایک مہربان، غیور، دلیر اور بلند ہمت خاتون تھی، جلال الدین کی اطاعت شعاری اور حسنِ کردار پر اسے فخر تھا۔ اپنی سوتیلی ماؤں کے ساتھ بھی جلال الدین نے ہمیشہ حد درجہ ادب کا برتاؤ کیا اور انہیں کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ اپنی اولاد کی تربیت کے معاملے میں بڑا سخت تھا، مگر جن پابندیوں کو دوسرے شہزادے بتکلف برداشت کرتے رہے جلال الدین نے انہیں بسروچشم قبول کیا۔ باپ کے ساتھ جلال الدین کا وفادارانہ تعلق مثالی تھا، اور خود خوارزم شاہ بھی اپنے اس بیٹے کی قابلیت، حسن کارکردگی اور اعلیٰ صلاحیتوں کا معترف تھا۔

اپنے بیٹوں کی سپاہیانہ تربیت کے لیے خوارزم شاہ نے زمانے کے نامور ماہرین حرب کی خدمات حاصل کی

تھیں۔اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ ان کی تعلیم سے بھی غافل نہ تھا۔اس نے اپنے عہد کے مانے ہوئے علماء کرام کو شہزادوں کی تعلیم پر مقرر کیا تھا۔

امام رازی رحمہ اللہ سے شرفِ تلمّذ ..... ۶۰۳ھ (۱۲۰۷ء) میں اپنے وقت کے مرجع خلائق، نامور مفسر، متکلم اور فلسفی علامہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ خوارزم تشریف لائے اور ''اور گنج'' کی جامعہ کی صدارت کے علاوہ شہزادوں کے اتالیق بھی مقرر ہوئے۔ ④

امام صاحب اس سے قبل سلطان شہاب الدین غوری کی قلمرو میں عوام وخواص کو اپنی خدمات سے مستفید کر چکے تھے، ہندوستان پر آخری یلغار کے وقت امام صاحب غوری لشکر میں نمازوں کی امامت فرماتے اور درسِ قرآن دیتے۔ ان کے درس میں سپاہیوں کے علاوہ ہر علاقے کے مقامی باشندے بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔حسن بن صباح کے فدائی عام مسلمانوں کے بھیس میں ان مجالس میں بڑھ چڑھ کر شریک ہوتے اور امام رازی رحمہ اللہ کے آس پاس نظر آتے۔ایک رات درس میں شریک ہونے والے دس فدائی موقع پا کر سلطان شہاب الدین غوری پر حملہ آور ہوگئے، اور انہیں شہید کر ڈالا۔حملہ آوروں میں سے بعض پکڑے گئے، افسران نے پہچان لیا کہ یہ امام صاحب کے شرکاءِ درس ہیں۔یہ خیال زور پکڑ گیا کہ امام صاحب رحمہ اللہ کے ایماء پر ہی یہ حملہ کیا گیا ہے۔امام صاحب رحمہ اللہ نے بڑی مشکل سے اپنی برأت ثابت کی۔

ہندوستان سے واپس آ کر امام صاحب رحمہ اللہ ہرات میں واقع اپنے مدرسہ میں پہنچے،لیکن یہاں بھی وہی افواہ گردش کررہی تھی، اہل ہرات کے ایک مشتعل ہجوم نے امام صاحب کے مدرسے پر حملہ کردیا،شہر کے مقتدر لوگوں نے بڑی مشکل سے ان کو واپس کیا۔ ⑤

ہرات کے حالات ناسازگار دیکھ کر امام رازی رحمہ اللہ رخت سفر باندھ کر خوارزم روانہ ہوگئے۔علاؤالدین محمد خوارزم شاہ بہت پہلے سے امام رازی رحمہ اللہ کی وسعتِ نظر سے متاثر تھا اور اس کی شدید خواہش تھی کہ ایسے نابغۂ روزگار بزرگ اسے شرفِ صحبت بخشیں، امام رازی رحمہ اللہ کی آمد پر اس کی خوشی دیدنی تھی۔شاہ کو اپنے حسب پسند ایک عبقری علمی شخصیت کی ہم مجلسی نصیب ہوئی، عوام کو ایک دردمند وحق گو عالم دین کے مواعظ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔شہزادوں کو بھی اس بات کی مسرت تھی کہ انہیں ایک فقید المثال استاذ کا شرف تلمذ نصیب ہورہا ہے۔

ابن خلکان کی روایت کے مطابق امام رازی رحمہ اللہ سلطان تکش کے زمانے میں بھی خوارزم آئے تھے اور علاؤ الدین محمد کے (جو اس وقت شہزادہ تھا) استاذ مقرر ہوئے تھے اس لیے علاؤالدین محمد نے اپنے دورِ حکومت میں انہیں اپنی سلطنت میں وہ مقام دیا جو کسی کو حاصل نہ تھا۔امام رازی رحمہ اللہ بعض اوقات سلطان علاؤالدین محمد کو ڈانٹ بھی دیتے جسے وہ برداشت کیا کرتا تھا۔ ⑥

امام رازی رحمہ اللہ کی مجالست میں گزرنے والے ایام شہزادہ جلال الدین کے لیے زندگی کا حسین ترین باب تھے۔ ان دنوں وہ عنفوانِ شباب کی منزل میں قدم رکھ چکے تھے۔ ⑦ اس عمر میں عام طبائع کو نت نئی دلچسپیوں کی تلاش ہوتی ہے، امیرزادوں اور شہزادوں کی رنگ رلیاں نت نئے جوبن دکھاتی ہیں مگر جلال الدین کی طبیعت کو اپنی منزل، اپنے مقصد زندگی اور اس کے لائحہ عمل کی تلاش تھی۔امام رازی رحمہ اللہ کی صحبت نے ان پر زندگی کے اسرار کھولے، انہیں ان حقائق

سے روشناس کرایا جو محض عقل سے نہیں کریدے جاسکتے بلکہ ان تک رسائی کے لیے وحی الٰہی کی روشنی درکار ہوتی ہے۔

شوال ۶۰۶ھ (۱۲۱۰ء) میں امام رازی رحمہ اللہ نے تریسٹھ (۶۳) برس کی عمر میں وفات پائی۔ عام خیال یہ تھا کہ باطنیوں نے ان کے کھانے میں زہر ملا دیا ہے۔ ⑧ شہزادہ جلال الدین کی حیات کا ایک مختصر لیکن اہم باب بند ہو گیا۔ عوام اپنے مصلح سے اور طلبہ اپنے معلم سے محروم ہو گئے، شہزادوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ دیگر وسائط سے جاری رہا مگر امام رازی رحمہ اللہ جیسا استاذ پھر نہ مل سکا۔

عسکری تربیت اور احساسِ ذمہ داری..... ملک و ملت کے حالات شہزادہ جلال الدین کے سامنے تھے۔ خداداد ذہانت، علمی وسعت اور تاریخِ اُمم کے تفصیلی جائزے نے ان پر یہ بات عیاں کر دی تھی کہ بسا اوقات ملت کے مستقبل کا ذمہ دار اپنی ایک غلطی کے باعث پوری قوم کو عبرتناک تباہی سے دوچار کر دیتا ہے۔ شہزادہ جلال الدین کو سلطان علاؤ الدین محمد کا بڑا بیٹا ہونے کے ناتے سلطنت کا ولی عہد سمجھا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے شہزادے کو خود بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔ انہوں نے عسکری ماحول کی سخت ترین اور کٹھن زندگی کو خود پر لازم کر لیا گویا ان کے نزدیک یہ مُسلم قیادت کے لیے بنیادی غذا تھی۔ اب باپ کے حسب منشاء محدود انتظامی و سرکاری امور میں شرکت کے بعد ان کا اکثر وقت سپاہیانہ مشقوں میں گزرتا، وہ فنونِ حرب کے دلدادہ تھے۔ ان کی قدرے گندمی سانولی رنگت اور چھریرے بدن پر فوجی لباس خوب سجتا تھا۔ ⑩ چہرے کی آب و تاب، ہمت و شجاعت، مومنانہ وقار اور خیال اندیش متانت نے ان کی شخصیت کو عجیب رعنائی بخش دی تھی۔ کئی سالوں کی مسلسل سخت ترین فوجی ریاضت سے وہ جنگی داؤ پیچ میں ایسی مہارت حاصل کر چکے تھے جس سے ان کے دوسرے ہم عصر عاجز تھے۔ وہ نہ لحیم شحیم تھے اور نہ طویل القامت بلکہ معمولی جسامت کے مالک اور کسی قدر پستہ قد تھے مگر مقابلے کے وقت ان کے مضبوط بازوؤں اور گٹھے ہوئے فولادی جسم سے توانائی کے ایسے چشمے ابلتے دکھائی دیتے کہ کوئی بڑے سے بڑا پہلوان ان کے سامنے نہ ٹک سکتا۔ وہ کئی کئی منازل شہ سواری کرتے اور اس میں نرم نرم بستروں کی سی راحت انگیزی محسوس کرتے، نئی نئی بیش قیمت پوشاکوں کی بجائے وہ زرہ بکتر میں زیادہ سکون پاتے، وہ ایسے قائد کے تصور سے نفرت کرتے تھے جو اپنی قوم کو معرکۂ کارزار میں جھونک کر خود چین کی بانسری بجاتا ہو۔ وہ قیادت و سیادت کو ان لوگوں کا ورثہ سمجھتے تھے جو قربانی دینے کے لیے صف اول میں موجود رہتے ہوں۔

عوامی مقبولیت..... جلال الدین اپنے بے پناہ خوبیوں کے باعث اہل خوارزم کی آنکھوں کا تارا بن چکے تھے۔ عوام و خواص ان کے گرویدہ تھے، فوج کے بڑے بڑے نامور افسران ولی عہد کی صلاحیتوں کے گن گاتے تھے۔ خوارزم شاہ کے ایوان میں حاضر باش سلجوقی، غوری اور دوسرے نامی گرامی ملوک اور شاہزادے جلال الدین پر جان چھڑکتے تھے۔ دوسرے شہروں کے امراء اور سالارانِ فوج جب اور گنج آتے تو خوارزم شاہ کے بعد ان کی نگاہوں کا محور جلال الدین کی ذات ہوتی۔

جلال الدین کے سیاسی مخالفین..... اس عمومی مقبولیت کے باوجود جلال الدین کے مخالفین بھی کم نہ تھے، قبچاقی ترکوں کا سارا قبیلہ جو فوج کا ایک طاقتور عنصر تھا، جلال الدین کی بجائے شہزادہ قطب الدین ازلاق کا حامی تھا اور اسے خوارزم کے تخت و تاج کا وارث قرار دیتا تھا۔ چوں کہ انتظامی امور میں بسا اوقات محمد خوارزم شاہ اور اس کی والدہ ترکان خاتون میں اختلاف ہو جاتا تھا اور اس کی والدہ قبچاقی ترک قبیلے سے تعلق رکھتی تھی، لہٰذا اس قبیلے کے امراء اور

سالارانِ فوج خوارزم شاہ کو بھی ناپسند کرتے تھے اور جلال الدین کو بھی، اور ان کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ خوارزم شاہ بھی ان کی حرکتوں اور عزائم سے باخبر رہتا تھا۔ کئی بار اس نے طے کیا کہ اس سر پھرے گروہ کو کچل ڈالے مگر ہر بار جلال الدین کی سفارش کے باعث ان کی جان بچ جاتی۔ ⑪

خانہ جنگی کے ہولناک خدشات، خطرناک عواقب اور برادرکشی کے نقصانات سے اپنے باپ کو آگاہ کر کے شہزادہ جلال الدین نے ان بے شمار مسلمانوں کو شاہی تلوار سے بچائے رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ملک وقوم کے وسیع تر مفاد میں شہزادہ جلال الدین اپنے مخالفین سے بھی حسن سلوک کے لیے تیار رہتے تھے۔

یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی — اخوت کی جہاں گیری، محبت کی فراوانی

حواشی وحوالہ جات

① جامع تاریخ ہند کے ص ۸۴ پر ۶۱۶ ھ میں جلال الدین کی عمر تیس سال سے کم بتائی گئی ہے۔ اس سے ہمارے اندازے کی تائید ہوتی ہے۔

② سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸ — ③ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸

④ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۱ — ⑤ آئینہ حقیقت نما...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۰

⑥ امام رازی (از مولانا عبدالسلام ندوی) ص ۱۴ تا ص ۲۸

⑦ شاید بعض قارئین کو "جلال الدین" کے لیے جمع کے صیغے اور ضمیریں استعمال کرنا عجیب معلوم ہو، مگر راقم کے نزدیک اسلامی تاریخ کے عظیم مجاہد قائدین کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے ذکر میں عامیانہ انداز اختیار نہ کریں بلکہ احترام کا لحاظ رکھیں، سلطان جلال الدین، سلطان صلاح الدین، سلطان محمود غزنوی و دیگر تمام اسلام کے نامور مجاہد سلاطین اسی ادب واحترام کے حق دار ہیں۔ چند صفحات قبل آپ نے سلطان شہاب الدین غوری کے لیے جمع کے صیغوں کا استعمال ملاحظہ کیا اس کی وجہ بھی یہی تھی۔

⑧ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۶۱

⑨ سلطان جلال الدین کا گندمی رنگ اور معمولی قد وکاٹھ ان کی والدہ کا اثر معلوم ہوتا ہے جو ہندوستانی خاتون تھیں۔ دیکھیے تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف جیم۔ سیرۃ جلال الدین ص ۹۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خاتون کا نام "ای جیجاک" تھا۔

⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۳۸۴...... نہایۃ الارب ج ۲۷ ص ۳۷۹...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

⑪ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۳...... سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۱۴۸...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۷......

پانچواں باب

خطرات و حوادث

عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں — چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں — وطن کی فکر کر ناداں، مصیبت آنے والی ہے

شہزادہ جلال الدین اس عظیم الشان مملکت کے ولی عہد تھے جس کی حدود بحیرۂ خزر سے لے کر ساحلِ سندھ تک پھیلی ہوئی تھیں، جس کی جنگ آزما افواج ناقابل شکست اور وسائل غیر محدود تھے۔ ان حالات میں تخت و تاج کا یہ وارث آنے والے ایام کو اپنی خوش قسمتی اور بلند اقبالی کے نئے دور کا آغاز سمجھتے ہوئے سراپا اشتیاق بن کر ان کا منتظر رہتا تو عجب نہ تھا مگر جلال الدین کی مومنانہ فراست، حالات کی غیر محسوس انداز میں تدریجی تبدیلی اور امت مسلمہ کے روز افزوں تنزل کو بھانپ کر کسی بھیانک انقلاب کی بُو سونگھ رہی تھی۔

ساتویں صدی ہجری کا آغاز ہو چکا تھا، اسلام کی وہ مشعل جس نے چھ سو سال قبل جزیرۂ عرب سے نمودار ہو کر دنیا کے تاریک ترین گوشوں کو منور کر دیا تھا اب داخلی و خارجی لحاظ سے ہمہ جہتی خطرناک آندھیوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ چھے صدیاں پیشتر اسلام ایک غیر مانوس صدا بن کر عرب کے دشت و جبل میں گونجا تھا، اس کی ہمہ گیر دعوت ابتداء میں اجنبی محسوس کی گئی، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے اس نے اپنے بدترین مخالفین کو بھی اپنا شیدا و گرویدہ بنا لیا۔ پیغمبر انقلاب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ ہی میں اسلام کی دعوت کی بازگشت جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی سنائی دینے لگی تھی۔ خلافت راشدہ کے سنہری دور میں شاید ہی روئے زمین کا کوئی آباد خطہ ایسا ہو گا جہاں عرب کے اس انقلاب کا چرچا نہ ہو چکا ہو۔

قرن اولیٰ ایک مثالی دور تھا، جب مسلمان حقیقتاً مسلمان تھے۔ پیغمبرانہ دعوت کو انہوں نے شعوری طور پر قبول کیا تھا اور اپنے رگ و پے میں اسے رچا بسا لیا تھا۔ ان کے ایمان و یقین کا استحکام پہاڑوں سے بڑھ کر تھا۔ وہ دن کے شہسوار اور راتوں کے عبادت گزار تھے، ان میں سے ہر ایک کا تن، مَن، دھن اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وقف تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایمان کی وہ تپش جس نے عرب کے صحرانشینوں کو عجم کے چمن زاروں کی نگہبانی عطا کی تھی، بتدریج کم ہوتی چلی گئی۔ نت نئے فتنوں نے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، جا بجا اندرونی شورشوں نے اسلامی فتوحات کا دائرہ محدود کر دیا۔ عمالِ حکومت سے خدا خوفی اور آخرت کی جواب طلبی رخصت ہونے لگی، عوام کا حال بھی زیادہ مختلف نہ رہا، نماز، روزہ، حج و دیگر فرائض کی بجا آوری کے باوجود گناہوں سے احتراز کا اہتمام کم سے کم ہوتا گیا، اگر حاکم متساہل ہوتا تو علانیہ گناہوں کا ارتکاب بھی عام ہو جاتا۔

امت کے عمومی تنزل کے پانچ بنیادی اسباب..... مسلم معاشرے کی اخلاقی اقدار روز بروز زوال پذیر تھیں۔ عالم اسلام مجموعی حیثیت سے ایک صاحبِ فراش مریض کے مشابہ تھا جسے لاعلاج بیماریوں نے جکڑ رکھا ہو۔ امتِ مسلمہ

کوتاہی کے دہانے تک پہنچانے والے اسباب وعلل ویسے تو بکثرت اور متنوع تھے لیکن ان میں سے مندرجہ ذیل پانچ اسباب بنیادی حیثیت رکھتے تھے جن پر تمام امت کے عمومی تنزل وانحطاط کا دارومدار تھا۔

1 حُبِّ دنیا 2 فریضۂ جہاد سے غفلت 3 دعوت الی اللہ میں کوتاہی 4 اعتقادی ونظریاتی فتن کی اثرانگیزی 5 باہمی انتشار۔

آیئے! ان اسباب کا قدرے وضاحت سے جائزہ لیتے ہیں:

1 حُبِّ دنیا..... اسلامی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے والا سب سے خطرناک عنصر حبِّ دنیا کا مرض تھا جو عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے چکا تھا۔ معاشی آسودگی اور آسائش کے تمام وسائل مہیا ہونے کے باعث تنعم پسندی کا رجحان خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا، وہ کلیدی عہدے جو سلطنت کی چولیں کہلاتے تھے خائن ومرتشی عہدے داروں کے ہاتھ آ گئے تھے جو چند دراہم کے عوض دین وملت کے مفادات کا سودا کرنے کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتے تھے۔

عوام میں ابھی وہ رضاکار باقی تھے جو صلیبی محاربات میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے شانہ بشانہ بیت المقدس کی آزادی کی جنگ لڑ چکے تھے، وہ مجاہد ابھی زندہ تھے جو غوری افواج کے ہمراہ سرزمین ہند کی تسخیر کے لیے نکلے تھے، وہ سرفروش بھی موجود تھے جنہوں نے خوارزمی پرچم تلے جمع ہو کر ترکان خطا کو ناقابل فراموش سبق دیا تھا مگر یہ سب پچھلی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور چراغ سحری بن کر ٹمٹمارہے تھے۔ نوجوان پود جس پر ملت کے اقبال کا دارومدار تھا عملی تعطل اور جمود کے دور سے گزر رہی تھی، زرپرستی اور راحت پسندی لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، مناصب کا حصول مطمحِ نظر بن چکا تھا گویا حبِّ دنیا کے دونوں شعبے حبِّ مال وحبِّ جاہ دلوں میں گھر کر چکے تھے۔ حکام کا حال سب سے زیادہ خراب تھا، اراکینِ سلطنت کی باہمی رنجشیں ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتی تھیں، ان میں سے کوئی شخص دوسرے پر اعتماد نہیں کرسکتا تھا۔ خود سلاطین اور فرمانروا بھی ان ریشہ دوانیوں سے محفوظ نہ تھے چند سردار کسی بھی وقت باہمی گٹھ جوڑ کر کے حکمران کے لیے خطرہ بن جاتے تھے۔

ایوانِ بالا کے اس غیر تسلی بخش ماحول میں جو دراصل حبِّ مال وحبِّ جاہ کی پیداوار تھا، ملک وملت کی بہبود کے لیے کسی اجتماعی سعی کا تصور ختم ہوتا جا رہا تھا۔ اگر اللہ کے کچھ نیک بندے مخلصانہ کوششیں کر بھی رہے تھے تو ان کی اثر پذیری کم سے کم تر تھی اور ارباب اقتدار اور عوام وخواص محض اپنے معیار زندگی کو بہتر بنانے کی دھن میں مصروف تھے۔ اسبابِ تعیش خصوصاً آلاتِ بزم موسیقی امراء کے لیے لازمۂ زندگی تھے۔ یہ اونچے طبقے کے لوگ نغمہ وسرود کے دلدادہ تھے، فارس وترکستان کی حسین وخوش آواز باندیاں اپنی دلرُبا تانوں سے ان کی محافل عیش وعشرت کو دوآتشہ کرتیں۔ نچلے طبقے کے افراد میں سے جو نغمہ وطرب کا ذوق رکھتے وہ جہاں گرد مغنیوں کی مجالس میں شرکت کرتے۔ بہت سے لوگ ان درویش نما جہلاء کی محافلِ سماع میں شریک ہوتے جو حقیقی تصوف کو بدنام کرنے کا سبب ہوئے ہیں۔

ہاتھ بے زور ہیں، الحاد سے دل خوگر ہیں — امتی باعثِ رسوائیِ پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں — تھا ابراہیم پدر اور پسر آذر ہیں
بادہ آشام نئے، بادہ نیا، خم بھی نئے — حرمِ کعبہ نیا، بت بھی نئے، تم بھی نئے

2 فریضۂ جہاد سے غفلت..... انہی مہلک لغزشوں میں سے ایک عمومی اور ناقابل تلافی غلطی یہ تھی کہ امت فریضہ

جہاد سے بڑی حد تک کنارہ کش ہوگئی تھی۔ جہاد و قتال کی اگر کوئی شرعی حیثیت متصور تھی تو اسی قدر کہ وہ اسلامی مملکتوں کی باقاعدہ پیشہ ور افواج پر عاید ہونے والی ایک ذمہ داری ہے۔ رہے عوام تو ان میں روز بروز جہاد سے اجنبیت بڑھ رہی تھی۔ "حُبُّ الدُّنیَا وَ کَرَاهِیَةُ الْمَوْت" کا مرض وبا کی طرح عام ہو چکا تھا۔

جہادی کھیل کود، ورزشیں اور ریاضتیں جو کچھ عرصہ قبل ہر مسلمان کا شعار سمجھی جاتی تھیں اب محض تفریحِ طبع کا سامان خیال کی جانے لگی تھیں۔ صرف مملکت خوارزم ہی میں نہیں بلکہ عالم اسلام کے طول وعرض میں یہی کیفیت عام ہو چکی تھی۔ خلافت اسلامیہ بغداد جو اس نازک زمانے میں فریضہ جہاد کی قیادت سنبھال کر تمام عالم اسلام کو بیدار کرنے کی اولین ذمہ دار تھی، لہو ولعب اور کھیل تماشوں کی طرف متوجہ تھی۔ خلیفۃ المسلمین ناصر کے تفریحی مزاج نے نہ صرف عوام سے جہاد کا بچا کھچا ذوق ختم کر دیا بلکہ انہیں اس قابل ہی نہ چھوڑا کہ وہ آیندہ کسی مرحلے پر دشمنانِ اسلام کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اسکی تمام تر دلچسپیاں گولیوں سے نشانہ بازی اور پالتو پرندوں کے کھیلوں سے وابستہ تھیں۔"

ابن اثیر نے خلیفہ کے اس طرز عمل پر سخت تنقید کی ہے، ابن خلدون نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ خلیفہ ناصر کے یہ مشاغل ریاست کے زوال اور تباہی کی دلیل تھے۔ (1)

خلیفہ نے جہاد کا ذوق عام کرنے کے بجائے کھیل کود خصوصاً "رمی بالبندق" یعنی گولیوں سے نشانہ بازی کو اہمیت دی۔ وہ خود اس کھیل کا بے حد شوقین تھا۔ اس نے ایک خاص پارٹی تشکیل دی جسے "الفتوۃ" کہا جاتا تھا۔ اس کے ارکان کو ایک خاص فیشنی لباس دیا جاتا تھا جسے "لباس الفتوۃ" کہا جاتا تھا۔ صرف اس لباس کو پہننے والوں کو گولیوں سے نشانہ بازی کے مقابلوں میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی۔ عالم اسلام کے کئی بادشاہوں نے خلیفہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس پارٹی کی رکنیت اختیار کی تھی اور دربارِ خلافت سے انہیں لباس الفتوۃ عطا ہوا تھا۔

خلیفہ کا دوسرا کام پرندوں سے دل بہلانا تھا خصوصاً کبوتر بازی سے اسے بے حد شغف تھا، شرفاء نے بھی خلیفہ کی خوشنودی کے لیے اس مشغلے کو اپنا لیا۔ اس طرح اصل عسکری فنون کا دائرہ گھٹتا چلا گیا اور تفریحی مشاغل زیادہ اہم ہو گئے، انجام یہ ہوا کہ مردانہ کمالات اور فنون حرب عراق سے ناپید ہو گئے۔

اس انحطاط پذیر دور میں جہاد سے بیگانگی اس قدر بڑھ چکی تھی کہ شریف اور اعلیٰ گھرانوں کے فرزند بھی قتال فی سبیل اللہ سے شیفتگی کی بجائے شعر و شاعری، نغمہ و طرب اور دیگر ذہنی و جسمانی تلذذات سے مدہوش ہو رہے تھے۔ یہ اونچے خاندانوں کے پروردہ، فوج میں جانے سے کتراتے اور درباری عہدوں کے لیے للچاتے۔

اسلامی ممالک کی افواج اس عہد میں صرف دفاع کا فریضہ سرانجام دے رہی تھیں۔ اقدامی جہاد کے ذریعے دین کو چہار سو پھیلانے کا خیال ذہنوں سے محو ہو چکا تھا۔ دفاعی جہاد کی حالت بھی یہ تھی کہ روزانہ ممالک اسلامیہ کی سرحدوں پر کفار تاخت وتاراج کر رہے تھے اور آئے دن کوئی نہ کوئی قلعہ یا شہر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاتا تھا۔

3 دعوت الی اللہ میں کوتاہی ..... اسلام کے ابتدائی دور میں علماء مصلحین، مبلغین اور اہل تزکیہ واحسان کے علاوہ خود خلفائے اسلام بھی تبلیغ و دعوت کی جدوجہد میں گہری دلچسپی لیتے تھے، ملوک وسلاطین کے زمانے میں بھی اس کی کچھ جھلکیاں دکھائی دیتی رہیں۔ اس دور میں اسلام کی دعوت فرد سے فرد تک محدود نہیں تھی بلکہ مسلم قوم بحیثیت قوم اپنے تشخص،

سیرت اور کردار کے اعتبار سے سراپا دعوت تھی، یہی وجہ تھی کہ دوسری صدی ہجری کے وسط تک قوموں کی قومیں اسلام میں داخل ہوتی رہیں۔ ہر نیا مفتوحہ ملک کچھ ہی عرصے بعد مسلم اکثریتی آبادی میں تبدیل ہو جاتا۔ لیکن بعد کے زمانے میں اس اہم ترین فریضے سے سخت تغافل برتا گیا۔ اگرچہ علماء، مشائخ اور صوفیاء کے طبقات اپنی بساط کے مطابق اس سعی میں منہمک رہے لیکن عوام اور حکام نے اس عظیم ذمہ داری سے خطرناک حد تک پہلو تہی اختیار کر لی۔ اس سخت کوتاہی کے نتیجے میں اسلام کی عالمگیر دعوت ایک محدود دائرے میں منحصر ہو گئی اور اس کے پھیلنے اور پروان چڑھنے کے امکانات کم ہو گئے۔ اور نہ صرف بے شمار مخلوق اس عظیم چشمۂ صافی سے سیراب نہ ہو سکی بلکہ مسلم دنیا کے نسلی مسلمانوں کو بھی آگے چل کر اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ ان کے اور غیر مسلم دنیا کے مابین نفرت کی ناقابل عبور آہنی دیواریں کھڑی رہیں اور عالم اسلام کی سرحدیں ہمہ وقتی خطرات کی زد میں رہیں۔ خود مفتوحہ علاقوں میں غیر مسلموں کا اسلام میں داخل ہونا تقریباً رک گیا۔ آگے چل کر یہ غیر مسلم ہمسائے اور مسلم دنیا کے یہ غیر مسلم عوام امت مسلمہ کے لیے عظیم ترین نقصانات کا باعث بنے۔

وسط ایشیا کے خوارزمی سلاطین، اسپین کے عرب حکمران اور ہندوستان کے فرمانروا اسی غلطی کو دہراتے چلے گئے، بالآخر خوارزم شاہی سلطنت اپنے غیر مسلم تاتاری پڑوسیوں کے ہاتھوں برباد ہو گئی۔ اسپین پر وہاں کی مقامی نصرانی نسل نے قبضہ جما کر فرزندانِ توحید کا نام و نشان تک مٹا دیا۔ ہندوستان میں بھی حالات کچھ مختلف نہ رہے اور مسلمان آٹھ سو سال تک یہاں حکمرانی کرنے کے باوجود دعوت اسلام کو کما حقہ نہ پھیلانے کی وجہ سے بالآخر اس کے اکثر حصے سے محروم ہو گئے۔

صاحبِ تاریخ دعوت وعزیمت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں: (۲)

''خوارزم شاہی سلاطین سے اس موقع پر بھی وہی مہلک غلطی ہوئی جو اسپین کے عرب فرمانرواؤں نے کی تھی۔ اور جس کو الٰہی قانونِ مکافات نے کبھی معاف نہیں کیا یعنی یہ کہ انہوں نے اپنی ساری طاقت سلطنت کی توسیع واستحکام اور حریفوں کی سرکوبی میں صرف کی اور اس انسانی آبادی کو جو ان کی سرحد سے متصل تھی اور بجائے خود ایک دنیا تھی، تبلیغ اسلام اور ان تک خدا کا آخری پیغام پہنچانے کی کوئی فکر نہیں کی، جذبہ دینی سے قطع نظر کر کے سیاسی فراست اور دور بینی کا بھی تقاضا تھا کہ وہ اس وسیع انسانی آبادی کو اپنا ہم آہنگ اور اپنا ہم عقیدہ بنانے کی کوشش کرتے اور اس طرح ہمیشہ کے لیے اس خطرہ سے محفوظ ہو جاتے جو نہ صرف ان کو بلکہ پورے مسلمانوں کو پیش آیا۔'' (۳)

4 اعتقادی و نظریاتی فتن کی اثر انگیزی..... چھٹی صدی ہجری میں عامۃ المسلمین کو عقائد اور نظریات کے میدان میں غلط راستے پر لے جانے والے عناصر پوری طرح سرگرم رہے۔ گمراہ فرقوں کی نئی نئی شاخیں پھوٹ کر امت کو تقسیم کرتی رہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کا زور ٹوٹ چکا تھا، لیکن ان کے اعتقادی اثرات کسی نہ کسی صورت میں باقی رہ گئے تھے۔ دولتِ فاطمیہ نے مصر میں اپنے پونے تین سو سالہ اقتدار کے زمانے میں اپنے فاسد اعتقادات کو پھیلانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کئی مسلم حکومتیں باطنیہ کی زیر زمین مذہب کش کارروائیوں سے تغافل برت کر انہیں پھلنے پھولنے کا موقع فراہم کرتی رہیں۔ خود بغداد کے قصرِ خلافت میں شیعہ امراء و وزراء کا بڑا اثر و رسوخ تھا اور شیعہ سنی منافرت عوام سے نکل کر حکومتی اداروں تک میں سرایت کر چکی تھی۔ (۴)

اِدھر قزوین کے قریب قلعۂ الموت میں حسن بن صباح کا مرکز پورے عالم اسلام میں گمراہی کی نئی لہریں پیدا

کررہا تھا۔ اُدھر جاہل صوفیوں اور درویشوں کا گروہ جو دراصل مذکورہ فاسد اثرات کی پیداوار تھا، سیدھے سادھے مسلمان عوام کے ایک بڑے طبقے کے ذہنوں پر چھا چکا تھا۔ یہ راہ زن وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود جیسے نازک مسائل میں پڑ کر دین حق اور توحید سے برگشتہ ہو چکے تھے۔ ناچ گانا، موسیقی، امارد کی صحبت، شراب اور افیون جیسی حرام چیزیں ان کے ''مذہب'' اور ''سلوک'' کا جزء تھیں۔

قبروں اور مزاروں کو مبالغے کی حد تک تقدس کا لبادہ پہنا کر وہاں بدعات وشرک کے اڈے قائم کر لیے گئے تھے۔ ناسمجھ لوگ اپنی حاجات پوری کرانے کے لیے مساجد کی بجائے مقابر کا رخ کرنے لگے تھے۔ جاہل عوام نماز میں رب العالمین کے آگے سر جھکانے کی بجائے مزاروں پر رکوع وسجدے کرنے کے عادی بنتے جا رہے تھے۔ غرضیکہ مادہ پرستی کی زد میں آ کر گمراہ ہونے والے مسلم عوام کی مذہبی بدحالی میں جو کسر رہ گئی تھی وہ ان ایمان کُش ہتھکنڈوں نے پوری کر دی۔ ایسی حالت میں کسی ایسے صدمے کا وقوع سنت اللہ کے عین مطابق تھا، جو عامۃ المسلمین کو حد درجے متاثر کر کے انہیں توبہ وانابت الی اللہ پر آمادہ کر دے۔

5 باہمی انتشار...... ساتویں صدی ہجری شروع ہوئی تو عالم اسلام لامرکزیت کے نقطہ انتہاء پر تھا، خانہ جنگی عروج پر تھی، اس صدی ہجری کا سورج ہر روز اس قوم کی بے حسی اور عاقبت ناشناسی کا ایک نیا منظر دیکھتا تھا۔ وسط ایشیا کے شاداب علاقے میں غوری حکمرانوں اور خوارزم شاہ کے مابین خوں ریز معرکے، خونِ مسلم کی ارزانی کا ایک نیا باب رقم کر رہے تھے۔ سرزمین حجاز میں قتادہ حسینی اور سالم حسینی نامی دو امراء اقتدار کی خاطر باہم دست وگریباں تھا۔ شام اور مصر کے جن علاقوں کو صلاح الدین ایوبی کے پرچم تلے جمع ہونے والے مجاہدین نے سرتوڑ کاوشوں سے بازیاب کرایا تھا، طوائف الملوکی کی نحوست سے وہاں ایک بار پھر صلیبی جنگجوؤں کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ الملک العادل اور الملک الافضل کی باہم رسہ کشی نے مصر اور شام کی چولیں ہلا دیں تھیں۔ اس سے قبل وسطِ ایشیا میں علاؤالدین تکش اور سلطان شاہ کی بیس سالہ خانہ جنگی میں امت کا بہترین افرادی سرمایہ ضائع ہو چکا تھا۔

ہر طرف سیاسی کھینچا تانیوں، خاندانی رقابتوں، اور افراتفری کا دور دورہ تھا، ہر سمت اخلاقی ومذہبی انحطاط کا راج تھا۔ بے شعوری اور بے بصیرتی روزافزوں تھی۔ خلافتِ بغداد عالم اسلام کی سرپرستی کی بجائے اسلامی حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کے لیے سازشی منصوبے بننے کا مرکز بن چکی تھی۔ من جانب اللہ اس تنزل وانحطاط پر تنبیہات طرح طرح کے حوادث سماویہ کی شکل میں سامنے آ چکی تھیں۔

ایک اٹل حقیقت...... یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ حبِ دنیا کا بڑھتا ہوا مرض، فریضۂ جہاد سے کوتاہی، دعوت الی اللہ سے بے التفاتی، باہمی انتشار، اور عقائد ونظریات میں شدید رخنہ...... یہ امور ایسے تھے جن کی بناء پر بہت پہلے سے عالم اسلام کسی محیط وہمہ گیر حادثے کی زد میں آ سکتا تھا۔ یہ تمام آثار وعلامات پانچویں صدی ہجری ہی میں پورے طور پر ظاہر ہو چکے تھے، اس وقت بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ اور عالم اسلام کی بیسیوں حکومتوں کی مجرمانہ غفلت کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا تھا کہ جس مصیبتِ عظمیٰ کے قرائن دکھائی دے رہے تھے وہ صلیبیوں کی صورت میں نازل ہو چکی ہے۔ مگر رحمت الٰہی نے سلطان صلاح الدین ایوبی کی شمشیر کو فاروقی کاٹ بخش کر امتِ مسلمہ کی اس غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے مستعد کر دیا۔ چاہیے تھا کہ امت مسلمہ اس واقعہ سے درس عبرت حاصل کرتی، عوام وخواص غازی سلطان صلاح

الدین کے دکھائے ہوئے راستے کو اپنی منزلِ مقصود تک رسائی کا ضامن سمجھتے، مگر افسوس کہ ملت نے اس موقع سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اجتماعی خطرات سے نمٹنے کے لیے عمومی بیداری کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا۔

صلیبی جنگوں سے قبل بھی ان تین چار صدیوں میں عالمِ اسلام کئی بار سخت ابتلاء و آزمائش کے دور سے گزرا، اور حوادثِ زمانہ نے کئی مرتبہ مسلمِ خوابیدہ کو جگایا مگر ہر وقتی بیداری کے بعد اس کی آیندہ نیند سابقہ خوابیدگی سے زیادہ گہری اور طویل ثابت ہوئی۔ دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کو وقتاً فوقتاً بارہا جھنجھوڑا گیا، حکمِ خداوندی نے انہیں بار بار اصلاحِ حال کا موقع دیا مگر معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہمہ گیر صدمہ برداشت کیے بغیر ان عاقبت نااندیشیوں کی اجتماعی و عمومی اصلاح نہیں ہوسکتی۔ وقت کا مؤرخ قلم تھامے بے چینی سے منتظر تھا کہ خدائی تازیانے کی ضرب کب اور کس انداز سے پڑنے والی ہے؟ بصیرت مندانِ قوم محسوس کر رہے تھے کہ اب کوئی خونین حادثۂ کبریٰ پیش آنے والا ہے جس کے لیے یہ موجودہ نقشے تمہید کا کام دے رہے ہیں۔ گوبی کے گمنام دشت میں وہ پُراسرار سرکش قوت پرورش پاچکی تھی جو عنقریب صاعقۂ آسمانی بن کر عالمِ اسلام پر ٹوٹنے والی تھی۔ تاہم اس سے قبل مشیتِ ایزدی نے آخری تنبیہ کے طور پر مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے آسمانی حوادث اور قدرتی آفات کا ایک ایسا لگاتار سلسلہ شروع کیا جس کی مثال گذشتہ صدیوں میں نہیں ملتی تھی۔ پے در پے آندھیاں، طوفان اور دیگر بلائیں یوں امنڈ آئیں جیسے پُر مشک کا منہ کھول دینے سے پانی کا دھارا بہہ پڑتا ہے۔

غیبی آفات...... ذیل میں ان حوادث میں سے بطورِ نمونہ چند واقعات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ یہ غیبی آفات دنیا میں رونما ہونے والے کسی عظیم انقلاب کا پیش خیمہ تھیں۔

1 ......۵۹۲ھ (۱۱۹۶ء) میں ہولناک سیاہ آندھی نے سرزمین عراق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس کے ساتھ سُرخ ریت کا طوفان تھا جو ہر شے پر چھا رہا تھا۔ گردوغبار کے باعث سورج چھپ گیا اور دن کے وقت شبِ تاریک کا راج ہوگیا۔ لوگ دن میں چراغ جلا کر اپنی ضروریات پوری کر رہے تھے۔

2 ......۵۹۳ھ (۱۱۹۷ء) ۹ جمادی الاولیٰ جمعہ کی رات کو تند و تیز اندھیری طوفانی ہواؤں نے قیامت مچادی، ستاروں کی چمک دمک نگاہوں سے اوجھل ہوگئی، زمین تا آسمان گردوغبار چھا گیا۔ ہوا کی شدت سے دیواریں لرز رہی تھیں۔ قاضی فاضل رحمہ اللہ کے الفاظ میں ''یوں معلوم ہوتا تھا کہ جہنم کی ایک وادی بہہ پڑی ہے۔''

بچے، مرد اور عورتیں گھروں سے نکل کر بھاگ رہے تھے اور مسجدوں میں پناہ لے کر توبہ و انابت کے الفاظ کے ساتھ فریادیں بلند کر رہے تھے۔ اس طوفان نے سمندر میں بحری سفینوں کو غرق کر دیا۔ درختوں کو اکھاڑ پھینکا اور ایک بڑی تعداد میں انسانوں کو ہلاک کر دیا۔

3 ......۵۹۷ھ (۱۲۰۱ء) مصر میں شدید قحط پڑا۔ عوام بھوکوں مرنے لگے۔ غذا کے فقدان کے باعث لوگ مردار جانور اور انسانوں کی لاشیں تک ہڑپ کر گئے۔ پھر ایسا وقت بھی آیا کہ لوگ موقع پاکر زندہ آدمی کو ذبح کر دیتے اور لاش پر بھوکے درندوں کی طرح ٹوٹ پڑتے۔ شاہ مصر الملک العادل کو صرف ایک ماہ میں ایسے دو لاکھ بیس ہزار افراد کا کفن اپنے خرچے پر تیار کرانا پڑا جو کہ قحط سے ہلاک ہوئے۔

4 ......اسی سال حجاز اور یمن کے درمیان عنزہ کے علاقے میں ایک وباء پھیل گئی۔ اٹھارہ بستیاں اس طرح ویران

ہوگئیں کہ ایک شخص بھی زندہ نہ بچ سکا۔

5 ......یمن میں عبداللہ بن حمزہ نامی ایک سردار کے بارہ ہزار سواروں اور بے شمار پیادوں پر مشتمل لشکر پر آسمانی بجلی گر پڑی۔ اس خداوندی عذاب سے اس کے چند میوں کے سوا کوئی نہ بچ پایا۔

6 ......اسی سال شام، جزیرہ، عراق اور روم میں بھیانک زلزلہ آیا۔ اس کا زیادہ زور شام میں تھا۔ بے شمار مکانات منہدم ہوگئے۔ بصریٰ میں ایک بستی زمین میں دھنس گئی۔ شام کے ساحلی علاقے نیز طرابلس، صور، عکا اور نابلس بھی بری طرح متاثر ہوئے۔ صرف نابلس میں ہلاک شدگان تیس ہزار سے کم نہ تھے۔ بعلبک کا مستحکم قلعہ اس ہولناک زلزلے کے دھچکوں سے پارہ پارہ ہوگیا۔ لوگوں نے بستیوں سے نکل کر میدانوں میں پناہ لی۔ مراۃ الزمان کے مصنف کے مطابق گیارہ لاکھ انسان اس قہر خداوندی کی زد میں آکر ہلاک ہوئے۔

7 ......۵۹۹ھ (۱۲۰۲ء) ماہ محرم کے آخری ہفتے کی شب آسمان پر ایک نہایت عجیب منظر دکھائی دیا۔ آسمان کے سینے پر جگمگ جگمگ کرتے ہوئے ستارے یکا یک منتشر ٹڈیوں کی مانند پھیل پڑے، وہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف دائیں بائیں یوں اڑ رہے تھے جیسے وہ پتنگوں کے غول ہوں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ اس سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل بھی آسمان پر ایسا ہی عجیب وغریب منظر دکھائی دیا تھا۔

8 ......۶۰۰ھ میں مصر، شام، الجزیرہ اور قبرص سمیت کئی ملکوں میں شدید زلزلہ آیا۔ ⑤

9 ......۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں نیشاپور میں ہولناک زلزلے نے تباہی مچادی۔ ابھی اس حادثے کو چار برس بھی نہیں گزرے تھے اور سابقہ نقصانات کی تلافی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ ۶۰۹ھ (۱۲۱۲ء) میں دوبارہ زلزلہ آیا اور نیشاپور کا بڑا حصہ کھنڈر بن گیا۔ ⑥ ہزاروں نفوس فنا ہوگئے اور لاکھوں بے گھر ہوگئے۔ کھنڈرات سے دور از سر نو شہر تعمیر کرا کے ان کو بسایا گیا۔

زلزلے ہیں، بجلیاں ہیں، قحط ہیں، آلام ہیں　　　کیسی کیسی دخترانِ مادرِ ایام ہیں

حواشی وحوالہ جات

① الکامل فی التاریخ لابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۱......ابن خلدون ج ۳ ص ۵۳۵ (المکتبۃ الشاملۃ)

② حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رحمہ اللہ سے بے پناہ عقیدت کے باعث راقم کی بڑی تمنا تھی کہ یہ محنت عالم اسلام کے اس عظیم دانشور کی نگاہ سے گزر جائے اور ان کے بصیرت افروز تبصرے سے اس کتاب کو سجایا جائے مگر واحسرتا! اس کتاب پر کام کے دوران ہی حضرت مولانا ۲۳ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ (۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء) کو دنیا سے رخصت ہوگئے، اور میری یہ آرزو حسرت بن کر رہ گئی۔ (مؤلف)

③ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۳۱۲　　④ دیکھئے البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۱۶، ص ۱۱۷۔

⑤ ان تمام حوادث کا تذکرہ البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۶ تا ص ۴۵ پر ہے۔　　⑥ تاریخ گزیدہ ج ۱ ص ۴۹۴

خوفناک پیش گوئیاں اور تاتاری یلغار کے اسباب

كَانَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا　　یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے۔

مجد الدین کا خون بہا یہ زر و جواہر نہیں بلکہ اس کا خون بہا تیری پوری سلطنت اور خود تیرا سر ہے۔ اور میرا سر بھی قلم ہوگا اور بے شمار بندگان خدا کے سر قلم ہونے والے ہیں۔'' (شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ)

جب مسلمان حوادث کے ان پے در پے دھچکوں سے بھی بیدار نہ ہوئے تو دستِ قدرت نے ظاہری اسباب کی اس زنجیر کو جھٹکا دیا جس کے آخری سرے پر تباہی و بربادی کے مہیب شعلے رقص کر رہے تھے۔

۶۱۳ھ (۱۲۱۶ء) کے بعد چند عظیم واقعات یوں لگاتار پیش آئے جیسے وہ ایک ہی کہانی کی سلسلہ وار کڑیاں ہوں۔ ان کڑیوں کے جوڑ سے ظاہری اسباب کے لحاظ سے وہ عبرتناک تباہی سر پر آ پہنچی جس کی طرف رموزِ فطرت ایک عرصے سے اشارہ کناں تھے۔

اگلے صفحات میں ان واقعات کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے، مگر انہیں پڑھتے ہوئے یہ نہ بھولیے گا کہ حق تعالیٰ شانہ کے انصاف سے یہ بعید ہے کہ وہ صرف ایک حکمران کی لغزش یا جرائم کے بدلے پوری قوم کو برباد کردے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محمد خوارزم شاہ کی کوتاہیاں اور اس کی کمزوریاں اس عظیم حادثے کے رونما ہونے کا اہم سبب تھیں۔ اسی طرح تاتاریوں کی بے پناہ فوجی قوت، خوارزمی مسلمانوں کی بیرونی اعانت سے محرومی اور خلیفہ بغداد کی مجرمانہ سرگرمیوں کو بھی اپنی اپنی جگہ اس کے اہم اسباب قرار دیا جا سکتا ہے، مگر یاد رکھئے! یہ سب فوری اسباب کا درجہ رکھتے تھے۔ اس کی اصل وجوہات تو بہت پہلے سے پیدا ہو چکی تھیں۔ یہ وہ عمومی جرائم تھے جن کے ہوتے ہوئے قدرتِ خداوندی کسی قوم کو معاف نہیں کرتی۔

اہل اللہ کی پیش گوئیاں اور غیبی اشارے...... اس باب میں آپ کو ان حیرت انگیز واقعات اور ظاہری اسباب کا تسلسل ملے گا جو عالم اسلام پر تاتاری یورش کی تمہید اور بنیاد بنے۔ مگر اسباب کی ان کڑیوں پر نظر ڈالنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس قیامت خیز طوفان کے بارے میں وارد شدہ ان غیبی اشارات، اور اہل اللہ کی ان الہامی پیش گوئیوں کا ایک نمونہ بھی قارئین کے سامنے پیش کر دیا جائے جو ان دنوں حیران کن طور پر ظاہر ہو کر مسلمانوں کو مستقبل کی پیش بندیوں کی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی پیش گوئی...... شیخ نجم الدین کبریٰ خوارزم کی مشہور و معروف بزرگ ہستی تھے۔ صوفیائے کرام میں آپ کا مقام اور رتبہ بہت بلند تھا۔ آپ کے تربیت یافتہ افراد اصلاح و تقویٰ، مجاہدہ و ریاضت اور صفائے ظاہر و باطن میں اپنے عہد کے آفتابِ معرفت اور ماہتابِ ہدایت تھے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ، شیخ باخرزی رحمہ

اللہ اور بہاؤ الدین ولد رحمہ اللہ جیسے ستارے آپ کے دامن میں تھے۔ آپ کے خلفاء میں شیخ مجد الدین بڑا پُر تاثیر وعظ کہا کرتے تھے۔ خوارزمی دارالحکومت اور گنج میں ان کی مجلسِ وعظ عرفان وایقان کا سرچشمہ تھی۔ لوگ دور دور سے اس مجلس میں شریک ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ کرتے اور اپنے نفس کی اصلاح کرتے۔

سلطان علاؤ الدین محمد کی والدہ ملکہ ترکان خاتون بھی اس مجلس میں شریک ہوتی تھی اور اسے شیخ مجد الدین سے بڑی عقیدت ہو چکی تھی۔ کسی بدفطرت نے سلطان سے یہ شکایت کی کہ آپ کی والدہ کا شیخ مجد الدین کے ہاں بکثرت آنا جانا خدشے سے خالی نہیں، شاید شیخ مجد الدین آپ کی والدہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان اس بہتان پر یقین کر بیٹھا اور مشتعل ہو کر شیخ مجد الدین کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دے دیا۔ انتہائی طیش میں جاری کردہ اس حکم پر فوری عمل درآمد ہوا اور شیخ مجد الدین کو دریا بُرد کر دیا گیا۔

چند ساعت بعد جب سلطان کا غصہ فرو ہوا تو اپنی جلد بازی پر بڑا پشیمان ہوا، اسی وقت ایک طباق جواہرات سے پُر کر کے اس پر تلوار اور کفن رکھ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خانقاہ میں حاضر ہوا اور درخواست کی: ''یا تو خون بہا میں یہ دولت قبول کر کے میرے جرمِ عظیم سے درگزر کریں یا یہ تلوار لے کر میرا سر قصاص میں قلم کر دیں۔''

شیخ نجم الدین کبریٰ نے جلال میں آ کر جواب دیا:

'' كَانَ ذَالِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوْرًا   یہ بات لوح محفوظ میں لکھی جا چکی ہے

مجد الدین کا خون بہا یہ زرو جواہر نہیں بلکہ اس کا خون بہا تیری پوری سلطنت اور خود تیرا سر ہے۔ یہی نہیں بلکہ میرا سر بھی قلم ہوگا اور بے شمار بندگان خدا کے سر قلم ہونے والے ہیں۔'' (۱)

تاریخ بتاتی ہے کہ تاتاری حملے کی جانب اشارہ کناں ان الہامی الفاظ پر مشتمل یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

(اس موقعے پر ہمیں اپنے ملک میں جامعہ حفصہ کی معصوم طالبات کے بہیمانہ قتل عام اور اس سے قبل و بعد بڑے بڑے علماء و مشائخ کی شہادتوں پر نگاہ ڈال لینی چاہیے کہ یہ جرائم شیخ مجد الدین کے قتل سے کم تو نہیں، وہاں تو خوارزم شاہ پشیمان ہوا تھا اور خون بہا ادا کرنے کو تیار تھا، جبکہ یہاں مظالم پر فخر یا معنی خیز خاموشی ہے اور مجرموں کے خلاف فریاد کے لیے انصاف کا کوئی دروازہ نہیں۔)

سید مرتضیٰ شادیاخی کا ارشاد..... شادیاخ کے بزرگ سید مرتضیٰ کا قول گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ انہوں نے ترکان خطا کی شکست کے بعد فرمایا تھا:

''ہماری سلامتی کے لیے ترکان خطا کا وجود ضروری تھا یہ سخت جان قوم ہمارے اور منگولیا کے درندوں کے درمیان حائل رہی ہے۔ اب اس دیوار کے ٹوٹنے کے بعد منگولیا کے جنگجوؤں کا طوفان عنقریب ہم پر اُمڈ آئے گا۔'' (۲)

چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد جب چنگیز خان کی قیادت میں منگولیا کے شکاری غول درغول عالمِ اسلام پر جھپٹے تو جھیلِ بیکال سے لے کر دریائے سیحوں تک کوئی فرد ان کے راستے میں آڑے آنے والا نہ تھا۔

پرندوں کی پکار..... شمس الدین جزری (م ۷۳۹ھ) نے اپنی تاریخ میں ایک تاجر کا چشم دید واقعہ تحریر کیا ہے جو بڑا ہی عجیب اور حیرت ناک ہے۔ اس تاجر نے کہا:

''جب کبھی میں عجم کا سفر کرتا تو جزیرہ کا حاکم میرے ہاتھ، سلطان محمد خوارزم شاہ کے لیے بہت سے تحائف بھجوا

دیتا تھا۔ایک بار میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے لشکر میں تھا، اس دن لشکر کے سواروں کی تعداد چھ لاکھ تھی اور تقریباً اتنے ہی سپاہی ان کے علاوہ تھے۔اور یہ لشکر سمندر کی لہروں کی طرح موجیں مارتا جا رہا تھا، ایک رات لشکر نے حسب معمول پڑاؤ ڈالا، اچانک رات کو وحشتناک تاریکی میں ایک عجیب اور پُراسرار آواز گونجنے لگی:

يَا كَفَرَة! اُقْتُلُوا الفَجَرَة (اے کافرو! گناہ گاروں کو قتل کر دو۔)

لوگوں نے پکارنے والے کو تلاش کیا مگر کوئی دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاں کچھ پرندے تھے جو مسلسل فضا میں منڈلا رہے تھے۔ان کا ایسے وقت میں منڈلانا بھی ایک عجیب بات تھی۔

اگلی رات کو لوگوں نے پھر یہی پکار سُنی اور وہ پرندے اس طرح منڈلاتے ہوئے نظر آئے۔اور پھر تیسری رات کو بھی یہی قصہ پیش آیا جس سے یقین ہو گیا کہ یہ پرندوں ہی کی پکار ہے۔ ③ اس محیر العقول اعلان سے لوگ خوفزدہ ہو گئے اور انہیں محسوس ہونے لگا کہ عنقریب کوئی غیر معمولی حادثہ پیش آنے والا ہے۔ چنانچہ آیندہ چند سالوں میں یہ خدشہ حقیقت بن کر سامنے آ گیا۔

تاتاری یلغار کے اسباب ،پہلی کڑی......خوارزم شاہ اور خلیفہ بغداد کی ناچاقی ..... خلیفۂ بغداد کے ساتھ خوارزمی حکمرانوں کے تعلقات سلطان تکش کے زمانے میں بھی کچھ خوشگوار نہ رہے تھے، پھر بھی جب علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کا سمندِ اقبال اوجِ ثریا پر پہنچا تو خلیفہ ناصر کو بغداد کے دروازوں پر ایک جنگجو مطلق العنان فرماں روا کی موجودگی سخت ناگوار محسوس ہونے لگی۔ بہت خوب ہوتا کہ بغداد اور خوارزم کی حکومتیں اس موقع پر باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی سعی کرتیں اور عالم اسلام کے داخلی اتحاد، اپنی رعایا کی فلاح و بہبود، اندرونی دین دشمن قوتوں کی سرکوبی اور بیرونی کفریہ طاقتوں سے جہاد جیسے مفید امور پر اپنی توجہ مرکوز کرتیں۔لیکن صد افسوس کہ دونوں جانب کے حکمران طبقے نے اس نازک زمانے میں منافرت کی آگ دہکانے کے لیے مزید ایندھن فراہم کیا۔حتیٰ کہ یہ دونوں عظیم حکومتیں جو اپنی قوت وشوکت اور بے پناہ وسائل کے لحاظ سے تمام عالم میں اسلامی فتوحات کی دھاک بٹھا سکتی تھیں، ایک دوسرے کی بدترین دشمن بن گئیں۔اور دن رات ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے سرگرم رہنے لگیں۔

اس کشاکشی کی ابتدا علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی تخت نشینی کے ساتھ ہی ہو گئی تھی، دراصل ہر نئے خودمختار حکمران کی تخت نشینی کے موقع پر دربارِ خلافت سے اسے پروانۂ حکومت اور خلعت عطا ہوتی تھی۔خلیفہ کی طرف سے چھوٹے چھوٹے صوبوں کے خودمختار حاکموں کو یہ پروانہ اور خلعت عطا کر دی جاتی تھی، لیکن خوارزم شاہ سے اپنی دلی رنجش کی بناء پر خلیفہ نے اسے اس عزت افزائی سے محروم رکھا تھا حالاں کہ وہ عالم اسلام کی عظیم ترین حکومت کا مالک تھا۔ظاہر ہے یہ کھلی بے انصافی تھی۔

کچھ مدت بعد جب خوارزم شاہ نے غوری حکمرانوں کو شکست دے کر ان کے ملک پر قبضہ کیا تو ان کے ریکارڈ سے خلیفہ کے بعض ایسے خطوط بھی برآمد ہوئے جن میں سلاطینِ غور کو خوارزم پر حملہ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔اس سے خوارزم شاہ کا مزاج مزید برہم ہو گیا، تاہم وہ وقت کا منتظر رہا، آخر جب اسے مشرق ومغرب میں حیرت انگیز فتوحات حاصل ہوئیں تو اس نے بغداد کو قدموں پر جھکانے کا فیصلہ کر لیا۔اس نے خلیفہ سے اس مرتبے اور اعزاز کا مطالبہ کیا جو اس سے قبل عظیم سلاجقہ حکمرانوں کو حاصل تھا، کہ وہ گزشتہ صدی میں خلیفہ کے محافظ، سرپرست اور بغداد کے منتظم شمار

ہوتے تھے اور جمعے کے خطبے میں خلیفہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاتا تھا، اب چونکہ ان کی جاگیر علاؤالدین محمد خوارزم شاہ نے لے لی تھی لہٰذہ وہ ان کے جملہ اعزازات کو اپنا حق تصور کر رہا تھا اور اس بہانے بغداد پر سیاسی بالادستی کا خواہاں تھا۔ اس مقصد کے لیے اس نے ۶۱۴ھ میں قاضی مجیر الدین عمر بن سعد الخوارزمی کو سفیر بنا کر بغداد بھیجا مگر کوشش ناکام رہی، خلیفہ اپنی خودمختاری گنوانا کیسے پسند کر سکتا تھا، اس نے خوارزم شاہ کو اس کے حسبِ دل خواہ مقام دینے سے انکار کر دیا۔ خلیفہ کا جواب تھا:

''حکومتوں کے الٹ پھیر اور حالات کی گردش نے ہمارے آباء کو مجبور کیا تھا کہ وہ سلجوقی سلطنت کے بانی طغرل سے مدد لیں اور اس کے ماتحت رہیں، مگر اب زمانہ گزرنے کے بعد یہ مناسب نہیں کہ خلافت بغداد کے کاندھوں پر ایک باہر کا حکمران مسلط رہے اور جو چاہے فیصلے کرتا رہے، اس کے علاوہ خوارزم شاہ کو اللہ تعالیٰ نے جو وسیع سلطنت عطا کی ہے اس کے ہوتے ہوئے اسے بغداد کو ماتحت رکھنے کی سرے سے کوئی ضرورت نہیں۔''

خلیفہ کا موقف اگرچہ برمحل تھا، بہرحال اس سے خوارزم شاہ کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے قاضی القضاۃ مجیر الدین عمر بن سعد خوارزمی کو متعدد بار بغداد بھیج کر یہ مطالبہ دہرایا مگر بے سود۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی آمد..... جب قاضی مجیر الدین آخری دورے سے واپس ہونے لگے تو خلیفہ نے عالم اسلام کے نامور بزرگ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ (بانی سلسلہ سہروردیہ) کو جو کہ بغداد میں سکونت پذیر تھے اپنا سفیر بنا کر قاضی صاحب کی معیت میں خوارزم روانہ کر دیا تا کہ وہ خوارزم شاہ کو سمجھائیں، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ جیسی عظیم المرتبت ہستی خوارزم شاہ کے ہاں بھی محترم تھی، اس لئے امید کی جاسکتی تھی کہ خوارزم شاہ مثبت غور و فکر پر آمادہ ہو جائے گا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رحمہ اللہ کے فیض یافتہ اور شیخ سعدی شیرازیؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جیسے ممتاز مشائخ کے مصلح و مربی تھے، عرب و عجم کے لوگ انہیں روحانی پیشوا مانتے تھے، ان کا چہرہ یادِ الٰہی کے انوارات سے روشن اور دل امت مسلمہ کی خیر خواہی سے لبریز تھا، اپنے مشرب کے لحاظ سے وہ ایک متوکل و مستغنی مردِ قلندر تھے۔ ان کی نگاہ میں خوارزم اور بغداد کے مفادات یکساں تھے۔ اس وقت وہ فقط ایسا تنازعہ ختم کرنے کی غرض سے تشریف لائے تھے جو فریقین کے لئے یکساں مضر تھی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ خوارزم شاہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو اسے اپنے انتظار میں باہر کھڑا پایا، شاہ نے بڑی گرم جوشی اور تواضع وانکساری سے ان کا استقبال کیا۔ (۴)

ملاقات کا وقت ہوا تو شیخ کو خوارزم شاہ کے خیمے کی جانب لے جایا گیا، شیخ کا بیان ہے:

''یہ ایک عظیم الشان خیمہ تھا۔ اس کی دہلیز ایسی تھی کہ اس کی نظیر میں نے دنیا بھر میں کہیں نہیں دیکھی، اس کی چادر اطلس کی اور رسیاں ریشم کی تھیں، دہلیز میں اصفہان، ہمدان اور رے وغیرہ کے حکامِ عجم اپنی نشستوں پر بیٹھے تھے۔ ہم اس سے متصل ایک دوسرے خیمے میں گئے، یہاں ماوراء النہر کے حکام بیٹھے تھے، اس کے بعد ہم خوارزم شاہ سے ملے۔'' (۵)

علیک سلیک کے بعد شیخ نے عربی زبان میں گفتگو کا آغاز کیا اور کہا:

''خلافت مآب کے سفیر کا طریقہ ہے کہ خلیفہ کا پیغام پہنچانے سے قبل حدیث نبوی بیان کرتا ہے۔''

خوارزم شاہ نے نہ صرف حدیث بیان کرنے کی اجازت دی بلکہ ادب کے طور پر تخت سے نیچے اتر کر فرش پر دوزانو بیٹھ گیا۔

اب شیخ رحمہ اللہ نے ایک حدیث بیان کی جس سے بنوعباس کو ستانے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ پھر ایک مفصل تقریر کی جو منصب خلافت کی اہمیت، بنوعباس کی عظمت، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قرابت داروں کی توقیر اور موقع کے لحاظ سے دیگر کئی پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ شیخ نے بنوعباس کی ان خدمات کا ذکر بھی کیا جو کئی صدیوں سے وہ ملت اسلامیہ کی صلاح وفلاح کے لئے انجام دیتے چلے آئے تھے۔۔ خوارزم شاہ بڑے باادب انداز سے شیخ کا کلام سنتا رہا۔ جب شیخ نے بنوعباس کی ایذ رسانی سے باز رہنے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان فرمائے، تو اس موقع پر خوارزم شاہ نے مؤدبانہ انداز میں کہا:

''حضرت! میں ایک ترک باشندہ ہوں پھر بھی عربی میں آپ کے ارشادات بڑی حد تک سمجھ رہا ہوں۔ شیخ! حاشاللہ، میں نے تو بنوعباس کے کسی فرد کو کبھی کوئی ایذاء نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس باوثوق ذرائع سے ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ خلیفہ ناصر نے بنوعباس کے معززین کی ایک جماعت کو قید کر رکھا ہے اور یہ حضرات مدت سے طرح طرح کی تکالیف میں مبتلا ہیں، ان کی نسلیں حالتِ قید و بند میں پیدا ہو رہی ہیں۔ زیادہ مفید ہوگا کہ خلیفہ ناصر آپ کے یہ ارشادات سماعت فرمائیں۔''

شیخ نے فرمایا: ''خلیفۃ المسلمین کو منصب خلافت اسی لئے تفویض کیا گیا ہے کہ وہ اصلاح معاشرہ کی خدمت انجام دیں لہٰذا جب وہ کسی کو اصلاح کی غرض سے قید و بند کی سزا دیتے ہیں تو اپنا فرضِ منصبی پورا کرتے ہیں۔ اس لئے ان پر کوئی الزام عائد نہیں ہوسکتا۔'' اس کے بعد شیخ نے خلیفہ کی خوبیاں اور اوصاف تفصیل سے بیان کئے۔

خوارزم شاہ نے کہا: ''آپ نے جن خصائل کا ابھی تذکرہ کیا، میں تسلیم کرتا ہوں کہ خلیفہ میں یہی خصائل ہونے چاہئیں۔ مگر یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ خلیفہ ناصر ان سے بالکل خالی ہے۔ چنانچہ مجبوراً میں نے خلیفہ ناصر کو معزول کر کے اس کی جگہ ایک ایسے شخص کو منتخب کیا ہے جو ان صفات سے بدرجہ اتم آراستہ ہے۔ میں نے سید علاء الملک ترمذی کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ میرے نزدیک علوی حضرات بنوعباس کی بہ نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔''

اگرچہ خوارزم شاہ نے شیخ کے ظاہری اکرام میں کوئی کمی نہ کی، لیکن جس مقصد کے لئے شیخ اتنا طویل سفر کر کے آئے تھے وہ پورا نہ ہوسکا۔ گفت وشنید لاحاصل رہی، خوارزم شاہ اپنی ضد کا پکا تھا، مصالحت کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ [۶]

اس واقعے سے خلیفہ کو خوارزم شاہ کے تیوروں کا اندازہ ہوگیا لہٰذا اس نے خوارزم شاہ کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے کا کام تیز کر دیا اور اس سے فوری نجات کے لئے حسن بن صباح کی بدنام زمانہ جماعت کا تعاون حاصل کرلیا، چونکہ سلطان تکش، اور علاؤ الدین محمد نے فدائیوں کی طاقت کو کچلنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اس لئے فدائی پہلے ہی خوارزمی حکومت سے نفرت کرتے تھے۔ خلیفہ ناصر نے ان دونوں طاقتوں کی باہمی نفرت سے خوب فائدہ اٹھایا اور باطنیوں کے امام جلال الدین حسن سے جو قلعہ الموت کا نیا حاکم تھا تعلقات خوب پختہ کرلیے۔ باطنی اپنے ملحدانہ عقاید کی وجہ سے تمام فقہاء کے نزدیک خارج از اسلام تھے مگر جلال الدین حسن نے عام مسلمانوں کے عقیدے مطابق اسلام

قبول کرنے کا اعلان کر دیا تھا⑦ اس کی توثیق کے لئے اس نے اپنی والدہ کو ایک قافلے کے ہمراہ حج کے لئے بھیجا۔

جب تمام دنیائے اسلام کے قافلے سرزمین حجاز میں جمع ہوئے تو خلیفہ ناصر کی ہدایت پر جلال الدین حسن کا جھنڈا خوارزم شاہی پرچم سے آگے رکھا گیا۔ ممکن ہے کہ خلیفہ کے اس حکم کا مقصد محض ایک نو مسلم حاکم کی دلجوئی کرنا ہو، مگر خوارزم شاہ خلیفہ کے ہر اقدام کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگا تھا، لہٰذا جب خوارزمی حجاج کے قافلہ سالار نے حج سے واپسی پر سلطان کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو اس نے یہی گمان کیا کہ خلیفہ نے خوارزمی پرچم کی ہتک کی ہے۔

خلیفہ نے باطنی امام کا اعتماد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے کچھ فدائی طلب کر لیے تھے۔ جلال الدین حسن نے یہ فدائی بھیجتے ہوئے یقین دلایا تھا کہ آپ کے اشارے پر جان دے دیں گے۔ خلیفہ نے انہیں سلطان علاؤ الدین محمد کے امیر اتابک اغلمش پر حملے کا ہدف دیا، یہ امیر سلطان علاؤ الدین کے نائب کے طور پ عراق کے نومفتوحہ علاقوں کا حاکم تھا۔

فدائیوں نے اسے اس وقت نشانہ بنایا جب وہ حجاج کرام کے ایک قافلے کے استقبال کے لیے نکلا، اس موقع پر حاجیوں کے لباس میں ملبوس فدائی خنجر برداروں نے اچانک حملہ کر کے اسے شہید کر دیا، اس کی موت سے عراق کے کئی اضلاع خوارزمی عملداری سے نکل گئے اور انہیں واپس لینے کے لیے خوارزم شاہ کو دوبارہ مہم جوئی کرنا پڑی۔

اگلا شکار خود سلطان علاؤ الدین محمد تھا، اس پر بھی حملہ کرنے کی کوشش کی گئی، مگر حق تعالیٰ کو خوارزم شاہ کی زندگی منظور تھی لہٰذا وار خالی گیا، نیز سازش کی تفصیلات بھی عیاں ہو گئیں، خوارزم شاہ کو خلیفہ کے اس بزدلانہ اقدام پر بے حد غصہ آیا مگر منصبِ خلافت کے تقدس کا لحاظ کر کے کسی فوری اقدام سے باز رہا۔⑧

ابو المظفر سبط ابن جوزی نے مرآۃ الزمان میں خلافت بغداد کے ایماء پر سلطان علاؤ الدین کے خلاف بغاوت برپا کرنے کی ایک اور کارروائی کا ذکر بھی کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

> ''جب سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے ہمدان میں پڑاؤ ڈالا تو خلیفہ کے نائب وزیر مؤید الدین محمد ابن قمی نے خوارزم شاہ کے بعض عساکر سے خفیہ طور مراسلت کی اور انہیں لالچ دیتے ہوئے ان سے شہروں کی حکومت کا وعدہ کیا پس ان خوارزمی سپاہیوں نے خطائی سپاہیوں سے مل کر (جو اپنی آخری شکست کے بعد خوارزمی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے) سلطان کے قتل کا منصوبہ بنالیا۔ ابن قمی نے ان باغیوں کے لئے بطور انعام دولت کے خزانے اور گھوڑوں کے گلے روانہ کر دیئے۔ یہ سازش سلطان کی قوت میں کمی کا سبب بن گئی۔ سلطان کو اس کی بھنک پڑ گئی وہ فوراً ہمدان سے خراسان کی طرف لوٹا اور مرو میں شب بسر کی۔ راستے میں وہ گھوڑے، تحائف اور خطوط جو نائب وزیرِ خلافت نے خفیہ طور پر خطائی باغیوں کے لئے ارسال کئے تھے اس کے ہاتھ لگ گئے۔ اس وقت ستر ہزار خطائی اس کے ساتھ تھے، لشکر کی اس بگڑی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے اس کے لئے واپسی ممکن نہ رہی۔
>
> خوارزم شاہ کا ماموں بھی خطائی سپاہیوں کے امراء میں سے تھا۔ سازشیوں نے اسے قسمیں کھلائی تھیں کہ وہ خوارزم شاہ کو ان کے منصوبے سے آگاہ نہیں کرے گا، مگر وہ رات کی تاریکی میں خوارزم شاہ سے جا کر ملا اور صورتحال لکھ کر اس کے ہاتھ میں دے دی اور خود اس کے سامنے کھڑا رہا۔ خوارزم شاہ نے ان

سطروں پر نگاہ ڈالی، حالات کی نزاکت کو سمجھا اور اپنے آپ سے کہنے لگا۔ "اپنی جان بچا...... اسی لمحے تجھے قتل کر دیا جائے گا" یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور خیمے سے نکل گیا اس کے دولڑکے بھی اس کے ساتھ تھے جن میں سے ایک جلال الدین اور دوسرا کوئی اور تھا۔ سلطان سوار ہو کر ان دونوں سمیت کہیں نکل گیا۔ اس کے نکلتے ہی باغی خوارزمیوں اور خطائیوں نے خیمے پر دھاوا بول دیا مگر جب اسے خیمے میں نہ پایا تو لوٹ مار شروع کر دی اور سارا مال و دولت لوٹ لیا۔" (۹)

مذکورہ واقعات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفہ ناصر خوارزم شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے ایسی پست حرکات پر اتر آیا تھا جو کم از کم عالم اسلام کے نقطۂ وحدت کے شایان شان نہیں تھیں۔ خلیفہ کی ان ریشہ دوانیوں کی بناء پر خوارزم شاہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس دیرینہ دشمن سے نبٹ کر رہے گا۔

خوارزم شاہ کا خلیفہ ناصر کی خلافت سے انکار ...... اب پانی سر سے گزر چکا تھا، شاہ نے بغداد پر حملے کا فیصلہ کر لیا مگر اس کے لیے عوام کا ذہن ہموار کرنا ضروری تھا، کیونکہ خلافت عباسیہ تمام تر کمزوریوں کے باوجود اب بھی مسلمانوں کے نزدیک بڑی عظمت و شرافت کی حامل تھی، خود خوارزم کے عوام بھی اس کے خلاف کسی پیش قدمی کے حامی نہ تھے، ان کے نزدیک خلافت ایک مقدس منصب تھا جو بہر حال قابل احترام تھا۔ آخر علاؤ الدین محمد نے اس موقع پر عوام کو ہم نوا بنانے کے لئے اس امر کا پرچار کیا کہ بنو عباس کی بہ نسبت حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد خلافت کی زیادہ مستحق ہے اور ان کی موجودگی میں بنو عباس خلافت کا استحقاق نہیں رکھتے۔

عطاء ملک جوینی کے بیان کے مطابق اس مقصد کے لیے خوارزم شاہ نے باقاعدہ ایک استفتاء مرتب کیا جس میں ذکر کیا گیا کہ خلفائے بنو عباس اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد اور جہاد سے کنارہ کش ہیں۔ وہ اسلامی ممالک کی سرحدوں کو کفار سے بچانے کی تیاری، بدعات و گمراہی کے سرغنوں کے خاتمے اور کفار کو اسلام کی دعوت دینے کے ان فرائض سے جوار بابِ حکومت پر عائد ہوتے ہیں، غافل ہیں اور اسلام کے اس عظیم ترین رکن کو ترک کر چکے ہیں۔ اس کے جواب میں تحریر کیا گیا کہ اگر خلیفہ ایسے بادشاہ کو ختم کرنا چاہے جو اسلام کی مدد کر رہا ہو اور جہاد میں زندگی بسر کرتا ہو تو ایسے بادشاہ کو حق حاصل ہے کہ خلیفہ کو معزول کر دے اور اسکی جگہ دوسرے خلیفہ کا تقرر کرے، اس اقدام کے جواز کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ خلافت ساداتِ حسینیہ کا حق ہے اور عباسی اسکے غاصب ہیں۔

خوارزم شاہ کی بغداد کی جانب پیش قدمی ...... علماء کے فتاویٰ کے ذریعے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرانے کے بعد ۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں خوارزم شاہ نے سید علاء الملک ترمذی کی خلافت کا اعلان کر دیا جو کہ اس زمانے میں اولادِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ نماز جمعہ کے خطبے میں اب خلیفہ ناصر کی جگہ سید علاء الملک ترمذی کا نام لیا جانے لگا۔ اس اقدام کے بعد خوارزم شاہ کے لئے عوام کو یہ بات سمجھانا آسان تھا کہ خلیفہ ناصر مسند خلافت کا وارث نہیں بلکہ اس کا غاصب ہے، لہٰذا اس کے خلاف فوجی کارروائی شرعاً درست بلکہ ضروری ہے۔ (۱۰)

۶۱۴ھ (۱۲۱۷ء) میں سلطان علاؤ الدین محمد نے فوج کو یلغار کا حکم دیا اور تین لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار لے کر سیلاب کی طرح بغداد کی طرف بڑھا۔ اس کی پیش قدمی کی اطلاع پا کر خلیفہ ناصر کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ (۱۱)

برف باری اور خوارزمی لشکر کی تباہی ...... خوارزمی افواج تیز رفتاری سے کوچ و قیام کرتے ہوئے ہمدان تک

جا پہنچیں۔شہر کے آس پاس کی تمام وادیاں خوارزمی سپاہیوں کے خیموں سے پُر ہو رہی تھیں۔ اتنا عظیم لشکر دیکھ کر ہر شخص انگشت بدنداں تھا۔ عام خیال یہی تھا جنگ چھڑ جانے کی صورت میں بغداد والوں کی شکست یقینی ہے۔ یہ بات بھی واضح تھی کہ اس صورت میں جانبین کے بے شمار سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بے گناہ عوام کی بڑی تعداد بھی ہلاکت کی چکی میں پس جائے گی اور یہ امت کے لئے ایک عظیم سانحہ ہوگا۔

مگر تقدیر کا فیصلہ کچھ اور تھا، خوارزم شاہ کو اپنی ضد بہت مہنگی پڑی، ادھر اس نے ہراول دستوں کو یلغار کا حکم دیا، اُدھر موسم بدل گیا۔ ہراول دستوں کے پندرہ ہزار خوارزمی سپاہیوں نے ہمدان سے چل کر جوں ہی اسد آباد کے قریب حلوان نامی ایک مقام پر پڑاؤ کیا، کڑاکے کی سردی میں برف باری کے بھیانک طوفان نے تباہی مچادی، شبِ تاریک میں بادلوں کی خوفناک گھن گرج اور بجلی کے شراروں نے قیامتِ صغریٰ کا منظر قائم کر دیا۔صبح تک ہر سمت برف کے ٹیلے دکھائی دے رہے تھے۔ رسد کا سارا نظام معطل ہو گیا تھا، گھوڑے اور مویشی برف میں دھنس کر مر چکے تھے، سینکڑوں سپاہی برف میں دفن ہو چکے تھے اور زندہ افراد کے اعضاء بھی سردی کی شدت سے شل ہو رہے تھے۔اب آگے جانے کا کوئی امکان نہ تھا۔ ویسے بھی برف باری سے تمام شاہراہیں مسدود ہو چکی تھیں۔خوارزم شاہ ہمدان میں ٹھہرا رہا جب برف باری کے اثرات ختم ہوئے اور برف پگھل کر راستے کھل گئے تو اس نے اور گنج کا راستہ لیا۔ (۱۲)

برف باری کے علاوہ اس کی واپسی کی ایک وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے کہ اس ہنگامے میں وہ خود گھوڑے سے گر پڑا تھا جس سے اس نے اپنے وہمی مزاج کے مطابق بدشگونی خیال کر لیا تھا۔ (۱۳)

تاریخ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے واپس جاتے ہوئے خوارزم شاہ کے لئے بددعا کی تھی اس لئے اس پر یہ عذاب نازل ہوا (۱۴) مگر کسی معتبر کتاب سے اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔

اگر چہ فی الحال خوارزم شاہ بغداد پر فوج کشی کا ارمان پورا نہ کر سکا، تاہم اس نے اس ارادے سے مکمل دست برداری اختیار نہ کی بلکہ اس منصوبے کو آیندہ سال پر ملتوی کر دیا۔

ایک انوکھی مہم ...... دربارِ خوارزم سے وابستہ افراد میں ایک ماہرِ فن عالم علامہ سراج الدین السکا کی الخوارزمی بھی تھے۔ یہ ''ہر فن مولا'' قسم کے آدمی تھے (۱۵) درجنوں علوم وفنون میں کامل مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کے کام میں بھی یکتائے روزگار تھے۔خوارزم شاہ کی اعانت وامداد میں بڑے مستعد تھے، انہوں نے ایک پُتلا بنایا اور خوارزم شاہ سے کہا اگر اس پُتلے کو بغداد میں دفن کر دیا جائے تو اس کے اثر سے بہت جلد خلیفہ کا ستارہ گردش میں آ جائے گا۔خوارزم شاہ عملیات اور نجوم پر یقین رکھتا تھا اور خلیفہ کو زک پہنچانے کے لئے ہر اقدام پر آمادہ تھا، حالیہ مہم کی ناکامی سے وہ پہلے ہی سُلگ رہا تھا۔اس نے قاضی القضاۃ مجیر الدین عمر بن سعد سے درخواست کی کہ وہ بغداد جا کر اس عظیم کارروائی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں تو بہتر ہوگا۔

قاضی صاحب سفیر کے طور پر بغداد پہنچ گئے اور اسی دوران ایک مناسب مکان دیکھ بھال کر اس میں وہ پتلا دفن کر کے بخیر وعافیت خوارزم لوٹ آئے۔اب خوارزم شاہ کو انتظار تھا کہ دیکھئے کب خلیفہ پر کسی اُفتاد کی خبر آتی ہے (۱۶) اسے اپنے سر پر منڈلانے والی اس مصیبتِ فاجعہ کا کوئی اندازہ نہ تھا جس کے اسباب بڑی تیزی سے ظہور پذیر ہو رہے تھے۔درندہ صفت تاتاریوں کے ہاتھوں امت مسلمہ پر نازل ہونے والی قیامتِ صغریٰ کا وقتِ موعود قریب آ چکا تھا۔

شہزادہ جلال الدین کی ولی عہد کے منصب سے برطرفی ..... اس دور کے خانوادوں میں یہ اصول مُسلم تھا کہ بادشاہ کا بڑا بیٹا ہی اس کا جانشین ہو، نیز اس اصول سے قطع نظر کرتے ہوئے شہزادہ جلال الدین قابلیت کے لحاظ سے بھی اپنے باپ کے تخت و تاج کے صحیح وارث تھے مگر ان کی دادی ترکان خاتون کو ان کی والدہ یعنی اپنی ہندی نژاد بہو سے نفرت تھی، اسی وجہ سے اسے جلال الدین سے بھی بغض تھا۔ البتہ ترکان خاتون کا اپنی اس بہو سے بڑا ایکا تھا جو اس کی ہم قبیلہ تھی یعنی قپچاقی ترکوں کے قبیلے ''بیاروت'' سے تعلق رکھتی تھی۔ ترکان خاتون اسی بہو کے لڑکے، قطب الدین ازلاق کو ولی عہد دیکھنا چاہتی تھی۔

جب اس نے اس سلسلے میں سلطان علاؤ الدین محمد پر دباؤ ڈالا تو وہ انکار نہ کر سکا۔ والدہ کے حکم کے احترام کے علاوہ وہ اس بات سے بھی خائف تھا کہ کہیں قپچاقی قبائل جو خوارزمی فوج کا بڑا عنصر تھے بغاوت نہ کر دیں۔ چنانچہ جلال الدین کی بجائے قطب الدین ازلاق کی جانشینی کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان بغداد کی ناکام مہم سے واپسی پر کیا گیا تھا۔ اس دور کی تاریخ میں ایسے بے شمار مواقع ملیں گے جب اقتدار کی تقسیم میں کسی ایک فریق کے ساتھ کچھ زیادتی کی گئی تو وہ ذاتی انانیت برقرار رکھنے کے لیے بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ اس نقطہ نظر سے یہاں جلال الدین کے ساتھ کھلم کھلا زیادتی ہو رہی تھی، اگر یہ معاملہ ایسے کسی اور شخص کے ساتھ کیا جاتا جو جلال الدین جیسی وجاہت اور عوامی مقبولیت کا حامل ہوتا، تو وہ اس حق تلفی کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا اور بغاوت کرنے سے ہرگز نہ چوکتا۔ مگر جلال الدین کا خمیر ہی کسی دوسری مٹی سے اٹھایا گیا تھا۔ انہوں نے یہ اعلان ایسے صبر و تحمل سے سنا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ان کے نزدیک تاج و تخت کی قیمت اپنے بزرگوں، بھائیوں اور اقارب کی خوشنودی سے بڑھ کر نہ تھی۔ اس نازک موقع پر انہوں نے خاموشی اختیار کر کے ملک و ملت کو ایک نئے اندرونی خلفشار سے بچا لیا۔ فقط ہوسِ اقتدار کے لیے ملت کے وجود سے مزید خون نچوڑنا ان کے ضمیر کو گوارہ نہ تھا۔ جلال الدین یہ سوچ کر کہ والدین مجھے اندرونی طور پر اپنا مخالف گمان نہ کر لیں، پہلے سے بھی بڑھ کر ان کی اطاعت کرنے لگے [17] قطب الدین کی والدہ اور ترکان خاتون کے ساتھ بھی ان کا حسن سلوک برقرار رہا۔ یہ الگ بات ہے ترکان خاتون کی جلال الدین سے نفرت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

سلطنت کی تقسیم ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے قطب الدین کو جانشین مقرر کرنے کے بعد دارالحکومت سمیت ماوراء النہر اور خراسان کے علاقے اس کی تحویل میں دے دیئے۔ بامیان، غزنی، غور، پشاور اور ہندوستان سے ملحقہ علاقوں کی ولایت شہزادہ جلال الدین کو عطا کی۔ بلوچستان، مکران، اور کرمان کا علاقہ (زیادہ تر موجودہ ایران کا علاقہ) شہزادہ غیاث الدین کو تفویض کیا اور عراق سے ملحقہ ایران کے پہاڑی علاقے شہزادہ رکن الدین کے حوالے کر دیئے۔ اس ترتیب کے بعد سلطان علاؤ الدین محمد نے امور سلطنت میں مدد کے لیے شہزادہ جلال الدین کو اپنے ساتھ پایہ تخت میں ٹھہرا لیا۔ [18]

دوسری کڑی..... تاتاری فرماں روا کے گھناؤنے عزائم ..... چنگیز خان کے ایشیائے بلند کے تمام طول و عرض پر قابض ہونے سے اس خانہ جنگی کا خاتمہ ہو چکا تھا جس نے ایک مدت سے شمالی ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، دوسری طرف وسط ایشیا کی چھوٹی بڑی سب حکومتیں خوارزمی فاتح کے مقبوضات میں شامل ہو چکی تھیں۔ خوارزمی سلطنت کی شمال مشرقی سرحدیں تاتاری مملکت کی جنوب مغربی سرحدوں تک پہنچ چکی تھیں۔ عظیم کوہستانی زنجیر

دونوں کے درمیان حد فاصل تھی۔ یہاں تک پہنچ کر ان دونوں فاتحین کی پیش قدمی تھم گئی تھی اور چند برسوں سے ایشیا کے اس دوتہائی حصے پر جو ہمہ وقت جنگ کے بادلوں سے ڈھکا رہتا تھا، ایک پُراسرار خاموشی طاری تھی۔ جیسے بلاخیز طوفان سے پہلے فضا میں حبس کا عالم آنے والے عظیم موسمی تغیر کا پتہ دیتا ہے اسی طرح یہاں ایک معنی خیز سکوت کی تہہ میں خوفناک حوادث کے جھکڑ کروٹیں لے رہے تھے۔

قراقرم کی یخ بستہ فضا میں گہرے سانس لیتے لیتے بوڑھا جنگجو اکتانے لگا تھا، وہ نت نئی مملکتیں فتح کرنے کے لیے بے چین ہورہا تھا، ایک عرصے سے خون کی رنگینیاں نہ دیکھنے کے باعث اسکی سفاک طبیعت بے کیف ہورہی تھی۔

ایک دن اس نے اپنے قدیم رفیق بغورچی نویان سے پوچھا:

''سب سے زیادہ مسرت انگیز چیز کیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: ''کھلے میدان میں شہ سواری کرنا، جبکہ ہاتھ پر سدھایا ہوا باز بیٹھا ہوا ہو اور شکار کا تعاقب جاری ہو۔''

چنگیز خان نے نفی کرتے ہوئے کہا: ''نہیں!! بلکہ میرے لیے خوشی کی بات یہ ہے کہ دشمن کو پاؤں تلے روندتا جاؤں، انہیں قدموں میں جھکاؤں، انکے مال ودولت پر قبضہ کرتا جاؤں، اور مفتوحہ قوم کی عورتوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں بہتی دیکھوں۔''

اس دشمنِ انسانیت کے مکروہ عزائم اسکے ان الفاظ سے اس قدر ظاہر ہیں کہ ان پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔ (۱۹)

چین میں بڑے پیمانے پر قتل وغارت کے بعد بھی چنگیز خان کی جبلت کو سکون نہیں ملا تھا، وہ مزید خونریزی وغارت گری کا خواہش مند تھا۔ ان عزائم کی تکمیل کے لیے وسیع ترین میدان مغرب کی طرف تھا جو عالم اسلام کی کڑی در کڑی پیوستہ متعدد حکومتوں پر مشتمل تھا۔ لیکن اس راستے کی حتمی اور بڑی رکاوٹ خوارزم کی عظیم الشان مملکت تھی، جس کی فوجی طاقت بڑی مستحکم تھی اور جسکا کشور کشا حکمران تمام دنیا سے اپنی فتوحات کا لوہا منوا چکا تھا اس لیے چنگیز خان نے کوئی عجلت پسندانہ قدم اٹھانا مناسب نہ سمجھا، غور وفکر کے بعد اس نے خوارزم کے تفصیلی کوائف معلوم کرنے کے لیے خوارزمی حکمران سے دوستانہ تجارتی معاہدہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

تیسری کڑی......چنگیز خان اور خوارزم شاہ کا معاہدہ......بغداد کی مہم سے واپسی پر علاؤالدین محمد خوارزم شاہ سمرقند میں ٹھہرا ہوا تھا کہ چنگیز خان کی جانب سے بھیجا گیا ایک سفارتی وفد اسکے پاس پہنچا۔ یہ ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) کا قصہ ہے۔ (۲۰) تاتاری سفیر خوارزم شاہ کے حضور پیش کیے گئے۔

تاتاری سفیر نے کہا: ''خان اعظم نے آپکو سلام کہا ہے اور یہ پیغام دیا ہے:

'مجھے تمہاری قوت تمہاری سلطنت کی عظمت اور فتوحات کی وسعت کا علم ہوا ہے اس پر میں تم سے مصالحت ضروری سمجھتا ہوں اور تمہیں اپنے بیٹے کی مانند عزیز سمجھتا ہوں۔ تم سے بھی یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ میں چین پر قابض ہو چکا ہوں کئی ترک اقوام میرے تابع ہیں۔ تمہیں یقیناً اس بات کا بھی علم ہوگا میرا علاقہ فوجی کیمپ ہونے کے ساتھ ساتھ زرخیزی کے لحاظ سے گویا چاندی کی کان ہے۔ اب مجھے مزید فتوحات کی کوئی طلب نہیں۔ میرے رائے یہ ہے کہ میرا اور تمہارا باہمی مفاد اسی میں ہے کہ ہم باہمی صلح وآشتی کا معاہدہ کر کے تجارتی تعلقات کو فروغ دیں۔'' (۲۱)

خوارزم شاہ بڑی توجہ سے پیغام سنتا رہا۔ ایک عام آدمی کے نقطۂ نظر سے اس پیغام میں کوئی قابل اعتراض بات نہ تھی، مگر بادشاہوں کے کلام کی لطافت بادشاہ ہی سمجھتے ہیں، خوارزم شاہ کو بیٹا کہنا درحقیقت ایک قسم کا احساس برتری لیے ہوئے تھا، کیونکہ ایشیائی سلطنتوں میں بادشاہ اپنے باج گزار حاکموں کو بیٹا کہا کرتے تھے۔ نیز ترک اقوام کو مغلوب کرنے کا ذکر بھی ایک چوٹ لیے ہوئے تھا اس لیے کہ خوارزم شاہ خود ترک النسل تھا۔ (۴۲)

خوارزم شاہ ان اشاروں کو خوب سمجھ رہا تھا۔ تاہم اس نے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا۔ قاصد نے چنگیز خان کی جانب سے ارسال کردہ قیمتی تحائف شاہ کو پیش کیے۔ یہ مشک کے نافے، عنبر، ریشمی کپڑے، سفید اونٹوں کی کھال سے بنے کوٹ اور قیمتی جواہرات تھے۔ (۴۳) خوارزم شاہ اب تک وہ بڑے غور سے اس سفارتی وفد کی تمام حرکات وسکنات کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ ان کی جرأت اور بے باکانہ انداز واطوار کے علاوہ پیغام کی تہہ میں موجود فاتحانہ طرز فکر نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ کہیں گوبی کا بھیڑیا نئی شکارگاہ کی تلاش میں نہ ہو۔

خوارزم شاہ نے پیغام کا جواب دینے سے قبل کچھ پیش بندی ضروری سمجھی۔ وفد میں چند مسلمان بھی شامل تھے، چنگیز خان سفارتی وتجارتی وفود میں اپنے ملک یا دیار غیر کے مسلمان باشندوں سے حسب موقع کام لیتا رہتا تھا۔ اس وفد میں شامل مسلمانوں میں سے کنکا اتراری، علی خواجہ بخاری اور محمود یلواج خوارزمی خود خوارزم کے باشندے تھے جو کسی سلسلے میں قراقرم گئے تھے اور پھر چنگیز خان کے ملازم بن کر اس وفد میں شمولیت کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ (۴۴) محمود یلواج خوارزمی زیادہ فہیم معلوم ہوتا تھا۔ خوارزم شاہ نے دیگر سفیروں کو مہمان خانے میں ٹھہرا کر محمود یلواج کو رات کے وقت تخلیہ میں طلب کیا تاکہ اپنے دل میں جنم لینے والے خدشات کی بناء پر اس سے کچھ معلومات لے۔ خوارزم شاہ کا خیال تھا کہ محمود اسکی اپنی قوم میں سے ہے اس لیے بہرحال وہ اسکا وفادار ہوگا اور سب کچھ سچ سچ بیان کرے گا۔ مگر افسوس کہ حقیقت اس کے برعکس نکلی، محمود یلواج ایک مطلب پرست انسان تھا اور چنگیز خان کی نوازشیں اسے خرید چکی تھیں۔

شاہ نے اسے قیمتی جواہرات دے کر اس سے وعدہ لیا کہ وہ اس کے جاسوس کے طور پر چنگیز خان کے بارے میں معلومات دیا کرے گا۔ شاہ نے کہا:

''تم ہمارے اپنے آدمی ہو۔ مجھے بالکل سچ سچ ساری باتیں بتا دو۔ کیا چنگیز خان نے چین فتح کر لیا ہے؟''

محمود نے کہا: ''جی ہاں! یہ سچ ہے، ایسی خبر کہاں چھپ سکتی ہے۔''

شاہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے دریافت کیا: ''تم میری حکومت کی وسعت اور عساکر کی کثرت سے واقف ہو، تو یہ کون ملعون ہے جو اس کے باوجود مجھے بیٹا کہہ کر مخاطب کر رہا ہے۔ اسکی فوجوں کی تعداد کیا ہے؟ کیا وہ میری افواج کی طرح بکثرت ہیں!!''

محمود یلواج نے شاہ کے چہرے پر غصے کے آثار دیکھے تو سچ بولنے کی بجائے مصلحت آمیز انداز میں گول مول جواب دیتے ہوئے کہا:

''آپ کی افواج اور اسکی فوجوں میں بھلا کیا نسبت؟ یوں سمجھیں جیسے لشکر کے مقابلے میں ایک گھڑ سوار...... یا سورج کے آگے شمع...... یا یوں کہیے کہ تاریکیٔ شب کے سامنے دھواں......''

خوارزم شاہ نے چنگیز خان کی سلطنت کی حدود، اس کے ملک کی معیشت اور دیگر پہلوؤں کے متعلق کئی سوالات کیے مگر محمود خوارزمی نے مغالطہ دیتے ہوئے یہی باور کرایا کہ اسکی مملکت کسی لحاظ سے بھی خوارزمی حکومت کے ہم پلہ نہیں۔ خوارزم شاہ نے پوچھا: ''اس مسئلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

محمود نے کہا: ''معاہدہ کرلیا جائے۔''

خوارزم شاہ نے سوچا کہ اس کا غیر متمدن پڑوسی کچھ متکبر ضرور ہے مگر بے ضرر ہے لہٰذا اس سے تجارتی مفاد حاصل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس نے تجارتی معاہدے کی پیش کش کا جواب اثبات میں دیتے ہیں ہوئے اپنے مکتوب کے ساتھ بیش قیمت تحائف بھی قراقرم روانہ کردیے۔ نیز محمود کو تاکید کردی کہ وہ خوارزم کے جاسوس کی حیثیت سے جاکر وہیں ملازمت اختیار کیے رہے اور وہاں کے حالات سے مطلع کرتا رہے۔ (۳۵) محمود یلواج پر اعتماد کرنے میں خوارزم شاہ سے سخت غلطی ہوئی۔ یہ شخص نہایت مطلب پرست تھا۔ اس کی غلط اطلاعات کے باعث خوارزم شاہ اپنے پڑوسی کو کمزور گمان کرتا رہا، اپنے اس باطل مفروضے کی وجہ سے اسکو آئندہ چل کر سخت نقصان اٹھانا پڑا، اس کی خارجہ پالیسی غیر معتدل رہی اور دشمن کی زد میں آجانے کے بعد بھی اس کی منصوبہ بندی ناقص رہی۔

دیکھا جائے تو یہاں خوارزم شاہ کا طرزِ عمل بصیرت و دانائی سے کوسوں دور دکھائی دیتا ہے۔ صرف ایک شخص کی باتوں پر یقین کر کیہمسایہ ملک کے بارے میں ایک تاثر قائم کرلینا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ خوارزم شاہ کے لیے ضروری تھا کہ وہ پامیر کے پار ابھرنے والی نئی قوت کے بارے میں مکمل معلومات لیتا، وہاں کے لیے جاسوسی کا باقاعدہ نظام تشکیل دیتا اور چنگیز خان کی قوت اور اس کے عزائم سے واقف رہتا۔ آخر چنگیز خان کا چین پر قبضہ کرنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ خوارزم شاہ کو برسوں پہلے سے اس خطرناک ہمسائے کے بارے میں چونک جانا چاہیے تھا۔ افسوس کہ وہ ایک متمدن ملک کا بادشاہ ہوکر گوبی کے جنگلیوں کے برابر بھی سیاست نہ کرسکا جنہوں نے عالمِ اسلام کی نہایت کامیاب جاسوسی کرکے فتوحات پر فتوحات حاصل کیں۔

چنگیز خان کا تذبذب..... خوارزم شاہ کی جانب سے قراقرم پہنچنے والے قافلے کی خوب آؤ بھگت ہوئی، اس قافلے میں ایک بزرگ سید بہاؤالدین رازی بھی شامل تھے، صاحبِ طبقاتِ ناصری ان کی زبانی یہ واقعہ یوں نقل کرتے ہیں:

> ''جب ہم چنگیز خان کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے وزراء، بیٹوں اور بھتیجوں کی موجودگی میں ہمیں بلوایا۔ پھر ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگا: 'دیکھتے ہو! میری بڑائی، عظمت اور بادشاہی اس حد تک جاپہنچی ہے کہ اہلِ مغرب کے بادشاہ نے میرے پاس قاصد بھیجے ہیں'۔ جب ہم رخصت ہونے لگے تو اس نے کہا: 'جانبین سے قاصدوں اور تجارتی قافلوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہیے، عمدہ اسلحے، کپڑے اور برتنوں کے تجارتی قافلے اسی طرح آتے جاتے رہیں۔'' (۳۶)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان کو اس معاہدے سے غیر معمولی خوشی ہوئی تھی۔ خوارزم اور قراقرم کے درمیان سرکاری سطح پر تجارتی معاہدہ طے پاجانے کے بعد تجارتی قافلوں کی آمدورفت شروع ہوگئی۔ تجارتی امور کے پس پردہ تاتاریوں کا جاسوسی نظام بھی کام کرنے لگا۔ تاتاری تاجروں کے ساتھ ان کے جاسوس بھی تاجرانہ روپ میں خوارزم کا نشیب و فراز کھنگالنے لگے۔ خوارزمی حدود سے گزر کر بغداد اور دوسری ہمسایہ حکومتوں سے بھی ان کے

سفارتی تعلقات قائم ہو گئے۔ تاجر برادری کی زبانی چنگیز خان کی شہرت اب دور دراز کے ملکوں تک پھیل رہی تھی۔

چنگیز خان خوارزم کی فوجی قوت کا صحیح اندازہ لگانے کے بعد اس پر حملہ کرنے میں متذبذب تھا، کیوں کہ خوارزم کے تین لاکھ نبرد آزما سپاہی ہر جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی صلاحیت رکھتے تھے یلغار کی صورت میں چنگیز خان کو سخت مزاحمت کا یقین تھا، جو اسے شکست سے بھی دوچار کر سکتی تھی۔ مگر اس سے زیادہ خدشہ اسے اس بات کا تھا کہ خوارزم پر حملہ سارے عالمِ اسلام کی سرحدوں پر حملہ تصور کیا جائے گا اور جب خوارزم، ہندوستان، بغداد اور شام کے مسلمان ایک قوم ہونے کے ناطے ایک پرچم تلے جمع ہو کر اسکا مقابلہ کریں گے تو اسکے سپاہیوں میں بمشکل کوئی زندہ سلامت واپس آ سکے گا۔

چوتھی کڑی...... خلیفہ ناصر کی سازش..... چنگیز خان خوارزم پر حملہ کرنے کے متعلق شش و پنج کی کیفیت میں تھا کہ اچانک ایک پیغام نے چنگیز خان کا تذبذب دور کر دیا۔ بغداد کا خلیفہ ناصر چنگیز خان کی شہرہ آفاق فتوحات سے متاثر ہو کر خوارزم شاہ کے خلاف اسے اپنا حلیف و سرپرست بنانے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک ایسے نازک وقت میں جبکہ شمال مشرقی افق سے اٹھنے والے شعلوں کی تپش عالم اسلام کے مغرب تک محسوس کی جارہی تھی اور خوارزم و بغداد کا اتحاد ان کی زندگی کے لیے سانس سے زیادہ ضروری ہو چکا تھا، خلیفہ ناصر نے چنگیز خان کو حملے کی دعوت دے دی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ یہ وہ سفارت تھی جس نے عالم اسلام کو لہو سے نہلا دیا۔ اس اجمال کی تفصیل اگلی سطور میں دی جاری ہے۔

خلیفہ ناصر کی مجلس مشاورت..... خلیفہ ناصر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے ناکام حملے کے بعد اب تک انگاروں پر لوٹ رہا تھا اور دن رات اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ کسی طرح خوارزم شاہ کی قوت کو پارہ پارہ کر کے اس کے خطرے سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے مشیروں اور وزراء سے مشورہ طلب کیا۔ ان میں سے بعض وزراء نے کہا:

''عالم پناہ! ہماری رائے یہ کہ خوارزم شاہ کی عظیم قوت کا توڑ کرنے کے لیے ہمیں چنگیز خان سے مدد طلب کرنی چاہیے اس لیے کہ اس کے سوا روئے زمین پر کوئی فاتح ایسا نہیں جو خوارزم شاہ کا مقابلہ کر سکے، خوارزم شاہ کا جنگی جنون اور ملک گیری کا نشہ چنگیزی دہشت کے بغیر ختم نہیں کیا جا سکتا، اسکا فتنہ چنگیز خان کی تیغ آتش بار ہی فرو کر سکتی ہے۔ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ اس مسئلے کے حل کے لیے محمود یلواج کو جو کہ چنگیز خان کا درباری ہے واسطہ بنا کر چنگیز خان سے مدد کی درخواست کی جائے۔''

خلیفہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور اس نے حکم دیا کہ محمود یلواج کی معرفت چنگیز خان کے نام ایک مکتوب تحریر کیا جائے جس میں چنگیز خان سے استدعاء کی جائے کہ وہ اپنا لشکر لے کر خوارزم پر حملہ آور ہو۔ اس موقع پر بعض دور اندیش مشیروں نے خلیفہ کو اس فعل سے باز رکھنے کی کوشش کی اور بولے:

''خلیفۃ المسلمین! ہمارے نزدیک یہ اقدام کئی وجوہات سے غلط ہے، اوّلاً یہ کہ جو قاصد یہ پیغام لے کر منگولیا روانہ ہوگا اسے کم از کم چار ماہ تک سلطنت خوارزم کے حدود اربعہ میں سفر کرنا پڑے گا۔ بہت مشکل ہے کہ اتنے طویل سفر میں بار بار چوکیوں پر تعینات محافظوں کو تلاشی دینے کے بعد بھی اس سے یہ پیغام پکڑا نہ جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا سلطان محمد خوارزم شاہ کا غیظ و غضب مزید بڑھ جائے گا۔ ثانیاً یہ کہ ان تاتاری کافروں کو صاحب ایمان مسلمانوں پر

غالب آنے کا موقع فراہم کرنا اور اہل اسلام کے خون وعصمت پر انہیں مسلط کرنا نہ عقلاً درست ہے اور نہ ہی شرعاً اسکا کوئی جواز بن سکتا ہے۔علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ جب یہ اجڈ قوم مملکتِ خوارزم پر قابض ہو جائے تو مرکزِ خلافت کا ادب واحترام بھی فراموش کردے اور ان سے ہمارے حق میں وہ افعال صادر ہوں جو ہمارے لیے باعث شامت وندامت ہوں۔''

خلیفہ ناصر نے اس خیر خواہانہ نصیحت کو ذرہ برابر قابل التفات نہ سمجھا اور بڑی بے نیازی سے گویا ہوا:

''تاتاری حملہ آوروں کو ان اسلامی شہروں پر قبضہ کرنے اور ہم تک پہنچنے میں کم از کم پچاس برس ضرور لگ جائیں گے۔تاہم ان کے پہلے حملے ہی سے ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ علاؤالدین محمد کی شان وشوکت اور قوت فی الفور منہدم ہو جائے گی۔'' (۴۷)

اس مشاورت کے بعد خلیفہ ناصر نے چنگیز خان سے مراسلت اور اسکی مدد سے خوارزم شاہ کے بازوئے شمشیر زن کاٹنے کا حتمی فیصلہ کرلیا مگر جیسا کہ اس کے صائب الرائے مشیر کہہ چکے تھے،اس خطرناک موضوع پر چنگیز خان سے خط وکتابت کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔چنگیز خان کی سلطنت تک پہنچنے کے لیے بغداد کے ایلچیوں کو خوارزم سے گزرنا پڑتا تھا۔ان دنوں بغداد سے آنے والا ہر شخص خوارزم میں شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور جگہ جگہ اس کی تلاشی لی جاتی تھی۔ بظاہر اس پیغام کے حامل قاصد کا بچ کر نکل جانا مشکل تھا لیکن خلیفہ بغداد کے سازشی ذہن نے یہ مشکل آسان کر دکھائی۔

خلیفہ نے یہ خفیہ خط کس طرح لکھوایا اور کیونکر روانہ کیا، یہ ایک حیرت انگیز کہانی ہے،شاید دنیا کی تاریخ میں پوشیدہ مکاتبت کا یہ انداز پہلے کبھی اپنایا گیا نہ بعد میں۔خلیفہ کے عیار دماغ نے ایسا عجیب حربہ ایجاد کیا جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

تاریخ کا خفیہ ترین خط..... خلیفہ کے حکم سے چنگیز خان کے پاس بھیجے جانے والے شخص کا سر مونڈ کر اس پر آتشیں سوئی سے اس مفہوم کا پیغام لکھوایا گیا کہ چنگیز خان خوارزم پر حملہ کردے۔پیغام کے مضمون کے ساتھ قاصد کا منصب بھی لکھ دیا گیا۔دربارِ خلافت کی مہر بھی ثبت کردی گئی۔بعدازاں اس اَن مٹ تحریر کو کسی روغن کی تہہ سے چھپا دیا گیا۔ چند ہفتے بعد جب قاصد کے سر پر خوب بال اُگ آئے تو اسے فرافرم روانہ کردیا گیا۔حسبِ توقع خوارزمی مملکت میں متعدد مقامات پر اس کی خوب تفصیلی تلاشی لی گئی،اور اچھی طرح اطمینان کرلیا گیا کہ یہ قاصد مملکت خوارزم کے خلاف کوئی تحریر ساتھ نہیں لے جارہا۔خوارزمی افسران کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ جس چیز کو وہ تلاش کررہے ہیں وہ قاصد کے بالوں کے نیچے چھپی ہوئی ہے۔

خوارزمی سلطنت سے گزر کر طویل ودشوار گزار برفانی کوہستان عبور کرکے یہ شخص کامیابی سے چنگیز خان کے ملک میں پہنچ گیا۔پہلے محمود یلواج سے ملا اور اسے اپنی آمد کے مقصد سے مطلع کرکے دربارِ چنگیز خان میں حاضری کی درخواست پیش کی۔محمود یلواج نے فی الفور چنگیز خان کو دربارِ خلافت سے قاصد کی آمد کی اطلاع دی۔چنگیز خان نے اس قاصد کو بلایا اور اس کے بال ترشوا کر خلیفہ کا پیغام وصول کرلیا۔ (۴۸)

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کی گواہی..... خلیفہ ناصر کا عالم اسلام پر چنگیز خان کو حملے کی دعوت دینا اس کا سب سے بڑا

جرم تھا۔ عجمی مؤرخین نے تو بہت کھل کر خلیفہ ناصر کے اس جرم کو واضح کیا، البتہ عرب مؤرخین خلیفہ ناصر کی زندگی میں محتاط رہے۔ بعد میں انہوں نے بھی اس الزام کی تصدیق کر دی۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے خلیفہ ناصر کی زندگی میں اپنی تاریخ لکھنا شروع کی اور اسے تکمیل کے قریب تک پہنچایا، اس کے آخری ابواب میں ۶۱۷ھ کے حالات کے تحت انہوں نے عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے کا تفصیلی تذکرہ کیا اور اس کے بعض اسباب بیان کیے، اس کے بعد انہوں نے لکھا: ''عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے کی ایک اور وجہ بھی بیان کی گئی ہے مگر وہ کتابوں میں ذکر نہیں کی جاسکتی۔

فَكَانَ مَا كَانَ مِمَّا لَسْتُ اَذْكُرُهٗ   فَظُنَّ خَيْرًا وَلَا تَسْأَلُ عَنِ الْخَبَرِ

''سو جو کچھ ہوا سو ہوا، وہ ایسا راز ہے جسے میں ذکر نہیں کروں گا، تم حسن ظن سے کام لینا اور مجھ سے حقیقت مت پوچھنا۔''[۲۹]

پانچ سال بعد ۶۲۲ھ (۱۲۲۵ء) میں خلیفہ ناصر فوت ہوا تو علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کے لیے حقیقت بیان کرنا ممکن ہو گیا چنانچہ ۶۲۲ھ کے حالات میں وہ خلیفہ کی موت کا تذکرہ کر کے آخر میں تحریر کرتے ہیں:

''اہل عجم جو بات خلیفہ ناصر کی طرف منسوب کرتے تھے کہ اسی نے تاتاریوں کو بلادِ اسلامیہ پر حملے کی ترغیب دی ہے، اور ان سے اس بارے میں خط و کتابت کی ہے، تو یہ بات صحیح ہے۔ پس یہ تو وہ قیامتِ کبریٰ ہے کہ اس کے سامنے ہر بڑا گناہ، حقیر معلوم ہوتا ہے۔'' (ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۲۱)

پانچویں کڑی...... خوارزم شاہ کی حماقت ..... چنگیز خان کے دل میں ملک گیری کی ہوس پہلے بھی کروٹیں لے رہی تھی، مگر خلیفہ کا پیام ملنے کے بعد اس کا ارادہ عزم میں تبدیل ہو گیا، خوارزم شاہی سلطنت پر قابض ہونے کا جذبہ روز بروز عروج پذیر ہوتا گیا[۳۰] اس کے قلب و ذہن نے اس کے لیے پختہ منصوبہ بندی شروع کر دی۔

اس بات کا اطمینان کر لینے کے بعد کہ خوارزم پر یلغار کی صورت میں دیگر اسلامی ممالک غیر جانبدار رہیں گے، چنگیز خان حملے کے لیے مناسب موقعے کی تلاش میں تھا۔ چونکہ تجارتی معاہدہ طے پانے کو ابھی ایک سال بھی پورا نہ ہوا تھا، اس لیے چنگیز خان کا خیال تھا کہ ابھی کچھ دن مزید یہ سلسلہ جاری رہنا چاہیے تا کہ اس عرصے میں وہ دشمن پر ابتدائی حملے کے لیے کوئی وجہ جواز پیدا کر سکے۔

کچھ زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ یکا یک وجہ جواز پیدا ہو گئی۔ ایک عجیب واقعے نے چنگیز خان کو حملے کے لیے بہانہ مہیا کر دیا۔ آیا یہ واقعہ قدرتی طور پر پیش آیا یا اس کے پیچھے کوئی منصوبہ بندی کارفرما تھی؟؟ عام طور پر مؤرخین نے اس کا ذکر یوں کیا ہے جیسے یہ ایک اتفاقی حادثہ ہو۔ لیکن تاتاریوں کی مکارانہ فطرت اور چنگیز خان کی سیاسی چالوں سے واقف شخص شک کر سکتا ہے کہ چنگیز خان کی منشاء کے مطابق اس کے بنیادی اسباب بڑی ہوشیاری سے پیدا کیے گئے تھے۔ لیجئے! اب اس عجیب وغریب واقعے کی تفصیل پڑھئے۔

پراسرار قافلہ ...... ۶۱۶ھ (۱۲۱۹ء) میں خوارزم کے ایک شخص احمد خجندی نے بخارا کے دو تاجروں کے ساتھ چنگیز خان کے ملک کا تجارتی دورہ کرنے کے لیے رختِ سفر باندھا، یہ لوگ تاتاریوں کی پسند کے مطابق قسماقسم کے پارچہ جات لیے جا رہے تھے، ان میں عمدہ زرتار کپڑے بھی تھے اور سادہ سوتی لباس بھی۔ چنگیز خان نے اپنی مملکت کی حدود میں تاجروں کی سہولیات اور مال و اسباب کی حفاظت کا پورا انتظام کیا ہوا تھا، سرکاری کارندوں کو یہ بھی ہدایات دی گئی

تھیں کہ جو تاجر بھی بادشاہوں کی شان کے مطابق بہترین اور نفیس ترین مال واسباب لائے اسے مال سمیت پہلے خان اعظم کے پاس لایا جائے تاکہ حسبِ پسند چیزیں چنی جاسکیں۔

جب یہ لوگ قراقرم پہنچے تو سرکاری کارندوں نے احمد خجندی کے پاس بیش قیمت کپڑے دیکھ کر اسے سامان سمیت سیدھا چنگیز خان کے پاس پہنچا دیا۔ وہاں اس نے کپڑے کے عمدہ عمدہ تھان پھیلائے تو تاتاریوں نے ان میں غیر معمولی دلچسپی محسوس کی۔ یہ دیکھ کر احمد لالچ میں آ گیا، غالباً اسے تجارت کی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں تھی، اس نے جو کپڑا دس یا بیس دینار میں خریدا تھا اس کے دام کئی گنا بڑھا کر لگانے لگا۔

چونکہ چنگیز خان کو کپڑے کے دام کا اندازہ تھا لہٰذا اس نے غضب ناک ہو کر کہا:

''کیا یہ شخص سمجھتا ہے کہ ہمیں کبھی کپڑا دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔''

یہ کہہ کر چنگیز خان نے قیمتی کپڑوں کے وہ انبار جو اس نے چین اور منگولیا کے سابق حکمرانوں کے خزانوں سے لُوٹے تھے وہیں منگوا لیے اور اس کے سامنے ڈھیر کر دیے، پھر حکم دیا کہ اس کے کپڑے ضبط کر لیے جائیں اور اسے حراست میں لے لیا جائے۔

اس دوران اہلکار اس کے دوسرے ساتھیوں کو ان کے مال ومتاع سمیت لے آئے، یہ دونوں ہوشیار آدمی تھے اور لوگوں کی حیثیت کے مطابق بات کرنے کا گُر جانتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے کپڑوں کے تھان پیش کیے اور تاتاری ان سے بھاؤ تاؤ کرنے لگے تو انہوں نے کہا:

''ہم یہ کپڑے فروخت نہیں کریں گے۔ ہم تو یہ مال خاقان کی خدمت میں بلاعوض پیش کرنے کے لیے لائے ہیں۔''

جب تاتاریوں کے اصرار کے باوجود انہوں نے قیمت نہ لی تو چنگیز خان کا غصہ فرو ہو گیا۔ اس نے احمد خجندی کو بھی رہا کر دیا اور ان تینوں کے مال واسباب میں سے زرتار کپڑے کے بدلے بہت سا سونا اور سوتی کپڑے کے بدلے کئی گنا مالیت کی چاندی دے کر انہیں خوش کر دیا۔ جب یہ تینوں واپس جانے لگے تو اسلامی ملکوں سے آئے ہوئے اور بھی بہت سے تاجران کے ساتھ واپسی کی تیاری کرنے لگے، ان کی تعداد چار سو پچاس تک پہنچ گئی۔

اس کے بعد چنگیز خان نے اپنے بیٹوں، سرداروں اور اقارب کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس قافلے کے ساتھ اپنے کچھ افراد کو قراقرم کا مال ومتاع دے کر روانہ کریں تاکہ اسلامی ملکوں سے ہمارے ملک کو بھی اقتصادی فائدہ حاصل ہو۔ غرض اس طرح مسلمانوں اور تاتاری تاجروں کا ایک بڑا قافلہ وجود میں آ گیا۔ چنگیز خان نے اس قافلے کو اپنا سفارتی وفد قرار دیتے ہوئے خوارزم شاہ کے نام یہ مکتوب بھی ارسال کیا:

> ''آپ کی جانب سے کچھ تاجر ہمارے ہاں آئے ہیں۔ ہماری جانب سے بھی کچھ تاجران کے ساتھ بھیجے جارہے ہیں، تاکہ آپ کی مملکت کے فوائد وثمرات حاصل کریں......''
>
> غرض چنگیز خان نے غیر معمولی اعزاز کے ساتھ قافلے کو خوارزم کی طرف رخصت کیا۔ (۳۱)

اُدھر خوارزم میں قراقرم آنے جانے والے ہر شخص کو بلا استثناء مشکوک نگاہوں سے دیکھا جارہا تھا۔ خوارزمی سرحدوں کے اعلیٰ افسران قافلوں کی نگرانی اور جانچ پڑتال میں حد درجے مبالغہ کر رہے تھے۔ حزم واحتیاط کا تقاضا بھی یہی تھا۔ ان حالات میں چنگیز خان کا اس قافلے پر غیر معمولی انعام واحسان، دربار میں ان کی غیر معمولی پذیرائی اور ان

کو اپنا سفارتی وفد قرار دینا خود بخود خوارزمی افسران کو شک میں ڈالنے کا سبب بنا۔ایسی خبریں پہلے ہی سننے میں آرہی تھیں کہ تجارتی معاہدے کا مقصد جاسوسی کو تحفظ دینا ہے۔

قراقرم سے آنے والا یہ کاروانِ تجارت دریائے سیحوں کے کنارے اترار میں خیمہ زن ہوا۔احمد خجندی کے علاوہ اب اس میں کئی اور معروف اور معزز مسلمان بھی تھے جیسے امین الدین ہروی، فخر الدین بخاری، جمال مراغی، عمر خواجہ اتراری۔ یہ قافلہ غیر معمولی طور پر قیمتی سامان لیے ہوئے تھا، منہاج السراج کی روایت کے مطابق اس میں قیمتی برتنوں، سونے، چاندی اور ریشم سے لدے ہوئے پانچ سو اونٹ تھے۔ (۳۲)

اترار کا گورنر ینّال خان عرف اینال جق سلطان علاؤ الدین محمد کا ماموں زاد تھا (۳۳) وہ جرأت و دلیری کے ساتھ سخت گیری میں بھی کافی شہرت رکھتا تھا، اس کے علاوہ وہ طبعاً مال و دولت جمع کرنے کا حریص بھی تھا۔اس نے کاروان کو شک وشبہ کی نگاہوں سے دیکھا۔ان دنوں حالات کا رخ دیکھتے ہوئے اس کا شبہ بے جا نہ تھا۔قافلے میں گورنر کا شناسا ایک ہندی النسل تاجر بھی تھا جو کہ چنگیز خان کی جانب سے حاصل کردہ اعزاز و اکرام کے باعث اب کسی کو خاطر میں لانے کے لیے تیار نہ تھا، اپنے ''خانِ اعظم'' کی قوت و اقتدار پر اسے بڑا گھمنڈ ہو رہا تھا اس لیے وہ حاکمِ اترار کو کسی قسم کے ادب کا لحاظ کیے بغیر ''ینّال خان'' کہہ کر مخاطب کرتا رہا (۳۴) اس قسم کی باتوں سے ینّال خان کی طبیعت کی کبیدگی اور تندی بڑھ گئی، اس کے شکوک پختہ ہونے لگے، اس کے لیے یہ بات بھی پرکشش تھی کہ تاجروں کا بے شمار مال مفت ہاتھ آجائے۔

چند دنوں بعد خوارزم شاہ کو حاکمِ اترار کی جانب سے یہ اطلاع موصول ہوئی:

''قراقرم سے آنے والے ایک تجارتی قافلے کو اترار میں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ یہ لوگ تاجر نہیں، جاسوس ہیں، یہ تنہائی میں مقامی لوگوں کو ڈراتے دھمکاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنے انجام سے بے خبر ہو، عن قریب تم کو ایسے حالات پیش آئیں گے جن کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے، یہ جاسوسی کی غرض سے آرہے تھے، ان کے متعلق فرمانِ شاہی کا انتظار ہے۔ (۳۵)

اِن دنوں بغداد اور قراقرم کی شاہراہوں پر سازشی عوامل کی بھنک نے خوارزم شاہ کو نہایت بدمزاج اور وہمی بنا دیا تھا، اس تازہ اطلاع پر اس کا پارہ مزید چڑھ گیا۔تاہم اس نے احتیاط کا پہلو اختیار کرتےہوئے یہ جواب لکھوایا:

''تاجروں کو تاحکمِ ثانی حراست میں رکھا جائے۔تب تک اس مسئلے پر غور کیا جائے گا۔''

مگر اترار کے حاکم نے انہیں گرفتار کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جاسوسی کے الزام میں تمام اہل قافلہ کو قتل کرا دیا اور سارا مال و متاع ضبط کرلیا۔اہل قافلہ میں سے ایک شخص جو اونٹوں کی رکھوالی پر متعین تھا، قافلے کے حراست میں لیے جانے کے وقت غسل خانے میں تھا، وہ چپکے سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور چھپتا چھپاتا خوارزمی سرحد سے نکل گیا، کئی ماہ بعد وہ مارا مارا پھرتا ہوا کسی طرح قراقرم پہنچ گیا اور چنگیز خان کو اس کارروائی سے آگاہ کیا۔ (۳۶)

تاتاری قاصد کا قتل..... چند ماہ بعد مملکتِ تاتار کے قاصد اپنے آقا کا احتجاجی مراسلہ لے کر خوارزم شاہ کے آستانے پر پہنچ چکے تھے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ، غایتِ جاہ و جلال کے ساتھ اپنی مسند پر براجمان تھا۔اس کو تاجروں کے قتل کے سلسلے میں چنگیز خان کے احتجاجی مراسلے کے ساتھ تاتاری وفد کی آمد کی اطلاع دی جا چکی تھی۔ وفد نے باریابی کی اجازت طلب کی تھی۔خوارزم شاہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو رہی تھیں۔

''مقتولین کا چنگیز خان سے بھلا کیا رشتہ تھا؟؟ ......ان میں سے زیادہ تر لوگ خوارزم کے باشندے تھے، چنگیز خان کی رعایا نہ تھے۔ان کا قتل سلطنتِ خوارزم کا اندرونی معاملہ ہے، کسی بیرونی حکمران کو اس مسئلے میں ایک فریق کی وکالت کرنے کا کیا حق ہے؟...... یہ ہماری عملداری میں بیرونی مداخلت نہیں تو اور کیا ہے؟...... چنگیز خان کو احتجاجی پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟......مقتولین کے ساتھ اس کا اتنا گہرا تعلق اس بات کو مزید پختہ کر رہا ہے کہ وہ لوگ خوارزم میں درپردہ تاتاریوں کے لیے نہایت اہم خدمات انجام دے رہے تھے۔''

خوارزم شاہ کے دماغ میں اس قسم کے خیالات کی آندھیاں چل رہی تھیں۔تاتاری وفد کو حاضری کی اجازت مل گئی۔چند سمور پوش تاتاری بے باکانہ چال چلتے ہوئے اندر داخل ہوئے،ان پر نظر پڑتے ہی خوارزم شاہ کے ماتھے کی شکنیں مزید گہری ہوگئیں۔شاہ کی اجازت سے پیغام سنانا شروع کیا گیا:

''تم نے اپنے ہاتھ سے تاجروں کو امان دینے کا معاہدہ تحریر کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ تجارتی قافلوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا،مگر اب تم نے غداری اور عہد شکنی کی ہے،بدعہدی حکمرانوں کے لیے حد درجہ قبیح ہے،اترار کے حاکم ینّال خان عرف اینال جق نے ہمارے بھیجے ہوئے چار سو بے قصور تاجروں کا خون بہایا اور ان کے مال ومتاع پر قبضہ کیا ہے۔اگر اگر تمہارا دعویٰ ہے کہ یہ سب کچھ اس نے اپنی مرضی سے کیا ہے تو اسے سزا بھگتنے کے لیے ہمارے حوالے کردو اور ضبط شدہ مال لوٹا دو،لیکن اگر یہ سب کچھ خود تمہارے حکم سے ہوا ہے تو پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ...... یہ سراسر عہد شکنی ہے جس کا انجام بہت برا ہوگا،اب میرا سلوک تم دیکھ لوگے۔جنگ کی تیاری کرو،میں ایسا لشکر لے کر تمہاری سمت آؤں گا جس کا مقابلہ تم نہیں کرسکو گے۔''[۳۷]

اس پیغام کا ہر لفظ خوارزم شاہ کی رگِ انانیت کے لیے ایک نشتر تھا۔بات یہ تھی کہ ینال خان شاہ کا ماموں زاد اور خوارزم کے جنگجو قبائل کا اہم سردار تھا،خوارزم شاہ اس پر ہاتھ ڈالتا تو اسے قبائلی سرداروں کی شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا،غالباً اسی لیے اس نے تاجروں کے قتل کے واقعے پر چپ سادھ رکھی تھی اور اب تک اس جرم کی تحقیقات شروع نہیں کرائی تھیں۔اگر تحقیقات کرائی جاتیں اور جرم ثابت ہو جاتا تب بھی سزا دینا ملکی عدالتِ شرعیہ کی ذمہ داری تھی،اسے غیر ملکیوں کے رحم وکرم پر کیونکر چھوڑ دیا جاتا۔اتنے بڑے عہدے دار کو تاتاریوں کے حوالے کرنا کیسے ممکن تھا؟چنگیز خان پیغام کے آخری الفاظ تو گویا جنگ کا کھلا چیلنج تھے جنہیں وہ بالکل برداشت نہیں کرسکتا تھا۔وہ غصے کے عالم میں چلاّیا:

''قاصد کو قتل کر دیا جائے اور اس کے ساتھیوں کی داڑھیاں مونڈ کر انہیں واپس بھیج دیا جائے،چنگیز خان کو میرا پیغام پہنچا دو کہ میں خود تیرے مقابلے کے لیے پیش قدمی کروں گا،اگر تو دنیا کے آخری کونے میں بھی چلا جائے تب بھی تجھے سزا دے کر رہوں گا اور تیرا وہی حشر کروں گا جو میں نے تیرے ساتھیوں کا کیا ہے۔''[۳۸]

اس توہین آمیز پیغام سے اس کا غیظ وغضب اس قدر بھڑک چکا تھا کہ غور وفکر کی قوت معطل ہوگئی تھی۔عاقبت اندیش وزراء نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ قاصد کا قتل بین الاقوامی مسلمہ قوانین کی خلاف ورزی ہے اور اس سے ناقابلِ تدارک فتنہ پیدا ہونے کا خدشہ ہے،مگر خوارزم شاہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں چنگیز خان سمیت دنیا کی تمام حکومتوں کو پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں دیتا تھا۔اس کا خیال تھا کہ اس وقت نرمی اور لچک داری سے کام لیا گیا تو یہ غیر ملکی

طاقت اور سر پر چڑھنے کی کوشش کرے گی۔اسے مرعوب کرنے کا طریقہ یہی ہوسکتا ہے کہ انتہائی سخت رویہ اختیار کیا جائے۔اس نے سب کی رائے مسترد کر کے اپنے حکم پر عمل کروایا۔یوں وہ ہولناک تباہی جو عام حالات میں ملتوی ہوسکتی تھی اس غیر شریفانہ اقدام کی بدولت یکدم سر پر آ گئی۔

اگر خوارزم شاہ چنگیز خان کے قاصد کو قتل نہ کراتا تو ممکن تھا چنگیز خان کی ہوس ملک گیری اتنی جلد عالم اسلام کا رخ نہ کرتی، مغرب کی طرف تاتاری یلغار جس کی منصوبہ بندی جاری تھی مزید چند برس بلکہ چند عشرے مؤخر ہو جاتی اور حملے کی صورت میں بھی چنگیز خان خوارزم میں ہر حد سے متجاوز قتل و غارت گری کا مظاہرہ نہ کرتا......لیکن اب صورتحال اس قدر بگڑ چکی تھی کہ چنگیز خان کو کسی طرح روکا نہیں جاسکتا تھا، آخر کار اس نے انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے پوری شدت سے حملہ کیا اور ایک کے بدلے ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کی جان لے کر اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ایک بلیغ مؤرخ کے بقول ''اس نے خون کے ہر قطرے کے بدلے لہو کا ایک سمندر بہادیا۔'' (۳۹)

ایک لمحے نے اٹھائی وہ قیامت حافظ　　　آنکھ جھپکی تو مکیں تھے نہ مکاں تھا باقی

استعماری طاقتوں کی جارحیت کا یکساں انداز..... آج جب ہم آٹھ صدیاں پہلے کے اس واقعے پر غور کرتے ہیں جو چنگیز خان کے حملے کا فوری سبب بنا تو کئی پہلو حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔قرائن و آثار کی روشنی میں نہ صرف اس بات کا خاصا امکان نظر آتا ہے کہ اس تجارتی قافلے میں چنگیز خان کے جاسوس موجود تھے، بلکہ یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس قافلے کے قتل کے محرکات میں بھی چنگیز خان کی اپنی شاطرانہ پالیسیوں کا بڑی حد تک دخل ہو؟......یعنی دو چار جاسوس ان چار سو تاجروں میں اس طرح شامل کر دیے گئے ہوں کہ وہ خوارزمی سرحد پر پکڑے جائیں اور ان کے خلاف خوارزمی حکومت جو بھی کارروائی کرے اسے جنگ کا بہانہ بنا دیا جائے۔

یہ بات اگرچہ ہے تو قیاس......مگر تاریخ کے اس منظر کو بھی دیکھیے کہ چنگیز خان نے خوارزم شاہ اور اس کی والدہ کے درمیان منافرت پیدا کرنے کے لیے اسی طرح ایک جاسوس کو روانہ کر کے خود ہی اس کو خوارزمی سرحد پر پکڑوا دیا تھا، اور خوارزمی جاسوسوں نے اسے گرفتار کر کے جو خط برآمد کیا تھا وہ جان بوجھ کر اس قسم کا لکھوایا گیا تھا جسے پڑھ کر خوارزم شاہ اپنی والدہ سے متنفر ہو جائے، اور ہوا بھی یہی کہ چنگیز خان کی منشاء کے عین مطابق خوارزم شاہ اپنی والدہ اور اس کے پورے قبیلے سے بدگمان ہو گیا (نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۲) لہٰذا یہ کوئی بعید معلوم نہیں ہوتا کہ تاجروں کے قافلے کو بھی اسی طرح پھنسوایا گیا ہو اور اس طرح بڑی عیاری کے ساتھ خوارزمی حکام کو تجارتی قافلے کے قتل پر اکسانے والے اسباب تیار کر کے جنگ کا ایک بہانہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔

ان سطور سے میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ تاجروں کے بارے میں ینال خان کا فیصلہ درست تھا۔ہرگز نہیں، یہ بلاشبہ ایک ظالمانہ فیصلہ تھا۔بخارا کے ساڑھے چار سو تاجر ملک کے باعزت افراد تھے، ان کا مقدمہ باقاعدہ عدالت میں جانا چاہیے تھا۔شریعت کی روشنی میں تمام شواہد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے مستقبل کے بارے میں جو بھی فیصلہ ہوتا وہی بہتر ہوتا۔

میرا ذاتی خیال ہے اگر کھلی عدالت میں مقدمہ چلتا تو اکثر تاجر باعزت طور پر بری ہو جاتے کیونکہ یہ بات عقلاً بعید ہے کہ تاجر پیشہ لوگ گروہی شکل میں کسی دوسرے ملک کے لیے جاسوسی کی خدمات انجام دینے لگیں اور وہ بھی ایک

ہی سفر اور غیر ملکی حکمران سے ایک ہی ملاقات کے بعد۔ ملک بھی ایسا جو تہذیب و تمدن اور دولت و ثروت میں ان کے ملک سے بہت پیچھے ہو۔

ینال خان کا تاجروں کو محض شک کی بنیاد پر قتل کر دینا واقعی اتنی بڑی سفا کی تھی جس پر قہرِ الٰہی کا جوش میں آ جانا لازمی تھا۔ اس ساری کارروائی کے پیچھے دیکھیے تو اصل المیہ شرعی قانون پر عمل نہ کرنے اور اپنی ذاتی رائے کو بالادست رکھنے کا ہے۔ اس دور کی مسلم دنیا کے انتظامی ڈھانچے میں یہ بھی ایک بڑی کمزوری تھی کہ بادشاہ تو بادشاہ ،صوبائی حکام اور عمال حکومت بھی مطلق العنانیت کے درپے نظر تھے۔ پھر تاجروں کے مذکورہ معاملے میں تو ینال خان کو خوارزم شاہ کی طرف سے شہ بھی مل گئی تھی کہ جو چاہو کرو۔ پس اس نے جو چاہا کر ڈالا۔

کاش کہ تاجروں کو صرف گرفتار کر کے ان پر مقدمہ چلایا جاتا تو مسلمانوں کو شاید اتنے برے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی تھی کہ دشمن جس قدر دور اندیش اور چالاک تھا وہ اسی قدر عاقبت نااندیشی کا ثبوت دیتے چلے گئے۔ ینّال خان کی ہوسِ مال اور خوارزم شاہ کی عجلت و حماقت نے چنگیز خان کو اس کی توقع سے بڑھ کر بھرپور حملے کا فوری موقع مہیا کر دیا۔

چنگیز خان کی منصوبہ بندی اور جاسوسی نظام..... ممکن ہے کہ استعماری طاقتوں سے حسنِ ظن رکھنے والے یا منصف مزاجی کے حد سے زیادہ قائل بعض حضرات راقم کے اس خیال کو کہ تجارتی قافلے کے قتل کے محرکات میں چنگیز خان کی شاطرانہ چالوں کا دخل تھا، اب بھی ایک بے بنیاد قیاس آرائی قرار دیں، مگر میں دیگر قرائن کے علاوہ اس پہلو کو ملحوظ رکھنے پر اس لیے بھی مجبور ہوں کہ تاریخ کی گواہی کے مطابق سامراجی طاقتوں کی جارحیت ہمیشہ ایسی ہی سازشوں کے بعد ظہور میں آتی ہے۔ استعماری قوتوں کی سوچ اور نظریہ قدیم و جدید ادوار میں یکساں رہا ہے، زمانے کی تبدیلی استعماری سوچ پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ استعماری حربے آج بھی انہی سانچوں میں ڈھالے جا رہے ہیں۔ موقع محل، حالات اور زمانے کے لحاظ سے طریقۂ واردات اور اندازِ کار میں فرق ہو سکتا ہے مگر استعماری اصول آج بھی وہی ہیں جن میں مادی اغراض کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا گیا ہے اور اس مقصد کی خاطر ہر قسم کی سفا کی، غارت گری، حیلہ بازی اور مکر و فریب کی اجازت دی گئی ہے۔ برصغیر، عراق، افغانستان، اور پاکستان کا ماضی قریب اور حال اس کا گواہ ہے۔

چنگیز خان کے مقابل حکمرانوں کو بھی یہ غلط فہمی ہوئی اور آج بھی بعض ذہنوں میں یہ خیال موجود ہے کہ وہ ایک محض اجڈ جنگجو تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ چنگیز خان جنگجو ہونے کے ساتھ انتہائی مکار اور عیار سیاست دان بھی تھا، اس کی سوچ کی کمند وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک اس کے متمدن ہم عصروں کی پروازِ فکر نہیں پہنچ سکتی تھی۔

اس کی کامیابیوں کا ایک اہم سبب دشمن کے بارے میں مکمل و تفصیلی معلومات کا قبل از وقت حصول تھا۔ ہمسایہ ملکوں کی آبادی، عسکری قوت، وہاں کے حکمرانوں کی خصوصیات و عادات، شہروں، جنگلوں، میدانوں، صحراؤں اور پہاڑوں کے مکمل نقشے، یہ سب کچھ دشمن پر حملے سے بہت پہلے سے اس کے علم میں لایا جاتا تھا۔ اس کے بعد دشمن پر حملے کا تفصیلی منصوبہ اس کے عیار ذہن میں پرورش پاتا۔

وہ اس بات کا بھی خیال رکھتا کہ یلغار سے قبل حملے کے جواز کی کوئی وجہ پیدا کر دی جائے۔ جو شخص ہیرلڈلیم کی

کتاب ''چنگیز خان'' کا بنظرِ غائر مطالعہ کرے گا وہ محسوس کرے گا کہ قرا ایت قوم کے سردار طغرل اونگ خان کے خلاف فوج کشی کے لیے وجہِ جواز کن باریک حیلوں سے پیدا کی گئی۔ ختائی صلح پسند بادشاہت کے خلاف محاذ کھولنے سے قبل کن مذموم چالوں سے جنگ کے شعلے بھڑکائے گئے۔ درحقیقت یہ حیلہ سازیاں اس قدر جامع منصوبے کے تحت تراشی گئی تھیں کہ صدیوں بعد آنے والے بعض مؤرخ ظاہری حالات پر نگاہ ڈال کر اس دھوکے کا شکار ہو گئے کہ حملہ آور ہونے میں چنگیز حق بجانب تھا۔ (۴۰)

تاتاری جس زمانے میں ختائی سلطنت کے ماتحت اور اس کی رعایا تھے ان دنوں چنگیز خان کے دستے شاہ ختا کی طلب پر چین کی اندرونی حدود میں جا کر شاہ کے باغیوں کی سرکوبی کیا کرتے تھے لیکن حقیقتاً وہ چنگیز خان کے حکم کے مطابق اس مملکت میں جاسوسی کر رہے تھے، اور آیندہ ضرورت کے لیے یہاں کی شاہراہوں، شہروں اور دیگر جغرافیائی حدود کا نقشہ تیار کرنے کے علاوہ ختا کی عسکری طاقت کی تمام جزئیات کا احاطہ کر رہے تھے۔ (۴۱)

مذکورہ نظائر اور قرائن کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ امکان خاصا وزنی ہو جاتا ہے کہ مملکتِ خوارزم کے ساتھ چنگیز خان کا تجارتی معاہدہ اقتصادی فوائد کے حصول کے علاوہ جاسوسی نظام تشکیل دینے کے لیے بھی ہو۔ دوسرے لفظوں میں اترار کے حاکم نے قراقرم سے آنے والے قافلے پر جاسوسی کا جو الزام لگایا تھا وہ بے بنیاد نہیں تھا۔

عالمِ اسلام پر حملے کے دوران چنگیز خان کی بالکل صحیح خطوط پر کامیاب پیش قدمی بھی خوارزم میں تاتاری جاسوسوں کی موجودگی کا احتمال پختہ کرتی ہے۔ اگر چنگیز خان کے جاسوس خوارزم میں موجود نہ ہوتے تو وہ خوارزم شاہ کے مخبروں کی نظروں سے بچ کر لاکھوں سپاہیوں کے ساتھ اچانک عقب سے کیسے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ لاکھوں افراد کی فوج کو اجنبی راستوں سے اس خوبی سے گزار دینا جاسوسی نظام سے حاصل شدہ تفصیلی معلومات کے بغیر کیسے ممکن ہے؟

مذکورہ پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دیگر ممالک کی طرح خوارزم میں بھی چنگیز خان کی فتوحات میں اس کے جاسوسی نظام کا بڑا ہاتھ تھا جسکی تشکیل کے لیے تجارتی تعلقات کو آڑ بنایا گیا تھا۔

چنگیزی کارندے سفیروں اور تاجروں کے روپ میں چین اور خوارزم سمیت کئی ہمسایہ ملکوں میں سرگرم عمل رہے تھے۔ وہ مقامی باشندوں میں سے تلاش کر کے اپنے مطلب کے لوگ تیار کرتے رہے، انہیں مال و زر کا لالچ دے کر اپنے مخصوص مفادات کے لیے استعمال کرتے رہے، ان میں سے بعض تاتاریوں کے لیے جاسوسی کرنے لگے، بعض افواہیں پھیلاتے رہے، بعض اپنی حماقت یا لاعلمی کی بناء پر تاتاریوں کے مقاصد کے لیے استعمال ہونے لگے، بعض امراء اور سردار شاہی خاندان سے سیاسی عناد کی وجہ سے خود کو تاتاریوں کے مفادات سے وابستہ کرتے چلے گئے۔ ضرورت پڑنے پر ایسے لوگ دربارِ قراقرم کے لیے ہر طرح کے کام انجام دیتے رہے، اس قسم کے لوگ زمانۂ جنگ میں تاتاریوں کے لیے نہایت کارآمد ثابت ہوتے رہے۔ وقت پڑنے پر یہ لوگ تاتاری فوج کے لیے شہر کے دروازے تک کھلوا دیتے تھے۔ یہ گمان کرنا درست نہیں ہوگا کہ یہ زرخرید لوگ بس ایک دن میں دشمن کے جال میں آجاتے ہوں گے۔ نہیں، بلکہ بہت پہلے ان سے رابطے قائم کر لیے جاتے ہوں گے، ان کاموں کے لیے ایسے طبقات کے لوگ خاص طور پر مفید ثابت ہو سکتے تھے جو کسی وجہ سے اپنی حکومت سے متنفر ہوں۔

خوارزم میں مسلمانوں سے غداری کرنے والوں میں سے کچھ لوگ تو اس خام خیالی میں مبتلا ہو کر تاتاریوں کے

ہاتھوں بکے تھے کہ تاتاریوں کا حملہ صرف خوارزم شاہ کو سزا دینے کے لیے ہے اور فتح کے بعد تاتاری یہاں کی حکومت ہمیں عطا کر دیں گے...... مگر بعض ایسے لوگ بھی تاتاریوں کے ہمنوا بن گئے تھے جو بخوبی جانتے تھے کہ تاتاری حملہ مسلمانوں کی اجتماعی نسل کشی اور شجر اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہے مگر وہ ہوس مال و جاہ کے عام فتنے میں مبتلا تھے، دنیا کی محبت نے انہیں اندھا کر دیا تھا، ان لوگوں نے ضمیر فروشی کی منہ مانگی قیمت وصول کر لی تھی، اس لیے اپنے مسلمان بھائیوں کی تباہی میں حصہ دار بننے پر انہیں اپنے ضمیر کی ملامت کی کوئی پروا نہ تھی۔ یہ لوگ برائے نام مسلمان تھے اور حقیقتاً اہل اسلام کے لیے کفار سے زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے تھے۔

شیعہ اور باطنی فرقے کی غداریاں..... غدارانِ ملت میں شیعہ اور باطنیہ فرقے کے افراد بڑی سرگرمی کے ساتھ شامل رہے، ہر موقع پر تاتاریوں نے ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا۔ باطنیہ فرقے کے غدار عام مسلمانوں کے روپ میں کاشتکاری سے لے کر حکومتی عہدوں تک کے ہر شعبۂ زندگی میں موجود تھے اور خوارزمی اقتدار کی بیخ کنی میں مصروف تھے۔ اس فرقے کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مختلف خوارزمی حکمران ان کے خلاف بھرپور کارروائیاں کرتے رہے تھے، مگر ان کی مکمل سرکوبی نہ ہو سکی، بلکہ خوارزم شاہی خانوادے سے ان کا بغض و عناد بڑھتا چلا گیا، اور انہوں نے اس سلطنت کے خلاف ہر بیرونی حملہ آور کے ہاتھ مضبوط کیے۔

تاتاریوں کے ہاتھوں عالم اسلام کی اس تباہی و بربادی میں شیعہ فرقے کی سازشوں کا دخل کس قدر تھا؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے اور بڑی تفتیش اور تحقیق کا تقاضا کرتا ہے۔

قارئین کو خلجان سے نکالنے کے لئے اتنا واضح کیے دیتا ہوں کہ تاتاریوں کی پہلی یلغار میں چنگیز خان کو عالم اسلام پر حملے کی دعوت دینے والے "خلیفۃ المسلمین" الناصر کا تعلق بھی اہل تشیع سے تھا۔ اس کے چالیس برس بعد جب ہلاکو خان کی قیادت میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا تو اس وقت بھی تاتاریوں کو حملے کی ترغیب دینے والے اور اس تباہی کی منصوبہ بندی کرنے والے دو مرکزی کردار "ابن علقمی" اور "نصیر الدین طوسی" متعصب شیعہ تھے۔

خلیفہ ناصر کے تشیع کا ثبوت..... شاید بعض قارئین کو اس پر تعجب ہو کہ عباسی خلیفہ کیسے شیعہ ہو سکتا ہے جبکہ اس کے آباؤ اجداد اور آل اولاد سب اہل سنت تھے۔ مگر سچ اپنی جگہ سچ ہے، چاہے کتنا ہی عجیب معلوم ہو۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں جلد ۷ ص ۱۲۷ پر اختصار کے ساتھ اور ابن شہاب حنبلی نے "کتاب الذیل علی طبقات الحنابلہ" میں خاصی وضاحت کے ساتھ خلیفہ ناصر کے شیعہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ (۴۳)

حواشی وحوالہ جات

① روضۃ ج ۵ ص ۲۵ ..... نفحات الانس ص ۶۶۳

② جہاں کشا ج ۲ ص ۷۸

③ تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔

یاد رہے کہ سلطان علاؤ الدین محمد کی فوج کی تعداد کے بارے میں تاجر کا یہ بیان خاصا مبالغہ آمیز ہے کیوں کہ چھ لاکھ سپاہی اور مزید اتنے ہی افراد بارہ لاکھ بنیں گے، اتنے بڑے لشکر کا ہونا بعید از قیاس ہے۔ یہاں راوی سے کھلا تسامح ہوا ہے۔ دیگر روایات سے پتا چلتا ہے کہ افواج کے اجتماع کے وقت چھ سو پرچم ہوتے تھے، ہر پرچم تلے ایک ہزار سپاہیوں کا دستہ ہوتا تھا۔ اس طرح فوج کے کل افراد چھ لاکھ تھے۔ خوارزم شاہ کے فوجی سالاروں کے بیان کے مطابق ان میں سے باقاعدہ پیشہ ور سپاہی تین لاکھ تھے ..... دیکھیئے، تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔ باقی قبائلی جنگجو تھے جنہیں بوقتِ ضرورت طلب کیا جاتا تھا۔ النسوی کا بیان ہے کہ پیشہ ور گھڑ سوار سپاہیوں کی تعداد چار لاکھ کے لگ بھگ تھی۔ ''واشتملت جریدۃ دیوان الجیش علٰی مایقارب اربعمائۃ فارس۔ (سیرۃ جلال الدین ص ۴۹ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۵۰) گویا بے ضابطہ لڑنے والے کم وبیش دو لاکھ تھے۔

④ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۴۹ ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۵۸ ..... تاریخ الاسلام کبیر للذہبی۔ طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۴ھ ..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۷ ..... مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اور میر خواند کے مطابق خوارزم شاہ نے شیخ سے بے مروتی کا برتاؤ کیا اور ان کے سلام کا جواب تک نہ دیا۔ دیکھیے، البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۸۳ اور روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۲۔

⑤ تاریخ اسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، سن ۶۱۴ھ   ⑥ بحوالہ بالا

⑦ جلال الدین حسن بن صباح کے جانشینوں میں واحد شخص تھا جس نے اپنے بڑوں کے عقائد سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تھا۔ اس کے دور میں فدائی ذرا ٹھنڈے پڑ گئے مگر انہوں نے اپنے نئے پیشوا کی تعلیمات کو دل سے قبول نہ کیا۔ چنانچہ اس کے بعد آنے والے الموت کے حاکم حسب سابق کافر ہی تھے۔ جلال الدین حسن کو عالم اسلام میں ''جلال الدین نومسلم'' کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا مگر بعض مؤرخین کے بقول اس کا اظہار اسلام سیاسی مصالح کی بناء پر تھا اسی لئے حافظ ذہبیؒ اسے ''ضلال الدین'' کا نام دیتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء وحاشیۃ ج ۲۲ ص ۱۹۸) اس کا ۶۱۸ھ میں انتقال ہوگیا تھا۔ اس کے بعد باطنیوں کا آخری پیشوا علاؤ الدین خورشاہ مسند نشین ہوا تھا۔ (حسن بن صباح ص ۶۸)

⑧ جہاں کشاج ۲ص ۱۲۰، ۱۲۱..... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۵۷، ۳۵۸

⑨ مرآۃ الزمان ج ۸ص ۵۹۸، تاریخ کبیر للذہبی وفیات، سن ۶۱۷ھ

اس واقعے کے ضمن میں ایک اور واقعہ بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا جس سے امور سلطنت میں شہزادہ جلال الدین کی اہمیت اور خوارزم کے خبر رساں اداروں کی فعالی کا پتا چلتا ہے۔ ہوا یہ کہ خوارزم شاہ تو اس وقت فوری طور پر بخارا چلا گیا تاہم شہزادہ جلال الدین کو سرحدی حالات کی دیکھ بھال کے لیے ہمدان میں ٹھہرنا پڑا۔ انہی دنوں شام ومصر کے بادشاہ الملک العادل کے دو سفیر خوارزم شاہ سے ملنے ہمدان آئے، خوارزم شاہ نے اپنی سفارت الملک العادل کے ہاں بھیجی تھی، یہ سفیر اس کا جواب لے کر آئے تھے، جب انہیں معلوم ہوا کہ خوارزم شاہ یہاں سے جا چکا ہے، تو انہوں نے متبادل طور پر شہزادہ جلال الدین سے ملاقات کی۔ جلال الدین نے انہیں یہ بتا کر حیرت زدہ کر دیا کہ آپ کے آقا الملک العادل، جن کا پیغام لے آپ آئے ہیں، وفات پا گئے ہیں۔ سفیروں کو یہ بات معلوم نہیں ہوئی تھی مگر خوارزمی خبر رسانوں نے راتوں رات شہزادے کو مطلع کر دیا تھا۔ (تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۵ھ)

⑩ جہاں کشاج ۲ص ۱۲۱

⑪ روضۃ الصفاج ۴ص ۸۲۲..... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۰

⑫ ابن اثیر ج ۷ص ۵۴۴..... سیرۃ سلطان جلال الدین منکبر تی ص ۶۴..... صاحب روضۃ الصفا نے اس موقع پر خوارزمی دربار کے شاعر کمال الدین اسماعیل کا ایک شعر نقل کیا ہے جو اس واقعے کی خوب منظر کشی کرتا ہے۔

مانند پنبہ دانہ کہ در پنبہ دانہ است　　اجرام کوہہاست نہاں درمیان برف

⑬ تاریخ اسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۴ھ)

⑭ بحوالہ تاریخ اسلام اکبر شاہ نجیب آبادی ج ۳

⑮ مختصر المعانی کے متن تلخیص المفتاح کا ماخذ مفتاح العلوم انہی کی تصنیف ہے۔

⑯ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبر تی ص ۲۵۳..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۸

⑰ تاریخ گزیدہ ص ۵۰۰..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۷۹

⑱ ابن خلدون ج ۵ص ۱۰۸

⑲ چنگیز خان باب ۱۱ص ۹۰

⑳ ابن خلدون ج ۵ص ۱۰۹..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ص ۲۳۳

㉑ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبر تی ص ۸۳..... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۰

㉒ ابن خلدون ج ۵ص ۱۰۹

㉓ ابن خلدون ج ۵ص ۱۰۹..... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۰

㉔ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبر تی ص ۸۳..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۹۶

㉕ روضۃ الصفاج ۵ص ۲۴..... شذرات الذہب ج ۵ص ۶۱..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ص ۲۳۳

㉖ طبقاتِ ناصری ج ا۔ص ۳۶۷۔طبقہ ۱۶

㉗ روضۃ الصفاج ۵ص ۲۵

㉘ روضۃ الصفاج ۵ص ۲۵

㉙ ابن اثیر ج ۷ص ۵۸۳

㉚ روضۃ الصفا، ج ۵ص ۲۵

㉛ جہاں کشا جوینی، ج اص ۵۹، ۶۰

㉜ طبقاتِ ناصری ج اص ۳۶۷

㉝ اس کا نام ''اینال جق'' یا ''اینال حق'' اور لقب ''غائر خان'' تھا۔

㉞ جہاں کشا ج اص ۶۰

㉟ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۶......ابن خلدون ج ۵ص ۱۰۹

㊱ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۶......روضۃ الصفاج ۴ص ۸۲۳......طبقاتِ ناصری ج اص ۳۶۷

یاد رہے کہ جہاں کشا اور روضۃ الصفا کی روایات کے مطابق تاجروں کے قتل کی سزا خوارزم شاہ نے خود تجویز کی تھی لیکن نقلاً اور درایۃً یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حاکمِ اترار نے اپنی رائے سے یہ کارروائی کی تھی ورنہ چنگیز خان بدلے میں اس کی حوالگی کا ذکر کیے بغیر براہِ راست خوارزم شاہ سے اعلانِ جنگ کرتا۔ یہاں النسوی کا بیان بھی ہماری تائید کرتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ خوارزم شاہ نے احتیاط سے کام لیتے ہوئے ینال خان کو حکم دیا تھا کہ وہ تاجروں کو تاحکمِ ثانی حراست میں رکھے تا کہ اس مسئلے پر غور کیا جاسکے، ینال خان نے انہیں گرفتار کرلیا۔ آگے النسوی کہتا ہے کہ اس کے بعد تاجروں کے بارے میں مزید کوئی خبر نہ ملی کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

اس روایت کا اکثر حصہ تو ہمارے موقف کی تائید کرتا ہے، جہاں تک اس روایت کے آخری حصے یعنی تاجروں کے انجام سے مؤلف کی لاعلمی کا ذکر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ النسوی جیسے شخص کو اس قدر مشہور واقعے کی اتنی اہم کڑی کا سرے سے کچھ پتا نہ ہو۔ اس سے یہی مراد لینا پڑے گی کہ تاجروں کے قتل کا معاملہ اتنا الجھ گیا تھا کہ النسوی کو اس کی ذمہ داری کسی خاص شخص پر ڈالنا خلافِ احتیاط لگا۔ اس لیے انہوں نے لاعلمی ظاہر کرنا بہتر سمجھا۔

㊲ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی ص ۸۷...... ابن اثیر جلد ۷ص ۵۷۳...... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۱......شذرات الذہب ج ۵ص ۶۱......تاریخ خوارزم شاہی ص ۹۸

㊳ ابن اثیر ج ۷ص ۵۷۴

㊴ العبر ج ۳ص ۱۶۵

㊵ جیسے مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی مرحوم

㊶ ملاحظہ ہو ''چنگیز خان'' ہیرلڈ لیم۔ آٹھواں باب ص ۶۶

㊷ ابن شہاب حنبلی نے تفصیلاً بیان کیا ہے کہ ''خلیفہ ناصر اور اس کے بعض وزراء شیعہ تھے اور خلیفہ نے مشہور محدث

اور مؤرخ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کو عقایدِ اہل سنت والجماعت کے اظہار اور شیعہ نظریات کی تردید کے جرم میں بغداد سے جلاوطن کر کے واسط بھیج دیا تھا جہاں وہ پانچ سال تک ایذائیں برداشت کرتے رہے، اس وقت ابن جوزی رحمہ اللہ کی عمر اسّی سال سے متجاوز تھی۔''

ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ نے شذرات الذہب ج ۵ ص ۹۸ پر تحریر کیا ہے کہ خلیفہ ناصر نے اپنے آباء واجداد کے برخلاف شیعہ مذہب اختیار کر لیا تھا اور امامیہ فرقے کی طرف مائل تھا۔ اس کا تعصب اس حد تک تھا کہ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ (کو زیرِ عتاب لانے کے لئے ان) سے سوال کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے افضل شخص کون ہیں؟ علامہ جوزی رحمہ اللہ خلیفہ ناصر کے یقینی عتاب کے خوف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام نہ لے سکے بلکہ کنایہ میں جواب دیتے ہوئے گویا ہوئے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل وہ شخص ہیں کہ ان کی بیٹی اُن کے نکاح میں تھی۔''

اس سلسلے میں وہ خط بھی قابلِ ذکر ہے جو ناصر نے سلطان صلاح الدین کے بیٹے الملک الافضل علی کے خط کے جواب میں لکھا تھا۔ الملک الافضل علی اہل سنت سے منحرف ہو کر شیعہ ہو گیا تھا، اس نے خط میں خلفائے ثلاثہ کی منظوم ہجو کی تھی۔ اس طرح وہ خلیفہ کا منظورِ نظر بن کر اپنے چچا الملک العادل اور اپنے بھائیوں سے حکومت چھینا چاہتا تھا۔ خلیفہ کا جوابی مراسلہ بھی منظوم تبرابازی پر مشتمل تھا۔

لملک الافضل علی کے تبرابازی پر مشتمل اشعار یہ ہیں:

مَـولا یَ اِنّ اَبَـابَـکْـرٍ وَ صَـاحِـبَـهُ عُثْمَانَ قَدْ غَصَبَابِالسَّیفِ حَقَّ عَلِيٍّ

اے میرے آقا! بلاشبہ ابوبکر اور اس کے ساتھی عثمان نے بزورِ شمشیر علی کا (یعنی میرا) حق غصب کیا ہے۔

وَهُـوَالَّـذِیْ کَـانَ قَـدْ وَلَّاهُ وَالِـدُهُ عَـلَیْهِـمَـا فَـاسْتَـقَامَ الْاَمْرُحِینَ وَلِي

حالانکہ اسی (علی) کو اس کے باپ نے ان دونوں (ابوبکر وعثمان) پر حاکم بنایا تھا۔ تو جب علی حاکم تھا تو حالات درست تھے۔

فَـخَـالَـفَـاهُ وَ حَلَّا عَـقْـدَ بَیْـعَتِـهٖ وَالْاَمْـرُ بَیْـنَـهُـمَـا وَالـنَّصُّ فِیْـهِ جَلِي

(پھر ابوبکر وعثمان نے اس (علی) کی مخالفت کی اور اس کی بیعت توڑ دی اور یہ ان دونوں کا گٹھ جوڑ تھا حالانکہ اس مسئلے میں واضح نص موجود ہے۔)

فَـانْظُرْ اِلٰی حَظِّ هٰذَا الْاِسْمِ کَیْفَ لَقِي مِنَ الْاَوَاخِرِ مَا لَاقٰی مِنَ الْاُوَلِ

پس ذرا اس (ابوبکر وعثمان کے) نام کا اثر دیکھ لیجئے کہ بعد میں آنے والوں (یعنی الملک العادل ابوبکر اور الملک العزیز عثمان) پر بھی وہی اثرات طاری ہوئے جو پہلوں (حضرت ابوصدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) پر طاری ہوئے تھے (یعنی جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا تھا اسی طرح ملک العادل ابوبکر اور ملک العزیز عثمان نے علی کا یعنی میرا حق غصب کر لیا ہے۔) نعوذ باللہ من ذالک

خلیفہ ناصر نے الملک الافضل کے خط کے جواب میں یہ اشعار لکھے:

وَافٰی کِتَابُکَ یَا ابْنَ یُوْسُفَ مُعْلِنًا　　بِالصِّدْقِ یُخْبِرُ اَنَّ اَصْلَکَ طَاهِرُ

اے صلاح الدین یوسف کے بیٹے! تیرا خط سچ کا اظہار کرتے ہوئے آ پہنچا، وہ خبر دے رہا تھا کہ تو پاکیزہ نسب والا ہے۔

غَصَبُوْا عَلِیًّا حَقَّهٗ اَنْ لَّمْ یَکُنْ　　بَعْدَ النَّبِیِّ لَهٗ بِیَثْرِبَ نَاصِرُ

ان لوگوں (حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق غصب کیا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی کا یثرب (مدینہ) میں کوئی مدد گار نہ رہا تھا۔

فَاصْبِرْ فَاِنَّ غَدًا عَلَیْهِ حِسَابُهُمْ　　وَاَبْشِرْ فَنَاصِرُکَ الْاِمَامُ النَّاصِرُ

پس تو صبر کر کہ کل (قیامت کو) ان (خلفائے ثلاثہ) سے حساب لینا اس (علی) کے ذمہ ہوگا اور تو خوشخبری لے کہ خلیفہ ناصر تیرا مددگار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

الملک الافضل اور خلیفہ کی اس مکاتبت کا ذکر مندرجہ ذیل کتب میں دیکھا جاسکتا ہے:

- ......وفیات الاعیان باب الافضل علی ج ۳ ص ۴۲۰
- ......النجوم العوالی فی انباء الاوائل، باب الملک العزیز عثمان ج ۲ ص ۲۸۸
- ......الوافی بالوفیات، باب الافضل علی ج ۷ ص ۱۰۹
- ......نہایۃ الارب ج ۸ ص ۷۳
- ......تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۲ھ حرف عین
- ......تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۷
- ......البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۷

خلیفہ ناصر کی تعمیر کردہ عمارات بھی اس کے رافضی ہونے کی گواہ ہیں۔ دانش گاہ، پنجاب لاہور کی شائع کردہ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں اس کے حالات کے تحت تحریر ہے:

''ان عمارتوں میں سے جن کی تعمیر کتبوں کی رو سے الناصر کی طرف منسوب ہے بغداد کا طلسمی دروازہ (۶۱۸ھ/۱۲۲۲ء) اور سامرا کا ''مأمن غَیبَہ المہدی'' ہیں۔ یہ دونوں عمارتیں دلچسپ اور اس کی سیاسی اغراض کی آئینہ دار ہیں۔ آخری عمارت تو صاف طور پر ایک شیعی مقدس مقام ہے (کیونکہ شیعوں کے نزدیک امام غائب وہیں پوشیدہ ہے) جس سے اس کے شیعی رجحانات مترشح ہوتے ہیں۔''

سنہ 616ھ۔ چنگیز خان کا عالم اسلام پر حملہ

سرخ تیر (چنگیز خان کی یلغار)
نیلا تیر (جوجی خان کی یلغار)
سبز تیر (علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی پیش قدمی)
(جوجی خان اور خوارزم شاہ کے درمیان معرکہ۔)

سیبیریا
صحرائے گوبی
جھیل بیکال
منچوریا
منگولیا
قراقرم
پیکنگ
دیوار چین
سلطنت چنگیز خان
جھیل بالکش
دریائے جیحون
اورگنج
خوارزم
تبت
الہند
آسام
بحر الیابان
بحر الصین الشرقی

چنگیز خان کا عالمِ اسلام پر حملہ

اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز　　کرتی ہے ملوکیت آثارِ جنوں پیدا

چنگیز خان کی آتشِ غضب..... قاصد کے قتل کے بعد تاتاری وفد کے دیگر ارکان خراشیدہ چہروں کے ساتھ صحرائے گوبی واپس پہنچے۔ چنگیز خان نے انہیں اس حال میں دیکھا تو غم و غصے سے کانپنے لگا ①، اپنے سفیر کے قتل کی خبر سن کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اس کا وجود سراپا انتقام بن گیا، اس آبرو شکن سلوک پر طیش سے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ وہ اس پہاڑی پر چڑھ گیا جسے وہ ''تینگری'' کا مرکز تصور کرتا تھا۔ یہاں وہ برہنہ سر ہو کر اپنے مفروضہ معبود کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا۔ تین دن رات اسی طرح گزارے۔ ② آخر اس نے اعلان کیا:

''جس طرح آسمان پر دو سورج نہیں چمک سکتے، اسی طرح زمین میں بھی دو شہنشاہ نہیں ہوں گے۔'' ③

اس کے بعد اس نے برق رفتار قاصد بھیج کر خوارزم شاہ کو ان الفاظ میں اعلانِ جنگ سنایا:

''تو نے جنگ پسند کی ہے، اب جو ہوگا سو ہوگا.....اور کیا ہوگا؟ ہمیں معلوم نہیں، صرف خدا کو معلوم ہے۔'' ④

ایشیائے بلند کی وسعتوں میں بکھرا ہوا تاتاریوں کا ٹڈی دل لشکر چنگیز خان کا حکم ملتے ہی صحرائے گوبی کے جنوب مغربی حصے میں جمع ہونے لگا۔ دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک بڑا دستہ ''تومان'' کہلاتا تھا۔ ایسے بیسیوں تومان یہاں جمع ہو کر کوچ کی تیاریاں کرنے لگے، لشکر کے ہزار ہزار سپاہی ایک ایک جھنڈے تلے جمع ہو رہے تھے، جب پورا لشکر جمع ہوگیا تو جھنڈوں کی تعداد سات سو ہو چکی تھی ⑤ گویا لشکر کے افراد کی تعداد سات سے لاکھ سے کم نہیں تھی۔ بعض مؤرخین نے تعداد آٹھ لاکھ تک بیان کی ہے، جس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ راستے کے قبائل کے شامل ہو جانے سے آگے چل کر تعداد بڑھ گئی ہو۔

تاتاری لشکر کی صحیح تعداد..... روضۃ الصفا کی روایت ہے: ''تولی خان کے پاس مرو پر حملے کے وقت اَسّی ہزار سپاہی تھے جو کل لشکر کا عشر (دسواں حصہ) تھے۔''

یعنی لشکر کے کل سپاہی آٹھ لاکھ تھے۔ حافظ ابن کثیر کا بھی یہی قول ہے، فرماتے ہیں: ''حتی صار یرکب فی نحو ثمان مائۃ الف مقاتل'' یعنی چنگیز خان کی رکاب میں آٹھ لاکھ کے لگ بھگ سپاہی تھے۔ صرف طبقاتِ ناصری کی روایت کے مطابق لشکر میں سپاہیوں کی تعداد سات لاکھ تھی۔ ⑥ بہر کیف اس دور کے مؤرخین نے تاتاری لشکر کی تعداد کسی طرح بھی سات لاکھ سے کم نہیں بتائی، اور عقلاً و نقلاً یہی درست ہے۔

یورپی مؤرخ کی غلطی..... اس دور کے مؤرخین ان بیانات کی موجودگی میں جب ہم گزشتہ صدی کے امریکی مستشرق ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان دیکھتے ہیں کہ خوارزم پر حملے میں تاتاری فوج اڑھائی لاکھ افراد پر مشتمل تھی، تو اس جہالت پر

حیرت ہوتی ہے سے۔ خلافِ نقل ہونے کے علاوہ عقل بھی اس کو تسلیم نہیں کرتی، اس لیے کہ خوارزم پر حملے سے چند سال پہلے ختا پر حملہ کرتے وقت چنگیزی لشکر میں (خود ہیرلڈ لیمب کے بیان کے مطابق بھی) ساڑھے تین لاکھ کے لگ بھگ سپاہی تھے، جبکہ ختا صحرائے گوبی سے اتنا قریب تھا کہ کمک بھی حاصل ہوسکتی تھی۔ اس کے بالمقابل عالم اسلام کی سرحد تین ہزار کلومیٹر دور تھی۔ جہاں کمک پہنچنے کا کوئی احتمال نہ تھا۔ نیز راستے کے خطرات، موسم کی طوفان خیزی اور خوارزم کی تین لاکھ با قاعدہ فوج کے علاوہ افغان وایرانی قبائل کی کمک کے امکانات چنگیز خان کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہوں گے۔ ان حالات میں صرف اڑھائی لاکھ سپاہی ساتھ لے کر چلنا تو خود موت کے منہ میں جانے کے مترادف تھا اور ظاہر ہے چنگیز خان ایسی حماقت نہیں کرسکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس یلغار میں تاتاری لشکر میں اضافہ اس لیے بھی یقینی ہے کہ ختا اور دیگر نئے مقبوضات کے تمام شہزادوں اور سرداروں کے علاوہ منجنیقوں اور آتشیں اسلحہ کے چینی ماہرین کو بھی اس لشکر میں شامل کرلیا گیا تھا۔ ⑦

یلغار کا آغاز..... موسم خزاں (رجب ۶۱۶ھ/ستمبر ۱۲۱۹ء) میں اس سیلابِ بلاخیز نے صحرائے گوبی سے نکل کر جھیلِ بیکال کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف سفر شروع کیا۔ یہاں سے خوارزم کی سرحد تین ماہ کی مسافت پر تھی اور یہ سارا راستہ مکمل طور پر غیر آباد تھا۔ ⑧

جاڑا شروع ہوتے ہی زور وشور سے برف باری ہونے لگی۔ موسم اس قدر خطرناک تھا کہ اگر پہلے سے مکمل انتظامات نہ ہوتے تو شاید سارا لشکر انہی طوفانوں کی نذر ہو جاتا، مگر تاتاریوں کا قائد اس قسم کی ناگہانی آفتوں کا بندوبست کر کے چلا تھا۔ اس کی منصوبہ سازی کی بدولت یہ سخت جان لوگ ان ناقابلِ عبور برف پوش پہاڑوں، گھاٹیوں، یخ بستہ ندی نالوں اور جھیلوں سے صحیح وسالم گزر گئے جن کو عبور کرنا کسی عام فوج کے لیے ناممکن تھا۔ خوراک و رسد کے لیے مویشیوں کے بے شمار ریوڑ ساتھ لے لیے گئے تھے جنہیں لشکر کے آگے آگے ہنکایا جارہا تھا نیز ہر دس افراد کے لیے تین بکریوں کا خشک گوشت ایک آہنی برتن میں ہر وقت محفوظ رکھا جاتا۔ گھوڑوں کے غول تھے جو تیز رفتار پیش قدمی میں کارآمد تھے۔ ایک ایک سپاہی کئی کئی گھوڑے ساتھ لیے ہوئے تھا اور انہیں بار بار تبدیل کرتا رہتا تھا ⑨ ان کے ساتھ راہبر، مترجم، طبیب، اسلحہ ساز، تاجروں کا روپ دھارے ہوئے جاسوس حتیٰ کہ مفتوحہ شہروں کا انتظام سنبھالنے کے لیے پڑھے لکھے افراد بھی تھے۔ چنگیز خان موقع محل پر ان سب سے کام لینے والا تھا۔ سپاہیوں کی ذاتی خدمت کے لیے ان کی عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ جہاں یہ لشکر پڑاؤ ڈالتا وہاں خیموں کا شہر آباد ہوجاتا۔ ان ویرانوں میں خوراک کے ذرائع فقط زمین کی نباتات، شکار اور ساتھ لیے ہوئے مویشی ہی تھے۔ جوں جوں دن گزرتے گئے سردی اور برف باری سخت تر ہوتی گئی۔ ہر طرف برف کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ تاتاری برف کی چٹانیں کاٹ کاٹ کر راستہ بناتے رہے۔ خوراک کی قلت کے باعث بعض اوقات یہ جنگجو اپنے گھوڑوں کی رگیں کاٹ کر خون چوس لیتے اور پھر رگوں کو ٹانکے لگادیتے۔

یہ لشکر کوئی ڈیڑھ سو میل کی چوڑائی میں پھیلا ہوا تھا، مگر اس کے باوجود نہایت نظم وضبط سے نقل وحرکت کررہا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار کلومیٹر کی مسافت طے کرنے کے بعد لشکر اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے کچھ دور جنوب کی سمت وہ قدیم قدرتی راستہ واقع تھا جو صدیوں سے وسط ایشیا اور چین کے مابین آمد ورفت کے لیے استعمال ہورہا تھا۔ یہ راستہ شمالی

شاہراہ یا شاہراہ پیلو کہلاتا تھا۔ (10)

جوجی کی پیش قدمی ..... چنگیز خان نے کئی مصلحتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہاں لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے جوجی کو بیس ہزار سپاہی دیتے ہوئے اسے اس قدیم راستے پر روانہ کر دیا جو خوارزم کی شمال مشرقی سرحد کو جا رہا تھا (11) چنگیز خان کا اندازہ تھا کہ خوارزم شاہ اسی سمت سے حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہوگا اور اپنا لشکر لے کر اسی جانب پیش قدمی کرے گا لہٰذا مملکت کا وسطی حصہ اور پہلو خالی ہوں گے۔ چنگیز خان نے جوجی کو ہدایت کی کہ وہ خوارزم شاہ کی اس غلط فہمی کو پختہ کرنے کے لیے تیزی سے اس کی شمال مشرقی سرحد پر جا پہنچے اور اسے اس محاذ پر مصروف رکھے۔ اس مدت میں چنگیز خان غیر متوقع راستے سے ہوتے ہوئے بخارا کا محاصرہ کرنا چاہتا تھا۔

جوجی کو اس سمت روانہ کرنے کا ایک اور مقصد بھی تھا۔ اس قدیم شاہراہ کے آس پاس توق تغان نامی ایک قبائلی سردار نے ایک مدت سے تاتاری سپاہیوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ چنگیز خان چاہتا تھا کہ وہ خوارزم شاہ سے محاذ آرائی سے پہلے پہلے اس فتنے کا قلع قمع کر دے۔

جوجی جنوب کی طرف مڑ کر سات ہزار فٹ بلند درّوں سے گزرنے کے بعد وسط ایشیا کو جانے والے قدرتی راستے تک پہنچ گیا۔ کوہ طیان شیان سے گزرنے والے اس راستے پر وہ تیزی سے خوارزمی سرحد کی طرف بڑھتا گیا۔ یہ راستہ شجر پوش وادیوں کی ایک طویل قطار کے درمیان بل کھاتا ہوا دریائے سیحوں کی طرف جاتا تھا۔ (12)

قارئین کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصے قبل چنگیز خان نے جبی نویان کو ایک لشکر دے کر چینی ترکستان کے حاکم کشلوک خان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تھا (13) جبی نویان اس مہم کو انجام دے کر وہیں ٹھہر گیا تھا۔ جب جوجی کوہ طیان شیان کے پار پہنچا تو ان دنوں جبی نویان کا لشکر بھی اسی طرف رکا ہوا تھا۔ چنگیز خان جبی نویان کو بھی خوارزم پر حملے میں شرکت کا حکم دے چکا تھا۔ جوجی کے بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جبی نویان کی فوج کی شمولیت سے خوارزم کی مشرقی اور شمال مشرقی سرحدوں کو پامال کرنے کے لیے ایک بڑی طاقتور اور سریع الحرکت فوج وجود میں آ گئی تھی۔

خوارزم شاہ کی مشاورت ..... چنگیز خان کے قاصد کو قتل کرنے کے بعد خوارزم شاہ کو یقین تھا کہ جنگ ضرور ہوگی، اس لیے وہ شمال مشرقی سرحدوں کی طرف اپنے جاسوس روانہ کر چکا تھا۔ یہ جاسوس تاتاری لشکر کے راستے میں واقع کوہستان کو عبور کر کے اس عظیم فوج کی ہوشربا کثرت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر خوارزم شاہ کے پاس آ پہنچے اور اپنا مشاہدہ اس کے سامنے بیان کیا۔ خوارزم شاہ نے فکر مند ہو کر اپنے معتمد رکن فاضل شہاب الدین خیوقی سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا:

> ''آپ کی افواج بھی بکثرت ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ہم اردگرد کے قبائل سے نئی فوجیں بھرتی کر لیں گے، اس کے لیے نفیر عام کر دیا جائے تا کہ تمام مسلمانوں پر جان و مال کے ساتھ آپ کی امداد و نصرت ضروری ہو جائے۔ بعد ازاں ہمیں اپنی تمام افواج کے ساتھ دریائے سیحوں عبور کر کے دشمن کے راستے میں اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ جب تھکے ہارے تاتاری طویل مسافت طے کر کے وہاں پہنچیں گے تو ہمارے تازہ دم سپاہی ان سے نمٹ لیں گے۔''

خوارزم شاہ کو یہ سیدھا سادا مشورہ بہت پسند آیا، مگر اس نے اس پر عمل سے پہلے امرائے سلطنت کی مجلسِ مشاورت طلب کر کے ان کی رائے معلوم کی۔ پختہ کار سالارانِ فوج نے فوج کو سرحد پر جمع کرنے کو تو پسند کیا مگر دریا

عبور کرنے کی مخالفت کی۔ان کا یہ خیال تھا کہ جب تک یقینی طور پر تاتاری لشکر کی نقل وحرکت کا پورا رُخ سامنے نہ آجائے فقط اپنے اندازے پر ساری قوت ایک طرف جھونک دینا دور اندیشی نہیں ہوگی۔خاص طور پر دریا کے پار پہاڑی علاقے میں ہماری فوج ہر لحظہ تاتاری تیراندازوں کی زد میں رہے گی اور میدان کی تنگی کے باعث کھل کر نہیں لڑسکے گی۔اس کے علاوہ ان گھاٹیوں میں دشمن کے گھیرے میں آجانے کا خطرہ بھی موجود ہے۔ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے تجربہ کار امرائے لشکر نے دریائے سیحون عبور کرنے کی حکمت عملی کو نقصان دہ قرار دیا اور خوارزم شاہ سے عرض کی:

''جہاں پناہ! ہماری رائے یہ ہے کہ ہم دشمن کو کہسار اور تنگ گھاٹیاں عبور کرکے دریائے سیحون کے پار آنے کا موقع دیں۔یہ علاقے ہمارے دیکھے بھالے ہیں اور وہ ان سے ناواقف ہیں۔یہاں ہم ان پر غالب رہیں گے اور ان میں سے کسی فرد کو بچ نکلنے کا موقع نہیں دیں گے۔''[۱۴]

سرداران فوج کی رائے واقعی بڑی اہمیت رکھتی تھی،مگر افسوس کہ خوارزم شاہ اس سے متفق نہ ہوا۔اس کے نزدیک ان خانہ بدوش لٹیروں کو مرعوب کرنے کا بہترین طریقہ یہی تھا کہ خود آگے بڑھ کر حملہ کردیا جائے۔

درحقیقت منگولیا سے اُٹھنے والے تاتاری طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے مستحکم اور جامع حکمت عملی اپنانے کی ضرورت تھی،مگر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے کماحقہ دوراندیشی سے کام نہ لیا۔وہ اپنی تین لاکھ فوج کو ہر خطرے کے لیے ناقابل تسخیر حصار تصور کررہا تھا۔اس نے گہری منصوبہ بندی کی جگہ چند عارضی انتظامات ضرور کیے جو بے فائدہ بلکہ مضر ثابت ہوئے:

1. عسکری ضروریات کے لیے اپنی رعایا سے دوسال کا ٹیکس اور خراج پیشگی وصول کرلیا۔
2. سمرقند کے گرد ۳۶ میل طویل ایک نہایت عظیم الشان نئی فصیل تیار کرنے کا حکم دے دیا،منصوبہ یہ تھا کہ ضرورت پڑی تو اس مقام پر افواج جمع کرکے تاتاریوں سے لمبی مدت تک مدافعانہ جنگ لڑی جائے گی حتیٰ کہ دشمن تھک کر پسپا ہوجائے گا۔

مذکورہ دونوں اقدامات کچھ مفید ثابت نہیں ہوئے،دوسال کے پیشگی ٹیکس کی وجہ سے رعایا کو اس سال (سن ۶۱۶ھ میں) یک مشت تین سال کے محصولات ادا کرنے پڑے تو لوگوں کا دیوالیہ نکلنے لگا اور حکومت قومی دفاع کی مہم میں رعایا کی بھرپور حمایت حاصل نہ کرسکی۔دوسرا اقدام یعنی فصیل کی تعمیر جس پر پورے ایک سال کے محصولات صرف ہوگئے اس لیے بے سود رہا کہ اس کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ہی جنگ شروع ہوگئی۔

ان اقدامات کے علاوہ شاہ نے ایرانی اور خراسانی قبائل سے مزید افراد فوج میں بھرتی کرنے کا حکم بھی دے دیا تھا۔[۱۵] سرحد کے قریب واقع غیر مستحکم دفاع والے شہروں کی آبادی کو وہ اس سے پہلے ہی احتیاطاً وہاں سے دوسرے شہروں میں منتقل کرواچکا تھا۔[۱۶]

خوارزمی لشکر کی سرحد کی جانب روانگی..... چند ہفتوں کی تیاری کے بعد خوارزم شاہ چار لاکھ سپاہیوں کا جم غفیر لے کر شمال مشرقی سرحدوں کی طرف روانہ ہوا[۱۷] اور کوچ وقیام کرتا ہوا ۸ شوال ۶۱۶ھ/ ۱۷ دسمبر ۱۲۱۹ء کو بخارا پہنچا۔دو تین قیام کرکے آگے روانہ ہوا اور سمرقند پہنچ کر پھر چند دن توقف کیا۔اس دوران شمال مشرق سے جوجی اپنے لشکر کے ساتھ خوارزم کی سرحدوں کی طرف پیش قدمی کرتا آرہا تھا۔[۱۸]

شہزادہ جلال الدین تاتاریوں کی گھات میں ..... خوارزم شاہ کو جوجی کے قریب آنے کی خبر ملی تو اس نے سب سے پہلے پندرہ ہزار سپاہیوں کو شہزادہ جلال الدین کے ماتحت کر کے حکم دیا کہ وہ دریائے سیحون عبور کر جائیں اور تاتاریوں کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ جائیں، جب تاتاری وہاں سے گزریں تو ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اس طرح بے خبر دشمن بھاری جانی نقصان اٹھا کر پسپا ہو جائے گا۔ ممکن ہے اس پہلی شکست سے مرعوب ہو کر وہ مزید پیش قدمی کی ہمت نہ کر پائے۔

یہ پندرہ ہزار سپاہی جلال الدین کی کمان میں دریا کے پار خاصی دور جا کر پہاڑی درّوں میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جلال الدین کو روزانہ اطلاعات ملتی رہیں کہ بیس ہزار تاتاریوں کا لشکر اسی طرف آرہا ہے۔ مگر اس موقع پر ایک بے حد حیرت انگیز اور انتہائی افسوس ناک بات پیش آگئی۔ تاتاریوں کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ اطلاع مل گئی کہ جلال الدین کا لشکر ان کی گھات میں چھپا ہوا ہے۔ جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی تاتاریوں کو اس قدر اہم اور خفیہ خبریں فوری طور پر مل جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ خوارزمی فوج میں غداروں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

تاتاریوں نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنا رخ تبدیل کر لیا اور مختلف راستوں سے دائیں بائیں پھیل کر جلال الدین کی فوج کو بے خبری میں جا گھیرا۔ تاتاریوں کا حملہ تاریک شب میں امڈنے والے طوفانی ریلے کی طرح تھا، خوارزمی فوج میں ایسی بھگدڑ مچی کہ الامان والحفیظ۔ بہت سے سپاہی شہید یا زخمی ہو گئے، باقی جان بچا کر بھاگ نکلے۔ شہزادہ جلال الدین نے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے بعد فتح ناممکن دیکھ کر آخر کار پسپائی کو ترجیح دی، وہ بڑی مشکل سے دشمن کے گھیرے سے نکلے اور ایک طویل سفر کر کے واپس باپ کے پاس پہنچے۔

خوارزم شاہ اپنی فوج کی بدحالی دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، اس نے فوراً فیصلہ کیا کہ اب بلا تاخیر بھاری لاؤ لشکر کے ساتھ پیش قدمی کر کے صف بستہ جنگ کی جائے گی۔ (۱۹)

جوجی کا توق طغان سے مقابلہ ..... اُدھر جوجی چنگیز خان کی ہدایت کے مطابق پہلے ان پہاڑوں میں بسنے والے باغی ترک سردار توق طغان سے نمٹنا چاہتا تھا۔ توق طغان کو جب تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی خبر ملی تو اپنے قبیلے سمیت بھاگ نکلا اور قبچاقی قبائل کے وطن قراقوم کا رخ کیا جس سے کچھ آگے خوارزم کا شمال مشرقی سرحدی شہر ''جَنْد'' واقع تھا۔ خوارزم شاہ کو سمرقند میں اطلاع ملی کہ توق طغان سرحد کی طرف بڑھ رہا ہے، چونکہ اس آوارہ وسرکش سردار سے خوارزم کے تعلقات بھی خراب تھے، اس لیے خوارزم شاہ یہ سوچ کر کہ تاتاریوں سے پہلے اسے نمٹا تا چلوں، فوج کے کچھ حصے کے ساتھ اس طرف بڑھا، مگر سمرقند سے کچھ آگے نکل کر اسے خبر ملی کہ طوق طغان کے پیچھے تاتاری لشکر اس کے تعاقب میں پیش قدمی کر رہا ہے۔ اب خوارزم شاہ کو طوق طغان کی آمد کی اصل وجہ معلوم ہوئی اور ساری صورتحال اس پر واضح ہو گئی۔ خوارزم شاہ خود بھی تاتاریوں سے مقابلے کے لیے ہی نکلا تھا۔ یہ خبر سن کر اس نے ''ایک تیر سے دو شکار'' کا قصد کیا اور چاہا کہ اسی حملے میں دونوں دشمنوں کو نمٹا دے۔ اپنی موجودہ ہم رکاب فوج کو کم محسوس کر کے وہ سمرقند واپس آیا۔ بقیہ تمام لشکر کو اپنی کمان میں لیا اور سرحدی شہر ''جَنْد'' پہنچ گیا۔ (۲۰)

توق طغان ابھی خوارزمی سرحدوں سے قدرے فاصلے پر تھا کہ جوجی نے اسے جا لیا اور ایک خوں ریز جنگ کے بعد اس کی طاقت کو کچل دیا اور سارے قبیلے کو موت کے گھاٹ اُتار دیا (۲۱) اس سے قبل جوجی نے کئی چھاپہ مار دستے

خوارزم کی سرحدوں کی طرف لوٹ مار کے لیے بھیج دیے تھے جو دریائے سیحوں کے آس پاس واقع دیہاتوں پر شب خون مار کر غلّہ، مویشی اور خوراک کے ذخائر لوٹ لیتے۔ مزاحمت کرنے والوں کو قتل کر کے اور مکانات کو آگ لگا کر پہاڑی پناہ گاہوں میں روپوش ہو جاتے۔ [۴۲] اس چھیڑ چھاڑ کا مقصد رسد و خوراک کے ساتھ ساتھ خوارزم شاہ کو ان پہاڑوں اور درّوں میں داخل ہونے کی دعوت دینا تھا جو اس کے لیے موت کا جال ثابت ہو سکتے تھے۔

خوارزم شاہ اپنی سرحد عبور کر کے دریا کی دو شاخوں کے درمیان ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ہزاروں لاشیں خاک و خون میں لت پت تھیں۔ معلوم ہوا کہ ایک دن قبل یہاں تاتاریوں اور طوق طغان کے مابین جنگ ہوئی تھی جس میں تاتاری غالب آ گئے تھے۔ [۴۳] خوارزم شاہ کا ایک دشمن از خود ختم ہو چکا تھا، مگر وہ دوسرے کو بھی ہاتھ سے جانے دینے پر تیار نہ تھا، اسے معلوم ہوا کہ تاتاری انہی پہاڑوں میں پیچھے ہٹ رہے ہیں اور زیادہ دور نہیں ہیں۔ خوارزم شاہ نے اس موقع پر فوج کے ایک حصے کو کافی سمجھتے ہوئے چار لاکھ میں سے اکثر سپاہیوں کو دریا کے کنارے چھوڑا [۴۴] اور خود بقیہ لشکر کے ساتھ ان تنگ گھاٹیوں اور پُر پیچ راستوں میں داخل ہو گیا جن کے دونوں طرف بلند پہاڑ سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ اگرچہ فوج کے افسران خوارزم شاہ کو اس اقدام سے منع کر چکے تھے، مگر ایک طرف سرحدوں پر تاتاریوں کی لوٹ مار، خوارزم شاہ کی تنک مزاجی اور اشتعال میں اضافہ کر رہی تھی اور دوسری طرف تاتاریوں کا پیچھے ہٹتے چلے جانا اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا اور وہ اسے دشمن کی کمزوری پر محمول کر رہا تھا۔ اس وقت خوارزم شاہ سطح مرتفع پامیر اور کوہ طیان شیان کے سایے میں سفر کر رہا تھا۔ حمد اللہ مستوفی قزوینی کے بیان کے مطابق یہ علاقہ ولایت کاشغر کی حدود میں شمار ہوتا تھا۔ [۴۵]

تاتاریوں کے تعاقب میں ایک دن کے سفر کے بعد خوارزمی افواج صبح سویرے ایک شجر پوش طویل اور تنگ وادی میں جا پہنچیں [۴۶] جوجی اپنے لشکر کے ساتھ اس وادی کے دوسرے کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ خوارزمی لشکر کی کثرت سے مرعوب ہو کر ایک تاتاری سردار نے جوجی کو مشورہ دیا کہ ہم مزید پسپا ہو کر اپنے قلب لشکر سے جا ملیں اور پھر یک بارگی حملہ کر دیں تو مناسب ہوگا، مگر جوجی نے اس بزدلانہ مشورے کو پسند نہ کیا۔ اس کے باپ نے اسے پابند کیا تھا کہ خوارزم شاہ کو تا حکم ثانی اسی محاذ پر مصروف رکھے، اس نے مشورہ دینے والے سردار کو کہا:

''چنگیز خان کا بیٹا اگر میدانِ جنگ سے فرار ہو جائے تو وہ باپ کو کیا مُنہ دکھائے گا۔'' [۴۷]

غرض جوجی لڑنے کے لیے تیار تھا مگر حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ اس کے باوجود اس نے خوارزم شاہ کو یہ پیغام بھیجا تھا:

''ہمیں خانِ اعظم کی طرف سے آپ سے لڑنے کی اجازت نہیں ملی، ہم ایک دوسرے مقصد سے یہاں آئے تھے، ہاں اگر آپ جنگ کی ابتدا کریں گے تو ہم میدان جنگ سے منہ نہیں پھیریں گے۔'' [۴۸]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جوجی نے اس قسم کا پیغام دشمن کو غافل رکھنے کے لیے بھیجا تھا تا کہ بعد میں اس پر اچانک حملہ کیا جائے اور یوں اپنی عددی کمی کے باوجود یقینی فتح حاصل کی جائے۔

جوجی کی طرف سے اس پیغام کے جواب میں خوارزم شاہ نے کہلوایا:

''چنگیز خان نے تمہیں ہم سے جنگ نہ کرنے کا حکم دیا ہے مگر اللہ نے ہمیں تم سے جہاد کا حکم دیا ہے اور تم سے قتال پر ہم سے بہترین وعدے کیے ہیں۔ میرے نزدیک تم اور دوسرے دشمن برابر ہو۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۴۷)

اس جواب کے ساتھ ہی خوارزم شاہ نے اعلانِ جنگ کرتے ہوئے وادی میں فوجیں صف بستہ کرلیں۔ مقابلے میں تاتاری بھی صفیں درست کر کے سامنے آ گئے۔

مسلمانوں اور تاتاریوں کے مابین پہلا معرکہ ..... خوارزم شاہ حیرت اور حقارت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تاتاریوں کی صف بندی کا نظارہ کر رہا تھا۔ یہ سمور پوش لوگ بالوں والے پستہ قد گھوڑوں پر زینوں کے بغیر سوار تھے، نہ ان کے پاس ڈھالیں تھیں، نہ فولادی زرہیں، دیگر بھاری بھرکم حفاظتی آلاتِ حرب کا بھی کوئی نام ونشان نہ تھا۔ تلوار، تیروں بھرا ترکش اور کمان ہر تاتاری سپاہی کا کل سامانِ جنگ تھا، ان کے بعض دستوں کے پاس نیزے بھی تھے۔ [۲۹]

خوارزم شاہ نے ایک نگاہ اپنے صف بستہ سپاہیوں پر ڈالی۔ عربی گھوڑوں پر سوار طوفانی دستے ..... ترک نیزہ بردار سپاہیوں کے غول ..... پیادہ فوج کے تیراندازوں کی صفیں ..... افغان اور فارسی شمشیر زن ..... سب کے سب لوہے میں ڈھلے ہوئے ..... ان کی فولادی زرہیں خود اور ڈھالیں سورج کی کرنوں سے شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔

''فتح ہمارا مقدر ہے۔'' اس نے دل میں سوچا اور حملے کا حکم دیا۔ طبلِ جنگ پر چوٹ پڑی اور جنگ شروع ہوگئی۔ اس لڑائی کے آغاز کے ساتھ ہی خوں ریز اور وحشت ناک معرکہ آرائیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا جس نے عالمِ اسلام کی نصف سے زائد آبادی کو موت کی نیند سلا دیا۔

جنگ کی آگ شعلے برسا رہی تھی۔ تاتاری اور ترک سوار آپس میں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کے تیز رفتار دستے تلواریں سونتے ہوئے خوارزمی شمشیر زنوں سے بھڑے ہوئے تھے۔ خوارزم شاہ کو جلد ہی احساس ہوگیا کہ اس تنگ وادی میں اس کی فوج بُری طرح پھنس چکی ہے۔ سوار دستوں کے لیے تیزی سے نقل وحرکت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ تیرانداز اپنی مہارت کا مظاہرہ کرنے کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے، مگر یہاں دونوں فوجیں اس طرح گڈمڈ ہو رہی تھیں کہ اپنے ہی سپاہیوں کا تیروں کی زد میں آنا بعید نہ تھا [۳۰] میدان میں موجود تاتاری تعداد میں خوارزمی سپاہیوں کے نصف سے بھی کم تھے، لیکن یہ کمی ان کے لیے چنداں نقصان دہ نہ تھی۔ خوارزمی فوج کی اکثر صفیں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی دیگر صفوں کے سپاہیوں کے شانہ بشانہ نہیں لڑ سکتی تھیں۔ ان کی جو صفیں آگے تاتاریوں سے نبرد آزما تھیں وہاں تاتاری بُری طرح تباہی مچا رہے تھے۔

جنگ کے نازک لمحات ..... خوارزم شاہ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ حیرت انگیز، مہیب ترین اور غیر متوقع منظر دیکھ رہا تھا۔ تاتاری سوار دستے بجلی کی طرح جھپٹ کر بیچ سے خوارزمی لشکر کو کاٹتے اور دھکیلتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ ان کی بے جگری، بہادری اور خوں ریزی خوارزم کے مطلق العنان فرماں روا کو لرزانے کے لیے کافی تھی۔ وہ خود قلبِ لشکر میں موجود تھا اور خطرہ ہر لحہ قریب آتا جا رہا تھا۔ پیچھے ہٹنے والے سپاہیوں کو قلبِ لشکر کی پچھلی صفوں کے سپاہیوں نے سہارا دینے کی کوشش کی، مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ پیش قدمی کرنے والے تاتاریوں کے ہراول دستوں نے آس پاس سے میدان صاف کر دیا، اب وہ دو طرف سے گھیرا ڈال کر خوارزم شاہ کو گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ [۳۱] خوارزم شاہ چند لمحے پہلے فتح کے سہانے خوابوں میں غرق تھا، لیکن اب خود کو موت کے منہ میں دیکھ کر اس کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح اس ناگہانی بلا سے جان بچا کر نکل جائے، لیکن اب وقت بہت کم رہ گیا تھا۔ تاتاری لشکر کا ہراول دو سینگوں والا پرچم اُٹھائے صرف سو، ڈیڑھ سو گز فاصلے پر اس کے محافظ دستے کے بچے کھچے سپاہیوں کو تہ تیغ کر رہا تھا اور

چند لمحے میں وہ اس کی سواری تک پہنچ سکتا تھا۔کوئی معجزہ ہی اب اسے تاتاریوں کی دسترس سے نکال سکتا تھا۔خوارزم شاہ خود کو جیتے جی مردہ یقین کر چکا تھا۔

شہزادہ جلال الدین کا جوابی حملہ ...... اچانک قیامت خیز شور وشغب اور نعرہ ہائے تکبیر کی گھن گرج سے فضا گونج اُٹھی۔خوارزم شاہ نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔شہزادہ جلال الدین (جن کے پاس لشکر کے دائیں بازو کی قیادت تھی) اپنے سرفروشوں سمیت وادی کے ایک گوشے سے اس طرف لپک رہے تھے۔ (۳۲) تاتاری حملہ آوروں نے مزاحم ہونے کی کوشش کی، لیکن جلال الدین اور ان کے ساتھی جو خوارزم شاہ کو گھرا ہوا دیکھ کر بپھرے ہوئے شیر کی طرح بڑھے چلے آرہے تھے چشم زدن میں شاہی محافظ دستے کے ساتھ آملے۔شاہی محافظ دستے کے منتشر سپاہیوں اور اپنے جانثاروں کو مرتب کر کے جلال الدین نے اپنے والد کے اردگرد نرغہ ڈالنے کی کوشش کرنے والے دشمنوں پر حملہ کر دیا۔ ان کی تلوار بجلی کی طرح حریف کے سر پر چمکتی اور اپنا خراج وصول کرتی۔خوارزم شاہ دلیر بیٹے کی اس جرأت مندانہ کاروائی پر دادِ تحسین دے رہا تھا، اس کے دل سے دُعائیں نکل رہی تھیں۔جلال الدین کے پے در پے حملوں سے تاتاری منتشر ہو کر پیچھے ہٹ گئے اور قلب کی صفیں پھر سے مرتب ہو گئیں۔ (۳۳)

لڑائی کا غبار اب آسمان کو مکمل طور پر چھپا چکا تھا۔زمین پر سورج کی روشنی معدوم ہو چکی تھی، تلواریں اور نیزے بجلی اور شعلوں کی طرح لپکتے دکھائی دے رہے تھے۔جنگ کی شدت کا یہ عالم تھا کہ خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں، زمین خون اور مٹی کے کیچڑ سے اس قدر چکنی ہو چکی تھی کہ گھوڑے پھسل پھسل کر گر رہے تھے۔جگہ جگہ حریف اپنے گھوڑوں سے اُتر کر پیدل ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے۔تنگ وادی میں بعض جگہ فریقین اس طرح گتھم گتھا ہو چکے تھے کہ تلواریں سونتنے کا موقع بھی نہ رہا تھا۔خنجروں اور چھریوں سے وہ ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے۔ (۳۴)

لڑائی کا پانسہ لحہ بہ لحہ بدل رہا تھا۔کئی بار مسلمان آگے بڑھے اور کئی بار تاتاری ان کو دھکیل کر پیچھے لے گئے۔ دونوں لشکروں کی صفیں میدان کی تنگی کے باعث نیم دائرے کی صورت اختیار کر چکی تھیں۔ (۳۵)

ایک بار ایک شدید حملے میں مسلمان سپاہی جوجی کے سر پر جا پہنچے، قریب تھا کہ جوجی مارا جاتا، مگر یکا یک ایک ختائی شہزادہ اپنے دستے کے ساتھ اس کی کمک کو پہنچ گیا، یوں اس کی جان بچ گئی (۳۶) ایک موقع پر تاتاری لشکر کے دونوں بازو خوارزمی فوج کے میمنہ اور میسرہ کے قدم اُکھاڑنے میں کامیاب ہو گئے۔اس وقت ایک بار پھر شہزادہ جلال الدین کی قائدانہ صلاحیتیں ظاہر ہوئیں اور انہوں نے فوج کی کمان کرتے ہوئے جوابی حملہ اس زور وشور سے کیا کہ تاتاریوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ (۳۷) سورج غروب ہونے پر بھی موت وحیات کا یہ معرکہ جاری تھا۔مغرب وعشاء کے درمیان رات کے اندھیرے میں دونوں فریق میدانِ جنگ سے ہٹنے لگے۔ (۳۸) تاریخ الکامل لابن اثیر کے مطابق یہ لڑائی تین دن تک جاری رہی تھی اور اس میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بیس ہزار تھی، جبکہ ہیرلڈ لیمب اور جوینی کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی ایک دن میں ختم ہو گئی تھی۔ ہیرلڈ لیمب نے مسلم شہداء کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار نقل کی ہے، مگر خود ہی اس بیان کو مبالغہ آمیز قرار دیا ہے تاہم یہ بات یقینی ہے کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں توقع سے کہیں زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا جس سے شروع ہی میں خوارزم شاہ اور اس کے بیشتر امراء تاتاریوں سے مرعوب ہو گئے اور اس کے بُرے اثرات بعد کی جنگوں میں نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔

خوارزمی لشکر کی واپسی ..... ابھی اس جنگ کا حتمی فیصلہ نہیں ہوا تھا تاہم آئندہ روز کی جنگ فیصلہ کن ثابت ہو سکتی تھی، لیکن جوجی اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا، اب اس کے لیے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں تھا۔ خوارزمی افواج کو دھوکہ دینے کے لیے تاتاریوں نے اپنے خیمے اور یورت اسی طرح کھڑے رہنے دیے اور جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر دیے۔ دونوں فوجوں کے پڑاؤ کے درمیان ایک ندی حائل تھی، رات بھر تاتاری خیمہ گاہ میں جھل مل کرتی روشنیاں خوارزمی افواج کو یقین دلاتی رہیں کہ حریف یہیں موجود ہیں، لیکن صبح صادق کے جھٹپٹے میں انہوں نے دیکھا کہ تاتاری لشکر راتوں رات خاموشی سے کوچ کر کے یہاں سے جا چکا ہے۔ [۳۹] تعاقب بے سود تھا اور پُر خطر بھی۔ خوارزم شاہ نے جوجی کی واپسی پر اطمینان کا سانس لیا اور ان پہاڑوں سے واپس نکلنے میں دیر نہیں لگائی جو اس کی فوج کے بہترین حصے کا خون جذب کر چکے تھے۔

جشنِ فتح ..... خوارزم شاہ دریائے سیحون عبور کر کے ساحلی فصیل بند شہروں میں فروکش ہو گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ تاتاری اب بھی اسی سمت سے حملہ آور ہوں گے، مگر افسوس کہ وہ صورتحال کا صحیح ادراک نہ کر سکا۔ سرکاری طور پر اس جنگ میں کامیابی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ فتح کا جشن منایا گیا اور ایک تقریب میں خوارزم شاہ نے بہادروں کو خلعتوں سے نوازا۔ [۴۰]

چنگیز خان کا پڑاؤ ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ چنگیز خان اپنی اصل فوج کے ساتھ وسط ایشیا کو جانے والی ''شاہراہِ پیلو'' سے کتراتے ہوئے سیدھا مغرب کی طرف نکل گیا تھا۔ یہ راستہ حد درجہ پُر خطر اور دشوار گزار تھا۔ پھر موسم کی شدت بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ تاہم کسی قدر سست روی سے یہ لوگ رکے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ آغازِ موسم بہار میں جب پہاڑوں سے برف پگھل کر دریائے سیحون میں تموج پیدا کر رہی تھی تاتاری لشکر جھیل بالکش کے بنجر میدانوں میں داخل ہو چکا تھا [۴۱] میدانی علاقے میں تاتاری فوج پوری تیز رفتاری سے آگے بڑھی اور دریائے سیحون کے قریب پہنچ کر خیمے گاڑ دیے جو آگے جا کر بحیرۂ ارال میں گر رہا تھا۔ دریائے سیحون کا یہ حصہ خوارزم کی ان سرحدوں سے بہت دور تھا جہاں چند روز قبل تاتاریوں اور مسلمانوں کے مابین پہلا معرکہ ہوا تھا۔ بکھرا ہوا تاتاری لشکر کئی دن تک یہاں جمع ہوتا رہا اور آگے طوفانی پیش قدمی کی بھرپور تیاریوں میں مصروف رہا۔ مسلم تاجروں کے روپ میں مخبروں اور جاسوسوں کی دو دو تین تین افراد پر مشتمل ٹولیاں خوارزمی حدود کی طرف روانہ ہو گئیں۔ چند روز بعد طیان شیان کے کوہستان کی اوٹ سے جوجی کا قاصد آیا اور پہلے معرکہ جنگ میں کامیابی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے خوارزم شاہ کی کمزور حکمت عملی اور اس کی فوجوں کی نقل و حرکت کے خطوط سے مطلع کیا۔ چنگیز خان نے پانچ ہزار تاتاریوں کو جوجی کی تقویت کے لیے روانہ کیا [۴۲] اور اسے حکم بھجوایا کہ دریائے سیحون سے خوارزم شاہ کے پیچھے ہٹتے ہی وہ دریا کے کنارے واقع شہروں کو تباہ و برباد کر کے مشرق سے پیش قدمی کرتا ہوں سمرقند کی طرف بڑھے۔

خوارزم شاہ کی بدحواسی ..... دریائے سیحون کے پار ہزاروں جانیں گنوانے کے بعد خوارزم شاہ بقیہ لشکر کے ساتھ مملکت کے وسط میں پڑاؤ ڈال کر آئندہ کے لائحہ عمل کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا۔ جنگی حکمت عملی طے کرنے کے لیے دشمن کی نقل و حرکت سے پوری آگاہی ضروری تھی، مگر خوارزم شاہ کی بدقسمتی تھی کہ اس کے جاسوس اور مخبر اس موقع پر خبر رسانی کے فرائض کماحقہٗ انجام نہیں دے رہے تھے۔ ممکن ہے ان میں سے بعض دشمن کے ہاتھوں بک چکے ہوں۔ بہر حال تاتاری لشکر کئی راستوں سے اس طرح دبے پاؤں سرکتا ہوا آ رہا تھا کہ خوارزم شاہ صورتحال سے صحیح طور پر

واقف نہ ہوسکا۔ طرہ یہ کہ پہلی لڑائی ہی میں زبردست غیر متوقع نقصان اُٹھا کر اس کی ساری خود اعتمادی اور نخوت خاک میں مل گئی تھی۔ وہ اتنا ہراساں ہو چکا تھا کہ اس کی قوت فیصلہ سلب ہوگئی تھی۔ تاتاریوں کا ذکر چھڑتے ہی وہ کہہ اُٹھتا:

''میں نے آج تک تاتاریوں سے زیادہ ثابت قدم اور جنگجو قوم کوئی نہیں دیکھی۔ ان سے بڑھ کر نیزوں اور تلواروں کاری زخم لگانے والا کوئی نہیں۔'' [۴۳]

اس خوف و دہشت کے عالم میں اس سے قبل کہ وہ کچھ فیصلہ کرتا اترار، قوقند اور دریائے سیحوں کے کنارے آباد دیگر شہروں سے یکدم تاتاری یلغار کی خبر آ پہنچی۔ تقریباً تمام شہروں کے حکام نے شاہ سے کمک طلب کی تھی۔

جبی نویان کی یلغار ...... اِدھر جبی نویان جوجی سے علاحدہ ہو کر بیس ہزار جنگجوؤں کے ایک لشکر کے ساتھ جنوب مشرق کی طرف سے ان پہاڑوں اور گلیشروں کا چکر کاٹتے ہوئے جن سے دریائے جیحون نکلتا ہے، سمرقند کی طرف بڑھ رہا تھا۔ خوارزم شاہ کو اس پیش قدمی کی اطلاع اس وقت ہوئی جب جبی نویان سمرقند سے صرف دو سو میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا [۴۴] مشرق اور جنوب مشرق سے تاتاریوں کی اس اچانک یلغار کی خبر سے خوارزم شاہ مزید بدحواس ہوگیا۔ اب محاذ ایک ہزار میل سے زائد رقبے پر پھیل چکا تھا۔ محکمہ خبر رسانی کی کمزوری کے باعث خوارزم شاہ کو یہ معلوم نہ ہوسکا کہ سمرقند کا رخ کرنے والا دشمن کا لشکر بیس ہزار افراد پر مشتمل ہے جس کے لیے سمرقند جیسے مضبوط قلعے پر قبضہ کرنا آسان نہیں۔ اگر صحیح صورتحال سامنے ہوتی تو شاید خوارزم شاہ اتنا ہراساں نہ ہوتا مگر اب وہ سمرقند اور دیگر شہروں کے دفاع کو انتہائی مشکل تصور کر رہا تھا۔

خوارزمی طاقت کی تقسیم ...... اس نے جنگی مشاورت طلب کی۔ امرائے دولت، سالارانِ لشکر اور شہزادے دیر تک بحث و تمحیص میں مصروف رہے۔ کارآزمودہ جرنیلوں اور شہزادہ جلال الدین کی رائے یہ تھی کہ لشکر کو مجتمع رکھتے ہوئے کسی اہم محاذ پر تاتاریوں سے کھلے میدان میں فیصلہ کن مقابلہ کیا جائے [۴۵] تجربہ کار سرداروں اور دلیر شہزادے کی یہ رائے بڑی معقول تھی۔ اگر اس پر عمل کر لیا جاتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ خوارزمی لشکر تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج کو بھرپور جواب نہ دے سکتا...... مگر افسوس کہ شاہ نے اس رائے کو مسترد کر دیا۔ وہ خود دھوکے میں مبتلا تھا یا ملت کی نگہبانی کے فرائض سے فرار کا قطعی فیصلہ کر کے قوم کو دھوکے میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے سردارانِ لشکر کو باور کرایا کہ مملکت کے تمام قلعے اور فصیل بند شہر اتنے مضبوط ہیں کہ تاتاری سرتوڑ کوشش کر کے بھی کئی ماہ تک انہیں فتح نہیں کر سکیں گے اور فصلوں اور باغات کو لوٹ کر واپس چلے جائیں گے، لہٰذا ایک جگہ فیصلہ کن جنگ کے بجائے مختلف مقامات پر فصیل بند ہو کر دفاع کرنا کافی ہے۔ [۴۶]

اس مفروضے کو بنیاد بنا کر خوارزم شاہ نے اپنی کل فوج میں سے دو لاکھ سپاہی الگ کر کے انہیں سلطنت کے مختلف شہروں کی حفاظت کے لیے تقسیم کر دیا۔ ینال خان کو پچاس ہزار سپاہی دے کر اترار کے دفاع کے لیے مقرر کیا، قتلغ خان کو دس ہزار افراد کے ساتھ شہر کنت کی حفاظت سونپی، فخر الدین النسوی کو حکم دیا کہ بجستان کی فوج کو ساتھ ملا کر ترمذ کا دفاع کرے، بلخمور خان اور ابو محمد کو بلخ کی نگرانی پر مقرر کر دیا، بخارا کو کسی فوری حملے سے محفوظ سمجھ کر اور اس کی فصیل کو ناقابل عبور گمان کرتے ہوئے شاہ نے اس کی حفاظت کے لیے تیس ہزار سپاہی متعین کرنا کافی سمجھا، یہ سپاہی دربارِ خوارزم کے حاجب اعلیٰ (اغل حاجب) اینانج خان اور اختیار الدین کشکی کی کمان میں دے دیے گئے۔

النسوی نے افواج کی اس تقسیم کو خوارزم شاہ کی شکست کی سب سے بڑی وجہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وقد اخطأ فی ذٰلک .فلو التقی التاتار بکتائبه قبل ان یفرقها لاختطفهم خطفةً ونسفهم فی الارض نسفاً

''خوارزم شاہ نے فوج کو منتشر کر کے غلطی کی۔ اگر اس کی بجائے وہ تمام لشکروں کو مجتمع کر کے مقابلہ کرتا تو چنگیز خان کو نہ صرف پسپا کر دیتا بلکہ اس کا نام ونشان تک مٹا ڈالتا۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۹۰،۹۱)

بہر کیف شاہ نے زیادہ تر فوج اس طرح منتشر کر دی اور باقی ایک لاکھ دس ہزار سپاہیوں کو لے کر خود سمرقند روانہ ہو گیا[۲۷] جہاں اس وقت بظاہر سب سے زیادہ خطرہ تھا، کیونکہ مخبروں کے بیان کے مطابق تاتاری لشکر سمرقند سے صرف دو سو میل کے فاصلے پر نقل وحرکت کر رہا تھا، مگر بہت جلد یہ بات واضح ہو گئی کہ شاہ کی حکمت عملی حقیقت کے بالکل برعکس غلط فہمیوں پر استوار تھی۔ سمرقند کے آس پاس نظر آنے والا لشکر جوجی نویان کے بیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، صرف شاہ کو اس طرف متوجہ رکھنے کے لیے نمائشی پیش قدمی کر رہا تھا۔ دوسری طرف بخارا جسے شاہ مکمل طور پر محفوظ سمجھ رہا تھا، تاتاریوں کی ہولناک یلغار کی زد میں آ چکا تھا۔ چنگیز خان اپنی اصل فوج کے ساتھ صحراؤں سے نکل کر عنقریب عقب سے بخارا پر حملہ کرنے والا تھا۔

ساحلِ سیحون پر خون کی ہولی..... اِدھر جوجی خان اپنے باپ کی تجویز کردہ حکمت عملی کے مطابق دریائے سیحون کے کنارے تاخت وتاراج شروع کر چکا تھا۔ ''سقناق''، ''اسناس''، ''بارجلیغ کنت'' اور دیگر چھوٹے چھوٹے شہروں کو تہہ وبالا کرتے ہوئے وہ جَنْد کی طرف بڑھا۔ جَنْد کا حاکم قتلغ خان خوفزدہ ہو کر شہر سے فرار ہو گیا۔ اہل شہر فصیل کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے، دہشت وہراس کے باعث ان میں مقابلے کی ہمت نہیں تھی۔ تاتاری سپاہی بلا پس وپیش فصیل کو پھلانگ کر شہر میں داخل ہو گئے۔ جند پر قبضہ کرنے کے بعد جوجی بناکت پر حملہ آور ہوا، یہاں کے حاکم ''ایلتا کو'' نے تین دن تک فصیل بند ہو کر مقابلہ کیا، مگر بالآخر ہمت ہار کر جاں بخشی کے وعدے پر شہر کے دروازے کھول دیے۔ تاتاریوں نے وعدہ پس پشت ڈالتے ہوئے شہر میں قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیا[۲۸] اپنی تلواروں کو خون سے غسل دینے کے بعد یہ درندے قوقند کی طرف بڑھے۔

عالمِ اسلام پر دوطرفہ یلغار..... ۶۱۶ھ/ ۱۲۱۹ء کو ہم عالمِ اسلام کی تاریخ کے نازک ترین اوقات میں شمار کر سکتے ہیں۔ ایک طرف تو چنگیز خان اپنے ٹڈی دل سپاہیوں کے ساتھ مشرق کی جانب سے عالمِ اسلام کی سرحدوں کو روندرہا تھا اور دوسری طرف یورپ کے صلیبی جنگجو بحیرۂ روم کو عبور کر کے عالمِ اسلام کے مغربی شہروں پر پے درپے حملے کر رہے تھے۔ سلطانِ مصر وشام ملک العادل کی وفات کے بعد اس کی عظیم سلطنت اس کے بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو کر اپنی طاقت کھو چکی تھی، اس صورتحال کو یورپی اقوام القدس پر قبضے کا نادر موقع خیال کر رہی تھیں۔ ۲۷ شعبان ۶۱۶ھ (۷ نومبر ۱۲۱۹ء) کو جس وقت چنگیزی افواج جھیل بیکال اور جھیل بالکش کے درمیانی خطے کو عبور کرتے ہوئے عالمِ اسلام کی مشرقی سرحدوں کے قریب تر پہنچ چکی تھیں، یورپ کے صلیبی حملہ آور سرحداتِ اسلام کے مغربی حصار کو توڑ کر ایشیا، افریقہ اور یورپ کے سنگم پر واقع انتہائی اہم دفاعی مرکز ''دمیاط'' پر قبضہ کر چکے تھے۔ ایک ہی وقت میں عالمِ اسلام دشمنوں کی دو طرفہ یلغار کا سامنا کر رہا تھا اور دونوں محاذوں پر اس کے دفاعی بند زمین بوس ہو رہے تھے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ ان

نازک حالات میں اسلام اور مسلمانوں کا مرثیہ تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان دنوں اسلام اور مسلمان ایسے مصائب میں مبتلا ہیں جن سے کبھی کسی قوم کو سابقہ نہیں پڑا۔ ایک مصیبت تو یہی تاتاری ہیں ...... خدا ان کا بیڑا غرق کرے ...... جو مشرق سے یلغار کرتے ہوئے آئے اور ایسی ایسی بہیمانہ کاروائیاں کر گزرے کہ جن کی خبر سننے والا ہر شخص ان سے دہشت زدہ ہے۔ دوسری آفت فرنگیوں کا حملہ ہے...... اللہ ان پر لعنت کرے...... جو مغرب سے شام پر حملہ آور ہوئے اور مصر پر قبضے کا ارادہ رکھتے ہیں، دمیاط پر ان کا قبضہ بھی انہی عظیم مصائب میں سے ایک ہے، اگر اللہ کا لطف وکرم اور اس کی مدد شامل حال نہ ہوتی تو یہ فرنگی اب تک مصر، شام اور دیگر اسلامی ممالک پر قبضہ مکمل کر چکے ہوتے۔ انہی اندوہناک حوادث میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو مسلمان اب تک ان دونوں دشمنوں کی زد سے بچے ہوئے ہیں وہ آپس میں تلواریں سونت کر ایک دوسرے کو مٹانے پر تلے ہوئے ہیں، حالانکہ وہ عظیم فتنہ جس کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں واضح طور پر سامنے ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

بس اب تو ہم اللہ سے یہی سوال کرتے ہیں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو اپنی جانب سے فتح ونصرت عنایت کرے۔ ہاں! بلاشبہ اسلام کی مدد کرنے والے اس کی حمایت کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے ختم ہوگئے ہیں۔ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءً فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ.''[۲۹]

(ترجمہ: جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں رہتا۔) (سورۃ الرعد)

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشاج ۱ص ۶۰ ② جہاں کشا، ج ۱،ص ۶۱

③ چنگیز خان، باب نمبر ۱۲ص ۹۴

④ چنگیز خان، باب نمبر ۱۲ص ۹۴ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان خدا کے وجود اور اس کے علم کی وسعت کا قائل تھا البتہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مختلف قسم کے کفریہ اور شرکیہ عقائد میں بھی مبتلا تھا۔

⑤ طبقات ناصری ج ۱ص ۳۶۷......چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ص ۱۰۰

⑥ روضۃ الصفاج ۵ص ۳۵......البدایۃ والنہایۃ ج ۷ص ۱۳۸......طبقات ناصری ج ۱ص ۳۶۷

⑦ طبقاتِ ناصری ج ۱ص ۳۶۷

⑧ طبقاتِ ناصری، ص ۳۶۷......چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ص ۱۰۱

⑨ چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ص ۱۰۲......طبقاتِ ناصری، ص ۳۶۷

⑩ چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ص ۱۰۲ ⑪ جوجی کوزوچی، توشی اور دوشی بھی کہا گیا ہے۔

⑫ چنگیز خان، باب نمبر ۱۳ص ۱۰۳

⑬ جبی نویان کو بہت سے مؤرخین نے ''جبہ نوئین''، ''یمہ نوئین'' اور سوبدائی کو ''سبتائی'' کے ناموں سے یاد کیا ہے۔

⑭ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۳

⑮ سیرۃ جلال الدین منکبرتی، ص ۸۹......نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۱......خوارزم شاہی، ص ۹۹......چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۶

⑯ ابن خلدون ج ۵، ص ۱۰۵ ⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۶

⑱ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۰ مع حاشیہ، ص ۱۰۱

روضۃ الصفا اور جہاں کشا کے بیان کے مطابق خوارزم شاہ بخارا اور سمرقند کے قیام کے دوران محافلِ عیش ونشاط اور لذات وشہوات میں منہمک رہا، مگر ابن اثیر رحمہ اللہ، حافظ ذہبی، موفق عبد اللطیف اور دیگر عرب مؤرخین کے نزدیک خوارزم شاہ اس قسم کی لغویات سے پاک، شہوات سے کنارہ کش اور محتاط مزاج شخص تھا۔ ملاحظہ ہو: تاریخ ابن اثیر ج ۷ص ۵۰۸ اور تاریخ الاسلام کبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔

⑲ تاریخ الاسلام کبیر للذہبی، طبقہ ۶۲، وفیات سن ۶۱۷ھ، حرف میم۔ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم

⑳ روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۳ ㉑ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۱

(۲۲) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۶
(۲۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲
(۲۴) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۷
(۲۵) تاریخ گزیدہ، ج ا، ص ۴۹۷
(۲۶) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۷، جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲
(۲۷) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۷
(۲۸) روضۃ الصفاج ۴ص ۸۲۳...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲ تا ۱۰۳
(۲۹) چنگیز خان، باب نمبر ۱۳، ص ۱۰۱
(۳۰) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۸
(۳۱) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۸
(۳۲) روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۳...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲ تا ۱۰۳
(۳۳) روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۳
(۳۴) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۴
(۳۵) طبقاتِ ناصری ج اص ۳۶۶
(۳۶) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۸......طبقاتِ ناصری، ج اص ۳۶۶
(۳۷) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۸
(۳۸) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۳
(۳۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۴......طبقاتِ ناصری ج اص ۳۶۶
(۴۰) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۹
(۴۱) اندازاً یہ فروری ۱۲۲۰ء (ذی الحجہ ۶۱۶ھ) کے ابتدائی ایام تھے۔
(۴۲) چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ص ۱۰۹
(۴۳) سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۴۸
(۴۴) چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ص ۱۱۳
(۴۵) تاریخ خوارزم شاہی، ص ۹۹ بحوالہ سیرۃ جلال الدین مطبوعہ پیرس، ص ۳۶
(۴۶) چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ص ۱۱۳
(۴۷) روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۴......نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۱
(۴۸) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸
(۴۹) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۱

سرحدوں کے محافظ

رِبَاطُ یَوْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا عَلَیْھَا.

اللہ کے راستے میں ایک دن سرحد کی پہرے داری کرنا دنیا اور جو کچھ اس کی سطح پر ہے ان سب سے بہتر ہے۔

(بخاری شریف)

ایک کی ہم نے ہزاروں سے لڑائی دیکھی — نرغۂ کفر میں ایمان کا جلوہ دیکھا

لڑ گئے، گرچہ نہتے بھی تھے محصور بھی تھے — دیکھا، یہ شوقِ شہادت کا تقاضا دیکھا

قوقند کا مردِ مجاہد..... قوقند خوارزم کی مشرقی سرحدوں پر ایک پُر فضا اور خوش منظر شہر تھا۔ ① دریائے سیحوں کے کنارے واقع اس شہر کے محل وقوع کی رعنائی و دلفریبی اور اس کے ماحول کی دلکشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ یہاں کی سرسبز و شاداب وادیاں، بیدِ مجنوں سفیدے اور صنوبر کے درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ② انار، خربوزے اور تربوز کے باغات کا سلسلہ حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا تھا۔ باغات اور کھیتوں کے ساتھ ساتھ سفید فصیلوں سے گھرے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے جن کی مسجدوں کے سفید اور بلند مینار بڑے جاذبِ نظر معلوم ہوتے تھے۔ پہاڑوں کی ہری بھری ڈھلوانوں پر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اطمینان سے سبزہ چرنے میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ چٹانوں کے بیچ سے پھوٹ کر بہنے والے چشمے اور آبشار ہمیشہ حق تعالیٰ شانہٗ کی حمد کے نغمے گنگناتے سنائی دیتے تھے۔ دریائے سیحوں کے پار سلسلۂ کوہ کی برف سے ڈھکی ہوئی فلک بوس چوٹیاں سرِ شام ڈوبتے سورج کی کرنوں سے منعکس ہو کر جگمگاتیں اور خالقِ حقیقی کی بے مثل صنعت پر بزبانِ حال تسبیح وتحمید بیان کرتیں۔

قوقند کا ترک حاکم تیمور ملک اپنی شجاعت، لیاقت، انصاف پسندی اور خوش اخلاقی کے باعث عوام کی آنکھوں کا تارا تھا۔ جنگی مہارت اور قوت و چالاکی میں بھی اسے رستم و سہراب کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔ ترکوں کی جنگجوئی، جرأت، ہمت اور دیگر قائدانہ صفتیں اس میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ ③

سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی قیادت میں کوہستان پامیر جانے والا خوارزمی لشکر جب بھاری جانی و مالی نقصان اُٹھانے کے بعد دریائے سیحوں عبور کر کے واپس چلا گیا تو تیمور ملک کو یقین ہو گیا کہ اب سرحدی شہر بہت جلد تباہی کی زد میں آنے والے ہیں چنانچہ اس نے دفاعی انتظامات شروع کر دیے۔ چند روز بعد پانچ ہزار تاتاریوں کے ایک لشکر نے قوقند کا محاصرہ کر لیا۔ ④ یہ صرف ہراول دستہ تھا، جوجی دو تومانوں (بیس ہزار سپاہیوں) کا ایک بڑا لشکر لیے اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ ⑤ تیمور ملک کے پاس صرف ایک ہزار سپاہی تھے۔ وہ دریا کے چوڑے پاٹ کی طرف پسپا ہوا، یہاں اس نے آس پاس کی تمام کشتیاں جمع کیں اور اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کو ان میں سوار کر کے دریا کی دو

شاخوں کے مابین واقع ایک جزیرے پر پہنچ گیا جہاں ایک سنگین قلعے میں وہ دفاعی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ ⑥

چند دن بعد جوجی کی قیادت میں جب اصل تاتاری فوج اس کے تعاقب میں لبِ دریا پہنچی تو تیمور ملک دریا کے وسیع پاٹ کے مابین جزیرے پر مورچہ بند ہو چکا تھا، اس نے ساحل پر کوئی کشتی باقی نہیں رہنے دی تھی۔ تاتاری تیراندازوں کی صفیں کندھے سے کندھا ملا کر جزیرے کی سمت تیر برسانے لگیں، مگر دریا کی چوڑائی اتنی زیادہ تھی کہ تیر نشانے تک نہ پہنچ سکے۔ جوجی نے باقاعدہ سخت محاصرے کی تیاریاں کیں اور منجنیق استعمال کرنے والے دستے طلب کر کے قلعے پر سنگ باری کی کوشش کی، مگر پتھر اپنے ہدف سے دور دریا میں غرق ہوتے رہے۔ کئی دن گزر گئے، جوجی عجیب مخمصے میں پڑ گیا تھا۔ چنگیز خان کا حکم تھا کہ کوئی قلعہ اور فصیل بند شہر زیر قبضہ کے بغیر آگے نہ بڑھا جائے۔ بناکت کی فتح کے بعد جوجی کا خیال تھا کہ ساحلی شہر معمولی مزاحمت کے بعد فتح ہوتے جائیں گے اور وہ چند ہفتوں بعد آگے پیش قدمی کر سکے گا، مگر قوقند کے شیر کی کچھار تک آکر اس کے قدم زمین میں گڑ گئے تھے۔ چند دنوں بعد تاتاریوں کے چند دستے بناکت اور آس پاس کے دیہاتوں کے ہزاروں قیدیوں کو جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے قوقند کا محاصرہ کرنے والی فوج سے آملے۔ یہ معرکہ سر کرنے کے لیے اب تاتاریوں نے ایک عجیب تدبیر اختیار کی، شاید اس سے پہلے کسی مہم جو نے ایسے اقدام کی کامیابی کا تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

دریا میں راستہ ...... تاتاریوں نے ان ہزاروں قیدیوں کو پہاڑوں سے پتھر ڈھونے اور دریا کے کنارے جمع کرنے پر لگا دیا۔ نہتے، بے بس اور حد درجہ دہشت زدہ قیدی تاتاریوں کی تلواروں کے سائے میں وزنی پتھر اُٹھا کر لڑکھڑاتے، ڈگمگاتے سیحوں دریا کے کنارے آتے اور پتھر دریا میں پھینک دیتے۔ اس طرح روازانہ بے شمار پتھروں کے دریا کے کنارے ڈالے جانے سے آہستہ آہستہ دریا کے کنارے سے ایک پتھریلا راستہ نمودار ہونے لگا جو دھیرے دھیرے جزیرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تیمور ملک تاتاری بھیڑیوں کی اس سرگرمی پر پوری طرح نظر رکھتے ہوئے تھا۔ اس نے خطرے کا احساس ہوتے ہی بارہ بڑی کشتیاں منتخب کر کے ان پر لکڑی کے مضبوط تختے نصب کرائے جن میں تیراندازی کے لیے سوراخ موجود تھے، اس کے تیرانداز دستے ان کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے پر محاصرہ کرنے والے تاتاریوں پر تیروں کی بوچھار کرنے لگے۔ تاتاریوں کی لاشوں پر لاشیں گرنے لگیں، ان کے تیر تختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے مسلمان سپاہیوں کا کچھ نہ بگاڑ سکتے تھے۔

آتشیں اسلحہ ...... اس مردِ مجاہد کی کوششوں سے دریا میں بننے والے راستے کی تعمیر کا کام تاتاریوں کے لیے بڑا کٹھن ثابت ہونے لگا تاہم وہ بے شمار جانیں ضایع کرنے کے باوجود اس مہم سے باز نہیں آئے۔ تیمور ملک کے بحری بیڑے کو تباہ کرنے کے لیے بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے آتشیں اسلحہ کے چینی ماہرین سے کام لینے کا فیصلہ کیا۔ منجنیقوں سے پتھروں کے بجائے آگ کے گولے، ابلتے ہوئے تیل کے مٹکے اور جلتی ہوئی گندھک کی ہانڈیاں برسانے کی تیاری کی گئی۔

اگلے دن جب مجاہدین کشتیوں میں سوار ہو کر کنارے کے قریب پہنچے اور دشمن کو اپنے تیروں کا نشانہ بنانے لگے تو یکا یک زوردار دھماکوں کے ساتھ فضا آتشیں لاوے سے بھر گئی۔ حریف کی کمین گاہوں سے منجنیقوں نے آگ برسانی شروع کر دی۔ مجاہدین کو نقصان اٹھا کر مجبوراً پیچھے ہٹنا پڑا، دشمن کی نئی چال نے ترک حاکم کو سخت فکر مند کر دیا۔ دشمن

حد درجے عیار ثابت ہو رہا تھا۔ قوتِ تدبیر ہی سے اس نئے حربے کا توڑ دریافت کرنا ضروری تھا۔ تیمور ملک اپنے مجاہد ساتھیوں کے ساتھ دیر تک مشورے میں مصروف رہا۔ پھر اس نے چند کاری گروں کو بلا کر مختلف ہدایات دیں تاکہ وہ کشتیوں کی ساخت میں ترمیم کریں۔ ⑦

جوابی چال..... تیمور کا آئندہ حملہ تاتاری محاصرین کے لیے حد درجہ حیران کن تھا۔ اب اس کی کشتیوں پر چاروں اطراف سے لکڑی کی دیواروں کے علاوہ، ڈھلوان چھتیں بھی نصب کردی گئیں تھیں۔ دیواریں اور چھتیں سب مٹی کے موٹے پلستر سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آگ لگانے والے آلات ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ کشتیاں ساحل کے قریب آئیں، مجاہدین نے اطمینان کے ساتھ تاک تاک کر نشانے لیے، پتھریلے راستے کے قریب موجود تاتاریوں کی ایک بڑی تعداد کو شکار کرنے اور باقی ماندہ کو منتشر کرنے کے بعد مجاہدین واپس ہو گئے۔

روز و شب گزرتے چلے گئے، محاذ اسی طرح گرم رہا حتیٰ کہ یہاں جنگ شروع ہوئے تین مہینے بیت گئے۔ جوجی اس طویل محاصرے سے تنگ آچکا تھا، اس نے محاصرے کی ذمہ داری ایک سردار کو سونپ دی اور خود فوج کا ایک حصہ ساتھ لے کر دریائے سیحوں کے بہاؤ کی سمت روانہ ہو گیا۔ ⑧

تیمور ملک نے مقابلہ جاری رکھا، مگر وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی سرتوڑ کوششوں کے باوجود دریا کی سمت سے بننے والا راستہ روز بروز قریب آتا جا رہا ہے اور چند دنوں میں تاتاریوں کی منجنیقیں جزیرے پر آتش باری کر سکتی تھیں۔ نیز تیمور ملک جس مقصد کے لیے تاتاریوں کو یہاں روکے ہوئے تھا، اس کے گمان کے مطابق وہ پورا ہو چکا تھا۔ تیمور ملک یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تاتاری لشکر کو شکست نہیں دے سکتا، صرف اس اُمید پر لڑ رہا تھا کہ اتنے عرصے تک خوارزم شاہ افواج مرتب کر کے دوسرے محاذوں پر دشمن کو پسپا کر دے گا، اب جبکہ توقند کا مجاہد کئی ماہ تک مشرق میں دشمن کو روک کر اپنا فرض ادا کر چکا تھا اس نے یہاں سے نکل جانا مناسب سمجھا۔ مزید تاخیر کی صورت میں فاقوں سے لاچار ہو کر دشمن کی آتشِ انتقام کا نشانہ بنے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا، جبکہ ابھی فیصلہ کن محاذوں پر خونِ مسلم کی ضرورت زیادہ تھی۔

تیمور ملک کا تعاقب..... ایک تاریک شب میں تیمور ملک نے اپنے ساتھیوں کو کشتیاں تیار کر کے کوچ کا حکم دیا۔ ستر کے قریب چھوٹی بڑی کشتیاں دریا کے بہاؤ پر روانہ ہو گئیں۔ ⑨ تاتاری پہرے دار بڑے چوکنا تھے، تیمور ملک کا قافلہ روانہ ہوتے ہی ان کے تیز رفتار گھڑ سوار دستے خشکی پر ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور جلد ہی قافلے والوں کے برابر پہنچ گئے۔ تیمور کے لیے یہ صورتحال غیر متوقع نہ تھی۔ وہ کشتیوں پر ایسے حفاظتی تختے لگوا چکا تھا کہ پیچھا کرنے والے تیراندازی کر کے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ جب بھی تاتاری سپاہی قافلے کے برابر آتے تو مجاہدین ان پر نشانہ آزمائی کر کے ان کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیتے۔ کئی دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ نہ ہی تیمور ملک نے اپنی رفتار کم کی اور نہ تعاقب کرنے والے باز آئے۔

بناکت کا ساحل قریب آچکا تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاریوں نے یہاں کی فوجی چوکی کو توقند کے مفرورین کے دریائی راستے سے قریب تر آنے کی اطلاع دے کر دریا میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی تاکید کی۔ دریا میں سفر کرتے ہوئے تیمور ملک جب بناکت کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ دریا کے آر پار لوہے کی ایک دیوہیکل زنجیر تنی ہوئی ہے جس سے راستے بند ہو چکا ہے۔ تیمور ملک نے ایک ہی ضرب کاری لگا کر زنجیر توڑ ڈالی اور راستہ صاف کر دیا۔ یہ

بیڑا پھر رواں دواں ہوگیا۔ جُند سے آگے دریا کے کنارے پر جوجی اپنے لشکر کے ساتھ موجود تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاری سپاہیوں نے اسے تیمور کی آمد کی اطلاع دی۔ جوجی نے فوراً کشتیاں منگوا کر دریا کے اندر کشتیوں کا پل بنوایا اور سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ دونوں کناروں پر منجنیقیں نصب کرادیں تاکہ اس سخت جاں حریف کو ختم کیا جاسکے۔ تیمور ملک بے خوف خطر جُند تک پہنچ گیا، یہاں آکر شاید اسے اس کارروائی کی بھنک پڑ گئی یا اپنی فراست سے اس نے تاڑ لیا کہ تاتاری پھر اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈال کر اسے روک سکتے ہیں۔ بہرحال جوجی کے خطرناک مورچے تک پہنچنے سے پہلے ہی اس نے رات کی تاریکی میں ''بار جلیغ کنت'' کے کنارے اپنے قافلے کو اُتارا اور ایک طرف روانہ ہوگیا۔

خشکی پر ان کا تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو جب تک کشتیوں میں ان کی غیر موجودگی کا احساس ہوا تب تک وہ کافی آگے نکل چکے تھے۔ تاتاری سواروں نے جب ان کا تعاقب شروع کیا تو تیمور ملک نے اپنے اکثر ساتھیوں کو آگے نکلنے کا موقع دیتے ہوئے خود پیچھے رک کر چند جانبازوں کے ساتھ حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور ان کو پسپا کردیا۔ یہ سلسلہ چند دن تک جاری رہا۔ تیمور ملک بار بار رک کر اپنے قافلے کا تعاقب کرنے والوں کو روکتا اور پھر آگے لپکتا، مگر تا بکے...... اس کے اکثر ساتھی شہید یا زخمی ہوگئے۔ بعض فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔

آخر میں تیمور ملک خود تنہا رہ گیا۔ تین تاتاری اس کے تعاقب میں سرپٹ گھوڑے دوڑاتے چلے آرہے تھے۔ تیمور ملک کے ترکش میں صرف تین تیر تھے۔ اس سے قبل کہ دست بدست مقابلے کی نوبت آتی، تیمور نے گھوڑے کا رُخ پھیر کر ایک دشمن کی آنکھ کا نشانہ باندھتے ہوئے تیر چلا دیا۔ تیر ایک فضا پاش سرسراہٹ کے ساتھ کمان سے نکلا اور دشمن کی آنکھ میں پیوست ہوگیا۔ تیمور نے چلّا کر کہا:

''تمہاری تعداد کے مطابق دو عدد تیر ابھی باقی ہیں اور مجھے انہیں ضائع کرتے ہوئے افسوس ہوگا، بہتر یہی ہے کہ تم لوٹ جاؤ۔''

دونوں تاتاری پہلے ہی سہم چکے تھے، فی الفور واپس لوٹ گئے۔ (۱۰)

قوقند کے معرکے میں تیمور ملک کی بے مثل شجاعت اور ہوشیاری کے چرچے مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان یکساں طور پر عام ہوئے۔ محض ایک ہزار مجاہدین کے ساتھ بیس ہزار سے زائد افراد پر مشتمل لشکر کو تین ماہ تک روکے رکھنا اور بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچانے کے بعد ان کے نرغے سے بچ نکلنا واقعتاً قابل صد تحسین کارنامہ تھا۔

تیمور ملک کی جہادی سرگرمیاں ...... قوقند کے اس معرکے کے دوران بخارا، سمرقند اور دیگر کئی اہم علاقے تاتاریوں کے زیرنگیں ہوچکے تھے، اس لیے تیمور ملک نے براہ راست دارالحکومت خوارزم (اورگنج) کا رُخ کیا جو اب تک تاتاریوں کے حملے سے محفوظ تھا۔ دارالحکومت میں کچھ دن گزار کر تیمور ملک نے کچھ جانباز ساتھی جمع کرلیے اور دوبارہ تاتاریوں سے مختلف محاذوں پر نبرد آزما رہا۔ اسی دوران ایک بار اس نے مقبوضہ شہر ''بار جلیغ کنت'' پر شب خون مارا اور تاتاری حاکم اور اس کے محافظوں کو قتل کرکے بحفاظت واپس چلا آیا۔ (۱۱)

سلطان علاؤالدین خوارزم شاہ ان دنوں ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔ تیمور ملک نے اس کی خدمت میں حاضری کے ارادے سے دارالحکومت سے رخت سفر باندھا اور شہرستانہ کے مقام پر دربارِ سلطانی میں حاضری دی۔ (۱۲)

تیمور ملک سے تاتاریوں کے مظالم اوران کی تباہ کاریوں کے چشم دید واقعات سن کر خوارزم شاہ مزید ہراساں ہوگیا۔

کچھ عرصہ خوارزم شاہ کی بے مقصد بھاگ دوڑ میں اس کا ساتھ دینے کے بعد تیمور ملک تاتاریوں کے خلاف شہزادہ جلال الدین کی تحریکِ جہاد میں شامل ہوگیا۔ تیمور اور جلال الدین کا ساتھ اس وقت شروع ہوا جب اورگنج میں جلال الدین کی تخت نشینی ہوئی، تیمور نے جلال الدین کے شانہ بشانہ اس جدو جہد آزادی میں بھرپور حصہ لیا جس کا آغاز علاؤ الدین خوارزم شاہ کی موت کے بعد ہوا۔ (۱۳)

اترار کا محاذ..... قوقند پر یلغار کے ساتھ ہی تاتاریوں کی ایک اور فوج دریائے سیحوں کے ساتھ واقع تاشقند اور اترار پر حملہ کر چکی تھی۔ تاشقند کسی قابل ذکر مزاحمت کے بغیر فتح ہوگیا، مگر اترار کی سنگین فصیلیں دیر تک تاتاریوں کے لیے دردِ سر بنی رہیں۔ حاکمِ اترار ینّال خان ہی وہ شخص تھا جس نے تجارتی قافلے کو جاسوسی کے الزام میں قتل کرایا تھا اور چنگیز خان نے بدلے میں اسی کو خوارزم شاہ سے طلب کیا تھا۔ اس لحاظ سے چنگیز خان کے نزدیک اترار کا محاذ نہایت اہمیت کا حامل تھا، اس نے اپنے دو بیٹوں اوکتائی اور چغتائی کو اترار پر حملہ آور فوج کی کمان سونپ کر سختی سے یہ تاکید کی کہ وہ ینّال خان کو ہر قیمت پر زندہ گرفتار کر کے اس کے روبرو پیش کریں۔

تاتاری فوج کی آمد کی خبر سن کر ینّال خان نے بھی مقابلے کے لیے کمر کس لی۔ اس کے ساتھ پچاس ہزار سپاہی تھے۔ وہ ایک سرد و گرم چشیدہ سالار تھا اور ہتھیار ڈالنے پر موت کو ترجیح دیتا تھا۔ (۱۴) اس نے پہلے سے آس پاس کے تمام کھیتوں اور باغات سے اناج اور غذاؤں کے ذخائر کے علاوہ مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ بھی اترار کی فصیلوں کے اندر جمع کر لیے تھے۔ تیروں اور پتھروں کے بے شمار انبار اکٹھے کر کے وہ ایک طویل دفاعی جنگ کے لیے کمر بستہ ہو چکا تھا۔

تاتاری لشکر دریائے سیحوں عبور کر کے اترار کے سامنے نمودار ہوا اور سختی سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ تاتاری سپاہی روزانہ مختلف سمتوں سے فصیل پر حملہ آور ہوتے، مگر خوارزمی سپاہیوں کی پیہم تیر اندازی اور سنگ باری سے گھائل ہو کر پیچھے ہٹ جاتے۔ جانبین سے سپاہیوں کی ایک خاصی تعداد روزانہ کام آجاتی۔ تاتاریوں کے نقصانات زیادہ ہونے کے باوجود انہیں اپنے قلبِ لشکر سے کمک ملنے کا اطمینان تھا، مگر اترار کے عساکر کو اپنی تعداد میں نسبتاً کم رفتار سے کمی بھی کمک نہ ملنے کی بناء پر بڑی ہولناک معلوم ہو رہی تھی۔ محاصرہ طویل سے طویل تر ہوتا گیا، آخر خوارزم شاہ نے اس محاذ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے دس ہزار سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ حاجب قراچہ کی قیادت میں اترار کے محصورین کی مدد کے لیے روانہ کیا۔

سخت محاصرے کے باوجود حاجب قراچہ شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ ینّال خان کی خوشی قابل دید تھی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ غیبی مدد اترار کے سامنے دشمن کی عبرت ناک شکست کا باعث بن سکتی ہے، مگر افسوس صد افسوس!! حاجب قراچہ کے دل میں بزدلی اور موت سے کراہت کا مرض پیدا ہو چکا تھا۔ وہ کسی اور زاویے سے سوچ رہا تھا۔ چند دن اترار کے سامنے تاتاریوں کی یلغار کے وحشیانہ نظارے دیکھ کر وہ بزعمِ خود مقابلہ ناممکن اور بے سود سمجھ کر ''صلح جوئی'' کا مبلغ بن گیا۔ اس نے ینّال خان کو مشورہ دیا کہ وہ معرکہ آرائی سے دست بردار ہو کر تاتاریوں سے مصالحت کر لے، اس طرح وہ اور شہر کے باشندے تاتاریوں کی شمشیر انتقام سے محفوظ رہ سکیں گے۔ چار ماہ کے محاصرہ کے بعد اب شہر میں خوراک کے ذخیرے ختم ہوتے جا رہے تھے اور بہت جلد فاقوں کی نوبت آنے والی تھی۔ اگر مقابلے میں کوئی اور دشمن

ہوتا تو شاید ینّال خان نکتۂ مصالحت پر غور کر لیتا، مگر تا تاریوں کی عیاری، فریب بازی اور دسیسہ کاری سے وہ خوب واقف تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس وقت تا تاری فصیل کے دروازے کھلوانے کے لیے جو وعدے کریں گے شہر پر قبضہ کرتے ہی ان کو سراسر بھلا دیں گے۔ پھر ان کی ہوس خوں ریزی سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ تا تاریوں کے نزدیک کیا حیثیت رکھتا ہے، اس لیے کم ازکم اس کی جان بخشی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور عام شہریوں کے بارے میں بھی ینال خان کا یہی اندازہ تھا کہ تا تاری انہیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

حاجب قراچہ کی غداری..... قراچہ جب ینّال خان کو قائل نہ کر سکا تو اس نے اہل شہر سے رابطے قائم کیے اور انہیں سبز باغ دکھا کر اپنا ہم خیال بنانے کی کوششیں کرنے لگا۔ تا تاریوں کی سنگ بار منجنیقیں چار ماہ میں اترار کی فصیلوں میں وہ دراڑ نہ ڈال سکیں جو قراچہ کی غداری سے راتوں رات پیدا ہو گئی۔ اہل شہر میں سے ایک طبقہ اس کا حامی ہو گیا۔ [15] قراچہ نے ان کے ذریعے ینّال خان پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی، مگر ینّال خان اپنے فیصلے پر مصر رہا، وہ ہتھیار ڈال کر خود اپنے ہاتھوں ذلت کی موت نہیں مرنا چاہتا تھا۔ آخر کار قراچہ نے اپنے طور پر چوری چھپے شہر کے دروازے کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ تا تاریوں سے خفیہ بات چیت کر کے وعدوں کی توثیق کرا لی گئی۔ قراچہ تا تاریوں کے قبل از وقت تیار کردہ غداروں میں سے نہیں تھا، لیکن جہاں بزدلی کے جراثیم پروان چڑھنے لگیں وہاں غداری کا سرطان پیدا ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک شب جبکہ اہل اترار محوِ خواب تھے قراچہ کے سپاہیوں نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ ینّال خان کو اس کارروائی کا علم اس وقت ہوا جب تا تاریوں کے دستے شہر کے دروازوں سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ قراچہ کی غداری پر وہ لہو کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ آخری کوشش کے طور پر اس نے اپنے اہل وعیال اور جانثار ساتھیوں کو قلعے کے اندر جمع کر لیا اور دروازے بند کر لیے۔ اس وقت اس کے پاس بیس ہزار سپاہی باقی رہ گئے۔ [16]

اگلی صبح کا آفتاب اہل شہر کے لہو سے اترار کے گلی کوچوں کو رنگین ہوتا دیکھ رہا تھا۔ جوان مردوں کے علاوہ عورتیں، بوڑھے اور بچے بھی ان کے شعلۂ انتقام سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ینّال خان کا خیال صحیح ثابت ہو رہا تھا۔ قراچہ کو اوکتائی خان کی خدمت میں لے جایا گیا۔ قراچہ بہترین مستقبل کے حسین سپنے دیکھتا..... زبردست استقبال، پذیرائی اور حصولِ انعام واکرام کے خیالی پلاؤ پکاتا ہوا اوکتائی خان کے سامنے دست بستہ حاضر ہوا اور آداب بجا لایا۔ مگر اوکتائی خان کے بپھرے ہوئے تیور دیکھ کر اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اوکتائی خان نے اسے اپنی قوم سے غداری کرنے پر سخت بُرا بھلا کہا، خوب گالیاں دیں اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی گردن اُڑا دیں۔

تا تاریوں کے نزدیک قوم سے غداری ایک انتہائی قابل نفرت فعل تھا، اس لیے وہ موقع محل کے لحاظ سے اگرچہ اپنے حریفوں کے غداروں سے کام لیتے تھے، مگر انہیں قابل عزت مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ عام طور پر وہ اپنا مقصد پورا حاصل کر لینے کے بعد دشمن کے غداروں کو قتل کر دیتے تھے۔

شب خون..... ینّال خان نے قلعہ بند رہتے ہوئے تا تاریوں پر شب خون کا سلسلہ شروع کیا۔ ہر شب کو پچاس پچاس چھاپہ ماروں کی ٹولیاں تا تاریوں کے پڑاؤ پر ٹوٹ پڑتیں اور ان کو سخت جانی و مالی نقصان پہنچا کر فرار ہو جاتیں۔ تا تاریوں نے شب کا پہرا سخت کر دیا، مگر مجاہدین کے حملے جاری رہے۔ چھاپہ مار حملے میں روزانہ مجاہدین کی بھی خاصی

تعداد شہید ہو جاتی، مگر ینّال خان نے اس کی پروانہیں کی اس لیے کہ خوراک کی کمی کے باعث مجاہدین فاقوں پر فاقے کر رہے تھے اور موت بہرحال سامنے نظر آ رہی تھی۔ شب خون کا سلسلہ ایک ماہ تک جاری رہا۔ ہر رات بیسیوں مجاہدین جانیں قربان کرتے رہے۔ محاصرے کے پانچ ماہ گزر جانے پر بھی مجاہدین کی مٹھی بھر تعداد نے جان ہتھیلی پر رکھ دشمن کو فصیل عبور کرنے سے روکے رکھا۔ آخرکار قلعے کا محافظ دستہ بھی کام آ گیا اور اترار کے حاکم کے ساتھ صرف دو سپاہی اور خاندان کی مستورات باقی رہ گئیں۔

حاکمِ اترار کی گرفتاری..... قلعہ کی فصیلوں پر مزاحمت نہ پا کر تاتاریوں نے اس کے دروازے توڑ دیے۔ ینّال خان تیروں اور پتھروں کا بچا کھچا ذخیرہ سمیٹ کر قلعے کے ایک بلند برج پر چڑھ گیا۔ تاتاریوں نے اس کے دونوں ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد اس کا گھیراؤ کر لیا، چونکہ چنگیز خان نے اپنے سپاہیوں کو اسے زندہ گرفتار کرنے کی تاکید کی تھی، اس لیے وہ اسے قتل کرنے کے حتمی اقدام سے باز رہے۔ ینّال خان بھوکا پیاسا آخری تیر اور آخری پتھر تک لڑتا رہا۔ جب وہ بالکل بے بس اور عاجز ہو گیا تو تاتاریوں نے برج پر چڑھ کر اسے گرفتار کر لیا۔

چونکہ اترار ہی وہ شہر تھا جہاں چنگیز خان کے بھیجے ہوئے قافلے کو قتل کیا گیا تھا، اس لیے اترار سے جاتے جاتے تاتاریوں نے جوشِ انتقام میں فصیل شہر، قلعے اور مکانات کو بالکل تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ [۱۷] یہ تاتاری لشکر جو یلغار کی ابتداء ہی سے چنگیز خان کی اصل افواج سے علاحدہ سرگرم رہا تھا۔ اپنی مہم سے فارغ ہو کر اب سمرقند روانہ ہوا جہاں عنقریب چنگیز خان محاصرہ کرنے والا تھا۔ [۱۸]

تاتاری ساحلی شہروں کے بے شمار مرد و زن کو بھی قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ وہ سارے راستے انہیں طرح طرح سے ذلت و اذیت کا نشانہ بناتے رہے۔ ان قیدیوں میں ینّال خان بھی شامل تھا جسے چنگیز خان کے بیٹوں نے سارے راستے بدترین تشدد اور تضحیک و تذلیل کے لیے تختۂ مشق بنائے رکھا۔

دیر تک دیس میں پردیس کا نقشہ دیکھا دیر تک صبحِ وطن شامِ غریباں ہی رہی
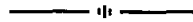
حواشی وحوالہ جات

① قوقند کو خوقند، خجند اور خدقان بھی کہا گیا ہے۔ موجودہ تاجکستان کا مشہور شہر ہے۔
② چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۰۹
③ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸
④ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۱۰
⑤ تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۱
⑥ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸
⑦ ، روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴ ص ۱۱۰
⑧ چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۰
⑨ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۱
⑩ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۸...... جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۲
⑪ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۳...... ہیرلڈ لیمب کے بیان کے مطابق تیمور ملک قوقند سے فرار ہو کر شہزادہ جلال الدین سے جاملا تھا جو مملکت کے جنوب میں مورچہ بندی کر رہا تھا، چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۱
⑫ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۵

بعض تواریخ کے مطابق تیمور ملک سلطان جلال الدین کے ساتھ مل کر ایک عرصے تک جہاد میں مشغول رہا تھا۔ عبدالرفیع حقیقت نے تاریخ نہضتہائے ملی ایران (ص ۵۰۹) میں اسکی تصریح کی ہے کہ تیمور ملک قوقند سے فرار ہو کر سلطان جلال الدین سے جاملا تھا (گریخت، و بہ خوارزم رفت، و بہ سلطان جلال الدین پیوست) نیز ص ۵۱۳ پر یہ وضاحت بھی کی ہے کہ دریائے سندھ کی جنگ میں سلطان جلال الدین کے ساتھ دریا عبور کرنے والوں میں تیمور ملک بھی شامل تھا۔

⑬ جہاں کشا، ج ۲، ص ۷۳...... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹
⑭ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷...... جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۴
⑮ تاریخ گزیدہ، ص ۶۲ تا ۶۶...... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۲
⑯ جہاں کشا، ج ۱، ص ۶۵
⑰ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷ تا ۲۸

⑱ مؤرخین کے بقول قوقند اور اترار کے محاذوں پر پانچ چھ ماہ تک جنگ جاری رہی۔ اس حساب سے ان دونوں محاذوں کا دورانیہ ذوالحجہ ۶۱۶ھ (فروری ۱۲۲۰ء) تا جمادی الاولیٰ ۶۱۷ھ (جولائی ۱۲۲۰) بنتا ہے۔ دوسری طرف جہاں کشاجوینی کے بیان کے مطابق سمرقند کا معرکہ ربیع الاول ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰)ء کو برپا ہوا تھا، دیگر کتب بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ ان دونوں باتوں کو ملایا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اترار کا سقوط سمرقند کے معرکے کے بعد ہوا ہو۔ مگر چونکہ سمرقند کے محاصرے کے دوران اترار کے حاکم ینال خان کو چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس لیے اترار کا سقوط سمرقند کے معرکے سے قبل ہونا یقینی ہے۔ اس تضاد سے نکلنے کے لیے یہ ماننا پڑے گا کہ قوقند اور اترار کے محاذوں کے دورانیے کی تطویل میں مبالغے یا تسامح کا عنصر شامل ہے۔ قرینِ قیاس یہ ہے کہ یہاں کی لڑائیاں تین سے چار ماہ تک کی مدت یعنی صفر ۶۱۷ھ (اپریل ۱۲۲۰ء) کے اواخر تک مکمل ہو چکی تھیں۔ اسکے بعد تاتاریوں نے سب اطراف سے مجتمع ہو کر سمرقند کی طرف پیش قدمی کی اور ربیع الاوّل ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) میں سمرقند کا محاصرہ کرلیا۔

نواں باب
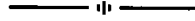
سقوط بخارا وسمرقند

اِلَّا تَنفِرُوا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ.

اگر تم (جہاد میں) نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو سخت عذاب دے گا اور تمہارے بدلے دوسری قوم پیدا کر دے گا۔ (التوبہ)

کر یاد ان دنوں کو کہ آباد تھیں یہاں　　　گلیاں جو خاک و خون کی دہشت سے بھر گئیں
کیا باب تھے یہاں جو صدا سے نہیں کھلے　　　کیسی دُعائیں تھیں جو یہاں بے اثر گئیں

تاتاری لشکر بخارا کی سمت..... چنگیز خان اپنے چھوٹے بیٹے تولی خان کو ساتھ رکھتے ہوئے کسی نامعلوم مقام سے بڑی خاموشی کے ساتھ دریائے سیحون عبور کر کے صحرائی وسعتوں میں داخل ہو گیا۔ وہ خوارزمی آبادیات کو اپنے بائیں ہاتھ کی سمت چھوڑتا ہوا ان سے کئی سو میل پرے بحیرہ ارال کے ساتھ ساتھ صحرا میں سفر کرتا رہا۔ پھر صحرائے قزل قم کا چکر کاٹ کر وہ شمال مغرب کی سمت سے بخارا کی طرف بڑھنے لگا، جبکہ اس کے بے خبر حریف مشرق کی طرف رُخ کر کے تاتاری یلغار کا انتظار کر رہے تھے۔ مشرق کی سمت بھی تاتاریوں سے خالی نہ تھی۔ جوجی اور دوسرے دو شہزادے دریائے سیحوں کے آس پاس واقع شہروں کو فتح کرنے کے بعد مشرق سے یلغار شروع کرنے والے تھے، جبکہ جنوب مشرق کی سمت میں جبی نویان سمرقند سے دو سو میل کے فاصلے تک پہلے ہی پیش قدمی کر چکا تھا۔ اس طرح خوارزم شاہ اپنی افواج کے ساتھ تینوں اطراف سے تاتاریوں کے گھیرے میں آنے والا تھا۔ سمرقند اور بخارا جیسے عظیم شہر اس سہ طرفہ یلغار کی زد میں تھے۔ ①

صحرا سے نکل کر چنگیز خان برق و باد کی مانند بخارا کی طرف لپکا۔ وہ بلائے ناگہانی کی طرح یکدم بخارا پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا، اس لیے راستے میں پڑنے والے دیہاتوں اور بستیوں میں گھوڑوں اور سپاہیوں کو پانی پلانے کے سوا اس نے کسی اور کام کے لیے لشکر کو ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔ ② چونکہ اس وقت خوارزم شاہ اپنی اصل طاقت کے ساتھ سمرقند و بخارا کے نواح میں موجود تھا اور چنگیز خان سب سے پہلے شاہ ہی سے دو دو ہاتھ کر کے اس کی قوت کچلنا چاہتا تھا، اس لیے وہ دار الحکومت اور گنج سے کتراتا ہوا بخارا کی طرف رواں دواں رہا۔ اسے معلوم تھا کہ سمرقند و بخارا میں خوارزم شاہ کی شکست فیصلہ کن ثابت ہوگی اور پھر دار الحکومت پر قبضہ مشکل نہیں ہوگا۔

سمرقند میں خوارزم شاہ کی گھبراہٹ..... مستحکم اور بلند فصیلوں والے شہر سمرقند میں خوارزم شاہ آئندہ جنگ کے لیے سوچ بچار کر رہا تھا کہ اچانک اسے اطلاع ملی کہ مغرب کی جانب سے چنگیز خان بخارا کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ اس خبر سے خوارزم شاہ کے اوسان خطا ہو گئے۔ جنوب مشرق سے جبی نویان یلغار کر رہا تھا اور مغرب سے چنگیز خان خود آ رہا تھا۔ خوارزم شاہ نے خود کو شکنجے میں پھنستا ہوا محسوس کیا۔ اس نے گھبراہٹ کے عالم میں فوج کو مزید تقسیم کر کے کچھ

فوج بخارا روانہ کی، کچھ دستے سمرقند کے سپاہیوں کی کمک کے لیے متعین کیے۔ بعض اتابکوں کو بلخ اور قندوز کی نگرانی پر مقرر کیا اور خود سمرقند سے نکل جانے کی تیاری کی۔ (۳)

خوارزم شاہ نے سمرقند کے امراء اور ارکانِ دولت کو یہ باور کراتے ہوئے کہ موجودہ صورتحال میں سمرقند کے سامنے کسی فیصلہ کن کامیابی کی امید بہت بعید ہے، خراسان روانگی کا قصد ظاہر کیا۔ اس نے سمرقند کے امراء سے کہا:

''تم شہر کا دفاع کرو...... میں بہت جلد ایک لشکر جرار تیار کر کے واپس آؤں گا۔'' (۴)

شاہ کا یہ فیصلہ سن کر شہر کے دلیر سالارانِ فوج پر گویا بجلی گر گئی۔ لاکھوں مسلمانوں کے کشت وخون کے بعد وہ بے چینی سے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب سمرقند کی فصیلوں کے سامنے وہ تاتاریوں کی لاشوں کو روند کر فتح کے نعرے بلند کرتے، مگر یَا لَلْعَجَبْ !! شاہ قوم کو درندوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر خود راہِ فرار اختیار کر رہا تھا۔ سمرقند کا قلعہ دار الپ خان سخت برہم تھا، دیگر بہادر سرداروں بالا خان، الباز خان وغیرہ کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

خوارزم شاہ کا سمرقند سے فرار..... خوارزم شاہ اپنے خصوصی مصاحبین اور محافظ دستے کے ساتھ سمرقند سے نکلنے لگا۔ فصیل کے دیوہیکل آہنی پھاٹک کھلے ہوئے تھے۔ سمرقند کے معززین، رؤساء اور سالارانِ فوج مشایعت کے لیے اس کے ساتھ چل رہے تھے۔ پھاٹک سے گزر کر فصیل کے باہر گہری خندق کے کنارے پہنچ کر وہ ایک لمحے کو رُکا...... یہ وہی سمرقند تھا جو دس سال قبل وقت کے عظیم فاتح علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے ہاتھوں ترکانِ خطا کی کافرانہ دسترس سے آزاد ہوا تھا...... یہ وہ شہر تھا جو صدیوں سے مسلم ثقافت اور اسلامی علوم وفنون کا گہوارہ چلا آیا...... جسے فاتحِ ترکستان قتیبہ بن مسلم نے امت مسلمہ کے حوالے کیا اور ملت اسلامیہ نے صدیوں ایک مقدس امانت کی طرح اس کی حفاظت کی...... پھر جب ترکانِ خطا نے اس شہر کو مسلمانوں سے چھین کر ظلم وستم کا بازار گرم کیا تو اکہتر (۷۱) سال بعد مظلوموں کی دُعائیں مقبول ہوئیں...... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ جیسے کشور کشا نے اس شہر کا رُخ کر لیا، وہ ظالموں پر قہرِ الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا...... اس کی سطوت وشوکت سے اس شہر نے از سر نو حیات حاصل کی...... مگر صرف دس سال بعد...... آج وہی کشور کشا قتیبہ بن مسلم رحمہ اللہ کی اس امانت کو دشمنوں کے ہاتھوں میں دے کر جا رہا تھا...... کتنا فرق تھا دس سال پہلے کے دلیر علاؤ الدین محمد اور آج کے پست ہمت خوارزم شاہ میں !!

خندق کے پل کے سامنے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ چند ثانیے رکا رہا۔ چشم تصور میں وہ ریت کے ذرّات اور سمندر کے قطرات سے زیادہ بے شمار گھڑ سواروں کا لشکر بگولوں کی طرح سمرقند کی طرف جھپٹتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا: ''ہم پر حملہ آور لشکر اتنا بڑا ہے کہ اگر اس کے سپاہی صرف اپنے چابک اس خندق میں پھینک دیں تو خندق لبالب پُر ہو جائے گی۔'' دائیں بائیں ایستادہ سمرقند کے افسران تعجب وتحیّر سے ایک دوسرے کا مُنہ دیکھنے لگے۔ شاہ کے بزدلانہ طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ اس کی زبان سے نکلنے والے مایوسانہ کلمات نے اِن سرداروں کی دہشت میں اور اضافہ کر دیا تھا جو پہلے ہی تاتاریوں کی آمد کی خبریں سُن سُن کر خوفزدہ ہو رہے تھے۔ (۵)

اپنے چہرے پر بے یقینی، خوف اور دل شکستگی کی پرچھائیاں لیے ہوئے خوارزم شاہ اپنے قافلے کے ساتھ خراسان کی طرف نکل گیا۔

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف   آہ! وہ تیرِ نیم کش، جس کا نہ ہو کوئی ہدف

بخارا کا محاصرہ..... بخارا اپنی نا قابل تسخیر فصیل اور مستحکم دفاعی نظام کی بدولت دنیائے اسلام کا حصن حصین (مضبوط قلعہ) کہلاتا تھا۔ شہر کی بلند و بالا فصیل کا طول ۱۲ فرسخ (چھتیس میل) تھا۔ ⑥ شہر کے وسط سے ایک خوشنما نہر گزرتی تھی جو لاکھوں افراد پر مشتمل آبادی کو دو حصوں میں تقسیم کردیتی تھی۔ نہر کے دونوں جانب دلکش باغات اور شاندار محلات کا سلسلہ تھا۔ ⑦

یہ مدارس اور مساجد کا شہر تھا...... یہ محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کا مرکز تھا...... اسی کی خاک سے امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم عالم و محدث نے جنم لیا جن کی کتاب الجامع الصحیح البخاری کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔

آغازِ ماہ محرم ۶۱۷ھ (مارچ ۱۲۲۰ء) میں تاتاریوں کے ان گنت دستوں نے بخارا کا محاصرہ کرلیا۔ ⑧ حاکم بخارا ینانج خان اپنے مصاحبین کے ساتھ فصیل شہر سے تاتاریوں کے پڑاؤ کا نظارہ کررہا تھا۔ ⑨ دور دور تک تاتاریوں کے خاص قسم کے خیمے ''یورت'' نصب کیے جارہے تھے۔ چنگیز خان کا بلند یورت بخارا کے قلعے کی سیدھ میں تھا۔ چند روز پہلے بخارا کو تاتاریوں کے حملے سے محفوظ خیال کیا جارہا تھا، مگر جب لاکھوں تاتاری یکایک بخارا کے مغرب سے نمودار ہوکر شہر کا گھیراؤ کرنے لگے تو عوام اور حکام کی تشویش نا قابل بیان حد تک پہنچ گئی۔ اس سے پیشتر خوارزم شاہ کے تیس ہزار امدادی عساکر بخارا پہنچ چکے تھے۔ حاکم بخارا کی کمان میں بھی ترک اور ایرانی دستے موجود تھے، مگر ان کے مقابلے میں دشمن کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔

شہر کی فصیلیں اس قدر مضبوط تھیں کہ اگر عوام اور حکام متفقہ طور پر مدافعانہ مقابلے کا تہیہ کرلیتے تو بخارا کئی ماہ تک سرنگوں نہ ہوتا، مگر سرحدی بستیوں سے آنے والے لٹے پٹے مہاجرین جو بخارا میں پناہ لیے ہوئے تھے تاتاریوں کی وحشت اور بہیمیت کی داستانیں سنا سنا کر لوگوں کو بے حد دہشت زدہ کر چکے تھے اس لیے شہر کے امراء اور رؤساء کے ایک طبقے کا خیال یہ تھا کہ چنگیز خان سے صلح کرلی جائے۔

مسلمانوں کا حملہ اور شکست..... حاکم بخارا ینانج خان ایک دلیر انسان تھا۔ وہ اور کئی فوجی افسران ہتھیار ڈالنے پر تیار نہیں تھے۔ انہوں نے لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ رات کے وقت ینانج، خان، کوک خان، کشلی خان، خمید بور اور سونج خان تیس ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے لے کر شہر کی فصیل سے باہر نکلے اور تاریکی میں دشمن کو غافل جان کر اس پر پوری شدت سے حملہ آور ہوگئے، مگر معلوم ہوتا ہے کہ مخبری ہوچکی تھی اور تاتاری ان کے منصوبے سے آگاہ ہوچکے تھے، اس لیے وہ پوری طرح چوکنا تھے۔ نتیجتاً یہ تمام خوارزمی سپاہی دشمن کے نرغے میں آگئے اور چند ایک کے سوا باقی سب لڑتے ہوئے شہید ہوگئے۔ ⑩

النسوی نے اس خونریز معرکے کے بارے میں ذرا مختلف منظر نامہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ امرائے بخارا کا مقصد لڑنا نہیں بلکہ گھیرا توڑ کر فرار ہونا تھا، چنانچہ انہوں نے اچانک حملہ کرکے تاتاریوں کی صفیں چیر دیں جس کے بعد لگتا تھا کہ تاتاری شکست کھا کر پسپا ہوجائیں گے، مگر جب مسلمان سپاہی ان کی صفیں توڑنے کے بعد پلٹ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہوئے تو تاتاری سمجھ گئے کہ یہ فرار ہورہے ہیں۔ تب چنگیز خان نے بڑے بڑے سرداروں کو فوج دے کر پورے انتظام کے ساتھ ان کا تعاقب کرایا جو دریائے آمو کے کنارے تک جاری رہا، اس کے نتیجے میں فرار ہونے والی

تقریباً تمام مسلم فوج تہ تیغ ہوگئی۔ صرف اینانج خان تھوڑے سے سپاہیوں کے ساتھ جان بچا کر دریا عبور کر سکا۔ ⑪

شیاطین کا راج ..... فوج کی بڑی طاقت کام آ جانے کے بعد اہل شہر کو مدافعت کی کوئی امید نہ رہی اور اگلے روز انہوں نے علامہ بدرالدین قاضی خان رحمہ اللہ کی قیادت میں ایک وفد چنگیز خان کے پاس بھیجا اور جاں بخشی کی درخواست کر کے شہر کے دروازے کھولنے پر آمادگی ظاہر کی ⑫ چنگیز خان نے انہیں عوام کی عزت و ناموس کے تحفظ کا یقین دلایا، چنانچہ شہر کی چابیاں اس کے سپرد کر دی گئیں اور فصیل کے دروازے کھول دیے گئے۔ چنگیز خان جنگجوؤں کے سیلاب کے ساتھ بخارا میں داخل ہوا۔ حاکم بخارا اینانج خان اس سے پہلے شہر سے نکل گیا تھا، جبکہ قلعہ دار کوک خان چار سو سپاہیوں کے ساتھ قلعہ بند ہو گیا تھا۔ ⑬

اہل بخارا دہشت زدہ نظروں سے ان انسان نما شیاطین کو دیکھ رہے تھے۔ تاتاریوں کا سیلاب شہر کی کشادہ سڑکوں اور گلی کوچوں پر حاوی ہو رہا تھا۔ اہل بخارا نے اس قدر ڈراؤنے اور ہیبت ناک چہرے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ وہ اس دنیا کے انسان معلوم نہیں ہوتے تھے۔ بادل دار لباس اور سینگوں والے خود پہنے ہوئے وہ بھوت دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی بولی سمجھ سے بالاتر تھی۔ انہیں بے تحاشا ناچتے اور بے سُرے گانے گاتے ہوئے دیکھ کر اہل بخارا یہ سمجھ چکے تھے کہ ان سے رحم کی توقع فضول ہے۔

چنگیز خان اپنے سپاہیوں کی کسی حرکت پر روک ٹوک کیے بغیر اپنے محافظوں کے جلو میں کشادہ سڑکوں پر گھوڑا دوڑاتے ہوئے، شہر کی محیر العقول دلکشی اور رعنائی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ تولی خان اس کے ہم رکاب تھا ⑭ سڑک کے دونوں جانب اور گھروں کی چھتوں پر مبہوت اور خوفزدہ عوام کا جم غفیر اس پیکر ظلم و وحشت کو تک رہا تھا جس کے چہرے پر رحم و بخشش کے کوئی آثار نہ تھے۔ سیاہ چمڑے کی زرہ اور ٹوپی میں وہ بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ ⑮

چنگیز خان جامع الکبیر میں ..... چنگیز خان کی نگاہ بخارا کی جامع مسجد ''جامع الکبیر'' پر پڑی۔ اس کی بے پناہ خوشنمائی سے متاثر ہو کر اس نے مسجد کے عظیم الشان دروازے کے سامنے گھوڑے کی لگام کھینچی اور لوگوں سے پوچھا: ''کیا یہ خوارزم کا محل ہے؟''

''نہیں خانِ اعظم! یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔'' لوگوں نے جواب دیا۔ ⑯

چنگیز خان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مسجد کے زینے سے ہوتا ہوا اس کے وسیع و عریض ہال میں داخل ہو گیا۔ منبر کے پاس وہ گھوڑے سے اُترا۔ منبر پر قرآن مجید کا ایک بڑا نسخہ بھی رکھا تھا، مگر چنگیز خان کو اس کی کیا پروا ہو سکتی تھی۔ وہ جوتوں سمیت منبر پر چڑھ گیا اور عوام کی بھیڑ سے جو اس کے اردگرد جمع تھی، یوں مخاطب ہوا:

''میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں کہ میری فوج کے لیے غلّے اور خوراک کا فوری طور پر انتظام کر دو۔ میرے سپاہی بڑے تکلیف دہ حالات سے گزر کر آئے ہیں۔ ان کو اردگرد کے علاقے میں خوراک اور چارہ میسر نہیں آیا تھا۔ تم ان کے لیے اناج کے ذخائر کھول دو۔ گھوڑوں کو فی الفور چارہ مہیا کرو اور اس مسجد جیسی وسیع عمارتیں ان کے لیے بطورِ اصطبل خالی کر دو۔'' ⑰

اس سے قبل کہ چنگیز خان مسجد سے نکلتا اس کے سپاہی اناج کے گوداموں پر جھپٹ پڑے۔ اپنے خانِ اعظم کی اجازت کے بعد ان کے لیے ایک لمحہ صبر کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ دہشت زدہ مسلمانوں نے بھی اپنے غلے اور چارے کے

ذخائر تاتاریوں کے سامنے پیش کرنے میں دیر نہ کی۔ جامع مسجد اور تمام مساجد و مدارس میں گھوڑے باندھ دیے گئے اور علماء اور فقہاء کو ان کی رکھوالی پر مجبور کر دیا گیا۔ الماریوں سے قرآن مجید کے نسخے اور کتابیں باہر پھینک کر ان میں چارہ اور بھوسا بھر دیا گیا۔ مقدس اوراق تاتاریوں کے ناپاک قدموں اور گھوڑوں کے نعلوں تلے پامال ہو رہے تھے۔ یہ جنگلی مساجد میں بیٹھ کر شراب کے جام لنڈھا رہے تھے۔ بخارا کی گلوکارائیں اور رقاصائیں ان کے اشارۂ شمشیر پر خانۂ خدا میں نغمہ سرا ہو کر رقص کر رہی تھیں...... اہل بخارا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسجد کی بے حرمتی کا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ (۱۸)

امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ کا جواب..... چنگیز خان مسجد سے نکلا اور اس چوک سے گزرا جہاں فقہاء درس دیا کرتے تھے۔ (۱۹) علماء اور بزرگانِ دین حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔ ساداتِ ماوراء النہر کے سرتاج سید جلال الدین علی رحمہ اللہ نے بخارا کے نامور دینی پیشوا امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ سے سرگوشی میں دریافت کیا:

''حضرت! یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ہم بیدار ہیں یا خواب دیکھ رہے ہیں؟''

امام زادہ رکن الدین رحمہ اللہ نے جواباً کہا: ''کچھ نہ پوچھو! یہ اللہ جل شانہٗ کی بے نیازی ہے، یہ قہر الٰہی ہے جو ہم پر نازل ہو رہا ہے، چوں و چراں کی گنجائش نہیں۔'' (۲۰)

چنگیز خان کا خطاب..... مگر یہ تو ابتدائی جھلک تھی۔ چنگیز خان کا اگلا حکم نامہ اس سے زیادہ سخت تھا۔ عیدگاہ میں پہنچ کر بے رحم چنگیز خان نے عوام کو دوبارہ جمع کیا اور منبر پر چڑھ کر ان سے خطاب کیا، اسے مفتوحین کو خوفزدہ کرنا او رانہیں احساس کمتری میں مبتلا کرنے کا فن خوب آتا تھا اس لیے اس نے پہلے خوارزم شاہ کی بدعہدی اور اپنے حملے کی وجوہ بیان کیں اور پھر یوں گویا ہوا:

''اے بخارا والو! میں آسمانِ لازوال کا قہر ہوں۔ وہ آسمان لازوال کہ جس کی قدرت کائنات کے ہر گوشے میں ہے میں اس کا بھرپور وار ہوں۔ خوارزم شاہ نے سخت جرائم کا ارتکاب کیا ہے، میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اس کے جرائم کی سزا دے کر میں اس کو یونہی برباد کروں جیسا کہ میں نے دوسرے بادشاہوں کو پاؤں تلے روندڈالا ہے۔ (۲۱)

لوگو! تم نے بڑے بڑے گناہ کیے ہیں، یہ جرائم تمہارے پیشواؤں نے کیے ہیں، تم پوچھ سکتے ہو کہ میں کس بناء پر دعویٰ کر رہا ہوں کہ تم گناہ گار ہو، وجہ یہ ہے کہ میں خدا کا عذاب اور قہر ہوں، اگر تم نے بڑے بڑے گناہ نہ کیے ہوتے تو مجھ جیسا عذاب تم پر نازل نہ ہوتا۔

خبردار! خوارزم شاہ سے تعاون مت کرنا۔ قلعے میں چھپی ہوئی فوج سے کوئی تعلق مت رکھو، بلکہ ان کو شہر سے باہر نکال دو۔ یہ تم نے عقلمندی کا ثبوت دیا کہ میری افواج کے کھانے کا بندوبست کر دیا۔ اب اگر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو اپنے مکانات کے دروازے بھی ان کے لیے کھول دو۔ سامنے رکھا ہوا سامان تو وہ خود لے لیں گے اسے پیش کرنے کی حاجت نہیں۔ البتہ اپنے خفیہ مال و دولت، سونے چاندی اور مدفون خزانوں کا پتا ہمیں بتا دو۔'' (۲۲)

قلعے پر حملہ..... چنگیز خان نے عوام کو قلعے سے سپاہیوں کے اخراج کا حکم تو دے دیا، مگر قلعے کی بلندی و سنگینی کی بناء پر یہ کام عوام کے بس کا نہ تھا۔ قلعے میں چھپے ہوئے خوارزمی سپاہی گاہے گاہے تاتاریوں پر شب خون مار کر انہیں پریشان کیے ہوئے تھے۔ آخر چنگیز خان خود اپنی فوج کے ساتھ قلعہ سر کرنے پہنچ گیا۔ شہر میں اعلان کر دیا گیا کہ تمام افراد اس مہم میں حصہ لیں...... جو حاضر نہیں ہوگا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ لوگوں کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا۔ چنگیز خان کے حکم سے خندق

کو پاٹنا شروع کیا گیا۔ پتھر، مٹی، درختوں کے تنے، مساجد کے منبر، کتابوں کی الماریاں...... غرض یہ کہ جو کچھ ان کے ہاتھ لگا وہ خندق میں ڈالتے گئے۔

خندق پُر ہوتے ہی چنگیز خان نے حملے کا حکم دیا۔ لاتعداد تاتاری اور بے شمار شہری بیک وقت حملہ آور ہوئے۔ کوک خان نے اپنے چار سو جانبازوں کے ساتھ حیرت انگیز مستعدی اور جانثاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بارہ دن تک ان لاتعداد حملہ آوروں کو قلعے میں داخل نہ ہونے دیا، مگر مٹھی بھر آدمی کب تک لڑتے......؟ بھوک پیاس اور بے آرامی سے بے حال ہو گئے۔ تاتاری قلعے میں نقب لگا کر اندر داخل ہو گئے اور ان سب مجاہدوں کو شہید کر دیا۔ [۴۲]

مظالم کا دوسرا دور..... قلعے کے جھنجھٹ سے فارغ ہو کر چنگیز خان اب کامل یکسوئی کے ساتھ عوام و خواص کے مال و دولت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ مظالم کے دوسرے دور کا آغاز تھا۔ تاتاری سپاہیوں کو لوٹ مار کی کھلی اجازت مل گئی تھی۔ وہ بے دھڑک گھروں میں داخل ہو جاتے اور سب کچھ لوٹ کر لے جاتے۔ روک ٹوک کرنے والے باشندے جان سے مار دیے جاتے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ تاتاری گھروں میں موجود عفت مآب خواتین کی کھلم کھلا عصمت دری کرتے اور ان کو روکنے والا کوئی نہ ہوتا، اگر کوئی غیرت کا مارا مزاحمت کرتا تو اس کے ٹکڑے اُڑا دیے جاتے۔ امرائے شہر اور اکابر کو بخارا کی فتح کے فوراً بعد حراست میں لے لیا گیا تھا، انہیں ہر وقت تلواروں کے پہرے میں رکھا جاتا۔ ان کی تمام دولت چھین لینے کے بعد بھی ان کو ناقابل اذیتیں دے دے کر کہا جاتا کہ دولت کے وہ ذخائر جو تم نے اب تک چھپا کر رکھے ہیں ہمارے حوالے کر دو۔ [۴۳] ان سے کوڑی کوڑی چھین کر بھی محض شک کی بناء پر نئے نئے خزانوں کا پتہ معلوم کرنے کے لیے ان کو کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ شکنجوں میں کسا جاتا، آگ سے اعضاء کو داغا اور جلایا جاتا۔ آخر اسی طرح وہ سسک سسک کر مر گئے۔

تاتاریوں نے خزانوں کی جستجو میں ان کے محلات کی بنیادیں تک کھدوا ڈالیں۔ تہہ خانوں کو چھان مارا، کنوؤں کی تلاشی لی اور جب ان کو یقین ہو گیا کہ اب اہل شہر کی ہڈیوں سے چکنائی کا آخری قطرہ بھی چوسا جا چکا ہے تو مظالم کا تیسرا اور آخری دور شروع ہوا۔

یومِ عذاب..... شہر کے تمام مردوں، عورتوں اور بچوں کو ایک بڑے میدان میں ہانک دیا گیا جسے نیزہ بردار اور شمشیر زن مسلح تاتاری افواج نے ہر طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اب خاتمہ قریب ہے۔ ہر طرف بچوں اور عورتوں کی جگر پاش چیخیں سنائی دے رہی تھیں، بیویاں اپنے شوہروں سے اور بچے ماؤں سے چمٹے ہوئے تھے۔ تاتاری بھیڑیے ان کو سروں کے بالوں سے گھسیٹ گھسیٹ کر علاحدہ کر رہے تھے...... نالہ و فریاد اور آہوں کی آوازیں آسمان تک بلند ہو رہی تھیں...... مرد بے بسی کے اشک بہاتے ہوئے اپنے سروں پر تاتاری تلواروں کی چمک دیکھ رہے تھے۔ وہ باعصمت، باحیا، سراپا غیرت اور پردہ دار خواتین جن کی پاک دامنی پر فرشتے بھی رشک کرتے تھے، آج جنگلی درندوں کے چنگل میں تھیں۔ جن کی خوبروئی ماہ و انجم سے بھی مستور رہی آج برسرِ میدان اپنے شوہروں، بھائیوں اور بیٹوں کے سامنے بے آبرو ہو رہی تھیں۔

خون کی ہولی..... قاضی صدر الدین خان، امام زادہ رکن الدین اور ان کا بیٹا یہ اعصاب شکن منظر دیکھ کر جذبۂ حمیت سے بے قابو ہو گئے۔ وہ تڑپ کر اُٹھے، اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر تاتاری بھیڑیوں پر جھپٹے اور لڑتے بھڑتے ہوئے شہید

ہو گئے۔ان کی دیکھا دیکھی اور بھی بہت سے آدمی یک بارگی نعرۂ تکبیر بلند کر کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔اعضاء کٹنے کی پروانہ کرتے ہوئے نیزوں اور تلواروں کے حصار سے جسم چھلنی کرواتے ہوئے خالی ہاتھ وہ ان تاتاریوں پر پل پڑے جو خواتین کی بے حرمتی کر رہے تھے۔کئی آدمی تاتاریوں کے ہتھیار چھیننے میں کامیاب ہو گئے اور جنونی انداز میں ان پر ٹوٹ پڑے اور بہت سے دشمنوں کو مار کر خود بھی شہید ہو گئے۔ [۲۵] یہ دیکھ کر تاتاریوں کا منظم لشکر حرکت میں آیا اور باقاعدہ حملہ کر کے اہل بخارا کا قتل عام کرنے لگا۔قاضی منہاج السراج کے بقول امام زادہ رکن الدین شہادت کے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

گفتم کہ دلم، گفت کہ خون کردہء ما است گفتم جانم، گفت کہ در پردہء ما است
گفتم کہ سگِ کوئے تو افتادہء ما است گفتا مزن ایں دم کہ فرا کردہء ما است

(میں نے محبوب سے کہا: ہائے میرا دل! اس نے کہا، وہ تو ہمارا ہی مقتول ہے۔ میں نے کہا، اور میری جان!۔ کہا، وہ ہمارے پردے میں ہے۔ میں نے کہا تیرے کوچے کا کتا ہم پر کیوں حملہ آور ہے؟......کہا خاموش رہ! کیونکہ اسے ہم نے ہی چھوڑا ہے۔) [۲۶]

سہ پہر تک اس میدان میں لاکھوں مظلوم شہداء کی بے گور وکفن لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔کھوپڑیوں کے مینار اور لاشوں کے پہاڑ آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔انتقام کی آخری رسم کی ادائیگی کے لیے تاتاریوں نے شہر کو آگ لگا دی۔اکثر مکانات لکڑی کے بنے ہوئے تھے،تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے آگ پکڑ لی۔بخارا کے کھنڈرات سے دھوئیں کا ایسا سیاہ بادل اُٹھا کہ سورج اس کے پیچھے روپوش ہو گیا۔ [۲۷]

کچھ منتخب مردوں اور عورتوں کو قیدی بنا کر انہیں اذیتوں کا نشانہ بناتے ہوئے تاتاری سمرقند کی طرف چل پڑے۔پیدل اور بے بس قیدی گھوڑوں کی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔جب ان میں سے کوئی چلنے سے معذور ہو جاتا تو تاتاری بلاپس وپیش اسے قتل کر کے ردی کاغذ کی طرح پھینک کر آگے چل دیتے۔ [۲۸]

زندگی خوف وتباہی کے سوا کچھ بھی نہ تھی درد وہ درد کہ جس کا نہ مداوا دیکھا
شیر خواروں کے گلے خون میں تر دیکھے ہیں نوجوانوں کو تہہِ تیغ تڑپتا دیکھا
عصمتِ دخترِ اسلام سے کھیلے کافر جبر کے کاندھوں پہ غیرت کا جنازہ دیکھا

سمرقند کا المیہ ..... سمرقند رقبے میں خوارزم کا سب سے بڑا، زمین کی زرخیزی کے لحاظ سے سب سے عمدہ اور محل وقوع کے اعتبار سے سب سے خوبصورت شہر تھا۔اس شہر کی تعریف کرتے ہوئے کسی شاعر نے کہا ہے:

اِنْ قِیْلَ فِی الدُّنْیَا تُرٰی جَنَّۃٌ فَجَنَّۃُ الدُّنْیَا سَمَرْقَنْد'

(اگر کہا جائے کہ دنیا میں جنت دیکھی جاسکتی ہے تو دنیا کی وہ جنت سمرقند ہے۔)

یہاں کی آب وہوا بڑی صحت بخش تھی، یہ عالم اسلام کے علمی، تجارتی اور صنعتی مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔

دفاعی انتظامات ..... سمرقند کے دفاعی انتظامات ہر لحاظ سے نہایت مضبوط تھے۔یہاں کا حاکم سلطان علاؤالدین محمد کا ماموں طغان خان تھا۔خوارزمی سپاہیوں میں سے ایک لاکھ دس ہزار کڑیل جوان یہاں موجود تھے۔ان میں سے ساٹھ ہزار ترک تھے اور پچاس ہزار کا تعلق غوری اور تاجک قبائل سے تھا، یہ سب کے سب خوارزمی فوج کا بہترین

تربیت یافتہ عنصر تھے۔ شہر کے باہر دور دراز تک گلستانوں اور باغات کے پھیلے ہوئے سلسلے کو فصیل شہر میں شامل کرنے کے لیے خوارزم شاہ کے حکم کے تحت ساٹھ ہزار تنومند فوجی ایک نئی فلک بوس فصیل تعمیر کرنے میں دن رات مصروف تھے۔ نقشے کے مطابق فصیل کی طوالت ۳۶ میل تک تھی، خوارزم شاہ کا خیال تھا کہ تاتاری اس سے سر ٹکرا کر آخر واپسی پر مجبور ہو جائیں گے۔ (۲۹) اگرچہ بخارا کی غیر متوقع فتح کے باعث یہ فصیل مکمل نہ ہو سکی، مگر قدیم فصیل بھی حد درجے پائدار تھی جس کی صلابت و بلندی دیکھ کر عام طور پر یہ خیال تھا کہ حملہ آور ایک سال تک محاصرہ کر کے بھی اسے سَر نہیں کر سکتے۔ اس میں لوہے کے بارہ مضبوط پھاٹک مختلف اطراف میں کھلتے تھے اور ان پر خصوصی تکنیک سے تیار کردہ تیراندازی کے لیے حد درجہ محفوظ بُرج طویل عرصے تک حملہ آوروں کو شہر سے دور رکھنے کے لیے کافی تھے۔ نیز کھلے میدان میں دشمنوں کو کچلنے کے لیے جنگی تربیت یافتہ بیس دیو پیکر ہاتھیوں کا خطرناک غول بھی موجود تھا۔ (۳۰)

تاتاریوں کی سہ طرفہ یلغار..... مگر ان سب انتظامات کے مقابلے میں تاتاریوں کی اگلی پیش قدمی کا انداز بے حد حیران کن اور دہشت انگیز تھا۔ سمرقند میں افواج کی کثرت اور قلعے اور فصیل کے استحکام کو مدنظر رکھتے ہوئے چنگیز خان کا خیال تھا کہ یہاں ایک گھمسان کی جنگ ہوگی جس پر دونوں قوموں کی فنا و بقا کا مدار ہوگا، اس لیے وہ تمام اطراف کی افواج کو مختلف خطوط پر پیش قدمی کرتے ہوئے سمرقند پہنچنے کا حکم دے چکا تھا اور گرد و نواح کے تمام علاقے مزاحمت سے پاک کر چکا تھا۔ سمرقند کی جانب بڑھتے ہوئے چنگیز خان نے راستے میں کہیں توقف نہ کیا۔ جو دیہات اور قصبات سر تسلیم خم کرتے گئے، ان سے تعرض نہ کیا گیا، جو مزاحمت پر اتر آئے انکے لیے چنگیز خان اپنے لشکر کا کچھ حصہ چھوڑ کر خود آگے بڑھتا گیا۔ (۳۱)

آپ پڑھ چکے ہیں کہ دریائے سیحوں کے کنارے ''اترار'' آخری مورچہ تھا جو کئی ماہ تک تاتاری شہزادوں کے لیے باعثِ غم بنا رہا۔ تاریخی لحاظ سے اترار پر یہ حملہ بخارا پر چنگیز خان کے حملے سے کوئی دو ماہ پہلے ہوا تھا، مگر بخارا کی مزاحمت دو ہفتے بھی برقرار نہ رہی، جبکہ اہل اترار کئی مہینے تک مقابلے میں جمے رہے۔ بخارا کی تباہی کے کچھ عرصے بعد تاتاری شہزادے اترار پر قبضہ کر کے ینال خان کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد چنگیز خان کی تاکید کے مطابق دریائے سیحوں کے نواح میں موجود تمام تاتاری دستے یکجا ہو کر بے شمار قیدیوں کو ہانکتے ہوئے شمال مشرق کی سمت سے سمرقند کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ سارے دستے دراصل چنگیز خان کے لشکر کا میسرہ (بایاں بازو) تھے، جنہیں مصلحتاً علیحدہ رکھا گیا تھا۔

سمرقند کا محاصرہ اور ینال خان کا قتل..... ربیع الاوّل ۶۱۷ھ (مئی ۱۲۲۰ء) میں تاتاری لشکر سمرقند کے سامنے جا پہنچا (۳۲) ان کی تعداد کا کوئی حد و شمار نہ تھا، مزید رعب طاری کرنے کے لیے چنگیز خان نے سوار دستوں کو آگے رکھا۔ پیادہ فوج، رسد کے دستوں اور قیدیوں کو گروہ در گروہ تسلسل کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ کیا۔ ہر دس قیدیوں پر ایک تاتاری علم بردار مقرر تھا جس سے بظاہر وہ بھی فوج کے افراد معلوم ہوتے تھے۔ (۳۳) اہل سمرقند دم بخود ہو کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تاتاریوں کا سیل بے کراں سمرقند کی فصیلوں کے سامنے ٹھاٹھیں مارتا دکھائی دے رہا تھا۔ چنگیز خان کا خیمہ سمرقند کے قلعے کے بالمقابل کوک سرا نامی ایک ٹیلے پر نصب کر دیا گیا۔ (۳۴) دریائے سیحوں کے کنارے غارتگری سے فارغ ہونے والا تاتاری لشکر بھی لاتعداد مفلوک الحال قیدیوں کے ساتھ سمرقند کے محاصرے میں شرکت کے لیے پہنچ گیا

تھا۔ان قیدیوں میں اترار کا حاکم ینال خان بھی تھا۔اسے ''کوک سرا'' کے ٹیلے پر چنگیز خان کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنگیز خان نے اپنے غصے کی بھڑاس نکالتے ہوئے اس کی آنکھوں اور کانوں میں پگھلی ہوئی چاندی ڈلوا کر اسے تڑپا تڑپا کر قتل کر دیا، چنگیز خان نے اسے یہ ہوش رُبا سزا اس لیے دی تھی کہ اس نے چنگیز خان کے بھیجے ہوئے تاجروں کی چاندی پر قبضہ کیا تھا۔ (۳۵)

امرائے سمرقند کی مشاورت ..... چنگیز خان ایک دو روز تک فصیل اور شہر کے محل وقوع کا جائزہ لیتا رہا اور لشکر کو حملے کی اجازت نہ دی۔قیدیوں کے گروہ تلواروں اور نیزوں کی چھاؤں میں دن رات محاصرے کی جبری سخت خدمات انجام دیتے رہے۔ان کو مسلسل مورچے اور خندقیں کھودتا دیکھ کر سمرقند کے امراء سمجھ گئے کہ یہ طویل اور سخت ناکہ بندی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ان کے لیے یہ بات بھی باعث تشویش تھی کہ ان کی نگاہوں کے سامنے اس لشکر کی موجودہ تعداد میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ نئے نئے دستے آ کر شامل ہو رہے تھے۔تاحد نگاہ دشمن کے سپاہیوں کے سر ہی سر نظر آ رہے تھے۔امرائے سمرقند کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ چند دن تک تاتاری اردگرد کے پہاڑوں اور جنگلات پر قبضہ اس قدر مستحکم کر لیں گے کہ کسی قسم کی کمک کا ملنا ناممکن ہو جائے گا۔ان امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے سالارانِ فوج نے لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ (۳۶)

بعض مؤرخین کے بیان کے مطابق تمام امرائے فوج لڑنے پر متفق نہیں تھے بلکہ لڑائی کا جوش وجذبہ زیادہ غوری قبائل میں تھا۔جب کہ تُرک افسران لڑنے کے حق میں نہیں تھے،ان کا خیال تھا کہ ہم بھی تُرک ہیں اور تاتاری بھی اُوپر سے اسی نسل کے ہیں،اس لیے ہمیں جان کی امان مل جائے گی۔ (۳۷)

جنگ کا پہلا دن ..... یہ سمرقند کے محاصرے کا تیسرا دن تھا کہ شہر کے پھاٹک کھول دیے گئے۔خوارزمی سپاہی منظم انداز میں بالا خان اور البازخان کی سرکردگی میں باہر نکلے اور بلاتوقف نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاری بھی لڑائی کے لیے پوری طرح کمربستہ تھے۔گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ نیزہ بازی، شمشیرزنی اور تیراندازی کے داؤ پیچ اپنا جوبن دکھانے لگے۔تاتاری افواج کی کثرت کے باوجود مسلمانوں کی جوانمردی قابل داد تھی۔انہوں نے دشمن کے دانت کھٹے کر دیے۔بارہا تاتاری سیلاب کو آگے بڑھنے کے بعد الٹے پاؤں پسپا ہونا پڑا۔ کئی باران کے طوفانی دستے فصیل کی طرف لپکے،مگر تیروں کی بوچھار میں سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔شام تک جاری اس معرکے میں تاتاریوں کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور ان کے بہت سے سپاہی قیدی بنا لیے گئے۔ مسلمان بھی خاصے شہید ہوئے۔ (۳۸)

دوسرے دن کی لڑائی ..... چنگیز خان کے لیے جنگ کے پہلے دن کا تجربہ باعثِ تشویش تھا۔اس نے اپنے بیٹوں اور سرداروں کو ان کے کمزور پہلوؤں کا احساس دلایا۔بعدازاں اس نے جنگ کا نیا منصوبہ طے کیا اور اگلے دن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بذاتِ خود کمان کرتے ہوئے شہر پر حملہ آور ہوگیا۔یہ حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ سمرقند کی افواج باہر نکل کر نہ لڑسکیں۔دن بھر تاتاریوں کا زبردست دباؤ رہا اور ہر لمحہ یہ خطرہ تھا کہ تاتاری فصیل سر نہ کر لیں۔ پہلے دن کی لڑائی کے بعد اہل سمرقند جس قدر پُرامید تھے دوسرے دن کی جنگ کا حال دیکھ کر ان میں سے بہت سے اسی قدر دل شکستہ نظر آ رہے تھے۔چند عمائدِ شہر اور فوج کے بعض افسران کا خیال تھا کہ دشمن سے باعزت شرائط پر صلح کر لینی چاہیے،لیکن بلند

ہمت جنگجو جرنیل اس پر تیار نہیں تھے۔ وہ چنگیز خان کے وعدوں پر یقین کرنے کو خود فریبی قرار دے رہے تھے۔ یہ اختلافِ آراء اتنا بڑھ گیا کہ مجلسِ مشاورت نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ شہر میں خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ باغیوں نے ہر قیمت پر چنگیز خان سے صلح کا تہیہ کر لیا تھا۔ آخر کار تیس ہزار ترک سپاہیوں کے سالار برشاش خان نے جو دشمن سے مصالحت کی تحریک میں پیش پیش تھا راتوں رات چنگیز خان سے رابطہ کیا اور اپنے حامی افسران، رؤسا اور ان کے متعلقین کے جان و مال کے تحفظ کی شرط پر شہر اس کے حوالے کر دینے کا وعدہ کر لیا۔ (۳۹)

تیسرے دن کی لڑائی، غداری اور شکست ..... جنگجو افسران اور مجاہدین اس خفیہ کاروائی سے بے خبر آئندہ معرکے کے لیے بھرپور تیاری کرتے رہے۔ محاصرے کے پانچویں روز سمرقند کے سرفروش ایک بار پھر میدان میں نکل آئے اور صفیں مرتبہ کر کے دشمن پر حملہ آور ہو گئے۔ نہایت شدت کی جنگ چھڑ گئی۔ دوپہر کے وقت لڑائی نقطہ عروج پر تھی، مسلم و کافر بُری طرح گتھم گتھا تھے اور تلواروں کی شدتِ ضرب سے فضا میں شرارے بکھر رہے تھے، اس دوران تاتاریوں نے جنگی چال کے تحت نمائشی پسپائی اختیار کی مسلمانوں نے جوش وخروش سے ان کا تعاقب کیا اور شہر سے دور نکل گئے، اتنے میں ہزاروں تاتاری سپاہی جو شہر کے قریب چھپے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور ان کو پیچھے سے گھیر لیا، فرار ہونے والے تاتاری بھی پلٹ پڑے، یوں مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے۔ اس وقت انہیں گھیرا توڑنے کے لیے کمک کی شدید ضرورت تھی مگر سمرقند کے باغی افسران اس نازک وقت میں محفوظ دستوں کے تیس ہزار سپاہیوں کو لے کر میدانِ جنگ سے علاحدہ ہو گئے۔ صبح سے لے کر اب تک لڑنے والے مجاہدین تھکن سے چور ہو رہے تھے۔ ایسے موقع پر ان سرداروں کی غداری سے کھلی شکست سامنے نظر آنے لگی۔ مجاہدین کے ولولے ماند پڑ گئے اور ان میں اکثر لڑتے بھڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی تعداد ستر ہزار تھی، چالیس پچاس ہزار پیشہ ور سپاہی جبکہ باقی رضا کار مجاہد تھے۔ (۴۰)

جنگ کے دوران ہی شہر کے عمائد کا ایک بڑا وفد چنگیز خان کی خدمت میں پہنچ گیا تھا۔ ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ ان لوگوں نے چنگیز خان سے اہل شہر کو عام معافی دینے کی درخواست کی۔ چنگیز خان نے اس کو بھی منظور کر لیا۔ (۴۱)

چنگیز خان سمرقند میں ..... عشاء کی نماز کے بعد خود فریبی کے شکار ارکانِ شہر نے فصیل کے دروازے کھول دیے اور تاتاری لشکر فتح کے بے ہنگم نعرے لگاتا ہوا شہرِ پناہ سے اندر داخل ہونے لگا۔ چنگیز خان کے حکم سے سب سے پہلے شہر کی فصیل، مورچے اور دوسرے دفاعی انتظامات کو تہہ و بالا کیا گیا تا کہ کسی بغاوت کا امکان نہ رہے۔ لاتعداد قیدیوں کے ساتھ تاتاریوں کے بے شمار دستے اس کام میں جت گئے اور اس نادر المثال مستحکم فصیل کو ایک دن رات میں زمین بوس کر دیا گیا۔ اس کے بعد اس کے بعد وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ عام معافی کے وعدے کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ اہل سمرقند کی جان و مال، عزت و آبرو کوئی شے محفوظ نہ رہی۔ اعلان کیا گیا کہ تمام لوگ شہر سے باہر نکل آئیں، جو اندر نظر آیا اسے قتل کر دیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی تاتاری سپاہی بے دریغ شہر میں گھس گئے، مرد و زن اور بچوں کو سو سو کی ٹولیوں میں بانٹ کر شہر کے باہر جمع کیا جانے لگا۔ تاتاری ہنر مند اور مضبوط افراد کو لشکر کی خدمات کے لیے اور حسین عورتوں کو ذاتی عیاشی کے لیے زندہ رکھنا چاہتے تھے۔ بہت سے لوگ اس ذلت سے بچنے کے لیے تہہ خانوں میں چھپ گئے تھے، چنگیز خان نے اعلان کروایا کہ جو کہیں چھپا ہوا برآمد ہوا اسے قتل کر دیا جائے گا، اس دھمکی سے بہت سے لوگ باہر نکل آئے، اس طرح

تمام شہریوں کو باہر پہنچادیا گیا۔ البتہ قاضی شہر، شیخ الاسلام اور مصالحتی وفد کے ارکان کے جملہ اعزّہ و اقارب کو جن کی تعداد پچاس ہزار تھی، اس سلوک سے مستثنیٰ رکھا گیا۔ (۴۲)

خوارزمی لشکر کے ہاتھی بھی تاتاریوں کے ہاتھ لگ گئے تھے، ہاتھیوں کو بھوک نے ستایا تو مہاوت ان کے چارے کے لیے چنگیز خان کے پاس حاضر ہوئے۔ چنگیز خان دیکھ چکا تھا کہ یہ بھاری بھرکم جانور اس کے طوفانی اندازِ جنگ میں کسی کام کا نہیں۔ اس نے بے نیازی سے کہا: ''ان جانوروں کو صحرا میں ہانک دو، اپنا چارہ خود ہی تلاش کرلیں گے۔''

حکم پر عمل ہوا اور ہاتھی صحرا میں تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ (۴۳)

خون کی ہولی..... شہر کے ترک فوجی تاتاریوں سے جان کی امان مانگتے ہوئے ان کے پاس چلے گئے تھے۔ ان کو اب بھی یہ خوش فہمی تھی کہ تاتاری بھی ہماری طرح ترک ہیں، سو ہمارا لحاظ کریں گے۔ تاتاریوں نے انہیں پیش کش کی کہ وہ اپنے ہتھیار، سواری کے جانور اور مال اسباب حوالے کردیں تو انہیں ان کی جاں بخشی کرکے ان کی مرضی کے مطابق کسی محفوظ علاقے تک پہنچادیا جائے گا، مگر جب سپاہی سب کچھ دے چکے تو تاتاریوں نے انہیں گندم کی فصل کی طرح کاٹ ڈالا۔ (۴۴)

فتح کے دوسرے دن تمام اہل شہر کا قتل عام شروع کیا گیا اور لاکھوں بندگانِ خدا کی لاشوں سے سمرقند کے بازار، گلیاں اور میدان پُر ہوگئے۔ کھوپڑیوں کے مینار قائم کردیے گئے۔ قلعہ دار الپ خان مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں چھپا ہوا تھا، اس نے اچانک تاتاریوں پر حملہ کردیا اور تند و تیز ضربات سے ان کو مارتا کاٹتا ہوا شہر سے نکل کر خوارزم شاہ سے جا ملنے کے لیے جنوب کی طرف روانہ ہوگیا۔ اگلے روز تاتاریوں نے قلعے کی ایک دیوار توڑ کر اسے بھی سر کرلیا۔

ایک مسجد میں ایک ہزار کے قریب مسلمانوں نے پناہ لے رکھی تھی، تاتاری غارت گر شہر کے دوسرے حصوں سے فارغ ہوکر یہاں پہنچے اور اللہ کے گھر کو آگ لگادی۔ تمام پناہ گزین جل کر شہید ہوگئے۔ (۴۵)

غداری کی قیمت..... برشماش خان اور دوسرے غدار سرداروں کی ایک دو دن تک خوب خاطر داری کی گئی۔ ان کے تیس ہزار سپاہیوں کو تاتاریوں کی وردیاں مہیا کرکے بظاہر تاتاری فوج میں شامل کرلیا گیا۔ یہ سپاہی قنقلی اور ترک قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ غدار اپنی نمک حرامی کی قیمت وصول کرنا چاہتے تھے اور چنگیز خان سے انعام واکرام کے امیدوار تھے، مگر چنگیز خان دشمن کے غداروں پر اعتبار کرنے کی غلطی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ دولت اور منصب کے یہ بھوکے جس طرح اپنے پہلے آقا سے بغاوت کرچکے ہیں کبھی اس سے بھی غداری کرسکتے ہیں۔ ایک رات جب برشماش خان اور اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے چنگیز خان کے حکم سے تاتاری لشکر ان پر پل پڑا، صبح کے وقت تیس ہزار بے گور و کفن نعشیں غداروں کی بدانجامی کی منہ بولتی تصویر بنی ہوئی تھیں۔ (۴۶)

خوارزمی کمک کی ناکامی..... علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تحریر کرتے ہیں کہ خوارزم شاہ نے (جو سمرقند پر حملے سے قبل جنوب کی طرف نکل گیا تھا) سمرقند کے محاصرے کی خبر سن کر (جنوبی علاقوں سے) دس ہزار سپاہی کمک کے لیے سمرقند روانہ کیے، مگر محاصرہ اتنا سخت تھا کہ وہ شہر تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ خوارزم شاہ نے دوسری مرتبہ بیس ہزار کا لشکر روانہ کیا، مگر وہ بھی راستہ نہ پاکر ناکام لوٹ آیا۔ (۴۷)

خلیفۃ المسلمین اور دیگر مسلم حکمرانوں کی سنگ دلی..... خوارزم میں مسلمانوں کے اس قتل عام پر آس پاس کی مسلم

حکومتیں خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ خوارزمی افواج کی مسلسل شکستوں اور عامۃ المسلمین کے لہو کی ارزانی دیکھ کر بھی کسی نے اپنے اوپر جہاد فرض نہیں سمجھا، کسی مسلمان حکمران نے ان مظلوموں کی اعانت کے لیے تلوار نہیں اُٹھائی۔ عباسی خلیفہ ناصر جو اس بات کا اوّلین ذمہ دار تھا کہ تمام عالمِ اسلام میں خوارزمی مسلمانوں کی نصرت وحمایت کے لیے نفیر عام کرتا، بدترین منافقت اور بے حیائی کا ثبوت دیتے ہوئے رنگ رلیوں میں مست تھا۔ اس کا وزیر سمرقند و بخارا میں مسلمانوں پر مظالم کی دردانگیز روداد سن کر تڑپ اُٹھا اور خلیفہ کی خدمت میں پہنچا۔ بھرائی ہوئی آواز میں اس نے خلیفہ سے کہا:

''آہ! اے ہمارے آقا! تاتاریوں نے اسلامی شہروں پر قبضہ کرلیا ہے اور مسلمانوں کو قتل کرڈالا ہے۔''

بے ضمیر خلیفہ اس دردناک پکار پر ٹس سے مس تک نہ ہوا اور بڑی لاپرواہی سے بولا:

''چھوڑو اس بات کو، میں اس سے زیادہ اہم مسئلے میں اُلجھا ہوا ہوں۔ وہ میری چتکبری چڑیا کہاں ہے۔ تین دن ہوگئے میں نے اسے نہیں دیکھا۔''[۴۸]

خاک وخوں میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش مصطفیٰ دینِ ناموس ہاشمی ہے بیچتا

خوارزمی مسلمانوں کی ہجرت..... خوارزم پر تاتاریوں کی یلغار کے آغاز کے ساتھ ہی سرحدی شہروں اور دیہاتوں کے بے شمار لوگ اپنی جانیں بچانے کے لیے مملکت کے وسطی شہروں کی طرف ہجرت کر گئے تھے۔ ان کی اکثریت کا یہی خیال تھا کہ خوارزم شاہ تاتاریوں کو سرحدوں پر روک لے گا اور وسطی علاقے ان کی دست برد سے محفوظ رہیں گے، مگر بخارا اور سمرقند کے سقوط اور ماوراء النہر کے دیگر شہروں میں مردوزن کے بے محابا قتل عام کے بعد کسی کو اپنے انجام کے متعلق خوش فہمی نہ رہی۔ اپنے بادشاہ کی پست ہمتی، اپنی افواج کی مسلسل شکست اور غیر ملکی حملہ آوروں کی بے روک ٹوک پیش قدمی سے سب پر ناامیدی، مایوسی اور خوف ودہشت کا عالم طاری ہو چکا تھا۔ لوگ صرف اپنی جانیں بچا کر دور دراز کے شہروں کی طرف بھاگنے لگے۔ پوری پوری بستیاں، قصبات اور دیہات خالی ہورہے تھے۔ یہ بے خانماں مہاجرین یہ جانے بغیر کہ ان کا رخ کس طرف ہے اور ان کی پناہ گاہ کون سا شہر ہوگا زیادہ سے زیادہ دور نکل جانے کی کوشش کررہے تھے۔ ان میں بوڑھے بھی تھے اور مریض بھی، گھر سے کبھی قدم باہر نہ نکالنے والی مستورات بھی تھیں اور معصوم بچے بھی، ان کی اکثریت کے پاس نہ کوئی سواری نہ تھی اور نہ مناسب زادِ سفر۔ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ روزانہ افق کو دیکھ کر کسی انجانی منزل کی امید پر چلنا شروع کرتے، چلتے چلتے ان کے قدم جواب دے جاتے، ان کی سواریاں نڈھال ہوجاتیں، مگر دور دور تک کسی پناہ گاہ کے آثار نظر نہ آتے۔

بہت سے مہاجر انہی راستوں کو طے کرتے ہوئے بھوک، پیاس اور موسم کی شدت سے دم توڑ گئے۔ بہت سے کمزور، ناتواں اور معذور افراد قافلوں کی رفتار کا ساتھ نہ دینے کے باعث پیچھے رہ گئے اور اِدھر اُدھر بھٹک کر صحراؤں کی وحشت ناک موت کا لقمہ بن گئے۔ بہت سے ایسے تھے جنہیں راہ میں تاتاریوں نے آلیا اور تہہ تیغ کردیا۔ مہاجرین میں سے جو اہل ثروت تھے وہ تاتاری حملے کے شروع ہی میں اپنے مال ومتاع سمیت گھوڑوں اور اونٹوں کے قافلوں پر ہندوستان بلادِ عرب اور ایشیائے کوچک کی طرف نکل گئے تھے، مگر ان کی ایک بڑی تعداد جنوبی شہر ہرات اور مغرب میں مرو اور نیشاپور کے فصیل بند شہروں تک پہنچ کر خود کو محفوظ سمجھنے لگی تھی۔ چند ماہ کے اندر ان شہروں میں مہاجرین کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔

حواشی وحوالہ جات

① چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۳
② چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵
③ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۶
④ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵
⑤ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۵...... روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۴
⑥ چنگیز خان، باب ۱۵، ص ۱۱۵
⑦ چنگیز خان، باب ۱۵، ص ۱۱۵
⑧ جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۸
⑨ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
⑩ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷...... جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۰
⑪ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۸۲
⑫ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۵
⑬ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵
⑭ جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۰
⑮ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۶
⑯ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷
⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۶
⑱ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶...... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
⑲ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۶...... خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
⑳ جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۱
㉑ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۷...... یاد رہے کہ تاتاری سورج، آسمان اور دیگر مظاہرِ قدرت کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان کو عالم کے تغیر و تبدل میں مختار و متصرف گردانتے تھے اسی لیے چنگیز خان بار بار آسمان کا ذکر کرتا تھا۔
㉒ جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۱...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۷
㉓ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۵...... جہاں کشا، ج ۱، ص ۸۲
㉔ چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۸...... روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۷...... خوارزم شاہی، ص ۱۰۷
㉕ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۶
㉖ طبقات ناصری ج ۱ ص ۳۶۸
㉗ طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۳۶۸...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۸...... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۶
㉘ ابن اثیر، ج ۵، ص ۵۷۶
㉙ روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۴...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۱
㉚ روضۃ الصفا ج ۵، ص ۲۹...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۵ ص ۱۱۸

(۳۱) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹۔ جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۳
(۳۲) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۶ (۳۳) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۶
(۳۴) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹
(۳۵) جہاں کشا، ج ۱، ص ٦٦......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۰
(۳۶) جہاں کشا ج ۱ ص ۹۲......جامع التواریخ ص ۳٦۲
(۳۷) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۸۳
(۳۸) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۲، ۹۳......جامع التواریخ ص ۳٦۳
(۳۹) جہاں کشا ج ۱ ص ۹۳
(۴۰) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۸۳
(۴۱) جہاں کشا ج ۱ ص ۹۳......جامع التواریخ ص ۳٦۳
(۴۲) جہاں کشا ج ۱ ص ۹۳، ۹۴ (۴۳) جہاں کشا ج ۱ ص ۹۴
(۴۴) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۸۳......ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷٦
(۴۵) جہاں کشا، ج ۱، ص ۹۵، ۹٦......روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹ تا ۳۰......چنگیز خان، باب نمبر ۱۵، ص ۱۱۹
(۴٦) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۲۹ (۴۷) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷
(۴۸) النجوم الزاہرہ، ج ٦، ص ۲٦۲
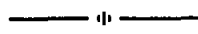
ویرانوں کا مسافر

منظرِ حرماں نصیبی کا تماشائی ہوں میں ہم نشینِ خفتگانِ کنجِ تنہائی ہوں میں

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اے ایمان والو! جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان سے پشت مت پھیرنا اور جو شخص ان سے اس موقع پر پشت پھیرے گا بجز اس صورت کے کہ وہ لڑائی کے لیے پینترا بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے کے لیے آتا ہو، تو وہ اللہ کے غضب میں آ جائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو گا اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (سورۃ الانفال، آیت:۱۶)

جنوب کا سفر ..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے سمرقند سے نکل کر ایک لٹے پٹے تاجر کی طرح جنوب کی سمت کوچ کیا، چونکہ ان دنوں اردگرد کے تمام علاقوں سے تاتاری افواج سمرقند کے پاس جمع ہو رہی تھیں، اس لیے راستے میں وہ تاتاریوں کی مزاحمت سے محفوظ رہا۔ اس کے سامنے کوئی متعین منزل نہیں تھی، سمرقند سے نکلتے ہوئے اس نے فقط یہ ارادہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ایک عظیم لشکر تیار کرنے جا رہا ہے۔

شہزادہ جلال الدین کی کوششیں ..... اُدھر مملکت کے جنوب میں شہزادہ جلال الدین نئی افواج تیار کرنے کی بھرپور کوششیں کر رہے تھے، ① مگر اب تک اتنے وسیع پیمانے پر تیاری نہیں ہو سکی تھی جس کے بل بوتے پر تاتاریوں سے دوبدو مقابلہ کیا جا سکتا۔ شہزادہ جلال الدین کی کوششوں کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ عوام کو قیادت پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ سلطنت کے اہم ترین شہروں کو اتنی آسانی سے دشمن کے ہاتھ میں دینے والا حکمران ان کے نزدیک اس قابل نہ تھا کہ اس کے ماتحت لڑ کر وہ جنگ میں کامیابی کی اُمید کر سکتے۔

درباری نجومیوں کا مشورہ ..... سلطان محمد خوارزم شاہ کو علم نجوم سے خاصا شغف تھا اور درباری نجومیوں کی رائے اس کے ہاں بڑی وقعت رکھتی تھی۔ تشویش اور تذبذب کے ان ایام میں ایک دن اس نے نجومیوں سے مشورہ طلب کیا۔ ان غارتگرانِ دین و ایمان نے سلطان کے شکوک کو یقینی بناتے ہوئے فوراً کہا:

"سرکار! فی الحال آپ کا ستارہ گردش میں ہے، جب تک وہ نحوست کے اثرات سے باہر نہ آ جائے آپ کو مقابلے میں نہیں نکلنا چاہیے۔"

ممکن ہے اس سے قبل خوارزم شاہ میں حوصلے کی کوئی رمق باقی ہو، مگر اس فریبی گروہ کی بات پر یقین کرنے کے

بعدوہ بالکل مایوس ہوگیا۔ ②

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ ان دنوں خوارزم شاہ نے خواب دیکھا کہ کچھ لوگ بال بکھیرے نوحہ وزاری کر رہے ہیں، خوارزم شاہ نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ مسلمان عن قریب تباہ و برباد ہونے والے ہیں اور ہر طرف ماتم اور نوحہ کا زمانہ آنے والا ہے، اسی طرح افغانستان میں دورانِ سفر ایک دن اس نے دیکھا کہ دو بلّیاں آپس میں لڑ رہی ہیں، ایک کالی ہے، دوسری سفید۔ کالی بلّی نے سفید بلی کو مار بھگایا۔ خوارزم شاہ نے اس سے یہ بدشگونی لی کہ تاتاری قوم خوارزمی مسلمانوں پر غالب آجائے گی۔ ③ غرض یہ کہ اس قسم کے توہمات کے باعث اس نے قبل از وقت خود پر مایوسی مسلط کر لی۔

دریائے آمو کے پار..... خوارزم شاہ نے ترمذ سے آگے نکل کر دریائے آمو عبور کیا اور خود کو خطرے سے قدرے دور محسوس کر کے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ دریں اثناء بخارا کا گورنر اینانج خان اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا ہوا شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاہ نے اس سے بخارا کی تباہی کے آنکھوں دیکھے حالات سنے۔ ④ اسی دوران اسے یہ اطلاع بھی پہنچی کہ شمال مشرق میں اترار کو فتح کرنے کے بعد تاتاری فوجیں سمرقند کو بھی راکھ کا ڈھیر بنا چکی ہیں اور عنقریب آگے پیش قدمی شروع کرنے والی ہیں۔ ⑤ یہ اطلاعات خوارزم شاہ کو ناامیدی کی انتہا تک پہنچانے کے لیے کافی تھیں۔ سمرقند کی فتح سے تاتاریوں کے لیے تمام ماوراء النہر پر تسلط کا راستہ صاف ہو چکا تھا۔ صورتحال اس قدر گھمبیر ہو چکی تھی کہ اس کے تدارک کے امکانات بہت کم دکھائی دے رہے تھے۔ خوارزم شاہ مدافعت و مزاحمت کے متعلق مایوس ہو چکا تھا، مگر اس کے بعض مصاحبین نے اسے اس فیصلے پر آمادہ کر لیا کہ وہ تمام امرائے لشکر کی عسکری مجلسِ مشاورت منعقد کر کے آئندہ لائحہ عمل تجویز کرنے کے لیے ان سے رائے طلب کرے۔

عسکری مشاورت..... مقررہ وقت پر تمام امراء جنگ اور سردار خوارزم شاہ کے دربار میں جمع ہو گئے۔ شہزادہ جلال الدین بھی مشاورت میں شرکت کے لیے حاضرِ خدمت تھے۔ سب ارکانِ شوریٰ نے اپنی اپنی آراء کا اظہار کیا۔ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ حاضرین مجلس دو فریق بن چکے تھے۔ شاہ کے تجربہ کار امراء نے رائے دی:

''فی الوقت ماوراء النہر میں دفاع کے وسائل مفقود ہونے کی وجہ سے مقابلہ بے سود ہے، وہاں جو تباہی ظاہر ہو چکی ہے اس کی تلافی کا موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ بہر حال اپنی باقی ماندہ استعداد بروئے کار لاتے ہوئے ایران اور خراسان کے صوبوں میں مدافعت کی بھرپور تیاری کرنی چاہیے۔ اس کے لیے تمام شہروں اور تمام قبائل سے افواج جمع کر کے دریائے جیحوں سے خندق اور حصار کا کام لیتے ہوئے اس کے کنارے مضبوط مورچہ بندی کر لی جائے اور دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔''

کہنہ مشق اور معرکہ آزماء امراء کی یہ رائے بڑی وزنی تھی، مگر اس کے بالمقابل بزدلی اور خودغرضی کی بیماری میں مبتلا دوسرے فریق کا خیال یہ تھا کہ اب فی الفور ہندوستان کا رخ کرنا بہتر ہوگا۔ اس دوران اگر غزنی میں لشکر جمع کر کے دشمن کو منہ توڑ جواب دینے کا موقع میسر آسکا تو خیر، ورنہ ہندوستان کی وسیع مملکت میں پناہ لی جاسکتی ہے۔ ⑥

ہندوستان کا رُخ..... مختلف آراء اور وساوس کے درمیان ہچکچاتے ہوئے آخر کار شاہ نے ہندوستان کا رُخ کیا۔ اس کے خوشامدی اور ابن الاوقت مشیر اسے یہی راہ دکھا رہے تھے۔ خوارزم شاہ نے بڑی سرعت سے اس سمت سفر شروع کیا۔ اس کی بے چینی و جلد بازی کا یہ عالم تھا کہ بلخ پہنچنے تک اس نے راستے میں کسی مقام پر پڑاؤ نہیں کیا۔

شہزادہ رکن الدین کا سفیر..... چھٹے باب میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ خوارزم شاہ نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ رکن الدین کو شمالی ایران اور عراق کے کوہستانی علاقوں کا والی مقرر کیا تھا۔ یہ علاقے ابھی تاتاریوں کی دسترس سے باہر تھے۔ شاہ کی بدحالی اور سرگردانی سے مطلع ہو کر شہزادہ رکن الدین نے خوارزم شاہ کے معتمد وزیر "عماد الملک ساوَجی" کو جو کہ اس وقت حکم شاہی کے مطابق شہزادہ رکن الدین کے ہاں وزارت عظمیٰ کی خدمات انجام دے رہا تھا، بارگاہِ سلطانی میں روانہ کیا تا کہ وہ سلطان معظم کو بصد عزت وتکریم عراق تشریف آوری پر آمادہ کر سکے۔

خوارزم شاہ بلخ میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ عماد الملک حاضر ہوا۔ تحائف گراں مایہ اس کی خدمت میں پیش کیے اور مشورہ دیا کہ دشمنوں کے حالیہ غلبے کے بعد مصلحت یہی ہے کہ عراق کی طرف کوچ کیا جائے۔ اس طرح آپ دشمنوں کی دسترس سے دور ہو جائیں گے اور وہاں پر بھاری لاؤ لشکر جمع کر کے تاتاریوں کو بھرپور شکست دینے کی تیاری کر سکیں گے۔ عماد الملک کی گفتگو سے پہلے بھی وطن کی محبت خوارزم شاہ کو شکستہ خاطر اور پریشان کر رہی تھی، وہ ہندوستان کے سفر کی ابتداء ہی میں متذبذب ہو گیا تھا۔ اس نئے مشورے کو سن کر وہ فوراً عراق جانے پر آمادہ ہو گیا۔ درحقیقت وہ کسی مدافعت کی تیاری کی بجائے صرف اپنی جان بچانے کا متمنی تھا۔

شہزادہ جلال الدین کی تقریر..... شہزادہ جلال الدین جو خوارزم شاہ کی خدمت میں موجود تھے، اس عاجلانہ فیصلے پر خاموش نہ رہ سکے اور ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دردِ دل کے ساتھ گویا ہوئے:

"جہاں پناہ! میری رائے یہ ہے کہ جس قدر لشکر جمع کرنا ممکن ہو، یہیں جمع کیا جائے اور دشمن کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ [۷] سلطانِ عالی مقام! اپنی سپاہ کو بکھیرنا اور دشمن کا سامنا کرنے سے گریز کرنا، پست ہمت اور عاجز لوگوں کا طریقہ ہے، باعظمت بادشاہوں کا کام نہیں۔ اس سے پہلے کہ بازی ہاتھ سے نکل جائے اور ہم حیرت و دہشت کی تصویر بن کر رہ جائیں، اس سے پہلے کہ ہم اقوامِ عالم کے درمیان چبائے جانے والے گوند کی حیثیت اختیار کر کے ہر کسی کی ملامت کا نشانہ بنیں اور ندامت کے سمندر میں غرق ہو جائیں، ہمیں ان حوادثِ روزگار سے اپنے دفاع کے لیے کھڑے ہو جانا چاہیے۔ [۸] سرِ دست اگر سلطانِ عالی مقام اس سے متفق نہ ہوں اور عراق جانے کا فیصلہ فرما چکے ہوں تو بصد شوق تشریف لے جائیں، مگر لشکر کی کمان میرے حوالے کرتے جائیں۔ میں فوج کو لے کر دریائے جیحون کے کنارے مورچہ بندی کروں گا اور دشمن کو دریا عبور کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔"

روم خیمہ بر طرف جیحوں زنم ۔۔۔ بادشمناں دست در خوں زنم

(میں جا کر دریائے جیحوں کے کنارے خیمہ گاڑوں گا، دشمنوں سے خوں ریزی اور پنجہ آزمائی کروں گا۔) [۹]

شہزادہ جلال الدین اپنے والد کو جہاد پر برانگیختہ کرتے ہوئے نہایت دردمندانہ انداز میں کہہ رہے تھے:

"عالم پناہ! اگر قسمت نے ہمارا ساتھ دیا تو توفیق خداوندی سے ہم اپنے مقصود کو حاصل کر لیں گے اور اگر توفیق ایزدی شاملِ حال نہ ہوئی تو ہم کم از کم بندگانِ خدا کی لعنت وملامت کا نشانہ تو نہیں بنیں گے۔ کم از کم لوگ یہ تو نہیں کہیں گے کہ ہم سے ٹیکس اور خراج لینے والے حکمران مصیبت کے وقت ہمیں نہتا اور لاچار چھوڑ کر چلے گئے۔" [۱۰]

لِيَبْلُغَ عُذْرًا اَوْ يُصِيْبَ رَغِيْبَةً ۔۔۔ وَمُبْلِغُ نَفْسٍ عُذْرَهَا مِثْلُ مُنْجِحِ

(تا کہ معذوری کی حد تک کوشش کر گزریں یا ہدف کو پالیں..... کیونکہ کوشش میں اپنی جان کو معذوری کی حد تک

پہنچادینے والا شخص کامیاب آدمی کی مانند ہوتا ہے۔)

شہزادہ جلال الدین کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ ان کے دلی جذبات اور ان کی غیرت وحمیت کا آئینہ دار تھا۔ ان کی گفتگو مایوس ترین انسان کے لیے بھی حوصلہ انگیز اور امید افزا تھی جس کی تاثیر سے افسردہ دلوں میں امنگ اور مردہ تنوں میں حیاتِ نو پیدا ہو سکتی تھی، مگر خوارزم شاہ......؟؟ اس کے دل کی کرچیاں جوڑنا اب کسی کے بس کی بات نہ تھی، اس کا چہرہ اسی احساس شکست کی غمازی کر رہا تھا جو وہ سمرقند سے ساتھ لے کر چلا تھا۔ بیٹے کی گفتگو کو وہ فقط بہلاوے کا سامان اور جذباتی ہیجان تصور کر رہا تھا۔ شہزادہ جلال الدین نے چند بار اسی مضمون کی تکرار کی اور ادب واحترام کے دائرے میں رہ کر باپ کو سمجھانے کی کوشش کی، مگر ہر کوشش بے سود رہی۔ ان تمام باتوں کے جواب میں خوارزم شاہ کا جواب یہ تھا:

''جو بھی حادثہ پیش آئے وہ اپنی انتہائی حد تک پہنچ کر رہتا ہے، اس سے پہلے اسے روکنا ممکن نہیں، بلکہ ایسی کوشش اور جدوجہد ایک کارِ عبث ہے، پھندے میں پھنسنے کے بعد تڑپنا اور ہاتھ پاؤں مارنا فوری ہلاکت کا باعث ہوتا ہے۔''

مَدِہ از پئے تاج سر را بباد — کہ باتاجِ شاہی زمادر نزاد

(شاہی تاج کے لیے اپنا سر مت گنوا، اس لیے کہ تو ماں کے پیٹ سے شاہی تاج پہن کر نہیں آیا۔)

شہزادہ جلال الدین نے جب اپنی کوشش رائگاں دیکھی تو غم واندوہ کے کڑوے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئے۔ باپ کے ادب اور حالات کی نزاکت نے انہیں بغاوت جیسے کسی انتہائی اقدام سے باز رکھا۔ وہ حسب سابق خدمتِ سلطانی میں پوری فرمانبرداری اور اطاعت کے ساتھ وقت گزارتے رہے۔ خوارزم شاہ ان کڑے حالات میں انہیں اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا، لہٰذا شہزادہ جلال الدین کو ہزاروں میل کی اس طویل بھاگ دوڑ کے تمام مراحل میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔ (۱۱)

خوارزم شاہ نے عماد الملک کے مشورے کے مطابق مغرب کی طرف کوچ کیا اور شمالی ایران کے سلسلۂ کوہ کی طرف نکل گیا تاہم جاتے جاتے اس نے مملکت کے باقی ماندہ قلعہ داروں کو حتی الامکان مدافعت کی تاکید کر دی۔ امیر عمر کو بامیان، اختیار الدین علی کو پشاور، حسام الدین حسین کو غور اور شمس الدین جرجانی کو ہرات کی حفاظت پر مقرر کر دیا۔ (۱۲) اس اقدام کے بعد وہ غالباً مملکت کے دفاع سے از خود سبکدوش ہو چکا تھا، مگر وہ بھول رہا تھا کہ بادشاہ کا حوصلہ ٹوٹنے کے بعد اس کے ماتحت قدم جما کر نہیں لڑ سکتے۔

بدر الدین عمید کی سازش..... مختلف محاذوں پر شکست کھانے کے بعد خوارزمی افواج کا دم خم ختم ہو چکا تھا۔ پھر بھی چنگیز خان کو یہ فکر لاحق تھی کہ خوارزم شاہ ایران یا افغانستان کے کسی حصے میں اپنی افواج کا شیرازہ جمع کر کے اس کے لیے مشکلات پیدا کر سکتا ہے، مگر انہی دنوں ایک ملت فروش نے چنگیز خان کے سامنے بچے کھچے خوارزمی لشکر میں پھوٹ ڈالنے کا ایک تیر بہدف نسخہ پیش کر کے اس کی یہ فکر دور کر دی۔ یہ ملت فروش بدر الدین عمید تھا۔ بدر الدین عمید کو خوارزم شاہ کی جانب سے طبرستان کا حاکم بنایا گیا تھا۔ کچھ عرصہ قبل اس کے والد اور چچا کو خوارزم شاہ نے کسی وجہ سے قتل کرا دیا تھا۔ اس وقت سے یہ سردار خوارزم شاہ سے انتقام کے لیے موقع کی تاک میں تھا۔ چنگیز خان کے ماوراء النہر قابض ہوتے ہی بدر الدین عمید اس کے پاس پہنچ گیا اور اپنی وفاداریاں اسے پیش کر دیں۔ وہ تنہائی میں چنگیز خان سے ملا اور گویا ہوا:

''خانِ اعظم! اس کائنات میں میرے نزدیک خوارزم شاہ سے زیادہ قابل نفرت کوئی اور نہیں، وہ میرے باپ اور چچا کا قاتل ہے۔ اگر میرے بس میں ہوتا کہ اپنی جان دے کر اس سے انتقام لے سکتا تو یہ بھی کر گزرتا مگر اس کی طاقت بہت زیادہ ہے۔ آپ اس بات پر مطمئن نہ ہوں کہ اس نے اپنا لشکر ادھر اُدھر بکھیر دیا ہے۔ اب بھی اس کے حکم پر ملک کے اطراف واکناف سے بہت بڑی فوج جمع ہو سکتی ہے۔''

چنگیز خان نے اس کی باتوں میں بڑی دلچسپی لی۔ بدرالدین نے چنگیز خان کو یقینی کامیابی کا نسخہ سمجھاتے ہوئے کہا کہ خوارزم شاہ کا اپنی والدہ اور اسکے جنگجو قبیلے سے انتظامی معاملات میں اکثر اختلاف رہتا ہے، اگر خوارزم شاہ اور اس کے ننھیال کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی کوشش کی جائے اور مزید بے اعتمادی کی فضا پیدا کر دی جائے تو فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔

چنگیز خان اور اس غدار میں خاصی دیر تک مشورہ جاری رہا۔ آخر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بدرالدین نے چنگیز خان کو رائے دی کہ ایک جعلی خط تیار کرایا جائے جس میں ترکان خاتون کے رشتہ دار امراء کی جانب سے چنگیز خان کو سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے خلاف اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا گیا ہو اور اسی خط کی پشت پر چنگیز خان کی جانب سے ان کی پیش کش کا مثبت جواب ہو۔ ⑬

چنگیز خان نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ایک جعلی خط تیار کرایا جس میں تحریر تھا:

''ہم ترک قبائل خوارزم شاہ کا ساتھ اس کی والدہ کے حق خدمت کی وجہ سے دیتے آئے ہیں، مگر اب جبکہ ہم دنیا بھر کے بادشاہوں کے خلاف اس کی مدد کر چکے، بڑے بڑے زبردست حکمران اس کے مقابلے میں عاجز ہو گئے اور سب کی گردنیں اس کے آگے جھک گئیں، تو اب خوارزم شاہ سرکشی اور نافرمانی میں مبتلا ہو کر اپنی والدہ کے بارے میں بدنیت ہو گیا ہے اور ہمیں اس کا ساتھ چھوڑنے کا حکم دیتا ہے، لہٰذا ہم اب آپ کی آمد کے منتظر ہیں اور آپ کے احکام کے تابعدار ہیں۔''

طے شدہ منصوبے کے مطابق ایک شخص کو یہ خط دے کر خوارزم شاہ کی خدمت میں بھیجا گیا جو بظاہر خوارزم شاہ کا ہمدرد مگر اندر سے چنگیز خان کا جاسوس تھا۔ اس نے شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بتایا کہ کچھ امراء سلطنت خوارزم کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور وہ ان کا ایک اہم خط چرا کر لایا ہے۔ شاہ نے اس کی باتوں کا یقین کر کے جب وہ جعلی خط پڑھا تو اس کے تھکے ہوئے اعصاب پر بجلی گر پڑی۔ اسے یہ توقع نہ تھی کہ ایسے نازک حالات میں اس کے ننھیالی رشتہ دار اسکا ساتھ دینے کے بجائے اس کے بدترین دشمن سے گٹھ جوڑ کر لیں گے۔ وہ ترکان خاتون کے اقارب امراء کو اندرونِ خانہ چنگیز خان کا حلیف سمجھ کر ان سے سخت بددل اور حد درجے متنفر ہو گیا۔

خوارزم شاہ پر قاتلانہ حملہ ..... اُدھر قپچاقی ترک امراء ان سخت حالات میں طوعاً وکرہاً اب تک اس لیے خوارزم شاہ کا ساتھ دیتے آ رہے تھے کہ حالات کی سنگینی نے شاہ اور اس کی والدہ کے مابین اختلافات کو رفع کر دیا تھا اور ملک وملت کی سالمیت کے لیے ترکان خاتون کے جانباز امراء خوارزمی لشکر کی صف اوّل میں رہ کر لڑتے رہے تھے۔ ⑭ کئی محاذوں پر فقط خوارزم شاہ کی کوتاہ اندیشی اور پست ہمتی کے باعث خوارزمی لشکر کی شکست ان سرداروں کو سخت گراں گزری تھی اور اس پر مستزاد یہ کہ خوارزم شاہ اب مستقل طور پر پشت پھیر کر ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف فرار ہو رہا

تھا۔ یہ جنگجو امراء بھی بادلِ نخواستہ اس کے ہم رکاب تھے اور صرف ترکان خاتون کے رشتے کا لحاظ کر کے کسی باغیانہ اقدام سے رکے ہوئے تھے، مگر اب جبکہ اس خط کے پکڑے جانے کے بعد خوارزم شاہ کی جانب سے انہیں اقدامِ بغاوت کا مجرم ٹھہرایا گیا تو ان کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے اسے خوارزم شاہ کی خود ساختہ سازش قرار دیا اور آپس میں مل کر یہ قطعی فیصلہ کر لیا کہ خوارزم شاہ کو قتل کر دیا جائے۔ ایک تاریک شب میں جبکہ خوارزم شاہ کہیں پڑاؤ ڈالے ہوا تھا، قپچاقی ترکوں کا ایک دستہ چپکے سے خوارزم شاہ کے خیمے کے پاس پہنچ گیا۔ خیمے کو مکمل طور پر گھیرنے کے بعد ان حملہ آوروں نے تیروں کا ایسا مینہ برسایا کہ خیمہ چھلنی ہو گیا۔ خوارزم شاہ کی موت کا یقین کر کے یہ جنگجو چپکے سے اپنے اپنے خیموں میں دبک گئے۔ اِدھر خوارزم شاہ کو اس کے جاسوس اس قاتلانہ سازش سے بروقت مطلع کر چکے تھے۔ اس نے رات ہی کو اپنا خیمہ چھوڑ کر ایک دوسرے خیمے میں قیام کر لیا تھا۔ صبح دم جب ان قپچاقی جنگجوؤں کو علم ہوا کہ خوارزم شاہ زندہ بچ گیا ہے تو ان کے لیے ایک لمحہ بھی فوجی کیمپ میں ٹھہرنا ممکن نہیں رہا۔ یہ سب کے سب فی الفور خوارزم شاہ کے پڑاؤ سے نکل کر چنگیز خان کی قدم بوسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس سانحے کے بعد خوارزم شاہ کی ذاتی کمان میں صرف بیس ہزار فوج باقی رہ گئی۔ اب اسے کسی پر اعتماد نہیں رہا تھا۔ تاتاریوں سے شکست کے بعد اپنوں کی غدّاری نے اس کے اعصاب شل کر دیے تھے۔ بدرالدین عمید کی گھناؤنی سازش نے خوارزمی قوت کو توڑنے میں راتوں رات وہ کام کر دکھایا جو چنگیز خان کے دلیر ترین جرنیل کئی مہینوں میں نہیں کر سکے تھے۔

اس سازش قپچاقی امراء کے ساتھ خود ترکان خاتون بھی شاہ سے سخت دل گرفتہ ہو گئی، چنگیز خان نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے اور خوارزم شاہ کے مابین اختلاف کو مزید وسیع کرنے کی کوشش کی اور ایک غدار خوارزمی امیر دانش مند حاجب کو اس کی خدمت میں بھیج کر یہ پیام دیا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارا بیٹا سرکشی کرتے ہوئے تمہاری ہمسری کر رہا ہے، میں نے اس کے امراء کی حمایت سے اس کے خلاف فوج کشی کی ہے، تم مطمئن رہو کہ مجھے تمہارے زیرِ انتظام شہروں سے کوئی سروکار نہیں، میں خوارزم اور خراسان سے دریائے آمو تک تمہاری حکومت تسلیم کرتا ہوں۔''

چنگیز خان کا مقصد یہ تھا کہ جب تک وہ خوارزم شاہ سے نمٹ نہیں لیتا ترکان خاتون مطمئن رہے اور اس کے خلاف جہاد میں حصہ دار نہ بنے۔ بہرکیف ترکان خاتون تاتاریوں کی خون ریزی کے مناظر دیکھنے کے بعد چنگیز خان پر اعتماد نہ کر سکی اور جلد ہی کسی گوشۂ تنہائی کی تلاش میں دارالحکومت سے فرار ہو گئی ⑮ جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

خوارزم شاہ کا تعاقب..... چنگیز خان سمرقند میں فروکش ہو کر خوارزم کے باقی ماندہ علاقوں پر لشکر کشی کے لیے لائحہ عمل ترتیب دے رہا تھا تاہم اس وقت اس کے نزدیک سب سے اہم مسئلہ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ پر ہاتھ ڈالنا تھا جو اس کی خواہش کے باوجود اب تک اس سے براہِ راست نہیں ٹکرایا تھا۔ اس دوران خوارزم کے غدار امراء یکے بعد دیگرے تاتاریوں سے ملتے جا رہے تھے۔ ترکان خاتون کے رشتہ دار امراء کے علاوہ قندوز کا حاکم علاؤالدین بھی چنگیز خان کا حلقہ بگوش بن چکا تھا، ان لوگوں کے ذریعے چنگیز خان کو اطلاع مل چکی تھی کہ خوارزم شاہ نہایت سراسیمگی کی حالت میں جنوب کی طرف گیا ہے۔ چنگیز خان کو اندیشہ تھا کہ اگر خوارزم شاہ کو کہیں قدم جمانے کا موقع مل گیا تو وہ اپنی منتشر افواج کی کمک حاصل کر کے اس کے لیے کوئی نیا خطرہ پیدا کر دے گا، اس لیے وہ جلد از جلد شاہ کو ٹھکانے لگانا چاہتا تھا۔ اس

نے اپنے دو قابل ترین سرداروں جبی نویان اور سوبدائی کو تیس ہزار آزمودہ شہ سواروں کے ساتھ خوارزم شاہ کے تعاقب میں روانہ کر دیا اور ان کو حکم دیا:

''خوارزم شاہ کا پیچھا کرو اور اسے زندہ یا مردہ گرفتار کر کے دکھاؤ، چاہے وہ آسمان کی بلندیوں میں روپوش ہو۔'' (۱۶)

یہ تیس ہزار سوار آندھی وطوفان کی طرح جنوب کی طرف لپکے۔ وہ روزانہ اَسّی اَسّی میل کا فاصلہ طے کرتے۔ صرف شام کے وقت مختصر سا وقفہ کر کے کھانا کھاتے، کچھ ستاتے اور پھر روانہ ہو جاتے۔ ان میں سے ہر سپاہی کے ساتھ کئی کئی گھوڑے تھے۔ ہر سپاہی دن بھر کی طوفانی یلغار میں بار بار تازہ دم گھوڑے بدلتا رہتا تھا۔ (۱۷)

چند دن بعد وہ دریائے آمو (جیحوں) کے کنارے کھڑے تھے۔ دریا کا تند و تیز پانی انہیں نہ روک سکا۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کی دمیں مضبوطی سے تھام لیں۔ اپنا اسلحہ، لکڑی اور چمڑے کے بڑے بڑے ٹوکروں میں بھر کر انہیں گھوڑوں کے ساتھ منسلک کر دیا اور گھوڑوں کو پانی میں ہنکا دیا۔ گھوڑوں کی دموں کی تھامتے ہوئے تیر کر، وہ دوسرے کنارے پر اُتر گئے۔ (۱۸) دریا عبور کرنے کے بعد وہ بلخ کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے ہراول دستوں نے پتہ چلا لیا کہ خوارزم شاہ بلخ سے نکل کر مغرب کی جانب جا چکا ہے۔ تاتاریوں کا یہ لشکر دو حصوں میں منقسم ہو کر بڑی تیزی سے اسی سمت روانہ ہو گیا۔ ان کا خیال تھا کہ خوارزم شاہ نے مرو کا رُخ کیا ہوگا۔ مرو دریائے جیحوں کے مغرب میں سلطنت کا ایک مضبوط اور وسیع شہر تھا۔ خوارزم شاہ کا یہاں دفاعی تیاریاں کرنا قرینِ قیاس تھا، لیکن چند دن بعد طویل اور دشوار گزار صحرا عبور کر کے جب یہ جنگجو مرو کے خوش منظر باغات اور سفید شہر پناہ کا نظارہ کر رہے تھے، ان کے مخبروں نے انہیں یہ قطعی اطلاع فراہم کی کہ خوارزم شاہ یہاں نہیں ہے۔ (۱۹)

خوارزم شاہ نیشاپور میں ...... علاؤالدین محمد خوارزم شاہ ویران و بے آباد علاقوں سے گزرتا ہوا شمالی ایران کا کوہستانی سلسلہ عبور کر کے نیشاپور پہنچا۔ اس نے اپنے خیال میں نہایت تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا اور تاتاری لشکر کو سینکڑوں میل دور چھوڑ آیا تھا لیکن درحقیقت تاتاری شکاری کتوں کی طرح اس کی بو سونگھتے ہوئے اس کے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ نیشاپور میں چند دن گزارنے کے بعد اسے ملک کے مختلف علاقوں سے تاتاریوں کی غارت گری اور خوں ریزی کی خبریں موصول ہونے لگیں پھر ایک دن اچانک اسے یہ اطلاع ملی کہ ایک تاتاری لشکر اس کے تعاقب میں اس جانب آ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی خوارزم شاہ نے امیر فخر الملک نظام الدین، ضیاء الملک عارض زوزنی اور مجیر الملک عمر کافی کو طلب کیا۔ انہیں شہر کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور شکار کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے اپنے خدّام و مصاحبین کے ساتھ نیشاپور سے نکل گیا۔ (۲۰)

جبی نویان اور سوبدائی راستے میں بستیوں کو لوٹتے، دیہاتوں کو تاراج کرتے اور مزاحمت کرنے والی آبادیوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے خوارزم شاہ کے تعاقب میں نیشاپور کی طرف لپکتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کی سفاکی اور خوں ریزی سے دہشت زدہ ہو کر خوارزم شاہ راستے میں پڑنے والی ہر بستی اور ہر شہر کے باشندوں کو یہ تاکید کرتا جا رہا تھا:

''اپنے بچاؤ کی فکر کرو، تاتاریوں سے مزاحمت مت کرو تا کہ ان کی خون آشام تلواروں کی کاٹ سے محفوظ رہ سکو۔'' (۲۱)

اسی قسم کا تاکیدی فرمان تمام صوبوں کے حاکموں اور قلعہ داروں کے نام روانہ کر دیا گیا۔ خوارزم شاہ کی اس پست ہمتی سے عوام اور حکام کا رہا سہا مدافعانہ جذبہ بھی سرد پڑ گیا۔ قلعے اور شہر کسی مزاحمت کے بغیر فتح ہونے لگے۔ لوگوں نے

اپنے آپ کو مکمل طور پر دشمن کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔ (۴۲)

شاہی حرم کی ہجرت ..... نیشاپور سے آگے نکل کر خوارزم شاہ نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہا کہ کہیں تاتاری فوج اچانک دارالحکومت پر حملہ نہ کر دے۔ تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ ''اورگنج'' روانہ کر دیا تا کہ وہ ترکان خاتون سمیت شاہی خانوادے کی تمام مستورات، ان کے بچوں اور خزانے کو اس کے پاس لے آئیں۔ سرپٹ گھوڑے دوڑاتے ہوئے رات دن ایک کر کے یہ شہ سوار جب دارالحکومت پہنچے تو تاتاریوں کی یلغار کے خدشات سے وہاں کی فضا سہمی ہوئی تھی۔ ترکان خاتون نے دیگر اہلِ خاندان کے ساتھ اپنے اس گلشنِ بے خار سے کوچ کی تیاری کی جہاں اس نے سلطان تکش کی زوجیت میں اپنی جوانی کی پُر لطف، سرگرم اور یادگار ایام گزارے تھے، جہاں سلطان علاؤالدین محمد کی والدہ کی حیثیت سے اس کے نام کا ڈنکا بجتا رہا، جہاں شمس وقمر حیرت زدہ ہو کر اس کے رعب ودبدبے کا نظارہ کرتے تھے، آسمانِ دنیا نے یہاں اسکے جاہ وجلال کے ایک طویل دور کا مشاہدہ کیا تھا..... آج ملکہ ترکان خاتون اپنی وجاہت، سطوت اور عظمت کے امین اس خانۂ عیش ونشاط کو چھوڑ کر نا معلوم منزل کی طرف روانہ ہو رہی تھی......اسے یہ بھی پتہ نہ تھا کہ اب اسے اس چمنستان کی جانب لوٹنا کبھی نصیب ہوگا یا نہیں۔ شہر سے نکلنے سے قبل ترکان خاتون نے ایک سفاکانہ حرکت کی۔ دارالحکومت میں کوئی بیس کے لگ بھگ دیگر مختلف شاہی خانوادوں کے اعیان خوارزم شاہ کے امراء کی حیثیت سے مقیم تھے۔ ملکہ نے اس خدشے سے کہ دارالحکومت کو خالی پا کر ان میں سے کوئی شخص حکمرانی کا دعوے دار نہ بن جائے ان سب اعیان کو قتل کرا دیا۔ ایک روایت کے مطابق ان سب کو دریائے آمو میں غرق کر کے موت کے گھاٹ اُتارا گیا تھا۔ ان میں سلطان طغرل سلجوقی کے دو بیٹے، بلادِ ترک کے حاکم ستقاق کے دو بیٹے، حاکمِ بلخ عماد الدین، حاکم وخش جمال الدین عمر، حاکمِ ترمذ بہرام شاہ، حاکمِ بامیان علاؤالدین، برہان الدین صدر جہان، ان کے بھائی افتخار جہان اور ان کے دو بیٹے ملک الاسلام اور عزیز الاسلام شامل تھے۔

جب ۶۱۶ھ کے اواخر میں ملکہ خوارزم سے روانہ ہوئی تو یائزر کا حاکم عمر خان راستوں کی رہنمائی کے لیے اس کے ساتھ تھا۔ یہ شخص اپنی قوّتِ برداشت کی وجہ سے صبور خان کے لقب سے مشہور تھا۔ اس کے بھائی نے یائزر پر قبضہ کر کے اسے اندھا کرنے کی سزا سنائی تھی مگر آنکھ میں گرم سلائی پھیرنے والے کارکن کو اس پر رحم آ گیا اور اسے چھوڑ دیا۔ اپنے ظالم بھائی کو دھوکا دینے کے لیے یہ جھوٹ موٹ اندھا بن گیا اور گیارہ برس تک جیل میں آنکھیں بند کر کے زندگی گزارتا رہا۔ گیارہ برس بعد اس کا بھائی مرا تو اسے رہائی ملی اور دنیا روشن ہوئی۔ تب سے یہ ترکان خاتون کی خدمت میں رہنے لگا۔

جب ترکان خاتون اورگنج سے روانہ ہوئی تو خیال تھا کہ پہلے عمر خان کے شہر یائزر جا کر دم لے گی۔ سفر کے دوران عمر خان نے ملکہ کا بہت خیال رکھا اور ہر ممکن خدمت کی، مگر بے رحم ترکان خاتون نے مصیبت کی اس گھڑی میں ساتھ دینے والے وفادار کو بھی نہ بخشا۔ یائزر کے قریب پہنچ کر اسے شک ہوا کہ عمر خان اسے چھوڑ جائے گا۔ اس نے اسی وقت اسے بندھوا کر بے دردی سے مار ڈالا۔ (۴۳)

شاید ایسے مظالم کے باعث ہی ملکہ کا انجام اس قدر دردناک ہوا کہ خود عبرت بھی اس پر آنسو بہاتی ہے۔

شہزادہ رکن الدین سے ملاقات ..... نیشاپور سے چل کر سلطان علاؤالدین محمد نے رے میں قیام کیا۔ تعاقب

کرنے والے تاتاری لشکر نے بھی نیشاپور سے ہوتے ہوئے رے کی طرف پیش قدمی کی۔ خوارزم شاہ گھبراہٹ کے عالم میں رختِ سفر باندھ کر اس قلعے کی طرف روانہ ہوا جہاں شہزادہ رکن الدین غور شاہ بے چینی کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ شاہ کی آمد سے مطلع ہو کر شہزادے نے قلعے سے آگے آ کر اس کا استقبال کیا۔ (۴۴)

شہزادے کی رکاب میں تیس ہزار عراقی سپاہی تھے۔ کردستان کا حاکم ملک نصرت الدین بھی شاہ کی قدم بوسی کے لیے حاضر ہو گیا۔ خوارزم شاہ نے ملک نصرت سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے عرض کیا:

''جہاں پناہ! اس وقت یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ لور اور فارس کے مابین ''تنگ تکو'' نامی ایک نہایت دشوار گزار بلند و بالا کوہستان ہے، میرا مشورہ یہ ہے کہ ہم اسی وقت اس طرف کوچ کریں اور اس کی گھاٹیوں سے گزر کر اُن اطراف میں موجود لگ بھگ ایک لاکھ پیادہ اور سوار جنگجوؤں کا تعاون حاصل کر لیں۔ نیز تمام گھاٹیوں اور درّوں پر مردانِ کاری مقرر کر کے سخت ناکہ بندی کر لیں، جب تاتاری وہاں پہنچیں گے تو ہم بھرپور مزاحمت کر سکیں گے اور امید ہے کہ اس بار ہم غالب رہیں گے، اگر اس طرح ہماری قوتِ مدافعت اور تاتاریوں کی ناکامی ظاہر ہو گئی تو تمام حوصلہ ہارے ہوئے سلطانی سپاہی نئے سرے سے تازہ دم اور عالی ہمت ہو جائیں گے۔''

مایوس اور افسردہ دل خوارزم شاہ نے اس قیمتی مشورے کو قبول نہ کیا، حاکم کردستان بددل ہو کر واپس چلا گیا اور خوارزم شاہ نے ماژندران کا رُخ کیا۔ (۴۵)

خزانۂ شاہی کی حفاظت ..... خوارزم شاہ کی والدہ ترکان خاتون اس کے حرم اور خزانے سمیت اس کے پاس آ پہنچی تھی۔ ان مستورات اور خزانے کے بھاری بھرکم صندوقوں کے ساتھ آگے سفر تیز رفتاری کے ساتھ جاری نہ رہ سکا۔ آخر کار سلطان نے اپنا خزانہ تاج الدین عمر بسطامی نامی ایک معتمد امیر کے حوالے کر کے اسے حکم دیا کہ وہ اسے رے کے نواح میں قلعہ ''اردھان'' میں رکھوا دے۔ اردھان عراق کا نہایت مستحکم قلعہ تھا۔ تاج الدین عمر کا بیان ہے کہ ''یہ خزانہ دس بڑے بڑے صندوقوں پر مشتمل تھا، یہ تمام صندوق ہیروں، موتیوں اور دیگر نادر المثال جواہرات سے پُر تھے اور ان کو سیل کر دیا گیا تھا، خوارزم شاہ نے ان میں سے دو صندوقوں کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا: ''ان میں موجود جواہرات کی قیمت پوری دنیا کے خراج کے برابر ہے۔''

تاج الدین عمر نے یہ خزانہ اردھان کے قلعے میں شاہ کے نائب کے حوالے کر دیا اور وصولی کی رسید شاہ کی خدمت میں پیش کر دی۔ (۴۶)

خوارزم شاہ تاتاریوں کے نرغے میں ..... اس جھنجھٹ سے جان چھڑا کر خوارزم شاہ ماژندران کی طرف رواں دواں تھا۔ ماژندران کا علاقہ نہایت دشوار گزار پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ یہ بحیرہ طبرستان (خزر) کے ساتھ واقع تھا، یہاں کے قلعے نہایت محفوظ اور ناقابل تسخیر شمار ہوتے تھے۔ (۴۷) شاہ کو اُمید تھی کہ یہاں وہ تاتاریوں کے پنجے سے مامون رہ سکے گا، مگر دوسری طرف اس کا تعاقب کرنے والے تاتاری دستے اب لحہ بلحہ اس کے نزدیک آتے جا رہے تھے۔ ہمدان سے کچھ آگے انہوں نے خوارزم شاہ کو آ لیا۔ شاہ کے محافظ دستے میں اب بھی بیس ہزار سپاہی موجود تھے، مگر تاتاریوں کا حملہ اس قدر اچانک اور اتنا شدید تھا کہ وہ کوئی مدافعت نہیں کر سکے۔ محافظوں کی ایک بڑی تعداد قتل کر دی گئی۔ البتہ خوارزم شاہ تیروں سے زخمی ہونے کے باوجود اپنے چند مصاحبین اور حرم کے ساتھ فرار ہونے میں کامیاب

ہو گیا۔ (۲۸) خوارزم شاہ کا وزیر عماد الملک بھی اس حملے میں جاں بحق ہو گیا۔ (۲۹)

ماژندران میں ..... بہر کیف بہ ہزار دقت خوارزم شاہ ماژندران پہنچ گیا۔ اس سنسان کوہستان خوارزم شاہ کی بہن شاہ خاتون رہتی تھی۔ اس کا شوہر اردشیر حسن ایک نواحی بستی ''ساریہ'' کا حاکم تھا۔ ان رشتوں کی وجہ سے سلطان کو کچھ تحفظ کی امید ہو گئی۔

اس نے قلعہ ''قارون دژ'' میں قیام کیا۔ صرف ایک رات وہاں بسر کرنے کے بعد اپنے خاندان کے بچوں اور چند خواص کو وہیں رہنے کی تاکید کی، ترکان خاتون، بیگمات اور شہزادیوں کو ماژندران کے ایک اور مستحکم قلعے ''ایلان'' میں ٹھہرایا اور خود بظاہر بغداد کا رُخ کیا۔ قارون دژ کا قلعہ دار مشایعت کے لیے بغداد جانے والی شاہراہ تک شاہ کے ساتھ ہم رکاب رہا، جب قلعہ دار واپس لوٹ گیا تو خوارزم شاہ بھی چند میل آگے چلنے کے بعد اُلٹے پاؤں اسی دوراہے پر واپس آ گیا جہاں سے اس نے قلعہ دار کو رخصت کیا تھا۔ یہاں آ کر شاہ خاموشی سے دیلم کے کوہستان کی طرف مڑ گیا۔

خوارزم شاہ کا یہ چکمہ کامیاب رہا۔ کچھ عرصہ بعد تاتاری اس کا سراغ لگاتے ہوئے جب ماژندران پہنچے تو انہیں یہی پتہ چلا کہ وہ بغداد کی طرف گیا ہے۔ تاتاری بغداد جانے والی شاہراہ پر خوارزم شاہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے اور اسے نہ پا کر واپس مڑ گئے۔ (۳۰)

ساحلی بستی میں روپوشی ..... دیلم پہنچ کر شاہ نے ''سراجاہاں'' کے قلعے میں قیام کیا، مگر اس کا سکون قلبی لٹ چکا تھا۔ حسرت و مایوسی، تشویش و اضطراب اور شکست کی ذلت کے احساس سے وہ کسی پہلو چین محسوس نہ کرتا۔ ایک ہفتے بعد اس نے سراجاہاں کو بھی خیر باد کہا اور گیلان کا رُخ کیا۔ تاتاریوں کا خوف اب بھی اس کے اعصاب پر سوار تھا۔ اس بے چینی کے عالم میں ایک دن اس نے اپنے ایک مصاحب سے پوچھا:

''کیا اس زمین پر کوئی جگہ ایسی ہے جہاں میں سکون کا سانس لے سکوں؟''

اس کے مصاحبین نے اسے مشورہ دیا کہ جب تک اس کے بیٹے اور امراء تاتاریوں سے مقابلے کے لیے ایک طاقتور فوج تیار نہ کرلیں اسے بحیرہ خزر کے کسی جزیرے میں روپوش رہنا چاہیے۔ (۳۱) دشمن کے ڈر سے حواس باختہ خوارزم شاہ نے اس بزدلانہ مشورے کو فوراً قبول کرلیا۔ وہ اپنے چند خصوصی مصاحبین کے ساتھ بھیس بدل کر، عجیب و غریب ہیئت میں بحیرۂ خزر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دشوار گزار پہاڑی درّوں اور پیچیدہ راستوں سے گزر کر یہ چھوٹا سا قافلہ سمندر کے مغربی ساحل پر ماہی گیروں کی ایک بستی میں پہنچا۔ خوارزم شاہ نہایت درماندہ اور خستہ حال ہو رہا تھا، پے در پے ذہنی و جسمانی تکالیف نے اسے بیمار کر دیا تھا۔ اس حالات میں اس کی پہچان نہایت مشکل تھی اور یہ اس کے حق میں بہتر تھا، مگر اس نے اپنے ساتھیوں کے مشورے کے برخلاف اس دور افتادہ مقام میں خود کو پوشیدہ رکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ قصبے کی مسجد میں وہ باجماعت نماز ادا کرتا رہا۔ (۳۲) دلی اضطراب اور گھبراہٹ سے نجات کے لیے اس نے ذکر اللہ کی پناہ حاصل کی۔ وہ نماز، تلاوتِ قرآن اور تسبیح و تہلیل میں مصروف رہ کر حزن و ملال کی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں طمانیت کی روشنی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ کبھی اپنی عظمت گزشتہ اور دولتِ گم گشتہ کو یاد کر کے آہیں بھرتا، کبھی اپنی موجود ذلت و بے بسی دیکھ کر زار و قطار روتا۔ (۳۳)

کبھی وہ اپنے گناہوں پر اظہارِ ندامت کرتا اور اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا کہ اگر اسے دوبارہ سلطنت مل گئی تو پورے

عدل وانصاف سے حکومت کرے گا۔ مسلسل ذہنی اور جسمانی تکالیف کی وجہ سے اس کی صحت بہت گر گئی تھی، ذات الجنب کی بیماری نے اسے دبا لیا تھا۔

بستی میں سب کو علم ہو چکا تھا کہ وہ کون ہے۔ (۳۴) مگر اس کی یہ شہرت نقصان دہ ثابت ہوئی۔ ایک مقامی غدار نے تاتاریوں کو اس کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔ تاتاری لشکر جو ایران اور عراق کے پہاڑوں میں شاہ کی تلاش میں رات دن ایک کیے ہوئے تھا، یہ اطلاع پاتے ہی اس بستی کی طرف لپکا۔ حسن اتفاق سے خوارزم شاہ کو عین وقت پر دشمن کی آمد کی خبر مل گئی اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت ایک کشتی میں بیٹھ کر بھاگ نکلا۔ تاتاری حملہ آوروں نے ساحل پر پہنچ کر دیکھا کہ خوارزم شاہ کی کشتی بحیرۂ خزر کی لہروں کو چیرتی ہوئی دور نکلتی جا رہی ہے۔

اپنے شکار کو اس قدر قریب پا لینے کے بعد پھر ہاتھوں سے نکلتا دیکھ کر وہ مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے کشتی کی سمت تیروں کی بوچھاڑ کر دی کچھ تیر کشتی کے اندر اور کچھ اس کے آس پاس گرے، مگر وہ خطرے کی زد سے جلد ہی باہر نکل گئی۔ کچھ جنونی تاتاری گھڑسوار اس کے تعاقب میں سمندر میں کود گئے اور گہرے پانی میں جا کر ڈوب گئے۔

جزیرہ ''آب سکون'' میں ..... کشتی بحیرۂ خزر کی لہروں پر ہچکولے کھاتی ہوئی گہرے سمندر کی جانب چلی جا رہی تھی۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اب اپنی مملکت کی آخری حدود سے بھی باہر ہو چکا تھا۔ حسرت اور غم سے اس کا بُرا حال تھا۔ بے چینی اور اضطراب کی شدت سے وہ کشتی کے تختوں سے سر ٹکرا رہا تھا اور کف افسوس مل کر بار بار کہہ رہا تھا:

''سبحان اللہ! ہمیں اپنی عظیم سلطنت میں سے دو گز زمین کا ٹکڑا بھی میسر نہ رہا کہ جس میں ہم دفن ہو سکیں، ہاں! واقعی دنیا کسی رہنے والے کا گھر نہیں ہے۔'' (۳۵)

خوارزم شاہ گرفتار نہ ہو سکا، مگر اب اس کی زندگی کا ہر لمحہ موت سے بدتر تھا۔ کشتی بحیرہ خزر کی وسعتوں میں جزیرہ ''آب سکون'' کے کنارے لنگر انداز ہوئی۔ خوارزم شاہ کے خدمتگاروں نے اس کی روپوشی کے لیے یہ جگہ منتخب کی تھی۔ ایک پرانا اُجاڑ سا قلعہ اس جزیرے کی ویرانی کی داستان سنا رہا تھا۔ (۳۶) یہاں پہنچ کر خوارزم شاہ کے اضطراب میں قدرے کمی واقع ہوئی۔ (۳۷)

خوارزم شاہ اس جزیرے میں ایک چھوٹے سے خیمے میں پڑا رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے جلال الدین منکوبرتی، قطب الدین ازلاغ اور آق سلطان اس کے ساتھ تھے، جبکہ چوتھا بیٹا غیاث الدین اپنے زیر انتظام صوبے کے کسی قلعے میں رہ گیا تھا، چھوٹا لڑکا رکن الدین بھی اس کے ساتھ نہیں آ سکا تھا، شاہ ان کے لیے بے حد فکرمند تھا۔

اس کا شاہانہ مزاج اس کسمپرسی کے عالم میں بھی برقرار تھا، اس لیے وہ اپنے تیمارداروں سے عجیب وغریب فرمائشیں کرتا رہتا تھا۔ ایک دن اس کے جی میں آئی کہ کاش! میرے پاس ایک گھوڑا ہوتا جو میرے خیمے کے اردگرد چرتا رہتا۔ ایک سردار تاج الدین حسن کو شاہ کی اس خواہش کا علم ہوا تو اس نے ایک سرخ گھوڑا اس کی خدمت میں ہدیہ کر دیا۔

یہ وہ خوارزم شاہ تھا کہ کچھ دن پہلے اس کی سلطنت میں چراگاہوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی جن میں پلنے والے لاکھوں گھوڑے اس کے ایک اشارے پر حاضر کیے جا سکتے تھے۔ آج ایک فقیر بے نوا کی طرح وہ ایک معمولی سردار سے ہدیے میں ایک گھوڑا قبول کر رہا تھا۔

مازندران کے کچھ لوگ اس کی حتی الامکان خاطر مدارات کرتے، کوئی کھانے پینے کی چیزیں لے آتا کوئی کسی اور

ضرورت کا خیال کر لیتا۔ خوارزم شاہ اپنے ان خدمتگاروں کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتا تھا، مگر اب اس کے پاس بدلے میں دینے کے لیے کچھ نہ تھا۔ تاہم اتنا ضرور تھا کہ جب کوئی مقامی شخص اس کی خدمت بجالاتا تو وہ اسے کسی بڑے منصب اور جاگیر کی رسید لکھوا دیتا۔ بعض اوقات اس کے پاس کوئی رسید لکھنے والا بھی نہ ہوتا۔ ایسے میں وہ خدمت کرنے والے سے کہتا کہ وہ اپنے ہاتھ سے خود رسید لکھ لے۔ علامات کے طور پر وہ اپنی ذاتی استعمال کی کوئی شے بھی دے دیتا کہ جب حالات سازگار ہوں تو رسید کے ساتھ یہ چیز دکھا کر ہم سے اتنا مال یا جاگیر وصول کر لینا۔ (۳۸) اس طرح اپنی موت سے پہلے وہ اپنے کام کاج کی چھوٹی چھوٹی چیزیں حتیٰ کہ چاقو، رومال، زائد لباس اور چادر تک لوگوں میں تقسیم کر چکا تھا۔

شہزادہ جلال الدین نے ان مقامی خدمتگاروں کو نہیں بھلایا۔ خوارزم شاہ کو تو ان سے ایفائے عہد کا موقع نصیب نہ ہوا، مگر اس کے انتقال کے بعد موقع ملنے پر جلال الدین نے ان مقامی باشندوں کو اپنے باپ کے حسب وعدہ انعام و اکرام اور جاگیروں سے نوازا۔ (۳۹)

شاہی حرم کا انجام..... علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کو بحیرۂ خزر کی آغوش میں زندہ درگور کر کے تاتاری واپس پلٹے اور ماژندران کے قلعوں پر حملہ آور ہو کر ان سب کو یکے بعد دیگرے فتح کرتے چلے گئے۔ قلعہ قارون دژ میں خوارزم شاہ کے کچھ مصاحبین اور شاہی خانوادے کے بچے پناہ لیے ہوئے تھے۔ تاتاریوں نے قلعہ پر قابض ہونے کے بعد ان خواص و امراء کو قتل کر دیا اور بچوں کو گرفتار کر کے چنگیز خان کے پاس سمرقند بھیج دیا جس نے ان کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ (۴۰) قلعہ اردھان سے تاتاریوں کو خوارزم شاہی مملکت کا عظیم خزانہ ہاتھ لگا جس کی قیمت قیاس سے بالاتر تھی۔ سونے، چاندی اور جواہرات کے یہ انبار بھی چنگیز خان کو بھجوا دیے گئے۔

قلعہ ایلان میں ترکان خاتون، خوارزم شاہ کی بیگمات، شہزادیاں، بچے اور وزیر مملکت نظام الملک محمد بن صالح پناہ گزیں تھے۔

تاتاری چار ماہ طویل محاصرے کے بعد بھی قلعے کی بلند فصیل کو نہ پھلانگ سکے، مگر نوشتۂ تقدیر پورا ہو کر رہتا ہے۔ یہ علاقہ جو کہ تمام سال چشموں اور بارش کے تسلسل کے باعث سیراب رہتا تھا، یکا یک پانی کی کمی کا شکار ہو گیا۔ بارش بالکل بند ہو گئی۔ قلعے میں پانی کے ذخائر ختم ہو گئے اور محصورین کی جان پر بن گئی۔ وہ بارش کے منتظر تھے جس کے چند دھارے انہیں حیاتِ نو بخش سکتے تھے، مگر بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ دس پندرہ روز موت و حیات کی کشمکش میں گزارنے کے بعد آخر کار محصورین قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے اور خود کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ جوں ہی وہ باہر نکلے، آسمان پر کالی گھٹائیں چھانے لگیں اور اس قدر بارش برسی کہ جل تھل ہو گیا۔ پانی کا ریلا سیلاب کی طرح قلعے کے دروازے سے نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ (۴۱)

فاعتبروا یا اولی الابصار

ان قیدیوں کو پابہ زنجیر چنگیز خان کے پاس سمرقند بھیج دیا گیا۔ اس نے وزیر مملکت کی علمی لیاقت کا لحاظ کر کے معاشی و اقتصادی مسائل میں مشاورت کے لیے اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔ (۴۲)

گرفتار شدگان میں سے سب بچوں کو قتل کر دیا گیا۔ بیگمات اور شہزادیوں کو تاتاری شہزادوں اور سرداروں نے

باہم تقسیم کرلیا۔ بے چاری شہزادی خان سلطان دوشی خان (جوجی خان) کے حصے میں آئی، ترکان خاتون بھی چنگیز خان کی قید میں نا قابلِ بیان مشقتوں اور ذلتوں کا نشانہ بنتی رہی۔

بدرالدین ہلال نامی ایک خادم قید و بند میں اس کا شریکِ حال تھا۔اس نے فرار کا منصوبہ بنایا اور اسے مشورہ دیتے ہوئے کہا: ''میرے ساتھ چلیے، ہم یہاں سے چپکے سے بھاگ نکلیں گے اور شہزادہ جلال الدین کے پاس چلے جائیں گے جن کی قوت اور فتوحات کی خبریں پھیل چکی ہیں۔''

مگر اس حالت میں بھی ترکان خاتون کی نخوت برقرار تھی۔جلال الدین سے اس کی نفرت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔اس نے تلملا کر جواب دیا:

''ستیاناس ہو جلال الدین کا، بیڑا غرق ہو۔میں ایسی گئی گزری نہیں کہ اپنے بچوں قطب الدین ازلاق اور آق شاہ کی جگہ ہندوستانی بہو کے لڑکے کا احسان اٹھاؤں اور اس کے سائے میں زندگی گزاروں۔اس سے بہتر ہے کہ میں اسی ذلت و خواری کے ساتھ چنگیز خان کی قید میں رہوں۔''

قلعے سے گرفتار ہونے والوں میں سے خوارزم شاہ کے خاندان کے صرف ایک معصوم بچے کو زندہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ترکان خاتون اسی سے دل بہلایا کرتی تھی۔ایک دن وہ اس کے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے کہہ رہی تھی: ''آج میرا دل اتنا گھبرا رہا ہے کہ پہلے کبھی اتنا نہ گھبرایا تھا۔''

اسی دوران چنگیز خان کا بھیجا ہوا ایک سپاہی آیا اور بچے کو ساتھ لے گیا۔چنگیز خان کے حکم سے اس بچے کو بھی گلا گھونٹ کر قتل کر دیا گیا۔اس طرح ترکان خاتون بالکل تنہا رہ گئی۔(سیرۃ جلال الدین، ص:۹۸)

چنگیز خان قرولتائی کی تقاریب کے دوران ترکان خاتون کے ہاتھوں پیروں میں زنجیریں ڈلوا کر اسے سب کے سامنے بلاتا اور برسرِ مجلس اس کی ذلت اور رسوائی کا یہ منظر دیکھ دیکھ کر اپنے فاتحانہ ذوق کی تسکین کرتا۔ ۴۳

عہدِ گزشتہ کی اس ملکہ کو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چنگیز خان کے ہاں حاضری دینا پڑتی، وہ ایک بھکارن کی مانند اس کے مطبخ سے پیٹ کی آگ بجھانے کا سامان لے کر لوٹتی۔ ۴۴ ایسے میں وقت کی صدا ارض و سما کی وسعتوں میں گونج کر یہ پیام سناتی۔

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے　　　یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

حواشی وحوالہ جات

① چنگیز خان، باب نمبر ۱۴، ص ۱۱۱
② جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۵
③ افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۱۴۰
④ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
⑤ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
⑥ جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۰۶
⑦ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۲
⑧ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۲۷
⑨ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷
⑩ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷
⑪ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۲۷، ۱۲۸
⑫ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۱۳
⑬ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۲...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۲
⑭ ترکانِ خاتون مادرِ خوارزم شاہ، قبچاقی ترکوں کے قبیلے بیاروت کی ایک شاخ ''یمک'' سے تعلق رکھتی تھی۔
⑮ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۳...... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۴، ج ۵ ص ۱۵۲...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۹
⑯ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶ ص ۱۲۰
⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۶
⑱ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷
⑲ چنگیز خان، باب نمبر ۱۶، ص ۱۲۱
⑳ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۱...... خوارزم شاہی، ص ۱۲۵...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶، ص ۱۲۱
㉑ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۶
㉒ روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۳۵
㉓ سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی، ص ۹۴...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۰۶، ۱۹۹
㉔ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۳
㉕ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۴
㉖ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰...... ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۴۸
㉗ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
㉘ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۴......
㉙ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
㉚ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۱۵......
㉛ چنگیز خان، باب ۱۶، ص ۱۲۳
㉜ چنگیز خان باب، ۱۶، ص ۱۲۳
㉝ ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰...... سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۲۳۳

(۳۴) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰
(۳۵) تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱۷، ج ۱۰ ص ۱...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۶
(۳۶) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۷
(۳۷) تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱۷، ج ۱۰ ص ۱
(۳۸) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۳...... ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۴۹...... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۲، وفیات ۶۱۷ھ، ج ۱۰
ص ۱
(۳۹) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۰، ۱۱۱
(۴۰) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۹، ۲۰۰
(۴۱) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۵...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۹۸، ۱۹۹...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۲
(۴۲) کچھ عرصے بعد چنگیز خان نے کسی شکایت سے متاثر ہو کر وزیر کو بھی قتل کرادیا تھا، دیکھئے: ابن خلدون ج ۵، ص ۱۱۱
(۴۳) چنگیز خان ص ۱۵۹
(۴۴) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۱

گیارہواں باب

مغربی تاتاریوں کی خوں ریزی

یہ قوم چین کی سرحدوں سے نکل کر ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے ایک سمت میں آرمینیا کی حدود کو عبور کر رہی ہے اور عراق میں ہمدان سے بھی آگے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ دراز کے بعد آنے والے لوگ جب اس حادثے کے تحریر شدہ حالات کو پڑھیں گے تو ان کو جھوٹا اور بعید از قیاس تصور کریں گے۔ (علامہ ابن اثیر جزری رحمہ اللہ)

''تاتاری یورش عالمِ اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں۔ مسلمان مبہوت و ششدر تھے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا۔ تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا۔ ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابلِ قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ: ''اِذَا قِیْلَ لَکَ اِنَّ التَّتَرَ اِنْھَزَمُوْا فَلَا تُصَدِّقْ۔'' یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو کہیں شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔

(تاریخ دعوت وعزیمت، جلد اوّل از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ)

شہزادہ رکن الدین کی شہادت..... خوارزم شاہ کے گوشہ نشین ہو جانے کے بعد مملکت کی مثال بھیڑ بکریوں کی اس ریوڑ کی سی تھی جسے گلہ بان کی عدم موجودگی میں بھیڑیوں نے گھیر لیا ہو، لیکن اس کسمپرسی اور مایوسی کے عالم میں بھی شاہی خاندان کا ایک فرد شمشیر بکف ہو کر تاتاریوں کے راستے میں ڈٹا ہوا تھا۔ یہ بادشاہ کا سولہ سالہ بیٹا رکن الدین غورشاہ تھا۔ حسن و جمال اور علم و ادب کا یہ پیکر اب میدانِ جنگ میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہا تھا۔ شاہ کی روپوشی کے بعد اس نے سب سے پہلے اصفہان اور ہمدان کے ان امراء کا مزاج درست کرنے کی کوشش کی جو تختِ خوارزم کو خالی دیکھ کر بغاوت کر کے تاتاریوں کی حلیف خود مختار حکومتیں بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رے میں حسن بن صباح کے گماشتوں کو بھی لگام دینے کی منصوبہ بندی کی جو موقع پا کر پَر پُرزے نکال رہے تھے، مگر اسے یہ مہمات پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا وقت نہ مل سکا۔ اسے اطلاع ملی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر اس جانب پیش قدمی کر رہا ہے۔

رکن الدین نے یہ خبر پاتے ہی فیروز کوہ نامی ایک مستحکم قلعے میں دفاعی انتظامات مکمل کر لیے۔ تاتاریوں کی بھاری جمعیت کے مقابلے میں وہ اپنی مختصر سی فوج کے ساتھ کھلے میدان میں نہیں لڑ سکتا تھا۔ فیروز کوہ میں مورچے بنا کر رکن الدین نے اس سیلاب کو چھ ماہ تک تیروں اور پتھروں کی زد پر روکے رکھا۔ اس کی جرأت وشجاعت اور استقلال سے حملہ آوروں کے دانت کھٹے ہو گئے، مگر آخر کار کوئی بیرونی کمک نہ پہنچنے کے سبب اس کی قوت مزاحمت جواب دے

گئی۔ تاتاریوں نے قلعے پر قبضہ کر کے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا۔ ان سب کو تاتاری لشکر کے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ سالار کی تعظیم بجالائیں اور اس کے سامنے زانو خم کریں، مگر رکن الدین کی غیرتِ ایمانی نے اسے گوارانہ کیا۔ تاتاریوں نے اسے بہت ڈرایا، دھمکایا، زدوکوب کیا، مگر اس کا عزم متزلزل نہ ہوا۔ آخر کار اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو بڑی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ (۱)

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخوں غلطیدن　　　خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

رے پر تاتاری یلغار ..... شہزادہ رکن الدین کی شہادت کے بعد تاتاریوں کے راستے کی ایک بڑی رکاوٹ ختم ہوگئی تھی۔ اب خوارزم شاہی خانوادے کا کوئی فرد ان کے سامنے سینہ سپر نہ تھا۔ تاتاری لشکر رے کی طرف بڑھا۔ سلطنت خوارزم کے عراق سے ملحقہ اضلاع میں واقع یہ گنجان اور وسیع وعریض شہر علم دین کا صدیوں پرانا مرکز اور گہوارہ تھا۔ امام ابوبکر جصاص الرازی، شیخ عبدالقادر الرازی اور امام فخر الدین رازی جیسی نابغہ روزگار ہستیوں نے اسی شہر کی خاک سے جنم لیا تھا۔ رے پر تاتاریوں کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ اہل شہر دفاع سے ناامید ہوگئے۔ اس مایوسی کے عالم میں کچھ مسلمانوں نے ایسی حماقت کی جس سے تاتاریوں کا کام بالکل آسان ہوگیا۔

تفرقہ بازی کی انتہاء اور اس کا بھیانک انجام ..... ہوا یہ کہ ان دنوں رے میں آباد مسلمانوں میں مذہبی اختلافات اپنے عروج پر تھے۔ جب تاتاریوں کی آمد کی خبر مشہور ہوئی تو ایک گروہ کے مسلمانوں میں سے بعض نادان افراد نے اسے دوسروں سے نجات کا بہترین موقع تصور کیا اور تاتاری لشکر کا بڑھ کر استقبال کرتے ہوئے تاتاری سالاروں سوبدائی اور جبی نویان سے اپنے کے لیے امان حاصل کرلی۔ ساتھ ہی انہیں ترغیب دی کہ دوسرے گروہ کو نہ چھوڑا جائے۔ اب تاتاری کسی روک ٹوک کے بغیر شہر میں گھس گئے، جب تک وہ دوسرے گروہ کے محلوں میں قتل و غارت کرتے رہے یہ غدار لوگ امن سے رہے، مگر ان کا یہ امن وامان بہت مختصر ثابت ہوا۔ وہاں سے فارغ ہوتے ہی تاتاری ان غدار مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی بدقسمتی تھی کہ اتنے شدید مصائب کے باوجود ان میں ایسے افراد موجود تھے جو اختلافات میں حد سے زیادہ تعصب برتنے کے عادی تھے۔ ایسے لوگوں کی ناسمجھی سے پھیلنے والا انتشار دشمن کو ہر محاذ پر کامیابی کی ضمانت فراہم کررہا تھا۔

رے پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاریوں نے حسبِ عادت تمام مال ودولت اور اسباب وسامان لوٹ لیا۔ عورتوں اور بچوں کی بہت بڑی تعداد کو قیدی بنانے کے بعد بقیہ آبادی کو موت کی نیند سلادیا۔ (۱)

امام نجم الدین رازی رحمہ اللہ (متوفی ۶۵۴ھ) ''مرصاد العباد'' کے مقدمہ میں اپنے مولد کی اس تباہی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''صرف ایک شہر رے جو کہ بندہ ناچیز کا مقام پیدائش وجائے تربیت ہے، ان کافروں کے ہاتھوں اس طرح تباہ ہوا کہ اندازاً سات لاکھ سے زائد افراد شہید ہوئے یا قیدی بنائے گئے۔'' (۳)

حاکمِ ہمدان کی مصالحت ..... تاتاری جب ہمدان پہنچے تو یہاں کے حاکم نے مال ودولت کے بے شمار انبار ان کے حوالے کر کے ان کی اطاعت قبول کرلی۔ تاتاری یہاں اپنا ایک منتظم مقرر کر کے آگے روانہ ہوگئے۔ (۴)

قزوین پر حملہ ..... رے کے بعد قزوین کی باری آئی جو بحیرہ کیسپین (خزر) کے جنوب مغرب میں پہاڑوں میں گھرا

ہوا ایک چھوٹا، پُر فضا اور خوشنما شہر تھا۔ شہر والوں نے فصیل بند ہو کر کئی روز تک زبردست مقابلہ کیا، مگر بالآخر تا تاری غالب رہے۔ شہر بزورِ شمشیر فتح ہوا۔ تا تاری ایک ریلے کی طرح شہر میں گھس گئے۔ شہر کے باشندے گلیوں اور بازاروں میں چھریوں اور خنجروں کے ساتھ ان سے نبرد آزما رہے اور ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے۔ جب تا تاری شہر سے نکلے تو چالیس ہزار سے زائد شہیدوں کی لاشیں ہر طرف بکھری ہوئی تھیں۔ ⑤

اردبیل کا سانحہ ..... بحیرہ خزر کے مغرب میں ''اردبیل'' آبادی سے معمور ایک بڑا شہر تھا۔ تا تاریوں کی دہشت گردی سے یہ شہر بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ تا تاریوں کے یہاں حملے کا حال بیان کرتے ہوئے ''یاقوت حموی'' (م ۶۲۶ھ) لکھتے ہیں:

''تا تاری اس شہر پر حملہ آور ہوئے ..... اہل شہر اور حملہ آوروں کے درمیان کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اہلیانِ شہر نے اپنا دفاع بڑی خوش اسلوبی سے کیا اور دوبار تا تاریوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، مگر تیسرے حملے میں اہل شہر کمزور پڑ گئے اور تا تاریوں نے شہر پر بزورِ طاقت قبضہ کر لیا۔ وہ مسلمانوں پر پل پڑے اور ان کا قتل عام کرنے لگے جس شخص پر ان کی نگاہ پڑ گئی اسے مار ڈالا۔ سوائے ان افراد کے جو کہیں چھپنے میں کامیاب ہو گئے تھے، کوئی زندہ نہ بچ سکا۔ تا تاری شہر کو بالکل تباہ کر کے وہاں سے چلے گئے۔''

سَراوَ کی تباہی ..... اردبیل کے بعد ''سراوَ'' بھی تا تاریوں کے حملے میں تباہ ہو گیا جو کہ ''اردبیل'' سے تین منازل کے فاصلے پر تھا۔ یاقوت حموی کا بیان ہے کہ تا تاریوں نے ۶۱۷ھ میں اسے تباہ کر دیا اور یہاں موجود تمام آبادی کو قتل کر ڈالا۔ ⑥

اہل تبریز کی تا تاریوں سے مصالحت ..... ان شہروں میں قتل عام کے بعد تا تاری غارت گروں نے تبریز کا رُخ کیا۔ یہاں کا حاکم ازبک مظفر الدین بن بہلوان پرلے درجے کا شہوت پرست، عیاش اور آرام پسند آدمی تھا۔ شراب نوشی اور رقص و سرود کے سوا اسے کسی شے سے دلچسپی نہیں تھی۔ تا تاریوں کی آمد کی خبر سن کر وہ خود روپوش ہو گیا۔ اس کے نائب نے تا تاریوں کو بھاری مقدار میں مال و دولت دے کر ان سے مصالحت کر لی۔ ⑦

بیلقان کی بربادی ..... تبریز کے بعد تا تاریوں نے بیلقان کی فصیل کے سامنے پڑاؤ ڈالا اور گفتگو کے لیے اپنا نمائندہ اہل شہر کی طرف بھیجا۔ اہل شہر نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس پر تا تاریوں کا جنونِ غارت گری انتہائی حدود کو جا پہنچا۔ انہوں نے بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد بلا استثناء تمام اہل شہر کو موت کی نیند سلا دیا۔ نہ کسی بچے کو چھوڑا نہ بڑے کو۔ تا تاری بھیڑیوں نے یہاں وحشت انگیزی کے وہ مناظر دکھائے کہ دھرتی کی روح بھی کانپ اُٹھی۔ ایک ایک عورت کی کھلے عام عصمت دری کی گئی اور پھر اسے قتل کر دیا گیا۔ حاملہ خواتین کے پیٹ چیر دیے گئے اور ان کے شکموں سے بچوں کو نکال کر ذبح کر دیا گیا۔ ⑧

مراغہ میں قتل عام ..... بیلقان کی تباہی کے ساتھ ہی تا تاریوں نے مراغہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے باشندوں نے کئی دن تک انہیں فصیل سر کرنے سے روکے رکھا۔ تا تاریوں نے شہر کے اردگرد منجنیقیں نصب کر کے پیہم سنگ باری شروع کی۔ اس کے ساتھ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق آس پاس سے گرفتار شدہ ہزاروں قیدیوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ فصیل کو سرنگوں کرنے میں ان کا ساتھ دیں۔ مجبور و بے کس قیدیوں کے لیے آگے اور پیچھے موت کے سوا کچھ نہ تھا۔ تا تاری انہیں اگلی صفوں میں رکھ کر حملے میں خود کم سے کم جانی نقصان اُٹھا رہے تھے۔ کئی دن کی جنگ کے بعد اہلِ مراغہ

کی ہمت جواب دے گئی۔ تاتاریوں نے شہر پر قبضے کے بعد حسب عادت تمام آبادی کو تلوار کی دھار پر رکھ لیا۔ مقتولین کی تعداد حدِ شمار سے باہر تھی۔ کچھ لوگ سرنگوں اور تہہ خانوں میں چھپ کر بچ گئے تھے۔ تاتاریوں کو اس کی بھنک پڑ گئی۔ انہوں نے قیدیوں پر تشدد کر کے ان سے گلی گلی یہ اعلان کرایا کہ تاتاری جا چکے ہیں، چھپے ہوئے لوگ باہر آجائیں۔ اس اعلان کو سن کر روپوش افراد باہر آگئے اور تاتاریوں نے ان کے پرخچے اُڑا دیے۔ (۹)

تاتاریوں کا یورپ پر حملہ ..... علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والی تاتاری فوج ایران کے طول و عرض میں زبردست تباہی مچاتی ہوئی بحیرہ خزر تک پہنچ گئی تھی۔ اس تباہ کن لشکر نے اس طوفانی یلغار میں کسی جگہ قیام نہیں کیا، بلکہ سیلاب کی طرح ایک سمت سے داخل ہو کر دوسری سمت سے نکل گیا۔ خوارزم شاہ کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ان جنگجوؤں نے ماژندران کے قلعے فتح کر کے شاہی حرم اور خزانے پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر یہ فوج واپس ہونے کے بجائے اسی رفتار سے بحیرہ خزر کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف بڑھتی گئی۔ سوبدائی اور جبی نویان اب بھی اس لشکر کے قائد تھے۔ گرجستان کے جنگجو قبائل کو زیر و زبر کرتے ہوئے یہ سریع الحرکت لشکر بحیرہ خزر کے دوسری جانب شمال میں پہنچ گیا۔ چونکہ جبی نویان اور سوبدائی کی کمان میں ان تاتاریوں نے عالمِ اسلام کے مغرب کی طرف پیش قدمی کی تھی، اس لیے عرب مؤرخین ان کو التتر المغربیۃ (مغربی تاتاری) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تاتاری یورش کے پہلے سال کے اختتام پر ابن اثیر جزری کا تبصرہ ..... تاتاری یلغار شروع ہوئے پہلا سال ختم ہو رہا تھا اور وقت کا مؤرخ تاریخ کی اس عجیب ترین یلغار کا حال بیان کرنے کے لیے مناسب الفاظ کی تلاش میں تھا۔ علامہ ابن اثیر کا بلیغ قلم تحریر کرتا ہے:

> ''تاتاریوں کی یلغار کی مثال قدیم و جدید تاریخ میں ناپید ہے۔ یہ قوم چین کی سرحدوں سے نکل کر ایک سال پورا ہونے سے پہلے پہلے ایک سمت میں آرمینیہ کی حدود کو عبور کر رہی ہے اور عراق میں ہمدان سے بھی آگے پیش قدمی کر رہی ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانۂ دراز کے بعد آنے والے لوگ جب اس حادثے کے تحریر شدہ حالات کو پڑھیں گے تو ان کو جھوٹا اور بعید از قیاس تصور کریں گے اور انہیں اس کا حق ہوگا۔ (یعنی وہ ان واقعات کو مبالغہ آرائی پر مبنی سمجھنے میں معذور ہوں گے) مگر جب وہ اسے بعید از قیاس گمان کریں تو اس تحریر پر بھی نظر ڈال لیں کہ ہم پہلے ہی اس کا خدشہ ظاہر کر چکے اور اسے لکھ چکے ہیں۔ جو لوگ بھی ہمارے دور میں تاریخ مدون کر رہے ہیں وہ اس حادثے سے بخوبی واقف ہیں۔ اس واقعے کی شہرت اس قدر ہے کہ اسے عالم اور جاہل یکساں طور پر جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں اسلام کو کوئی ایسا شخص میسر کر دے جو ان کی حفاظت اور مدافعت کرے۔ بلاشبہ مسلمانوں کو اس وقت جس دشمن سے پالا پڑا ہے وہ بہت طاقتور ہے اور انہیں جن مسلمان بادشاہوں سے واسطہ پڑا ہے ان کی توجہ اپنی شرمگاہوں اور پیٹ کی لذت کے علاوہ کسی چیز کی طرف نہیں ہے۔'' (۱۰)

عالمِ اسلام میں اتنے بڑے پیمانے پر قتل عام نے لوگوں کے حواس معطل اور حوصلے پست کر دیے تھے۔ خوف و دہشت سے ان کے اعصاب شل ہو گئے تھے اور تاتاریوں سے لڑنا ناممکن سمجھا جانے لگا تھا۔ شام کے حاکم الملک الاشرف کی مجلس میں تاتاریوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی، حاکم سے ان ہولناک حالات سے نمٹنے کے لیے رائے

پوچھی گئی تو اس نے مایوسانہ لہجے میں کہا:

''میں ایسی قوم کے بارے میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں جس کا کوئی فرد آج تک زندہ گرفتار نہیں ہو سکا، گھیرے میں آکر بھی وہ ہتھیار نہیں ڈالتے، لڑتے لڑتے مرجاتے ہیں یا بچ نکلتے ہیں۔''

مشہور تھا کہ ''لایقال کم قُتل من بلد کذا، وانما یقال کم بقی''

یعنی یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ تاتاریوں نے اس شہر میں کتنے افراد قتل کیے، یہ بتانا چاہیے کتنے زندہ بچے۔ مؤرخین کہتے تھے کہ مقتولین کی تعداد کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، کیوں کہ لاشیں گننے والے گن گن کر جب تھک جاتے تھے تو اس سے کئی گنا زیادہ لاشیں مزید نظر آجاتی تھیں۔ ⑪

تاتاریوں کی تخریب کاری محض خون ریزی کی حد تک ہی نہیں تھی بلکہ وہ سچ مچ خون آشام تھے، موفق بغدادی شام گئے تو حلب میں انہیں ایک مصیبت زدہ مگر دلیر عورت ملی جسے تاتاریوں نے اس کے شوہر اور بچے سمیت گرفتار کرلیا تھا، اس عورت نے انہیں اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے بتایا کہ ایک تاتاری نے ہمارے سامنے ہمارے بیٹے کو ذبح کیا اور اس کا خون پی گیا۔ بعد میں وہ سو گیا تو میں نے اسے قتل کر دیا اور اپنے شوہر کے ساتھ بھاگ نکلی۔'' ⑫

لوگوں کی حالت یہ تھی کہ خوف اور بدحواسی کی وجہ سے ان کے دماغ ماؤف ہو گئے تھے، ان کے نزدیک صرف اپنی جان بچانے کے سوا انہیں کوئی اور چیز سوجھتی ہی نہیں تھی۔ موفق بغدادی لکھتے ہیں:

''مجھے واسط کا ایک تاجر ملا، وہ تاتاریوں سے بچ پہاڑ میں جا چھپا تھا اور کئی دنوں بعد باہر نکلا تھا، اس نے بتایا کہ زمین لاشوں سے پٹی پڑی تھی، مویشیوں کے ریوڑ اور مال واسباب کے ڈھیر بکھرے پڑے تھے، ہم دس افراد تھے جو زندہ بچ گئے تھے۔ اگر ہماری عقلیں ٹھکانے ہوتیں تو اتنا کچھ جمع کر کے لے جاتے کہ تمام آرزویں پوری ہو جاتیں۔ مگر ہمیں اور کچھ سمجھ نہ آیا، بس ایک اونٹ پر زیادہ سے زیادہ آٹا لاد کر بھاگ نکلے۔'' ⑬

علامہ ابن اثیر ان شہروں میں قتل عام کی دلخراش داستان لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایک تاتاری عورت ایک گھر میں داخل ہوئی اور اہل خانہ کو یکے بعد دیگرے قتل کرتی چلی گئی۔ لوگ اسے تاتاری سپاہی سمجھ رہے تھے (اس لیے اس پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہ کر سکے) آخر جب اس نے قتل کی کاروائی سے فارغ ہو کر اپنے ہتھیار اُتارے تو ایک مرد نے اسے پہچان لیا (کہ یہ عورت ہے) اور اسے مار ڈالا۔''

نیز وہ لکھتے ہیں: ''ایک تاتاری سپاہی تنہا ایک گلی میں گھسا جس میں سو آدمی تھے۔ تاتاری یکے بعد دیگرے ان سب کو قتل کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ان سو میں سے ایک فرد بھی نہ بچا، کسی کو اس پر ہاتھ اُٹھانے کی ہمت نہ ہو سکی۔'' ⑭

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے عالمِ اسلام کے عظیم مفکر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''تاتاری یورش عالمِ اسلام کے لیے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں۔ مسلمان مبہوت وششدر تھے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم

طاری تھا۔ تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا۔ ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابلِ قیاس سمجھی جاتی تھی یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا کہ: "اِذَا قِیْلَ لَکَ اِنَّ التَّتَرَ انْھَزَمُوْا فَلَا تُصَدِّقْ." یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو کہیں شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔ ⑮

تاتاریوں کی رُوس اور یورپ میں مزید پیش قدمی ..... یلغار کے دوسرے سال مغربی تاتاریوں نے شمال کی جانب مزید پیش قدمی کی اور بحیرہ خزر کے شمال میں واقع نمک بھرے میدانوں میں "لان" اور "قبچاق" کے قبائل کو روند کر رکھ دیا۔ اس کے بعد انہوں نے رُوس کی طرف یلغار کی۔ رُوسی حکمرانوں نے تاتاریوں کے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے ایک عظیم متحدہ فوج ترتیب دی اور قبچاق کے زخم خوردہ جنگجوؤں کو ساتھ ملا کر دریائے نیپر کے ساتھ ساتھ تاتاریوں سے ٹکرانے کے لیے آگے بڑھے۔ تاتاری حملہ آور، رُوسی بادشاہوں اور قبچاقیوں کی اس متحدہ فوج کے سیلاب کے سامنے ایک چال کے تحت پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ نو دن تک یہ پسپائی جاری رہی۔ آخر ایک مناسب مقام پر تاتاریوں نے پلٹ کر حملہ کیا اور رُوسی فوج کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اس کے بعد صحرائے گوبی کے یہ آوارہ بھیڑیے "جنیوا" میں داخل ہو گئے اور وہاں قتل وغارت کر کے دریائے وولگا کی طرف بڑھے، یہاں دریا کے ساحل پر آباد "بلغاری" ان کی زد سے نہ بچ سکے اور تاتاریوں نے ان کو جی بھر کر پامال کیا۔

اسی دوران جبی نویان مر گیا، مگر سوبدائی کا جنونِ غارت گری کم نہ ہوا۔ وہ دریائے نیپر عبور کر کے ماسکو اور دیگر یورپی ممالک پر ہاتھ صاف کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ⑯ یورپی اقوام تاتاریوں کی تلوار سر پر دیکھ کر خوف سے کانپ رہی تھیں اور وہاں کے باشندے بھیانک موت کو آنکھوں کے سامنے رقص کرتا محسوس کر رہے تھے۔

حواشی وحوالہ جات

① ابن خلدون، ج۵ص ۱۱۷...... جہاں کشا، ج۲ص ۳۰۹

② روضۃ الصفاج ۵ص۳۰، ۳۱...... ابن اثیر، ج۷، ص۵۷۹......

③ مرصاد العباد، ص۸

④ ابن اثیر، ج۷، ص۵۷۹

⑤ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۰

⑥ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۵ اور اس کا حاشیہ

⑦ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۵

⑧ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۶

⑨ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۲

⑩ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۱

⑪ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ۶۲، حوادث سن ۶۱۷ھ

⑫ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ۶۲، حوادث ۶۱۷ھ

⑬ تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ۶۲، حوادث ۶۱۷ھ

⑭ ابن اثیر، ج۷، ص۵۸۲

⑮ تاریخ دعوت وعزیمت، ج۱ص ۳۱۵

⑯ چنگیز خان باب ۱۶، ص۱۲۴، ۱۲۵

رخصت اے بزمِ جہاں

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلَاقِیْكُمْ. ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آ پکڑے گی۔ (پ:۲۸، سورۃ الجمعہ، آیت:۸)

پئے فاتحہ کوئی آئے کیوں — کوئی چار پھول چڑھائے کیوں
کوئی آ کے شمع جلائے کیوں — میں وہ بیکسی کا مزار ہوں

موت کی آہٹ..... بحیرہ خزر کے اس سنسان جزیرے میں شہزادہ جلال الدین اپنے والد کے ساتھ نہایت بے چینی اور اُداسی کے دن گزار رہے تھے۔ اس ویرانے کو باقی دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ باہر کیا ہو رہا ہے؟؟..... ہمارے عوام کس حال میں ہیں؟؟..... شہزادہ رکن الدین کی مدافعت اب تک برقرار ہے یا نہیں؟؟..... غیاث الدین کا کیا حال ہے؟..... کیا تاتاریوں کی پیش قدمی رک گئی ہے یا وہ ہندوستان کی سرحدوں تک اپنے پرچم گاڑ چکے ہیں؟؟..... بوڑھی دادی ترکان خاتون اور ان کے ساتھ خاندان کی دیگر خواتین کی عزت محفوظ ہے یا نہیں؟؟..... میری لاکھوں مسلم ماؤں بہنوں کا کون پُرسانِ حال ہے؟؟.....

اس قسم کے لاتعداد سوالات انہیں پریشان کیے رکھتے تھے۔ مہینے دو مہینے میں کبھی کبھی کوئی معتمد سرکاری کارندہ ہزاروں دقتوں اور آفتوں کا سامنا کرنے کے بعد کسی طرح اس جزیرے تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا تو اس جزیرے کے پناہ گزینوں کو باہر کی کوئی خبر مل جاتی، مگر ہر نئی اطلاع پہلے سے بڑھ کر تشویش ناک ہوتی۔

دل میں اب شائبہ حسن بہاراں بھی نہیں — جانے کس دور سے پابندِ الم گزرے ہیں

بیمار و مفلوک الحال علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ زندگی کے آخری دن گن رہا تھا۔ وہ کئی امراض میں مبتلا تھا، وطن کی یاد اسے مزید تڑپا رہی تھی، وہ بار بار یہ شعر پڑھتا تھا:

مردم چوں کارِ خویش سر گشتہ شود — بہ زاں نبود کہ برسرِ رشتہ شود

(آدمی جب اپنے کام میں حیران و پریشان ہو تو اس سے بہتر کوئی اور بات نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی اصل پر لوٹ جائے)

وہ جلال الدین اور دیگر خدام سے بار بار کہ رہا تھا: ”مجھے جلد از جلد خوارزم لے چلو جہاں سے میری حکومت کا آغاز ہوا تھا۔“ (۱)

مگر وہ سفر کے قابل ہی کہاں تھا۔ بعض آنے جانے والوں کے ذریعے اس نے دارالحکومت اورگنج کے امراء کو مزید تاکیدی پیغامات بھیج دیے تھے کہ ہم پر حملہ آور دشمن غیر معمولی ہے، اس سے صلح اور اطاعت کا معاملہ کر کے جان بچائی جائے۔

شاہ کی حالت روز بروز گرتی جارہی تھی۔ اسی عالم میں ایک دن اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ اسے اطلاع ملی کہ اس کی ماں، بیگمات، بیٹیاں اور دیگر شہزادیاں اس کے بدترین دشمن کے چنگل میں آ گئی ہیں۔ یہ پیغام خوارزم شاہ کے لیے موت کی آہٹ ثابت ہوا۔ شدتِ غم اور حسرت وقلق کی تیز آنچ نے اس کی جان کو جھلسا کر رکھ دیا اور قلب وجگر اس کی حرارت سے پگھل کر خون کے لوتھڑے بن گئے۔ وہ بے حس وحرکت ہوکر بستر سے لگ گیا۔ ②

رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں　　آہ! اس آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں
بسکہ میں افسردہ دل ہوں، درخورِ محفل نہیں　　تو مرے قابل نہیں ہے میں ترے قابل نہیں
چھوڑ کر مانندِ بو، تیرا چمن جاتا ہوں میں　　رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں

شاہ کا آخری وقت تھا۔ جلال الدین، دوسرے شہزادے، اعیانِ سلطنت اور چند خدام اس کے اردگرد کھڑے تھے۔ چند ماہ پہلے تک گھوڑے کی پیٹھ پر دور دراز کی مسافتیں بے تکان طے کرنے والا شہ سوار گر چکا تھا۔ موت کے ہاتھ اس کی گردن پر تھے، مگر اس کی قوتِ فیصلہ ابھی باقی تھی۔ موت کو گلے لگاتے ہوئے اس نے ایک ایسا فیصلہ کیا جو اس کا آخری نیک عمل اور رسوا کن کوتاہیوں کی تلافی کی آخری کوشش تھی۔ اس نے قطب الدین کو برطرف کر کے شہزادہ جلال الدین کو اپنا جانشین بنانے کا اعلان کر دیا۔ ③

اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

''سلطنت کے حلقے ٹوٹ چکے ہیں...... حکومت کی دیواریں کمزور ہوکر زمیں بوس ہوگئی ہیں...... دشمن کا پلہ بھاری ہو چکا ہے...... اس نے ہمارے ملک میں قدم جما لیے ہیں...... ہماری دھرتی پر دانت گاڑ لیے ہیں...... اب تاتاریوں سے میرا انتقام میرا بیٹا منکوبرتی ہی لے سکتا ہے...... تو...... اب میں اسے اپنا جانشین مقرر کر رہا ہوں......''

پھر اس نے قطب الدین اور آق سلطان کو تاکید کرتے ہوئے کہا:

''اِس کی اطاعت اور اس کی تابع داری کی لڑی میں منسلک رہنا تمہاری ذمہ داری ہے''

یہ کہہ کر سلطان نے اپنی شاہی تلوار تھامی، جلال الدین کو قریب بلایا اور تلوار ان کی کمر سے باندھ دی، یہ شہزادے کی جانشینی کی علامت تھی۔ اس فیصلے کے تین دن بعد سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی روح پرواز کر گئی۔

عظمت و وجاہت کے شاندار ابواب سے گزر کر کسمپرسی اور ذلت کے عبرتناک مناظر دیکھنے والی آنکھیں بے نور ہوکر بند ہوگئیں۔ اس حرماں نصیب بادشاہ کا انتقام اس حال میں ہوا کہ اسے وطن کی دو گز زمین میسر آئی اور نہ کفن کے لیے کپڑا۔ اسے اس کی اپنی قمیص اور غسل دینے والے ایک خادم کے عمامے میں کفنا دیا گیا۔ غسل اور تکفین کے فرائض اس کے خادموں شمس الدین محمود اور مقرب الدین نے انجام دیے۔ ④

سوتے ہیں خاموش، آبادی کے ہنگاموں سے دور　　مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک　　جن کے دروازوں پہ رہتا تھا جبیں گستر فلک
رعب فغفوری ہو دنیا میں یا شانِ قیصری　　ٹل نہیں سکتی غنیمِ موت کی یورش کبھی

سلطان علاؤ الدین محمد کی موت پر علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا تبصرہ...... سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی موت عالمِ اسلام کے لیے ایک عظیم سانحہ تھی۔ چونکہ اس کی روپوشی کے بعد اس کے مصاحبین نے ایک مدت تک اس کی ہر خبر

کو چھپائے رکھا تھا، اس لیے اس کی موت کے کچھ عرصے بعد تک کسی کو پتہ نہ چلا کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ اس کی گمشدگی کے بعد عالمِ اسلام کے ایک بڑے علاقے کا بغیر کسی حکمران کے رہ جانا اور کفار کا بغیر روک ٹوک کے وہاں خون کی ندیاں بہانا ہر صاحبِ دل مسلمانوں کے لیے سوہانِ روح تھا۔ علامہ ابن اثیر الجزری اس موقع پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا سانحہ یہ ہوا کہ ان کا بادشاہ ''خوارزم شاہ محمد'' اس طرح غائب ہو گیا کہ کسی کو اس کی صحیح خبر معلوم نہیں۔ کبھی یہ سننے میں آ رہا ہے کہ وہ ہمدان کے قریب مر گیا اور اس کی موت کو خفیہ رکھا گیا...... ہے اور کبھی یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ فارس کے علاقے میں پہنچ کر مر گیا اور اس ڈر سے کہ تاتاری بھی اس کے پیچھے پیچھے اس سمت کا رُخ نہ کر لیں وہاں اس کی موت کی خبر کو پوشیدہ ہی رکھا گیا۔ بعض لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ طبرستان کی طرف چلا گیا تھا اور سمندر (بحیرہ خزر) کا سفر کر کے ایک جزیرے میں جا کر فوت ہو گیا۔ بہر حال اتنا ضرور ہے کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ بعد میں بحیرہ طبرستان (بحیرہ خزر) میں اس کی موت کی خبر صحیح نکلی۔ یہ بہت بڑا حادثہ ہے۔ اب خراسان اور عراق عجم جیسے ممالک بالکل کھلے پڑے ہیں۔ نہ کوئی ان کی حفاظت کرنے والا ہے اور نہ ہی کوئی ایسا بادشاہ جوان کی طرف سے دفاع کرے، حالانکہ دشمن شہروں میں گھستا چلا جا رہا ہے، وہ جو کچھ لینا چاہتا ہے لے رہا ہے اور جو چھوڑنا چاہتا ہے چھوڑ رہا ہے۔ یہ لوگ کسی شہر سے گزرتے ہوئے ہر بار اس کو ویران کرتے ہیں۔ اس میں لوٹ مار کرتے ہیں اور اسے تباہ و برباد کرتے جاتے ہیں۔ ⑤

سیرتِ علاؤ الدین محمد کی حیرت انگیز تصویر..... سلطان علاؤ الدین محمد کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو ہمیں اس حیرتناک حقیقت سے سابقہ پڑتا ہے کہ تختِ خوارزم پر اکیس برس تک راج کرنے والے اس عظیم المرتبت بادشاہ کی داستانِ حیات، عروجِ مسلسل اور ناگہانی زوال کا عجیب وغریب مرقع ہے۔ اس کی سیرت و کردار کا جائزہ لیا جائے تو اپنے دورِ عروج میں وہ ہمیں ایک بہادر، بلند حوصلہ، سخت جان، جفاکش اور غیور قائد محسوس ہوتا ہے، لیکن اس کے برخلاف اپنے ایامِ زوال وہ پست ہمتی، بزدلی اور پریشان خیالی کی تصویر دکھائی دیتا ہے۔ سیرت و کردار کا یہ انقلاب حد درجے تعجب خیز بھی ہے اور باعث عبرت بھی۔

اپنے عروج کے دنوں میں اس کی کیفیت یہ تھی کہ وہ ہمہ وقت گھوڑے کی پشت پر شمشیر بکف ہو کر طویل سے طویل تر مسافتیں طے کرتا نظر آتا تھا۔ فوجی خدمات بذاتِ خود یوں انجام دیتا جیسا کہ ایک عام سپاہی ہو۔ اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرا دیتا۔ ⑥ وہ دشمن کے علاقے میں گھس جاتا اور گھوم پھر کر جاسوسی کر کے واپس آ جاتا۔ دو مرتبہ وہ گرفتار بھی ہوا، لیکن خوش قسمتی سے بچ کر نکل آیا۔

ایک بار وہ اپنے تین رفقاء کے ساتھ بھیس بدل کر ترکانِ خطا کے علاقے میں داخل ہو گیا، تا کہ بذاتِ خود ان کے حالات کا جائزہ لے سکے۔ ⑦ دشمنوں نے انہیں اجنبی محسوس کر کے گرفتار کر لیا اور ان سے ان کی آمد کا مقصد اگلوانے کے لیے ان پر تشدد شروع کر دیا۔ خوارزم شاہ کے دو ساتھی اسی زد و کوب میں جاں بحق ہو گئے، مگر انہوں نے زبان نہ کھولی۔ خود خوارزم شاہ اور اس کے تیسرے ساتھی کو دشمنوں نے باندھ کر قید کر دیا۔ خوش قسمتی سے ایک رات

خوارزم شاہ اور اس کا یہ ساتھی موقع پا کر کسی تدبیر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور صحیح سلامت اپنے ملک واپس آ گئے۔ ⑧

خوارزم شاہ کی گرفتاری کا دوسرا واقعہ آپ اس کتاب کے باب دوم میں پڑھ چکے ہیں۔

ایک بغدادی تاجر کی زبان سے خوارزم شاہ کی مدح ..... شام کے حکام کو علاؤ الدین محمد کی فتوحات سے اندیشہ ہوا تو ان کی راتوں کی نیند اُڑ گئی۔ اس وقت ملک الظاہر غازی کے استفسار پر اس کے سامنے ایک بغدادی تاجر نے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی صفات یوں بیان کیں:

''وہ کم وبیش چار چار دن مسلسل گھوڑے کی پشت پر رہتا ہے، نیچے نہیں اُترتا۔ ایک گھوڑے کے تھکنے پر دوسرے پر سوار ہو جاتا ہے۔ اس محنت شاقہ سے وہ گھوڑوں کو چھریرا بنا دیتا ہے اور شہروں کو طے کرتا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ بذاتِ خود مطلوبہ شہر تک تھوڑے سے آدمی لے کر پہنچ جاتا ہے اور اچانک حملہ کر دیتا ہے۔ صبح دم اس کے پیچھے دس ہزار سپاہی اور شام کو بیس ہزار سپاہی مدد کے لیے پہنچ جاتے ہیں، مگر بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ مدد آنے سے پہلے ہی وہ (اپنے مختصر سے گروہ سے) شہر فتح کر چکتا ہے اور بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ وہ محاذ پر یکے بعد دیگرے فوجیں روانہ کرتا ہے اور آخر میں جب وہ خود پہنچتا ہے تو دیکھتا ہے کہ پہلی فوج ہی سارا کام نمٹا چکی ہے۔ بعض اوقات وہ سو سے بھی کم آدمی لے کر شہر پر اچانک (چھاپہ مار) حملہ کرتا ہے اور فتح پا لیتا ہے۔ بعض اوقات وہ مقبوضہ شہر کے حاکم کو قتل کر دیتا ہے یا قید میں ڈال دیتا ہے جس سے دشمن کی مرکزیت ختم ہو کر ان کی جمعیت پارہ پارہ ہو جاتی ہے۔ اس کی سادگی کا یہ عالم ہے کہ اس کے گھوڑے کی زین اور لگام کی قیمت ایک دانق بھی نہیں اور اس کا اپنا لباس دو دانق سے بھی کم قیمت کا ہوتا ہے۔ ایک بار ایک چھاپہ مار کارروائی کے لیے جاتے ہوئے رات کے آخری پہر اس نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا کہا۔ یہ کل ستّر گھڑ سوار تھے۔ اس نے سب کو سو جانے کا حکم دیا اور خود ان کے گھوڑوں کو ہانکتا ہوا ایک کنوئیں پر لے گیا اور پانی نکال کر ان کو سیراب کرتا رہا۔ جب اسے اندازہ ہوا کہ سپاہی بقدر ضرورت نیند کر چکے ہیں تو چند سپاہیوں کو جگا کر انہیں پہرے پر لگا دیا اور خود تھوڑی دیر کے لیے سو گیا۔ پھر یکدم اُٹھ بیٹھا اور اس کے ساتھی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے گویا کہ وہ سب بھوت ہوں۔ پھر شہر پر حملہ آور ہوئے اور (قبضہ کر کے) حاکم شہر کو قتل کر دیا۔'' ⑨

اس دور میں سلطان علاؤ الدین محمد کی حیثیت ..... اپنے دورِ عروج میں سلطان محمد خوارزم شاہ کس حیثیت کا مالک بن چکا تھا، ایک مغربی مؤرخ کی زبانی سنئے۔ ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

> ''دنیائے اسلام کے قلب میں اس وقت علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ امیر جنگ کی حیثیت سے متمکن تھا۔ اس کی سلطنت ہندوستان سے لے کر بغداد تک، بحیرہ خوارزم (بحیرہ آرال) سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلجوقی ترکوں کے سوا جنہوں نے صلیبی محاربین کے مقابلے میں فتوحات حاصل کی تھیں اور مصر کے مملوک سلاطین کے علاوہ جو روز افزوں ترقی پر تھے، باقی جس قدر اسلامی سلطنتیں تھیں ان سب پر محمد خوارزم شاہ بالکل چھایا ہوا تھا۔ سلطان محمد ہی رتبہ میں شہنشاہ تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر اس سے ناراض تھا، مگر اس کی قوت کو مانتا تھا۔'' ⑩

مؤرخ ابوالفداء کا کہنا ہے:

''خوارزم شاہ کا آستانہ دنیا بھر کے شاہی خانوادوں کے اعیان سے کھچا کھچ بھرا رہتا تھا۔اس کے حاشیہ بردار، طشتدار، سلاحدار، رکابدار سب کے سب مختلف شاہی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا دستر خوان بڑا وسیع وعریض تھا۔''(۱۱)

شہاب الدین النسوی، مؤلف سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی کا بیان ہے:

''اس نے گزشتہ بادشاہوں سے چلی آنے والی نماز کے اوقاتِ خمسہ میں نقارے بجانے کی رسم اپنی دہلیز سے ختم کر کے ان شہزادوں کے لیے جاری کردی جو اس کی نیابت میں مختلف صوبوں میں حکومت کر رہے تھے کہ ان کی دہلیزوں پر یہ رسم ادا کی جاتی رہے۔اپنے لیے اس نے ''نوبتِ سکندری'' رائج کی جو طلوعِ آفتاب اور غروب کے وقت بجائی جاتی ہے۔یہ ستائیس بڑے بڑے نقارے تھے جو سونے سے تیار کیے گئے تھے۔ان پر نادر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔اس رسم کی ابتداء کے دن ستائیس بادشاہوں یا سلاطین کی اولا (یعنی شاہی خانوادوں کے اعیان) کو جمع کر کے یہ نقارے بجوائے گئے تا کہ خوب چرچا ہو۔ان میں سے طغرل بن ارسلان سلجوقی، اولادِ سلطان غیاث الدین غوری، ملک علاؤالدین شاہِ بامیان، ملک تاج الدین حاکم بلخ، اس کا بیٹا ملک اعظم حاکمِ ترمذ اور ملک سنجر حاکمِ بخارا کے نام قابل ذکر ہیں۔''(۱۲)

اس کا لشکر، پڑاؤ اور خیمہ گاہ بڑی شان وشوکت کے مظہر ہوا کرتے تھے، مگر وہ خود نہایت سادہ بود و باش رکھتا تھا۔حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ اس سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ ایک سادہ سے تخت پر بیٹھا تھا، بخارا کا کرتا پہنے ہوئے تھا جس کی قیمت پانچ درہم سے زیادہ نہیں تھی، سر پر چمڑے کا ایک پارچہ اوڑھا ہوا تھا جو ایک درہم کا ہوگا۔''(۱۳)

مر کے بھی چین نہ پایا تو!..... محمد خوارزم شاہ کی شان وشوکت اور عظمت ورفعت کے ان نقوش کے ساتھ اس کے انجامِ حسرتناک کا نظارہ تو آپ کر چکے مگر انتہاء یہ ہے کہ خوارزم شاہ کی لاش کو مرنے کے بعد بھی چین نہ ملا۔اس کے جانشین جلال الدین نے تخت سنبھالنے کے بعد کچھ امراء کو بھیج کر جزیرہ آب سکون کے ویرانے سے باپ کی نعش نکلوائی اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ رے سے ۴۸ میل دور واقع اردھان کے قلعے میں امانتاً دفن کرادی تا کہ بعد میں اصفہان میں ایک شاندار مقبرہ تعمیر کرا کے اسے وہاں منتقلکر دیا جائے۔(۱۴)

مگر سچ تو یہ ہے کہ اس گمنام جزیرے میں خوارزم شاہ کا دفن رہنا ہی بہتر تھا، کیوں کہ کئی سال بعد تاتاریوں نے قلعہ اردھان پر قبضہ کرلیا اور اپنے دشمن کی قبر کو کھود کر اس کی ہڈیاں برآمد کرلیں، جو چنگیز خان کے جانشین اوکتائی خان کی خدمت میں پیش کی گئیں، اوکتائی نے انہیں جلا کر راکھ کر ڈالا۔(۱۵)

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے　　مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

مذہبی رجحانات و جذبات..... علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی سیرت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ ایک عالم فاضل انسان تھا۔فقہ، اصول فقہ اور دوسرے علوم سے خوب واقف تھا۔علماء کرام کا

اکرام کرتا تھا۔ ان سے محبت اور احسان کا برتاؤ رکھتا تھا۔ ان کی مجالس بکثرت منعقد کراتا اور ان کی علمی بحثوں میں حاضر رہتا۔ وہ تھکاوٹ اور مسلسل سفروں کا عادی بن چکا تھا۔ عیش وعشرت سے احتراز کرنے والا تھا۔ لذات سے کنارہ کش تھا۔ اس کی فکر مملکت کے انتظام اس کی نگرانی اور رعایا کی حفاظت سے وابستہ تھی۔ وہ دین داروں کی بڑی تعظیم کرتا، ان کی طرف متوجہ رہتا اور ان کی برکات حاصل کرنے کا مشتاق رہتا۔'' (الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۷۸)

نیز علامہ فرماتے ہیں:

''مجھ سے روضہ نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیم) کے ایک خادم نے یہ قصہ بیان کیا کہ میں ایک مرتبہ خوارزم گیا۔ شہر میں پڑاؤ ڈالنے اور غسل کر کے تیار ہونے کے بعد میں سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھ گچھ کی کہ تم کس ضرورت سے آئے ہو؟ میں نے کہا: ''میں روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خادم ہوں۔'' اس کارندے نے مجھے بٹھایا اور چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لوٹا اور مجھے شاہی محل میں لے گیا، جہاں سلطان کے حاجب نے مجھے سلام کیا اور کہا: ''سلطان عالی مقام کو میں نے آپ کی آمد کی خبر دے دی ہے، وہ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' میں سلطان کے ''ایوانِ کبیر'' میں داخل ہوا تو ابھی میں صحن ہی میں تھا کہ سلطان مجھے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور خود چل کر میری طرف آیا۔ یہ دیکھ کر میں نے بھی تیز قدم اُٹھائے۔ صحن کے درمیان ہم باہم مل گئے۔ میں نے دست بوسی کی کوشش کی، سلطان نے مجھے روک دیا اور گلے سے لگالیا۔ پھر مجھے اپنے ساتھ نشست پر بٹھالیا اور کہنے لگا: ''تم روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتگاری کرتے ہو؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' سلطان نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرطِ عقیدت سے اپنے چہرے پر پھیرلیا۔ پھر دیر تک مجھ سے محوِ گفتگو رہا۔ ہمارے حالات، ہمارے رہن سہن کے طریقے، شہر مدینہ کی کیفیت اور دیگر صفات کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو سلطان نے کہا: ''اگر مجھے اسی گھڑی سفر درپیش نہ ہوتا تو تمہیں اتنی جلدی نہ جانے دیتا، ہم دریائے جیحوں عبور کر کے ترکان خطا سے جہاد کے لیے جانے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس سفر کی ابتداء ہی میں خادم روضۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جانا اس سفر کے کامیاب ہونے کی دلیل ہے۔'' اس کے بعد مجھے بڑی مقدار میں زادِ راہ دے کر رخصت کیا۔''

علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ''غرض یہ کہ اس میں وہ سب فضائل جمع تھے جو دیگر سلاطین عالم میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں، اگر ہم مستقلاً اس کے مناقب بیان کرتے تو ان کا تذکرہ بڑا طویل ہوتا۔'' (الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص: ۵۸۹)

موفق بغدادی کے تاثرات ..... موفق عبدالطیف بغدادی لکھتے ہیں:

''سلطان تکش کا بیٹا محمد (خوارزم شاہ) دلیر، ذہین، غارت گر، حملہ آور، جبینِ سعادت سے آراستہ اور غازی تھا۔ مسلسل سفر میں رہتا تھا۔ طویل ترین مسافتیں اتنے کم وقت میں طے کرلیتا کہ دشمن اس سے کئی گنا زیادہ وقت میں بھی اسے طے کرنے کا تصور نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اچانک حملہ کرنے اور اچانک قتل کر ڈالنے کا عادی تھا۔ وعدہ خلاف تھا۔ سب سے پہلے اپنے بھائی سے غداری کی (کہ اسے قتل

کروادیا) بھائی کا سر جب اس کے سامنے لایا گیا تو وہ کھانے میں مشغول تھا، اس نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ وہ بہت کم سوتا، زیادہ جاگتا۔ بہت تکان برداشت کرتا، آرام کم کرتا۔ لشکر کشی میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ وہ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرہ دیتا۔ اس کے کپڑے اور گھوڑے کے سامان کی قیمت ایک دینار بھی نہیں ہوتی تھی۔ مشقت میں لذت پاتا اور تھکن میں آرام محسوس کرتا۔ بکثرت غنیمت حاصل کرتا اور اسے بہت جلد تقسیم کردیتا۔ علماء سے مجالست رکھتا تھا، بادشاہت سے قبل امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ بن کر اس نے امام رازی رحمہ اللہ کی بڑی رعایت کی اور ان کو دنیوی لحاظ سے خوب وسعت دی، لیکن (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اس بادشاہ کی رائے کو عجب، غرور اور سلامتی کے یقین نے خراب کردیا جس کے باعث وہ اپنی رائے پر اصرار اور عواقب سے تغافل کرنے لگا۔ دشمنوں کو حقیر سمجھنے لگا اور حوادث زمانہ کو بھول گیا۔ اسی عجب کی بناء پر وہ یوں کہا کرتا تھا:

''محمد (یعنی خوارزم شاہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی نصرت وامداد کر رہا ہے۔'' (۱۶)

نیز موفق بغدادی تحریر کرتے ہیں:

''محمد خوارزم شاہ یہ طے کر چکا تھا کہ وہ تفلیس پر قبضہ کرلے، اسے اپنا پایۂ تخت بنا کر وہاں سے روم، ارمن، قفچاق اور عرب وعجم کے تمام ممالک پر حکومت کرے، لیکن اس نے اپنی بدتدبیری سے سارے معاملات بگاڑ لیے اور قبل از وقت حرکت اور نفس کی شدتِ حرص سے خود کو ہلاک کر ڈالا۔ وہ سکندر کے مشابہ بننا چاہتا تھا، مگر وہ کہاں اور یہ کہاں.....!!! اس نے شام اور مصر پر قبضے کا لالچ کیا اور اس کا نفس تمام روئے زمین پر قابض ہونے کا آرزومند تھا اور فی الواقع یہ اس کے لیے کچھ مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے حسن تدبیر، اصابتِ رائے، ہوشیاری اور عدل کی توفیق ہوجاتی تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ آرزو بھی اس کے لیے آسان فرمادیتا۔ (۱۷)

خوارزم شاہ کی عمر..... یہاں ایک خاص وضاحت ضروری ہے کہ تاریخ میں خوارزم شاہی حکمرانوں کی پیدائش کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، شاید ان کے ہاں تاریخ پیدائش محفوظ کرنے کا رواج نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ہم یقینی طور پر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی عمر معلوم کرسکتے ہیں نہ اس کے نامور بیٹے جلال الدین کی۔ البتہ ہمیں ایک ثبوت ایسا ملتا ہے جو بتاتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت تک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ یہ بیان نامور صوفی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کا ہے جو ۶۱۵ھ میں سفیر بن کر خوارزم شاہ سے ملے تھے۔ ان کا بیان ہے: دخلنا علیہ وھو شاب ''ہم خوارزم شاہ سے ملے، دیکھا کہ وہ ایک جوان آدمی ہے۔'' (۱۸)

اس ملاقات کے تین سال بعد خوارزم شاہ کا انتقال ہوگیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ ادھیڑ عمر ہوگا، اور اس کی عمر تقریباً چالیس، پینتالیس سال ہوگی۔ اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے باپ کی وفات کے وقت شہزادہ جلال الدین کی عمر بھی بیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اس کے حالات کی متفرق جھلکیاں..... سلطان علاؤ الدین محمد تاجروں کو اپنے پاس بلا کر ان سے معلومات لیا کرتا تھا۔ دور دراز کے ممالک کے حالات کی تفتیش میں وہ بڑی دلچسپی لیتا تھا۔ ۱۹

• ......اس کے دربار میں علماء کی بڑی قدر دانی کی جاتی تھی، اس لیے اس کا دربار یگانۂ روزگار اہل علم وفضل سے بھر پور تھا۔ ناصر المطر رزی (م ۶۱۰ ھ) شہاب الدین خیوقی، علامہ سکاکی اور امام فخر الدین رازی جیسے جبالِ علوم اس کے ایوان کو رونق بخشتے تھے۔

• ......خوارزم شاہ کو علم نجوم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کی فرمائش پر امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے لیے اختیاراتِ نجومیہ پر فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ''الاحکام العلائیہ فی الاعلام السماویہ'' تحریر کیا تھا۔

سلطان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شاہ پور نیشاپوری، ذوالفقار شروانی، ابوعلی بن حسین مروزی، مجد الدین محمد نسوی اور کمال الدین اسماعیل جیسے شعراء اس کے دربار کی زینت تھے۔ اسے بذاتِ خود بھی شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل رباعی اسی کی ہے:

اندر کفِ من تیغ چو یک قطرۂ آب بیند چو فلک نماندش قوت و تاب

(جب آسمان نے میرے ہاتھ میں تلوار کو ایک قطرہ پانی کی مانند دیکھا تو اس کی قوت اور تاب ضبط جاتی رہی۔)

دستم چو سحاب آمدہ ویں طرفہ کہ دید ابرے کہ بیک قطرہ جہاں کرد خراب

(میرا ہاتھ بادل کی مانند ہے اور یہ عجیب نظارہ کس نے دیکھا ہوگا کہ ایک بادل نے ایک قطرہ برسا کر دنیا کو برباد کر دیا ہو۔) [۴۰]

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کے اسباب..... تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اس قدر جنگی وسائل اور عسکری قوت کا مالک ہونے کے باوجود کسی بھی مقام پر ڈٹ کر تاتاریوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کے باعث عالمِ اسلام کا یہ سب سے طاقتور حکمران چند ماہ بھی دشمن کے سامنے نہ ٹک سکا؟

کتب تواریخ کی ورق گردانی کے بعد اس کی جو ممکنہ وجوہات سامنے آ سکی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

1 ......علاؤ الدین خوارزم شاہ ابتداءً تاتاریوں کو ایک کمزور حریف تصور کرتا تھا، مگر جب پہلی لڑائی میں اس کی توقع کے بالکل برعکس خوارزمی افواج نے سخت ترین نقصانات اُٹھائے تو یہ سانحہ خوارزم شاہ کے اعصاب کے لیے بڑا مضر ثابت ہوا اور تاتاری تلواروں کی کاٹ کا خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ یہی خوف ہر معرکے میں اسے جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے پسپائی پر مجبور کرتا رہا۔

2 ......خوارزم شاہ قدرے وہمی تھا۔ بغداد پر حملے میں سخت برفباری کے باعث اسے ناکامی ہوئی تو عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ شاہ کا ستارۂ اقبال گردش میں آچکا ہے، ممکن ہے کہ خوارزم شاہ بھی اس افواہ سے کسی قدر متاثر ہوا ہو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے علامہ سکاکی کو خلیفہ ناصر کے خلاف ایک ''انوکھی مہم'' کی انجام دہی کے لیے روانہ کیا۔ علامہ صاحب نے بغداد جا کر ایک پتلا زمین میں گاڑ دیا۔ شاہ کو یقین دلایا گیا کہ اس عمل سے خلیفہ تباہ ہو جائے گا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خلیفہ کی ہلاکت کے بجائے خود خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ عوام میں چرچا ہو گیا کہ خوارزم شاہ نے علامہ سکاکی سے خلیفہ کے خلاف جو عمل کروایا تھا وہ الٹ ہو گیا ہے اور اس کے اثرات تاتاری حملے کی صورت میں سامنے آ رہے ہیں۔ مذکورہ افواہ سے شاہ نے تھوڑا بہت اثر لیا ہوگا، پھر بھی تاتاریوں سے

کروادیا) بھائی کا سر جب اس کے سامنے لایا گیا تو وہ کھانے میں مشغول تھا، اس نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی۔ وہ بہت کم سوتا، زیادہ جاگتا۔ بہت تکان برداشت کرتا، آرام کم کرتا۔ لشکر کشی میں اپنے ساتھیوں کی خدمت کرتا۔ وہ ان کو سلا کر ان کے سروں پر پہرہ دیتا۔ اس کے کپڑے اور گھوڑے کے سامان کی قیمت ایک دینار بھی نہیں ہوتی تھی۔ مشقت میں لذت پاتا اور تھکن میں آرام محسوس کرتا۔ بکثرت غنیمت حاصل کرتا اور اسے بہت جلد تقسیم کر دیتا۔ علماء سے مجالست رکھتا تھا، بادشاہت سے قبل امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا شاگرد رہ چکا تھا۔ چنانچہ بادشاہ بن کر اس نے امام رازی رحمہ اللہ کی بڑی رعایت کی اور ان کو دنیوی لحاظ سے خوب وسعت دی، لیکن (ان تمام خوبیوں کے باوجود) اس بادشاہ کی رائے کو عجب، غرور اور سلامتی کے یقین نے خراب کر دیا جس کے باعث وہ اپنی رائے پر اصرار اور عواقب سے تغافل کرنے لگا۔ دشمنوں کو حقیر سمجھنے لگا اور حوادث زمانہ کو بھول گیا۔ اسی عجب کی بناء پر وہ یوں کہا کرتا تھا:

''محمد (یعنی خوارزم شاہ) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی نصرت وامداد کر رہا ہے۔''(۱۶)

نیز موفق بغدادی تحریر کرتے ہیں:

''محمد خوارزم شاہ یہ طے کر چکا تھا کہ وہ تفلیس پر قبضہ کر لے، اسے اپنا پایۂ تخت بنا کر وہاں سے روم، ارمن، قفچاق اور عرب وعجم کے تمام ممالک پر حکومت کرے، لیکن اس نے اپنی بدتدبیری سے سارے معاملات بگاڑ لیے اور قبل از وقت حرکت اور نفس کی شدتِ حرص سے خود کو ہلاک کر ڈالا۔ وہ سکندر کے مشابہ بننا چاہتا تھا، مگر وہ کہاں اور یہ کہاں.....!!!اس نے شام اور مصر پر قبضے کا لالچ کیا اور اس کا نفس تمام روئے زمین پر قابض ہونے کا آرزومند تھا اور فی الواقع یہ اس کے لیے کچھ مشکل بھی نہ تھا، اگر اسے حسن تدبیر، اصابتِ رائے، ہوشیاری اور عدل کی توفیق ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ آرزو بھی اس کے لیے آسان فرما دیتا۔(۱۷)

خوارزم شاہ کی عمر..... یہاں ایک خاص وضاحت ضروری ہے کہ تاریخ میں خوارزم شاہی حکمرانوں کی پیدائش کا سرے سے کوئی ریکارڈ نہیں ملتا، شاید ان کے ہاں تاریخ پیدائش محفوظ کرنے کا رواج نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ہم یقینی طور پر علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی عمر معلوم کر سکتے ہیں نہ اس کے نامور بیٹے جلال الدین کی۔ البتہ ہمیں ایک ثبوت ایسا ملتا ہے جو بتاتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت تک بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچا تھا۔ یہ بیان نامور صوفی بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کا ہے جو ۶۱۵ھ میں سفیر بن کر خوارزم شاہ سے ملے تھے۔ ان کا بیان ہے: دخلنا علیه وهو شاب ''ہم خوارزم شاہ سے ملے، دیکھا کہ وہ ایک جوان آدمی ہے۔''(۱۸)

اس ملاقات کے تین سال بعد خوارزم شاہ کا انتقال ہو گیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علاؤ الدین محمد وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ ادھیڑ عمر ہوگا، اور اس کی عمر تقریباً چالیس، پینتالیس سال ہوگی۔ اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے باپ کی وفات کے وقت شہزادہ جلال الدین کی عمر بھی بیس پچیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

اس کے حالات کی متفرق جھلکیاں..... سلطان علاؤ الدین محمد تاجروں کو اپنے پاس بلا کر ان سے معلومات لیا کرتا تھا۔ دور دراز کے ممالک کے حالات کی تفتیش میں وہ بڑی دلچسپی لیتا تھا۔(۱۹)

● ......اس کے دربار میں علماء کی بڑی قدردانی کی جاتی تھی، اس لیے اس کا دربار یگانۂ روزگار اہل علم وفضل سے بھرپور تھا۔ ناصرالمطر رزی (م ۶۱۰ھ) شہاب الدین خیوقی، علامہ سکا کی اور امام فخر الدین رازی جیسے جبالِ علوم اس کے ایوان کو رونق بخشتے تھے۔

● ......خوارزم شاہ کو علم نجوم سے بھی دلچسپی تھی۔ اس کی فرمائش پر امام رازی رحمہ اللہ نے اس کے لیے اختیاراتِ نجومیہ پر فارسی زبان میں ایک مختصر رسالہ ''الاحکام العلائیہ فی الاعلام السماویہ'' تحریر کیا تھا۔

سلطان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شاہ پور نیشاپوری، ذوالفقار شروانی، ابوعلی بن حسین مروزی، مجد الدین محمد نسوی اور کمال الدین اسماعیل جیسے شعراء اس کے دربار کی زینت تھے۔ اسے بذاتِ خود بھی شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ مندرجہ ذیل رباعی اسی کی ہے:

بیند چو فلک نماندش قوت و تاب　　　اندر کفِ میں تیغ چو یک قطرۂ آب

(جب آسمان نے میرے ہاتھ میں تلوار کو ایک قطرہ پانی کی مانند دیکھا تو اس کی قوت اور تاب ضبط جاتی رہی۔)

دستم چو سحاب آمدہ ویں طرفہ کہ دید　　　ابرے کہ بیک قطرہ جہاں کرد خراب

(میرا ہاتھ بادل کی مانند ہے اور یہ عجیب نظارہ کس نے دیکھا ہوگا کہ ایک بادل نے ایک قطرہ برسا کر دنیا کو برباد کر دیا ہو۔) (۲۰)

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست کے اسباب ..... تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس بات پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ اس قدر جنگی وسائل اور عسکری قوت کا مالک ہونے کے باوجود کسی بھی مقام پر ڈٹ کر تاتاریوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔ اس کے ذہن میں یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آخر وہ کون سے اسباب تھے جن کے باعث عالمِ اسلام کا یہ سب سے طاقتور حکمران چند ماہ بھی دشمن کے سامنے نہ ٹک سکا؟

کتب تواریخ کی ورق گردانی کے بعد اس کی جو ممکنہ وجوہات سامنے آسکی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

۱ ......علاؤ الدین خوارزم شاہ ابتداءً تاتاریوں کو ایک کمزور حریف تصور کرتا تھا، مگر جب پہلی لڑائی میں اس کی توقع کے بالکل برعکس خوارزمی افواج نے سخت ترین نقصانات اُٹھائے تو یہ سانحہ خوارزم شاہ کے اعصاب کے لیے بڑا مضر ثابت ہوا اور تاتاری تلواروں کی کاٹ کا خوف اس کے دل ودماغ پر چھا گیا۔ یہی خوف ہر معرکے میں اسے جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے پسپائی پر مجبور کرتا رہا۔

۲ ......خوارزم شاہ قدرے وہمی تھا۔ بغداد پر حملے میں سخت برفباری کے باعث اسے ناکامی ہوئی تو عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی کہ شاہ کا ستارۂ اقبال گردش میں آچکا ہے، ممکن ہے کہ خوارزم شاہ بھی اس افواہ سے کسی قدر متاثر ہوا ہو۔ اس کے کچھ عرصہ بعد اس نے علامہ سکا کی کو خلیفہ ناصر کے خلاف ایک ''انوکھی مہم'' کی انجام دہی کے لیے روانہ کیا۔ علامہ صاحب نے بغداد جا کر ایک پتلا زمین میں گاڑ دیا۔ شاہ کو یقین دلایا گیا کہ اس عمل سے خلیفہ تباہ ہو جائے گا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ خلیفہ کی ہلاکت کے بجائے خود خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔ عوام میں چرچا ہوگیا کہ خوارزم شاہ نے علامہ سکا کی سے خلیفہ کے خلاف جو عمل کروایا تھا وہ الٹ ہوگیا ہے اور اس کے اثرات تاتاری حملے کی صورت میں سامنے آرہے ہیں۔ مذکورہ افواہ سے شاہ نے تھوڑا بہت اثر لیا ہوگا، پھر بھی تاتاریوں سے

پہلی جھڑپ سے قبل وہ اپنی فتح کے متعلق پُر امید تھا۔ پہلی شکست کے بعد سابقہ افواہیں اس کے شکست سے متاثر دماغ کو مزید پریشان کرنے لگیں۔ اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ درباری نجومیوں نے اس کے شکوک کو یقینی بنانے کے لیے یہ کہہ دیا کہ حضور والا کا ستارہ گردش میں ہے اور کچھ عرصے تک وہ گردش ہی میں رہے گا، مناسب ہوگا کہ عالم پناہ اتنے عرصے دشمن کے مقابلے سے پہلو بچائے رکھیں۔ (۲۱)

نجومیوں کی اس فضول گوئی کو شاہ نے گویا آسمانی وحی کا درجہ دیتے ہوئے دل پر نقش کرلیا اور ہر میدان سے پیچھے ہٹ کر دشمن کو لقمۂ تر مہیا کرنے کے بعد اس کی یہ سوچ ترقی کرتی رہی کہ ''نجومی سچ کہتے ہیں، میرا ستارہ گردش میں ہے۔''

4 ......خوارزم شاہ میں ماتحتوں سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام لینے کا ہنر نہ تھا۔ تین چار لاکھ پیشہ ور سپاہیوں کے ساتھ شہزادہ جلال الدین اور تیمور ملک جیسے سالار ہر میدان میں تاتاریوں کو شکست دینے کی صلاحیت رکھتے تھے، مگر خوارزم شاہ نے بخارا اور سمرقند جیسے محاذوں پر بھی ان سے کام نہیں لیا۔ (۲۲)

5 ......تاتاریوں کے ہمہ گیر سیلاب کو روکنے کے لیے وسیع منصوبہ بندی درکار تھی، مگر خوارزم شاہ نے سرسری انتظام کافی سمجھا۔

6 ......اس میں خود رائی کا مرض حد درجے سرایت کر گیا تھا، اس لیے پامیر، بخارا اور سمرقند جیسے تمام محاذوں پر سردارانِ لشکر کے مشوروں کو قبول نہ کرتے ہوئے اپنی سوچ کے مطابق عمل کیا اور سخت نقصان اُٹھایا۔ خاص کر فوج کی تقسیم در تقسیم اس کا وہ غیر معقول اقدام تھا جس نے ہر محاذ پر اس کی شکست مقدر کر دی۔ تمام تاریخ نویسوں نے خوارزم شاہ کے اس اقدام کو حد درجے خلافِ حکمت قرار دیا ہے۔

7 ......خوارزم شاہ کے جاسوسی نظام کی کمزوری بھی اس کی عسکری طاقت کے ناکام ہونے کا ایک بڑا سبب تھی۔ اس کمزوری کے باعث خوارزم شاہ بیشتر مواقع پر دشمن کی نقل و حرکت کے زاویوں سے بے خبر رہا۔ تاتاریوں کی افرادی طاقت، جنگی وسائل، عسکری پالیسی، ان کی یلغار اور حملے کے انداز و اطوار کے متعلق آخر تک اس کی معلومات ناکافی رہیں۔ جاسوسی نظام اور محکمہ خبر رسانی کی عمدہ کارکردگی میدانِ جنگ میں فتح کی بنیاد ہوتی ہے اور ہر باشعور عسکری قائد اپنی حکمت عملی اسی نظام سے حاصل شدہ معلومات کے مطابق ترتیب دیتا ہے۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے جاسوسوں اور مخبروں کی ناقص کارکردگی کا اس کی فوجی حکمت عملی پر بہت بُرا اثر پڑا، اس لیے ہر موقع پر اس کی عسکری منصوبہ بندی ناکام ثابت ہوئی۔

8 ......سلطان علاؤ الدین محمد کے امراء اور سرداروں میں غداروں کی بکثرت موجودگی کو اس کی مسلسل شکستوں کا اہم ترین سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔ اترار کے محاذ پر حاجب قراچہ اور سمرقند میں برشاش خان کی غداری نے ان مضبوط فصیل والے شہروں پر تاتاریوں کو آسانی سے قابض ہونے کا موقع فراہم کیا۔ بدر الدین عمید جیسا غدار بھی خوارزم شاہ کی آستینوں میں پل رہا تھا جس کی سازش نے راتوں رات سلطان کی فوج کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

اتنے بڑے قتل عام کا ذمہ دار کون؟ ...... جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ خوارزم شاہ تاتاریوں سے پامیر کی سطح مرتفع کے قریب پہلی جھڑپ کے بعد کسی بھی مقام پر ان کا سامنا نہ کر سکا۔ اس پہلے معرکے کے بعد خوارزم شاہ کے لڑائی سے مسلسل گریز کرنے کی یہ وجہ یقیناً نہیں تھی کہ مسلمانوں کی قوت مدافعت یک دم ختم ہوگئی ہو، کیوں کہ خوارزمی فوج کا بڑا

حصہ اس کے بعد بھی باقی تھا، مگر قیادت کی نااہلی کے باعث اس فوج کی طاقت سے فائدہ نہ اُٹھایا جاسکا۔ پامیر کے پہلے معرکہ کے بعد تاتاری بے دریغ آگے بڑھتے چلے گئے، اترار اور قوقند جیسے دو تین محاذوں کے سوا انہیں کسی مقام پر چند دن سے زیادہ ٹھہرنے کی زحمت نہ کرنا پڑی اور وہ بے محابا مسلمانوں کا قتل عام کرتے چلے گئے۔ اس بناء پر یہ عام خیال بظاہر بڑی حد تک درست معلوم ہوتا ہے کہ اس ساری تباہی کا ذمہ دار سلطان علاؤالدین محمد تھا جس کی بزدلی اور کم ہمتی سے امت کو یہ بُرے دن دیکھنا پڑے، مگر اصل حقیقت اس سے کہیں گہری ہے جس پر غور کرنا نہایت ضروری ہے۔

اگر اس معاملے پر غور وخوض میں وسعت نظری سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ فرد واحد کو اتنے بڑے پیمانے پر مسلم قوم کی خون ریزی کا ذمہ دار قرار دینا کافی نہیں ہے۔ علاؤالدین محمد تن تنہا اس تمام تر تباہی کا مجرم نہیں تھا بلکہ اس کے غدار امراء اور وزراء بھی اس جرم میں برابر کے شریک تھے اور وہ مسلم ہمسایہ ممالک بھی اس میں پورے پورے حصہ دار تھے جو اس قتل عام پر ٹس سے مس تک نہیں ہوئے اور مظلوموں کی حمایت میں کوئی عملی اقدام کرنے سے گریزاں رہے۔ خاص کر خلیفہ ناصر کی مجرمانہ حیثیت کو کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس نے تمام دنیا کے مسلمانوں کے روحانی باپ کی حیثیت رکھنے کے باوجود چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی دعوت دی اور مسند خلافت پر بیٹھ کر اس گھر پھونک تماشے سے لطف اُٹھایا۔

اس کے ساتھ ساتھ خود مسلم عوام کو بھی اس تباہی کی ذمہ داری سے مکمل طور پر بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا جن کی بداعمالیوں کے باعث یہ قہر خداوندی ان پر ٹوٹا۔ دنیا سے محبت، عیش وعشرت میں انہماک اور فنون حرب سے روز افزوں بے التفاتی کے سبب وہ سست اور تن آسان بن گئے تھے۔ راگ رنگ اور شعروشاعری کے شغف نے نوجوانوں کو نرم اندام بنادیا تھا، فنونِ لطیفہ کا ذوق پروان چڑھنے کے ساتھ ساتھ بزدلی اور بیفکری عام ہوگئی تھی۔ عوام کو اگر شمشیر زنی یا تیراندازی سے کوئی دلچسپی تھی بھی تو وہ صرف کھیل کود اور ورزش کی حد تک۔ مسلمان جفاکشی کا درس دینے والی اسلامی معاشرت کی جگہ نازک مزاج عجمی تمدن اپنا چکے تھے۔ اس انقلاب کا نتیجہ ایسے بھیانک قتل عام کی صورت میں سامنے آیا کہ ایک تاتاری سو سو مسلمانوں کو ذبح کرتا چلا جاتا تھا اور کوئی اس کا ہاتھ تھامنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض شہروں میں عوام نے تاتاریوں سے مزاحمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے تک اپنی مدافعت کے لیے سینہ سپر ہوگئے تھے، مگر افسوس کہ انہیں بہت دیر میں ہوش آیا تھا۔ انہوں نے پیراکی کی مشق اس وقت شروع کی جب انہیں گہرے سمندر میں ڈبویا جارہا تھا۔ ان کی مزاحمت اور مدافعت ایک اضطرابی جوش کے ساتھ غیر منظم انداز میں شروع ہوئی اور پھر ٹھنڈی پڑگئی۔

صدیوں قبل پیش آنے والی یہ عبرتناک تباہی آج کے تن آسان مسلمانوں کے لیے تازیانہ عبرت ہے۔ اگر ہم اب بھی اپنی غفلت سے باز نہ آئے تو ایسی ہی ہولناک قیامت کا آج ہم پر بھی ٹوٹ پڑنا بعید از قیاس نہیں۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ بات خوب واضح ہوچکی ہے کہ اس عالمگیر تباہی کے اسباب وعلل کو صرف علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی سیاسی لغزشوں میں منحصر کردینا مناسب نہیں بلکہ یہ حقائق سے آنکھیں موندنے کے مترادف ہے۔

درحقیقت سلطان علاؤالدین محمد خوارزم ایک ایسے سفینے کا ملاح تھا جس کے مسافر اسے ڈبونے کا تہیہ کرچکے تھے۔ جب کوئی قوم خود ہی اجتماعی کمزوریوں، ناقابلِ برداشت کوتاہیوں اور عمومی جرائم کے باعث خودکشی کے گڑھے کی طرف

بڑھ رہی ہو، قوم کا روحانی پیشوا (خلیفہ) بھی اسے تباہ کرنے پر تُلا ہوا ہو اور قوم کے حکمرانوں سے بھی مسلسل سنگین غلطیاں صادر ہونے لگیں تو اس قوم کی بربادی میں کوئی دیر نہیں رہ جاتی۔ ایسی قوم کو بچانے کے تمام حربے اور منصوبے ناکام ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجوہات تھیں جن کے باعث بعد میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ جیسا اولعزم مجاہد بھی اس قوم کو ہلاکت و استیصال کے گڑھے میں گرنے سے نہ بچا سکا۔

چند مفید تنبیہات

[1] ''قراقرم'' کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ ..... بعض اہل قلم نے چنگیز خان کے دارالحکومت کا ذکر کرتے ہوئے جگہ جگہ کوہ قراقرم کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ ایک غلط فہمی ہے۔ چنگیز خان کا دارالحکومت صحرائے گوبی کا ایک ریتیلا بنجر و خشک شہر تھا جس کا نام قراقرم تھا۔ قراقرم کا لغوی معنیٰ ہے کالی زمین، چونکہ اس جگہ ہر طرف کالی ریت نظر آتی تھی اس کی مناسبت سے اس علاقے کا نام قراقرم پڑ گیا۔ اس شہر کا ''کوہ قراقرم'' سے کوئی تعلق نہیں۔ قراقرم نامی یہ شہر منگولیا میں تھا، جبکہ کوہ قراقرم منگولیا کے بے آب و گیاہ صحراؤں سے کئی ہزار کلومیٹر دور ایک پہاڑ ہے جو پاکستان اور چین کے درمیان حدّ فاصل کا کام دیتا ہے، چونکہ یہاں بھی صرف کالے پتھر اور کالی چٹانیں ہیں، اس لیے اس پہاڑ کو بھی قراقرم کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔ چنگیز خان نے زندگی بھر کبھی کوہ قراقرم نہ دیکھا ہوگا، مگر نام کی یکسانیت کے باعث بعض پاکستانی ادباء نے جن کا ذہن قراقرم کے لفظ سے کوہِ قراقرم ہی کی طرف جاتا ہے، یہ سمجھ لیا کہ اسی پہاڑی سلسلے کے کسی گوشے میں چنگیز خان کا دربار ہوگا۔

انہی ادیبوں میں سے بعض نے خوارزم اور صحرائے گوبی کے درمیان حائل عظیم پہاڑی سلسلے کو ''کوہِ قراقرم'' سمجھ لیا، حالانکہ دنیا کا نقشہ بغور دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خوارزم اور منگولیا کے مابین جو پہاڑ حائل تھے ان میں سے کوئی بھی کوہِ قراقرم نہیں کہلاتا۔ منگولیا کے مغرب میں کوہ طائی، کوہ طیان شیان اور سطح مرتفع پامیر کی بلند دیواریں ہیں جو اس کے اور خوارزم کے مابین حائل تھیں۔ دونوں مملکتوں میں آنے جانے والے قافلے انہی پہاڑوں سے گزرتے تھے۔ کوہ قراقرم ان میں شامل نہیں، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ تبت اور کشمیر سے لے کر جھیل بالکش تک مختلف پہاڑوں پر مشتمل ایک طویل و عریض کوہستان ہزاروں کلومیٹر پر محیط ہے۔ ہمالیہ، قراقرم، ہندوکش اور پامیر سب اس کی کڑیاں ہیں۔

[1] ترک، تاتاری اور مُغل ..... چنگیز خان کی قوم کو اکثر مؤرخین نے تاتار یا مغل کے لفظ سے یاد کیا ہے، مگر بعض کتب تواریخ میں انہیں ترک کہا گیا ہے۔ اسی طرح چنگیز خان کی اولاد سے ہونے والے ہندوستان کے شاہانِ مغلیہ کو بھی ترک قوم سے شمار کیا گیا ہے۔ دوسری طرف چنگیز خان کا جن مسلم حکمرانوں سے مقابلہ ہوا وہ بھی ترک کہلاتے تھے۔ علاؤالدین خوارزم شاہ اس کے بیٹے اور اکثر سالار ترک ہی تھے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اس موقع پر یہ گمان کرتا ہے کہ چنگیز خان نے اپنے ہی ہم قوم خوارزمیوں کا خون بہایا، لہٰذا وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ اس پریشانی سے نجات کے لیے مندرجہ ذیل سطور کافی رہنما ثابت ہوں گی:

حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے حام، سام اور یافث تھے۔ یافث کی اولاد چین میں آباد ہوئی۔ ان میں ترک بن یافث نامی ایک شخص کی اولاد چین اور مشرقی و مغربی ترکستان میں پھیل گئی۔ یہ سب لوگ ترک کہلانے لگے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں بہت سے قبیلے پیدا ہو گئے۔ ترک قوم کا عام مسکن ایشیا کا وہ علاقہ تھا جسے ترکستان

کہا جاتا ہے۔ ترکستان دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) مشرقی ترکستان (سنگ کیانگ) جو موجودہ چین میں واقع ہے۔
مغربی ترکستان جس میں وسطِ ایشیا کی نو آزاد جمہوریات ازبکستان، تاجکستان اور قزاقستان شامل ہیں۔
ترک قوم بہت تیزی سے بڑھی اور پھیلی۔ چند صدیاں گزرنے پر ہر قبیلے نے ایک مستقل قوم کی شکل اختیار کرلی۔ ان کی بود و باش، تہذیب اور زبانیں بھی جدا جدا ہوگئیں۔ جنگجوئی و معرکہ آرائی ان کی فطرت میں داخل تھی، اس لیے یہ لوگ مختلف سرداروں کی قیادت میں باہم برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان قبائل میں ہجرت اور نقل مکانی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ترکوں کی ایک بڑی تعداد مغربی ترکستان میں آباد تھی۔ کئی قبائل چین کے مشرقی صوبے سنکیانگ (مشرقی ترکستان) میں آباد تھے۔ بعض قبائل منگولیا کے صحراؤں میں بسنے لگے تھے۔ ان میں بھی مختلف شاخیں اور گروہ بنتے چلے گئے۔ منگولیا کی جانب آباد قبائل منکول، مغول، مغول یا تاتار کے نام سے مشہور ہوئے۔ مغربی ترکستان میں بسنے والے قبائل میں الغور، قبچاق، خلج، ترکمان اور کئی دوسرے گروہ ظاہر ہوئے۔ بعد کے زمانے میں نمودار ہونے والے سلجوق، ترکانِ خطا، ترکانِ غز اور خوارزم شاہی خاندان انہیں قبائل کی شاخیں تھیں۔
خلاصہ یہ نکلا کہ خوارزمی مسلمانوں اور تاتاریوں کا جدِّ امجد ایک ہی شخص یعنی ''ترک بن یافث'' تھا، لہٰذا ان دونوں کو ترک کہنا درست ہے، لیکن چونکہ ہزاروں سال کی طویل مدت کے گزرنے اور زمینی مسافت کے لحاظ سے الگ الگ ممالک میں آباد ہونے کے باعث ان کی معاشرت، تمدن، تہذیب اور مذہب بالکل جدا جدا ہوگئے تھے اور یہ دو مختلف قوموں کی صورت اختیار کرچکے تھے، لہٰذا ان کا اتنے بڑے پیمانے پر باہمی جدال و قتال بھی محلِ تعجب نہیں۔
(ملخص از تاریخ اسلام، مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی)
ترکستان اور موجودہ ترکی ..... بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ موجودہ ''جمہوریہ ترکی'' ہی ترک قوم کا اصل وطن ہے۔ بعض لوگ یہ بھی گمان کرتے ہیں کہ ''جمہوریہ ترکی'' کا ہی قدیم نام ترکستان تھا۔ یہ دونوں مفروضے غلط ہیں۔ ترک قوم کا اصل وطن ''ترکستان'' وہ خطہ ہے جہاں آج کل سنکیانگ (چین) جمہوریہ ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان وغیرہ مختلف ممالک وجود میں آچکے ہیں، جہاں تک موجودہ جمہوریہ ترکی کا تعلق ہے اسے گیارہ سو سال پہلے تک ترک قوم سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، یہاں زمانہ قدیم سے یورپ کی رومی سلطنت کی حکومت قائم تھی، یہاں کے باشندے تمام کے تمام رومی النسل تھے۔
خلفائے بنو امیہ و بنو عباس کے زمانے میں مسلمانوں کی فتوحات کا سیلاب یہاں تک آپہنچا اور سوائے قسطنطنیہ کے یہ تمام علاقہ مسلم مقبوضات میں شامل ہوگیا۔ اس وقت یہ علاقہ ایشیائی روم، ایشیائے کوچک یا ارضِ روم کے نام سے معروف تھا۔ شیخ جلال الدین رومی اسی ایشیائی روم میں بسنے کی وجہ سے رومی کہلائے۔
بنو عباس کے دورِ انحطاط میں جب مرکزی حکومت میں ترکوں کا اثر و رسوخ بڑھ گیا تو ایشیائی روم بھی اسی حکومت کا ایک صوبہ ہونے کے باعث ترک قومیت کے اثرات سے باہر نہ رہ سکا اور ترکستان کے مختلف قبائل کے افراد یہاں آباد ہونے لگے۔ پانچویں صدی ہجری میں جب ترکوں کے سلجوقی خاندان نے اس علاقے پر قبضہ کیا تو ترک تہذیب و تمدن کو یہاں مزید فروغ ملا۔ ترکِ وطن کرکے آنے والے خالص ترکی النسل باشندوں کی تعداد یہاں بڑھتی گئی، حتیٰ کہ ترک یہاں کی آبادی کا اہم حصہ بن گئے۔ چھٹی صدی ہجری میں یہ تمام علاقہ ترک قبائل سے بھرپور ہوچکا

تھا۔صرف ساحلی علاقوں پر قدیم رومی النسل لوگ آباد تھے۔

ساتویں صدی ہجری میں ترکستان پر تاتاریوں کے حملوں کے باعث ترک مہاجرین کا ایک سیلاب یہاں اُمنڈ آیا۔ پھر آٹھویں صدی ہجری میں عثمانی ترکوں نے تمام ایشیائے کوچک پر قبضہ کر کے ایک عظیم اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی جو پھیل کر مصر و شام کو محیط ہوگئی اور یورپ کی رومی سلطنت پر جارحانہ حملے کرتی رہی۔عثمانی ترکوں نے اپنی قلمرو میں اسلامی سانچے میں ڈھلی ہوئی ترکی تہذیب کے نقوش کو مزید پختہ کیا، یہاں تک کہ یہ اندازہ لگانا مشکل ہوگیا کہ کبھی یہاں رومی بھی آباد تھے اور اس مملکت کو ترک سلطنت یا ٹرکی کہا جانے لگا۔

حصہ دوم

شیرِ خوارزم

سلطانؒ جلال الدینؒ خوارزم شاہ

اور

تاتاریؒ یلغار

مختصر فہرست

''عبرت کدہ اورگنج''

تھم ذرا بے تابیءِ دل بیٹھ جانے دے مجھے　　　اور اس بستی پہ چار آنسو گرانے دے مجھے

تاتاریوں نے اس شہر کو مکمل طور پر غرق کر دیا۔ عمارتیں تہہ و بالا ہوگئیں، ان کی جگہ پانی نے لے لی، یہاں کے باشندوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ سکا۔ دُوسرے شہروں میں تو بعض لوگ بچ گئے تھے۔ کوئی روپوش ہو کر، کوئی فرار ہو کر اور کوئی شہر سے باہر نکل کر اور کوئی مقتولین میں لیٹ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگیا، مگر خوارزم (اورگنج) کے باشندوں میں سے جو تاتاریوں سے چھپ گیا اسے پانی نے غرق کر دیا یا مکانات کے گرنے سے وہ ہلاک ہوگیا۔ پس یہ شہر بالکل ویران و بیابان ہو کر رہ گیا۔

كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُونِ إِلَى الصَّفَا　　　أَنِيْسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرٌ

(گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک کوئی دل بہلانے والا نہ تھا اور نہ مکّہ میں کوئی رات کو دلچسپ باتیں کرنے والا باقی رہا۔) اس جیسا حادثہ نہ قدیم دور میں سنا گیا اور نہ ہی قریبی زمانے میں۔ (تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲)

سلطان جلال الدین کی واپسی ..... سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کو جزیرۂ آبسکون میں سپردِ خاک کر کے سلطان جلال الدین اس کے جانشین بن کر اس خلوت کدے سے نکلے۔ ان کے بھائیوں قطب الدین اور آق سلطان کے علاوہ جزیرے میں موجود ستر کے لگ بھگ ارکانِ سلطنت بھی ان کے ساتھ ہو لیے۔ ① سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے سامنے اس وقت دو راستے تھے یا تو وہ بھی اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دشمن سے مُنہ چھپا کر گوشۂ عافیت میں بیٹھنا پسند کر لیتے یا زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر صرف اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے میدان کارزار میں کود پڑتے۔ توفیقِ ازلی نے سلطان جلال الدین کی صحیح راہنمائی کی اور انہوں نے بلا تامل دوسرا راستہ اختیار کیا جو مصائب و آلام کی دھکتی ہوئی بھٹیوں سے گزر کر سعادت، عزت، نیک نامی اور فلاح کی حسین منازل تک جا پہنچتا ہے۔

عالمِ اسلام اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کا چیلنج ..... اس وقت تنہا خوارزم کی نہیں پورے عالمِ اسلام کی حفاظت کا مسئلہ پوری شدت سے سلطان جلال الدین کے سامنے تھا۔ تاتاریوں کا ماوراء النہر سے لے کر شمالی ایران، قفقاز اور بحیرہ خزر تک بے خوف و خطر پھیل جانا اس بات کا ثبوت تھا کہ ان درندوں کے پیشِ نظر صرف خوارزم کو خاکستر کرنا نہیں، بلکہ یہ طوفان کسی ناقابلِ شکست حصار کے سامنے نہ آنے تک لامحدود وسعتوں میں پھیلتا چلا جائے گا اور ہر منزل پر تخریب، دہشت، تباہی اور بربادی کے ان مٹ داغ چھوڑتا جائے گا۔

ان تمام خطرات سے بڑھ کر سلطان کو یہ خیال جھنجھوڑے دے رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ صحرائے گوبی کے خون آشام

بھیڑیوں کا رخ ارض حجاز کی طرف ہو گیا تو کعبۃ اللہ اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دست برد سے بچانا کیسے ممکن ہو گا۔ منگولیا کے ریگزاروں میں جہالت کی کوکھ سے جنم لینے والی اس قوم کے لیے دوسری قوموں کے مذاہب اور انکی عبادت گاہوں کے ادب واحترام جیسے الفاظ بے معنی تھے۔ پھر مسلمانوں سے انکا بغض وعناد ہر حد سے متجاوز تھا۔ بخارا اور سمرقند جیسے قدیم اسلامی تمدن کے حامل شہروں میں ان کے ہاتھوں ہزاروں مساجد، مدارس، کتب خانوں، خانقاہوں اور مقابر کا جو حشر ہوا تھا وہ سب کے سامنے تھا۔ جو کفار قرآن مجید اور کتب احادیث کے اوراق کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روندتے چلے جارہے ہوں ان سے حرمین شریفین کے بارے میں کسی نرم رویے کی توقع کیسے کی جا سکتی تھی۔

صورتحال کا یہ پہلو اور بھی خطرناک تھا کہ صحرائے عرب کا موسم اور طبعی ماحول بہت سی حملہ آور قوموں کو اس پر حملے سے باز رکھتا تھا مگر تاتاری تو خود صحرائے گوبی کی پیداوار تھے، صحرائے عرب میں پیش قدمی ان کے لیے شاید ذرا بھی مشکل ثابت نہ ہوتی۔

تاتاریوں کے موجودہ مقبوضات اور جزیرۃ العرب کے درمیان اسوقت بغداد کے سوا کوئی ایسا اسلامی ملک، ریاست یا شہر باقی نہ رہا تھا جو عسکری لحاظ سے کسی شمار میں ہوتا۔ خود بغداد کا یہ حال تھا کہ خلیفہ تاتاریوں کے نام سے لرزہ براندام تھا۔ حال ہی میں جب مغربی تاتاریوں نے مراغہ میں قتل عام کیا تھا تو اس کے بعد بغداد کو زیادہ دور نہ پا کر انہوں نے صرف موج مستی کے لیے اسے بھی تاراج کرنے کا ارادہ کر لیا تھا جس سے خلیفہ ناصر کے ہوش اڑ گئے تھے اور اس نے بغداد میں بڑے پیمانے پر دفاعی جنگ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں...... مگر پھر تاتاریوں نے اس نئی مہم کو آئندہ پر ملتوی کر دیا تھا۔ اسی خوف و دہشت کی بناء پر خلیفہ اس خود بلائی ہوئی مصیبت کے ہر حکم پر سر بسجود تھا۔ ایسے میں بغداد کا ارض حجاز کی تو کجا اپنی حفاظت کر لینا بھی بڑی بات تھی۔

جہاں تک مسلمانوں کے مغربی محاذ کو سنبھالنے والے ایوبی خانوادے کے حکام کا تعلق ہے وہ نصرانیوں کے پے در پے حملوں کے باعث اس قابل نہیں تھے کہ کسی اور محاذ پر توجہ دے سکتے۔ پھر انکے خاندانی جھگڑے بھی کم نہ تھے جو انہیں ہر آن کسی نہ کسی مہم میں الجھائے رہتے تھے۔ ادھر خوارزم کی سرحدوں سے آگے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ تک تمام علاقہ برسوں سے مختلف امراء کے ماتحت تھا اور وہاں کوئی مضبوط مقامی حکومت دور دور تک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ایسی حالت میں اگر تاتاریوں کا رخ جزیرۃ العرب کی جانب ہو جاتا تو ان بدبختوں کے ہاتھوں عالم اسلام پر وہ قیامت ٹوٹ سکتی تھی جس کی تلافی کبھی ممکن نہ ہوتی۔

یہ وہ حالات تھے جنکے تقاضوں کو عالم اسلام کے درجنوں حکمرانوں میں سے سلطان جلال الدین نے سب سے زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ انہوں نے کسی تردد کے بغیر یہ سمجھ لیا کہ اس ہولناک خطرے سے مسلمانوں کی نجات کی صورت اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یورشِ تاتار کو خوارزم اور ایران کے درمیان ہی میں روک کر ان کا رخ جنوب کی طرف پھیر دیا جائے اور وہاں اس قدر شدید تحریکِ مزاحمت شروع کی جائے کہ تاتاری افواج جو ہر لحظے عراق اور عرب کی سرحدوں سے قریب تر ہوتی جارہی ہیں، خراسان ہی میں محدود ہو جائیں، اس علاقے میں متعدد محاذ کھول کر تاتاریوں کو مغرب کی طرف مزید آگے بڑھنے سے روک دیا جائے اور دشمن کو اس وقت تک ان محاذوں پر الجھائے رکھا جائے جب تک عالم اسلام بیدار ہو کر تاتاریوں سے فیصلہ کن جنگ کی بھرپور تیاری نہ کر لے۔

سلطان اورگنج میں ..... الغرض اس سوچ اور جذبے کے تحت سلطان جلال الدین بحیرۂ خزر سے خوارزم روانہ ہوئے۔ راستے میں بحیرہ خزر کے ساحلی شہر "منقشلاغ" میں رکے جو مملکت کی آخری سرحد پر واقع تھا، یہاں سے انہوں نے اپنے ایلچی دارالحکومت روانہ کردیے تاکہ اہل شہر کو ان کی آمد کی خبر ہو جائے۔ ②

اورگنج غیر متوقع طور پر ابھی تک تاتاریوں کے قبضے سے باہر تھا، تاہم ان کے حملے کا خطرہ لحہ بلحہ بڑھ رہا تھا۔ شہر کے اندرونی حالات نہایت ابتر تھے۔ کسی نائب کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھا کر غنڈوں اور لٹیروں نے ہر طرف اودھم مچا رکھا تھا۔ کوہ دروغان نامی ایک بے حد لڑاکا اور مکار انسان ان کا سردار بنا ہوا تھا۔ اس کی مکاری کی وجہ سے ہی اسے کوہِ دروغان یعنی دھوکے کا پہاڑ کہا جاتا تھا۔ ③

جوں ہی شہر میں سلطان جلال الدین اور شاہی اعیان کی آمد کی منادی ہوئی یہ لٹیرے حشرات الارض کی طرح بلوں میں دبک گئے۔ اورگنج کی پژمردہ فضا کی رُت بدل گئی۔ شہر کے باشندوں اور عمائد کا ایک جم غفیر شہر سے باہر آکر اپنے نئے حکمران کے پرجوش استقبال کے لیے تیار ہوگیا، سلطان شہر کے قریب پہنچے تو یہ لوگ عقیدت بھری نگاہوں سے ان کے منتظر تھے۔ تیمور ملک، کوجائی تگین، اغول حاجب دوسرے بڑے بڑے نامی گرامی سردار استقبال کے لیے چشم براہ تھے۔ ان کے ہاتھوں میں خوارزمی پرچم لہرا رہے تھے، انہوں نے سلطان اور ان کے رفقاء کو نیا لباس، اسلحہ اور تازہ دم سواریاں پیش کیں۔ ④

کٹھن حالات ..... سلطان جلال الدین نے جن کٹھن حالات میں زمامِ حکومت سنبھالی تھی، وہ حد درجہ تشویش ناک تھے۔ عالمِ اسلام کی اس سب سے عظیم مملکت کی دھجیاں بکھر چکی تھیں۔ شمالی، وسطی اور مشرقی صوبے مکمل طور پر خاکستر ہو چکے تھے۔ دارالحکومت کو چھوڑ کر جنوب میں صرف افغانستان کے چند شہر، مغرب میں نسا اور اس کے مضافات اور جنوب مغرب میں ایران اور عراق عجم کے چند اضلاع ہی تاتاریوں کی شمشیرِ خون آشام سے بچے ہوئے تھے۔ خزانہ بالکل خالی تھا، فوج کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔ ان حالات میں یہ حکمرانی پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ کانٹوں کا بچھونا تھی۔

شہزادہ قطب الدین ازلاق بھی شاید اسی صورتحال کو مدّنظر رکھ کر اب تک اپنی جانشینی کے کالعدم قرار دیے جانے پر خاموش تھا ورنہ وہ اور اس کا قبیلہ سلطان جلال الدین کا اقتدار تسلیم کرنے والے نہ تھے۔

تاتاریوں کی فوج کشی ..... ابھی تک چنگیز خان سمرقند کو مستقر بنا کر اردگرد کے صوبوں پر یلغار کے لیے پَر تول رہا تھا۔ یہیں اسے علاؤ الدین محمد کی وفات اور سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کی خبر ملی۔ چنگیز خان اس سے قبل سلطان جلال الدین کے متعلق بہت کچھ سن چکا تھا اور خوارزم شاہ کے بیٹوں میں سے وہ صرف انہی کو اپنے حق میں خطرناک سمجھتا تھا۔ ان کے برسرِ اقتدار آنے کی اطلاع پاتے ہی وہ چونکا اور کسی ناقابل تدارک صورتحال پیدا ہو جانے کے خطرے کے پیشِ نظر اس نے فی الفور ایک عظیم لشکر خوارزم کے پایۂ تخت کی طرف روانہ کر دیا۔ ⑤

اعلانِ جہاد ..... سلطان جلال الدین کے لیے دارالحکومت کی حفاظت سب سے اہم مسئلہ تھا۔ انہوں نے جہاد کا اعلان کرکے اپنی دفاعی قوت کو مستحکم کرنے کے لیے سرتوڑ جدوجہد شروع کردی۔ ان کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے نوجوانوں کے گروہ کے گروہ پروانہ وار ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ بہت سے سپاہی جو گزشتہ معرکوں میں تاتاریوں سے شکست کھا کر پہاڑوں اور جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے، اورگنج میں جمع ہو گئے۔ چند ہی دن میں سات ہزار رضا کاروں

کا ایک لشکر تیار ہو گیا۔ (۶)

سازشوں کا جال ...... ایک طرف سلطان جلال الدین شجرِ اسلام کی آبیاری میں مصروف تھے، لیکن دوسری طرف کچھ غدارانِ ملّت ان کی اس جدوجہد کو ناکام کرنے کے لیے سازشوں کا جال پھیلا رہے تھے۔ فوج کا ایک بااثر سردار قتلغ خان جو توخی پہلوان کے لقب سے مشہور تھا، ان نازک حالات میں شہزادہ قطب الدین کو سلطان جلال الدین کے مدمقابل لانے کے لیے منافرت کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اس نے نہایت چالاکی کا ثبوت دیتے ہوئے ایک طرف تو قطب الدین کو مطالبۂ اقتدار کے لیے آمادہ کرنا شروع کیا اور دوسری طرف وہ یہ مشہور کرنے لگا کہ "قطب الدین ازلاق ہی سلطان محمد خوارزم شاہ کا اصل جانشین ہے۔ سلطان جلال الدین نے اس کا حق غصب کر لیا ہے۔ جب تک قطب الدین زندہ ہے، کوئی دوسرا شخص خوارزمی عوام کے لیے واجب الاطاعت نہیں ہو سکتا۔" قتلغ خان کے اس گمراہ کن اور زہر آمیز پروپیگنڈے نے شہر کی فضا مکدر کر دی۔ جہاں مجاہدین اسلام کے نغمات گونج رہے تھے وہاں خانہ جنگی کی چنگاریاں بھڑکنے لگیں۔ قتلغ خان نے بیاروتی ترک افسران کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا جو کہ فوج کا غالب عنصر تھے۔ اِدھر سلطان جلال الدین حامیوں کے لیے یہ صورتحال ناقابل برداشت تھی۔ وہ اپنے جیتے جی اپنے محبوب سلطان کی معزولی گوارا نہیں کر سکتے تھے۔ (۷)

سلطان جلال الدین کے خلاف سازش میں شریک امراء اصل میں اس بات سے خائف تھے کہ سلطان کی اصول پسندی اور پختہ کاری کے باعث انہیں من مانی کرنے کا موقع نہیں ملے گا جبکہ قطب الدین ازلاق کی ناتجربہ کاری سے وہ بھرپور فائدہ اُٹھا کر اپنی ناجائز اغراض پوری کر سکتے تھے۔ (۸)

خوش قسمتی سے سلطان کا ایک مخلص ساتھی امیر اینانج خان باغیوں کی صفوں کے اندر رسائی حاصل کر چکا تھا تاکہ سلطان کو باغیوں کے عزائم اور کارروائیوں سے خبردار رکھے۔ یہ امیر بخارا کا سابق گورنر تھا اور بخارا کے محاذ پر تاتاریوں سے لڑتا رہا تھا، چند دنوں بعد اس نے سلطان جلال الدین کو اطلاع دی کہ قتلغ خان اور اس کے ساتھیوں نے آپ کے قتل کا منصوبہ مکمل طور پر تیار کر لیا ہے اور کسی بھی وقت وہ وار کر سکتے ہیں۔ (۹)

پایۂ تخت سے انخلاء، ایک کٹھن آزمائش ...... اب سلطان جلال الدین کے سامنے دو ہی راستے تھے۔ ایک یہ کہ دارالحکومت میں رہتے ہوئے اپنے مخلص معاونین کی مدد سے باغی عناصر کا مقابلہ کیا جائے اور اس کے بعد تاتاریوں سے دو دو ہاتھ کیے جائیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے خصوصی وفاداروں کے ساتھ دارالحکومت کو چھوڑ دیا جائے اور کسی دوسرے مقام پر جا کر ازسرِنو جہاد کی تیاری کی جائے۔ پہلی صورت پر عمل کے لیے خاصی افرادی طاقت، موزوں وقت اور مناسب موقعے کی ضرورت تھی، جبکہ یہاں سلطان کے حامیوں میں پیشہ ور افراد کی تعداد کم رہ گئی تھی، اکثر فوجی بیاروتی افسران کے زیر اثر ہونے کے باعث قطب الدین سے جا ملے تھے، اِدھر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا، اس حالت میں اندرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے موزوں وقت کے انتظار کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ سلطان جلال الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ غداروں سے لڑنے کی صورت میں مسلمانوں کے دو گروہوں کی تلواریں نیاموں سے باہر آ جائیں گی، ہزاروں بندگانِ خدا ان کی زد میں آ کر اپنی جانیں گنوا دیں گے اور بچے کھچے افراد تاتاریوں کی تیغ آزمائی کے لیے ایک کمزور اور بے بس شکار بن کر رہ جائیں گے۔

دوسری طرف پایہ تخت سے انخلاء کی صورت اختیار کرنے میں سلطان جلال الدین کا دارالحکومت اور شاہی ایوان سے محروم ہونا یقینی تھا، لیکن اس سے اتنی امید ضرور تھی کہ قطب الدین اور آق سلطان کی سرکردگی میں سپاہیوں اور رضا کاروں کی موجودہ تعداد ایک طویل عرصے تک مضبوط فصیلوں والے اس شہر کا دفاع کر سکے گی اور اس نازک ترین صورتحال میں مسلمان باہم دست وگریباں ہونے سے محفوظ رہیں گے۔ ایوانِ شاہی اور پایہ تخت سے دست بردار ہونا عرفِ عام میں بادشاہت سے معزولی تصور کیا جاتا ہے اور ایک حکمران جیتے جی اپنے مرکز سے کنارہ کشی پر کبھی آمادہ نہیں ہوتا، مگر سلطان جلال الدین کے نزدیک قوم کی موت وحیات کا مسئلہ اپنے اقتدار کے مسئلے سے زیادہ اہم تھا۔ وہ خود اتحادِ امت کے داعی تھے اس لیے اس نازک موقع پر ذاتی اقتدار کے لیے خانہ جنگی پر کیسے آمادہ ہو سکتے تھے۔ پھر قطب الدین ان کا بھائی تھا جو ان سے سیاسی اختلاف کے باجود ملت فروش ہرگز نہ تھا اور تاتاریوں سے بہر حال وطن کا دفاع کرنا چاہتا تھا تاہم وہ اپنی کم سنی اور ناآموزی کے باعث قپچاقی امراء کے ہاتھوں غلط استعمال ہو رہا تھا۔ قطب الدین کی اس غلطی کے باوجود سلطان کی برادرانہ شفقت یہ گوارا نہیں کرتی تھی کہ وہ ہوسِ اقتدار کے افسانوں میں ایک نئی کہانی کا اضافہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کے خلاف شمشیر بکف ہوں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے اگر وہ چپ چاپ قطب الدین کا اقتدار تسلیم کرلیں تب بھی ان کے مخالف قپچاقی امراء ان سے مطمئن نہیں ہونگے اور انہیں جان سے مار دینے کی کوششیں کرتے رہیں گے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت حال میں سلطان اپنے مقصد کی طرف گامزن نہیں رہ سکتے تھے۔

یہاں ہمیں یہ بات خصوصاً ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اورگنج میں سلطان کی حالت اتنی کمزور بھی نہیں تھی کہ ہم انہیں تاج وتخت سے دست برداری پر مجبور فرض کرلیں۔ ایسا نہیں تھا...... بلکہ تیمور ملک اور اینانج خان جیسے آزمودہ جرنیل سمیت درجنوں افسران اور وہ ہزاروں رضا کار جو سلطان ہی کی صدائے جہاد پر جمع ہوئے تھے، ان پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار تھے اور یہ کوئی بعید نہ تھا کہ اگر وہ باغیوں کے مقابلے پر ڈٹ جاتے تو انہیں چھٹی کا دودھ یاد دلا دیتے، مگر سلطان خونِ مسلم کے ایک ایک قطرے کی قیمت کا پورا پورا احساس رکھتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں ضائع کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

آخر کار سلطان نے تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے امراء سے مشورہ کیا، امیر اینانج خان نے بھی شہر چھوڑ دینے کی رائے دی، یوں سلطان نے خفیہ طور پر پایہ تخت سے انخلاء کا فیصلہ کرلیا۔

مقصد پر اقتدار جیسی مسحور کن شے تک کو قربان کر دینے کی ایسی مثال دنیا کی تاریخ میں بہت کم افراد پیش کر سکے ہیں۔ یہ سلطان کی اپنی جدوجہد میں بےلوثی کا واضح ثبوت تھا کہ انہوں نے موروثی تختِ شاہی کو بھی جہاد کی راہ میں آڑے نہ آنے دیا۔ اپنی مہم کے آغاز ہی میں سلطان کو اتنی بڑی قربانی درپیش ہونا قدرتِ خداوندی کی طرف سے ایک نہایت کڑا امتحان تھا جس میں توفیق خداوندی سے سلطان پوری طرح کامیاب رہے۔ ان کا یہ طرزِ عمل رہتی دنیا تک حق کی خاطر لڑنے والوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ کردار کی پختگی کی یہ جھلک ہمیں سبق دیتی ہے کہ باطل کی ہمہ گیر یورش کے آگے سینہ سپر ہونے والوں کا سینہ سمندر سے زیادہ وسیع، ان کا حوصلہ پہاڑوں سے بڑھکر مضبوط اور ان کا مرکز نگاہ تاج وتخت اور قصر شاہی جیسی مادی اور فانی چیزوں سے کہیں بلند ہونا چاہیے۔ جس تحریک کی بنیاد قائدین کی جانب سے ایثار وقربانی کی مثالوں پر نہ ہو وہ ابھرنے سے پہلے ہی دم توڑ دیا کرتی ہے۔

اس موقع پر سلطان نے ایثار اور بے لوثی کی ایک اور اعلیٰ مثال پیش کی۔ وہ اورگنج کے محاذ کی اہمیت اور یہاں سپاہ کی کمی سے غافل نہیں تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی احتیاج کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے اکثر ساتھیوں اور سپاہیوں کو شہر کے دفاعی انتظامات میں مصروف رہنے دیا اور خود راتوں رات صرف تین سو خصوصی رفقاء کے ہمراہ شہر سے نکل گئے۔ ان کا رُخ جنوب مغربی شہر نسا کی طرف تھا، شیر قوتند تیمور ملک اس چھوٹی سی فوج کے ہراول دستے کی قیادت کر رہا تھا۔ (۱۰)

اگرچہ سلطان کو اپنے ہمراہ زیادہ سے زیادہ ساتھیوں کی ضرورت تھی کہ ان کی ذمہ داریاں گراں تھیں اور راستہ پرخطر تھا، تاتاری کہیں بھی انہیں گھیر سکتے تھے، مگر سلطان کے نزدیک دفاع ملت کے تقاضے اپنی ضرورت سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے کم سے کم افراد پر اکتفا کیا تھا۔

قطب الدین ازلاق کی مایوسی اور شہر سے فرار ..... سلطان جلال الدین کے جانے کے بعد بدقسمت شہزادے قطب الدین ازلاق کو اورگنج کے ایوانِ شاہی میں اقتدار کے چند دن بھی نصیب نہ ہوئے۔ تاتاری لشکر شہر کے قریب سے قریب تر آتا جا رہا تھا اور قطب الدین محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس طوفان سے نمٹنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ سلطان جلال الدین کی ذات ایک ایسے بلند پہاڑ کی مانند تھی جس کی پناہ میں وہ وقت کی ہر آندھی کا سامنا کر سکتا تھا۔ اب وہ اس پناہ گاہ کی کمی شدت سے محسوس کر کے کف افسوس مل رہا تھا۔ آخر مایوس ہو کر اس نے آق سلطان اور دیگر اہل خاندان کو ساتھ لیا۔ محلّات کا قیمتی ساز و سامان سمیٹا اور سپاہیوں کے ایک دستے کی حفاظت میں سلطان جلال الدین کے پیچھے نسا کی طرف روانہ ہو گیا۔ سلطان جلال الدین کے دارالحکومت اورگنج سے نکلنے کے تین دن بعد تاتاری لشکر شہر کے سامنے پڑاؤ ڈال چکا تھا، النسوی کے بیان کے مطابق باجی نویان اس فوج کی قیادت کر رہا تھا۔ (۱۱)

اورگنج کا محاصرہ ..... مرحوم سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کا کوئی بیٹا اب اورگنج میں نہیں تھا، مگر جو سرفروش جہاد کی نیت سے یہاں آئے تھے وہ ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے اور لڑنے مرنے کے لیے تیار تھے۔ سلطان جلال الدین نے ان میں جو جہادی روح پھونک دی تھی اس کے اثرات اب تک باقی تھے۔ کئی فوجی جرنیل بھی تھے جن میں سے مغول حاجب، اربوقا پہلوان اور سپہ سالار علی دروغینی کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ان جانبازوں نے خمارتر کی نامی ایک سردار کو جو ترکان خاتون کا رشتہ دار تھا، اپنا امیر بنا لیا تھا اور اس کی قیادت میں لڑائی کے لیے کمربستہ ہو چکے تھے۔ (۱۲)

جھڑپیں ..... ابھی محاصرہ شروع نہیں ہوا تھا اور تاتاری لشکر شہر سے ذرا دور رکا ہوا تھا کہ ایک دن صبح ہی صبح تاتاریوں کا ایک گروہ فصیل کے باہر چراگاہ سے اہل شہر کے مویشی ہانک کر لے جانے لگا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین اور شہریوں کا ایک بہت بڑا مجمع فصیل کے صدر دروازے ''بابِ عالی'' سے نکل کر ان کا پیچھا کرنے لگا، ان میں سوار بھی تھے اور پیادے بھی۔ تعاقب کرتے کرتے جب وہ شہر سے تین میل دور ''باغِ خرم'' نامی مقام تک پہنچے تو اچانک گھات میں چھپے ہوئے ہزاروں تاتاریوں نے ان پر حملہ کر دیا، گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمان بری طرح گھیرے میں آ جانے کے باوجود ظہر کے وقت تک جان توڑ لڑائی لڑتے رہے، ان میں سے ایک لاکھ وہیں شہید ہو گئے جب کہ باقی ماندہ گھیرا توڑ کر شہر کی طرف پسپا ہونے لگے، تاتاری ان کے تعاقب میں تھے، ان میں سے بہت سے بھگدڑ کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ''بابِ قابیلان'' سے شہر میں داخل ہو گئے۔ وہ شہر کے محلے ''تنورا'' تک بے روک ٹوک گھس

گئے مگر پھر شام کا اندھیر پھیلتا دیکھ کر یکا یک واپس ہو گئے، اس دوران وہ اندر سے شہر کا سرسری جائزہ لے چکے تھے۔

اگلے روز تاتاریوں نے شہر کی فصیل پر حملہ کر دیا، انہوں نے زوردار حملوں کے ذریعے شہر کا پھاٹک سر کرنے کی کوشش کی مگر لیکن ''سلطان فریدون غوری'' نامی ایک دلیر سالار پانچ سو جانبازوں کے ساتھ دروازے پر ڈٹا رہا۔ اس نے بھرپور مدافعت کرتے ہوئے یہ حملہ پسپا کر دیا۔ (۱۳)

منجنیق کا انوکھا استعمال ..... اگلے دن چنگیز خان کا بیٹا اوکتائی خان اپنی فوج کے ساتھ آدھمکا، پھر بقرجن نویان کی کمان میں چنگیز خان کے خاص منتخب سپاہیوں پر مشتمل فوج اس سیلاب میں شامل ہو گئی۔ اس کے بعد چنگیز خان کا بیٹا چغتائی خان ایک لاکھ گھڑ سواروں کے ساتھ آیا، طولن نویان، استون نویان اور قازان نویان بھی اس کے ہمراہ تھے۔ (۱۴)

چغتائی اور اوکتائی شہر کے اردگرد گھوم پھر کر سخت ناکہ بندی کا منصوبہ بناتے رہے، ساتھ ہی ایلچیوں کے ذریعے شہریوں کو ہتھیار ڈال دینے کا پیغام بھی دیتے رہے مگر عمائدِ شہر جو دوسرے شہروں کو دی جانے والی امان کا حال جانتے تھے اس فریب میں نہ آئے۔ (۱۵)

کچھ دنوں بعد چنگیز خان کا بڑا بیٹا جوجی خان بھی ایک فوج کے ساتھ یہاں پہنچ گیا، اس طرح تاتاریوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔ علامہ ابن اثیر کے بقول کسی شہر پر حملے میں اتنے زیادہ تاتاری شامل نہیں تھے۔ (۱۶)

چنگیز خان کے بیٹوں نے اہلِ شہر کے سخت تیور دیکھ لیے تھے چنانچہ انہوں نے مشترکہ طور پر طویل اور سخت ناکہ بندی کے انتظامات شروع کر دیے۔ چند دنوں میں شہر کا ایسا سخت محاصرہ کر لیا گیا کہ شہر تاتاری افواج کے دائرے میں گھرا ہوا نظر آتا تھا۔

اور گنج دریائے جیحوں کے مغربی کنارے پر آباد تھا۔ یہ سارا میدانی علاقہ تھا، چٹانیں یہاں نایاب تھیں۔ منجنیقوں کو استعمال کرنے کے لیے تاتاریوں نے اردگرد واقع تُوت کے جنگلات کاٹ کر درختوں کے تنے پانی بھگو دیے۔ اس طرح ان تنوں کو مزید وزنی بنا لیا گیا۔ پھر منجنیقوں کے ذریعے یہ بھاری بھرکم شہتیر فصیلِ شہر پر برسائے جانے لگے۔ یہ بڑی عجیب اور انوکھی ترکیب تھی جو اس سے پہلے کبھی دیکھی یا سنی نہ گئی تھی۔

منجنیقوں کے استعمال کے علاوہ بیگار میں پکڑے گئے قیدیوں کو بھی فصیل میں شگاف ڈالنے پر لگا دیا گیا۔ ایک مجمع فصیل کے سامنے پانی کی خندق کو مٹی اور لکڑی کے شہتیروں سے پاٹنے میں مصروف ہو گیا۔ خندق پُر ہوتے ہی تاتاریوں نے فصیل پر دھاوا بول دیا، ایک حملے میں وہ فصیل پر اپنا پرچم لہرانے میں بھی کامیاب ہو گئے مگر اس کے باوجود فصیل پر ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ اس دوران شہر کا عارضی حاکم خمار ترک مدافعت سے مایوس ہو کر چپکے سے فرار ہو گیا جس سے شہریوں کو سخت قلق ہوا مگر پھر بھی وہ مقابلے پر ڈٹے رہے۔ (۱۷)

تاتاریوں کے حملے سے قبل شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کا ارشاد ..... ایک زمانے سے صوفیائے خوارزم و ماوراء النہر کے سرتاج حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ یہیں مقیم تھے۔ تاتاریوں کے ظہور سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے خلفاء کو جن کی تعداد ساٹھ تھی، طلب کر کے فرمایا تھا:

''جلدی کرو اور اپنے اپنے ملکوں کی طرف روانہ ہو جاؤ، کیونکہ مشرق سے ایک ایسی آگ بھڑک اُٹھی ہے جو مغرب تک سب کچھ جلا ڈالے گی۔ یہ امت ایک ایسے فتنے میں مبتلا ہونے والی ہے کہ جس سے اس کو پہلے کبھی سابقہ

نہیں پڑا تھا۔''

جب ایک شخص نے عرض کیا: ''حضرت! آپ یہ فتنہ فرو ہونے کے لیے دُعا کیوں نہیں فرماتے، ممکن ہے کہ مسلمانوں سے یہ بلا ٹل جائے۔''

تو شیخ کا جواب تھا: ''یہ قضائے محکم ہے، دُعا اس کو ٹال نہیں سکتی۔''

پھر جب خدام نے درخواست کی: ''حضرت! آپ بھی ہمارے ساتھ ہی تشریف لے چلیں، یہ سواریاں حاضر ہیں، ہم خراسان کی طرف نکل جائیں گے۔''

تو شیخ نے فرمایا تھا: ''مجھے باہر جانے کا حکم نہیں، میں تو یہیں شہید ہوں گا۔''[18]

(آپ کے اس ارشاد کے کچھ ہی دنوں بعد تاتاریوں نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کو جان بخشی کی پیشکش..... چنگیز خان کو اپنے مسلمان ملازموں اور مخبروں کے ذریعے شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی بزرگی اور ان کے مکاشفات و کرامات کے حیرت انگیز واقعات کا علم ہو چکا تھا۔ اس نے اپنے بیٹوں کے ذریعے شیخ رحمہ اللہ کو یہ پیغام بھجوایا:

''ہمارا لشکر خوارزم کے دارالحکومت کی جانب آ رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مہم قتل و غارت پر انجام پذیر ہو، للہٰذا آپ جیسے درویش کو چاہیے کہ شہر سے باہر آ جائے تاکہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔''

شیخ رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''اس شہر میں میرے مریدین اور تعلق والے بستے ہیں، میں ان کا ساتھ چھوڑ کر خدائے تعالیٰ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا!!''

شیخ رحمہ اللہ کے اس جواب پر چنگیز خان کے بیٹوں نے شیخ کو دس افراد کے ساتھ جان کی امان کی پیش کش کی، شیخ رحمہ اللہ نے اسے بھی قبول نہ کیا...... چنگیز خان کے بیٹوں نے سو افراد تک کی گنجائش دے دی، مگر شیخ رحمہ اللہ راضی نہ ہوئے...... آخر میں چنگیز زادوں نے شیخ کو پیش کش کی کہ وہ ایک ہزار افراد کو اپنے ساتھ لے آئیں۔ اس پر شیخ رحمہ اللہ کا آخری جواب یہ آیا:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ جس قوم کے ساتھ میں نے امن و سکون اور راحت و آرام کے ۷۰ سال گزارے ہیں، مصیبت کے وقت میں ان کو ہلاکت کے منجدھار میں چھوڑ کر اپنی خلاصی کی فکر کروں۔ میری غیرت اس کی اجازت نہیں دیتی۔''[19]

آتش باری اور شہر کو غرق کرنے کا انوکھا منصوبہ..... سلطنتِ خوارزم کے پایۂ تخت اور گنج کا محاصرہ بہت طویل ہو گیا تھا۔ تاتاری نشانہ باز شب و روز منجنیقیں چلا کر فصیل کے مختلف حصوں کو کمزور کرنے میں مصروف تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آتشیں اسلحہ بھی استعمال کرنے لگے تھے۔ منجنیقوں سے کھولتی ہوئی ہانڈیاں اور روغنِ نفت کی کپّیاں برسائی جاتیں۔ یہ آتش گیر مادہ اندرونِ شہر بڑی تباہی مچاتا۔ لکڑی کے مکانات جو شہر میں بکثرت تھے فوراً آگ پکڑ لیتے اور آناً فاناً جل کر خاکستر ہو جاتے۔ تاہم کچھ دنوں بعد تاتاریوں نے یہ سوچ کر آتشیں آلات کا استعمال ترک کر دیا کہ اگر سب کچھ جل گیا تو انہیں مالِ غنیمت میں کچھ بھی نہیں مل سکے گا۔[20]

دن گزرتے گئے، سخت ترین حالات کے باوجود محصور مسلمان مقابلے میں ڈٹے رہے۔ چنگیز زادوں کی جانب سے انہیں مزاحمت ترک کرنے پر عام معافی کی پیش کش بھی کی گئی جسے عمائدِ شہر نے ٹھکرا دیا اور لڑائی بدستور جاری رہی۔[21]

اِدھر تاتاری شہزادوں کی درخواست پر چنگیز خان کی طرف سے بھیجی جانے والی پے درپے کمک نے حملہ آوروں کی تعداد اور قوت میں حد درجے اضافہ کردیا تھا۔اس افرادی قوت سے کام لے کر محاصرے کی طوالت سے اکتائے ہوئے تاتاری شہزادوں نے ایک ایسی چال چلی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔

انہوں نے سپاہیوں اور قیدیوں کی ایک بھاری تعداد کو دریائے جیحوں کے آگے پتھروں کا بند باندھنے پر مامور کردیا تا کہ دریا کا رُخ شہر کی طرف موڑ کر تمام آبادی کو غرق کردیا جائے۔

اس منصوبے میں جوجی خان شامل نہیں تھا،اس نے اپنے بھائیوں سے اصرار کیا کہ اس خوبصورت شہر کو تباہ نہ کیا جائے،اس نے کہا تھا:

''خاقان نے یہ شہر مجھے بخش دیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ یہ تباہ ہوجائے۔''

مگر چغتائی نے اس کی بات سے اتفاق نہ کیا اور اس بھیانک منصوبے پر کام شروع ہوگیا۔ ۴۲

تاتاری شہزادوں میں پھوٹ ..... چغتائی کو شہر کی تباہی پر مصر دیکھ کر جوجی ناراض ہوگیا،اس طرح چنگیز زادوں میں پھوٹ پڑگئی..... نتیجہ یہ نکلا کہ تاتاری فوجوں کا نظم وضبط کمزور پڑگیا..... کئی ہفتوں تک یہی کیفیت رہی،اس سے اہلِ شہر کو خاصی مہلت مل گئی اور وہ تاتاری فوجوں کے غیر منظم حملوں کے جواب میں بھرپور کارروائیاں کرکے انہیں زبردست نقصان پہنچانے لگے۔

اس دوران تاتاری دریا کا رخ موڑنے کا کام بھی کررہے تھے.....اس کی روک تھام کے لیے ایک دن مجاہدین کا ایک بڑا گروہ موقع پاکر شہر سے نکلا اور دریا کے کنارے گھات لگا کر یکا یک ان تین ہزار تاتاریوں پر حملہ آور ہوگیا جو دریا کا رُخ موڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔یہ حملہ اتنا کامیاب تھا کہ ایک تاتاری بھی زندہ بچ کر نہ جاسکا۔ ۴۳

تولی خان اور گنج کے محاذ پر ..... اس دوران چنگیز خان شمالی افغانستان کے قلعے طالقان کے محاصرے کے لیے پہنچ گیا تھا۔محاصرے کے پہلے روز ہی اسے مخبر نے اطلاع دی کہ اورگنج اب تک فتح نہیں ہوسکا اور وہاں سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد ماری گئی ہے۔مخبر نے یہ بھی بتایا کہ فتح میں تاخیر کی ایک اہم وجہ اس کے بیٹوں کے باہمی اختلافات اور فوج کی بدنظمی ہے۔

چنگیز خان کو اس خبر سے بے حد تشویش ہوئی،اس نے فوری طور پر اپنے سب سے جنگجو اور عیار بیٹے تولی کو اورگنج روانہ کردیا تا کہ وہ وہاں جاکر افواج کا نظم وضبط بحال کرے اور اوکتائی کو حکم نامہ بھیجا کہ وہ حکمتِ عملی سے کام لے کر جوجی اور چغتائی کا اختلاف دور کرے۔تولی کے آنے سے اورگنج کا محاذ ایک بار پھر گرم ہوگیا اور اوکتائی کی چکنی چپڑی باتوں سے جوجی اور چغتائی کی ناراضی ختم ہوگئی،تاتاری مجتمع ہوگئے اور ان کے حملوں کی سابقہ شدت لوٹ آئی۔ ۴۴

دشمن کو یک جان دیکھ کر اہلِ شہر میں سے جو لوگ بھی لڑنے کے قابل تھے،وہ ہتھیار سنبھال کر شہر کے دروازوں پر جمع ہوگئے۔ایک ہفتے تک فصیل کے اوپر اور باہر زبردست جنگ ہوتی رہی۔تاتاری بار بار فصیل پر چڑھ آتے اور مسلمان سخت مزاحمت کرکے انہیں نیچے گرادیتے۔ان شدید جھڑپوں میں بکثرت مسلمان شہید ہوئے،مگر تاتاریوں کے مقتولین کی تعداد بدرجہا زیادہ تھی۔ ۴۵

پانچ ماہ سے جاری یہ جنگ اب شدت میں انتہاء کو پہنچ رہی تھی اور اِدھر ۸۰ سالہ شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کو احساس ہوگیا تھا اب آخری وقت قریب ہے۔ویسے بھی ایک مدت سے ان کے دل میں اللہ کے دُشمنوں سے قتال

کرنے اور لیلائے شہادت سے ہم آغوش ہونے کی تمنا چٹکیاں لے رہی تھی اور اس سعادت کا حصول اب چند لمحے کی بات تھی۔ انہوں نے اپنے مریدین سے کہا: ''گنے چنے سانس باقی رہ گئے ہیں۔ آخری وقت آچکا ہے۔ آؤ کہ شہر سے باہر نکل کر رسمِ جہاد تازہ کر دیں''

مریدوں نے عرض کیا: ''حضرت شہر سے باہر نکلنا مصلحت کے خلاف نظر آتا ہے۔''

شیخ نے فرمایا: ''میں تو بس اپنے چند سفید بالوں کو شہادت کے خون سے رنگنا چاہتا ہوں۔'' (۴۶)

دست بدست مقابلہ ...... اِدھر یہ گفتگو ہو رہی تھی اور اُدھر تاتاری اپنی ساری توانائی جمع کر کے شہر کے ایک رخ پر اندھا دھند حملہ کر چکے تھے۔ جلد ہی شہر میں خبر پھیل گئی کہ تاتاری زبردست قتل وقتال کے بعد ایک محلّے پر قابض ہو گئے ہیں۔ (۴۷) یہ سن کر تمام مجاہدین بھی اسی طرف سمٹ آئے اور حملہ آوروں کے خلاف شدید مزاحمت شروع ہوگئی، مگر تاتاری شہر کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ اور گنج کے گلی کوچوں میں گھمسان کی جنگ چھڑ چکی تھی۔ مسلمان نوجوان ان سے جگہ جگہ دست بدست مقابلہ کر رہے تھے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے مکانات کی چھتوں پر مورچے بنا کر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ (۴۸)

شیخ نجم الدین کبریٰ رحمہ اللہ کی شہادت ...... شیخ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ تاتاریوں کے شہر میں داخل ہونے کی خبر سن کر لپک کر اُٹھے اور اپنے مریدین کو للکار کر کہا: ''اٹھو! ہم اللہ کی راہ میں قتال کریں گے۔''

شیخ کی پکار پر ان کے عقیدت مند مسلح ہو کر اس طرف جمع ہونے لگے۔ شیخ اپنے گھر میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد جب برآمد ہوئے تو اپنے مُرشد کا عطا کردہ خرقۂ خلافت زیبِ تن تھا اور چہرے پر رعب وجلال کے ایسے آثار تھے کہ نگاہ ڈال کر دیکھنا مشکل تھا۔

شیخ نجم الدین کبریٰ اس مختصر سے مجمعے کے ساتھ تاتاری حملہ آوروں پر پل پڑے۔ پتھروں سے بھرا ہوا ایک تھیلا ان کے پاس تھا جس سے وہ دُشمن کے سپاہیوں کو اپنی سنگ باری کا نشانہ بنا رہے تھے۔ جب پتھر ختم ہو گئے تو وہ اپنا نیزہ تان کر دُشمن کے مجمعے میں گھس گئے۔ زمین وآسمان دم بخود ہو کر اپنے وقت کے اس عظیم ولی اللہ کو میدانِ جہاد میں دادِ شجاعت دیتا دیکھ رہے تھے۔ شیخ نے کئی تاتاریوں کو مار گرایا، ناگاہ ایک دُشمن کی کمان سے نکلنے والا تیر شیخ کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ شیخ تکلیف کا اظہار کرنے کی بجائے خوشی سے اُچھلنے لگے۔ انہوں نے اپنے سینے میں پیوست تیر کو زور سے کھینچ کر باہر نکال لیا...... خون کا ایک فوارہ جاری ہو گیا۔ شیخ رحمہ اللہ نے تیر کو آسمان کی طرف اُچھال دیا۔ وہ فرما رہے تھے:

''اے میرے اللہ! چاہے آپ وصال کے ذریعے مجھے قتل کریں یا فراق کے ذریعے...... میں راضی برضا ہوں۔''

جان کنی کے عالم میں شیخ رحمہ اللہ نے تاتاری علم بردار کو اس طرف آتا دیکھا۔ انہوں نے جھپٹ کر اس کے جھنڈے پر ہاتھ ڈالا اور گرفت مضبوط کر لی۔ تاتاری سوار باوجود کوششِ بسیار کے ان کی گرفت سے جھنڈا نہ نکال سکا۔ اسی حالات میں شیخ رحمہ اللہ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ ان کی شہادت کے بعد بھی یہ جھنڈا ان کے ہاتھ سے نہ چھڑایا جا سکا۔ آخر کار تاتاریوں نے خود اپنے پرچم کو کاٹ کر علاحدہ کیا۔ (۴۹)

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن   خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ نے (جو شیخ کبریٰ رحمہ اللہ کے خلیفہ مولانا بہاؤ الدین کے فرزند ہونے کے ناطے اس سلسلہ عالیہ کے فیض یافتگان میں سے ہیں) غالباً اسی منظر سے متاثر ہو کر اللہ کے عاشقوں کی شان میں فرمایا:

بہ یکے دست مئے خالصِ ایمان نوشند   بہ یکے دستِ دگر پرچمِ کافر گیرند

یعنی اللہ کے عاشق ایک ہاتھ سے ایمان کی شراب خالص کا جام پیتے ہیں اور دُوسرے ہاتھ سے کافر کا پرچم چھین لیتے ہیں۔

قتل عام اور دارالحکومت کی غرقابی..... تاتاریوں کے شہر میں داخلے کے بعد بھی اور گنج کے شیر دل مسلمان ایک ہفتے تک شہر کی گلیوں اور کوچوں میں دُشمن سے برسرِپیکار رہے۔ یہ عظیم الشان پایۂ تخت کئی محلّوں پر مشتمل تھا اور ہر محلّہ اپنے رقبے آبادی اور دفاعی استحکام کے لحاظ سے ایک فصیل بند شہر کی مانند تھا..... تاتاری اپنی تمام تر قوت کو جمع کر کے یکے بعد دیگرے ایک ایک محلّے پر قبضہ کرتے گئے۔ جب وہ ایک محلّے پر قبضہ کر لیتے تو مسلمان دوسرے محلّے میں محصور ہو کر ان سے مقابلہ کرنے لگتے۔ اس لڑائی میں نوجوانوں کے شانہ بشانہ بوڑھے، عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ (۳۰)

تاتاری جس محلے پر قبضہ کر لیتے اس کی دیواروں اور فصیلوں کو منہدم کر دیتے۔ مال و متاع لوٹ لیتے اور مکانات کو آگ لگا دیتے..... آخر میں شہر کے صرف تین بڑے محلے بچ گئے، باقی ماندہ تمام مسلمان ان میں محصور ہو گئے۔

اس موقع پر پہلی اور آخری بار شہر کے کچھ لوگوں نے تاتاریوں سے جان بخشی کی درخواست کی۔ شہر کے محتسب مفتی علاؤ الدین خیاطی اہل شہر کی طرف سے درخواست لے کر تاتاری شہزادوں کے پاس گئے، انہیں ایک خیمے میں بٹھایا گیا جہاں ان کی جوجی خان سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو مفتی صاحب نے کہا:

''ہم آپ کی دہشت اور سخت گیری تو دیکھ چکے، اب ہمیں اپنے رحم و کرم کا نظارہ بھی کرا دیں.....''

جوجی خان جو پہلے ہی غصے میں بھرا بیٹھا تھا، مزید آگ بگولا ہو گیا اور گرج کر بولا:

''ان لوگوں نے میری دہشت بھلا کیا دیکھی ہے، دہشت تو انہوں نے پھیلائی ہے کہ مار مار کر ہمارے سپاہیوں کا صفایا کر ڈالا ہے۔ خیر! ان کی دہشت تو دیکھ لی..... اب میں انہیں اپنی دہشت دکھاتا ہوں۔''

یوں جان بخشی کی درخواست بڑی بے رحمی سے مسترد کر دی گئی۔

ساتویں روز تاتاری تمام شہر پر قبضہ کر چکے تھے، انہوں نے بچی کھچی تمام آبادی کو گھیر گھار کر شہر سے باہر ہانک دیا۔ یہاں ان کی چھانٹی کی گئی۔ دارالحکومت دنیا بھر سے کشاں کشاں آنے والے صنعتکاروں اور ہنرمندوں کی جنت تھا۔ ان کا ایک جمِ غفیر یہاں موجود تھا۔ تاتاریوں نے ایسے ایک لاکھ ماہر فن افراد کو چن کر علاحدہ کر لیا، تاکہ ان سے چنگیزی سلطنت کی ترقی کے کاموں میں جبری مشقت لی جائے۔ خوبرو دوشیزائیں شہزادوں اور سرداروں کی آتش ہوس بجھانے کے لیے قیدی بنالی گئیں۔ باقی افراد کو تاتاری سپاہیوں نے نہ صرف تلواروں بلکہ کدالوں، پھاؤڑوں اور بیلچوں تک سے مارنا شروع کیا، حتیٰ کہ یہ سارا علاقہ خون کی نہر بن گیا۔ جامع التواریخ کی روایت کے مطابق محتاط اندازہ یہ ہے کہ ان مقتولین کا شمار بارہ لاکھ سے کم نہ تھا، کیوں کہ قتل عام میں حصہ لینے والے تاتاری پچاس ہزار تھے جن میں سے ہر ایک کے حصے میں ۲۴، ۲۴ مسلمان آئے تھے۔ (۳۱) قتلِ عام سے فارغ ہو کر تاتاریوں نے اپنے اس شیطانی کارنامے کی تکمیل کی جس کی تیاری وہ کئی ماہ سے کر رہے تھے۔ دریائے جیحوں کا رُخ موڑ کر شہر کو زیرِ آب کر دیا گیا اور خوارزمیوں کا یہ عظیم الشان دارالحکومت بھولا بسرا افسانہ بن کر رہ گیا۔ (۳۲)

ہو کا عالم ہے جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھو اب وہ گلشن، نہ وہ بستی، نہ وہ دریا باقی

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس حادثے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''تاتاریوں نے اس شہر کو مکمل طور پر غرق کر دیا، عمارتیں تہہ و بالا ہو گئیں، ان کی جگہ پانی نے لے لی، یہاں کے باشندوں میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہ بچ سکا، دوسرے شہروں میں تو بعض لوگ بچ گئے تھے۔ کوئی روپوش ہو کر، کوئی فرار ہو کر، کوئی شہر سے باہر نکل کر اور کوئی مقتولین میں لیٹ کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا، مگر خوارزم (اورگنج) کے باشندوں میں سے جو تاتاریوں سے چھپ گیا اسے پانی نے غرق کر دیا یا مکانات کے گرنے سے وہ ہلاک ہو گیا۔ بس یہ شہر بالکل ویران و بیابان ہو کر رہ گیا۔

كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُونِ إِلَى الصَّفَا أَنِيسٌ وَلَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرِ

(گویا کہ حجون سے لے کر صفا تک کوئی دل بہلانے والا نہ تھا اور نہ مکہ میں کوئی رات کو دلچسپ باتیں کرنے والا باقی رہا۔)

اس جیسا حادثہ نہ قدیم دور میں سنا گیا اور نہ ہی قریبی زمانے میں۔''[۳۳]

تاتاریوں کے نقصانات..... اورگنج پر قبضہ کرنے کے لیے تاتاریوں کو پانچ ماہ تک شدید جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ [۳۴] اس طویل عرصے میں اس شہر کے بہادر اور جنگجو مسلمانوں نے جس طرح جرأت و شجاعت کی انمٹ تاریخ رقم کی وہ رہتی دنیا تک لوگوں سے خراجِ تحسین وصول کرنے کی حقدار ہے۔ تاتاریوں نے اس لڑائی میں جو نقصان اُٹھایا وہ ان کے لیے ایک غیر متوقع تجربہ تھا۔ محصور مسلمانوں نے اپنے محدود وسائل کے باوجود ڈٹ کر ان کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ ان کی اکثریت جہادی تربیت اور عسکری فنون میں مہارت نہیں رکھتی تھی، مگر پھر بھی اس کٹھن موقع پر شہریوں نے مجاہدین کے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور ان کے ساتھ شانہ بشانہ لڑتے ہوئے تاتاریوں کی اتنی لاشیں گرائیں جنہیں ٹھکانے لگانا تاتاری لشکر کے لیے دشوار ہو گیا۔ جگہ جگہ ان لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے، ان کے پھولنے، پھٹنے اور گلنے سڑنے کے بعد ان کی ہڈیوں کے ٹیلے بن گئے جو تقریباً ایک صدی تک اس شہر کے باسیوں کی جرأت اور مردانگی کی گواہی دیتے رہے۔ [۳۵]

جوجی پر عتاب..... دارالحکومت کی فتح میں تاتاریوں کو جو مشکلات پیش آئیں ان میں اہلِ شہر کی شجاعت کے علاوہ شہر کی وسعت اور فصیل کی بلندی و سنگینی کا بھی دخل تھا، مگر ساتھ ساتھ ایک وجہ تاتاری لشکر کے عمومی سپہ سالار جوجی کی اپنے دونوں بھائیوں اوکتائی اور چغتائی سے ناموافقت بھی تھی جس سے فوج کے منظم رہنے میں خلل واقع ہوتا رہا اور فتح میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس کے علاوہ جوجی شہر کی تباہی پر بھی رضامند نہیں تھا۔ جوجی کا ایک بڑا قصور یہ بھی تھا کہ وہ سلطان جلال الدین کو قتل یا گرفتار کرنے میں ناکام رہا تھا۔ یہ تمام باتیں چنگیز خان کو بھڑکا رہی تھیں۔ چنانچہ شہر پر قبضہ کرنے کے بعد جب جوجی چنگیز خان کے دربار میں پہنچا تو باپ کے عتاب کی زد میں آ گیا۔ چنگیز خان نے اسے تاتاری لشکر سے علیحدگی کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ اپنے خصوصی دستے کے ساتھ بحیرۂ خزر کے پار چلا گیا۔ [۳۶]

حواشی وحوالہ جات

① سیرۃ سلطان جلال الدین ص۱۲۲......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۱

② جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۰

③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۱......حاشیہ جہان کشا ج ۱ ص ۹۸

④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۱

⑤ ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲

⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴......ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۵

⑦ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۲......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵ ⑧ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۲، ۱۳۳

⑨ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴...... جہاں کشا، ج ۲، ص ۳۲

⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲، ۱۲۶......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵

⑪ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۲......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴

⑫ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۷، جہاں کشا کے بعض نسخوں میں اس امیر کا نام خمار تگین لکھا گیا ہے۔......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵

⑬ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۸، ۹۹،......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴

⑭ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰ ⑮ جہاں کشا ج ۱ ص ۹۹

⑯ علامہ ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:

واما الطائفة من الجيش الذی سيرها جنكيز خان الیٰ خوارزم فانها كانت اكثر السرايا جميعها لعظم البلد (ج ۷، ص ۵۹۲) چنگیز خان نے لشکر کا جو حصہ خوارزم کے دارالحکومت روانہ کیا تھا وہ باقی تمام مہمات کی فوجوں سے بڑا تھا کیوں کہ یہ شہر بہت وسیع تھا)

⑰ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰......روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۳...... جہاں کشا ج ۱ ص ۹۹

⑱ شذرات الذہب ج ۵ ص ۸۰......نفحات الانس، ص ۲۶۰

⑲ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۴......جامع التواریخ، ص ۴۷

⑳ جہاں کشا ج ۱ ص ۱۰۰ ㉑ تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۵

㉒ سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۱......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۰

(۴۳) بحوالہ بالا　　(۴۴) جامع التواریخ، ص ۳۷۳..... روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۳

(۴۵) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲　　(۴۶) روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۴

(۴۷) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۶..... ابن اثیر ج ۷، ص ۵۹۲

(۴۸) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۶..... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲

(۴۹) روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۴..... نفحات الانس، ص ۶۶۱..... شذرات الذہب، ج ۵ ص ۸۰..... علامہ ذہبی نے اپنی تاریخ اسلام میں ''وفیات طبقہ ۶۲ حرف الف'' کے تحت شیخ نجم الدین کبریٰ کا تعارف کراتے ہوئے بتایا ہے کہ ان کا نام احمد بن عمر تھا، خوارزم کے ایک گاؤں خیوق کے باشندے تھے، اسکندریہ کے محدث ابو طاہر سلفی کے شاگرد رہے، صوفی، زاہد اور فقہ شافعی کے عالم تھے، مدتوں گھوم پھر کر علم دین اور عرفانِ خداوندی حاصل کیا، شام کے شہر حلب کی خانقاہِ قصر میں ایک عرصہ گزارا، ۱۲ جلدوں میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی۔ آخر میں وطن خوارزم واپس آ کر سلوک واحسان کا سلسلہ چلایا اور وہیں شہید ہوئے۔

(۳۰) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲　　(۳۱) جامع التواریخ، ج ۳، ص ۳۷۳

(۳۲) جامع التواریخ، ج ۳، ص ۳۷۳..... ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۹۳

(۳۳) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۲، ۵۹۳

(۳۴) ابن اثیر، ج ۷، ۵۹۲، جبکہ جامع التواریخ کی روایت کے مطابق سات ماہ سے زائد عرصہ صرف ہوا۔

(۳۵) جامع التواریخ میں (جو تاتاریوں کے اس حملے کے تقریباً ایک صدی بعد لکھی گئی ہے) مذکور ہے کہ:

''خوارزمیان بسیار از لشکر مغول بکشتند چنانکہ گویند پشتہ ہائے کہ از استخوانِ ایشاں جمع کردہ بودند ہنوز برحوالی شہر قدیم خوارزم ماندہ است۔'' (خوارزمیوں نے تاتاریوں کو بڑی تعداد میں قتل کیا، جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان مقتول تاتاریوں کی ہڈیوں کی جمع کرنے سے جو ٹیلے بنے تھے وہ اب بھی شہر کے قدیم آثار کے آس پاس موجود ہیں: جامع التواریخ، ص ۳۷۳)

(۳۶) چنگیز خان، باب نمبر ۷ اص ۱۳۲، ۱۳۳

نئے مصائب اور نئے عزائم

ڈھل چکی رات تو اب کہر بھی چھٹ جائے گی　　ابھی امید کی لو کم نہ کرو دیوانو!
آندھیاں آیا ہی کرتی ہیں ہر ایک حبس کے بعد　　گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو دیوانو!

استوا کا معرکہ ..... پایۂ تخت سے نکل کر سلطان جلال الدین خراسان کی طرف گامزن تھے۔ ان کی چھوٹی سے فوج سیاہ پرچم اڑائے چلی جارہی تھی۔ سلطان کو امید تھی کہ خراسان میں نسا اور نیشاپور جیسے بڑے شہروں کو وہ ایک نئے حصار میں تبدیل کرسکیں گے۔ اورگنج سے خراسان کی سرحد تک تقریباً دوسو چھپن میل کا راستہ ہے جو ایک وسیع صحرا گزرتا ہے، یہ فاصلہ عموماً سولہ دن میں طے کیا جاتا تھا، مگر سلطان نے نہایت تیز رفتاری سے چند دن میں یہ صحرا عبور کرلیا۔ آگے کا سفر بھی خطرات سے خالی نہیں تھا۔ جگہ جگہ تاتاریوں کی ان فوجوں سے تصادم کا خطرہ تھا، جو چنگیز خان کے تازہ ترین حکم کے مطابق اورگنج کے معرکے میں شرکت کے لیے جارہی تھیں، انکے علاوہ چنگیز خان نے خراسان کی سرحدوں پر ایک فوج مقرر کردی تھی جو مرو سے شہرستانہ تک ایک نیم دائرہ بنائے ہوئے تھی تاکہ اگر خوارزمی شہزادے اورگنج سے فرار ہوکر اس طرف آئیں تو انہیں پکڑ لیا جائے۔ نیز ہر جگہ تاتاریوں کے حلیف قلعہ دار اور مخبر موجود تھے۔ سلطان ان سب کی نگاہوں سے بچتے بچاتے اپنی منزل کی جانب چل رہے تھے۔ (۱)

مرو سے شہرستانہ تک کی نگرانی کرنے والے تاتاری لشکر کے سپہ سالار کو جاسوسوں نے بتایا کہ سلطان جلال الدین بذاتِ خود ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ اسی طرف آرہے ہیں۔ چنگیز خان کی جانب سے تمام تاتاری کمانڈروں کو سلطان جلال الدین کے خطرے کی روک تھام کے تاکیدی احکام مل چکے تھے، اس لیے تاتاری سالار کے لیے چنگیز خان کے سامنے سرخروئی کا یہ بہترین موقع تھا۔ خوارزمی فوج کی پے در پے شکستوں کے بعد عام طور پر ایک تاتاری سالار ایک ہزار خوارزمیوں کے لیے اپنے پانچ سو سپاہی کافی سمجھتا تھا، لیکن کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے اس سپہ سالار نے سلطان جلال الدین کے تین سو رفقاء کو نمٹانے کے لیے سات سو کار آزمودہ و چنیدہ سوار روانہ کردیے۔ یہ تاتاری ضلع اُستوا میں ''پشتہ شایقان'' نامی مقام پر سلطان کے راستے میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ (۲)

جوں ہی سلطان جلال الدین اپنے قافلے کے ساتھ اس مقام تک پہنچے، تاتاریوں نے گھات سے نکل کر ان پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح اچانک حملہ کردیا۔ سلطان اور ان کے مٹھی بھر ساتھی جو بے خبری کے عالم میں اس طرف چلے آرہے تھے مکمل طور پر تاتاریوں کے گھیرے میں آگئے۔ اگرچہ تاتاریوں کا حملہ بالکل غیر متوقع تھا اور ان کی تعداد دوگنا سے بھی زیادہ تھی، مگر سلطان جلال الدین کے جانثاروں کی شمشیریں پلک جھپکتے میں بجلی کی طرح تڑپ کر نیاموں سے باہر نکل آئیں۔ اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرتے ہوئے یہ سرفروش دُشمن پر ٹوٹ پڑے اور اس بے جگری سے لڑے کہ تاتاریوں

کے دانت کھٹے ہوگئے۔ سلطان کی تلوار بھی کشتوں کے پشتے لگا رہی تھی۔حق و باطل کا یہ معرکہ دیر تک جاری رہا۔ غازیوں نے تاتاریوں کی لاشوں کے انبار لگادیے،ان درندوں میں سے چند مفرورین کے سوا کوئی زندہ نہ بچ سکا۔احمد النسوی کہتے ہیں:

''ھٰذا اوّل سیف فی الاسلام خضب بدمائھم ولعب فی جثث اشلائھم'' (یہ پہلا موقع تھا کہ شمشیرِ اسلام تاتاریوں کے خون رنگین ہوئی اوران کی لاشوں سے کھیلی)

اس معرکے سے جو تاتاری بچ نکلے تھے انہیں اردگرد کے کسانوں نے گھیر لیا اور پکڑ کر ''نسا'' لے آئے جہاں کے حاکم اختیارالدین نے ان کے سر قلم کرادیے۔

سلطان جلال الدین کو اس جھڑپ کے بعد اندازہ ہوگیا تھا کہ یہ تاتاری قریب میں موجود کسی بڑے لشکر کا حصہ تھے،اس لیے باوجود تھکاوٹ کے انہوں نے فوراً وہاں سے نکل جانا ضروری سمجھا،اب ان کے پاس تاتاریوں سے چھینا ہوا مالِ غنیمت بھی خاصی مقدار میں تھا،یوں ان کی مالی حالت قدرے مضبوط ہوگئی تھی۔ ③

اختیارالدین کی امداد..... سلطان جلال الدین بے آب و گیاہ صحرا اور جنگلات قطع کرتے ہوئے نَسا کی طرف بڑھتے رہے۔اس وقت تک ان کے جانور بے حد تھک چکے تھے اور ہمراہیوں کا بھوک سے برا حال تھا مگر اس صحرائی علاقے میں خوراک اور چارے کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔

دوپہر کو نسا کی ایک نواحی فصیل بند بستی ''جوانمند'' کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کچھ دیر کے لیے رکے اور اپنے ہرکارے بستی کی طرف بھیجے۔بستی والے سیاہ پرچم اڑاتی ہوئی اس فوج کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے،ہرکاروں نے فصیل کے پاس جا کر کہا:''یہ فوج شہزادہ جلال الدین کی ہے جو نسا کی سرحدوں پر تعینات تاتاریوں کو شکست دے کر آرہی ہے۔سلطان اس میں بنفس نفیس موجود ہیں۔''

بستی والوں نے اس بات کو جھوٹ سمجھا کیونکہ تاتاریوں کی شکست بھی ناقابل یقین بات تھی اور سلطان کی اس قدر قریب موجودگی بھی عجیب تھی۔اس لیے انہوں نے فصیل کے دروازے نہ کھولے۔

کچھ دیر بعد ایک اور ہرکارہ فصیل کے قریب آکر گویا ہوا:

''شہزادہ جلال الدین تمہیں شک اور احتیاط میں معذور سمجھتے ہیں۔وہ تمہارے قدردان ہیں مگر حقیقت بہت جلد تمہارے سامنے آجائے گی،پھر تمہیں ندامت ہوگی اس لیے فی الحال تم صرف افراد اور جانوروں کی خوراک ورسد کا انتظام کردو۔''

بستی والوں نے یہ انتظام کردیا اور ایک گھنٹے بعد قافلہ کوچ کر گیا۔

سلطان بعد میں اس احسان کو یاد کرکے کہا کرتے تھے:

''اگر نسا والے،مدد نہ کرتے تو ہم نیشاپور تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔اس لیے کہ اس وقت ہمارے جانور جن کے ذریعے ہم نے صحرا عبور کیا تھا،بے حال ہوچکے تھے۔''

سلطان کے روانہ ہوتے ہی جوانمند کے رئیس نے ایک مخبر کو رقعہ دے کر نَسا کے حاکم اختیارالدین زنگی کی طرف دوڑایا اور اس قافلے کی اطلاع دی۔اختیارالدین کو ایک نامعلوم فوج کے ہاتھوں تاتاریوں کی شکست کی اطلاع مل

چکی تھی۔ یہ رقعہ پڑھ کر یقین اسے ہوگیا کہ یہ کارنامہ سلطان جلال الدین ہی کا ہے۔

اس نے اعانت اور حفاظت کے لیے کچھ سپاہی، سواری کے لیے تازہ دم گھوڑے اور بار برداری کے لے کچھ خچر بھی سلطان کی خدمت میں روانہ کیے مگر اس وقت تک سلطان کا قافلہ آگے نکل چکا تھا۔ ④

شادیاخ میں قیام ..... خراسان کی حدود میں سلطان جلال الدین کے راستے کا پہلا پڑاؤ شادیاخ میں ہوا۔ یہاں سلطان نے دوتین دن قیام کیا۔ اس دوران وہ آئندہ کی حکمت عملی کے متعلق ساتھیوں سے مشاورت، سامانِ حرب و ضرب، متاعِ سفر کی فراہمی اور دعوتِ جہاد جیسے اہم امور میں مشغول رہے۔ اسی دوران ناگہاں یہ اطلاع ملی کی تاتاریوں کا ایک لشکر شادیاخ کی طرف بڑھ رہا ہے اور اس کا مقصد سلطان کو گرفتار کرنا ہے۔ سلطان کے مٹھی بھر رفقاء فی الحال ایک بڑی فوج سے ٹکر نہیں لے سکتے تھے، اس لیے اطلاع پاتے ہی نصف شب کو سلطان جلال الدین اپنے قافلے سمیت شہر سے نکل گئے۔ یہ پندرہ ذی الحجہ ۶۱۷ھ (۱۰ فروری ۱۲۲۱ء) کا واقعہ ہے۔ ابھی انہیں شہر سے نکلے ہوئے چند گھڑیاں ہی بیتی تھیں کہ تاتاریوں کے لشکر نے شہر کے سامنے پَرے جما لیے، لیکن جب انہیں یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ سلطان شہر میں موجود نہیں تو وہ فی الفور تعاقب میں روانہ ہوگئے اور جلد ہی سلطان کے قریب پہنچ گئے۔

برق رفتاری کا عجیب مظاہرہ ..... تعاقب میں آنے والے تاتاریوں کی رفتار سے سلطان کو اندازہ ہوگیا کہ انہیں چکما دیے بغیر ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگا۔ ایک دوراہے پر پہنچ کر سلطان نے اپنے قافلے کے دو حصّے کر دیے اور ایک حصّے پر ملک ایلدزک کو امیر بنا کر اسے حکم دیا کہ وہ تاتاری لشکر کو الجھا کر غلط راستے پر لے جائے۔ یہ کہہ کر سلطان خود دوسری طرف روانہ ہوگئے۔

سلطان کی روانگی کے کچھ دیر بعد جوں ہی تاتاری لشکر کا ہراول دستہ دوراہے تک پہنچا تو ملک ایلدزک کے جانبازوں نے انہیں تیروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ گھڑی بھر لڑائی کے بعد جب تاتاریوں کا ٹڈی دل لشکر دم بدم پہنچنے لگا تو ملک ایلدزک سلطان جلال الدین کے اختیار کردہ راستے کی مخالف سمت پر پسپا ہوگیا۔ تاتاری یہ سمجھ کر کہ سلطان خود اسی گروہ میں ہیں، اس کے پیچھے روانہ ہوگئے۔

دوسری طرف موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سلطان جلال الدین دُشمن کی زد سے دور نکلتے چلے گئے۔ ان کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ہی منزل میں انہوں نے چالیس (۴۰) فرسخ (ایک سو بیس میل) طے کر لیے۔ یہ برق رفتاری بذاتِ خود عجائباتِ زمانہ میں سے ہے۔ ⑤ دنیا کی تاریخ میں کسی فاتح، کسی معرکہ آزما، کسی فوج اور کسی قافلے کے بارے میں اس قدر تیزی سے سفر کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

قطب الدین اور آق سلطان کی شہادت ..... سلطان جلال الدین کے بھائی قطب الدین ازلاغ اور آق سلطان بھی سلطان کے پیچھے پیچھے خراسان کی طرف جا رہے تھے۔ مرج سابغ پہنچ کر انہیں اطلاع ملی کہ تاتاریوں کی ایک فوج ان کے تعاقب میں ہے۔ یہ سن کر شہزادوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔

سلطان جلال الدین کی تاتاریوں سے جھڑپ کے تیسرے دن وہ اپنے قافلے کے ساتھ ضلع اُستوا پہنچے۔ حاکمِ نسا اختیار الدین شہزادوں کی آمد سے آگاہ ہوکر ایک قاصد کے ذریعے انہیں خبردار کر چکا تھا کہ یہ علاقہ تاتاریوں کی آماجگاہ بن چکا ہے، لہٰذا وہ پوری احتیاط کے ساتھ آئیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے رسم خدمت بجالانے کے لیے کچھ

تحفے، سواریاں اور زادِ راہ بھی پیش کیا۔ یہ بھی درخواست کی کہ اسے نسا کی حکومت پر برقرار رکھا جائے۔ قطب الدین ازلاق نے اس خدمت سے مطمئن ہو کر اس کے لیے نسا کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا۔

اختیار الدین یہ پروانہ حکومت دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ اس کے چچازاد بھائی کا پیغام آیا: ''تاتاریوں کی ایک فوج سلطان جلال الدین کی تلاش اور ان کی کمک کے لیے نکلنے والی افواج کی روک تھام کے لیے اس طرف آرہی ہے۔ میں قلعے سے نکل کر ان کو باتوں میں لگائے ہوئے ہوں تاکہ قطب الدین کے قافلے کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے۔''

اختیار الدین نے یہ اطلاع شہزادوں کو بھیج کر تاکید کی کہ جلد از جلد اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ مگر تاتاریوں کو بھی شہزادوں کی موجودگی کا پتا چل گیا تھا۔ وہ ان کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور اُستوا کے گاؤں ''فرست'' میں ان کو جالیا۔ شہزادے جو کہ پہلے سے چوکنا تھے مقابلے پر ڈٹ گئے اور تلواروں کی پیہم ضربات سے تاتاریوں کو بُری طرح پامال کرنے لگے۔ تاتاریوں نے کچھ دیر مقابلے میں ثابت قدمی دکھائی، لیکن اس غیر متوقع سخت مزاحمت نے انہیں ہراساں کر دیا تھا۔ آخر کار وہ مُنہ پھیر کر بھاگ نکلے اور میدان شہزادوں کے ہاتھ رہا۔

اس سخت لڑائی کے بعد شہزادے اور ان کے سپاہی تھک کر چور ہو گئے تھے، اس لیے آرام کے لیے وہیں خیمے گاڑ دیے۔ ان کا خیال تھا کہ اس علاقے میں مزید تاتاری نہیں ہیں، سو اب کسی حملے کا خطرہ نہیں ہے، مگر افسوس کہ یہ ان کی غلط فہمی تھی۔ تاتاریوں کا شکست خوردہ دستہ اپنے لشکر سے بڑی تعداد میں کمک لے کر واپس اسی جگہ آپہنچا اور بے خبر مسافروں پر حملہ کر دیا۔ شہزادے دُشمن کے سخت نرغے میں آ گئے۔ جان سے بچاؤ کی ہر راہ مسدود پا کر وہ زخمی شیروں کی طرح دُشمن سے بھڑ گئے اور جب تک جان میں جان رہی تلوار چلاتے رہے۔ آخر کار تاتاری شہزادوں سمیت تمام اہل قافلہ کو تہہ تیغ کر کے بے اندازہ قیمتی مال و متاع لوٹ کر واپس ہوئے، انہوں نے قطب الدین ازلاغ شاہ اور آق سلطان کے سر کاٹ کر نیزوں پر لٹکائے ہوئے تھے۔

تاتاریوں نے اس موقع پر قافلے کے مقتولین کے سامان سے کوئی تعرض نہ کیا تھا، بعد میں گرد و نواح کے دیہاتیوں نے یہ سامان لوٹ کر اونے پونے بیچ دیا۔ قطب الدین ازلاق کی انگوٹھی کا نگینہ جس کا وزن تیس دینار تھا، لوٹنے والے نے ستر دینار میں فروخت کر دیا۔ بعد میں یہ ہیرا مختلف ہاتھوں سے ہوتا ہوا سلطان جلال الدین تک پہنچا۔ انہوں نے اپنے بھائی کا نگینہ پہچان لیا اور کہا:

''یہ اور گنج میں چار ہزار دینار کا خریدا گیا تھا۔''⑥

قطب الدین اور آق سلطان کی شہادت سلطان جلال الدین کے لیے دلی صدمے کا باعث تھی۔ رکن الدین ہ اس سے پہلے ہی تاتاریوں کے مقابلے میں دادِ شجاعت دے کر شہید ہو چکا تھا۔ اب صرف ان کا ایک سوتیلا بھائی غیاث الدین ہی باقی رہ گیا تھا جو ایران کے کسی قلعے میں محصور تھا۔ ان حالات میں ان دونوں شہزادوں کی بیک وقت شہادت یقیناً ایک بڑا حادثہ تھی۔ تاہم ایک مؤرخ کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ حادثہ سلطان جلال الدین کے لیے بعض الجھنوں سے یکسوئی کا باعث بن گیا۔ قطب الدین ہی کی ذات کو محور بنا کر سلطان کے خلاف پایۂ تخت میں بغاوت کی گئی تھی۔ اگر قطب الدین کو موقع ملتا تو بعید نہ تھا کہ آئندہ بھی وہ سلطان کے خلاف بار بار صف آرائی کر کے ان کی مشکلات میں

اضافہ کرتا رہتا۔ ⑦

سلطان کی دعوتِ جہاد کے اثرات ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے زمام اقتدار ہاتھ میں لیتے ہی شکست خوردہ طبیعتوں میں ایک بار پھر احساسِ تحفظ انگڑائیاں لینے لگا تھا اور نفیرِ جہاد فی سبیل اللہ کی بازگشت ملک کے چپے چپے میں سنائی دے رہی تھی۔ سلطان کے رضا کار باقی ماندہ مسلم آبادیات میں گھوم پھر کر لوگوں کو دعوتِ جہاد دے رہے تھے۔ بہت سے مقامات ایسے تھے جو ان کی دسترس سے باہر تھے، مگر وہاں سلطان جلال الدین کی جہادی تیاریوں کی خبریں ہی لوگوں میں جوش وخروش پیدا کرنے کے لیے کافی تھیں۔

اِدھر تاتاریوں کی ایک فوج مسلسل سلطان جلال الدین کی ٹوہ میں تھی، اس لیے کچھ عرصہ تک وہ ایک جگہ جم کر کام نہ کرسکے، بلکہ تاتاریوں کے مقبوضہ صوبوں سے باہر چکر لگاتے ہوئے وہ ان علاقوں کے اندرونی جہادی عناصر کو تقویت دیتے رہے، ان کی دعوتِ جہاد کی تپش ہر جگہ دلوں کو گرما رہی تھی۔ ⑧ بچے کھچے مسلم عوام میں اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ آخر کار آشکار ہو کر رہا اور کچھ ہی عرصے بعد تاتاریوں کے خانِ اعظم کے لیے مختلف مقامات سے تشویش ناک اطلاعات آنا شروع ہوگئیں جو دراصل مسلمانوں کے جذبۂ جہاد کا نتیجہ تھیں۔ اس جہادی ولولے کا آتش بار لاوا مندرجہ ذیل صورتوں میں نمودار ہو رہا تھا۔

چھاپہ مار کارروائیاں ..... مختلف مقامات پر مجاہدین اور منتشر شدہ خوارزمی سپاہی ٹولیاں اور جتھے بنا کر تاتاریوں پر شب خون مارنے لگے۔ بخارا کا سابق گورنر اور سلطان کا وفادار امیر اینانج خان جو بدرالدین حاجب کے لقب سے مشہور تھا، ایک مضبوط جمعیت اکٹھی کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی کارروائیوں سے تاتاری گشتی دستے اور ان کی حفاظتی چوکیوں کے سپاہی سخت پریشان ہوگئے۔ ایک بار موقع پا کر اس مردِ مجاہد نے دریائے جیحوں کو مغرب کی سمت سے عبور کر کے اچانک بخارا پر شب خون مارا اور شہر میں داخل ہو کر بخارا کے محافظ تاتاری دستے کو تہہ تیغ کر دیا۔ اینانج خان کی اس کامیاب کارروائی کے بعد تاتاریوں کی ایک بڑی فوج اس کے تعاقب میں لگ گئی۔ اینانج لڑتا بھڑتا، حملہ آوروں کو جُل دیتا ہوا شمالی ایران کی طرف نکل گیا۔ ⑨

بعد میں اینانج خان نے نسا کے حاکم اختیار الدین سے اتحاد کر کے تاتاریوں کے خلاف ایک فوج تیار کر لی۔ نساء کی قریبی بستی نشجوان کے رئیس نے تاتاریوں کا حقِ نمک ادا کرنے کے لیے انہیں نساء میں اینانج کی موجودگی کی اطلاع دے دی۔ تاتاری فوراً لشکر لے کر ادھر چڑھ دوڑے، ایناجخ خان نے بھی مجاہدین کو مرتب کر کے نشجوان کا رخ کیا۔ مجاہدین کے اس لشکر میں محمد بن احمد النسوی بھی شامل تھے۔ جنگ ہوئی تو ایناجخ خان نے بے مثال جرأت کے ساتھ مقابلہ کیا، النسوی کہتے ہیں ''میں نے اس معرکے میں اس کی ایسی بہادری دیکھی کہ اگر رستم بھی دیکھتا تو مرعوب ہو جاتا۔'' ایناجخ خان دونوں ہاتھوں میں تلواریں لے کر تاتاریوں کی صفوں میں گھستا چلا گیا۔ اس نے دو ایسے زوردار حملے کیے کہ کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ اس دوران وہ گھوڑے سے گر بھی گیا مگر جلد ہی دوسرے گھوڑے پر بیٹھ کر ایسا شدید حملہ کیا کہ تاتاری بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ فاتح سالار نے دس تاتاریوں کے کٹے ہوئے سر اور دس قیدی عوام کے ملاحظے کے لیے نسا بھیج دیے۔ اس کے بعد وہ ابیورد اور گرد ونواح میں ایک مدت تک تاتاریوں کے لیے دردِ سر بنا رہا۔ یلتاج ملک، تکنی ملک، بکشان جنکشی، امین الدین رفیق اور کجد یک امیر آخور سمیت

متعدد خوارزمی افسران اس کی جماعت میں شامل رہے۔ (۱۰)

جہاد کی مقامی تحریکیں ..... جن مقامات پر تاتاریوں کے لیے شہر کے دروازے بلاروک ٹوک کھول دیے گئے تھے وہاں تاتاریوں نے لوٹ مار اور خوں ریزی کے بعد آبادی کے ایک بڑے حصے کو زندہ رہنے دیا تھا۔ تاہم عوام کو غلامی کی یہ زندگی اب موت سے بدتر محسوس ہو رہی تھی۔ تاتاری ظلم وستم، لوٹ مار، جبر وتشدد اور توہین وتذلیل کی تمام حدود کو پھلانگ چکے تھے۔ ان کی مظلوم رعایا ان کے خونی چنگل میں سسک رہی تھی، بلبلا رہی تھی مگر مایوسی کی انتہا نے انہیں کچھ کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ جب ان مظلوموں کو سلطان جلال الدین کی صورت میں اُمید کی ایک کرن نظر آئی تو وہ یکا یک اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے درندہ صفت آقاؤں کی اکڑی ہوئی گردنیں تن سے جُدا کرنے لگے۔ ان مقامی جہادی تحریکوں میں ہمدان، طوس، نیشاپور اور ہرات کے جرأت مند عوام کی کارروائیاں قابل ذکر ہیں، لیکن یہ تمام کوششیں مقامی لوگوں نے صرف اپنے زور بازو پر ایک اضطرابی کیفیت میں انجام دی تھیں۔ بیرونی طور پر انہیں کوئی کمک یا امداد حاصل نہ تھی، نہ ہی یہ سرفروش پورے طور پر منظم تھے۔ سلطان جلال الدین سے بھی ان کا رابطہ نہ تھا، اس لیے تقریباً تمام مقامات پر تاتاریوں نے نہایت سختی سے ان تحریکوں کو کچل دیا۔

شدید مزاحمتیں ..... جذبۂ جہاد کی اس نئی لہر ہی کا اثر تھا کہ جو علاقے تاتاریوں کی گرفت سے باہر تھے، وہاں مزاحمت کی بھرپور تیاریاں شروع ہوگئیں اور تاتاری حملہ آوروں کو ان علاقوں میں ایسے کاری زخم لگے جو مدتوں مندمل نہ ہو سکے۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ شدید ترین مزاحمت کے اکثر مراکز اسی سرزمین افغانستان میں تھے جس کے غیور فرزندوں نے پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں رُوسی استعمار کے بُت کو پاش پاش کیا۔ ان محاذوں میں ہرات، طالقان، بامیان اور قندھار قابل ذکر ہیں۔ نیز دریائے آمو کے مغرب میں مرو کا شہر بھی سخت مدافعت کا محور رہا۔

تاتاری اس سے قبل اکثر صوبوں، شہروں اور شاہراہوں اور درّوں پر قبضہ کر چکے تھے، اس لیے ان تمام محاذوں کے مابین کوئی رابطہ نہیں تھا۔ نیز بیرونی اعانت اور کمک بھی ناپید تھی۔ ہر علاقے کے جرأتمند مسلمان فقط اپنے طور پر علمِ جہاد بلند کیے ہوئے تھے، لہٰذا جلد یا بدیر تاتاری ان تمام محاذوں پر مسلمانوں کی قوت کو توڑنے میں کامیاب ہوگئے۔

سلطان جلال الدین کی تیاریاں ..... چوتھی وجہ جو چنگیز خان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن تھی، وہ سلطان جلال الدین کی جنگی تیاریاں تھیں۔ سلطان جہاں بھی جاتے وہاں عوام میں جذبۂ جہاد اُبھار کر انہیں تاتاریوں سے مقابلے کے لیے تیار کرتے۔ ہزاروں نوجوان سلطان کے جھنڈے تلے جمع ہو کر سر دھڑ کی بازی لگانے کا عہد وپیمان کر چکے تھے۔ (۱۱)

نیشاپور میں ..... نسا کے بعد سلطان جلال الدین مختلف بستیوں سے ہوتے ہوئے نیشاپور جا پہنچے۔ اس سے ایک سال قبل جبی نویان اور سوبدائی کا لشکر جب سلطان علاؤ الدین محمد کے تعاقب میں یہاں سے گزرا تھا تو حاکم شہر مجیر الملک عمر کافی نے ان سے یہ کہہ کر اہل شہر کی جان بخشی کرالی تھی کہ ''آپ کا مقابلہ تو خوارزم شاہ سے ہے، اگر آپ اس پر غالب آگئے تو نیشاپور بلاروک ٹوک آپ کی تحویل میں آجائے گا۔'' تاتاری سرداروں نے شہر کے معززین کی موجودگی میں حاکم سے کچھ مزید گفت وشنید کے بعد حلفِ اطاعت لے کر اہل شہر کو پروانۂ جاں بخشی دے دیا تھا۔ (۱۲)

جب سلطان جلال الدین نیشاپور پہنچے تو اہل شہر تاتاریوں سے معاہدۂ صلح پر قائم تھے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ

تاتاریوں کا خوف تھا۔ سلطان نے باشندگانِ نیشاپور کے دلوں سے یہ خوف و ہراس دور کرنے کی کوشش کی اور انہیں ان دشمنانِ دین کے خلاف جہاد کے لیے اُبھارا۔

نیشاپور خراسان کا مرکزی شہر تھا، اس کے آس پاس رے، ہمدان اور مرو جیسے بڑے شہر تھے جہاں سے ہزاروں مجاہد فراہم ہوسکتے تھے، اس خیال کے پیش نظر سلطان نے گردونواح کے شہروں اور مفرور امرائے خوارزم کو خطوط لکھ کر جہاد کے لیے ایک پرچم تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ اپنے قاصد اردگرد کے شہروں اور ریاستوں میں بھیجے اور وہاں بھی تاتاریوں کے خلاف جہاد کی حوصلہ مند فضا قائم کرنے کی کوشش کی۔ ان مصروفیات میں پورا ایک ماہ گزر گیا۔ نی شاپور کے قیام کے دنوں ہی میں نسا کے امیر اختیار الدین نے ان سے اپنی حکومت کی منظوری کی درخواست کی جو قبول ہوئی۔ (۱۳)

ماوراء النہر پر تاتاریوں کے حملے اور قبضے کے بعد بخارا، سمرقند، اور گنج اور دیگر شہروں اور بستیوں کے لاکھوں لٹے پٹے باشندے مغرب کی طرف ہجرت کر چکے تھے۔ ان کی بڑی تعداد نیشاپور اور مرو میں ڈیرے ڈالے ہوئے تھے (۱۴) ان کے عزیز و اقارب تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔ ان کے گھربار ان درندوں کے ہاتھوں خاکستر بن چکے تھے۔ کتنے ہی بدنصیب ایسے تھے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماؤں، بہنوں اور بیویوں کی عصمتیں پامال ہوتے دیکھیں۔ نفرت و حسرت، بے بسی اور بے کسی کے یہ پیکر سلطان جلال الدین کی جانب سے نفیرِ جہاد سن کر لبیک کہنے والوں میں پیش پیش تھے۔ ان کے سینوں کے داغ سلگ کر شعلہ جوالا بن گئے تھے اور ان کے وجود تاتاریوں سے انتقام کی آگ میں جھلنے لگے تھے۔ مہاجرین اور مقامی عوام کے ان جذبات کے برخلاف ان شہروں کے رؤساء اور عمائد فی الحال تاتاریوں سے لڑنے کے حق میں نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ تاتاریوں سے جان کی امان مل جانا غنیمت ہے۔ ہم بغاوت کر کے ان پر غالب نہیں آسکتے اور تاتاریوں کا جوابی حملہ اور انتقامی ردِ عمل اتنا شدید ہوگا کہ ہمیں پچھتانا پڑے گا۔ نیشاپور میں بھی یہی صورتحال تھی۔ سلطان جلال الدین کو اگرچہ عوام کے ایک بڑے طبقے کی حمایت حاصل تھی، مگر شہر کے امراء اور عمائد کا تعاون انہیں حاصل نہیں ہوسکا۔ (۱۵)

سلطان جلال الدین کہنے کو تو بادشاہ تھے، مگر درحقیقت حالات کے ناموافق دھارے میں ان کی حیثیت فقط ایک خانہ بدوش رہنما کی سی رہ گئی تھی جو لوگوں کے سامنے ایک جرأت مندانہ موقف اور ایک روشن عملی نمونہ تو پیش کرسکتا ہے، مگر اسے منوا نہیں سکتا۔ احکام نافذ کرنے کے لیے جو عسکری قوت، ثروت اور انتظامی عملہ چاہئے سلطان جلال الدین کے پاس اس کا عشر عشیر بھی نہ تھا، لہٰذا وہ اہل شہر کو اپنی حمایت پر مجبور نہ کر سکے۔

ادھر چنگیز خان کو سلطان کی نیشاپور موجودگی اور ان کی سرگرمیوں کی اطلاع مل گئی، چنانچہ اس سے پہلے کہ نیشاپور میں کوئی مؤثر حصار بندی ہو پاتی، تاتاری نیشاپور پر حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۱۶)

سلطان نے نیشاپور میں ایک ماہ کے قیام کے دوران یہاں ایک مضبوط جہادی مورچہ تیار کرنے کی حتی الامکان کوشش کی مگر نہ تو اہل نیشاپور ان کی حمایت میں یک جا ہوئے، نہ بیرونی امداد بروقت ملنے کے امکانات نظر آئے۔ آخر کار سلطان جلال الدین نے اپنی امیدوں کی کرچیاں سمیٹ کر نیشاپور سے کوچ کر دیا۔ ان کے ساتھ وہی گنے چنے جوان تھے جو خوارزم سے ان کے ساتھ چلے تھے۔ (۱۷)

تا تاری یلغار کے نئے زاویے ..... خوارزم کی عظیم الشان سلطنت کے تین اہم دفاعی حصار تھے۔ پہلا حصار وہ شہر تھے جو دریائے سیحوں کے کنارے زنجیر کی طرح پیوستہ تھے۔ دوسرا دفاعی حصار دریائے آمو کے کنارے آباد ماوراءالنہر کے گنجان آباد شہر تھے جن میں سمرقند اور بخارا سب سے اہم تھے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی زندگی میں ہی تا تاری غارت گران دونوں دفاعی حصاروں کو ریزہ ریزہ کر چکے تھے۔ اب چنگیز خان قدرے توقف کے بعد اس مملکت کے تیسرے اور آخری حفاظتی بند کی طرف پیش قدمی کرنے والا تھا۔ یہ تیسرا دفاعی حلقہ دریائے آمو کے مغرب اور جنوب میں واقع سنگین فصیلوں والے شہر اور ان کے محافظ ایرانی اور افغانی جنگجو قبائل تھا۔ (۱۸) چنگیز خان سمرقند ہی میں مقیم تھا۔ اس نے اپنی افواج کے کئی حصے کر کے انہیں مختلف خطوط پر لشکر کشی کا حکم دیا۔ (۱۹)

نسا کی تباہی ..... خراسان کا رخ کرنے والے تا تاری لشکر کا سپہ سالار چنگیز خان کا داماد قفا چار نویان تھا۔ اس لشکر کا ہراول دستہ ایک تجربہ کار و معرکہ آزما سردار ''پیل گوش'' کی قیادت میں دریائے آمو عبور کر کے نسا کی طرف روانہ ہوا۔ (۲۰) نسا کا حاکم اختیار الدین فوت ہو چکا تھا اور اس کا چچازاد بھائی نصرت الدین حمزۃ بن محمد حکومت کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا۔ (۲۱) نصرت الدین محمد سلطان جلال الدین کے سچے جانثاروں میں سے تھا۔ اس نے شہر کی فصیل کو نہایت مضبوط اور مستحکم کرا کے پوری طرح مقابلے کی تیاری کر لی تھی۔

تا تاریوں کے شہر کے گرد جمع ہوتے ہی اہل شہر نے بڑی شدت سے مزاحمت کا آغاز کر دیا۔ تا تاری لشکر کو بار بار پیچھے ہٹنا پڑا۔ مجاہدین کے ایک سخت حملے میں تا تاری سردار ''پیل گوش'' بھی لپیٹ میں آ کر مارا گیا۔ تیرہ دن تک نسا کے جانباز عوام نے تا تاریوں کو فصیل سے دور رکھا، مگر بالآخر نوشتہ تقدیر غالب آیا اور اور چودھویں دن تا تاری قدم قدم پر لاشوں کے ڈھیر چھوڑتے ہوئے کسی نہ کسی طرح شہر میں داخل ہو گئے۔ اس قدر سخت مزاحمت سہنے کے بعد تا تاری غصے سے پاگل ہو رہے تھے۔ آن کی آن میں ان درندوں نے امام نسائی رحمہ اللہ کی مولدِ پاک کو خاک اور خون کے ڈھیر میں تبدیل کر دیا۔

کاتب النسوی کہتے: ''نسا کی آبادی کو جمع کر کے حکم دیا گیا کہ سب ایک دوسرے کو باندھنا شروع کریں۔ اگر لوگ منتشر ہو کر جان بچانے کے لیے بھاگ نکلتے تو ان کی اکثریت پہاڑوں میں روپوش ہو کر جان بچا لیتی جو بالکل قریب تھے مگر خوف کی وجہ سے وہ بھاگ نہ سکے۔ جب انہوں نے ایک دوسرے کو باندھ دیا تو تا تاریوں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ یہاں ستر ہزار افراد شہید کیے گئے۔''

دربارِ خوارزم کے اعلیٰ ترین مشیر نامور عالم دین علامہ شہاب الدین خیوقی جو نسا میں پناہ لیے ہوئے تھے، اپنے صاحبزادے شیخ تاج الدین سمیت یہیں سے گرفتار ہوئے، ان کے ہاتھ پشت پر باندھ کر انہیں قفا چار نویان کے پاس لے جایا گیا۔ اس نے اپنے انہیں کھڑا کیا اور شہر سے لوٹے گئے کئی من سونے کو پگھلا کر ان پر انڈیل دیا۔ علم و فضل کے ان پیکروں کو یوں بدترین اذیت دے کر اور تماشا بنا کر شہید کیا گیا۔ (۲۲)

چنگیز خان کی تشویش اور تولی خان کی روانگی ..... چنگیز خان سلطان جلال الدین کی نقل و حرکت اور ان کی کارروائیوں سے سخت مشوش تھا۔ ان علاقوں میں جہاں سلطان کی آمد و رفت ہو رہی تھی تا تاریوں کے خلاف فضا ہموار ہونے کی علامات ظاہر ہو چکی تھیں۔ چنگیز خان دُشمن کو موقع دینے کا قائل نہیں تھا، اس نے تولی کو ایک زبردست لشکر

دے کر شمالی ایران اور خراسان کے ان شہروں کی طرف روانہ کر دیا جن کے نواح میں سلطان جلال الدین کی آمدورفت کی اطلاعات موصول ہو رہی تھیں۔ یہ وہ شہر تھے جنہیں سوبدائی اور جبی نویان تباہ و برباد کیے بغیر آگے نکل گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کی طاقت کچلنے کے علاوہ تولی خان کو ان شہروں کو تودۂ خاک بنانے کی ذمہ داری بھی سونپی گئی۔ (۴۳)

قفچار نویان کا نیشاپور پر حملہ ..... اس کے ساتھ ساتھ چنگیز خان نے فی الفور دس ہزار آزمودہ سپاہی قفچار نویان کی سرکردگی میں نیشاپور کی طرف روانہ کیے جہاں سلطان جلال الدین نے ایک ماہ تک قیام کر کے لوگوں کا لہو گرمایا تھا، اگرچہ سلطان نیشاپور سے جا چکے تھے، مگر وہاں سلطان کے بہت سے حامیوں کی موجودگی کے باعث چنگیز خان فوری خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ (۴۴)

قفچار نویان کے نیشاپور روانہ ہونے سے قبل خراسان میں وہ انقلاب آ گیا تھا جس سے تاتاری خوفزدہ تھے، سلطان کی صدائے حریت سے متاثر ہو کر طوس میں جانبازوں کا ایک گروہ علمِ جہاد بلند کر چکا تھا۔ یہ مجاہدین طوس کے تاتاری حاکم کا سر کاٹ کر نیشاپور کے ان عمائد کی خدمت میں بھیج چکے تھے جو تاتاریوں کے حلیف تھا، طوس کے مجاہدین نیشاپور کے باشندوں کو غیرت دلا کر انہیں تاتاریوں سے مقابلے کی دعوت دے رہے تھے۔ (۴۵) ان کی دعوتِ جہاد نے نیشاپور کے مسلمانوں کو بیدار کر دیا اور انہوں نے بھی شہر کی نگرانی پر مقرر تاتاری افسر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

یہ وہ انقلاب تھا جس سے مضطرب ہو کر چنگیز خان نے قفچار نویان کو فوری طور پر خراسان روانہ کیا، قفچار نے طوس سے پہلے نیشاپور کی طرف توجہ کی اور رمضان ۶۱۷ھ (نومبر ۱۲۲۰ء) میں شہر کا محاصرہ کر کے بڑی شدت سے پے در پے حملے شروع کر دیے۔ نیشاپور کے بہادر عوام مقابلے کے لیے تیار تھے۔ انہوں نے ایسا منہ توڑ جواب دیا کہ تاتاری بغلیں جھانکنے لگے۔ تیسرے دن مجاہدین کے ایک کارگر حملے میں خود قفچار نویان تیروں کا نشانہ بن کر مارا گیا اور تاتاری فوج پسپا ہو گئی۔ (۴۶)

طوس اور سبزوار کی تباہی ..... پسپا ہونے والی تاتاری فوج دو حصّوں میں تقسیم ہو کر طوس اور سبزوار پر حملہ آور ہو گئی۔ طوس پر قبضہ کرنے کے بعد ان ظالموں نے آبادی کا بے محابا قتل عام کیا۔ تمام مال و متاع لوٹ لیا، خزانوں اور دفینوں کی تلاش میں قبروں تک کو نہ چھوڑا۔ طوس میں علی بن موسیٰ رضا اور خلیفہ ہارون الرشید کے مقبروں کو منہدم کر کے کھود ڈالا...... آخر میں شہر کو آگ لگا دی اور ہنستا بستا شہر جل کر کوئلہ ہو گیا۔ سبزوار کے باشندوں کا بھی یہی انجام ہوا، یہاں کے شہداء کی تعداد ستر ہزار کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ (۴۷)

قفچار کی موت پر چنگیز خان کا طیش ..... قفچار نویان چنگیز خان کا داماد ہونے کے علاوہ اس کا قابل ترین ارغون (سالار) تھا۔ اس کی موت کی خبر نے چنگیز خان کے تن بدن میں آگ لگا دی۔ اس نے تولی خان کو جو سلطان جلال الدین کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا حکم بھجوایا کہ وہ فوراً نیشاپور کا رُخ کرے اور وہاں کی آبادی کو مکمل طور پر موت کے گھاٹ اُتار دے اور شہر کے درودیوار کو اس طرح زمین بوس کر دے کہ وہاں ہل چلا کر کاشت کاری کی جا سکے۔ (۴۸)

نیشاپور پر تولی کا حملہ ..... موسمِ بہار آ چکا تھا، نیشاپور کے گردونواح سبزے سے لدے ہوئے تھے، شہر کے چمن اور گلستان پھولوں کی مہک سے معطر ہو رہے تھے۔ ایسے میں انتقام کی آگ میں جھلسا ہوا تولی خان ایک زبردست لشکر لیے ہوئے فصیل شہر کے سامنے آ دھمکا۔ اس کے ساتھ تین ہزار تیر چرخ تھے، تیر چرخ سے مراد وہ بڑے بڑے تیر کمان

ہیں جنہیں کئی آدمی مل کر چلاتے تھے اور ان کی مار بہت دور تک ہوتی تھی۔ دوسو منجنیقیں بھی تھیں جنہیں شہر کے اردگرد نصب کردیا گیا۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ سنگ باری کے لیے شہر سے چند منازل دور ہی سے اتنی بڑی مقدار میں پتھر لادلیے گئے تھے کہ جنگ کے اختتام تک ان کا دسواں حصہ بھی استعمال نہ ہوسکا۔ (۲۹) آتش باری کے آلات چلانے کے لیے سترہ سو افراد کا عملہ تھا۔

شہر والوں نے دشمن اس قدر قوت دیکھ کر صلح جوئی کی کوشش کی اور مشورے کے بعد قاضی رکن الدین علی بن ابراہیم کو تولی خان کے پاس بھیج دیا۔ قاضی صاحب نے خطیر معاوضے کے بدلے اہل شہر کے لیے جان کی امان طلب کی مگر تولی خان کا مزاج بہت برہم تھا۔ اس نے نہ صرف صلح کے امکانات کو مسترد کردیا بلکہ قاضی صاحب کو بھی قید کرلیا۔ (۳۰)

۱۲ صفر ۶۱۸ھ (۷۔ اپریل ۱۲۲۱ء) کو تولی خان نے اپنی بپھری ہوئی طاغوتی فوج کو عام حملے کا حکم دیا۔ دو دن تک بھرپور جنگ ہوتی رہی، فریقین کے لاتعداد افراد کام آگئے۔ تیسرے روز جبکہ سورج ڈھلنے لگا تھا تاتاری ایک سخت حملے کے بعد کئی مقامات سے خندق عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ فصیل پر چڑھنے کی کوشش میں تاتاریوں کی لاشیں لگاتار گر رہی تھیں۔ نیشاپور کے عوام جو آخر دم تک لڑنے کا تہیہ کرچکے تھے اب بھی جان توڑ حملوں سے تاتاریوں کو بار بار پیچھے ہٹنے پر مجبور کررہے تھے۔ اسی کشمکش میں سورج غروب ہوگیا، مگر فنا و بقا کی یہ جنگ جاری رہی جب رات کی تاریکی چھاگئی تو فصیل شہر سے چمٹے ہوئے سینکڑوں تاتاری اندھیرے سے فائدہ اُٹھا کر شہر میں اُتر گئے اور لڑتے بھڑتے ہوئے دروازے کھولنے میں کامیاب ہوگئے۔ (۳۱)

چوتھے دن کی صبح تک تاتاری لشکر کا بڑا حصہ شہر میں داخل ہوچکا تھا۔ نیشاپور کے عوام زندگی و موت سے بے پروا ہوکر ہر گلی اور ہر مکان میں ان سے دست بدست لڑ رہے تھے..... مگر حملہ آور تاتاری ٹڈی دل سے بھی زیادہ تھے۔ جوینی کے بیان کے مطابق اس قتل عام میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ ہر شخص کا سرتن سے جدا ضرور کیا جائے۔ بعض مؤرخین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ مرو کے قتل عام کے بعد تاتاریوں کو معلوم ہوا کہ بہت سے لوگ مردہ بن کر لاشوں میں چھپ گئے تھے اور بعد میں صحیح سلامت دوسرے اسلامی شہروں کی طرف نکل گئے تھے۔ اس لیے تاتاریوں نے نیشاپور میں سر کاٹنا ضروری سمجھا تاکہ کسی کوئی مُردوں میں لیٹ کر جان بچانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ (۳۲)

چنگیز خان کی درندہ صفت بیٹی (قفچار کی بیوی) دس ہزار سپاہیوں کو اپنی کمان میں لیے ہوئے بذاتِ خود اس قتل عام میں شریک تھی۔ اس نے کئی سو مظلوموں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر کے اپنی آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا۔ سقوطِ نیشاپور کے چوتھے روز ہی چنگیز خان کے حکم کے مطابق تولی خان نے تمام عمارتوں کو مسمار کرکے زمین کے برابر کردیا، شہر میں پندرہ دن تک برابر خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی، انجام کار شہر کی تمام آبادی کو فنا کردیا گیا۔ تاتاریوں نے غایتِ غیظ وغضب سے شہر کے کتوں اور بلیوں تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ تولی نے واقعتاً نیشاپور کو ایسا اجاڑا کہ شہر کی زمین ہل چلا کر اناج اگانے کے سوا کسی کام کی نہ رہی۔

حاکمِ نیشاپور مجیر الملک کافی شہر پر تاتاریوں کے قبضے کے بعد کہیں روپوش ہوگیا تھا، مگر شکار کی بو سونگھ کر کھوج لگانے والے تاتاریوں نے بالآخر اسے گرفتار کرکے شہید کردیا۔ (۳۳) نیشاپور کے شہداء کو شمار کیا گیا تو وہ پندرہ لاکھ سے متجاوز تھے۔ (۳۴)

شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ کی شہادت ..... مشہور صوفی بزرگ شاعر شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ بھی نیشاپور کے اس قتل عام میں شہید ہوئے تھے، اس وقت ان کی عمر ایک سو پانچ سال تھی۔ (۳۵)

مؤرخ موفق بغدادی کہتے ہیں: ایک تاجر نے مجھے بتایا کہ نیشاپور میں مختلف مشرقی شہروں سے بھاگ کر آنے والے تاجر جمع ہو گئے تھے، تاتاریوں نے شہر کو چوبیس دن کے محاصرے کے بعد فتح کر لیا، آبادی کا قتل عام کیا، وہ شہر کو اس طرح جلا کر اور منہدم کر کے گئے کہ گویا یہاں کل تک کوئی آبادی تھی ہی نہیں۔ (۳۶)

مرو، ویرانے کا یاقوت ..... دریائے مرغاب کے کنارے وسیع و عریض و گنجان آباد شہر ''مرو'' اپنی خوشحالی و خوش نمائی کی بنا پر ''ویرانے کا یاقوت'' کہلاتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے مدرسے، ہزار ہا نادر کتب پر مشتمل لائبریریاں اور سامان تجارت سے بھرپور بازار تھے۔ یہ سلجوقی بادشاہوں کا دارالسلطنت رہا تھا اور خوارزم شاہی خاندان کے حکمران یہاں کے دل فریب گلشنوں میں اپنے تفریحی اوقات گزارا کرتے تھے۔ (۳۷)

چونکہ تاتاری اپنی پہلی یلغار میں ''مرو'' سے تعرض کیے بغیر گزر گئے تھے لہٰذا اس مہم کی تکمیل کے لیے تولی خان نے ''مرو'' کی طرف کوچ کیا۔ ''مرو'' سے کچھ فاصلے پر مروالرود (۳۸) کے کنارے ترکمان سپاہیوں کا ایک لشکر پڑاؤ ڈالے ہوا تھا۔ یہ ترکمان مرو سے اس کے موجودہ حاکم مجیر الملک کو بے دخل کرنے کے لیے چھاپہ مار حملے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اسے امت مسلمہ کی بے حسی کی انتہا ہی کہا جا سکتا ہے کہ تاتاری حملے کے دوران بھی خوارزم کے بچے کھچے علاقوں میں امراء انجام سے بے پرواہو کر خانہ جنگی میں مبتلا تھے۔

تولی خان کے لشکر نے ترکمانوں کے اس لشکر کے راستے کی ناکہ بندی کر لی۔ رات کو جب ترکمانوں کے دستے یکے بعد دیگرے وہاں سے گزرنے لگے تو تاتاری لشکر باری باری ان کے ہر دستے کو موت کے گھاٹ اُتارتا چلا گیا۔ (۳۹)

اس کارروائی سے فارغ ہو کر تاتاری مرو کے نواح میں ''شہرستانہ'' سے آگے پڑاؤ ڈال کر، شہر کے محلِ وقوع اور حفاظتی تیاریوں کا جائزہ لینے لگے۔ (۴۰)

حملہ اور مزاحمت ..... شہر میں مقامی آبادی کے علاوہ شمال اور مشرق کے دو لاکھ سے زائد مہاجرین بھی موجود تھے جو تاتاریوں سے آخر دم تک لڑنے کا تہیہ کر چکے تھے، مگر ان میں عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی تعداد زیادہ تھی اور نوجوان بھی تجربہ کار نہ تھے۔ پھر بھی وہ شہادت کے متوالے تھے اور اپنی فتح کے متعلق پُر امید تھے۔ وہ گزشتہ نقصانات کی تلافی کا عزم کیے ہوئے تھے۔ (۴۱)

ایک ہزار تاتاری سورماؤں کی موت ..... تاتاریوں کی آمد پر انہوں نے مجیر الملک کی قیادت میں شہر سے باہر نکل کر صف آرائی کی اور معرکہ قتال گرم ہو گیا۔ دن بھر گھمسان کی لڑائی ہوتی رہی۔ چنگیز خان کا خصوصی محافظ دستہ جو پوری تاتاری قوم کے چنے ہوئے بہادروں پر مشتمل تھا، اس مہم میں بطورِ اعزاز تولی خان کے ساتھ بھیجا گیا تھا، مسلمانوں نے ان میں سے ایک ہزار سورماؤں کو مار گرایا، اس پر تولی غصے سے بے قابو ہو گیا، اس نے فوج کو مرتب کر کے طوفانی انداز میں جارحانہ حملے کیے، آخر کار تاتاریوں کا پلہ بھاری ہو گیا اور مسلمان میدان سے ہٹ کر شہر میں محصور ہونے پر مجبور ہو گئے۔ (۴۲)

محاصرہ اور تولی کی عیاری ..... تاتاریوں نے اپنی صفیں فصیل کے قریب لا کر سخت محاصرہ کر لیا، مگر فصیل سے تیروں اور پتھروں کی پیہم بوچھاڑ کے باعث انہیں لاشوں کے ڈھیر چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس نے پے در پے کئی سخت حملے کیے،

مگر ہر بار اسے ناکامی ہوئی بیس دن تک اسی طرح مقابلہ جاری رہا۔ (۴۲)

مسلمان جس سرفروشی سے شہر کا دفاع کر رہے تھے اسے دیکھتے ہوئے تولی خان کو یقین ہو گیا کہ محض طاقت کے بل پر یہاں فتح حاصل کرنا بہت مشکل ثابت ہوگا۔ آخر سوچ بچار کے بعد اس نے اپنی مکارانہ فطرت سے کام لیتے ہوئے ایک گھناؤنا منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔ اس نے فصیل کے باہر برسرِ پیکار تاتاریوں کو جنگ بندی کا حکم دیا اور شہر کے حاکم کے نام ایک مصالحتی پیغام روانہ کر دیا۔ تولی کی جانب سے اس خلاف توقع نرم رویے سے حاکم مرو مجیر الملک اچنبھے میں پڑ گیا۔ تاہم اس نے فی الحال اس پیغام کا ملاطفت آمیز جواب دینا ضروری خیال کیا۔ اردگرد کے علاقوں میں سلطان جلال الدین کی نقل و حرکت اور کارروائیوں کی اطلاعات پہنچ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ یہ خبر بھی مشہور تھی کہ سلطان چند ہفتوں میں ایک منظم لشکر لے کر مرو کا رخ کریں گے۔ ان حالات میں حاکمِ مرو چند ہفتوں تک تاتاریوں کو بات چیت میں الجھائے رکھنا اس معرکے میں فتح کی کلید سمجھتا تھا۔

حاکم کی جانب سے شیخ جمال الدین کو جو کہ مرو کے نامی گرامی علماء میں سے تھے، سفیر بنا کر مصالحت کے متعلق گفت و شنید کے لیے تولی کے پاس بھیجا گیا۔ تولی خان نے شیخ جمال الدین کا خیر مقدم کیا اور کچھ امید افزا گفتگو کے بعد انہیں بصد اعزاز و اکرام یہ پیغام دے کر واپس کیا کہ اگر حاکم شہر بذاتِ خود آ کر اس سے مل لے تو بہت سی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں۔ تولی کا یہ پیغام مرو کے اربابِ عقل و فکر کے لیے خطرے کا بگل ثابت ہوا۔ انہوں نے اسے ایک سازش قرار دیتے ہوئے حاکم کو اس پر عملدرآمد سے باز رکھنے کی کوشش کی، مگر حاکم ان تمام تر خدشات کے باوجود کچھ عرصہ تک شہر کو تاتاریوں سے بچائے رکھنے کے لیے مصالحت کی گفتگو جاری رکھنے پر مصر تھا۔ چنانچہ وہ نقد رقم، گھوڑے، خچر اور بہت سے قیمتی تحائف لے کر مجیر الملک تولی کے خیمے میں جا پہنچا۔

تولی نے اس کا پرتپاک استقبال کیا اور اس کے تحائف کے بدلے اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا۔ پُرتکلف کھانے سے فراغت کے بعد بات چیت کا آغاز ہوا۔ تولی نے اسے یقین دلایا کہ وہ اہل شہر کی جان بخشی کے لیے بصدقِ دل تیار ہے تاہم اس کے لیے باشندگانِ مرو کو کچھ تاوان ادا کرنا ہوگا۔ کچھ دیر تاوان کا مسئلہ زیر بحث رہا، آخر تولی خان نے شہر کے چند اور اہل الرائے افراد کو طلب کیا تاکہ وہ حاکم کے ساتھ مل بیٹھ کر مشورہ کر سکیں۔ مجیر الملک نے اپنے ایک نوکر کو بھیج کر شہر سے چند معززین کو بلوا لیا۔ تولی خان نے ان روساء کی بھی آؤ بھگت کی اور انہیں ضیافت میں شریک کیا۔ بعد ازاں اس نے مطلوبہ تاوان وصول کرنے کے لیے شہر کے چھ سو ایسے خوشحال افراد کو نامزد کرنے کا حکم دیا جو اس رقم کا بڑا حصہ ادا کر سکیں۔ حاکم شہر نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے ہوئے خود اپنے ہاتھ سے ایسے چھ سو افراد کی فہرست تیار کر دی جس میں مرو کے متمول ترین تاجروں اور سرمایہ داروں کے نام تحریر تھے۔ یہ تحریر وصول کرتے ہی تولی خان کے تیور بدل گئے...... اگلے ہی لمحے اس کے اشارے پر تاتاری سپاہی حاکم کو چھوڑ کر باقی تمام رؤساء کو موت کے گھاٹ اُتار چکے تھے۔

اس کے بعد تاتاریوں کے لیے کام آسان ہو چکا تھا۔ انہوں نے فریب اور مکاری سے کام لیتے ہوئے شہر کا دروازہ کھلوایا اور پہرے داروں کو بے دخل کر کے دروازے پر قابض ہو گئے۔ چند گھنٹوں بعد مرو کی ہر سڑک اور چوک پر تاتاری مسلح دستے تسلط حاصل کر چکے تھے اور جگہ جگہ وہ مزاحمت کرنے والے عوام پر تیغ آزمائی کر رہے تھے۔ مورچہ بند رضاکاروں کی طرف سے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ سے تاتاریوں کی بھی لاشیں گر رہی تھیں۔ تاہم سخت نقصان

اُٹھانے کے باوجود تاتاری مزاحمت کے شعلے سرد کرنے میں کامیاب ہوگئے۔
قتلِ عام..... تولی عام نے شہر پر قبضے کے بعد یہ اعلان کردیا کہ اہل شہر اپنے اہل وعیال اور ساز وسامان سمیت شہر سے نکل جائیں۔ دہشت زدہ عورتیں، بچے، جوان اور بوڑھے صرف جان بچ جانے کی امید پر ضروری مال ومتاع کی گٹھریاں لادے شہر سے نکلنے لگے۔ چار دن تک شہر خالی ہوتا رہا۔ باہر نکلنے والوں کو ایک بڑے میدان میں روک لیا گیا۔ کہا گیا کہ یہ ہم سے جنگ کرنے کے مجرم ہیں، انہیں سزادی جائے گی۔ اب تولی اپنے شیطانی منصوبے کے آخری منظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے ایک زرّیں تخت پر بیٹھ گیا۔ لاکھوں بے بس اور مجبور انسان اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے تھے۔ عورتوں کی سسکیاں اور بچوں کی چیخیں آسمان کا سینہ چاک کر رہی تھیں۔ تولی کے اشارے پر بچوں، عورتوں اور مردوں کو علاحدہ علاحدہ کرکے باری باری ان سب کو تختہ ستم بنایا جارہا تھا۔ مردوں اور بچوں کو گلا گھونٹ کر یا تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کرکے قتل کردیا گیا۔ عورتوں کی عصمتیں پامال کرکے انہیں بھی رسوا کن طریقوں سے موت کے منہ میں دھکیل دیا گیا۔ گرفتار رؤساء اور امراء کو طرح طرح کے عذاب دے کر ان کی جمع پونجی برآمد کرنے کے بعد انہیں بھی موت کی نیند سلادیا گیا۔ دولت کی تلاش میں مکانات مسمار کردیے گئے، بنیادیں اُکھاڑ دی گئیں، قبروں تک کی کھدائی کرکے دفینوں اور خزینوں کا اتا پتا چلانے کی کوشش کی جاتی رہی، حتیٰ کہ سلطان سنجر سلجوق کا مزار نذرِ آتش کردیا گیا اور قبر بھی کھود ڈالی گئی۔ (۴۴)

مؤرخ ابن واصل کہتے ہیں: ''میں نے مرو کے مقتولین کا شمار کیا تو وہ سات لاکھ افراد تھے۔'' (۴۵) جبکہ میر خواند نے سید عزالدین نسابہ کے حوالے سے مقتولین کی تعداد اس سے زیادہ بیان کی ہے۔ سید عزالدین کا بیان تھا کہ میں چند کاتبوں کو ساتھ لے کر تیرہ روز تک دن رات مرو کے شہداء کی گنتی کرتا رہا تو وہ دس لاکھ تین ہزار سے زائد نکلے۔ (۴۶)

عالمِ اسلام کے سب سے بڑے جغرافیہ دان یاقوت حموی مرو پر اس حملے کے دوران شہر کے کتب خانوں کو کھنگال رہے تھے، موقع پاکر وہ بھاگ نکلے اور جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔ تقدیر کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ اسلامی تہذیب وتمدن کے ان مراکز کے مٹنے سے پہلے پہلے یاقوت جیسے جغرافیہ نویس کو ان شہروں کی سیاحت کی توفیق ہوگئی۔ یہی نہیں بلکہ تاتاریوں کے ہاتھوں ان آبادیوں کی بربادی بھی یاقوت کی نگاہوں کے سامنے ہوئی۔ ایک فرض شناس عالم کی طرح وہ یہ سب کچھ اس وقت تک قلم بند کرتے رہے جب تک تاتاری خود مرو پر حملہ آور نہ ہوگئے۔ یہ بھی قسمت کی بات تھی کہ موت کے منہ سے وہ بحفاظت نکل کر موصل پہنچ گئے جہاں انہوں نے معجم البلدان جیسی شہرہ آفاق تصنیف میں دیگر اسلامی شہروں اور بستیوں کے احوال کے علاوہ خوارزم وخراسان کا مرثیہ بھی لکھا۔ مرو کا حال انہوں نے نہایت والہانہ انداز سے بیان کیا ہے اور اس کے علمی مراکز، کتب خانوں، علماء اور عوام کی خاص طور پر تعریف کی ہے۔ (۴۷)

بدقسمت شہر کی بار بار تباہی..... تعجب کی بات یہ ہے کہ اس قدر بھیانک قتل عام کے بعد بھی مرو کچھ مدت میں کئی بار دوبارہ آباد ہوا، وجہ یہ تھی کہ مرو خراسان، ایران اور ماوراء النہر کے سنگم پر واقع ہے، اس لیے دوسرے علاقوں سے بھاگنے والے ان گنت افراد کے راستے میں پہلا بڑا شہر یہی آتا تھا، چنانچہ وہ یہیں آباد ہوجاتے تھے۔ تجارتی شاہراہوں کے چوک پر ہونے کی وجہ سے یہاں سے سوداگروں کے قافلے بھی بکثرت گزرتے تھے، اس لیے (عطا ملک جوینی کے بقول) یہاں انسانی ضروریات اور ہر قسم کی نعمتوں کی بے انتہا فراوانی رہتی تھی۔ مگر اس شہر کی خوبیاں اس کی بدقسمتی

کا باعث بھی بنی رہی کیوں کہ اس طرف آنے والی شاہراہوں سے تاتاری فوجیں بھی گزرتی رہتی تھیں اور تاتاریوں کی اس شہر سے نفرت کا عالم یہ تھا کہ وہ ہر بار یہاں سے گزرتے ہوئے خون بہانا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ یہ شہر چند ماہ کے اندر کئی بار قتلِ عام کا شکار ہوا۔

پہلی بار کے قتلِ عام سے بچ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں روپوش ہو جانے والے پانچ ہزار کے لگ بھگ افراد کچھ ہی دنوں بعد یہاں دوبارہ آبسے تھی۔ مگر تاتاریوں کا ایک اور لشکر یہاں سے گزرا جس نے ان پانچ ہزار نئے آبادکاروں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ بعد ازاں ایک اور فوج گزری جس کے سالار نے حکم دیا کہ یہاں جو شخص ملے اس کی گردن اڑا دو، اس طرح بچے کھچے لوگ بھی مارے گئے۔ (۴۸)

ہمدان کا جہاد ..... خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والے تاتاری کچھ عرصہ قبل ہمدان سے گزر چکے تھے، اس وقت حاکمِ شہر نے بھی اظہارِ اطاعت کرنے میں سرگرمی دکھائی اور خود تاتاری بھی خوارزم شاہ کے تعاقب کی وجہ سے عجلت میں تھے، اس لیے انہوں نے اہلِ شہر سے دولت کے بڑے بڑے ذخائر، مال و متاع کے انبار اور مویشیوں کے گلے وصول کر کے ان کی جاں بخشی کر دی تھی اور اپنے ایک افسر کو یہاں کا منتظم بنا کر آگے بڑھ گئے تھے۔ شہر کے مسلمان حاکم کو اس کی وفاداری کے صلے میں اس کے سابقہ عہدے پر بحال رہنے دیا گیا تھا۔

اس وقت اہلِ ہمدان نے جان بچ جانے پر سکون کا سانس لیا تھا، مگر کچھ عرصے بعد تاتاری افسر کے نت نئے مطالبات سے وہ سخت ضیق میں پڑ گئے۔ ان مطالبات کو پورا کرنے اور بار بار عائد کیے جانے والے ناقابلِ برداشت ٹیکسوں کی ادائیگی سے اہلِ شہر تہی دست ہو کر رہ گئے، حتیٰ کہ جب ان کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہ بچی تو ہمدان کے دروازوں پر ایک بار پھر تاتاری وحشیوں کے بے ہنگم نعروں کی گونج سنائی دی۔ تاتاری لشکر کا سپہ سالار اپنے مقامی افسر کی وساطت سے اہلِ شہر سے ایک خطیر رقم اور پارچہ جات کے انبار طلب کر رہا تھا۔

اہلِ ہمدان کا اضطراب ..... ہمدان کے باشندوں نے سکتے کے عالم میں باہر پڑاؤ ڈالنے والے لشکر کے سپہ سالار کے مطالبات سنے۔ مطالبات پورا نہ کرنے کا نتیجہ بھیانک موت کے سوا کچھ نہ تھا، مگر ان کے پاس ادائیگی کے لیے اب کچھ نہیں بچا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی پیشانی کی شکنوں پر یہی سوال نمایاں تھا کہ ''اب کیا ہوگا؟'' کافی سوچ بچار کے بعد شہریوں نے اپنے حاکم کے پاس ایک وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا۔

اہلِ ہمدان کی حاکم سے گفتگو ..... ہمدان کے شہریوں کا وفد حاکمِ شہر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وفد کے ایک معتمد رکن نے نہایت مضطرب لہجے میں حاکم سے کہا: ''یہ کافر ہمارے تمام اموال پہلے ہی ہڑپ کر چکے ہیں، اب ہمارے پاس انہیں دینے کے لیے کچھ نہیں رہا۔ ہم ان کو مال دے دے کر اور ان کے منتظم کا توہین آمیز سلوک سہہ سہہ کر ہلاک ہو رہے ہیں۔''

حاکمِ شہر نے مایوسانہ انداز میں کہا: ''جب ہم ان کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں تو بھلا بچاؤ کی اور کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟؟ ظاہر ہے انہیں مال و دولت دے کر راضی کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔''

یہ مایوسانہ اور بزدلانہ جواب سن کر وفد کے ارکان غصے سے پھٹ پڑے اور بولے: ''ان کافروں کی بہ نسبت آپ کا وجود ہمارے لیے زیادہ نقصان کا باعث ہے۔''

وفد کے ارکان کا یہ جوش و خروش دیکھ کر حاکم نے کہا: ''میں تو بہر صورت تمہارے ساتھ ہی ہوں، اب جو تمہاری

رائے ہو، ویسا ہی کرو۔“

فقیہِ ہمدان کی دعوتِ جہاد اور عمائد شہر کا اس پر اتفاق ..... ہمدان میں ایک فقیہہ تھے جنہیں حاکم کے مشیر اور دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ عوام بھی ان کے علم و فضل سے بڑے متاثر تھے۔ یہ فقیہہ حاکم کے ساتھ اسی اجلاس میں موجود تھے، جب لوگوں نے ان سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے بلاتوقف تاتاریوں سے جہاد کا عزم ظاہر کیا اور ارکان مجلس کو بھی اس کی ترغیب دی۔ سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کے بعد عام طور پر لوگ جہاد پر آمادہ ہو رہے تھے اور ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھنے لگی تھیں۔ ویسے بھی اہل ہمدان تاتاریوں کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے، اس لیے فقیہہ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے وہ سب عزت کی زندگی یا شہادت کی موت حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شہر کے عمائد اور رؤساء کو فقیہہ کی قیادت میں جہاد پر کمربستہ دیکھ کر حاکم بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا۔ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ باقاعدہ پیشہ ور فوجی بہت کم تھے اور سلطان جلال الدین کی حالت اب تک اتنی مستحکم نہیں ہوئی تھی کہ وہ دوسرے محاذوں پر توجہ دے سکتے نیز سلطان خراسان میں تھے اور ہمدان کی وہاں سے مسافت اتنی زیادہ تھی کہ سلطان تک پیام پہنچنے اور وہاں سے کسی مدد کے آنے میں ایک عرصہ لگ جانا یقینی تھا جبکہ یہاں تاتاری سر پر کھڑے تھے اور کسی وقت بھی حملہ کر سکتے تھے، اس لیے ان تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے حاکم نے وفد کے ارکان کو مشورہ دیا کہ وہ بغداد کے خلیفہ ناصر کو ایک مفصل خط لکھیں اور اسے ان نازک حالات سے آگاہ کر کے کسی تجربہ کار سالار کی قیادت میں ایک لشکر طلب کریں جو ان کافروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا تحفظ کر سکے۔ چونکہ ہمدان سے بغداد کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا، اس لیے حاکم ہمدان کو امید تھی کہ خلیفہ تاتاریوں کے لشکر کو اتنا قریب پا کر عام مسلمانوں کے لیے نہ سہی، بغداد کے تحفظ کے لیے کچھ نہ کچھ فوج اس طرف ضرور روانہ کر دے گا۔

ہمدان کے عمائد نے اس مشورے کو پسند کیا اور خلیفہ کو کئی خطوط لکھے جس میں اس خوف، دہشت، ہیبت اور ذلت کا نقشہ کھینچا گیا تھا جو کہ تاتاریوں کے ہاتھوں مسلمانوں پر طاری تھی، اس کے بعد خلیفہ کو اسلام اور مسلمانوں کی عزت کی دُہائی دے کر اس سے کم از کم ایک ہزار سوار اور ایک ایسا باصلاحیت سالار روانہ کرنے کی درخواست کی گئی تھی جس کے پرچم تلے اہل ہمدان متفق ہو کر کافروں سے جہاد کر سکیں۔

تاتاریوں سے جنگ کا فیصلہ ..... اہل ہمدان کا قاصد یہ خطوط لے کر بغداد جا رہا تھا کہ راستے میں مخبری ہو گئی۔ تاتاریوں کے گشتی سپاہیوں نے قاصد کو پکڑ کر یہ خطوط برآمد کر لیے جب انہوں نے خطوط پر ہمدان کے عمائد اور حاکم کی مہریں شناخت کیں تو بے حد جھنجھلائے اور حاکم کے پاس جا کر اسے سخت لفظوں میں اس حرکت کے خطرناک عواقب سے آگاہ کیا۔ حاکم نے جواباً اس مکاتبت سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا، اس پر تاتاریوں نے اسے برآمدشدہ خطوط پیش کر دیے جن پر حاکم کی مہر بھی ثبت تھی۔ یہ دیکھ کر حاکم کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ سمجھ گیا کہ اب زندگی اور موت کی بازی لگائے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں رہا۔ تاتاریوں سے رحم کی توقع رکھنا فضول تھا۔ فقیہہ نے جو اس وقت ہمدان کے عوام کے جہادی راہنما بن چکے تھے، اس صورتحال سے آگاہ ہوتے ہی عوام کو مستعد اور چوکس رہنے کا حکم دیا۔ تاتاریوں کا افسر اعلیٰ اب بھی منتظم شہر کی حیثیت سے یہاں موجود تھا، فقیہہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اسے شہر سے باہر نکال دیں اور علمِ جہاد بلند کر دیں۔ لوگوں نے ان کے حکم پر کچھ اضافے کے ساتھ عمل کیا اور تاتاری افسر کو قتل کر دیا۔ شہر کے دروازے بند کر لیے

گئے اور مسلح نوجوان فصیلوں اور برجوں پر جمع ہو کر جہاد کے پُر جوش نعرے لگانے لگے۔

محاصرہ...... شہر کے باہر پڑاؤ ڈالنے والے تاتاری اہل شہر کے بدلتے ہوئے تیور دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ فصیل کے دروازے بند ہو چکے تھے اور دیوار پر مسلح تیرانداز شانہ بشانہ صف بستہ کھڑے تھے۔ تاتاری لشکر نے بھی اپنی صفیں درست کیں اور شہر کا سخت محاصرہ کرلیا۔ اہلِ شہر دیکھ رہے تھے کہ محاصرے کی طوالت ان کے لیے موت کا پیام ثابت ہوگی۔ تاتاریوں کی گرفت اتنی سخت تھی کہ باہر سے کسی خوراک کی دستیابی کا امکان ہی نہ تھا۔ خود شہر میں شدید تنگ دستی تھی، گھروں میں بمشکل چند دن کا راشن تھا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ دور دراز تک کے تمام شہر، دیہات اور وہاں بسنے والے افراد تاتاریوں کی وحشت ناکیوں کا نشانہ بن چکے تھے۔ اب کھیت رہے تھے اور نہ انہیں سیراب کرنے والے کسان، باغات تھے نہ ان کے مالی، چراگاہیں باقی تھیں نہ مویشی، اس لیے باہر سے کسی قسم کے اناج، سبزی، پھل وغیرہ کی درآمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ خوفناک قحط چہار سو پنجے گاڑ چکا تھا۔ رہے تاتاری تو ان کے لیے خوراک کا مسئلہ حل کرنا بالکل آسان تھا، وہ کسی بھی زندہ یا مردہ انسان یا حیوان کے گوشت سے اپنے پیٹ کی آگ بجھا لیتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کو کبھی غلّے یا دانے کی ضرورت نہیں پڑی، بلکہ وہ خود ہی اِدھر اُدھر سے گھاس یا جنگلی جڑی بوٹیاں چر لیا کرتے تھے، اگر اور کچھ نہ ملتا تو وہ اپنے کھروں سے زمین کو کھود کر پودوں کی جڑیں نکال کر کھا لیتے تھے۔ (۴۹) ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے شہر کے عمائد نے یہ فیصلہ کیا کہ بلا تاخیر کھلے میدان میں تاتاریوں سے دوبدو مقابلہ کیا جائے۔ شہر کی باضابطہ فوج بہت کم تھی، سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنی چار لاکھ فوج کو مملکت کے مختلف حصّوں میں تعینات کرتے ہوئے مغربی اضلاع کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت خوارزم شاہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ تاتاری افواج چند ہی ماہ میں اس کے سنگین شہروں کی آہنی زنجیر کو توڑ کر دریائے جیحوں کے پار جا پہنچیں گی۔ اس بناء پر مملکت کے ان مغربی شہروں میں پیشہ ور سپاہیوں کی تعداد برائے نام تھی۔ ہمدان کے دانشور نے افرادی کمی کو پورا کرنے کے لیے شہریوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دے کر ان میں زبردست جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ ہزاروں نوجوانوں نے اپنی جانیں قربان کرنے کا عہد کیا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۵۰)

جنگ کا پہلا دن...... اگلے روز ہمدان کے باہر کھلے میدان میں مسلمانوں اور تاتاریوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ فقیہہ اور حاکم صف اوّل میں لڑ رہے تھے اور اپنی سرفروش فوج کی ہمت بندھا رہے تھے۔ شام تک معرکہ کارزار گرم رہا، مگر جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب دونوں فریق میدان چھوڑ کر ہٹے تو میدان جنگ میں تاتاریوں کی لاشوں کا کوئی حد و شمار نہ تھا۔ مسلمانوں میں سے بھی ایک بڑی تعداد قربان ہو چکی تھی، زخمیوں کا شمار بھی کم نہیں تھا، خود فقیہہ بھی زخمیوں میں شامل تھے، انہیں چند خطرناک زخم آئے تھے تاہم ان کا صبر و تحمل قابل دید تھا کہ وہ کسی تکلیف کے اظہار کے بجائے کل کی جنگ کی منصوبہ بندی میں مشغول تھے۔ (۵۱)

جنگ کا دُوسرا دن...... اگلے دن دونوں لشکر پھر آپس میں بھڑ گئے اور گزشتہ دن سے بڑھ کر شدید جنگ شروع ہوگئی، ہمدان کے سرفروش تعداد کی کمی کے باوجود آج تاتاریوں پر چھاتے ہوئے نظر آرہے تھے، تاتاریوں کی لاشوں کے کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ فقیہہ زخمی حالت میں بھی مجاہدین کی قیادت کر رہے تھے اور درحقیقت یہ ان کی حوصلہ مندی اور عالی ہمتی تھی جس نے اہل ہمدان کو مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر جہاد کے ولولے کی لذت سے آشنا کیا

تھا۔اپنے ہردلعزیز رہنما کوزخمی ہونے کے باوجود دادِ شجاعت دیتا دیکھ کران کے حوصلے مزید بڑھ گئے تھے۔دن بھر معرکہ جاری رہااور سرِ شام دونوں لشکر اپنے زخمیوں کوسنبھالتے ہوئے میدانِ جنگ سے ہٹ گئے۔اس دن کی جنگ کے اختتام پر تاتاری اور مسلمان دونوں نہایت تشویشناک صورتحال کا سامنا کررہے تھے۔تاتاری اپنے مقتولین اور زخمیوں کی کثرت کی وجہ سے پریشان تھے اوران کے اندر مزید لڑنے کا حوصلہ نہیں رہا تھا،ان کے سالار اگلے روز کی لڑائی میں شکست فاش کا خطرہ محسوس رہے تھے اور مشورہ کررہے تھے کہ یہاں سے کوچ کر جائیں۔

دوسری طرف مسلمان اپنے قائد کوزخموں سے چور دیکھ کرسخت حواس باختہ تھے،فقیہہ کودوسرے دن کی لڑائی میں مزید کئی زخم آچکے تھے۔اب وہ اس قابل نہ تھے کہ اگلے دن کے فیصلہ کن معرکہ میں ان کی قیادت کرسکتے ،فقیہہ کے بعد وہ دوسرا شخص جو میدانِ جنگ میں فوج کی کمان کرسکتا تھا ہمدان کا حاکم تھا،مگراس نازک موقع پر وہ انتہائی پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اہل خانہ کو لے کرایک خفیہ سرنگ کے ذریعے شہر سے فرار ہوگیا تھا۔ہمدان کے عوام بڑی بے تابی سے اسے تلاش کرتے رہے،مگروہ نہ ملا۔کسی رہنما کی عدم موجودگی میں کھلے میدان میں قدم جما کرلڑنا محال تھا۔ اگلے دن کی متوقع فتح اب بڑی حدتک ناممکن دکھائی دے رہی تھی،اہل شہر نے فیصلہ کیا کہ اب وہ فصیل بندرہ کرتادمِ آخر مقابلہ کرتے رہیں گے۔ (۵۲)

تاتاریوں کا شہر پر قبضہ ..... تاتاری اگلے دن کوچ کا تہیہ کرچکے تھے،مگر جب طلوع آفتاب کے بعد شہر کے دروازوں پرکوئی حرکت نہ دکھائی دی تو وہ سمجھ گئے کہ مسلمان بھی اندرونی طور پرشدید کمزوری کا شکار ہیں اورلڑائی سے کترارہے ہیں۔یہ دیکھ کرتاتاریوں کے حوصلے بڑھ گئے اورانہوں نے ازسرِنومنظم ہوکرشہر پر پے در پے حملے شروع کیے اوراہل شہر کی زبردست مزاحمت کے باوجود شہر میں داخل ہوگئے۔ہمدان کے چوکوں اور بازاروں میں تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں،تنگ گلیوں میں جہاں حملہ آوروں کے رش کی وجہ سے تلواریں اور نیزے استعمال کرنے کا موقع نہیں تھا،خنجرزنی کے جوہر کھلنے لگے،اب مسلمان صرف عزت کی موت کے لیے لڑرہے تھے۔چونکہ تاتاری منظم تھے اور مسلمان منتشر اور پھر یہ ایک باقاعدہ فوج اور ناتجربہ کارعوام کا مقابلہ تھا،اس لیے کئی دن کے قتل عام کے بعد ہمدان کے تمام مردوزن تاتاریوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے،مگرخودتاتاریوں کے مقتولین کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ (۵۳)

قتلِ عام سے فارغ ہونے کے بعد کوچ سے قبل تاتاریوں نے حسبِ عادت شہر کوجلا کرراکھ کردیا۔ہمدان کی تباہی و سوختگی کا یہ حسرت ناک سانحہ رجب ۶۱۸ھ میں پیش آیا۔ (۵۴)

شہداء کی تعداد،مبالغہ آرائی یا حقیقت..... قتل وغارت گری کی یہ کیفیت اور مقتولین کی یہ کمیّت آج مبالغہ آرائی محسوس ہوتی ہے،بلکہ بعض ذہنوں کواس دور کے شہروں میں آبادی کی اتنی کثرت بھی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہوگی،مگر یہ سب کچھ حقیقت ہے چاہے ہم اسے بعید گمان کریں۔

غور کیجئے!وہ دور عالمِ اسلام میں صنعت وحرفت اور معیشت واقتصادیات کا سنہری دور تھا۔ان دنوں دنیا بھر کے براعظموں سے لوگ اسی طرح عالمِ اسلام کا رُخ کرتے تھے جیسے آج تلاشِ معاش کے لیے ہم مغربی ممالک کی طرف لپکتے ہیں۔پھر عالمِ اسلام کے یہ شہر جو تاتاریوں کی شمشیر کی بھینٹ چڑھے،اپنی دولت،پیداوار آبادی اور خوشنمائی میں عالمِ اسلام کے تمام شہروں سے ممتاز تھے۔اس وقت بغداد کی آبادی کا بیس لاکھ تک ہونا تو مشہور ومتواتر بات ہے۔وسط ایشیا

کے یہ شہر بھی آبادی میں بغداد کے برابر نہیں تو اس کے قریب قریب ضرور تھے۔ انہیں دنیا کی عالمی منڈیوں کی حیثیت حاصل تھی، یہ بین الاقوامی علمی اور صنعتی مراکز تھے اور صدیوں سے اسی طرح آباد چلے آرہے تھے۔ تاریخ قبل از اسلام میں بھی انہیں بڑے اور مرکزی شہروں کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر خلفائے اسلام اور سلاطین کے دور میں ان کی حیرت انگیز ترقی دور دراز کی آبادی کو مسلسل کھینچ کر لاتی رہی، اس لیے ان کی آبادی کا لاکھوں تک پہنچ جانا قطعاً بعید نہیں۔ علاوہ ازیں جنگ کے دنوں میں آس پاس کے دیہاتوں کی آبادی کا شہروں کا رخ کرنا تو ایک یقینی امر ہے ہی، مگر تاتاریوں کی اس ہولناک یلغار کے دنوں میں تو دور دراز کے شہروں اور قصبوں سے بھی لوگ ہجرت کر کر کے، مغرب اور جنوب کے شہروں میں پناہ لے رہے تھے، اس لیے مؤرخین نے یہاں کے شہداء کی جو تعداد لکھی ہے وہ کسی عقلی اصول کے منافی نہیں ہے۔

ہیرلڈ لیمب لکھتا ہے:

> ''آج ان خونین تفصیلات کے بیان ہی سے دہشت معلوم ہوتی ہے، یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی، اس حد تک جیسا کہ دوسری عالمگیر جنگ، یہ بغیر منافرت کے بنی نوع آدم کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا، اس قتل عام نے عالمِ اسلام کے قلب کو ایک طرح کا چٹیل میدان بنا دیا۔ جو لوگ اس قتل عام سے بچ جاتے وہ روحانی طور پر اس قدر مضمحل اور پریشان ہوتے کہ بجز اس کے کہ کسی نہ کسی طرح کچھ کھا لیتے اور پھر چھپ جاتے، کسی کام کے نہ رہتے تھے...... حکم یہ تھا کہ مسمار شدہ شہروں میں پھر سے انسان آباد نہ ہونے پائیں، ان شہروں کے نشان اس سرزمین پر داغوں کی طرح باقی رہتے جو کسی زمانے میں بڑی زرخیز تھی۔ ایک مرتبہ سے زیادہ یہ ہوا کہ جہاں کوئی شہر آباد تھا وہاں ہل چلایا گیا اور غلّہ کاشت کیا گیا۔'' (۵۵)

حیرت کی بات یہ تھی کہ قتل عام کا پورا زور صحیح العقیدہ مسلمانوں (اہل سنت والجماعت) کے شہروں پر تھا، اس کے برعکس شمالی ایران میں باطنی گروہ کے شہر بالکل مامون تھے، حالانکہ وہ خوارزمی سرحدوں سے متصل تھے، موفق بغدادی اس بارے میں واسط کے ایک تاجر کا بیان نقل کرتے ہیں جو تاتاریوں سے بچ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا تھا، تاتاریوں نے ہرات کی طرف کوچ کیا تو وہ باہر نکلا، وہ تاجر بتاتا ہے:

> ''ہم سات افراد پہاڑوں سے اترے اور لاشیں گننے لگے، یہ پانچ لاکھ، پچاس ہزار لاشیں شمار کیں، ان کے علاوہ بے شمار مال و اسباب ہر طرف بکھرا ہوا تھا۔ پھر ہم باطنیوں کے شہروں سے گزرے، وہاں سب کچھ سلامت تھا، ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔'' (۵۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری شروع سے مسلمانوں کے مختلف طبقات اور فرقوں کا فرق سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک بعض فرقے قابلِ لحاظ اور قابلِ اعتماد تھے جن سے مطلب کا کام لیا جا رہا تھا یا لیا جا سکتا تھا۔

حواشی وحوالہ جات

① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
② جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۲..... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴..... جہاں کشا جوینی، ج ۲، ص ۱۳۲
④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۷۔ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵
⑤ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۴
⑥ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۱..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
⑦ خوارزم شاہی، ص ۲۲۷
⑧ چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۸
⑨ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۶
⑩ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۶، ۱۳۷
⑪ چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۹
⑫ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۵ تا ۳۷..... جہاں کشا ج ۱ ص ۱۳۱ تا ۱۴۰
⑬ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۲..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۱ ذ
⑭ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۴۱
⑮ تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۴۲
⑯ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵
⑰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۳۲..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۵
⑱ چنگیز خان، باب نمبر ۱۷ ص ۱۳۱
⑲ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴
⑳ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۱۳..... تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۲۴
㉑ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۷
㉒ سیرۃ جلال الدین ص ۱۱۵..... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۲۴
㉓ چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵
㉔ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
㉕ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
㉖ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۷، ۳۸..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳
㉗ روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۷..... جہاں کشا، ج ۱، ص ۱۳۳..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۸۹..... یاد رہے کہ علی بن موسیٰ

رضا کے مقبرے کے انہدام کا ذکر ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵ پر اور ہارون الرشید کے مزار کی تباہی کا ذکر البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۰۶ پر بھی ہے۔

(۲۸) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۸
(۲۹) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۷
(۳۰) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۳۷، ۳۸
(۳۱) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۸...... جہاں کشا، ج ا، ص ۱۳۳ تا ۱۴۰
(۳۲) روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۳۷، ۳۸
(۳۳) جہاں کشا، ج ا، ص ۱۳۳ تا ۱۴۰...... افغانستان در مسیر تاریخ، ص ۲۱۹
(۳۴) سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۳۲۹۔ تاریخ نامہ ہرات کے مؤلف سیف الدین ہروی نے یہ تعداد سترہ لاکھ چالیس ہزار بتائی ہے۔ ملاحظہ ہو مذکورہ کتاب کا ص ۶۳، نیز تاریخ نہضتہائے ملی ایران، ص ۵۲۲۔
(۳۵) بحوالہ مراۃ الاسرار ص ۶۷۲
(۳۶) تاریخ اسلام کبیر ذہبی، طبقہ ۶۲ حوادث سن ۶۱۷ھ
(۳۷) چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵
(۳۸) مراد دریائے مرغاب ہے، اسی کو مرو الرود بھی کہا جاتا ہے۔
(۳۹) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۶
(۴۰) جہاں کشا، ج ا، ص ۱۱۹ تا ۱۳۲
(۴۱) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴...... چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵
(۴۲) روضۃ الصفاج ۵، ص ۳۶
(۴۳) روضۃ الصفاج ۵، ص ۳۶...... چنگیز خان باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۵...... جہاں کشا، ج ا، ص ۱۱۹ تا ۱۳۲
(۴۴) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۱...... خوارزم شاہی، ص ۱۲۳
(۴۵) مفرج الکروب، ج ۴، ص ۶۰ بحوالہ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲، ص ۲۴۰...... ابن اثیر نے بھی یہ تعداد سات لاکھ نقل کی ہے، دیکھیے ج ۷ ص ۵۹۱
(۴۶) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۷
(۴۷) معجم البلدان میں مرو، خوارزم اور بخارا کے حالات ملاحظہ کیے جائیں۔
(۴۸) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۷
(۴۹) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴
(۵۰) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴، ۵۸۵
(۵۱) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴، ۵۸۵
(۵۲) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴، ۵۸۵
(۵۳) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴، ۵۸۵
(۵۴) تاریخ الکامل لابن اثیر، ج ۷، ص ۵۸۴، ۵۸۵
(۵۵) چنگیز خان، باب نمبر ۱۸ ص ۱۳۷، ۱۳۸
(۵۶) تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۷

تیسرا باب

سرزمینِ جہاد کے معرکے

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جواس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہوکرلڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔(سورۃ الصف، آیت نمبر۴)

عشق کو فریاد لازم تھی سو وہ ہو بھی چکی　　اب ذرا دل تھام کر فریاد کی تاثیر دیکھ

تو نے دیکھا سطوتِ رفتارِ دریا کا عروج　　موجِ مضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ

ہرات کا معرکہ ...... اس باب میں ہم تاتاریوں کے خلاف ہونے والی ان جنگوں اور مزاحمتوں کا ذکر کریں گے جن کے مراکز وہ علاقے تھے جو موجودہ افغانستان میں شامل ہیں۔ مجاہدین کی یہ سرزمین صدیوں سے ایک قابلِ فخر تاریخ رکھتی ہے۔ یہاں کے بہادر مسلمانوں نے کبھی کسی جارح طاقت کے آگے ہتھیار نہیں ڈالے، وہ کٹ گئے مگر کبھی جھکے نہیں۔ چنگیز خان سے لے کر برطانیہ، رُوس اور امریکا تک ہر سامراجی طاقت کو افغانستان میں یکساں تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آیئے! دیکھتے ہیں کہ اس دور میں چنگیز خان کا بے لگام لشکر جب سرزمینِ جہاد کی حدود میں داخل ہوا تو یہاں کیسے کیسے معرکے برپا ہوئے۔ اس داستان کی ابتداء ہم ہرات سے کرتے ہیں۔

ہرات افغانستان کے ان قدیم اور بڑے شہروں میں سے ایک ہے جو اسلام سے پہلے بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا، خوارزمی دور میں اس کی رونق کا یہ عالم تھا کہ یہاں مدارس، خانقاہوں اور لنگر خانوں کی تعداد ۳۵۰ سے کم نہ تھی۔ بازاروں میں بارہ ہزار کے لگ بھگ دکانیں تھیں اور ہجوم کے باعث کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ (۱)

مرو اور نیشاپور کو خاکستر کر کے چنگیز خان کا سب سے جنگجو، خونریز اور شاطر بیٹا تولی خان ایک زبردست لشکر لیے ہرات کی طرف بڑھا۔ ایک سال قبل محمد خوارزم شاہ کے تعاقب میں جانے والے تاتاری جرنیل جبی نویان اور سوبدائی ہرات سے بھی ہو کر گزرے تھے، مگر شاہ کے تعاقب میں جلد بازی کے باعث انہوں نے یہاں کی آبادی سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اور حاکم ہرات امین الملک سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد و پیمان لینا کافی سمجھا تھا۔ تاتاریوں کے جانے کے بعد امین الملک اپنے وفادار سپاہیوں کے ساتھ ہرات سے نکل کر موجودہ افغانستان کے جنوبی صوبے سیستان کی طرف چلا گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں شمس الدین محمد نامی ایک بااثر سردار کو ہرات کا نیا حاکم مقرر کر دیا گیا۔ وہ ایک باہمت اور نڈر انسان تھا، تاتاریوں سے ذرہ برابر خائف نہ تھا۔ دشمن کی یلغار سے پہلے پہلے اس نے ہرات کے دفاع کے بھرپور انتظامات کر لیے تھے۔ دوسرے کئی شہروں کی طرح ہرات میں بھی سلطان جلال الدین کے اعلانِ جہاد کے اثرات کام کر چکے تھے، اس لیے امراء اور سرداروں سے لے کر عام سپاہیوں میں بھی جہاد کا زبردست جوش و خروش

پیدا ہو چکا تھا۔ عوام بھی لڑنے کے لیے بے تاب تھے، ہر کہ و مہ جنگ پر آمادہ تھا۔ چند بعد تولی خان اپنے لاؤلشکر سمیت ہرات کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے شہر سے باہر کھلے میدان میں پڑاؤ ڈالا اور ایک قاصد کی معرفت حاکمِ ہرات کو یہ پیغام بھجوایا: ''اگر تم اپنی خیر چاہتے ہو تو مزاحمت ترک کر کے شہر کے دروازے کھول دو۔''

شمس الدین محمد تاتاریوں کے قاصد کا پیغام پڑھ کر غصے سے بھڑک اُٹھا اور چلاّیا: ''خدا اس دن کو غارت کرے جب میں ان وحشیوں کی اطاعت کا طوق اپنی گردن میں ڈالوں۔''

یہ کہہ کر اس نے قاصد کو قتل کرا دیا۔ قاصد کے قتل پر تولی خان کے وہی جذبات تھے جو ایسے موقعے پر کسی بے رحم، خونخوار درندے کے ہو سکتے ہیں۔ اس نے پوری طاقت سے شہر پر حملہ کر دیا، مگر اس کی وحشیانہ اور بے لگام قوت جو ہر مزاحمت کو پل بھر میں کچل سکتی تھی، اہلِ ہرات کے حوصلے کے آگے کام نہ دے سکی۔ شمس الدین محمد نے اپنے بہادروں کو اس مہارت سے لڑایا کہ تولی خان انگشت بدنداں رہ گیا۔ صرف سات دن کی لڑائی میں وہ بڑے بڑے تاتاری سردار مارے گئے جن پر تولی خان اور اس کا باپ فخر کیا کرتے تھے۔ عام تاتاری سپاہیوں کی لاشوں کا کوئی حد وشمار ہی نہ تھا۔ یہ صورتحال تاتاریوں کے لیے تشویش ناک اور مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھی، مگر ہوتا ہی ہے جو خدا کو منظور ہو.....

آٹھویں دن جبکہ شمس الدین محمد کمال شجاعت کے ساتھ کھلے میدان میں اپنی فوج کو لڑا رہا تھا اور تولی خان اس کی جرأت وہمت پر پسینے پسینے ہو رہا تھا، یکا یک ایک تیر شمس الدین کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ زخم اتنا کاری تھا کہ اس شیرِ نر نے وہیں جامِ شہادت نوش کیا اور ابدی مسرتوں سے ہم کنار ہوا۔

شمس الدین کی شہادت کے بعد اہلِ شہر میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ عوام اور سپاہی جنگ جاری رکھنے پر مُصر تھے، اس لیے کہ تاتاری لشکر مسلسل نقصان اُٹھانے کی وجہ سے کمزور پڑ گیا تھا اور چنگیز خان کی جانب سے کمک آنے سے پہلے پہلے اسے شکست دینا زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف شہر کے امراء اور عمائد مصالحت پر زور دے رہے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ہماری وقتی فتح چنگیز خان کے انتقامی جذبے کو مزید برانگیختہ کر دے گی اور اس فوج کے پیچھے وہ ایسا زبردست لشکر بھیجے گا جو ہرات کو خاکستر کیے بغیر دم نہیں لے گا۔

نویں دن ہرات کی فصیلوں پر خاموشی دیکھ کر تولی خان نے بھانپ لیا کہ اہلِ شہر لڑائی جاری رکھنے کے بارے میں متذبذب ہیں۔ تولی خان گزشتہ دنوں کی جنگ میں اپنے کمزور پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے خود بھی لڑنے سے کترا رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا فصیل کے سامنے خندق کے کنارے آ کر رُکا۔ اپنے باپ کی طرح وہ دھمکی آمیز بیانات سے حریف کو مرعوب کرنا جانتا تھا۔ سر سے ''خَود'' اُتارنے کے بعد اس نے چلاّ کر کہا:

> ''ہرات کے لوگو! کان کھول کر سن لو! میں تولی خان ہوں، چنگیز خان کا بیٹا، اگر تمہیں اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جانیں عزیز ہیں تو ہتھیار ڈال دو اور سالانہ خراج کا نصف پیشگی میرے حوالے کر دو۔ میں تمہاری جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔''

شہر کے عمائد نے باہمی مشوروں کے بعد جان ومال کے تحفظ کی شرط پر تاتاریوں کے لیے شہر کے دروازے کھولنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

اس معاہدے کے بعد جب تاتاری لشکر شہر میں داخل ہوا تو تولی خان نے جان بخشی کے عمومی وعدے میں من مانی تخصیص کرتے ہوئے ان تمام لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا جو کسی بھی طور پر مزاحمت میں شریک رہے تھے یا سلطان

جلال الدین کے حامی تھے۔ آناً فاناً تاتاریوں کی تلواریں نیام سے نکل آئیں اور کم وبیش دس بارہ ہزار افراد کو مزاحمت میں شرکت یا سلطان جلال الدین کی حمایت کے الزام میں شہید کر دیا گیا۔ ②

مسند العصر محدث بزاز رحمہ اللہ کی شہادت ...... ان شہداء میں عظیم محدث امام عبدالمعز محمد ابوالروح الہروی البزاز رحمہ اللہ بھی شامل تھے جنہیں ''مسند العصر'' کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ اس دور میں عالمِ اسلام کے واحد محدث تھے جو صرف سات واسطوں سے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کیا کرتے تھے۔ ③ ان کی عمر چھیانوے برس تھی۔ ④

ہرات کے سقوط کا یہ سانحہ ربیع الاوّل ۶۱۸ھ کو پیش آیا۔ ⑤ اہل ہرات میں سے جو لوگ قتل عام سے بچ گئے تھے، تولی خان انہیں غلامی کی رسوا کن زنجیروں میں جکڑ کر واپس چلا گیا۔ تاتاریوں کی جانب سے ملک ابوبکر کو شہر کا کٹھ پتلی حاکم اور تاتاری افسر منکتائی کو یہاں کا منتظم بنا دیا گیا۔

قاضی وحید الدین کا عجیب قصہ ...... قاضی وحید الدین ہرات کے نامور عالمِ دین اور نکتہ رس فقیہہ تھے۔ تاتاریوں کے خلاف اس جہاد میں وہ زرہ اور خود میں ملبوس، ہتھیار لگائے، فصیل شہر کے اس برج پر چڑھے ہوئے تھے جس کے سامنے میدان میں تولی خان کا خیمہ تھا۔ قاضی صاحب دشمن پر تیر برسا رہے تھے کہ مجمعے کے اژدحام کی وجہ سے اچانک ان کا پاؤں پھسلا، وہ بلند فصیل سے نیچے آرہے اور لڑھکتے ہوئے فصیل کے باہر کھودی گئی گہری خندق میں گر گئے۔ سب سمجھے کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، مگر کچھ دیر بعد وہ بالکل صحیح و سلامت خندق سے باہر نکل آئے۔ تاتاریوں نے ان پر تیر چلائے مگر ان کی زندگی باقی تھی، سب کے نشانے چوک گئے۔ تولی خان یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ حکم دیا کہ ان کو قتل نہ کیا جائے۔ اس نے قاضی صاحب کو اپنے پاس بلا کر پوچھا:

''تم کون ہو، جن ہو، فرشتے ہو یا کوئی اور آسمانی مخلوق؟۔''

قاضی صاحب نے جواب دیا: ''ایسی کوئی بات نہیں، میں ایک عام انسان ہوں۔''

تولی نے دریافت کیا: ''پھر زندہ کیسے بچے رہے۔''

قاضی صاحب نے چاپلوسی سے کام لے کر کہا: ''مجھے کوئی گزند اس لیے نہ پہنچ سکی تاکہ آپ جیسے حکمرانوں کا منظورِ نظر بن سکوں۔''

ہر مغرور فاتح کی طرح تولی کو بھی یہ خوشامدانہ جواب پسند آیا، بولا: ''تم بڑے قابل آدمی ہو، اس لائق ہو کہ خان اعظم کے درباری بنو۔''

یہ کہہ کر اس نے قاضی صاحب کو بڑی عزت کے ساتھ چنگیز خان کے پاس بھیج دیا۔ چنگیز خان کو تاریخی قصے سننے کا شوق تھا۔ قاضی وحید الدین اسے اس مقصد کے لیے موزوں معلوم ہوئے، اس لیے اس نے انہیں اپنے دربار میں قصہ گو کے طور پر ملازم رکھ لیا اور ان سے خوارزم کے حکمرانوں کے تاریخی واقعات سنتا رہا۔ کچھ عرصہ اسی طرح گزرا، ایک چنگیز خان نے ان کی تاریخ دانی سے متاثر ہو کر ان سے پوچھا:

''کیا خیال ہے اس قتل عام کے باعث دنیا میں میرا نام عجیب وغریب طور پر مشہور رہے گا؟''

قاضی صاحب نے جان کی امان پانے کے وعدے پر فرمایا: ''انسان کا نام انسانوں کے درمیان ہی باقی رہتا ہے، جب خان اعظم انسانوں کو اس طرح قتل کرتے چلے جائیں گے تو ان کا نام لینے والا کون باقی رہے گا؟''

یہ سن کر چنگیز خان برہم ہوگیا۔ تیر کمان ہاتھ میں تھا، غصے سے زمین پر پھینک مارا اور بولا: ''میں تجھے عقلمند خیال کرتا تھا، مگر تو بڑا بے وقوف نکلا۔ میں نے محمد خوارزم شاہ کی قوم کو ہلاک کیا ہے مگر دنیا میں اور بہت سی قومیں ہیں جنہیں میں نے ہلاک نہیں کیا، ان میں میرا نام زندہ رہے گا۔''

قاضی صاحب کو جان کے لالے پڑ گئے۔ چنگیز خان نے مجلس برخاست کی تو قاضی صاحب موقع پا کر وہاں سے فرار ہو گئے۔ ⑥

سلطان جلال الدین کی سرزمین جہاد کو روانگی ..... تاتاری افواج کی نقل وحرکت کی تازہ اطلاعات سے سلطان جلال الدین کو یقین ہو چکا تھا کہ اب چنگیز خان اپنی اصل قوت کے ساتھ کابل اور غزنی کا رُخ کرنے والا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک چنگیز خان سے براہ راست ٹکر لے کر اسے سبق نہیں چکھایا جائے گا تاتاری یلغار رکنے میں نہ آئے گی۔ نیز ان کے پاس فی الحال اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ تمام محاذوں پر لڑ سکتے، اس لیے اردگرد کے علاقوں میں تازہ تاتاری یورش سے قطع نظر کر کے اپنی جمعیت کے ساتھ غزنی روانہ ہوئے تاکہ دوبدو چنگیز خان سے دودو ہاتھ کر کے اس عالمی فتنے کی روک تھام کی جا سکے۔

ان حالات میں جبکہ یورپ اور افریقہ تک کے حکمران چنگیز خان کے نام سے کانپ رہے تھے سلطان جلال الدین کا حوصلہ قابل صد تحسین تھا کہ وہ اس پیکرِ وحشت و بہیمیت سے ذرّہ بھر بھی ہراساں نہیں تھے۔ چونکہ عالمِ اسلام کا مردم خیز اور گنجان آباد خطّہ تاتاری یلغار کے بعد اجڑ چکا تھا اور باقی ماندہ آبادی میں اکثر لوگ وہی رہ گئے تھے جو تلوار اُٹھانے کے قابل نہ تھے، اس لیے سلطان جلال الدین کی مسلسل کوششوں کے بعد اب بھی ان کے ہمراہ سرفروشوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہیں تھی البتہ انہیں افغان سرداروں کی جانب سے اعانت کی امید تھی۔

اہل زوزن کی بے حمیتی ..... سلطان جلال الدین اپنی تلاش میں سرگرداں تاتاری فوج کی آنکھوں میں دھول جھونکتے، راہ میں مزاحم ہونے والی گشتی ٹولیوں کو مارتے کاٹتے ہوئے ''زوزن'' جا پہنچے جو نیشاپور اور ہرات کے درمیان ایک فصیل بند شہر تھا۔ تعاقب کرنے والے تاتاری لشکر کی دسترس سے دور رہنے کے لیے سلطان اور ان کے ساتھی کئی دن سے مسلسل سفر کر رہے تھے۔ تھکن سے ان کا بُرا حال تھا، ان کی سواریوں کو بھی آرام کی ضرورت تھی۔ سلطان نے فصیلِ شہر سے باہر رک کر وہاں کے باشندوں سے التماس کی کہ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو کچھ دیر شہر میں ٹھہرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ اپنی حالت درست کر سکیں اور اگر تاتاری لشکر آن پہنچے تو وہ اس سے مقابلہ کے لیے تازہ دم ہو سکیں۔

اہل زوزن نے سلطان کی درخواست کو نہایت سنگدلانہ انداز سے رد کرتے ہوئے جواب دیا: ''ہم شہر کے دروازے نہیں کھولیں گے اور اگر تاتاری لشکر آپ پر حملہ آور ہوا تو آپ کے سامنے ان کی شمشیریں ہوں گی اور پشت کی جانب سے ہم آپ پر سنگ باری کریں گے۔''

ان بزدل اور نام نہاد مسلمانوں کا یہ زہریلا جواب سن کر سلطان جلال الدین حیران رہ گئے۔ وہ چاہتے تو بزورِ قوت شہر میں داخل ہونا، ان کے لیے کوئی مسئلہ نہ تھا، مگر ان حالات میں وہ مسلمانوں سے الجھنا سخت نقصان دہ خیال کرتے تھے، اس لیے اہل زوزن کو ان کے حال پر چھوڑ کر وہ زوزن سے کچھ دور ''ماہژ نا آباد'' جا کر ٹھہر گئے مگر تاتاریوں کا خطرہ بدستور موجود تھا، اس لیے نصف شب کو سلطان نے یہاں سے بھی کوچ کر دیا۔ صبح کے وقت تاتاری بھی تعاقب کرتے کرتے ماہژ نا

آباد تک پہنچ گئے، یہاں انہیں درست خبر نہ مل سکی کہ سلطان جلال الدین کدھر گئے ہیں، وہ اندازے سے ہرات کی طرف روانہ ہو گئے مگر نواحِ ہرات میں ''بردویہ'' تک سلطان کا کوئی سراغ نہ ملا تو ناکام واپس لوٹ گئے۔ ⑦

اس دوران سلطان زوزن کی سرحدوں ہی میں ایک نہایت مضبوط قلعے تک پہنچ گئے تھے جسے قلعہ قاہرہ کہا جاتا تھا، اسے کرمان کے حاکم مؤید الملک نے تعمیر کرایا تھا۔ سلطان نے وہاں پناہ لینا چاہی، قلعہ دار عین الملک اگرچہ سلطان کی رعایا میں شامل تھا مگر اس وقت سب کو اپنی اپنی پڑی تھی، اس نے اپنے آقا مؤید الملک سے رابطہ کیا، مؤید الملک گھبرا گیا کہ کہیں سلطان کی مدد کر کے وہ تاتاریوں کے عتاب کا نشانہ نہ بن جائے چنانچہ اس نے عین الملک کو یہ شاعرانہ اور منافقانہ پیغام دے کر سلطان کی خدمت میں بھیج دیا:

''بادشاہوں کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی قلعے میں محصور ہو کر رہیں، چاہے وہ قلعہ ستاروں کی بلندی پر ہو۔ بادشاہوں کے قلعے گھوڑوں کی پشت پر ہوتے ہیں، شیروں کو شہروں سے کیا واسطہ...... اگر ان حالات میں آپ قلعہ بند ہو گئے تو تاتاری تمام شہروں کو فنا کرتے چلے جائیں گے اور اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔''

سلطان نے جاتے جاتے قلعہ دار سے زادِ راہ کے لیے رقم کا مطالبہ کیا، اس نے اشرفیوں کی تھیلیاں پیش کر دیں جو فیاض طبیعت سلطان نے اپنے رفقاء میں بانٹ دیں۔ ⑧

دریائے آمو کے جنوبی علاقوں (موجودہ شمال مغربی افغانستان) پہنچ کر سلطان جلال الدین نے جان لیا تھا کہ یہ علاقہ ان کے لیے قطعاً سازگار نہیں، یہاں کوئی شہر اور کوئی قلعہ انہیں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ تاتاریوں کی گرفت یہاں مضبوط ہو چکی تھی، اس علاقے کا سب سے بڑا شہر ہرات تاتاریوں کے زیرِ تسلط آ چکا تھا۔ الغرض شمالی افغانستان میں قدم جمانا مشکل نظر آ رہا تھا۔

ان حقائق کے پیشِ نظر سلطان جلال الدین نے جلد ہی پوری برق رفتاری سے سیستان (جنوبی افغانستان) کا رخ کیا۔ یہی وہ علاقہ تھا جو سلطان جلال الدین کو شہزادگی کے زمانے میں باپ کی طرف سے بطورِ جاگیر ملا تھا۔ تاتاریوں سے مقابلے کے لیے اس سے زیادہ سازگار علاقہ اب کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی سفر میں انہیں نیشاپور اور مرو کی تباہی کی خبر ملی جس کے بعد سلطان کا یہ خیال یقین میں بدل گیا کہ جنوبی خراسان کے سوا اب کوئی اور سرزمین جہاد کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ ⑨

حضرت خضر علیہ السلام کی بشارت..... قاضی منہاج السراج بیان کے مطابق دورانِ سفر کرمان کے قریب خراسان کے صحرائے عظیم میں سلطان کی ملاقات حضرت خضر علیہ السلام سے ہوئی جنہوں نے انہیں عن قریب اقتدار ملنے کی بشارت دی، ساتھ ہی یہ وعدہ لیا کہ ان کے ہاتھ سے کسی مسلمان کا خون نہیں بہنا چاہیے۔ ⑩

چنگیز خان کی پیش قدمی..... مختلف محاذوں پر افواج روانہ کرنے کے بعد ان دنوں چنگیز خان خود بھی نئے خطوط پر یلغار شروع کر چکا تھا۔ اس نے سمرقند سے کوچ کر کے دریائے آمو کے ساتھ ساتھ مشرق کی جانب دریائے آمو کے منبع کا رخ کیا جہاں صوبہ بدخشاں کا واقع ہے جو ہندوستان، کشمیر، چین، افغانستان اور وسطِ ایشیا کے مابین سنگم کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدخشاں، فرغانہ اور دریائے آمو کے منبع کے قریب، سطحِ مرتفع پر قبضہ کر کے اس نے اپنے حریفوں کے لیے ایک اہم شاہراہ مسدود کر دی۔ ⑪ اس کے ساتھ ساتھ اس نے ایک فوج ترمذ پر حملے کے لیے بھیجی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کے

شہر کے باشندے لڑنے مرنے پر آمادہ تھے، گیارہ روز کی متواتر جنگ کے بعد تاتاری شہر پر قابض ہو گئے۔

یہاں دریائے آمو کے کنارے ''قلات'' نامی مشہور قلعہ تھا۔ شدید لڑائی کے بعد تاتاریوں نے اسے بھی فتح کر لیا۔ قلعے اور شہر میں تاتاریوں نے جن افراد کو جبری مشقت کے لیے مفید سمجھا انہیں قید کر لیا اور باقی ماندہ آبادی کا قتل عام کر کے خون کا دریا بہادیا۔ (۱۱)

بلخ کی تباہی...... چنگیز خان کا اگلا نشانہ بلخ کا گنجان اور دولت مند شہر تھا جسے قبۃ الاسلام بھی کہا جاتا تھا کیوں کہ یہ صوفیاء، سادات اور علماء کا شہر تھا۔ چنگیز خان نے دریائے آمو عبور کر کے اس شہر کا محاصرہ کیا تو اہل ترمذ کا انجام دیکھ کر سہمے ہوئے عوام نے جان کی امان کے وعدے پر شہر اس کے حوالے کر دیا۔ ویسے بھی شہر کے گرد فصیل نہ تھی لہٰذا مزاحمت ممکن نہ تھی۔ چند دن تو چنگیز خان اپنے وعدے پر قائم رہا، مگر جب اسے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے جنوبی خراسان پہنچنے کی اطلاع ملی تو اس نے خطرہ محسوس کرتے ہوئے اپنا وعدۂ جاں بخشی پس پشت ڈال دیا اور بلخ کو مکمل طور پر لوٹنے کے بعد تمام اہلِ شہر کو قتل کرا دیا۔ (۱۲)

میر خواند کا بیان ہے کہ بلخ میں قتل کیے جانے والے صرف سادات اور مشائخ کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ (۱۳)

فاریاب اور زوزن...... بلخ کے بعد تاتاریوں نے زوزن، میمنہ، اندخوئی اور فاریاب پر کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر قبضہ کر لیا اور یہاں کے باشندوں کو قتل کرنے کے بجائے قیدی بنا کر اگلے معرکوں میں جبری مشقت کے لیے ساتھ لے لیا۔ (۱۴) چند روز قبل تاتاریوں کی حمایت میں سلطان جلال الدین کو سنگ باری کی دھمکیاں دینے والے زوزنی اب تاتاریوں کے ہاتھوں موت سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔

طالقان کا محاصرہ...... اس سے قبل چنگیز خان ایک لشکر طالقان کی طرف روانہ کر چکا تھا۔ طالقان کے جنگجو یہ سمجھ چکے تھے کہ تاتاریوں کے کسی وعدے پر بھروسہ کرنا خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اس لیے انہوں نے لڑائی کے لیے ہر ممکن تیاری کر لی تھی۔ طالقان کا مرکزی قلعہ نصرت کوہ اپنی وسعت، بلندی اور مضبوطی میں بے مثال تھا۔ یہاں کے مجاہدین نے پیش بندی کے طور پر اسلحہ اور خوراک کے اتنے ذخائر جمع کر لیے تھے جو کئی ماہ کے لیے کافی تھے۔ چنگیز خان کا بھیجا ہوا لشکر بدخشاں کی فتح کے بعد سے طالقان کے محاصرے میں مصروف تھا، مگر ایک مدت گزرنے کے باوجود ''قلعہ نصرت کوہ'' فتح نہ ہو سکا۔ مجاہدین رات کو خفیہ راستوں سے باہر نکل کر تاتاری لشکر پر مختلف اطراف سے شبِ خون مارتے اور خاصا جانی و مالی نقصان کر کے اندھیرے کی آڑ میں واپس چلے جاتے۔ بعض اوقات وہ دشمن کے اناج کے ذخائر بھی لوٹ لیتے اور ان کے مویشیوں کو ہانک کر لے جاتے۔

بلخ کی مہم سے فارغ ہو کر چنگیز خان بذاتِ خود اس محاذ پر آ گیا، اس کے بعد بھی قلعہ فتح ہونے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ کچھ دنوں بعد چغتائی او کتائی اور تولی خان بھی شمال مغربی خراسان سے بے شمار فوج لے کر باپ کی مدد کے لیے آ پہنچے۔ جنگ اسی انداز سے جاری رہی۔ تیروں اور پتھروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اگرچہ محصورین بھی جانی نقصان برداشت کر رہے تھے، مگر تاتاریوں کے نقصانات اس سے کہیں بڑھ کر تھے۔ سات ماہ گزر گئے، مگر ان مجاہدوں کے حوصلے اور عزائم تازہ رہے۔ ان کی مزاحمت میں روزِ اوّل کی سی شدت موجود رہی۔ ادھر سلطان جلال الدین کے جنوبی خراسان آنے کی اطلاعات چنگیز خان کو مضطرب کر رہی تھیں۔ آخر کار چنگیز خان نے فوج کو حکم دیا کہ اس قلعے کے

بالمقابل لکڑیوں اور مٹی کا ایک ٹیلہ تعمیر کر کے دیوار پھلانگی جائے۔ تاتاریوں نے آس پاس کے جنگلات صاف کر کے لکڑیوں کے ڈھیر لگادیے، اوپر مٹی ڈالی جاتی رہی۔ اہل شہر نے اس موقع پر تاتاریوں کو تاک تاک کر نشانے لگائے، مگر جہاں ایک تاتاری گرتا وہاں دو اور آجاتے، حتیٰ کہ یہ مصنوعی ٹیلہ فصیل کی بلندی کو چھونے لگا۔ اہل شہر کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا، اس سے قبل کہ تاتاری دیوار پھلانگتے، مجاہدین کے پیادہ اور سوار دستے یکدم قلعے کے دروازے کھول کر باہر نکل آئے۔ ان میں سے پیادے تو لڑتے بھڑتے شہید ہو گئے جبکہ اکثر گھڑ سوار جن کی تعداد پانچ سو کے لگ بھگ تھی، مار دھاڑ کرتے ہوئے پہاڑوں کے نشیب و فراز کی طرف نکل جانے میں کامیاب ہو گئے۔ حسب معمول تاتاریوں نے باقی ماندہ محصورین کو قتل کر ڈالا۔ (۱۴)

قلعہ گرزیوان..... ''نصرت کوہ'' کے بعد چنگیز خان کا اگلا حملہ قلعہ گرزیوان پر تھا جو شمالی مشرقی خراسان سے بامیان جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ بلخ، جوزجان، فاریاب اور طالقان کے بے شمار مرد و زن کی شہادت کی خبریں سن کر بھی گرزیوان کے بہادروں نے علمِ جہاد بلند رکھا اور چنگیز خان کے لشکر کی آمد پر اس کی طرف سے ہتھیار ڈالنے کے مطالبے کو مسترد کر دیا۔ چنگیز خان کی سرکش طاقت اور اس چھوٹے سے قلعے کے محافظوں کے درمیان شدید جھڑپوں کا آغاز ہوا جو روز بروز طول پکڑتا گیا۔ چنگیز خان کا خیال تھا کہ اس قلعے کو سر کرنے میں دو تین دن سے زیادہ وقت نہیں لگے گا، مگر قلعے کی مضبوطی سے زیادہ اس کے محافظوں کی شجاعت نے اس کا خیال غلط ثابت کر دیا۔ گھمسان کی جنگ جاری رہی، قلعے کے محافظین ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے، آخر کار ایک ماہ کی مسلسل جنگ کے بعد جب آخری محافظ بھی شہید ہو گیا تو چنگیز خان اپنی فوج کے ساتھ قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ اندر کوئی متنفس نہ تھا جسے وہ قیدی بنا سکتا۔ قلعے اور فصیل کو پیوندِ زمین کرنے کے بعد چنگیز خان کابل اور غزنی کی طرف پیش قدمی کے لیے فارغ ہو گیا۔ (۱۶)

سالانہ شکار..... موسمِ گرما شروع ہو چکا تھا اور تاتاری ان نشیبی میدانی علاقوں کی شدید گرمی سے سخت اذیت محسوس کر رہے تھے، وہ گوبی کے بلند علاقے کی آب و ہوا کے عادی تھے۔ چنگیز خان نے یہ دیکھتے ہوئے اپنی تمام افواج کے دریائے جیحوں کے اس پار بلا کران پہاڑوں کی طرف منتقل کر دیا جن کے گرد و نواح میں اس نے کئی شہر حال ہی میں فتح کیے تھے۔ یہ کوہستان ہندوکش کا بلند علاقہ تھا۔ چنگیز خان نے یہاں اپنی افواج کی تفریح کے لیے انہیں شکار کھیلنے کا حکم دیا۔ چنانچہ چار ماہ تک یہ شکار جاری رہا۔ شکار تاتاریوں کا من پسند سالانہ مشغلہ تھا۔ (۱۷)

جہاد کی یادگار تاریخ..... سلطان جلال الدین کے اعلانِ جہاد کے بعد خراسان کے مذکورہ بڑے بڑے فصیل بند شہروں ہی میں نہیں، بلکہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور معمولی فوجی چھاؤنیوں سے بھی تاتاریوں کے خلاف مزاحمت شروع ہو گئی تھی جس کی ایک مثال قلعہ گرزیوان کا معرکہ تھا۔ اس موقع پر تاتاری لشکر کے کئی حصے ان چھوٹے قلعوں اور چھاؤنیوں کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے خراسان کے طول و عرض میں پھیل گئے تھے۔ چنگیز خان کا اندازہ تھا کہ یہ سپاہی ہفتے یا مہینے میں اپنا کام نمٹا کر لوٹ آئیں گے، مگر ان میں سے بعض دستے ایسے تھے جو کئی ماہ بعد لوٹے اور وہ بھی ناکام ہو کر۔ بعض دستوں کو قلعے سر کرنے میں سال یا اس سے زیادہ عرصہ بیت گیا۔ ان کی واپسی تک سلطان جلال الدین اور چنگیز خان میں کئی تاریخی معرکے ہو چکے تھے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ ذیل میں ہم چند ایسے قلعوں کا تذکرہ

کرتے ہیں جنہوں نے محل وقوع کے لحاظ سے غیر اہم ہونے کے باوجود جہاد کی یادگار تاریخ مرتب کی۔
قلعہ کالیون ..... ہرات سے بیس فرسخ (۶۰ میل) پر قلعہ کالیون واقع تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے مصاحب خاص ابوبکر کے دو بیٹے جو ''پہلوان'' کے لقب سے مشہور تھے جہاں کے کوتوال مقرر کیے گئے تھے۔ اسی طرح سلطنت کے اعلیٰ عہدیداروں میں سے اختیار الملک دولت یار طغرائی نامی ایک سردار بھی یہاں موجود تھا۔ جب تاتاری سپاہی یہاں پہنچے تو اہل قلعہ مقابلے میں ڈٹ گئے۔ قلعے سے باہر آ کر کھلم کھلا مقابلہ کیا اور بہت سے کافروں کو واصل جہنم کر دیا۔ یہ روز کا معمول بن گیا، تیروں اور پتھروں کا استعمال بھی جاری رہا اور شب خون کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ تاتاری سپاہیوں کی تعداد خاصی تھی، مگر قلعہ والوں کی شجاعت اور ہوشیاری سے وہ اتنے گھبرا گئے کہ منہاج السراج کی روایت کے مطابق: ''تاتاریوں کو خوف کی وجہ سے رات کو نیند نہیں آتی تھی، آخر انہوں نے اپنے کیمپ کے چاروں طرف ایک دیوار تعمیر کی جس میں دو دروازے رکھے، ان پر پہرے داروں کا دستہ کھڑا کیا تاکہ اہل قلعہ کے شب خون سے نجات ملے۔''

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں تبدیل ہوتے گئے۔ قلعہ کی فتح کے آثار دکھائی نہ دیے۔ اس دوران سیستان سے ایک اور تاتاری لشکر حملہ آوروں کی کمک کے لیے پہنچ گیا جس کے ساتھ خوارک و رسد کا سامان بھی تھا۔ ادھر قلعہ والوں نے قلعہ میں پانی کے سات کنویں تیار کر رکھے تھے جن کے باعث انہیں پانی کی کوئی کمی نہ تھی، اسی طرح انہوں نے خشک گوشت اور پستے بھی بڑی مقدار میں جمع کر رکھے تھے، ان چیزوں کو وہ غذا کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ مگر ایک عرصہ تک صرف گوشت، پستوں اور پستوں کے تیل پر گزارا کرنے سے ان میں مختلف بیماریاں پھیلنے لگیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر بیمار ہو گئے، ان کے سر اور پیر ورم کر گئے۔ قلعے میں مریضوں کے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس لیے مریضوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی اور قلعے میں جاں بحق ہونے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ ان سختیوں کے باوجود باقی ماندہ محصورین نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے جہاد جاری رکھا۔ ایک سال پورا ہو گیا، مگر قلعہ سرنگوں نہ ہوا، تاتاری محاصرے سے اکتا گئے، لیکن شہادتوں کے اس سلسلے سے قلعے کے محافظوں کا جی نہیں بھرا۔

سولہ ماہ گزرنے کے بعد قلعے میں صرف پچاس آدمی رہ گئے، بیس بیمار تھے اور تیس تندرست۔ تاتاریوں کو قلعے کی اندرونی حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ کئی دن سے فصیلوں پر لڑنے والوں کی تعداد بہت کم دیکھ رہے تھے، انہوں نے بے خوف و خطر اسلحہ اُٹھایا اور قلعے پر چڑھنے لگے۔ قلعہ کالیون کے باقی ماندہ پچاس نفوس شہادت کے لیے تیار تھے، اس لیے وہ قلعے کے سونے، چاندی، جواہرات، ملبوسات اور اناج کے ذخائر کو کنوؤں میں ڈال کر انہیں مٹی سے پُر کر چکے تھے اور اب شہادت کی طلب میں خوش و خرم کھڑے تھے...... تاتاریوں کے اندر داخل ہوتے ہی ان پچاس مجاہدوں نے ان پر حملہ کر دیا اور مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔
قلعہ اشیار اور قلعہ فیوار ..... قلعہ اشیار امیر محمد مرغزی کے پاس تھا جس نے طالقان اور بامیان کے راستے میں تاتاری لشکر پر چھاپہ مار حملے کر کے اس کو بے اندازہ جانی و مالی نقصان پہنچایا تھا۔ چنگیز خان نے ایک بڑی فوج جس میں دس ہزار منجنیق انداز بھی شامل تھے، اس قلعے کی تسخیر کے لیے روانہ کر دی۔

قلعے کے محافظین نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور قلعہ سرنگوں نہ ہونے دیا۔ کئی ماہ اسی طرح گزر گئے، قلعے میں جمع شدہ غلّے اور خوراک کے ذخائر ختم ہو گئے۔ اہل اشیار نے قلعے کے تمام مویشیوں اور جانوروں کو ذبح کر کے ان کا گوشت

خشک کرلیا اور اسے تھوڑا تھوڑا استعمال کرنے لگے، آخر کار گوشت بھی ختم ہوگیا۔ قحط کی یہ حالت تھی کہ گوشت مہنگا اور سونا سستا ہوگیا تھا۔ جوز جانی کے بیان کے مطابق: ''محصورین میں سے ایک عورت کی ماں اور باندی نے یکے بعد دیگرے بھوک سے لاچار ہوکر وفات پائی، عورت نے ان کا گوشت فروخت کر کے کثیر مقدار میں سونا حاصل کرلیا، لیکن اس سونے سے وہ غذا حاصل نہ کرسکی اور بالآخر خود بھی بھوک سے مرگئی۔''

محاصرے کو پندرہ ماہ گزر گئے، اس دوران اشیار کے اکثر محصورین قحط کے ہاتھوں ایک ایک کر کے جاں بحق ہوگئے۔ آخر میں صرف امیر محمد مرغزی اور اس کے تیس ساتھی باقی رہ گئے جو قلعے میں دشمنوں کے داخلے کے وقت شمشیریں سونت کران سے نبرد آزما ہوئے اور شہادت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

اسی طرح ''قلعہ فیوار'' کے محصورین خوراک کے ذخائر کی کمی کے باوجود دو ماہ تک دشمن کے مقابلے میں جمے رہے اور آخر دم تک جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے۔

قلعہ سَیفُرُود...... قلعہ سَیفُرُود غور کے صحرا میں واقع تھا، یہاں پانی بہت کم تھا، تاتاری یہاں پہنچے تو گردونواح کے علاقوں سے تمام غلّہ، اناج اور مویشی لوٹ لیے تاکہ اہل قلعہ کو رسد نہ مل سکے۔ ادھر ''سَیفُرُود'' کے جنگجو قلعہ بند ہوکر مقابلے کے لیے تیار تھے۔ جنگ شروع ہوگئی۔ ایک طویل عرصے تک شدید جنگ کے بعد قلعے میں خوراک اور پانی کے ذخائر ختم ہونے لگے جس کا اثر سب سے پہلے مویشیوں پر پڑا اور حسبِ ضرورت پانی اور چارہ نہ ملنے کے باعث چوبیس ہزار مویشی مرگئے۔ حاکم قلعہ ملک قطب الدین نے حکم دیا کہ باقی ماندہ مویشیوں کو فوراً ذبح کر کے ان کا گوشت خشک کرلیا جائے اور مردار جانور قلعے سے باہر پھینک دیئے جائیں۔ حکم پر عمل کیا گیا اور محصورین نے خاصی مقدار میں خشک گوشت کا ذخیرہ جمع کرلیا۔ قلعے کے بہادر مجاہد بہر حال پامردی سے دشمن کے سامنے ڈٹے رہے، حتیٰ کہ کئی ماہ گزر گئے اور تاتاری قلعے پر قبضہ کرنے کی ناکام کوششوں سے اکتاہٹ کا شکار ہوگئے۔

ایک عرصے تک مزاحمت کے بعد قلعے میں پانی کا اتنا ذخیرہ رہ گیا جو محصورین کو صرف چالیس دن تک کافی ہوتا۔ ملک قطب الدین نے پانی کے حصے مقرر کردیے۔ ہر شخص کو دن رات میں ۳۴ تولہ (تقریباً آدھ سیر) پانی اور اتنا ہی غلّہ دیا جانے لگا۔ البتہ ملک قطب الدین کو ۶۸ تولہ پانی دیا جاتا، اس لیے کہ اس کے ساتھ اس کا گھوڑا بھی تھا جس پر بیٹھ کر وہ قلعہ کا گشت کرتا تھا۔ اپنے حصے کے پانی میں سے جو وہ وضو کے لیے استعمال کرتا وہ بھی (مستعمل پانی) گھوڑے کے حصے میں آتا تھا۔ غرض اس طرح اس پانی کو بچا بچا کر مزید پچاس دن پورے کیے گئے۔ جب آبی ذخیرے کے محافظین نے صرف ایک دن کا پانی باقی رہ جانے کی خبر دی تو ملک قطب الدین نے نماز کے بعد قلعے میں موجود تمام مردوں کو قلعے کے میدان میں جمع کیا اور ان سے جنگ جاری رکھنے یا ہتھیار ڈالنے کے بارے میں مشورہ کیا۔

قاضی منہاج السراج کی روایت کے مطابق یہ طے پایا کہ کل صبح قلعہ میں موجود ہر آدمی اپنی عورتوں اور بچوں کو تاتاریوں کے ہاتھوں بے عصمت ہونے اور ان کے مظالم کا تختۂ مشق بننے سے بچانے کے لیے خود قتل کردے۔ اس کے بعد تمام آدمی تلواروں سمیت قلعے کے مختلف گوشوں میں چھپ جائیں اور پھر یکدم دروازہ کھول دیا جائے۔ تاتاری جب قلعے کے اندر بکھر جائیں تو ہر طرف سے ان پر یک بارگی حملے کیے جائیں اور آخری سانس تک مقابلہ جاری رکھا جائے۔ تمام حاضرین نے اس بات پر عہد و پیمان کیا۔ شہادت کے لیے کمر کس لی اور ایک دوسرے سے مل ملا کر رخصت ہوئے۔

رات کو اہل قلعہ زندگی کی گھڑیاں گن گن کر شہادت کی منزل کے منتظر تھے کہ یکا یک مطلع ابر آلود ہو گیا۔ گرج چمک کے ساتھ بادل برسے، پھر برف باری شروع ہو گئی۔ قلعہ کے جاں بلب محصورین موت کے دروازے پر زندگی پا کر خوشی سے نہال ہو گئے۔ لبوں پر حمد و ثنائے باری تعالیٰ جاری ہو گئی۔ سب کے سب پانی کے ذخائر جمع کرنے لگے۔ بارش اور برف باری تھمنے تک ان کے پاس دو ماہ کا آبی ذخیرہ جمع ہو چکا تھا۔ تاتاری غارتگروں نے یہ صورتحال دیکھی تو سمجھ گئے کہ اب مزید محاصرہ بے فائدہ ہے تھا، اس لیے وہ اس مہم کو موسم گرما تک ملتوی کر کے واپس چلے گئے۔

جاڑا ختم ہوا تو تاتاری لشکر دوبارہ ''سیفر وذ'' کے محاصرے کے لیے آن پہنچا، مگر اس وقت تک قلعے کے باشندے اناج، پانی اور چارے کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر کے طویل مدت تک جنگ کے لیے تیار ہو چکے تھے، تاتاری دو ماہ تک گھیرا ڈال کر قلعے کی دیواروں سے ناکام سر ٹکراتے رہے۔ ہر تدبیر بے سود دیکھ کر انہوں نے حسب عادت مکر و فریب سے کام لیا اور یک طرفہ جنگ بندی کر کے چند دنوں میں واپسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ قلعہ والے ان کی اس تبدیلی پر حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کہ بلا سر سے ٹلنے والی ہے۔ تاتاریوں نے صلح میں اپنی نیک نیتی ظاہر کرنے کے لیے اردگرد سے گزرنے والے سوداگروں کو اپنا اسبابِ تجارت قلعے میں لے جانے کی اجازت بھی دے دی۔ اہل قلعہ کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔ انہوں نے تاجروں کے لیے قلعے کے دروازے کھول دیئے، شاہراہ سے گزرنے والے سوداگر اپنا سامانِ تجارت لے کر قلعے میں آنے جانے لگے۔ تاتاری موقع کی تلاش میں تھے۔ تیسرے دن قلعہ کے محافظوں کو ذرا غافل پا کے تاجروں کے پیچھے پیچھے بہت سے تاتاری سپاہی بھی قلعے میں داخل ہو گئے اور سامنے آنے والے ہر شخص پر تیغ آزمائی کرنے لگے، اس سے پہلے کہ باقی تاتاری لشکر قلعے کے دروازوں تک پہنچ کر وہاں قابض ہوتا، قلعے کے محافظ ہوشیار ہو گئے اور تاتاریوں کو قلعے سے باہر دھکیل کر دروازے بند کر لیے، تاہم اس اچانک حملے میں بہت سے مسلمان شہید اور ۲۸۰ آدمی کفار کے ہاتھوں قید ہو گئے۔

اس بدعہدی کے بعد تاتاریوں نے قلعہ والوں کو پیغام بھجوایا کہ ''آپ ہمارے پاس حاضر ہوں اور فدیہ دے کر قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں۔''

''سیفر وذ'' کے بہادروں نے اس پیش کش میں مخفی فریب کی بُو سونگھ کر اسے مسترد کر دیا اور مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے۔ دشمن نے ساری قوت اکٹھی کر کے طوفانی حملہ کیا، مگر ''سیفر وذ'' کے سنگ اندازوں اور نشانہ بازوں نے ان کی جارحیت کا مُنہ توڑ جواب دیا۔ رضا کاروں نے فصیل سے بڑے بڑے پتھر برسائے جن سے درجنوں تاتاری کچلے گئے، رسہ کش چھاپہ مار مجاہدین اور خفیہ پناہ گاہوں سے پے در پے حملے کرنے والوں دلیروں نے تاتاریوں کے دانت کھٹے کر دیے اور وہ ان گنت لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس ناقابل تسخیر حصار کے محافظوں کے سامنے ان کے حوصلے ماند پڑ چکے تھے، اس لیے چار و ناچار انہوں نے اپنا ساز و سامان لپیٹ کر واپسی کی راہ اختیار کی۔

فیروز کوہ..... غور کا دوسرا قلعہ فیروز کوہ بھی ناقابل تسخیر رہا۔ بیس ہزار تاتاری اکیس روز تک اس کا محاصرہ کیے رہے۔ اس کے بعد خدا کی نصرت جاڑے اور برف باری کی شکل میں نازل ہوئی اور تاتاری محاصرہ چھوڑ کر واپسی پر مجبور ہو گئے۔

قلعہ تولک..... تولک کے قلعے کو سرنگوں کرنے کے لیے تاتاری اطراف و جوانب کے دس ہزار قیدی مرد اور عورتوں کو ساتھ لے کر آئے تھے۔ سپاہیوں کی نگرانی میں ان قیدیوں سے مورچوں اور خندقوں کی تیاری کا کام لیا گیا۔ زبردست

تیاریوں کے ساتھ محاصرہ شروع ہوا اور آٹھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران ''تو لک'' کے محافظین نے جان توڑ مقابلہ کیا اور دشمن کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر کار تاتاری درندوں کو یہاں سے بھی نامراد واپس جانا پڑا۔ ⑱

تاتاری یلغار کے خلاف سرزمین جہاد کے غیور اور شجاع مجاہدوں کے کارہائے نمایاں کی یہ چند جھلکیاں ہیں جو کتب تواریخ کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہیں۔ بلاشبہ دشمنانِ اسلام کے خلاف ہر دور میں صف اوّل میں رہنے والے ان مجاہدوں نے تاتاری افواج کا جس ہمت و پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا، تاریخ عالم میں اس کی مثالیں بہت کم ملیں گی۔ یہی وجہ تھی کہ درندہ صفت چنگیز خان نے خراسان کو برباد کرنے میں انتہائی مبالغے سے کام لیا اور ایک بار نہیں بار بار یہاں قتل عام کرایا تاکہ مجاہدین کی یہ سرزمین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ویران اور غیر آباد ہو جائے۔

عطا ملک جوینی نے سچ کہا کہ ''آج سے لے کر قیامت تک اگر اس ملک میں انسانوں کی پیدائش اور افزائش کا سلسلہ جاری رہے تب بھی یہ ملک اس برباد شدہ آبادی کے دسویں حصے کے برابر بھی گنجان آباد نہ ہو سکے گا۔''

سلطان جلال الدین سرزمین جہاد میں ..... ادھر مختلف محاذوں پر یہ معرکے جاری تھے اور اُدھر سلطان جلال الدین جنوبی خراسان کی طرف رواں دواں تھے۔ انہیں یہ بھی خبر مل گئی تھی کہ چنگیز خان طالقان میں بھاری لاؤلشکر جمع کر رہا ہے۔

سلطان جلال الدین نے سب سے پہلے جنوبی خراسان کے علاقے سیستان (سجستان) کا رخ کیا۔ آج کل یہ علاقہ نیمروز اور فراہ میں تقسیم ہو چکا ہے۔ یہاں پہنچ کر سلطان بست کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ انہیں خبر ملی کہ ان کا ماموں زاد بھائی امین الملک جو ہرات کا سابق حاکم تھا اور تاتاریوں کے حملے سے بچ نکلا تھا، دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ اسی علاقے میں کچھ فاصلے پر موجود ہے۔ سلطان نے فی الفور امین الملک کو اطلاع بھیجی کہ وہ ان سے آملے۔

امین الملک کی آمد پر سلطان نے گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے تاتاریوں کے مقابلے میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے اپنی رفاقت پر آمادہ کرنے لگے۔ امین الملک نے سلطان کی پیش کش کو قبول کرتے ہوئے اپنی ہر قسم کی خدمات ان کے سپرد کر دیں۔ سلطان جلال الدین اور امین الملک دیگر رفقاء کے ساتھ سر جوڑ کر تاتاریوں کے خلاف مناسب کارروائی کے لیے غور و خوض کرنے لگے۔ ⑲

قندھار کا معرکہ اور شاندار فتح ..... خراسان کے پختون قبائل میں جگہ جگہ مخلص اور غیور عوام سلطان کا والہانہ استقبال کر رہے تھے۔ سلطان کے پرچم تلے مجاہدین کی تعداد بتدریج بڑھ رہی تھی۔ ان کی قوت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ امین الملک کے سپاہیوں کے اتحاد سے اب ان کے لشکر میں اتنی طاقت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کسی مقام پر از خود تاتاریوں سے لڑائی چھیڑ سکتے تھے۔ اس فوج کا ہر فرد سلطان کی نگاہ میں ملّتِ اسلامیہ کے مستقبل کا معمار تھا۔ ان مجاہدین کی شمشیروں کی چمک دمک سلطان کے نزدیک مایوسی کے اندھیروں میں چراغ ہائے امید کی حیثیت رکھتی تھی۔ اپنی عسکری طاقت اور تاتاریوں کی قوت کے تناسب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلطان نے یہ مناسب سمجھا کہ ابتداء کسی ایسے محاذ سے کی جائے جس میں اسلامی فوج کم سے کم نقصان اُٹھا کر دشمن کو زیادہ سے زیادہ زک پہنچا سکے اس طرح ایک طرف اپنی قوت کو محفوظ رکھتے ہوئے دشمن کو ہراساں کیا جا سکے گا اور دوسری طرف تاتاریوں سے مرعوب اور دہشت زدہ عوام کو حوصلہ دلا کر آئندہ فیصلہ کن جنگوں میں شرکت کے لیے تیار کیا جا سکے گا۔

انہی دنوں سلطان کو اطلاع ملی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر قندھار کا محاصرہ کیے ہوئے ہے اور اہل شہر زبردست مدافعت

کے باوجود حملہ آوروں کا زور توڑنے سے عاجز ہیں۔ کسی بھی وقت تاتاری شہر کو زیرنگیں کر سکتے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان جلال الدین نے امین الملک اور دوسرے کہنہ مشق افسران کو بلا کر حملے کی حکمت عملی مرتب کی اور قندھار کی طرف کوچ کر دیا۔ برق رفتاری سے منزلیں طے کرتے ہوئے غازیانِ اسلام جب قندھار کے قریب پہنچے تو تاتاری حملہ آوران کی آمد سے بے خبر فصیل پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ سلطان کی فوج مختلف سمتوں سے نہایت خاموشی کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے یکا یک تاتاری لٹیروں کے سر پر جا پہنچی۔ اس سے قبل کہ تاتاری اس بلائے ناگہانی کے مقابلے میں سنبھل پاتے مجاہدین کے ہزاروں تیر قہرِ الٰہی بن کر ان کے جسموں کو لہولہان کر چکے تھے۔ پلک جھپکتے میں ترک اور افغان نیزہ باز گھوڑوں کو ایڑ لگا کر تاتاریوں کی صفوں میں جا گھسے اور ایک سرے سے دوسرے سرے تک خون کی ندیاں بہاتے چلے گئے۔

تاتاریوں نے کئی بار قدم جما کر لڑنے کی کوشش کی، مگر فصیلِ شہر سے شدید تیراندازی و سنگ باری اور سلطان جلال الدین کے غازیوں کی آبدار شمشیروں نے انہیں ہر بار منتشر ہونے پر مجبور کر دیا۔ اب تک ہر میدان میں فتح یاب ہونے والے تاتاری وحشیوں نے اس غیر متوقع صورتحال سے حواس باختہ ہو کر انجام کار راہ فرار اختیار کی، مگر سلطان جلال الدین اس کا پہلے سے انتظام کر چکے تھے۔ ہر پہاڑی، ہر گھاٹی اور ہر راستے پر ان کے مورچہ بند سپاہی متعین تھے جنہوں نے مفرورین کو آڑے ہاتھوں لیا۔ علامہ ابن خلدون کے بیان کے مطابق ایک بھی تاتاری زندہ بچ کر نہ جا سکا۔ [۴۰]

خونریز جنگوں اس طویل سلسلے میں قندھار کا معرکہ پہلا معرکہ تھا جس میں تاتاریوں کو کھلی شکست ہوئی۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کے لیے یہ ایک بے مثال فتح تھی جس سے سلطان جلال الدین نے حسب توقع نتائج حاصل کیے۔ جنگل کی آگ کی طرح یہ خبر ملک کے طول و عرض میں پھیل گئی۔ تاتاریوں کے دلوں میں غازیانِ اسلام کی تیز دھار تلواروں کا خوف جگہ پکڑنے لگا اور مسلمانوں کے قلوب سے تاتاری بھیڑیوں کی دہشت انگیزی کے اثرات زائل ہونے لگے۔ اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ کر کے وہ میدان جہاد میں اُترنے لگے۔

غزنی کا مرکز جہاد ...... جہادی تحریک میں کماحقہ توانائی پیدا کرنے کے لیے ایک مرکز ناگزیر تھا۔ اس سے قبل سلطان جلال الدین نے پایۂ تخت اور گنج کو مرکزِ جہاد بنا کر دشمن کے خلاف معرکہ آرائی کی تیاریاں شروع کی تھیں، اگر مسلمانوں کی بدنصیبی آڑے نہ آجاتی اور خود پایۂ تخت کے چند نمک حرام امراء غداری نہ کرتے تو سلطان ''اورگنج'' جیسے محفوظ اور مستحکم شہر کی جگہ کسی اور مقام کو مرکز بنانے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے۔ لیکن اس مرکز کے ناساز و نابود ہونے کے بعد سلطان کی نگاہ میں غزنی کا شہر جہادی سرگرمیوں کا بہترین گہوارہ ثابت ہو سکتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد نے اپنی زندگی میں شہزادوں کے درمیان سلطنت تقسیم کرتے وقت ''غزنی'' کو سلطان جلال الدین کی تحویل میں دیا تھا، چونکہ سلطان جلال الدین اپنے والد کی خدمت میں رہ کر سلطنت کے اہم امور کی انجام دہی میں مشغول رہتے تھے، اس لیے غزنی میں ان کا نائب حکومت کرتا تھا۔ تاتاری یلغار کے بعد جب تمام نظام سلطنت تہ و بالا ہو گیا اور جگہ جگہ امراء نے بغاوت اور خودسری اختیار کی تو اسی دوران غزنی میں بھی کئی انقلابات آئے، انجام کار ایک باغی سردار غزنی پر قابض ہو گیا۔

قندھار کے معرکے سے فتح یاب واپس ہو کر سلطان جلال الدین نے غزنی کی طرف کوچ کیا۔ غزنی پہنچ کر سلطان نے کسی دقت کا سامنا کیے بغیر باغی سردار کی سرکوبی کر کے شہر کا اقتدار سنبھال لیا۔ اورگنج سے نکلنے کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ سلطان کو ایک معقول عسکری قوت کے ساتھ ایک ایسے علاقے پر تسلط حاصل ہوا تھا جہاں انہیں جہاد فی سبیل

اللہ کے لیے دی جانے والی قربانیوں کے بار آور ہونے کی امید تھی۔

غزنی میں سلطان کی آمد کی خبر طوفانی ہوا کی طرح مشرقی خراسان کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ سلطان کے رضا کار، مقامی علماء اور مبلغین جگہ جگہ لوگوں کو فرضیتِ جہاد کا مسئلہ بتا کر جہاد کی طرف بلا رہے تھے۔ چند ہی دنوں میں غزنی کی فضا مجاہدین کے نعروں اور رجزیہ اشعار سے گونجنے لگی۔ شوقِ شہادت سے سرشار نوجوان جوق در جوق اس مرکزِ جہاد میں جمع ہو کر خود کو جہاد و قتال کے لیے وقف کرنے کا عہد کر رہے تھے۔ حاکمِ کابل ملک شیر، بلخ کا سابق حاکم اعظم ملک، مظہر ملک، حسن قزلق اور غوری شہزادے تیس ہزار سپاہی لے کر سلطان کے پرچم تلے یکجا ہو چکے تھے۔ سیف الدین اغراق خلجی بھی اپنے قبیلے کے چالیس ہزار کار آموزدہ ترکمانوں کے ساتھ سلطان کے لشکر سے آملا۔ اس طرح سلطان کے ماتحت کوئی ایک لاکھ کے لگ بھگ مجاہدین جمع ہو گئے۔ (۲۱)

مجاہدین کا معسکر ..... غزنی میں سلطان جلال الدین کی افواج کا مستقر ایک یادگار معسکر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، جہاں مسلم قوم کے غیور عناصر اپنے بدترین دشمن سے بدلہ لینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ جگہ جگہ چاق و چوبند، مستعد اور دلیر نوجوان نیزہ بازی، شمشیر زنی، شہ سواری، پیراکی، تیر اندازی اور دیگر فنون حرب کی سخت ترین تربیت لے رہے تھے۔ اس خطے کے بہترین ماہرینِ جنگ، جو اس تربیت گاہ میں جمع ہو چکے تھے افواج کی تدریب و تنظیم میں ہمہ تن مشغول تھے۔ سلطان جلال الدین کے اوقات کا ایک بڑا حصہ انہی مجاہدین کی خبر گیری اور نگرانی میں گزرتا۔

سلطان کا نکاح ..... غزنی میں قیام کے دوران امین الملک نے سلطان کے ساتھ اپنے تعلق کو مزید پختہ بنانے کے لیے اپنی بیٹی سلطان کے عقد میں دے دی۔ (۲۲)

تاتاری فوج کی پیش قدمی ..... طالقان میں مقیم چنگیز خان ان حالات سے بے خبر نہیں تھا۔ ایک عیار و سفاک درندے کی طرح اس کی خونی نگاہیں اردگرد کے نشیب و فراز کو مسلسل کھنگالتی رہتی تھیں۔ غزنی میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی سرکردگی میں مجاہدین کا اجتماع اس کے لیے ایک زبردست خطرہ پیدا کر چکا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اگر بروقت اس قوت کو جڑ سے نہ اُکھاڑا گیا تو حالات کا رخ پلٹ جائے گا اور سلطان جلال الدین کی قیادت میں جمع ہونے والے مجاہدین خونِ مسلم کے انتقام میں تاتاری قوم کا نام و نشان تک مٹا دیں گے۔ چنگیز خان کے نزدیک اس کا فوری حل یہی تھا کہ غزنی کی طرف پیش قدمی کر کے سلطان جلال الدین کی طاقت توڑ دی جائے۔ چند دن حالات کا جائزہ لینے اور یلغار کی تفصیلات طے کرنے کے بعد چنگیز خان نے ایک بھرپور لشکر اپنے قابل ترین سرداروں کی قیادت میں غزنی کی طرف روانہ کیا۔ اس لشکر کی عمومی کمان تاتاریوں کے نامور جرنیل "شیگی قتقو" کے ہاتھ میں تھی۔

سلطانی لشکر کا کوچ ..... غزنی میں تاتاری فوج کی پیش قدمی کی خبر مشہور ہوئی تو عوام کے دل دھڑکنے لگے۔ سابقہ کئی جنگوں میں شکست کے مناظر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگے۔ سلطان جلال الدین نے اہلِ شہر کی ہمت بندھائی اور اپنے افسران سے جنگ کی حکمت عملی کے بارے میں مشورہ کیا۔ طے یہ ہوا کہ شہر سے آگے نکل کر تاتاریوں سے معرکہ آزمائی کی جائے، تاکہ تاتاریوں سے محض مدافعانہ جنگوں کا تصور ذہنوں سے نکل جائے۔ نیز جنگ کا نتیجہ خلافِ توقع ہونے کی صورت میں اہل غزنی کسی فوری آفت سے محفوظ رہیں۔ مشورے کے بعد فوج تیار ہونے لگی۔ بہت سے لوگ جو تاتاری فوج کی آمد کی خبر سن کر شہر سے ہجرت کی تیاریاں کر رہے تھے سلطان جلال الدین کی افواج کا حوصلہ اور جذبہ

دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ سلطان نے شہر کے دفاعی انتظامات مکمل کر لینے کے بعد ساٹھ ہزار جانبازوں کے ساتھ غزنی سے کوچ کیا۔ شہر کے ہر بچے، بوڑھے، مرد و عورت کے دل سے مجاہدین کے لیے بے تابانہ دُعائیں نکل رہی تھیں۔

غزنی کا میدان کارزار..... غزنی سے باہر بلق (۴۳) کے مقام پر آ کر سلطانی افواج نے دیکھا کہ تاتاری لشکر ٹڈی دل کی طرح مشرق و مغرب کے کنارے پُر کیے ہوئے سامنے سے بڑھا چلا آ رہا ہے۔ دونوں فوجیں وہیں صف آراء ہوئیں اور معرکہ جنگ گرم ہو گیا۔ (۴۴) ایسی شدت کی لڑائی چھڑی کہ تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگیں، نیزوں کے پھل دھرے ہو گئے، سر تنوں سے اور اعضاء جوڑوں سے علاحدہ ہو رہے تھے۔ تاتاریوں کے بے ہنگم شور شرابے کے مقابلے میں مجاہدین کی تکبیریں گونج رہی تھیں۔ دن بھر مقابلہ جاری رہا۔ لاتعداد افراد کٹ گئے، مگر لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ جب شب کی تاریکی پھیلنے لگی تو دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آئیں۔

شہداء کی تکفین و تدفین کے بعد مسلمان وضو کر کے نمازیں ادا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ دن بھر کی لڑائی نے مجاہدین کے اعضاء شل کر دیے تھے۔ چند لقمے حلق سے نیچے اُتارنے کے بعد تھکے ماندے سپاہی ستانے لگے، زخمیوں کے کیمپ میں طبیب اور جراح مستعدی سے اپنے کام میں جتے ہوئے تھے۔

سلطان جلال الدین کو ایک پل آرام نہ تھا۔ گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے خصوصی ساتھیوں کے ساتھ وہ پڑاؤ کے ہر حصے میں جا کر مجاہدین کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ اس جانب سے قدرے اطمینان کے بعد کل کی لڑائی کی حکمت عملی طے ہونے لگی اور کچھ دیر بعد ان مجاہدین کی دبی دبی سسکیوں سے سکوتِ شب ٹوٹنے لگا جو اپنے مولائے کریم کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے اس کی رحمت اور نصرت کی بھیک مانگ رہے تھے۔

سورج نے شبِ تاریک کا نقاب اُلٹا اور حق و باطل کے سپاہی ایک بار پھر معرکہ آراء ہوئے۔ اس دن کی لڑائی نے پہلے دن کی جنگ کی شدت کو بُھلا دیا۔ دونوں جانب سے سپاہیوں نے معرکہ جیتنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ لڑائی کا پانسا کئی بار پلٹا، مگر شام کے سائے گہرے ہوتے دم یہ دیکھا گیا کہ دونوں فوجیں اپنی جگہ برقرار تھیں۔ دونوں فریق خون آلود تلواریں نیاموں میں ڈالتے ہوئے واپس ہو گئے۔ جانبین سے سپاہیوں کی اتنی بڑی تعداد تلف ہو چکی تھی کہ اب تیسرے دن کی لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے فریق کی فتح یقینی دکھائی دے رہی تھی۔

تیسرے دن گزشتہ دونوں دنوں سے بڑھ کر شدید و مدید جنگ جاری رہی، مگر کوئی فریق میدان چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوا۔ رات بھر دونوں فوجیں اگلے معرکے کی پیش بندی میں مصروف رہیں۔ آخرِ شب میں مجاہدین کی گریہ و زاری کا عالم ہی اور تھا۔ وہ رو رو کر مضطربانہ انداز میں اللہ کی رحمت کو پکار رہے تھے۔ یہ سرفروش ربّ العزت سے اس کی وہ تائید طلب کر رہے تھے جس نے غزوہ بدر میں مٹھی بھر مسلمانوں کو کئی گنا بڑے دشمن پر فتح عنایت کی تھی۔

علی الصباح اپنے افسران سے مشاورت اور بارگاہِ ایزدی میں رقت آمیز استغاثے کے بعد سلطان جلال الدین خوارزم شاہ میدان میں نکلے۔ فوج کی صفوں کا معاینہ کرنے کے بعد انہوں نے قلبِ لشکر میں آ کر اپنی جگہ سنبھال لی۔ نقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں فوجیں آپس میں گتھم گتھا ہو گئیں۔

چند گھڑیاں گزرنے پر معرکہ کارزار میں ایسی حدّت پیدا ہو گئی جس نے گزشتہ تینوں دنوں کی لڑائی کو مات کر دیا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُٹھنے والا غبار آسمان تک بلند ہونے لگا اور اس کی دھند نے دن میں شام کا سا سماں پیدا کر دیا۔

ایک طرف سے مسلمان تکبیریں بلند کرتے ہوئے آگے بڑھ بڑھ کے حملے کر رہے تھے۔ دوسری طرف سے تاتاری درندوں کی طرح دانت پیس پیس کر جھپٹ رہے تھے۔ شمشیریں باہم اس طرح ٹکرا رہی تھیں کہ ان سے چنگاریاں جھڑتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں، تیر موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے تھے۔ نیزوں کی اَنیوں سے خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ تلواروں کی جھنکار، بہادروں کی للکار، گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور زخمیوں کی چیخ وپکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

اہل جنوں نے آج لگادی ہے سر دھڑ کی بازی — ہر بوڑھا ہے مردِ مجاہد، ہر بچہ ہے غازی

سلطان جلال الدین کمالِ استقلال وثابت قدمی سے قلب میں ڈٹے ہوئے پوری فوج کو لڑا رہے تھے۔ لڑائی کے نازک ترین مراحل میں بھی خوف وہراس اور اضطراب ان کے پاس پھٹکنے نہ پاتے تھے۔ انہیں اپنے ربّ کے وعدوں پر پورا بھروسہ تھا۔

جنگ کے دوران بارہا سلطان اپنے خاص دستے کو لے کر خود میدان میں اُترے اور اپنی شمشیر خارا شگاف سے دشمنوں کی صفوں میں تہلکہ مچادیا۔ دن ڈھلے نصرتِ الٰہی کے نزول کے آثار ظاہر ہونے لگے اور تاتاریوں کے بازو ڈھیلے پڑنے لگے۔ خوارزمی، ترک اور افغان مجاہدین نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمنوں کی صفوں کو پیچھے دھکیلنے لگے۔ تاتاریوں کے قدم اُکھڑے اور دوبارہ نہ جم سکے۔ (۴۵)

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تشکر کے جذبات سے لبریز ہو کر دشمن کی منتشر ٹولیوں کو پسپا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے فوج کو دشمن کے عمومی تعاقب کا حکم دے دیا۔ فتح کی خوشی نے ان تھکے ماندے جانبازوں سے تکان کا احساس زائل کردیا تھا۔ سلطان کا حکم پاتے ہی وہ بھاگتے ہوئے دشمن پر عقابوں کی طرح جھپٹے اور جگہ جگہ ان کی لاشوں کے ڈھیر لگانے لگے۔ بہت کم تاتاری بچ کر نکل جانے میں کامیاب ہوئے۔ (۴۶)

اہل غزنی کا حال..... سلطان جلال الدین کو غزنی سے نکلے کئی دن گزر چکے تھے۔ عوام وخواص سب کی توجہات کا مرکز صرف اور صرف محاذ جنگ تھا۔ مساجد میں، گھروں میں، اجتماعاً وانفراداً، مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے سب لشکر اسلام کی فتح یابی اور سلطان جلال الدین کی اقبال مندی کے لیے دعا گو تھے۔

اہل شہر امید وبیم کی اسی حالت میں تھے کہ سلطان جلال الدین کی فتح کی اطلاع آن پہنچی۔ لوگ خوشی سے نہال ہوگئے۔ سرزمین غزنی سجودِ شکر سے آباد ہوگئی۔ آنکھوں میں تشکر کے آنسو جھلکنے لگے۔ خوشیوں اور مسرتوں نے دامن پھیلا دیا۔ اللہ کی رحمت ونصرت پر اعتماد بڑھ گیا۔ یہ عظیم کامیابی اگرچہ فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی تھی، تاہم اس سے سلطان کی شجاعت وصلابت کا سکہ دشمن کے دل پر بیٹھ گیا۔ لشکر اسلام کو پہلی بار کھلے میدان میں اتنی بڑی فتح نصیب ہوئی اور تاتاریوں کے لیے بھی سخت مقابلے کے بعد عبرتناک شکست کا یہ بھیانک ترین تجربہ تھا۔

معرکۂ غزنی کی فتح کے اثرات..... غزنی کے معرکے میں لشکر اسلام کی فتح مبین نے اس پورے خطے میں ہل چل مچادی جسے چنگیز خان اپنی سفاکی، خوں ریزی اور دہشت انگیزی سے زیر نگیں کیے ہوئے تھا۔ کوہِ ہندوکش کے دامن سے لے کر خراسان کی آخری حدود تک بکھرے ہوئے مختلف محکوم افغان قبائل تاتاریوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ہر شہر، ہر بستی اور ہر چوکی پر متعین تاتاری عملے کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ (۴۷)

اہل ہرات کی بیداری..... ہرات کے محکوم مسلمانوں نے ایک بار پھر کروٹ لی۔ مقامی باشندے شہر کے تاتاری

نگران منکتائی اور کٹھ پتلی مسلم حاکم ملک ابوبکر کے خلاف کارروائی کی تدابیر سوچنے لگے۔ ایک دن موقع پا کر مسلح نوجوانوں نے ان دونوں پر حملہ کر دیا۔ ملک ابوبکر سرِ بازار مارا گیا اور منکتائی کو چند نوجوانوں نے قلعے میں گھس کر قتل کر دیا۔ اس کے بعد مسلح عوام شہر کے ہر کونے میں تاتاری گماشتوں کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرنے لگے۔ اس کارروائی کی بخوبی تکمیل کے بعد جہادی رہنماؤں کی نگرانی میں شہر میں ازسرِ نو حکومت تشکیل دی گئی۔ ملک مبارز الدین کو شہر کا حاکم اور خواجہ فخر الدین عبدالرحمٰن کو امیرِ ریاست مقرر کر دیا گیا۔ تاتاریوں کے خلاف جہاد اور سلطان جلال الدین کی حمایت پر پختہ عہد و پیمان لیے گئے۔ (۲۸)

چنگیز خان کی برہمی ...... ہرات اور دیگر علاقوں میں مسلمانوں کا دوبارہ شمشیر بکف ہو جانا چنگیز خان کے لیے ایک نیا تعجب انگیز صدمہ ثابت ہوا، اس نے تولی خان کو طلب کر کے اسے بری طرح ڈانٹا کہ اس نے ہرات کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کو مکمل طور پر تہہ تیغ کیوں نہیں کیا۔ اس نے تولی کو کوستے ہوئے کہا: ''یہ فتنہ اس لیے پیدا ہوا ہے کہ تُو نے لوگوں پر تیر و تلوار چلانے میں سستی سے کام لیا تھا۔''

اس نے ایلچکدائی نویان کو اسّی ہزار سوار دے کر ہرات کی تسخیر پر مامور کیا اور اسے تاکید کرتے ہوئے کہا: ''لگتا ہے ان علاقوں میں مردے پھر سے زندہ ہو جاتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہر مقتول کا سر تن سے جدا کرو، کسی کو زندہ نہ چھوڑو، چشم پوشی اور نرمی کا راستہ ہرگز مت اختیار کرو۔'' (۲۹)

اس نے ضروری سمجھا کہ سلطان جلال الدین سے فیصلہ کن مقابلے سے پہلے ان تمام علاقوں کو جہاں جہاد کی چنگاریاں سلگنے لگی تھیں بالکل تاراج کر دے تاکہ سلطان سے معرکہ آرائی کے دوران پشت سے کسی رخنہ اندازی کا امکان نہ رہے۔

اہل ہرات کا قتل عام ...... ہرات میں ملک مبارز الدین، خواجہ فخر الدین اور دوسرے مجاہد رہنما یہ تہیہ کر چکے تھے کہ خون کا آخری قطرہ بہہ جانے تک وہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ یہ مجاہدین بڑی پامردی سے دشمن کے ٹڈی دل لشکر کے سامنے ڈٹے رہے۔ دشمن کی منجنیقیں شب و روز فصیل پر سنگ باری کر رہی تھیں۔ ساڑھے چھ ماہ اسی طرح گزر گئے۔ تاتاریوں کی لاشوں پر لاشیں گرتی رہیں۔ دوسری طرف مجاہدین کی ایک بڑی تعداد نے بھی جامِ شہادت نوش کیا۔ بالآخر تاتاریوں نے ساری طاقت جمع کر کے چند دن مسلسل و پیہم جان توڑ حملے کیے۔ مجاہدین بھرپور مدافعت کر رہے تھے، مگر اسی دوران منجنیقوں کی سنگ باری فصیل میں جابجا سوراخ کر چکی تھی۔ ایک جانب سے کوئی پچاس گز دیوار ایک زوردار دھماکے سے گر پڑی۔ اس کے بعد اہلِ شہر زیادہ مدافعت نہ کر سکے، (۳۰) تاتاری لشکر شہر میں داخل ہو گیا۔ فصیل کو پیوندِ زمین کر دیا اور آبادی کا مکمل طور پر قتل عام کرنے کے بعد شہر کو آگ لگا کر بھسم کر دیا گیا۔ (۳۱)

یہ سانحہ ربیع الاوّل ۶۱۸ھ (مئی ۱۲۲۱ء) کو پیش آیا۔ ہرات کے شہداء کی تعداد لاکھوں کے حساب سے بیان کی جاتی ہے۔ قاضی جوزجانی کے مطابق چھ لاکھ جبکہ صاحبِ روضۃ الصفا کے مطابق سولہ لاکھ کے لگ بھگ افراد شہید ہوئے۔ (۳۲)

''روضۃ الصفا'' کے مؤلف کا کہنا ہے کہ لاکھوں کی آبادی والے اس عظیم شہر میں صرف خطیب مولانا شرف الدین اور دیگر پندرہ افراد زندہ بچے جو بعض خفیہ ٹھکانوں میں چھپ گئے تھے۔ تاتاریوں کے جانے کے بعد ان پندرہ افراد میں سے ایک سہما ہوا شخص اپنے پوشیدہ مقام سے باہر نکلا اور ایک حلوائی کی تباہ شدہ دکان کے سامنے بیٹھ گیا۔ خوفزدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر کا جائزہ لینے کے بعد خطرہ نہ پا کر اس نے اپنے سر پر یوں ہاتھ پھیرا جیسے اس کے سلامت

رہنے کا یقین کر رہا ہو اور پھر چلّا اُٹھا:

''خدا کا شکر ہے، مجھے ایک لمحہ تو سکون سے سانس لینے کا موقع ملا۔''

کچھ دنوں بعد ہرات کے مضافات کے قتل عام سے بچ جانے والے چوبیس مزید افراد ان کے ساتھ آ ملے۔ پندرہ سال اس طرح گزرے ہرات کے کھنڈرات میں ان چالیس افراد کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ یہ لوگ سلطان غیاث الدین غوری کی تعمیر کردہ مسجد کے گنبد کے نیچے جو تاتاریوں کی تباہ کاری سے بچ گیا تھا، زندگی بسر کرتے رہے۔ (۴۳)

ہرات کے قتل عام سے امام رازیؒ کے اہل وعیال کی حفاظت ...... امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا داماد علاء الملک علوی سلطان محمد خوارزم شاہ کا وزیر تھا۔ خوارزم پر تاتاریوں کے حملے کی ابتداء ہی میں وہ چنگیز خان سے جاملا تھا اور چنگیز خان اسے اپنے دربار میں جگہ دے دی تھی۔

امام رازی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کے اہل وعیال ہرات میں سکونت پذیر تھے، اس حملے کے وقت ان کی جانیں بھی شدید خطرے میں تھیں، مگر علاء الملک نے چنگیز خان سے سفارش کر کے ان کے لیے امان حاصل کرلی تھی۔ چنانچہ جب تاتاریوں نے ہرات میں قتل عام کیا تو امام رازی رحمہ اللہ کے اہل خاندان اس سے محفوظ رہ گئے۔ (۴۴)

خراسان میں دوبارہ قتل عام ...... ہرات میں بھیانک قتل عام کے بعد تاتاریوں نے خراسان کو ایک بار پھر کھنگالا۔ انہوں نے ہرات کے اردگرد کے تمام علاقوں میں بکھری ہوئی آبادیوں پر ازسرنو یورش کی اور کوہِ ہندوکش سے لے کر خراسان کی مغربی سرحدوں تک کا سارا علاقہ تاراج کر ڈالا۔ (۴۵)

سیستان میں بھی تاتاریوں نے اوکتائی خان کی قیادت میں دوبارہ حملہ کیا اور لوگوں کا بے محابا قتل عام کیا، مقامی لوگوں نے آخر دم تک ان کا مقابلہ کیا اور انجام کار سب مرد وزن، بچے اور بوڑھے شہید ہو گئے۔

سیستان اور ہرات کے علاوہ انہی دنوں مرو کے قتلِ عام سے بچ جانے والے لوگوں نے شہر کے کھنڈرات میں دوبارہ آباد ہو کر زندگی کی ابتداء کی تھی، گرد ونواح کے لٹے پٹے دیہاتوں سے بھی ہزاروں لوگ وہاں چلے آئے تھے۔ اگرچہ ان میں تاتاریوں سے مقابلے کی قطعاً ہمت نہیں تھی، نہ ہی وہ ایسی کسی نئی کارروائی میں شریک تھے، مگر دیگر علاقوں میں مزاحمت کا غصہ تاتاریوں نے ان مظلوموں پر بھی نکالا۔

برماس نامی تاتاری سردار نے جو اس علاقے کا حاکم بنادیا گیا تھا، یہاں ایک بار پھر لوگوں کا بے دریغ خون بہادیا کیوں کہ لوگوں نے خوارزم شاہی خانوادے کی حمایت پر کمربستہ ہو کر اس کے خلاف طنزیہ انداز میں ڈھول پیٹے تھے۔

کچھ عرصے بعد ضیاء الدین اور کشتکین نامی دو مسلمان امیروں نے اس بدقسمت شہر پر یکے بعد دیگرے قبضہ کر کے شکستہ فصیل کی مرمت کرادی۔ دوسرے علاقوں سے بھاگنے والے پناہ گزین مرو کو محفوظ تصور کر کے ایک بار پھر یہاں جمع ہونے لگے حتیٰ کہ یہاں آبادی ایک لاکھ سے متجاوز ہوگئی۔ مگر اب قوتو نامی ایک سردار ادھر سے گزرا تو اس اجڑے ہوئے شہر میں ازسرِنو آبادی کے آثار دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا، اس نے توربائی نامی سردار کو جو نخشب میں قتلِ عام کر کے آرہا تھا، ساتھ ملا کر شہر کا محاصرہ کرلیا، اہل شہر جلد ہی شکست کھا گئے اور ایک لاکھ افراد دیکھتے ہی دیکھتے شہید کر دیے گئے۔

شہر کے مکانات اور گلی کوچوں سے آبادی کا صفایا کرنے کے بعد بھی تاتاریوں کو یہ شک تھا کہ کچھ لوگ ابھی

زمین دوز پناہ گاہوں میں محفوظ ہوں گے، ایسے لوگوں کو شکار کرنے کے لیے تاتاریوں نے اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں۔ آق ملک نامی ایک سردار کو اس مہم کا ذمہ دار بنایا گیا۔ اس نے پورے شہر کو کئی حصوں میں بانٹ کر سپاہیوں کے سپرد کر دیا جو شکاری کتوں کی طرح کھوج لگا لگا کر چھپے ہوئے افراد کو مارتے رہے۔

چالیس دن تک مرو کے کھنڈرات سے انسانوں کو چن چن کر نکالنے اور بے دردی سے شہید کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ تہہ خانوں میں روپوش افراد کو برآمد کرنے کے لیے یہاں ایک عجیب چال چلی گئی۔ تاتاری نخشب سے ایک مؤذن کو پکڑ لائے تھے، اسے اذیتیں دے دے کر اس سے جگہ جگہ اذانیں دلوائیں۔ چھپے ہوئے مسلمان اذان کی آواز سن کر یہ سمجھ کر باہر نکل آتے کہ دشمن شہر چھوڑ چکا ہے۔ باہر آتے ہی وہ ان درندوں کو اپنا منتظر پاتے اور پھر دردناک تکالیف کا نشانہ بننے کے بعد شہید کر دیے جاتے۔ چالیس دن بعد جب یہ تاتاری فوج یہاں سے واپس ہوئی تو مرو کی آبادی صرف چار ہندوؤں پر مشتمل رہ گئی تھی جو تجارت کے لیے یہاں آئے ہوئے تھے۔

اب بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو تاتاریوں کے آتے ہی فرار ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ لے چکے تھے۔ تاتاری لشکر کے جاتے ہی وہ پھر سے شہر میں آ بسے مگر مرو کی بدقسمتی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی، ایک اور تاتاری فوج ادھر سے گزری اور ان تمام لوگوں کو فنا کرتی چلی گئی۔

اس بھیانک اور مسلسل قتل عام کے بعد خراسان کے ہر علاقے کا یہ حال تھا کہ جگہ جگہ شہداء کی لاشوں کے ٹیلے نظر آ رہے تھے۔ کٹے ہوئے سروں کے مینارا تنے بلند تھے کہ انہیں کئی میل دور سے دیکھا جا سکتا تھا۔ میر غلام محمد غبار نے قاضی جوزجانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ہرات کے اردگرد کی بستیوں اور قصبات میں چوبیس لاکھ کے لگ بھگ افراد تہہ تیغ کیے گئے تھے۔ (۳۶)

سلطان جلال الدین کا چیلنج ..... بلخ، ہرات اور شمال مغربی خراسان میں تاتاری درندوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے اس سفاکانہ قتل عام کے دوران طالقان میں مقیم چنگیز خان کو سلطان جلال الدین کا یہ پیغام موصول ہو چکا تھا:

''میں تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں، مجھے بتا کہ تجھے لڑائی کے لیے کون سا میدان پسند ہے؟ میں وہاں پہنچ جاؤں گا......اور تو بھی بذاتِ خود میدان میں نکل آ۔'' (۳۷)

سلطان جلال الدین کی یہ جرأت مندانہ للکار بوڑھے تاتاری فرماں روا کو پریشان کرنے کیلئے کافی تھی۔ اس طویل جنگی سلسلے میں اس نے پہلی بار یہ ضرورت محسوس کی کہ اپنی بکھری ہوئی عسکری توانائی کو مجتمع کر کے میدان میں اُترے۔ اس نے دور دراز کے خطّوں میں بکھرے ہوئے لشکروں اور سرداروں کو اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دے دیا۔ ان دنوں سوبدائی یورپ کے دروازے پر دستک دے رہا تھا جبکہ جوجی بطورِ سزا لشکر سے علاحدہ کیے جانے کے بعد بحیرۂ خزر کے پار ٹھہرا ہوا تھا۔ چنگیز خان نے سوبدائی کو حکم نامہ ارسال کیا کہ وہ جوجی کو ساتھ لیتا ہوا فی الفور اس کے پاس آن پہنچے۔ (۳۸)

خزاں کے موسم میں تمام اعلیٰ افسران چنگیز خان کی خیمہ گاہ میں جمع ہو گئے۔ قرولتائی (مجلس مشاورت) منعقد ہوئی۔ دیگر امور کے ساتھ سلطان جلال الدین سے مقابلے کی حکمت عملی پر غور و خوض کیا جاتا رہا۔ مشاورت کے بعد چنگیز خان نے بڑے پیمانے پر سلطان کے خلاف فوج کشی کے انتظامات مکمل کر لیے۔

سلطان کی کابل کی طرف پیش قدمی اور پروان میں قیام ..... سلطان جلال الدین نے یہ موسم سرما غزنی کے

میدانِ سبز میں گزارا۔اس دوران وہ آئندہ فیصلہ کن جنگ کے لیے بھرپور تیاریاں کر رہے تھے۔انہیں یقین تھا کہ اب چنگیز خان کے ساتھ فنا و بقا کی آخری جنگ لڑنے کا وقت قریب آ چکا ہے۔انہیں یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ تاتاری افواج ہر طرف سے سمٹ کر چنگیز خان کے پاس مجتمع ہو رہی ہیں۔

چند ہفتے غزنی میں اپنی عسکری طاقت کو مزید فعال و مستحکم بنانے کے بعد بہار کے آغاز میں سلطان جلال الدین نے اپنی فوج کو کابل کی طرف کوچ کا حکم دیا۔وہ چاہتے تھے کہ چنگیزی افواج کو کابل اور اس کے آس پاس کے گنجان و زرخیز علاقے تاراج کرنے کا موقع نہ دیا جائے اور خود آگے بڑھ کر دشمن کی پیش قدمی کو اس کے موجودہ مقبوضہ علاقے تک ہی محدود کر دیا جائے۔ان دنوں چنگیز خان طالقان سے کوچ کر کے قلعہ گریزوان کو مسخر کرتا ہوا بامیان تک پہنچ چکا تھا،کابل کے گرد و نواح سے سلطان جلال الدین بامیان میں چنگیز خان کی قیادت میں جمع تاتاری لشکر پر بھی کڑی نگاہ رکھ سکتے تھے۔

سلطان جلال الدین نے کابل شہر کو اپنا مستقر بنانے کے بجائے اس سے آگے ضلع پروان میں پڑاؤ ڈال دیا اور کچھ دنوں کے لیے یہی خطہ سلطان کی جہادی سرگرمیوں کے لیے ایک عارضی مرکز بن گیا۔ (۳۹)

قلعہ والیان کی جنگ..... سلطان کے مقابلے میں روانہ ہونے والی تاتاری افواج کی پیش قدمی سے قبل ایک اور تاتاری لشکر پروان اور بامیان کے مابین واقع قلعہ والیان پر حملہ کر چکا تھا۔سلطان جلال الدین کو جوں ہی اس کی اطلاع ملی وہ لشکر کا ایک حصہ اپنی کمان میں لے کر قلعہ والیان کی طرف روانہ ہو گئے۔

قلعہ والیان کے محافظین کی قوت مدافعت دم توڑ رہی تھی۔تاتاری لشکر کی قیادت تکجک اور ملغور نامی دو سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔اس وقت یہ دونوں سردار سخت ناکہ بندی کر کے قلعے پر پیہم حملے کر رہے تھے،قریب تھا کہ وہ قلعہ سر کر لیتے کہ یکایک سلطان جلال الدین کی فوج گرد کے بادل اُڑاتی تکبیر کے نعرے بلند کرتے ہوئی میدانِ کارزار میں داخل ہوگئی۔سلطان افواج کو دیکھتے ہی تکجک اور ملغور نے اپنی فوجوں کو پسپائی کا حکم دے دیا۔تاہم پہلے ہی ہلے میں ایک ہزار تاتاری خاک و خون میں لت پت ہو چکے تھے۔سلطان جلال الدین نے فرار ہونے والے تاتاری بھگوڑوں کا تعاقب جاری رکھا۔تاتاری فوج نے راستے میں پڑنے والے ایک دریا کو پُل کے ذریعے عبور کر لیا اور دوسرے کنارے پر اُترتے ہی پُل کو توڑ دیا۔سلطانی لشکر دریا کے اس پار ہی رک گیا۔دونوں جانب سے نشانہ باز مورچے سنبھال کر بیٹھ گئے اور تیروں کا مینہہ لگاتار برسنے لگا۔رات گئے تک یہ معرکہ جاری رہا۔نصف شب کو تاتاری چپکے سے اپنے مورچے چھوڑ کر فرار ہو گئے۔سلطان نے مزید تعاقب بے سود خیال کرتے ہوئے بے شمار مال غنیمت سمیٹ کر پروان کا رُخ کیا اور آئندہ جنگ کے لیے اپنی تیاریاں ہر لحاظ سے مکمل کرنے میں مصروف ہو گئے۔قلعہ والیان پر سلطان کے کامیاب حملے سے تاتاری اس قدر ہراساں ہوئے کہ ان کے جو دستے تخار کے قلعے ''ولخ'' کا گھیراؤ کیے ہوئے تھے وہ بھی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ (۴۰)

تولی خان کی روانگی..... سلطان جلال الدین کے چیلنج کے جواب میں چنگیز خان کو خود مقابلے میں نکلنا چاہئے تھا،مگر زیرک و عیار،جہاں سوز فاتح نے احتیاط سے کام لیا،کیونکہ بکثرت افواج اور بھرپور وسائل کے باوجود اس بار اسے اپنی کامیابی کا وثوق نہ تھا،اس کے غرور و پندار کا ایوان شکستہ ہو چکا تھا،اپنی افواج پر اس کا اعتماد متزلزل ہو رہا تھا۔اس نے خود محاذ پر جانے کے بجائے اپنے سب سے قابلِ اعتماد بیٹے تولی خان کو اپنی افواج کا اکثر حصہ دے کر سلطان جلال

الدین کے مقابلے پر روانہ کر دیا [۴۱] اور بقیہ فوج کو لے کر وہ خود بامیان کے محاصرے میں مصروف رہا۔ [۴۲]

سلطان جلال الدین کے پروان پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد تولی خان کی قیادت میں تاتاریوں کا سیلِ ہمہ گیر طوفان کی طرح موجیں مارتا ہوا پروان کی حدود میں داخل ہو گیا۔ [۴۳] اس لشکر کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے، مفتوحہ صوبوں کے قیدیوں کا ایک انبوہِ کثیر بھی اس لشکر میں شامل تھا۔ ان مظلوموں سے جبری مشقت بھی لی جاتی تھی اور لڑائی کے موقع پر ان کے ذریعے اپنی تعداد مزید بر مزید ظاہر کر کے حریف پر دہشت بھی طاری کر دی جاتی تھی۔ [۴۴]

اسلامی فوج کی صف بندی..... تاتاری فوج کی آمد کی اطلاع پا کر سلطان جلال الدین نے پروان کے مرکز چہاریکار کے شمال مشرق کی طرف پیش قدمی کی۔ [۴۵] کوئی ایک فرسخ (تین میل) کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک وسیع میدان میں پہنچ کر سلطان اپنی فوج کی صف بندی کرنے لگے۔ [۴۶]

سورج طلوع ہو چکا تھا اور اس کی سنہری کرنیں وقت کے اس صاحبِ عزیمت کی پیشانی کو چوم رہی تھیں جو ایشیا سے لے کر افریقہ تک کے مسلمانوں کے لیے آخری دفاعی حصار تعمیر کر رہا تھا۔

مجاہدینِ اسلام کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی [۴۷] وہ ماضی کی تمام شکستوں کا بدلہ لینے کے لیے بیتاب تھے، وہ خونِ مسلم کے ایک ایک قطرے کا حساب لینا چاہتے تھے، ان کے چہروں پر خوف و ہراس کا نام و نشان تک نہ تھا۔ سلطان جلال الدین اپنے خصوصی افسران کے ساتھ صفوں کا معاینہ کر رہے تھے۔ ان کی پُر عزم نگاہیں مجاہدین کے حوصلوں اور امنگوں کو اوجِ ثریا تک پہنچانے کے لیے کافی تھیں۔

لشکر کے دائیں بازو پر امین الملک اور بائیں بازو پر سیف الدین اغراق کو امیر مقرر کر کے سلطان خود قلبِ لشکر میں آ گئے۔ [۴۸]

جس وقت سورج قدرے بلند ہوا اور اس کی شعاعوں سے مجاہدین کی فولادی شمشیریں اور زرہیں آئینے کی طرح چمکنے لگیں، تاتاری لشکر پورے جوش و خروش کے ساتھ گرد و غبار اُڑاتا، زمین کو دہلاتا، میدان کے دوسرے کنارے پر آ پہنچا۔ [۴۹] دشمن کو سامنے پا کر سرفروشانِ اسلام کے ہاتھوں کی گرفت اپنی تلواروں پر مضبوط ہو گئی، جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا، رجزیہ اشعار اور جہادی نغمات لبوں پر آ گئے، جامِ شہادت پینے کے شوق میں دل بُری طرح بے چین ہو گئے اور نعرہ ہائے تکبیر سے دشت و جبل گونج اُٹھے۔

انوکھی وضع ہے، سارے زمانے سے نرالے ہیں ۔۔۔ یہ عاشق کون سی بستی کے یا رب رہنے والے ہیں

سلطان کی عجیب حکمت عملی..... میدانِ جنگ کی طبعی ساخت و محل وقوع کو مدنظر رکھتے ہوئے، نیز اپنے سپاہیوں کے دلوں سے فرار کا معمولی سا وسوسہ منقطع کرنے اور انہیں شہادت پر برانگیختہ کرنے کے لیے سلطان جلال الدین نے حکم دیا:

''تمام سپاہی گھوڑوں سے اُتر کر پیدل ہو جائیں اور پوری ثابت قدمی سے لڑیں۔'' [۵۰]

چنگیز خان کے افسران حیرت و تشویش سے مسلمانوں کو گھوڑوں سے اُترتا ہوا دیکھ رہے تھے، تاہم وہ حملے کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ طبل جنگ پر چوٹ پڑتے ہی دونوں فوجیں آپس میں گتھ گئیں اور جوں جوں سورج بلند ہوتا گیا لڑائی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جنگ کے شعلے اس وقت عروج کو پہنچتے نظر آئے جب سلطان نے اپنے زیر کمان

قلب کے دستوں کو لے کر تاتاریوں کے قلب پر نہایت جارحانہ حملہ کیا اور ان کی صفیں چیر کر رکھ دیں۔ اس وقت چہار سُو مسلمان اور کافر، اہلِ حق اور اہلِ باطل دست بدست بھڑے ہوئے تھے۔ شمشیروں کی گردش کے درمیان ہر طرف موت مُنہ کھولے کھڑی دکھائی دے رہی تھی۔ ہر طرف خون کے چھینٹے یوں گر رہے تھے جیسے آسمان سے لہو کی بارش ہو رہی ہو۔

نقشہ معرکہٴ کارزار..... مسلمان شہادت کی تمنا میں سردھڑ کی بازی لگا کر لڑ رہے تھے، جبکہ کافر اپنے غرور و تکبر، جھوٹے وقار اور اسلام دشمنی کے جذبات کی بنیاد پر پوری وحشتوں کے ساتھ حملے کر رہے تھے۔ گھڑ سوار دشمنوں کے سامنے پاپیادہ مجاہدین اس ثابت قدمی سے لڑے کہ دشمن ان کی صفوں میں تزلزل پیدا کرنے سے عاجز آ گیا، خصوصاً امین الملک کی قیادت میں لشکرِ اسلام کا دایاں بازو نہایت مضبوطی سے جم کر مقابلہ کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر تولی خان نے دس ہزار تازہ دم سپاہی اس طرف بھیج دیے اور حکم دیا کہ مسلمانوں کے دائیں بازو کو ان کے باقی لشکر سے کاٹ دیا جائے۔ تاتاریوں کے نئے اور شدید ترین حملے کے آگے امین الملک کے دستوں کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ پیدل سپاہی پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

قلب لشکر میں سلطان جلال الدین نے یہ نازک صورتحال دیکھتے ہی قلب کی قیادت ایک معتمد جرنیل کے حوالے کر کے اپنے جانثار دستوں کے ساتھ دائیں بازو کا رخ کیا۔ سلطان کی آمد سے امین الملک کے دستے ایک بار پھر زور وشور کے ساتھ مقابلے پر ڈٹ گئے اور اپنے قدم جمانے کے بعد جاں توڑ حملوں سے وہ تاتاریوں کے پیچھے دھکیلنے لگے، تاتاری شدید دباؤ میں آ کر پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنے قلبِ لشکر سے جا ملے۔ (۵۱)

لشکر اسلام کے بائیں بازو پر متعین امیر سیف الدین اغراق بھی بڑی دلیری سے میدانِ کارزار میں جما رہا اور دن بھر کی لڑائی میں تاتاری اس جانب کوئی رخنہ ڈالنے میں ناکام رہے۔ لڑائی کے دوران سیف الدین اغراق نے اپنی بہادری، جنگی تجربے اور چالاکی کی دھاک بٹھا دی، وہ اپنے ترک خلجی بہادروں کے ساتھ بار بار آگے بڑھ کر دشمن پر حملے کرتا رہا۔ تاہم دوسرے دستوں کے سپاہیوں سے اس کا سلوک حوصلہ افزاء نہ تھا، ایک موقع پر سلطان جلال الدین کے دیگر سپاہیوں کو پیچھے ہٹتا دیکھ کر اس نے چلاّ کر کہا: ''پرے ہٹ جاؤ.....تم دشمن سے خوفزدہ ہو.....'' (۵۲)

شام تک جنگ پوری شدت سے جاری رہی۔ جب سورج نے مغرب کے پردے میں مُنہ چھپا لیا تو فریقین میدان سے ہٹ کر اپنے اپنے پڑاؤ کی طرف چلے گئے۔ میدانِ جنگ میں جگہ جگہ لاشوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ مسلمان اپنے شہیدوں کو تلاش کر کے ان کی نمازِ جنازہ اور تجہیز و تکفین کی ذمہ داریاں انجام دینے لگے۔ رات بھر فریقین کل کی جنگ کے لیے اپنے توانائیاں مجتمع کرتے رہے تا آنکہ رات کا آخری پہر انجام کو پہنچا۔

تاتاریوں کا فریب..... تاتاری جنگ آزما مکر و فریب میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اس موقع پر انہوں نے ایک عجیب چال چلی، دن بھر کی لڑائی میں جو تاتاری مارے گئے تھے تاتاریوں نے لکڑیوں اور کپڑوں کے بُت بنا کر ان کے گھوڑوں کی زینوں پر نصب کر دیے اور اس مصنوعی فوج کو لشکر سے دور ایک مقام پر کھڑا کر دیا۔ (۵۳)

اگلی صبح دونوں فوجیں ایک بار پھر آمنے سامنے کھڑی ہو کر اپنی صفیں آراستہ کرنے لگیں۔ سلطان جلال الدین فوج کے معائنے میں مصروف تھے کہ چند اعلیٰ افسران نے انہیں یہ خبر سنائی کہ تاتاریوں کیلئے بہت بڑی تعداد میں کمک آ رہی ہے۔

سلطان جلال الدین نے غور سے دیکھا، دور افق پر ایک نئی فوج کی آمد کے آثار نظر آ رہے تھے، ہزاروں سوار گھاٹیوں سے نکل کر اس وسیع میدان کے آخری کنارے پر گشت کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دراصل یہ تاتاری فوج

کے وہی مصنوعی سوار تھے جو انہوں نے راتوں رات تیار کیے تھے اور فاصلے کی زیادتی کے باعث دور سے وہ کسی اصلی فوج کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ سلطان جلال الدین کے افسران نے مشورہ دیتے ہوئے کہا:

''اپنی موجودہ تعداد کے ساتھ ہم اس میدان میں جم کر مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے، بہتر ہوگا کہ ہم فی الفور پسپا ہو کر اپنی پشت پر واقع بلند کوہستان میں مورچہ بندی کرلیں اور تیراندازی و سنگ باری کے ذریعے تاتاری فوج کو آگے بڑھنے سے باز رکھیں۔''

سلطان جلال الدین کا استقلال..... ظاہری تناظر میں ان افسران کا یہ مشورہ بالکل قرین عقل تھا، مگر سلطان جلال الدین کے دل پر اطمینان و سکینت کے بادلوں نے اپنا سایہ کر رکھا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ وہ نصرتِ الٰہیہ کو کھلی آنکھوں سے اپنے شامل حال دیکھ رہے ہیں۔ غالباً وہ تاتاریوں کی چال بھی سمجھ چکے تھے، انہوں نے اپنے افسران کی بے چینی اور تذبذب کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے غایتِ سکون سے جواب دیا:

''میرا قطعی حکم یہ ہے کہ روزِ گزشتہ کی طرح گھوڑوں سے اُتر جاؤ اور پاپیادہ یک بارگی دشمن پر حملہ کردو۔''

سلطان کو اپنی رائے پر اٹل دیکھ کر افسران کو حکم سے سرتابی کی مجال نہ رہی۔ سپاہیوں نے پیدل صفیں قائم کیں اور دشمن کی تعداد کو نظر انداز کرتے ہوئے اس پر حملہ کردیا۔ [54]

گھمسان کی جنگ اور فتح..... گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ انسانی جسموں کے پرخچے اُڑنے لگے، تاتاری بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، مسلمان بھی پاپیادہ نہایت پامردی کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ سیف الدین اغراق کے چالیس ہزار سپاہی دشمن کے لیے حد مہلک ثابت ہو رہے تھے۔ آخر کار تاتاریوں کے چنیدہ سورماؤں کا ایک طوفانی دستہ سیف الدین کے مقابل لڑنے والی اپنی صفوں کی مدد کو پہنچ گیا اور لشکر اسلام کے بائیں بازو اور تاتاریوں کے دائیں بازو کے مابین ایک ہولناک معرکہ برپا ہوگیا۔ اگرچہ تاتاریوں کا حملہ بڑی شدت کا تھا، مگر ترک سپاہیوں نے سامنے سے تیروں کا ایسا مینہہ برسایا کہ دشمن منہ پھیر کر پیچھے ہٹ گیا۔ ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے قلب کے سپاہیوں کی کمان کرتے ہوئے بذاتِ خود تاتاریوں کے قلب پر ایسا زوردار حملہ کیا کہ ان کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ میدان سے بھاگ نکلے۔

سلطان جلال الدین دشمن کو زندہ بچ نکلنے کا موقع دینے کے قائل نہ تھے۔ ان کے اشارے پر کوچ کے نقارے پر چوٹ پڑنے لگی۔ سلطان نے افواج کو حکم دیا کہ سوار ہو کر دشمن کا تعاقب کریں۔ پلک جھپکتے میں غازیانِ اسلام برق رفتار تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر دشمن کے پیچھے لپکنے لگے۔

اسلامی لشکر کے آگے منتشر ہو کر فرار ہونے والا تاتاری لشکر آگے جا کر ایک میدان میں جمع ہونے لگا۔ غازیانِ اسلام کے پہنچتے ہی ایک بار پھر نئے عزائم کے ساتھ معرکۂ حرب وضرب برپا ہوگیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ تاتاری کسی چال کے تحت اسلامی لشکر کو اس مقام تک لائے تھے، مگر چند شدید حملوں کے بعد تاتاریوں نے یہ محسوس کرلیا کہ انہوں نے یہاں رک کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ سلطانی افواج کا زبردست دباؤ انہیں بُری طرح سے دھکیل رہا تھا۔ آخر کار تاتاری لشکر ایک بار پھر پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا، سلطانی افواج نے بھی ان کا تعاقب جاری رکھا۔ تاتاری لشکر کے اکثر حصے کو مجاہدین کی تلواروں نے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ سلطان کے کاتب شہاب الدین النسوی، علامہ ابن خلدونؒ اور حافظ ذہبیؒ کے بیان کے مطابق ان ہلاک شدگان میں چنگیز خان کا بیٹا تولی خان بھی شامل تھا۔ [55]

مِنْ عَهْدِ عَادٍ كَانَ مَعْرُوفًا لَنَا　　اَسْرُ الْمُلُوكِ وَقَتْلُهَا وَقِتَالُهَا ⑤٦

شہاب الدین النسوی اس شاندار فتح پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلطان نے جہاد کے عزمِ مصمم اور عالی ہمتی کے ساتھ تولی خان کا مقابلہ کیا، لشکر آمنے سامنے ہوئے تو سلطان نے دشمن کے قلب پر بذاتِ خود حملہ کیا اور ان کو تتر بتر کر دیا، ان کے پرچم اپنے گھوڑوں کے سموں تلے کچل ڈالے، انہیں بھاگنے اور ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا، اس دن انتقام سے لبریز تلواریں دشمن پر حاوی ہو گئیں اور قتل ہونے والوں میں تولی خان بھی مارا گیا۔''

مسلمانوں نے اس دن درندہ صفت تاتاریوں سے ان کی زیادتیوں کا کس طرح بدلہ لیا۔ النسوی کا بیان ہے:

''تاتاری بہت بڑی تعداد میں قیدی بنے، لشکر کے خیمے گاڑنے والے مزدور تک اپنا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے ان قیدیوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور ان کے کانوں میں میخیں ٹھونکتے تھے تاکہ انتقام کی آگ ٹھنڈی کریں۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۵)

یاد رہے کہ یہ تاریخ میں پہلا موقع تھا کہ تاتاری سپاہی قیدی بنے تھے ورنہ اس سے پہلے یہ بات کہاوت کی طرح مشہور تھی کہ تاتاری لڑتے لڑتے مرجاتے ہیں مگر ان کا کوئی فرد کبھی گرفتار نہیں ہوتا۔

تاتاری فوج مسلمان قیدیوں کے بہت بڑے مجمعے کو ساتھ لائی تھی، فتح کے بعد مجاہدینِ اسلام نے ان مظلوموں کو بھی آزاد کرا لیا۔ ⑤٧

بامیان کا معرکہ ...... اس دوران چنگیز خان ایک عرصے سے کوہ بابا کے بلند کوہستان کے دامن میں واقع سنگین فصیلوں والے شہر بامیان کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، مگر اس کے متواتر حملوں کے باوجود اہلِ شہر کی مزاحمت کا توڑ نہیں ہو سکا تھا۔ چند دنوں بعد پروان میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے والی فوج کے سردار اور بچے کھچے سپاہی چنگیز خان کے پاس آئے اور اسے اپنی شکستِ فاش کے علاوہ تولی خان کی ہلاکت کی خبر سنائی۔ چنگیز خان کی زندگی میں اس سے زیادہ کٹھن، کڑوے اور تکلیف دہ لمحات شاید پہلے کبھی نہ آئے ہوں گے۔ لاکھوں بندگانِ خدا سے ان کی اولاد کی زندگیاں چھیننے والے ظالم بھیڑیا آج خود اپنے بیٹے کی جدائی کا زخم سہنے پر مجبور ہو گیا تھا اور اسے یہ کاری زخم لگانے والا شخص اس کا سب سے بڑا حریف سلطان جلال الدین تھا۔

چنگیز خان نے بڑے غیظ وغضب کے ساتھ نئے سرے سے بامیان پر حملہ کیا۔ سلطان جلال الدین کے ساتھ زندگی یا موت کا آخری کھیل کھیلنے سے پہلے وہ اس مسلح شہر کی مدافعت سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ محصور مسلمانوں نے اس علاقے سے بڑی بڑی چٹانیں اور پتھر پہلے سے ہی غائب کر دیے تھے تاکہ تاتاری انہیں منجنیقوں میں استعمال نہ کر سکیں۔ چنگیز خان کے حکم سے فصیلوں کے مقابلے میں لکڑی کے مورچہ بند مینار کھڑے کر دیے گئے۔ تاتاری ان میناروں پر چڑھ کر فصیلوں پر موجود شہر کے محافظ دستوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ اہلِ شہر نے جواباً آتش گیر مادہ پھینک کر جگہ جگہ لکڑی کے ان میناروں کو آگ لگا دی۔ اس کے دفاع میں تاتاریوں نے مویشیوں کو ذبح کر کے ان کی بھیگی ہوئی کھالیں ان میناروں پر لپیٹ کر انہیں آتش زدگی سے محفوظ بنا لیا۔

نت نئی ترکیبوں پر مشتمل یہ جنگ جاری تھی کہ چنگیز خان نے ''آخری حملے'' کا حکم دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ قلعہ فتح

ہونے تک حملہ جاری رہنا چاہیئے۔ تاتاری فوج نے پوری قوت مجتمع کر کے شہر پر حملہ کر دیا۔ فصیل سے پتھروں اور تیروں کی پیہم برسات کے باوجود حملہ جاری رہا۔ اسی دوران چنگیز خان کا ایک پوتا جو اس کا انتہائی چہیتا تھا، مسلمانوں کے تیرانداز دستے کے جوابی حملے میں مارا گیا۔ چنگیز خان کی وحشت جنون کی آخری حدود کو چھونے لگی۔ اس نے اپنے پوتے کی لاش اپنے خیمے میں منگوائی۔ شدّت غضب سے اپنا ''خود'' سر سے اُتار پھینکا اور اپنے سپاہیوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا اس دستے کے پاس جا پہنچا جو فصیل کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنگیز خان کو اپنے درمیان پا کر تاتاری حملہ آوروں کا جوش آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ فصیل کے ایک حصے میں شگاف ڈال کر وہاں قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد بامیان کے دلیر سپاہیوں کی زبردست مزاحمت کے باوجود تاتاری سیلاب شہر میں داخل ہو گیا۔

غصے سے پاگل چنگیز خان نے حکم دیا کہ شہر میں انسان تو کجا کسی اور جاندار شے کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے اور تمام عمارتوں کو مسمار کر دیا جائے۔ اس حکم پر عمل ہوا، شہر کے تمام افراد کو نہایت بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔ کتوں، بلیوں اور چوہوں تک کو چن چن کو مارا گیا۔ مردہ عورتوں کے پیٹ چاک کیے گئے۔ کسی لاش کے بطن سے کوئی بچہ برآمد ہوتا تو اس کا سر تن سے جدا کر دیا جاتا۔ انسانوں اور حیوانوں کے خاتمے کے بعد نباتات و جمادات کی باری آئی، تمام درخت اور پودے اُکھاڑ دیئے گئے، عمارتیں منہدم کر دی گئیں۔ غرض یہ کہ جب تاتاری لشکر نے بامیان سے کوچ کیا تو وہاں ملبے اور راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔

بامیان کے مجاہدین نے ایک طویل مدت تک جنگ لڑ کر تاتاریوں کو شدید جانی نقصان پہنچایا تھا نیز اسی مقام پر چنگیز خان کو اپنے لشکر کی شکست اور تولی خان کی موت کی خبر ملی تھی اور اسی شہر کی فصیلوں کے سامنے چنگیز خان کا پوتا ہلاک ہوا تھا ان متعدد زخموں کے باعث تاتاریوں نے اس شہر کو ''موبالیغ'' (شہرِ غم) کہنا شروع کر دیا۔ [۵۸]

چند ضروری وضاحتیں

خراسان یا افغانستان..... سرزمینِ جہاد ''افغانستان'' اس دور میں موجودہ نام سے موسوم نہ تھی، بلکہ اس کا زیادہ تر حصہ خراسان کہلاتا تھا۔ یہ علاقہ دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا جہاں پختون آبادی کا اختتام ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے پار سے ہندوستان شروع ہوجاتا تھا۔ اس سرزمین کو احمد شاہ ابدالی کے دور میں '' افغانستان'' کا نام دیا گیا۔ افغانستان کی موجودہ حد بندی امیر عبدالرحمٰن کے دور میں انگریزوں سے ایک معاہدے کے تحت ہوئی جس کی وجہ سے ڈیورنڈ لائن کے اِس طرف کا علاقہ افغانستان سے نکل گیا۔ قارئین یہ ذہن میں رکھیں کہ ہماری اس داستان میں جہاں مشرقی جنوبی یا شمالی خراسان کا ذکر ہے وہاں افغانستان کے علاقے مراد ہیں۔

ایک اتفاقی فتح یا فتوحات کا سلسلہ..... سلطان جلال الدین جب سے امتِ مسلمہ کے غیور فرزندوں کو متحد کر کے دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں آئے تب سے حالات کا رُخ بدل گیا تھا اور تاتاریوں کو افغان عوام اور سلطان کے ہاتھوں شدید مزاحمتوں اور رسوا کن شکستوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ سلطان نے صرف ایک سال میں تاتاریوں کو جن معرکوں میں شکست دی، ان کی تعداد سات سے کم نہیں ہے۔ قندھار، غزنی، قلعہ والیان اور پروان کی جنگوں میں سلطان کی شاندار فتوحات کی تفصیلات تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں، ان کے علاوہ بھی چند معرکے پیش آئے، مگر ان کی تفصیل دستیاب نہیں ہوسکی تاہم ثبوت کے لیے فاضل مؤرخ حمد اللہ مستوفی قزوینی کی شہادت کافی ہے۔ وہ اپنی

تصنیف تاریخ گزیدہ میں (جو سلطان جلال الدین سے ایک صدی بعد ۷۳۰ھ میں اس دور کی تمام کتب تواریخ کا گہرا مطالعہ کر کے لکھی گئی ہے۔) لکھتے ہیں:

''دراں سال ہفت نوبت میان او ولشکر جنگ افتاد و ہمیشہ او مظفر بود'' (تاریخ گزیدہ، ج ۱، ص ۵۰۰) یعنی اس سال ۶۱۷ھ/۶۱۸ھ میں سلطان جلال الدین اور تاتاری لشکر کے درمیان سات معرکے ہوئے اور ہر بار سلطان کو فتح نصیب ہوئی۔

نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بعض مؤرخین (خاص کر زمانہ قریب کے بعض بزعم خود محققین) ان فتوحات کی جانب ایک اُچٹتی نگاہ بھی نہ ڈال سکے اور اپنی کم نظری کی بناء پر صرف ایک دو فتوحات کا تذکرہ کر کے سلطان کے حق سے عہد برا ہو گئے۔ کسی نے فقط معرکہ غزنی کا ذکر کیا اور کسی نے پروان کی جنگ میں کامیابی کا تذکرہ کافی سمجھا۔ بعض حضرات نے تو غزنی یا پروان کی جنگ کا سرسری حال تحریر کرنے کے بعد یہ خلافِ حقیقت وضاحت کی بھی ضروری سمجھی کہ ''یہ واحد فتح تھی جو مسلمانوں کو اس پورے سلسلہ جنگ میں حاصل ہوئی'' اور بعض حضرات نے یہ تبصرہ کیا کہ: ''یہ پہلا اور آخری موقع تھا کہ تاتاریوں کو کسی میدان میں شکست ہوئی۔'' پھر اس ایک فتح پر بھی اتفاقی کامیابی کا پردہ ڈال دیا گیا۔ مسلمانوں کی سرفروشی وقربانی کی بجائے تاتاریوں کی نفری میں کمی یا ان کے سپہ سالار کی کسی غلط فہمی جیسے خلافِ واقعہ امور کو اس کامیابی کا سبب قرار دے کر گویا دانستہ طور پر اس فتح کا وزن گھٹانے کی کوشش کی گئی۔

گزشتہ اوراق میں پیش کردہ تفاصیل سے یہ بات خوب نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ سلطان کی کامیابیاں کسی ایک آدھ اتفاقی فتح یابی تک محدود نہیں تھیں، بلکہ یہ فتوحات کا ایک تسلسل تھا جس میں تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج اپنی وسیع تر اسکیموں اور گہری منصوبہ سازیوں کے ساتھ مقابلے پر آتی رہیں اور ہر بار منہ کی کھاتی رہیں۔

امریکی مؤرخ کی غلط بیانی...... یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہیرلڈ لیمب نے اپنی کتاب ''چنگیز خان'' میں ان محاذوں پر تاتاری افواج کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد کو دس گنا ظاہر کیا ہے۔ اس کی تحریر کے دو اقتباس درج ذیل ہیں:

> **1** ''سلطان محمد خوارزم شاہ کی موت اور اس کے دو بیٹوں کی شہادت کے بعد مسلمان عوام اپنے رہنماؤں، ایرانی شہزادوں اور سیدوں کے جھنڈوں تلے مقابلے کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ چنگیز خان کو اس صورتحال کا علم تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اصل زور آزمائی موقع اب آنے والا ہے۔ غالباً دس لاکھ مسلح سوار فوج اس سے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی۔''
>
> **2** ''یلغار کے اس دوسرے سال میں تاتاری لشکر بارہ تومانوں سے زیادہ نہ ہوگا، یعنی یہ ایک لاکھ سے کچھ زائد سپاہی تھے۔'' (چنگیز خان، باب نمبر ۱۷، ص ۱۳۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ ''مسلمان فوج کی تعداد دس لاکھ تھی۔'' اور ''تاتاری ایک لاکھ سے کچھ زائد تھے۔'' جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ''مسلمانوں کی قوت تاتاری سے تقریباً دس گنا زائد تھی۔''

ہیرلڈ لیمب کا یہ بیان سراسر مغالطہ ہے۔ یہ بات پہلے ثابت کی جا چکی ہے کہ تاتاری لشکر میں حملے کی ابتدا میں آٹھ لاکھ سے کم افراد نہیں تھے [59] یلغار کے دوسرے سال تک چونکہ یہ لشکر دنیا کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا اور اس کے بہت سے افراد مارے بھی گئے تھے، اس لیے اس بات سے تو انکار نہیں کہ چنگیز خان کی ذاتی کمان (قلب لشکر) میں سپاہیوں کی تعداد کم ہو چکی ہو، لیکن اس کو مبالغہ کی حد تک گھٹا کر ظاہر کرنا غلط فہمی سے زیادہ کم نظری پر مبنی ہے۔

درحقیقت امریکی مؤرخ کا تاتاریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی قوت کو دس لاکھ سوار سپاہیوں تک بڑھا کر پیش کرنا ایک بالکل ماوراء العقل بات ہے جس کا کوئی ثبوت پیش نہیں جا سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں خوارزم کی مسلح و منظم سپاہ کی تعداد چار لاکھ سے زائد نہیں تھی، جبکہ اس کے مدمقابل تاتاریوں کی تعداد آٹھ لاکھ سے کسی طرح کم نہیں تھی، اب جبکہ تاتاری تقریباً پورے ملک پر قابض ہو کر اکثر آبادی کو تہس نہس کر چکے تھے۔ خوارزمی فوج کے بڑے حصے کا صفایا ہو چکا تھا، عسکری صلاحیت رکھنے والے زیادہ تر افراد کام آ چکے تھے اور بقیہ مسلمانوں کی اکثریت فنون حرب میں دسترس نہیں رکھتی تھی تو ایسے حالات میں دس لاکھ مسلح مسلمان سواروں کی یہ فوج کہاں سے اور کس طرح مہیا ہو سکتی تھی، جبکہ حالات سلطان جلال الدین کے سراسر خلاف تھے۔ بہت سے مسلمان امراء ابھی تک تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ عوام اگرچہ سلطان سے محبت رکھتے تھے، مگر ان کی اکثریت فنون حرب میں مہارت نہیں رکھتی تھی، ان کے اژدھام سے دس لاکھ مسلح سواروں پر مشتمل فوج تیار نہیں کی جا سکتی تھی۔ بہت سے مسلمان تاتاریوں سے خوف زدہ ہو کر جہاد کے نام ہی سے کوسوں دور بھاگنے لگے تھے اور اپنے امراء و رؤساء کی طرح خلاف حقیقت مصلحت پسندی کا شکار ہو چکے تھے۔ وہ سلامتی کے ساتھ زندہ رہنے کی خود فریبی میں مبتلا ہو کر تاتاریوں کے سامنے سرنگوں ہو چکے تھے۔ بہت سے امراء اس نازک وقت میں بھی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے۔ ان حالات میں اس بات کا دور دور تک کوئی امکان نہیں تھا کہ سلطان کو تاتاریوں سے مقابلے کے لیے دس لاکھ سواروں کی قیادت کا موقع ملتا۔ سلطان کو اپنی جدوجہد کے اس طویل سلسلے میں جس بڑی سے بڑی فوج کی قیادت میسر آئی وہ افغان سرداروں کی متحدہ طاقت پر مشتمل تھی، مگر اس کے افراد بھی ایک لاکھ سے زیادہ نہیں تھے۔

اگر امریکی مؤرخ دس لاکھ سواروں سے ان مسلم ممالک کی فوجیں مراد لے رہا ہے جو خوارزم کی ہمسایہ تھیں، تو بھی غلط ہے، امریکی مؤرخ کے دعوے یعنی 'دس لاکھ مسلح سوار فوج چنگیز خان کے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی' سے دو باتیں ظاہر ہو رہی ہیں: 1 خوارزم کے ہمسایہ ممالک کے پاس دس لاکھ مسلح سوار فوج تھی۔ 1 یہ فوج چنگیز خان سے مقابلے کے لیے پیش قدمی کرنے والی تھی۔'' یہ دونوں باتیں ''روایت'' کے لحاظ سے اس لیے ناقابلِ اعتبار ہیں کہ تاریخ میں ان کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اور خود ہیرلڈ لیمب نے بھی حسبِ عادت اس کے متعلق کوئی حوالہ نہیں دیا۔

عقلی لحاظ سے بھی یہ دونوں باتیں ناقابل تسلیم ہیں، اس لیے کہ خوارزم کی ہمسایہ مملکتوں میں جو بمشکل چند چند ہزار سپاہیوں پر مشتمل مختصر سا دفاعی نظام رکھتی تھیں، اتنی طاقتور فوج تشکیل دینے کی ہرگز صلاحیت نہیں تھی۔

اس وقت خوارزم کے ہمسایہ ممالک میں صرف بغداد ایک ایسا مرکز تھا جہاں سے تاتاریوں کے خلاف لشکر کشی میں معقول مدد مل سکتی تھی، مگر بغداد کے سوار سپاہی بھی ایک لاکھ سے کم تھے۔ (۴۰) دیگر چھوٹی چھوٹی سلطنتیں تو تاتاریوں سے چند جھڑپوں کے بعد ہی اپنا فوجی توازن کھو بیٹھی تھیں اور اپنے دفاع سے بھی عاجز تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ مسلم حکومتیں اگر خلافتِ بغداد کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف متحدہ محاذ بناتیں تو ایک طاقتور لشکر وجود میں آ سکتا تھا اور اگر اس لشکر کی قیادت سلطان جلال الدین جیسے عالی ہمت سپہ سالار کے ہاتھ میں ہوتی تو اس مشترکہ قوت سے تاتاریوں کو صحرائے گوبی کا راستہ ناپنے پر بھی مجبور کیا جا سکتا تھا، لیکن پھر بھی اس کا کوئی امکان نہیں تھا کہ اس فوج میں دس لاکھ افراد شامل ہوتے۔

نیز امریکی مؤرخ کا انداز بیان یہ ظاہر کر رہا ہے کہ یہ فوج پیش قدمی کرنے پر تُلی ہوئی تھی، حالانکہ تاریخ اس کے برخلاف یہ بتاتی ہے کہ سلطان کی امداد اور تاتاریوں سے جہاد کے لیے کسی بھی ملک نے اپنی افواج مہیا نہیں کیں اور سلطان آخر دم تک تنہا ہی اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں سے نبرد آزما رہے۔

اس مغالطہ آرائی سے امریکی مؤرخ کیا فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے؟ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے وہ یہ تاثر دینا چاہتا ہو کہ مسلمان اتنے کمزور اور بزدل تھے جو دس گنا منظم افواج رکھنے کے باوجود ایک غیر متمدن اور تعداد میں کم حریف سے بھی مسلسل شکستیں کھاتے رہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بے شمار مواقع پر مسلمان مٹھی بھر کئی گنا زیادہ دشمنوں کا سر کچل چکے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

① افغانستان درمسیر تاریخ ،ص ۲۱۸ بحوالہ ابن حوقل والمقدسی

② روضۃ الصفا، ج ۵ ص ۳۸...... افغانستان درمسیر تاریخ ،ص ۲۱۸

③ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ص ۱۱۴ فی المکتبۃ الشاملۃ

④ ان کی ولادت ۵۲۲ھ میں ہوئی تھی، سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۱۱۴ شاملۃ ...... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ وفیات ۶۱۸ھ حرف عین

⑤ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ وفیات ۶۱۸ھ حرف عین

⑥ روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۸، ۳۹...... افغانستان درمسیر تاریخ ،ص ۲۱۹

⑦ جہاں کشا، ج ۲،ص ۱۳۴، ۱۳۵

⑧ سیرۃ جلال الدین ص ۱۳۲، ۱۳۳...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵

⑨ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵

⑩ طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶،ص ۳۷۲

⑪ چنگیز خان، باب نمبر ۱۷ص ۱۳۱...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۴، ۱۱۵

⑪ جہاں کشاج ۱ص ۱۰۱...... روضۃ الصفاج ۵ ،ص ۳۲

⑫ جہاں کشاج ۱ص ۱۰۳، ۱۰۴ ⑬ روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۴

⑭ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۴

⑮ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۴...... جہاں کشا، ج ۱ص ۱۰۴، ۱۰۵...... افغانستان درمسیر تاریخ ،ص ۲۱۱

⑯ افغانستان درمسیر تاریخ ،ص ۲۱۱...... جہاں کشا، ج ۱ص ۱۰۵

⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۱۷ص ۱۲۸، ۱۲۹

⑱ ''قلعہ کالیون'' سے ''قلعہ تو لک'' تک تمام محاذوں کے حالات ''افغانستان درمسیر تاریخ'' ص ۲۱۳ تا ۲۱۶ سے ماخوذ ہیں۔

⑲ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵

⑳ ابن خلدون ج ۵،ص ۱۱۵، ۱۱۶...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵

㉑ ابن خلدون ج ۵،ص ۱۲۰...... جہاں کشاج ۲،ص ۱۳۵ تا ۱۹۵...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۵

(۲۲) جہاں کشا، ج۲،ص ۱۳۵

(۲۳) یہ صوبہ زابل سے متصل غزنی کا ایک گوشہ ہے۔ (معجم البلدان)

(۲۴) ابن اثیر، ج ۷،ص ۵۹۳

(۲۵) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

(۲۶) جوینی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی روانگی کے بعد شہر حفاظتی فوج سے خالی تھا، مگر تاتاریوں کے شہر پر حملے کا خطرہ نہ تھا، اس لیے شہر کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ جوینی نے لکھا ہے کہ اس دوران دس بارہ ہزار تاتاری سپاہی یکدم شہر میں داخل ہو گئے اور سڑک پر نظر آنے والے بہت سے شہریوں کو شہید کرنے اور ایک مسجد کو جزوی طور پر جلانے کے بعد سلطان کے خلاف صف آراء ہونے والے لشکر میں شمولیت کے لیے روانہ ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حملہ آوروں کا غزنی پر حملہ کسی منصوبے کے تحت نہیں، بلکہ اتفاقاً تھا۔ سلطان سے لڑنے کے لیے جاتے جاتے راستے میں موقع پا کر وہ کچھ دیر غزنی میں قتل و غارت کے لیے رک گئے تھے، تاہم یہ غارت گری بڑے پیمانے پر نہیں تھی۔
(ملاحظہ کیجیے: جہاں کشا جوینی ج ۲،ص ۱۹۷)

(۲۷) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۹

(۲۸) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۹

(۲۹) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۹...... افغانستان در مسیر تاریخ ص ۲۲۵

(۳۰) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۹

(۳۱) روضۃ الصفاج ۵ ص ۴۰

(۳۲) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۹...... جامع تاریخ ہند، ص ۹۸

(۳۳) روضۃ الصفاج ۵ ص ۴۰

(۳۴) امام رازی، ص ۲۶

(۳۵) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۵

(۳۶) روضۃ الصفاج ۵ ص ۳۷...... افغانستان در مسیر تاریخ ص ۲۲۰...... تاریخ نہضتہائے ملی ایران ص ۵۲۲

(۳۷) ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳...... ابن کثیر، ج ۷ ص ۱۰۷

(۳۸) چنگیز خان باب ۱۹ ص ۱۴۸

(۳۹) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۵، ۱۳۶

(۴۰) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۶...... افغانستان در مسیر تاریخ ص ۲۲۲

(۴۱) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۸...... ابن اثیر ج ۷ ص ۵۹۳...... شذرات الذہب ج ۵ ص ۷۸

(۴۲) چنگیز خان باب ۲۰ ص ۱۴۹

(۴۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۴۴) ابن اثیر ج ۷، ص ۵۹۳...... البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۰۷

(۴۵) اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ص ۱۷۷

(۴۶) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۴۷) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۵

(۴۸) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۴۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۵۰) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۵۱) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۵۲) ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۹۳

(۵۳) جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۷

(۵۴) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۷ تا ۱۳۸...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۳ تا ۱۴۴...... روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۲۷

(۵۵) سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۴...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰...... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸۔ البتہ ہیرلڈلیمب کے مطابق تولی خان اس مہم میں سرے سے شریک نہیں تھا بلکہ ہرات گیا ہوا تھا۔ دیگر قرائن کے پیش نظر یہی بات درست ہے۔ دیکھئے چنگیز خان، ترجمہ عزیز احمد باب ۲۰ ص ۱۴۹۔

(۵۶) یعنی ''بادشاہوں کو قید کرنا اور ان سے قتل وقتال کرنا ہماری مشہور عادت رہی ہے۔''

(۵۷) البدایۃ والنہایۃ ج ۷، ص ۱۰۷...... ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳

(۵۸) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۷، ۸۲۸...... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۰

(۵۹) البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۳۸...... روضۃ الصفا ج ۵ ص ۳۵...... اسلامی انسائیکلوپیڈیا از قاسم محمود ص ۱۶۷ تا ۱۷۱ میں یہ تعداد چھ، سات لاکھ بتائی گئی ہے۔

(۶۰) خلیفہ ناصر کے پوتے خلیفہ مستنصر باللہ کے زمانے میں جب بغداد پر تاتاریوں کے حملے کا خطرہ بڑھ گیا، اس وقت بغدادی فوج کی تعداد میں اضافہ کر کے ایک لاکھ بیس ہزار سواروں پر مشتمل فوج تیار کی گئی تھی، اس سے پہلے وہاں کی سوار فوج ایک لاکھ سے کم ہی تھی۔ ملاحظہ کیجئے: تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۴ وفیات، حرف میم (''مستنصر'' کے ذیل میں)...... تاریخ اسلام، شاہ معین الدین ندوی حصہ ۴، ص ۴۸۸، بحوالہ دول الاسلام، ج ۲، ص ۱۱۱

سلطان جلال الدین اور چنگیز خان کے درمیان ساحل سندھ کے تاریخی معرکے کا نقشہ

پشاور
دریائے کابل
نوشہرہ
خیرآباد
اٹک خورد
کامرہ
جی ٹی روڈ
حسن ابدال
قدیم جرنیلی سڑک
اٹک سٹی
واہ
ٹیکسلا
راولپنڈی
دریائے سندھ
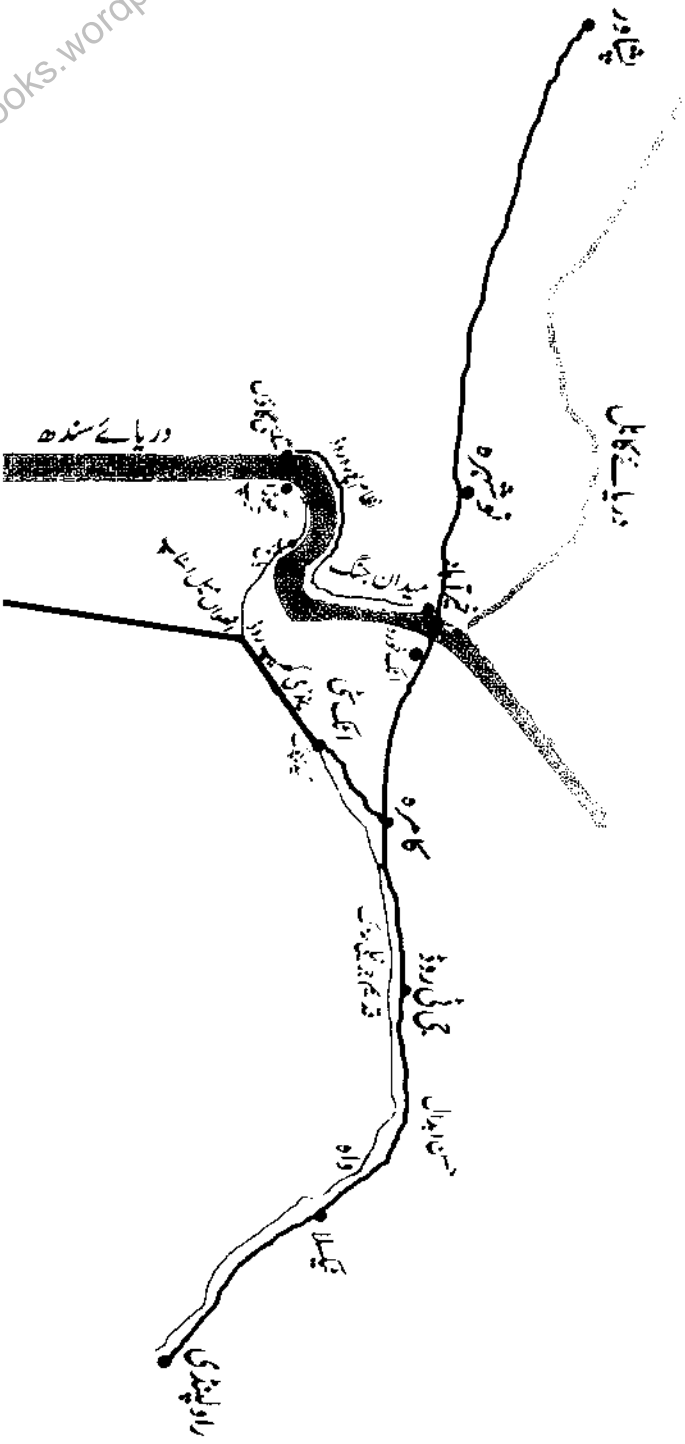
ساحلِ سندھ کا قیامت خیز معرکہ

اِنْ یَمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ وَتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیْنَ النَّاسِ...... ترجمہ: اگر تم کو زخم پہنچ جائے تو جماعتِ کفار کو بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ (سورۃ آل عمران، آیت: ۱۴۰)

یہ قدم قدم قیامت یہ سوادِ کوئے جاناں　　وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

لشکرِ اسلام میں انتشار..... پے در پے کئی میدانوں میں تاتاریوں کو شکست فاش دینے کے بعد سلطان جلال الدین مکمل فتح کے دوازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ان کی مسلسل فتوحات نے تاتاری فرمانروا کا سارا غرور خاک میں ملا دیا تھا۔ کئی بڑے بڑے تاتاری سردار مارے جاچکے تھے اور اگلے ایک دو معرکوں کے نتائج خود چنگیز خان کو صحرائے گوبی کا راستہ ناپنے پر مجبور کر سکتے تھے، لیکن مشیتِ ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا، سلطان جلال الدین کی امیدوں کے یہ روشن چراغ ایک ناگہانی سانحے کی آندھی نے یکا یک گل کر دیے۔ گلشنِ اسلام کی پژمردہ کلیاں جو بہار کے آثار دیکھ کر مسکرانے لگی تھیں اچانک خزاں کی لپیٹ میں آگئیں۔

پروان کے معرکے میں سلطان کے سپاہیوں کو جو بے شمار مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا، اس میں ایک خوبصورت، بیش قیمت اور صبا رفتار گھوڑا بھی شامل تھا، اس گھوڑے کے استحقاق پر امین الملک اور سیف الدین اغراق میں بحث شروع ہوگئی۔ بات بڑھتی چلی گئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ امین الملک نے غصے سے بے قابو ہو کر اغراق کے گھوڑے کے سر پر چابک دے مارا۔ یہ دیکھ کر ایک طرف سے سیف الدین اغراق کے حامیوں نے تلواریں سونت لیں اور دوسری طرف امین الملک کے ساتھی شمشیر بکف ہوگئے۔ فریقین باہم الجھ پڑے، اسی کش مکش میں سیف الدین اغراق کا بھائی امین الملک کے کسی حامی کے ہاتھوں جان سے مارا گیا۔ سلطان کو اس انتہائی نازک صورتحال کا علم ہوا تو ان کے دل پر قیامت بیت گئی۔ فوج کے ان دو سرداروں کو متحد رکھنا اب آگ اور پانی کے ملاپ سے زیادہ مشکل مسئلہ بن گیا تھا۔ سلطان کو ان پر قابو نہ تھا، نہ سیف الدین سے درگزر کی امید تھی اور نہ ہی امین الملک سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ ہزاروں سواروں کا قائد ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بلا تامل انصاف کے کٹہرے میں پیش کر دے گا۔ سلطان کو اندیشہ تھا کہ حصولِ انصاف کے لیے اس پر سختی کی گئی تو وہ ان کا ساتھ چھوڑنے میں تاخیر نہیں کرے گا۔

دوسری طرف سیف الدین کے بھائی کے قصاص کا معاملہ التواء میں ڈالنے سے چالیس ہزار ترک سپاہیوں کی لشکر سے علاحدگی کا خطرہ تھا۔ سلطان جلال الدین چکی کے دو پاٹوں کے درمیان آچکے تھے۔ وہ شریعت کے مطابق اس مسئلے کا حل نکالنے اور اس سلسلے میں علماء و قضاۃ سے فیصلہ دلوانے کے لیے تیار تھے، مگر ان نازک حالات میں فوج

کے بپھرے ہوئے دوسرداروں کواس پر راضی کرنا ہی بڑا مشکل مرحلہ تھا۔سیف الدین نے جب دیکھا کہ امین الملک اوراس کے ساتھیوں سے باز پُرس میں مسامحت برتی جارہی ہے تو اسے سلطان کی نیت اور عدل وانصاف میں شک ہونے لگا۔امین الملک سلطان جلال الدین کا سسر اور ماموں زاد بھی تھا۔سیف الدین نے سلطان کی وقتی چشم پوشی کو امین الملک سے ان کی قرابت کے پسِ منظر میں بڑی غلط نگاہوں سے دیکھا۔اس نے کہا:

''تاتاریوں کو میں نے شکست دی تھی اور یہاں میرے ہی بھائی کو مالِ غنیمت کے جھگڑے میں قتل کیا جارہا ہے۔''

سیف الدین نے آنے والے حالات کی سیاہ آندھیوں سے آنکھیں بند کرلیں اور ماضی و مستقبل کو یکسر نظر انداز کرکے سلطانی لشکر سے علاحدگی کا فیصلہ کرلیا۔وہ اپنے سپاہیوں سمیت لشکر گاہ سے نکلنے لگا۔سلطان کو علم ہوا تو وہ بے تابانہ دوڑتے ہوئے اس کے پیچھے گئے۔بمشکل سیف الدین کو روک کر اپنی مجبوریاں بیان کیں۔اسے حالات کی نزاکت کا احساس دلایا، جہاد کی فرضیت یاد دلائی۔شدت جذبات سے سلطان کی آواز کانپ رہی تھی۔پھر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور صبر وتحمل، شجاعت وتہوّر کا یہ پہاڑ ایک معصوم بچے کی طرح سیف الدین کے سامنے بلک بلک کر رونے لگا۔وہ کہہ رہے تھے:''سیف الدین! اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو۔''

سلطان کا اس قدر جذباتی انداز دیکھ کر سیف الدین نے بادلِ نخواستہ وقتی طور پر اپنے لشکر کو روک لیا،لیکن جب رات کی تاریکی چھاگئی تو وہ چپکے سے ننگر ہار کی طرف روانہ ہوگیا۔اعظم ملک اور دیگر ترکمان وغوری امراء نے بھی اس کی تقلید کی۔ اگلے دن صبح اُٹھ کر سلطان جلال الدین نے دیکھا کہ سیف الدین اغراق اور اس کے حامی امراء کی خیمہ گاہ سونی پڑی ہے اور وحشت وبہیمیت کے طوفانوں کے سامنے باندھا جانے والا حصار پلک جھپکتے میں شکستہ ہو چکا ہے۔ ①

سیف الدین اور ترکوں کے چلے جانے کے بعد سلطان کے باقی ماندہ سپاہیوں میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں کیونکہ شروع میں اصل بات سے سب لوگ واقف نہیں تھے۔بعض لوگ کہہ رہے تھے:''دراصل یہ تُرک تاتاریوں سے دہشت زدہ ہوکر بھاگے ہیں۔یہ سمجھتے ہیں کہ تاتاری انسان نہیں کوئی اور مخلوق ہیں جس پر تلوار اثر کرتی ہے نہ تیر۔اسی لیے تاتاری کسی سے ڈرتے ہیں نہ پسپا ہوتے ہیں۔'' کچھ کہہ رہے تھے:''ان لوگوں نے عہد توڑا ہے، تکبر اور مکاری کی وجہ سے وعدہ خلافی کی ہے۔ان مکاروں کو اس فریب کا بدلہ ضرور ملے گا۔''(سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶)

غرض جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔مگر جو ہونا تھا ہوچکا تھا۔ظاہری اسباب کے لحاظ سے اب چنگیز خان کے سامنے کوئی بند باندھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

نگاہِ عبرت ..... سلطان جلال الدین کی قیادت میں جمع ہونے والے ان مجاہدین کا باہمی اختلاف آخری فتح سے قبل جس بھیانک شکست کا پیش خیمہ بنا وہ ہماری تاریخ کا ایک عبرتناک باب ہے۔دورِ حاضر کے مسلم رہنما اس سے خاص طور پر عبرت حاصل کریں جو معمولی معمولی باتوں پر ایک دوسرے سے بدظن ہوکر باہم محاذ آرائی میں مشغول ہوجاتے ہیں۔یاد رکھیۓ! باہمی اختلاف اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا قابل نفرت جرم ہے کہ اس کے باعث مخلص قائدین اور بے لوث مجاہدین بھی فتح کی منزل سے بہت دور ہوجاتے ہیں۔

نوٹ ..... سیف الدین، اعظم ملک اور ان کے دوسرے رفقاء چند ہفتوں بعد کچھ باہمی جھگڑوں میں اور کچھ تاتاریوں کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اُتر گئے۔

چنگیز خان کی یلغار..... چنگیز خان ایک زخم خوردہ درندے کی طرح انتقام کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ سلطان جلال الدین کی افواج میں پھوٹ پڑنے کی خبر پاتے ہی اس نے اپنے تمام منتشر لشکروں کو جمع کیا اور اس عظیم طاقت کے ساتھ سیاہ آندھی کی طرح سلطان کے تعاقب میں لپکا۔ ②

خلجی، غوری اور ترکمان امراء کی غداری کے بعد سلطان جلال الدین کے پاس کم وبیش تیس ہزار سپاہی باقی رہ گئے تھے۔ ③ یہ معمولی فوج چنگیز خان کی افواج کے بے پایاں سیلاب سے کوئی تناسب نہیں رکھتی تھی، اس لیے سلطان جلال الدین نے باغی امراء کی طرف چند سفیر روانہ کیے اور انہیں اسلام کی حرمت کا واسطہ دے کر اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے پکارا اور خود کسی میدان میں جم کر مقابلہ کرنے کی بجائے غزنی کے مشرق کی طرف کوچ کی تیاری کی۔

دراصل اس وقت سب سے بڑا مسئلہ اپنی عددی کمی پوری کرنے کے لیے وقت حاصل کرنا تھا، سلطان کو معلوم تھا کہ ان سے بغاوت کرنے والے امراء مشرقی علاقوں کی طرف گئے ہیں، اس لیے سلطان نے بھی اسی جانب ہٹتے چلے جانا مناسب سمجھا، ان کا منصوبہ یہ تھا کہ اگر باغی امراء کو امت کی حالتِ زار پر رحم آگیا تو وہ ان کے ساتھ مل کر دریائے سندھ کے آس پاس کسی موزوں ترین مقام پر نئی صف بندی کر کے چنگیز خان کا مقابلہ کریں گے اور اگر باغی بدستور اپنی ضد پر اڑے رہے تو وہ دریائے سندھ عبور کر کے تاتاریوں کے فوری حملے سے بچ سکیں گے۔ ④

آخر لشکرِ اسلام نے غزنی سے کوچ کیا، عالم یہ تھا کہ اہل شہر خون کے آنسو رو رہے تھے، مدتوں بعد انہیں سلطان کے سائے میں امن ملا تھا، سلطان کے بعد انہیں اپنا سب کچھ موت کے منہ میں جاتا نظر آرہا تھا۔ خود سلطان جلال الدین کی اس وقت حالت یہ تھی کہ قولنج کی بیماری سے ان کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی، طبیب نے انہیں چلنے پھرنے سے منع کر دیا تھا۔ سلطان کو اس قدر نقاہت تھی کہ بستر سے اٹھنا دشوار تھا، ایسی حالت میں اتنا طویل سفر اور ایسی دشوار مہمات کی قیادت بظاہر انسانی طاقت سے باہر تھی۔ مگر اب کوچ کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ آخری صورت یہ ہوسکتی کہ سلطان کو پالکی پر ڈال کر ساتھ لے لیا جائے، سلطان کے خدام اور امرائے لشکر نے یہی تجویز کیا تھا، مگر سلطان نے اسے مسترد کر دیا کہ کہیں قائد کو لاچار دیکھ کر اس باقی ماندہ فوج کی ہمت پست نہ ہو جائے۔ سلطان نے اپنے حیرت انگیز جذبہ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عام سپاہیوں کی طرح گھوڑے کی پشت پر سفر کریں گے...... اور پھر سلطان نے ایسا کر دکھایا، وہ ناقابل برداشت تکلیف سہتے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو کر غزنی سے نکلے، عام لوگوں اور سپاہیوں کو شک تک نہ ہوا ان کا محبوب قائد جان کنی جیسی اذیت سے گزر رہا ہے۔ سلطان کی اس ہمت اور قربانی پر رحمتِ الٰہیہ متوجہ ہوئی اور ان کی طبیعت سنبھلنے لگی حتیٰ کہ سفر کے دوران ہی وہ مکمل طور پر شفایاب ہو گئے۔ ⑤

ادھر چنگیز خان ایک وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی لاتعداد افواج کے ساتھ زلزلے کی طرح بڑھا چلا آرہا تھا۔ اس کے پیشِ نظر سب سے اہم بات یہ تھی کہ سلطان سے منحرف ہونے والے امراء دوبارہ ان کی مدد کو نہ پہنچنے پائیں، چنانچہ اس نے اپنی افواج کو اس انداز سے پیش قدمی کا حکم دیا کہ سلطان جلال الدین کو کسی پہلو سے کوئی کمک نہ پہنچ سکے۔

سلطان سے بغاوت کرنے والے امراء اپنی اپنی افواج کے ساتھ مختلف علاقوں کی طرف نکل گئے تھے۔ تاتاری لشکر نے آگے بڑھتے ہوئے ان سب علاقوں کے راستوں کی ناکہ بندی کر کے ان سے سلطان کا رابطہ کاٹ دیا ⑥ چنگیز خان غزنی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر پانچ روز قبل وہاں سے کوچ کر چکا ہے۔ ⑦

چنگیز خان اپنے راستے کی اس سب سے بڑی چٹان کو ہر قیمت پر چکنا چور کرنے کا عہد کیے ہوئے تھا، اس لیے بلا کسی تاخیر کے وہ سلطان جلال الدین کے تعاقب میں روانہ ہوگیا۔ سلطان جلال الدین بہت آگے نکل چکے تھے، مگر چنگیز خان کسی صورت میں بھی اپنے اس دیرینہ دشمن کو ہاتھ سے نکلتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اس ناممکن کو ممکن بنانے کا فیصلہ کرلیا اور اپنے لشکر کو حکم دیا کہ دن رات بلا توقف پوری رفتار سے سفر جاری رکھا جائے۔ کسی کو کھانا تیار کرنے کے لیے بھی گھوڑے سے اُترنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ⑧ وہ ایک دن میں کئی کئی منازل طے کررہے تھے۔ گزشتہ تمام لڑائیوں کی بہ نسبت اس موقع پر چنگیز خان کی افواج کی تعداد پہلے سے بہت زیادہ تھی۔ تقریباً تمام اطراف وجوانب کے تاتاری لشکر اس میں شامل ہوچکے تھے، مگر اس کثرت کے ساتھ ساتھ چنگیزی افواج کی پیش قدمی کی رفتار بھی حیرت انگیز تھی۔

یہ ایک غیر معمولی طویل اور تھکا دینے والا تاریخی تعاقب تھا۔ ایک طرف سلطان جلال الدین کے شہ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے جارہے تھے۔ دوسری طرف چنگیز خان کے گھڑسوار برق وباراں کی طرح ان کے قریب سے قریب تر آرہے تھے، فاصلہ ہر لمحہ کم ہورہا تھا۔ ⑨

سلطان جلال الدین نے پشاور سے کترا کر دریائے سندھ کا رُخ کیا، اب ان کے لیے دریا پار کرنا ضروری تھا تاکہ وہ سلطنت ہند کے مسلمان بادشاہ شمس الدین التمش کا تعاون حاصل کرسکیں اور دونوں کی متحدہ افواج تاتاری سیلاب کا راستہ روک سکیں۔ چنگیز خان نے سلطان کا یہ ارادہ بھی بھانپ لیا، اس لیے اس نے اپنے ہراول دستوں کو یہ حکم دیا کہ وہ ہر قیمت پر آگے بڑھ کر سلطان جلال الدین کو دریا عبور کرنے سے روک لیں اور باقی تاتاری لشکر کے پہنچنے تک انہیں اُلجھائے رکھیں۔ ہراول دستے پوری سرعت کے ساتھ اپنے لشکر سے بہت آگے نکل گئے۔

تاتاری ہراول کی تباہی..... یہ ہراول دستے سلطان جلال الدین کے تعاقب میں یلغار کرتے کرتے ''جردین'' کے مقام تک آگئے۔ مخبروں نے سلطان کو یہ تازہ اطلاع دی تو انہوں نے دریائے سندھ تک پہنچنے سے پہلے دشمن کے ہراول کو تہس نہس کرنا ضروری سمجھا اور اسی رات اپنے جانثاروں کے ساتھ ان کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کردیا۔ تاتاری جو ایک مفرور فوج کو روند ڈالنے کے گھمنڈ میں مبتلا ہوکر بے فکر تھے، اس ناگہانی افتاد سے گھبرا گئے، انہیں اس مزاج پرسی کی توقع نہ تھی۔ آس پاس کی پہاڑیوں سے یلغار کرنے والے مسلمانوں کی تیراندازی کا نشانہ بننے کے بعد تاتاری ہراول فوج نہایت حواس باختہ ہوگئی۔ سلطان نے اپنے سپاہیوں کو للکار کر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ چند لمحوں میں مجاہدین نے تاتاری دستوں کی صفیں درہم برہم کرکے ان کی جمعیت چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کردی اور چند زوردار حملوں کے بعد میدان صاف کردیا۔ دشمن کے ہراول دستوں کے اکثر سپاہی موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ ایک قلیل تعداد ہی فرار ہونے میں کامیاب ہوسکی۔ سلطان جلال الدین نے ان مفرورین کا تعاقب کرنے کی غلطی نہ کی۔ وہ فوراً اپنی تمام فوج کو لے کر نشیبی وادیوں کی طرف نکل گئے۔ ⑩ ہراول دستوں کی تباہی کی خبر سے چنگیز خان ایک بار پھر تلملا کر رہ گیا، بہرحال اس نے لگاتار تعاقب جاری رکھا۔

کشتیوں کی تلاش..... مسلمان اب پہاڑوں اور پُر پیچ گھاٹیوں سے نیچے اُتر کر دریائے سندھ کے قریب جا پہنچے تھے۔ دریا عبور کرکے وہ چنگیز خان کے فوری حملے سے کافی حد تک محفوظ ہوسکتے تھے، مگر اس مقام پر دریا کی گہرائی بہت زیادہ اور اس کا بہاؤ انتہائی تیز تھا۔ کشتیوں کے بغیر اس کی بپھری ہوئی موجوں سے گزرنا ناممکن تھا۔ سلطان نے کشتیاں تلاش کرنے

کے لیے ساحلی دیہاتوں کی طرف کارندے دوڑا دیے، اس دوران مخبروں نے آکر اطلاع دی کہ تاتاری لشکر قریب تر آتا جا رہا ہے، سلطان نے دریا عبور کرنے کی مہلت حاصل کرنے کے لیے تاتاریوں کو دور ہی الجھانا ضروری سمجھا اور ہراول دستے کو اپنے بہترین سالار اور خان کی کمان میں چنگیز خان کے ہراول کو مصروف رکھنے کے لیے روانہ کر دیا تاہم اور خان اس مہم کو کامیابی سے انجام نہ دے پایا اور تاتاریوں کے ہراول سے خاصا نقصان اٹھا کر واپس لوٹ آیا۔ ادھر کشتیوں کی تلاش میں جانے والے کارندے بھی بہت تگ و دو کے بعد اس علاقے سے صرف ایک ہی کشتی حاصل کر سکے۔ (۱۱)

اس دوران تاتاری لشکر کا ہراول اب صرف آدھے دن کی مسافت پر آ چکا تھا۔ تاتاریوں کی آمد سے پہلے تیس ہزار مسلمانوں کا اس کشتی کے ذریعے دریا کے پار اُتر جانا محال تھا۔ سلطان کا حرم بھی ان کے ساتھ تھا جس میں ان کی والدہ، بیویاں، بچے اور خاندان کی دیگر عورتیں تھیں، انہیں محفوظ مقام تک پہنچانا ضروری تھا، سلطان نے انہیں کشتی میں بٹھا کر دریا کے پار بھیجنے کی کوشش کی مگر ہونی ہو کر رہتی ہے، کشتی غالباً بوسیدہ تھی، اتنے افراد کا بوجھ نہ برداشت کر سکی، تختے ٹوٹ گئے اور کشتی ناکارہ ہو گئی۔ اس طرح انہیں دریا پار کرانے کے تمام امکانات ختم ہو گئے۔ (۱۲)

سلطان کی غیرت ..... سلطان جلال الدین کے دل کے کسی گوشے میں بھی اگر عافیت پسندی کا گزر ہوتا تو اس موقع پر جب کہ موت سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، وہ اہل و عیال کے تحفظ کا بہانہ بنا کر کہیں روپوش ہو سکتے تھے..... مگر..... انہوں نے اپنی ذات اور اپنے اہل و عیال کو ایک عام سپاہی پر ترجیح نہ دی۔ ان کی غیرت نے ان مجاہدین کا ساتھ چھوڑنا گوارا نہ کیا جو اس کڑے وقت میں بھی انکا ساتھ نبھا رہے تھے۔ سلطان نے طے کر لیا تھا کہ ان کا اور ان کے کنبے کا جینا مرنا انہی سرفروشوں کے ساتھ ہوگا۔ اب مقابلے کے سوا کوئی باعزت راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ چنگیز خان سے براہِ راست مقابلے کا وقت اب قریب آن پہنچا تھا۔ اپنی مختصر فوج کے ساتھ تاتاری ٹڈی دل سے بھرپور ٹکر لینے کے لیے سلطان دریا کے کنارے ایسے مقام پر صف آرائی کرنا چاہتے تھے جہاں وہ اپنے عقب اور پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ محفوظ رکھتے ہوئے ان دشمنانِ اسلام کو مُنہ توڑ جواب دے سکیں۔

ساحلِ نیلاب ..... چنگیز خان اپنی افواج کو نیم دائرے کی شکل دے کر تیزی سے پیش قدمی کرتا آ رہا تھا، جب کہ مسلمانوں کے لیے پیچھے ہٹنے کے تمام راستے مسدود ہو چکے تھے، آخر کار ایک رات چنگیزی افواج نے ایک ایسے مقام پر سلطان جلال الدین کی فوج کو جا لیا جہاں مسلمانوں کے ایک طرف دریائے سندھ موجیں مار رہا تھا اور دوسری سمت دشوار گزار چٹیل پہاڑ سر اُٹھائے کھڑے تھے۔ (۱۳) یہ مقام دریائے سندھ کا ساحل ''نیلاب'' تھا۔ (۱۴)

یہاں دریا اور پہاڑی سلسلے کے درمیان تقریباً پانچ میل چوڑا اور بارہ میل لمبا ایک سرسبز میدان ہے، پہاڑی سلسلہ دریا کے متوازی شمال مشرق سے جنوب مغرب کی طرف بڑھتے ہوئے اس میدان کو تنگ کرتا جاتا ہے اور آخر کار دریا سے اس طرح آملتا ہے کہ دریا کے دونوں کنارے بلند پہاڑی چٹانوں سے گھر جاتے ہیں۔ وادی کے دو اطراف میں پہاڑ اور ایک جانب دریا اسے ایک فصیل بند میدان کی شکل دے رہا ہے جس میں داخل ہونے کا کھلا راستہ صرف شمال مشرق میں دریائے سندھ اور لنڈے دریا (دریائے کابل) کے سنگم کے پاس ہے۔

سلطان اپنی افواج کے ساتھ اس مقام پر پہنچے تو وادی کے محل وقوع کو دیکھتے ہی انہوں نے محسوس کیا کہ تاتاریوں کے سیلاب کا سامنا کرنے کے لیے اس وقت اس سے بہتر میدان کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ وہ دریائے سندھ و کابل کے سنگم کے

قریب نشیبی زمین سے اس وادی میں داخل ہوئے اور اس کے آخری سرے پر پہنچ کر جہاں بلند چٹانیں وادی کا دامن تنگ کرتے ہوئے دریا سے مل جاتی ہیں، پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں سلطانی افواج کی پشت پر ٹھنڈے میٹھے پانی کی ایک ندی تھی جسے سگئی ندی کہا جاتا ہے، یہ ندی سگئی گاؤں سے گزرتے ہوئے گھوڑا ترپ کے مقام پر دریائے سندھ میں آگرتی ہے۔

سلطان کی سپاہ نے کل کی فیصلہ کن جنگ کے لیے تیاری کر کے رات بھر آرام کیا۔ اندھیرا چھٹا تو صبحِ صادق کی مدہم روشنی میں سلطان جلال الدین نے دیکھا، تاتاری ٹڈی دل افواج دوسری سمت سے وادی میں داخل ہو کر ان کی واپسی یا فرار کا ہر راستہ مسدود کر چکی ہیں۔ (۱۵)

سلطان کا اندازِ صف بندی..... سلطان جلال الدین نمازِ فجر کے بعد ''نیلاب'' کے ساحل پر اپنی جانباز فوج کی صفیں درست کر رہے تھے۔ (۱۶) دائیں جانب دریائے سندھ کی تلاطم خیز موجیں ساحل سے ٹکرا کر خوفناک شور پیدا کر رہی تھیں، (۱۷) جب کہ بائیں ہاتھ پر بلند و بالا دشوار گزار پہاڑی سلسلہ سر اُٹھائے کھڑا تھا۔ سامنے دریا کے کنارے کنارے پھیلی ہوئی وہ وسیع و عریض وادی تھی جس میں دو قوموں کے مابین ایک فیصلہ کن جنگ ہونے والی تھی...... ایک ایسی جنگ جس کا انجام مکمل فتح یا مکمل شکست کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا تھا......

چنگیز خان کی بے شمار افواج کھلی سمت سے اس وادی کا رخ کر رہی تھیں۔ ان کی صفیں پرت در پرت ایستادہ ہو رہی تھیں۔ قلب لشکر میں چنگیز خان خود موجود تھا اور سلطانی لشکر کی ترتیب اور اس کے اردگرد کے طبعی ماحول کو بغور دیکھ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اسے سلطان جلال الدین کی جنگی مہارت کا اعتراف کرنا پڑا کہ اس کے بالمقابل سلطان نے اپنی مختصر سی فوج کو ایسے مؤثر انداز سے ترتیب دیا تھا کہ وہ دائیں اور بائیں پہلو سے نہایت محفوظ ہونے کے علاوہ آگے بڑھ کر جارحانہ حملہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی تھی۔ سلطانی فوج کا دایاں بازو جو امین الملک کی قیادت میں تھا، دریائے سندھ کے ایک موڑ کی آغوش میں ہونے کے باعث پہلو سے کسی حملے سے مامون تھا، جبکہ پشت اور بائیں بازو کو سنگلاخ کی پناہ حاصل تھی۔ (۱۸) (غور کیجیے تو محسوس ہوگا کہ یہاں سلطان جلال الدین کی افواج کی صف بندی، غزوۂ احد میں حضور خاتم النبیین امام المجاہدین نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ صف بندی سے حددرجہ مماثلت رکھتی ہے۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ سلطان سیرت نبوی کے ان گوشوں پر گہری نظر رکھتے تھے۔)

سلطان جلال الدین موت و حیات، فتح و شکست سے بے نیاز ہو کر میدانِ جہاد میں اُترے تھے۔ وہ صرف اپنے خالقِ حقیقی کی جانب سے عائد کردہ فریضۂ جہاد کی ادائیگی چاہتے تھے۔ اس جنگ کا انجام کچھ بھی ہوتا، سلطان کو اتنا یقین ضرور تھا کہ وہ بہرحال اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوں گے۔ سلطان کے جانثار ساتھیوں کے جذبات بھی مختلف نہ تھے، دین کی خاطر بارِ زندگی سے سبک دوش ہو جانا ان کے لیے محبوب ترین چیز تھی جن درندوں نے ان کے گھروں کو لوٹا، ان کے اعزہ و اقارب کو ہلاک کیا، انہیں وطن سے بے وطن کیا تھا، ان کے آگے ہتھیار ڈال دینا، ان سرفروشوں کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ اس کے بدلے انہیں شہادت کی موت عزیز تھی۔

مجاہدین کی صفوں میں جگہ جگہ پُر جوش خطیب بآواز بلند جہاد کے متعلق آیات و احادیث سنا کر خونِ مسلم کو گرما رہے تھے۔ لشکر کے کونے کونے سے تکبیریں بلند ہو رہی تھیں، رجزیہ اشعار اور جہادی نغمات سنائی دے رہے تھے۔

کشتیاں جلا دو..... چنگیزی افواج کو سلطانی افواج پر عددی غلبے کے علاوہ یہ برتری بھی حاصل تھی کہ ان کے لیے

شکست کی صورت میں فرار کا راستہ کھلا تھا، جبکہ سلطانی سپاہ کے لیے یہ زندگی اور موت کی بازی تھی، اگر وہ یہ معرکہ جیت نہ پاتے تو ان کے لیے صرف موت کا دروازہ ہی بچتا تھا، فرار کا کوئی امکان نہ تھا۔

سلطان کی ہمت، ذکاوت اور موقع شناسی کی داد دینا پڑتی ہے کہ انہوں نے اپنی فوج کی اس کمزوری کو اس کی طاقت بنا دیا، وہ ایسے قائد تھے جو اپنی مجبوریوں سے بھی فائدہ اٹھانا اور اپنی ناتوانی کو قوت کے طور پر استعمال کرنا جانتے تھے۔ انہوں نے فرار کی راہوں کو بند پا کر اپنی فوج کو راہِ خدا میں کٹ جانے پر ابھارا۔ اپنے اور اپنے کنبے سمیت کسی بھی مجاہد کے لیے میدان سے بھاگ نکلنے کا امکان ختم کرتے ہوئے انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ کنارے پر موجود تمام کشتیاں جلا دی جائیں تا کہ کوئی جان بچا کر فرار ہونے کا خیال تک دل میں نہ لائے۔ حکم پر فوراً عمل ہوا، کشتیاں جلا دی گئیں۔ (۱۹) اس کے بعد کسی مسلمان سپاہی کے دل میں اس وسوسے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی کہ جنگ میں فرار کا بھی کوئی موقع آ سکتا ہے۔ اب وہ آخر دم تک جنگ کے سوا اور کچھ نہیں سوچ سکتے تھے۔

سورج طلوع ہوتے ہی طبلِ جنگ پر ضرب لگی، خوارزمی سپاہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، اللہ عزّ وجلّ کی ذات پر توکل کر کے، نعرہ ہائے تکبیر کی گونج میں دشمن کی طرف بڑھے اور ایک نہایت خوں ریز معرکے کا آغاز ہو گیا۔

آغازِ جنگ، پہلا دن ...... تاتاری مست ہاتھیوں کی طرح غول در غول آگے بڑھے، ان کا خیال تھا کہ وہ آناً فاناً مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیں گے، مگر مجاہدین نے اس قدر ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کیا کہ قرونِ اولیٰ کی یادیں تازہ ہو گئیں۔ تاتاری اپنے اپنے سرداروں کے جھنڈوں تلے جمع ہو کر بار بار حملے کرتے اور ہر بار مسلمانوں کو چٹانوں کی طرح اپنی جگہ جما ہوا پاتے۔ سلطان جلال الدین شیر کی طرح میدان میں اپنی فوج کو لڑا رہے تھے۔ ان کے دائیں بائیں جانثاروں کے دستے تاتاریوں کی صفوں کو تہہ و بالا کر رہے تھے۔ ترک اور افغان سرفروش ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے جوہر دکھا رہے تھے۔ دن بھر یہ خوں ریز لڑائی جاری رہی، اندھیرا چھا جانے تک ہار جیت کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ (۲۰)

جنگ کا دوسرا دن ...... اگلے دن صبح تڑکے تاتاری لشکر ایک بار پھر بھوکے بھیڑیوں کی طرح بے ہنگم چیخ و پکار کے ساتھ آگے بڑھا۔ مسلمان سرفروش پوری طرح مقابلے کے لیے مستعد تھے۔ اپنے قائد کا اشارہ پاتے ہی وہ لپکے، دائیں بائیں نیزہ بازی کے ہاتھ دکھلا کر انہوں نے حملہ آوروں کے مُنہ پھیر دیے۔ اس کے بعد نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے فدایانِ اسلام کافروں پر ٹوٹ پڑے۔ تاتاری لشکر کا سیلاب مسلمانوں کو دبانے میں بری طرح ناکام رہا۔ پہلے دن کی جنگ کے بعد اپنے دشمن کو حد سے زیادہ سخت جان پا کر چنگیز خان نے دوسرے دن کی لڑائی کے متعلق جو پیش بندیاں کی تھیں وہ سب دم توڑتی نظر آ رہی تھیں۔ تاتاری حملہ آور آگے بڑھنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، مگر مجاہدین کی آبدار شمشیروں اور چمکدار نیزوں سے لہولہان ہو کر پیچھے ہٹ جاتے۔ لڑائی کی شدت کا یہ عالم تھا کہ الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔

دوسرے دن کی جنگ بھی کسی حتمی فیصلے کے بغیر ختم ہو گئی، (۲۱) تاہم اسلام کے ان بدترین دشمنوں پر یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ مسلمان قوم ضعف و کسمپرسی کے آخری درجے تک پہنچنے کے بعد بھی جب سر پر کفن باندھ کر میدان میں اُتر آتی ہے تو معجزانہ کارنامے انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ واقعی مٹھی بھر مسلمانوں کا اس شیطانی سیلاب کو متواتر دو دن تک نیزوں اور تلواروں کی نوکوں پر روکے رکھنا ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ قلیل التعداد، بے وطن، بے سروسامان مجاہدین جو دو دن کی شدید ترین جنگ میں محض خداوندی نصرت و امداد کے باعث دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی

دیوار بن کر کھڑے رہے، اگلے روز کی جنگ میں بارگاہِ ایزدی سے ایسی تائید کے طلب گار تھے جو عجائبِ قدرت کو زمانے بھر پر آشکارا کردے اور بظاہر ناممکن معلوم ہونے والی فتح ان کے لیے سہل وارزاں کردے۔عزت کی زندگی یا شہادت کی باعزت موت کے سوااب انہیں کسی چیز کی تمنا نہیں تھی۔

تیسرا دن، فیصلہ کن لڑائی ..... بدھ ۸شوال ۶۱۸ھ (۲۴نومبر ۱۲۲۱ء) کا سورج لہورنگ کرنیں بکھیرتا طلوع ہورہا تھا۔آج فیصلہ کن جنگ کا دن تھا۔ ⑫ زمین وآسمان ساکت وجامد ہوکر دوقوموں کے مابین فنا وبقا کی کشمکش کا نتیجہ دیکھنے کے منتظر تھے۔ایک طرف وہ قوم تھی جس کے آباؤاجداد لات وعزّیٰ کو پامال کرکے صحرائے عرب سے نمودار ہوئے اور سارے جہاں پر چھا گئے تھے۔یہ وہ قوم تھی جس کی تلوار نے صدیوں بنی نوع آدم کی حفاظت کی،جس نے دنیا کو ایمان ومعرفت،اخلاق وکردار اور علوم وفنون کے انمول اصول مہیا کیے۔دوسری طرف وہ قوم تھی جو صحرائے گوبی کی جہالت،وحشت اور بہیمیت کی پیداوار تھی،جس کے عروج کا بیڑا نسلِ انسانی کے خون میں لنگرانداز تھا۔تاریخ کا ظالم ترین حکمران اپنے لشکر کے قلب میں قدرے بلندی پر کھڑا ہوکر غایتِ نفرت وحقارت سے اپنے ان حریفوں کی صف بندی کا مشاہدہ کررہا تھا جواس کے لیے لوہے کے چنے ثابت ہوئے تھے۔

اس دن تاتاریوں کو مزید کمک بھی مل گئی تھی کیوں کہ اوکتائی اور چغتائی بھی خوارزم سے اپنے لشکروں سمیت اس محاذ پر آن پہنچے تھے۔یوں تاتاریوں کو ہر لحاظ سے برتری حاصل ہوگئی تھی۔ ⑬

گزشتہ دودن کی جنگ میں تاتاریوں کے نقصانات کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی تعداد میں بھی مسلسل کمی ہورہی تھی،تاتاری اپنی بے پناہ کثرت کی وجہ سے اپنے سوسپاہیوں کی ہلاکت پر بھی اتنے فکر مند نہیں تھے جتنا کہ مسلمان اپنے دس آدمیوں کی کمی پر۔پھر اس پہاڑوں اور دریا کے قدرتی حصار میں جہاں سے کہیں نکل کر جانا ممکن نہیں تھا سلطان کا پڑاؤ خوراک اور رسد سمیت بنیادی انسانی ضروریات سے محروم تھا،نیز ایسی حالت میں زخمیوں کو زیادہ دیر تک سنبھالے رکھنا بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔اس صورتحال کو دیکھ کر سلطان یہ حقیقت سمجھ چکے تھے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انکے لیے حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے۔اگروہ آج کے معرکے کو فیصلہ کن نہ بناسکے تو کل اس جنگ کو جیتنے کے تھوڑے بہت امکانات بھی معدوم ہوجائیں گے۔

سلطان کی حکمتِ عملی ..... ان پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے سلطان نے تیسرے دن کی لڑائی کو بہر حال نتیجہ خیز بنانے کا اٹل فیصلہ کرلیا تھا۔سلطان جانتے تھے کہ فاتح تاتاریوں کو مسلمانوں پر نفسیاتی برتری حاصل ہے اور انہیں کوئی غیر معمولی صدمہ پہنچائے بغیر اس نفسیاتی برتری کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔انہیں یہ بھی یقین تھا کہ تاتاریوں کے لیے اپنے رہنما چنگیز خان کی موت سے زیادہ ہولناک دھچکا کوئی نہیں ہوسکتا تھا،اس وقت یہ خون آشام انسان پہلی بار سلطان کے بالمقابل خود میدانِ جنگ میں موجود تھا۔اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان نے اپنی جنگی حکمت عملی کا بنیادی ہدف چنگیز خان کو برسرِ میدان قتل کرنا طے کرلیا۔سلطان کو یقین تھا کہ اگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو تاتاریوں پر دہشت چھا جائے گی،اور کثرت کے باوجود انکے پاؤں ایسے اکھڑیں گے کہ انہیں دوبارہ کہیں قدم جمانا مشکل ہوگا۔

چنگیز خان تک پہنچنے کے لیے اسکے قلب لشکر کو تتر بتر کرنا ضروری تھا،یہ کوئی آسان کام نہیں تھا،تاتاریوں کی اکثر فوج قلب میں ہی تھی جس میں صرف چنگیز خان کے خاص زرہ پوش محافظ دس ہزار سے کم نہیں تھے۔اپنے محدود

سپاہیوں کے ساتھ سلطان کا چنگیزی قلب کو چیر کر اپنے ہدف تک پہنچنا ممکن نہ تھا، انہیں اس کام کے لیے اپنے قلبِ لشکر میں سپاہیوں کی مزید تعداد درکار تھی، چوں کہ یہ کام اب بہرحال ناگزیر تھا اس لیے ہر خطرہ مول لیتے ہوئے انہیں کسی بھی طرح سپاہیوں کی مطلوبہ تعداد پوری کرنا تھی۔ کافی غور و خوض کے بعد سلطان نے اس مقصد کے لیے بائیں بازو کے سپاہیوں کو عین ضرورت کے وقت قلب میں شامل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ گزشتہ دو دن کی لڑائی میں خوارزمی سپاہ کے بائیں بازو کو تاتاریوں کے دباؤ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا، کیونکہ پہاڑ کی اوٹ کے باعث وہ گویا ایک فصیل کی حفاظت میں تھے اور صرف مدافعانہ حیثیت سے لشکر کے بائیں پہلو کو تاتاریوں سے بچاتے ہوئے سلطان کی محفوظ فوج کے طور پر میدان میں موجود تھے۔ سلطان کا اندازہ یہ تھا کہ اس دن بھی بائیں بازو کو تاتاریوں سے بھڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس اقدام میں یہ اندیشہ ضرور تھا کہ اگر تاتاری کسی طرح پہاڑ کی پشت سے بائیں بازو پر حملہ آور ہوگئے تو وہاں سپاہیوں کی کمی پوری فوج کے لیے مہلک ثابت ہوگی، مگر مسلمانوں کو یہ خطرہ بہرحال مول لینا ہی تھا۔

اس دن کی مجموعی حکمتِ عملی یہ طے کی گئی کہ جنگ کے ابتدائی گھنٹوں میں تاتاریوں کے بائیں بازو پر جارحانہ حملے کرتے ہوئے تاتاریوں کو اس محاذ پر اس قدر مشغول کردیا جائے کہ انکی توجہ قلب کی طرف کم ہوجائے، چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد جب کہ حریف اپنی پوری طاقت میدان میں جھونک چکا ہوگا اور اس میں صبح کی بنسبت توانائی کم دکھائی دے رہی ہوگی، سلطان اپنے قلب کی سپاہ میں بائیں بازو کے تازہ دم سپاہی شامل کرکے چنگیز خان کے زیرِ قیادت قلب پر ایک طوفانی حملہ کرتے ہوئے اس تک پہنچنے کی کوشش کریں گے، چنگیز خان غالباً سلطان کے سامنے سے پسپائی کی ذلت مول لینا گوارا نہیں کرے گا اور اگر تائید خداوندی شاملِ حال ہوئی تو سلطان اسے کیفرِ کردار تک پہنچا کر دنیا کو اس فتنے سے نجات دلا سکیں گے۔

جنگ کا آغاز..... سورج کی روشنی پھیلتے ہی ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہوا۔ مجاہدین اپنی افرادی قلت کو نظر انداز کرتے ہوئے محض اللہ پر بھروسہ کرکے ناممکن فتح یا شہادت کے حصول کے لیے معرکہ کارزار میں اُتر چکے تھے۔ کئی دن کی شدید تھکان کے باوجود وہ تازہ ولولے کے ساتھ دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ اِدھر سورج بلندی پر آیا اور اُدھر لڑائی کے شعلے اپنے عروج پر پہنچ کر انسانوں کو بھسم کرنے لگے۔ زمین خون سے سرخ ہوچکی تھی۔ تیر جسموں سے پار ہو رہے تھے، سروں کی فصلیں کٹ کٹ کر گر رہی تھیں۔ علّامہ ابن اثیر اپنی تاریخ میں اس معرکے کی کیفیت کو مختصر اور جامع انداز میں یوں سموتے ہیں:

اِعْتَرَفُوا كُلُّهُمْ اَنَّ كُلَّ مَا مَضٰى مِنَ الْحُرُوْبِ كَانَ لَعِبًا بِالنِّسْبَةِ اِلٰى هٰذَا الْقِتَالِ. (اس بات کا سب نے اعتراف کیا کہ گزشتہ تمام جنگیں اس معرکے کے سامنے محض ایک تماشا تھیں۔) (۴۳)

امین الملک کی شجاعت..... لڑائی کی ابتداء ہی سے مسلمان جانبازوں کا انداز جارحانہ تھا، سلطان جلال الدین کے حکم کے مطابق ان کے دائیں بازو کی افواج کے قائد امین الملک نے تاتاری لشکر کے بائیں بازو پر شروع ہی سے زبردست دباؤ ڈال رکھا تھا۔ پھر چشمِ فلک نے حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ امین الملک کے چند ہزار سرفروش تاتاری لشکر کے بائیں بازو کو بُری طرح پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ تاتاری لشکر کا بایاں بازو تتر بتر ہوکر دریا کے کنارے کنارے شمال کی طرف بائیں بازو ف پسپا ہوگیا۔ امین الملک نے ان کا تعاقب کیا۔ بکھرا ہوا تاتاری لشکر دریا کے کنارے پیچھے ہٹتا رہا۔ ایک

مناسب مقام پر انہوں نے چنگیز خان کے ایک بیٹے کی قیادت میں دوبارہ صف بندی کی اور پلٹ کر امین الملک کی فوج سے بھڑ گئے۔ایک بار پھر تلواروں کی بجلیاں چمکیں۔امین الملک کے جانبازوں نے اس شجاعت سے تابڑ توڑ حملے کیے کہ تاتاریوں کے قدم ایک بار پھر اُکھڑ گئے اور وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بٹ کر دوبارہ منتشر ہو گئے۔ ⑮

بائیں بازو کی صورتحال..... مسلم فوج کا بایاں بازو سنگلاخ پہاڑیوں کی پناہ میں صفیں باندھے ہوئے تھا۔پہاڑیوں کے اوپر بھی جگہ جگہ تیراندازوں کے دستے متعین تھے۔تاتاری لشکر کے دائیں بازو نے اس طرف پیش قدمی کی کوشش کی،مگر قدرتی پہاڑی دیوار کی رکاوٹ کے علاوہ بلندی پر مسلمانوں کے تیرانداز دستوں کی موجودگی میں ان کا آگے بڑھنا خودکشی کے مترادف تھا،اس لیے وہ وہیں رک گئے۔

عزم واستقلال کے پیکر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ قلبِ لشکر میں ڈٹے ہوئے تھے۔میدانِ جنگ کے ہر گوشے پر وہ پوری حاضر دماغی اور ہوش مندی کے ساتھ نگاہ رکھے ہوئے تھے۔بائیں بازو کو تاتاری لشکر کی پیش قدمی سے محفوظ دیکھنے کے بعد انہوں نے خاموشی سے کئی دستے وہاں سے ہٹا کر امین الملک کے بڑھتے ہوئے دستوں کی مدد کے لیے بھیج دیے تا کہ تاتاری فوج کے بائیں بازو کو مکمل طور پر نمٹا دیا جائے۔ ㊻

سورج اب وسطِ آسمان میں پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔لڑائی کے شعلے موت بن کر لپک رہے تھے۔چہار سُو گرد وغبار کا سیاہ طوفان چھا رہا تھا جسکے مابین آب دار تلواروں اور نیزوں کی چمک بجلیوں کیطرح جھلکتی دکھائی دے رہی تھی۔

زندگی اور موت کی بازی..... چند گھنٹوں کی لڑائی کے بعد جنگ وہ خطرناک ترین مرحلہ آن پہنچا جس کی سلطان پہلے سے منصوبہ بندی کر چکے تھے۔یہ زندگی اور موت کی بازی تھی جس میں یا شاندار فتح تھی یا جان لیوا شکست..... مگر شہادت کے متوالوں کے لیے ایسی شکست بھی رحمت تھی جو انہیں بارگاہِ الٰہی میں مقبولیت سے نواز دے۔اب سلطان نے فتح حاصل کرنے یا شہادت پانے کا تہیہ کر کے براہِ راست چنگیز خان پر حملے کی تیاری کی۔انہوں نے نہایت خاموشی سے اپنے بائیں بازو کے محفوظ دستوں میں سے کئی دستے اپنے قلبِ لشکر میں شامل کر لیے۔ان کی کوشش تھی کہ تاتاریوں کو حتی الامکان بائیں بازو میں اس تخفیف کا علم نہ ہونے پائے ورنہ نتائج بہت بھیانک نکل سکتے تھے۔سلطان کے بائیں بازو کا ایک حصہ پہلے ہی دائیں بازو کی کمک کے لیے جا چکا تھا،اس کے بہت سے سپاہی سلطان کے نئے حکم کے مطابق اب قلب میں بھی آ گئے۔اس طرح اسلامی لشکر کے بائیں بازو کی اکثر فوج قلب اور دائیں بازو میں شامل ہو گئی اور بائیں بازو میں مٹھی بھر سپاہی اور تیرانداز ہی باقی رہ گئے۔سلطان جلال الدین جیسے تجربہ کار،جہاں دیدہ اور جنگجو قائد کے بارے میں ہمیں اس غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ بائیں بازو کی حفاظت سے غافل ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ بائیں بازو کی نفری میں کمی کرنا ان کی غفلت یا غلطی نہیں،بلکہ ایک مجبوری تھی۔سلطان کی فوج کی تعداد دشمن کے دسویں حصے کے برابر بھی نہ تھی۔قلب لشکر اور دایاں بازو جو اس وقت تاتاریوں سے برسرِ پیکار تھے،اسی افرادی کمی کا شکار تھے اور ان دونوں حصوں میں لحظہ بلحظہ تازہ دم سپاہیوں کی ضرورت پڑ رہی تھی،اگر اسلامی لشکر کا بایاں بازو پہاڑیوں کے حصار میں محفوظ نہ ہوتا تو یقیناً سلطان کو اپنے لڑنے والے سپاہیوں کی کمک کے لیے کہیں سے چند آدمی بھی میسر نہ آتے۔بائیں بازو کے فی الحال محفوظ ہونے کے باعث ہی لڑنے والی صفوں کو تازہ دم سپاہی مل رہے تھے۔بائیں بازو سے کمک وصول نہ کرنے کی صورت میں دائیں بازو اور قلب کی شکست کا خطرہ تھا،لہٰذا سلطان ان

دونوں حصوں کو مضبوط کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ سلطان کو معلوم تھا کہ بائیں بازو میں افراد کی کمی سے کسی وقت سخت نقصان کا امکان ہے، مگر اس کے باوجود انہوں نے بائیں بازو سے فوج کم کر کے دوسرے پہلوؤں کو اس لیے کمک بھجوائی کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں شکست یقینی تھی کیوں کہ افرادی قوت میں کمی کے باعث نہ اسلامی فوج کا قلب زیادہ دیر تک دشمن کا مقابلہ کر سکتا تھا اور نہ ہی دایاں بازو۔ بلکہ سپاہیوں کی کمی فوج کے ان دونوں مصروفِ عمل حصوں کو کسی بھی لمحہ شکستِ فاش سے دوچار کر سکتی تھی۔ ظاہر ہے کہ فوری اور حتمی ضرورت کے موقع کو آئندہ کی امکانی ضرورت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ بایاں بازو بائیں بازو جہاں سے فوج کی تخفیف کی گئی تھی، فی الحال مصروفِ عمل نہ تھا، نیز دشمن کی زد سے محفوظ بھی تھا۔ اس کے علاوہ یہ امید کی جاسکتی تھی کہ اگر دشمن نے اس سمت سے حملہ کرنے کی کوشش کی تو دشوار گزار پہاڑیاں ان کا حوصلہ پست کر دیں گی اور بلندی پر موجود مٹھی بھر تیر انداز ہی ان کی تواضع کے لیے کافی ہوں گے۔

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جنگ جس ماحول میں لڑی جا رہی تھی وہاں مکمل فتح تھی یا مکمل شکست...... جو کچھ ہونا تھا اس کے لیے چند گھنٹے فیصلہ کن تھے، نہ پسپائی کا کوئی موقع تھا نہ مستقبل کی پیش بندیوں کا کوئی تصور کہ جس کے بھروسے پر اپنے آدمی بچا بچا کر رکھے جاتے۔ کٹھن آزمائشوں سے گزرنے والے دیگر قائدین کی طرح سلطان بھی ایک ایسے خطرناک دوراہے پر آ گئے تھے جہاں ان کے پاس فیصلے کے لیے صرف ایک لمحہ تھا، ایسے مواقع پر جرأت مند قائد فوری طور پر کسی ایک جانب کو ترجیح دے کر میدانِ عمل میں کود جاتا ہے۔ سلطان جلال الدین نے ان نازک لمحات میں جس اقدام کو ترجیح دی اس میں یقینی اور فوری شکست سے بچاؤ کا پہلو بھی تھا اور فتح کی امید بھی، جبکہ وہ اقدام ترک کر دیا جو کسی وقت دشمن سے صرف وقتی بچاؤ کا ایک ذریعہ بن سکتا تھا۔

سلطان کا خطرناک حملہ ..... بائیں بازو سے امدادی دستے طلب کر کے اپنے زیرِ قیادت قلبِ لشکر کو مزید مضبوط بنانے کے بعد سلطان جلال الدین رب العزّت کی قدرت کاملہ کے بھروسے پر چنگیز خان کو قتل کر کے اس کے فتنے کو مٹانے کا عزم لے کر جارحانہ انداز میں حریف کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ تاتاریوں کی اگلی صفیں سرتوڑ کوششیں کے باوجود اس مجاہد کا حملہ نہ روک سکیں۔ سلطان کی شمشیر خاراشگاف لاشوں کے ڈھیر لگاتی چلی گئی، تاتاریوں کی صفیں درہم برہم ہو گئیں۔

شیرِ خوارزم اور گوبی کے ریچھ کا آمنا سامنا..... سلطان جلال الدین دور سے چنگیز خان کا ٹھکانہ اور اس پر سایہ فگن تاتاری پرچم دیکھ چکے تھے۔ اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔ انہیں اسلام کے بدترین دشمن چنگیز خان کی تلاش تھی۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا سر تن سے جدا کر دینا چاہتے تھے۔ اسی جذبے کے تحت وہ دشمن کی صفوں کو روندتے ہوئے چنگیز خان کے محافظ دستے تک جا پہنچے۔ ہزاروں زرہ پوش شمشیر بکف محافظوں کے زبردست پہرے کے درمیان کشادہ شانوں اور مضبوط جسم والا ایک قد آور شخص گھوڑے پر سوار چوکنا نگاہوں سے دائیں بائیں کا جائزہ لے رہا تھا۔ سن رسیدگی کی وجہ سے اس کے چوڑے چکلے، ہیبت ناک چہرے پر ہلکی ہلکی شکنیں پڑ چکی تھیں اور چھدری لمبوتری داڑھی سفید ہو چکی تھی۔ (۴۷) یہ چنگیز خان تھا۔ اقوام عالم کا سب سے بڑا قاتل......

اسے دیکھتے ہی سلطان کی نگاہیں نفرت و غضب سے شعلے برسانے لگیں۔ انہوں نے ایسا شدید حملہ کیا کہ زرہ پوش محافظوں کی صفیں تہہ و بالا ہو گئیں۔ چنگیز خان کی آنکھوں کے سامنے موت کے سائے لہرا گئے۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے بیٹے کا ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچنے والا تھا۔ چند مجاہد چنگیز خان کے دائیں بائیں اور سامنے دیوار بن

جانے والے محافظوں سے الجھتے ہوئے چنگیز خان کے بالکل قریب جا پہنچے۔ چنگیز خان خود ان کے وار سے بچ گیا، مگر اس کا گھوڑا مارا گیا۔ صحرائے گوبی کے ریچھ نے خوارزمی شیر سے دو بدو مقابلے کی قطعاً ہمت نہ کی، دلیری اور شجاعت کے اس امتحان میں وہ سلطان سے مات کھا گیا، آن، عزت اور وقار پر جان کو ترجیح دیتے ہوئے اس نے فوراً گھوڑا تبدیل کیا اور اپنے چند محافظوں کے ہمراہ پشت پھیر کر بھاگ نکلا ㉘ چشم زدن میں وہ گرد و غبار کے مرغولوں میں مجاہدین کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ چنگیز خان کا یہ طرز عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ غیور یا اس قدر شجاع نہ تھا جیسا کہ عموماً سمجھا جاتا ہے۔ ہاں! وہ چالاکی، موقع شناسی اور بے رحمی میں اپنی مثال آپ تھا۔

چنگیز خان کے فرار کے بعد سلطان جلال الدین اپنے ہدف سے دور ہو چکے تھے تاہم انہوں نے دشمن کے قلبِ لشکر پر دھاوا جاری رکھا، مگر دشمن اپنے قائد کو محفوظ پا کر اب مطمئن ہو کر لڑ رہا تھا چنانچہ تاتاریوں کی پچھلی صفوں نے دوبارہ سخت مزاحمت شروع کر کے قلب کو مکمل تباہی سے بچا لیا۔ اس کے باوجود اس وقت لڑائی کا پانسہ مسلمانوں کے حق میں تھا، فتح قریب معلوم ہو رہی تھی، تاتاریوں کا قلبِ لشکر بالکل لرز کر رہ گیا تھا، دایاں بازو مسلسل پسپا ہو رہا تھا اور بایاں بازو پیش قدمی سے عاجز تھا، مگر دن کے آخری پہر لڑائی کا رخ بدلنے لگا۔ چنگیز خان کی ایک شاطرانہ تدبیر نے مسلمانوں کی جیتی ہوئی بازی کو پلٹ کر رکھ دیا۔

چنگیز خان کی چال..... تاتاریوں کے قلبِ لشکر پر سلطان جلال الدین کے طوفانی دھاوے کے بعد چنگیز خان وہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ ابھی وہ سلطان سے مقابلے کے بارے میں کسی نئی حکمت عملی کا فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اچانک اسے ایک عجیب اطلاع ملی، اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر کے بائیں بازو کے اکثر افراد دائیں بازو اور قلب میں جا چکے ہیں اور خود بائیں بازو کی صفوں میں بہت کم سپاہی باقی رہ گئے ہیں۔ یہ اطلاع اسے تاتاری جاسوسوں نے فراہم کی تھی یا مسلمانوں میں سے کسی غدار نے یہ جرم کیا تھا؟...... تاریخ اس بارے میں خاموش ہے۔ بعید نہیں کہ سلطان کی فوج کے کسی نمک حرام نے فتح سے مایوس ہو کر اپنے لیے اس طوفانِ بلا سے نجات کا واحد راستہ یہی سمجھا ہو کہ کسی طرح چنگیز خان کو اس راز سے آگاہ کر کے اس کے وفاداروں میں اپنا نام شامل کرا لیا جائے۔

بہر کیف یہ جانتے ہی چنگیز خان نے دس ہزار تازہ دم منتخب جنگجو بلانویان نامی ایک معتمد سردار کی قیادت میں اس طرف روانہ کر دیے اور اسے حکم دیا کہ ایک طویل چکر کاٹ کر اس سنگلاخ پہاڑ کے پیچھے پہنچ جائے اور ہر قیمت پر اسے عبور کر کے سلطان کے بائیں بازو پر پشت سے حملہ کر دے۔

بلانویان دس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ ناقابل عبور دشوار گزار چٹانوں پر رینگتا اور سرکتا ہوا پہاڑ کی بلندی کی جانب بڑھنے لگا۔ جگہ جگہ تاتاری سپاہی پھسل پھسل کر گرتے رہے، مگر وہ نہ رکا۔ آخر کار سہ پہر کے وقت جبکہ جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور چنگیز خان کی بے تاب نگاہیں بار بار اسی پہاڑی درّے کی طرف اُٹھ رہی تھیں، بلانویان اپنے اکثر سپاہیوں کے ساتھ چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ سلطان جلال الدین کے مٹھی بھر سپاہی جو یہاں پہرہ دے رہے تھے، جاں توڑ مزاحمت کے بعد شہید ہو گئے اور بلانویان کی قیادت میں ہزاروں سپاہی ان کی لاشوں کو روندتے ہوئے مسلمانوں کی پشت پر واقع ڈھلوانوں سے نیچے اُتر کر ان کے بائیں بازو کی مختصر سی فوج پر حملہ آور ہو گئے اور اس کی صفیں تہ و بالا کر دیں۔ ㉙

لشکر اسلام کے دائیں بازو کی شکست..... سلطان جلال الدین ابھی تک چنگیزی لشکر کے قلب سے برسر پیکار تھے

اور وہاں ایک زبردست معرکہ جاری تھا۔ تاہم چنگیز خان نے اس وقت سلطان جلال الدین کے بالمقابل آنے کی غلطی نہ کی، اسے اندازہ تھا کہ سلطان اپنی جنگی مہارت کے باعث ایک بار پھر اسے موت کی جھلک دکھا سکتا ہے۔ اس نے پہلے سلطان کو پہلوؤں سے غیر محفوظ کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ خوارزمی قلب کا رخ کرنے کے بجائے وہ دس ہزار بھاری زرہ پوش سواروں کی کمک اپنی قیادت میں لے کر میدان کے اس حصے میں جا پہنچا جہاں امین الملک ابھی تک تاتاری لشکر کے بائیں بازو سے نبرد آزما تھا۔

امین الملک کے دستوں پر چنگیز خان کا حملہ نہایت اچانک تھا۔ امین الملک کی فوج نے زبردست مزاحمت کی، مگر اتنے میں اسکے بالمقابل بائیں بازو کے تاتاری بھی از سر نو صفیں درست کر کے جارحانہ حملے شروع کر چکے تھے۔ امین الملک کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے اور پسپائی کے دوران اس کے بیشتر سپاہی شہید ہو گئے۔ پیچھے ہٹتے ہوتے ہوئے اس نے دیکھا کہ اس کے اور سلطان جلال الدین کی قیادت میں لڑنے والے قلب لشکر کے درمیان طویل فاصلے کو تاتاری دستے پُر کر چکے ہیں، ان کو کاٹ کر قلبِ لشکر سے دوبارہ جا ملنا اب آسان نہ رہا تھا۔ بازی ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ مایوس ہو کر اس نے جان بچانے کی کوشش کی اور بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر دریا کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف روانہ ہو گیا، وہ پشاور پہنچنا چاہتا تھا۔

چنگیز خان نے راستے میں جگہ جگہ دستے متعین کر کے مفرورین کی ناکہ بندی کر رکھی تھی، اس لیے امین الملک کے دستوں کو فرار ہوتا دیکھ کر اس نے تعاقب میں وقت ضائع نہ کیا۔ امین الملک اپنے ساتھیوں سمیت راستے میں ناکہ بندی کرنے والے تاتاریوں کے نرغے میں آ کر شہید ہو گیا۔ (۳۰)

پانسہ پلٹ گیا..... چنگیز خان نے مسلمانوں کے دائیں بازو کو تتر بتر کرنے کے بعد دریا کے کنارے کنارے مڑتے ہوئے سلطان جلال الدین کی قیادت میں معرکہ آزما قلب کے دستوں پر پہلو سے حملہ کر دیا۔ اِدھر دریا کے کنارے سلطان جلال الدین کا ایک حفاظتی دستہ موجود تھا۔ سلطان کے پہلو پر چنگیز خان کا خطرناک وار روکنے کے لیے یہ جانثار آہنی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور دیوانہ وار لڑتے ہوئے ایک ایک کر کے کٹ گئے۔ (۳۱)

سلطان جلال الدین جو چند ساعت پیشتر ایک بعید الحصول فتح کو چند گام کے فاصلے پر دیکھ رہے تھے، اپنے دائیں بازو اور بائیں بازو کی تباہی کے بعد نوشتۂ تقدیر پڑھ چکے تھے، جدوجہد، قربانی اور سرفروشی کی ایک داستان حسرت ناک انجام کو پہنچ رہی تھی۔

کس مصیبت سے تو پکڑا تھا کنارا، اے خدا   آ کے موجیں لی چلیں پھر ہائے! ساحل سے مجھے

سلطان نرغے میں..... سلطان اب تینوں جانب سے تاتاریوں کے زبردست دباؤ کا سامنا کر رہے تھے۔ ان کے اکثر سپاہی شہید ہو چکے تھے۔ اب عزت کی موت کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ انہوں نے ساری قوت یکجا کر کے چنگیز خان کے محافظ دستوں پر ایک اور طوفانی حملہ کیا اور سینکڑوں دشمنوں کو خاک و خون میں لت پت کر کے تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے وادی کے آخری کونے کی جانب مڑے جہاں پہاڑی سلسلہ اور دریائے سندھ ہم آغوش ہوتے ہیں۔ سلطانی لشکر کی خیمہ گاہ بھی اسی طرف تھی، اور سلطان کے بیوی بچے وہیں ٹھہرے ہوئے اپنے مقدر کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔

تاتاری وحشی سلطان کے بچے کھچے سپاہیوں کو منتشر کرتے اور روندتے ہوئے ان کے پیچھے لپکے۔ بلانویان جو

خوارزمی فوج کے بائیں بازو کی شکست کا باعث بنا تھا، ایک پہلو سے سلطان کے باقی ماندہ سپاہیوں کو بُری طرح دھکیل رہا تھا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تقریباً پانچ میل پسپائی کے بعد جب اپنی خیمہ گاہ کے پاس دریا کے کنارے بلند چٹانوں تک پہنچے تو ان کے ساتھ فقط سات سو جانثار باقی رہ گئے تھے۔ (۲۲)

جہاد آخری سانس تک ..... یہاں ایک طرف پہاڑی چٹانوں اور دوسری طرف دریا کے کنارے کی پناہ لے کر سلطان نے گنتی کے ان چند افراد کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف نئے جوش و جذبے سے لڑنا شروع کیا، تاتاری اس جگہ کے محل وقوع کے باعث ان پر صرف سامنے سے حملہ کر سکتے تھے اس لیے مجاہدین کھلے میدان کی بنسبت یہاں زیادہ دیر تک شمشیر کے جوہر دکھا سکتے تھے۔ ڈھلتے ہوئے سورج کی روشنی میں یہاں حق کے پرستار ایک بار پھر اسلام کے دشمنوں سے بھڑ گئے۔

وہ محاذِ جنگ جو چند گھنٹے قبل کئی میل کی وسعت پر پھیلا ہوا تھا اب دریائے سندھ کے کنارے ایک کونے میں سمٹ آیا تھا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اپنے مٹھی بھر جانثاروں کے ساتھ شہادت کی باعزت موت حاصل کرنے کے لیے آخری سانس اور خون کے آخری قطرے تک لڑنے کا تہیہ کر کے دشمن سے برسرِ پیکار تھے۔ ان کی تلوار سے خون ٹپک رہا تھا، ہاتھوں پر اس خون کے لوتھڑے جم گئے تھے، زرہ اور لباس پر جگہ جگہ سرخ دھبے دکھائی دے رہے تھے۔ جب سلطان جلال الدین اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے زخمی شیر کی طرح دشمن پر حملہ کرتے تو دشمن کی صفیں الٹ پلٹ ہو جاتیں اور وہ دور دور تک پیچھے ہٹ جاتے، مگر جلد ہی ان کے تازہ دم سپاہی آگے بڑھ کر نئے جوش و خروش سے سلطان پر حملہ آور ہو جاتے۔ سلطان کے عزیز ترین ساتھی ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے اور دشمن کا حلقہ تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ مجاہدین صبح سے شام تک مسلسل لڑنے کے بعد اب زخموں اور تکان سے چور ہو چکے تھے۔ ان کے ہاتھ سن ہونے لگے تھے، کاندھوں اور کلائیوں کی ہڈیوں سے ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں، مگر ان تکالیف کو بھلاتے ہوئے وہ صرف شہادت کی امید پر لڑ رہے تھے۔ (۲۳)

سلطان کے بیٹے کی شہادت ..... سلطان جلال الدین اس خوں ریز لڑائی میں اس قدر منہمک تھے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے بھی قطعاً بے پروا ہو چکے تھے۔ اسی ہنگامۂ محشر میں ان کے جگر کا ٹکڑا، ان کا سات سالہ شیر دل، حسین و جمیل معصوم بیٹا جو دائیں بازو کے سالار امین الملک کی حفاظت میں تھا، دائیں بازو کے تتر بتر ہو جانے کے بعد کسی طرح دشمن کے ہاتھ آ گیا۔ اسے گرفتار کر کے چنگیز خان کے سامنے پیش کر دیا گیا، بے رحم چنگیز خان نے اس پیکرِ معصومیت کے تلوار سے دو ٹکڑے کر ڈالے (۲۴) سلطان جلال الدین کو اطلاع ہوئی تو زبانِ حال سے گویا ہوئے:

ہے یہ اے دل امتحاں کا وقت، رہ ثابت قدم صبر کر، حق کی مشیت پر نہ ہرگز مار دم

بیٹے کی جدائی کا تیر سلطان کے جگر میں پیوست ہوا، مگر اس کوہِ استقامت کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی۔ جنگ کی ہولناکیوں میں انہیں اپنے اس درد کی طرف التفات کرنے کا ہوش بھی نہیں تھا۔ شاید کوئی اور شے اس وقت ان کا دھیان محاذِ جنگ سے نہ ہٹا سکتی، مگر یکا یک چند نسوانی چیخوں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ آوازیں لشکرِ اسلام کی خیمہ گاہ کی طرف سے آ رہی تھیں۔

جلال!... ہمیں قتل کر دے ..... سلطان جلال الدین نے پلٹ کر دیکھا، دریائے سندھ کے کنارے دشمن کے لحظہ بلحظہ بڑھتے ہوئے ہجوم کے سامنے ان کی والدہ اور بیویاں کسی جائے پناہ کی تلاش میں مضطرب و بے قرار تھیں۔ وہ عظیم ماں

جس نے اپنے خون سے ان کی پرورش کی تھی، جس نے ان کی شیر خوارگی سے لے کر اب تک انہیں ہر ہر قدم پر ہزاروں شفقتوں سے نوازا تھا، جس کی تربیت نے ایک معصوم بچے کو شجاعت، غیرت، حمیت، صداقت اور ایثار کے جواہر سے آراستہ کر کے جوانی کی حدود تک پہنچایا تھا، جس کی ہزاروں دُعائیں لے کر وہ معرکۂ کارزار کی طرف روانہ ہوتے تھے، وہ ماں آج اپنی رداءِ عصمت کے تحفظ کے لیے اپنے لختِ جگر کو پکار رہی تھی ..... اور وہ حیا پیکر اور وفا شعار بیویاں جو سراپا عفت و عصمت تھیں، جن کی خلوص مندی، محبت اور وفاداری شاہی محل کی آسائشوں سے لے کر میدانِ جنگ کی کلفتوں تک یکساں رہی، جن کا ہر تبسم ان کے لیے راحتِ جاں تھا، آج ایک درندہ صفت دشمن کی قید میں آنے کو تھیں۔

سلطان جلال الدین تیزی سے اس طرف لپکے، انہیں دیکھتے ہی ان کی غیرت مند ماں نے چلا کر کہا:

''جلال!...جلال!...تجھے اللہ کی قسم دیتی ہوں..... ہمیں قتل کر دے..... ہمیں دشمن کی قید سے بچا لے!!''

اب مزید کچھ کہنے سننے کا وقت نہیں رہا تھا۔ عام حالات میں سلطان جلال الدین کے لیے کھولتے ہوئے تیل میں چھلانگ لگا دینا، بھوکے بھیڑیوں سے اپنی بوٹی بوٹی نچوا دینا یا زمین میں خود کو زندہ دفن کر لینا اس سے آسان تھا کہ وہ اپنی والدہ کو اپنے ہاتھوں موت کی نیند سلائیں یا اپنی رفیقہ حیات کو خود بارِ زندگی سے سبکدوش کریں..... مگر اب..... لمحہ بھر توقف کیے بغیر وہ فیصلہ کر چکے تھے کہ ان کے لیے دریائے سندھ کی تلاطم خیز لہروں سے بہتر پناہ گاہ کوئی اور نہیں ہو سکتی......

سلطان جلال الدین دل پر پتھر رکھ کر اس فیصلے پر عمل کے لیے آگے بڑھے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس وقت سلطان کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی..... پھر یکے بعد دیگرے انہوں نے اپنی یہ مقدس امانتیں دریا کے سپرد کر دیں۔ دریائے سندھ کی موجوں نے بڑھ کر ان پاکیزہ جسموں کو اپنی آغوش میں چھپا لیا...... (۳۵)

یہ کس جانِ عالم کا ہے وقتِ آخر ۔۔۔ کہ حالات دگرگوں ہے ارض و سما کی
یہ حیرت میں ہے کیوں فرشتہ اجل کا ۔۔۔ یہ نوری سے بھی بڑھ گیا کون خاکی

سلطان جلال الدین کے پاس دو آنسو بہانے کی فرصت بھی نہ تھی۔ بس اک آہِ سرد بھری اور شمشیر بکف ہو کر ایک بار پھر میدانِ جنگ میں آ کودے۔ ان کے ہر حملے میں کئی کئی تاتاری شہسوار اپنی زینوں سے کٹ کر نیچے آ گرتے۔ چنگیز خان کی خواہش...... چنگیز خان حیرت زدہ نگاہوں سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا، اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہر حال میں سلطان کو زندہ پکڑ کر لائیں۔ اس حکم کے بعد تاتاری حملہ آور سلطان پر تیروں اور نیزوں سے براہِ راست کوئی مہلک حملہ کرنے سے کترانے لگے اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنا گھیرا تنگ سے تنگ کرتے جا رہے تھے، ان کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں سلطان کی طرف بڑھتی تھیں اور سلطان شمشیر کے پے در پے وار کر کے انہیں مار گراتے تھے۔

چنگیز خان کا کاتب عطا ملک جوینی لکھتا ہے:

سلطان مثلِ شیرِ خشمناک جنگ می کرد

''سلطان غضبناک شیر کی مانند لڑ رہے تھے۔'' (۳۶)

چنگیز خان شمشیر زنی میں سلطان کی مہارت کا یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا، وہ جانتا تھا کہ انسانی طاقت اور بساط کی ایک حد ہوتی ہے، اس لیے اسے یقین تھا کہ تھوڑی دیر میں یہ کھیل ختم ہو جائے گا۔ سلطان جلال الدین اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے نمٹ جانے کے بعد آخر کار خود بھی تھک کر نڈھال اور نیم جان ہو جائیں گے اور کٹے

ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آ گریں گے۔

ادھر اپنے بالمقابل تاتاری سپاہیوں کا بدلتا ہوا اندازِ جنگ دیکھ کر سلطان جلال الدین بھی چنگیز خان کا مقصد سمجھ گئے۔ وہ لقائے شہادت کی آرزو لے کر لڑ رہے تھے، انہیں یہ بات برداشت نہ تھی کہ چنگیز خان ان کے سر پر ٹھوکریں رسید کرے اور انہیں ذلت کی زنجیروں میں جکڑ کر قہقہے لگائے۔ انہوں نے چنگیز خان کے منصوبے کو ہر صورت میں ناکام بنانے کا فیصلہ کرلیا۔

اس دوران سلطان دشمن سے لڑتے لڑتے ایک ایسی جگہ پہنچ چکے تھے کہ چند قدم آگے بڑھنے سے وہ دشمن کے جال میں پھنس جاتے۔ سلطان کا ماموں زاد بھائی اخش ملک ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ عین موقعے پر خطرہ بھانپ کر اس نے سلطان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پوری قوت سے کھینچ کر انہیں دشمن کے نرغے سے باہر لے آیا۔ [۳۷]

موت کی جست ..... سلطان جلال الدین نے دریا کے کنارے چٹانوں کی بلندی پر چڑھ کر پیچھے نگاہ ڈالی، دشمنوں کا ریلا سیلاب کی طرح بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ دوسری طرف دریائے سندھ اس زور و شور سے ٹھاٹھیں مار رہا تھا کہ اس میں ایک لمحے کے لیے داخل ہونے کا تصور ہی بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ پانی کرنے کے لیے کافی تھا، مگر سلطان جلال الدین نے اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دریا میں کودنے کا فیصلہ کرلیا۔ دن بھر کی سخت لڑائی میں سلطان کا گھوڑا بھی تھک چکا تھا۔ انہوں نے ایک تازہ دم گھوڑا لیا جو شیر کی طرح دلیر اور چیتے کی مانند تیز رفتار تھا اس پر سوار ہو کر وہ ایک بار پھر ان تاتاریوں پر حملہ آور ہوئے جو ان کے سر پر پہنچ کر ان کے آخری چند ساتھیوں کے ساتھ اُلجھے ہوئے تھے۔ [۳۸] سلطان کی تلوار نے برقِ آسمانی کی طرح چمک کر کئی دشمنوں کو کاٹ ڈالا۔ تاتاریوں کے پیچھے ہٹتے ہی سلطان جلال الدین نے گھوڑے کی باگ پھیری اور لبِ دریا جا پہنچے۔ اس بلند چٹان سے کوئی چالیس فٹ نیچے دریا کی لہریں سر ٹکرا رہی تھیں۔ [۳۹]

تاریخ خوارزم شاہی کے مؤلف کے بقول اس مقام پر دریا کی گہرائی ایک سو اسّی (۱۸۰) فٹ تھی [۴۰] جس میں جا بجا خوفناک چٹانیں سر اُٹھائے کھڑی تھیں۔ سلطان نے اپنے ساتھیوں کو الوداع کہا، زرہ اُتار پھینکی، پشت کو تاتاریوں کی تیراندازی سے محفوظ رکھنے کے لیے ڈھال پیچھے لٹکائی، شاہی چتر سنبھالا، نیزہ اور ترکش ساتھ لیا، گھوڑے کو چابک رسید کیا اور اللہ کو یاد کرتے ہوئے خطرناک بلندی سے بے خوف و خطر دریا کی سرکش لہروں میں کود گئے۔ [۴۱]

پُرشور موجوں میں ایک گرجدار آواز پیدا ہوئی، دریا کا پانی کئی گز اوپر اُچھلا، لمحہ بھر کے لیے سلطان جلال الدین لہروں میں گم ہو گئے، مگر اگلے ہی لمحے وہ دریا کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ دریائے سندھ کی سرکش موجیں بار بار ان کو ڈھانپ رہی تھیں۔ تلاطم خیز دریا بڑی شدت کے ساتھ انہیں اپنے بہاؤ کے ساتھ بہنے پر مجبور کر رہا تھا۔ نومبر کے سرد مہینے میں دریا کا یخ بستہ پانی، خراشوں اور زخموں سے چھلنی تھکے ماندے جسم پر قیامت ڈھا رہا تھا، مگر سلطان جلال الدین نے بے مثال صبر و تحمل اور حیرت انگیز ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے ہوش و حواس بحال رکھے، اپنی ساری طاقت جمع کر کے وہ گھوڑے کی گردن اور پشت کے ساتھ چمٹے رہے۔ وفادار گھوڑا اپنے آقا کو لے کر پیرتے ہوئے کبھی دوسرے کنارے کی طرف بڑھنے لگتا اور کبھی کوئی مخالف موج اسے اپنے ہدف سے دور کر دیتی۔ اسی اثناء میں ایک زوردار موج آئی، گھوڑے کا توازن بگڑ گیا، مگر جب موج گزر گئی تو سلطان نے دیکھا کہ وہ دوسرے کنارے کے بالکل قریب ہیں [۴۲] تھوڑی سی کوشش کر کے سلطان

جلال الدین خوارزم شاہ دریا کے مشرقی کنارے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔

مجاہد کا قہقہہ ..... چنگیز خان نے ہر قیمت پر سلطان جلال الدین کی زندہ گرفتاری کا حکم دیا تھا۔ جب سلطان دریا کے کنارے بلند چٹان سے کودنے کی تیاری کر رہے تھے، چنگیز خان اپنے گھوڑے کو چابک مار کر برق رفتاری سے اس طرف لپکا، اس کے بیٹے اور سردارانِ لشکر بھی اس کے پیچھے تھے۔ جب چنگیز خان میدان سے ہوتا ہوا دریا کے کنارے پہنچا تو سلطان جلال الدین دریا میں چھلانگ رہے تھے۔ (۴۳) یہ منظر دیکھ کر چنگیز خان ششدر رہ گیا اور اس نے حیرت سے اپنے مُنہ پر ہاتھ رکھ لیا، شاید اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کے بیٹے اور سردار بھی انگشت بدنداں ہو کر یہ تعجب خیز منظر دیکھ رہے تھے۔ (۴۴)

چنگیز خان کا منشی عطا ملک ہمت و بسالت کے اس مظاہرے پر یہ شعر نذر کرتا ہے:

بگیتی کسے مرد ازیں ساں ندید نہ از نامدارانِ پیشیں شنید

(دھرتی پر نہ تو ایسا جوان کبھی دیکھا۔ نہ ہی گزشتہ ناموروں میں کسی ایسے کے بارے میں سنا)

کچھ دیر بعد چنگیز خان نے دیکھا کہ سلطان جلال الدین صحیح وسالم دوسرے کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔ وہ سر سے پاؤں تک پانی میں شرابور تھے۔ گھوڑے سے اُتر کر سلطان نے اپنا کرتا اُتارا، گھوڑے کی پشت سے زین ہٹا کر اس کا نمدہ (گدا) نکالا، ترکش سے تیر نکال کر باہر پھینکے اور یہ سب چیزیں ڈھلتے ہوئے سورج کی زرد دھوپ میں خشک ہونے کے لیے پھیلا دیں۔ اس کے بعد انہوں نے اپنا نیزہ گاڑ کر شاہی چتر اس پر ٹانگ دیا۔

اب اس مجاہد نے ایک نگاہِ غلط انداز چنگیز خان پر ڈالی اور اسے بے بسی سے اپنی جانب گھورتا دیکھ کر بے اختیار ایک قہقہہ لگایا، (۴۵) شبہ یہ مجاہد کا وہ مستانہ قہقہہ تھا جو چیخیں اور آہیں سننے کے عادی ستم گر کو جلا کر کوئلہ کر دیا کرتا ہے۔

تاریخ عالم کے دو سب سے بڑے حریف یہاں ایک دوسرے کے آمنے سامنے تھے، یہ آمنا سامنا میدانِ جنگ کے مقابلے سے مختلف تھا۔ وہاں اسلحے کا اسلحے سے ٹکراؤ تھا اور یہاں آنکھوں کا آنکھوں اور دل کا دل سے تصادم تھا...... یہاں وہ اچھی طرح ایک دوسرے کو دیکھ سکتے تھے اور ایک دوسرے کے چہروں پر لکھی تحریر پڑھ سکتے تھے۔

اس موقع پر سلطان کا اپنی عام عادت کے خلاف بلند آہنگ قہقہہ لگانا درحقیقت نفسیاتی طور پر ان کی کھلی فتح کا ثبوت تھا...... جبکہ دوسری طرف چنگیز خان کی بے بسی قابل دید تھی۔ اس کا سب سے بڑا دشمن اس سے صرف چند سو قدم کے فاصلے پر تھا، مگر وہ اس کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا تھا۔ جس حریف کو ختم کرنے کا تہیہ کر کے وہ دریائے آمو سے یہاں تک کالے کوسوں کی مسافت طے کر کے آیا تھا وہ اس کے سامنے ہوتے ہوئے بھی اس کی دسترس سے باہر تھا۔ فاتح عالم سوز جنگ جیت کر بھی خود کو بے بس اور شکست خوردہ محسوس کر رہا تھا۔ اپنے سب سے زیادہ مطلوب حریف کے بچ نکلنے کے بعد میدان جنگ سے فاتح بن کر لوٹنا اس کے لیے کوئی معنیٰ نہیں رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے جری رہنما جب چاہیں خاک سے قلعے اور بے روح جسموں سے طاقتور لشکر بنا سکتے ہیں۔

چنگیز خان شکست خوردگی کا احساس لیے شیر خوارزم کے چہرے پر عزم کی بجلیاں چمکتے دیکھتا رہا۔ دریائے سندھ نے موت کی جو سرحد اس کے آگے کھینچ دی تھی اسے عبور کرنا صرف سلطان جلال الدین ہی کا کام تھا۔ چند لمحوں بعد سلطان اطمینان سے اپنے چترِ شاہی کے نیچے بیٹھ کر سستانے لگے۔ (۴۶)

ہوئے مدفونِ دریا زیرِ دریا تیرنے والے　　طمانچے موج کے کھاتے تھے جو، بن کر گہر نکلے
زمیں سے نوریانِ آسماں پرواز کہتے تھے　　یہ خاکی زندہ تر، پایندہ تر، تابندہ تر نکلے

چنگیز خان کا خراجِ تحسین ...... چنگیز خان حیرت سے مبہوت یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیٹے اوکتائی اور چغتائی بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ چنگیز خان کے منہ سے بے ساختہ یہ جملہ نکلا:

''بیٹا ہو تو ایسا ہو، (۴۷) وہ باپ بڑا خوش قسمت ہے جس کا بیٹا اتنا بہادر ہو۔ (۴۸)

اس جیسا جواں مرد دنیا میں نہ پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔'' (۴۹)

اپنے خطرناک ترین حریف کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے اس نے مزید کہا:

''حیرت ہے یہ شخص آگ اور پانی دونوں کی ہلاکت خیزیوں سے بچ کر ساحلِ نجات تک پہنچ گیا......''

پھر اس نے اپنے بیٹوں اور سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''یہ انسان ہمارے لیے مزید مصائب اور بے شمار فتنوں کا باعث بنے گا۔ ہمیں اس سے ہرگز غافل نہیں رہنا چاہیے۔'' (۵۰)

چند جوشیلے تاتاری سرداروں نے چنگیز خان سے تیر کر دریا عبور کرنے کی اجازت مانگی تاکہ سلطان کا تعاقب کیا جا سکے، مگر دریائے سندھ کی ہولناک موجوں کو دیکھ کر چنگیز خان نے ان کی خواہش کو حماقت پر محمول کیا۔ وہ جانتا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی سلطان جلال الدین جیسا نہیں ہے کہ موت کی اس سرحد کو عبور کر سکے، اس نے اپنے سرداروں کو منع کرتے ہوئے کہا:

''تم اس پائے کے جواں مرد نہیں ہو...... اور یہ بھی نہ بھولو کہ وہ دوسرے کنارے سے تیر چلا کر تمہیں دریا کے بیچوں بیچ غرق کر سکتا ہے۔'' (۵۱)

دریا عبور کرنے سے قبل جلال الدین نے شاہی خزانہ دریا میں پھنکوا دیا تھا، چنگیز خان نے غوطہ خوروں کو طلب کر کے اس کا بڑا حصہ دریا کی تہہ سے برآمد کرا لیا۔ (۵۲)

سلطان جلال الدین کے بچے کھچے اکثر ساتھی ان کے پیچھے پیچھے دریا میں کود گئے تھے۔ تاتاری تیرانداز ان پر نشانہ آزمائی کرتے رہے۔ دریا میں کودنے والے جانبازوں میں سے بہت سے ان تیروں سے گھائل ہو کر اور بہت سے دریا کی بپھری ہوئی موجوں کا ہو کر شہید ہو گئے۔ دریائے سندھ کے چوڑے پاٹ کا وہ حصہ جہاں تک دشمن کے تیر پہنچ رہے تھے خون سے سرخ ہو گیا۔ اس افراتفری کے عالم میں سلطان کے گھر کی چند خواتین اور ان کے شیر خوار بچے جو دریا میں نہ کود سکے تھے، دشمن کے نرغے میں آ گئے تھے۔ چنگیز خان نے ان سب کو اپنے سامنے طلب کر کے ان کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر سلطان جلال الدین زخمی قلب و جگر کے ساتھ ظلم و ستم کے یہ ہولناک مناظر دیکھ رہے تھے، مگر ان کے بس میں کچھ نہ تھا۔

مغرب کے وقت سات مجاہدین زندہ سلامت دوسرے کنارے تک پہنچ کر سلطان جلال الدین سے آ ملے۔ ایک دوسرے کو زندہ پا کر وہ سب یوں محسوس کر رہے تھے جیسے وہ موت کا نوالہ بننے کے بعد از سرِ نو ساحلِ حیات تک پہنچے ہوں۔ سورج غروب ہو چکا تھا، تاریکی پھیل رہی تھی۔ سلطان جلال الدین نے ان سات ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور

سنسان جنگلات میں قدم رکھ دیا۔ (۵۲) دریا کے مغربی کنارے پر کھڑا چنگیز خان حیرت وحسرت کے ساتھ وقت کے اس مردِ آہن کو دیکھ رہا تھا جو زبانِ حال سے ہر تماشائی کو یہ پیغام دے کر جا رہا تھا......

کیوں تعجب ہے مری صحرا نوردی پر تجھے ۔۔۔ یہ تگا پوئے دما دم زندگی کی ہے دلیل
اے رہینِ خانہ تونے وہ سماں دیکھا نہیں ۔۔۔ گونجتی ہے جب فضائے دشت میں بانگِ رحیل
ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام ۔۔۔ وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل

سلطان جلال الدین نے جس گھوڑے پر دریا عبور کیا تھا، وہ انہیں بہت محبوب ہو گیا تھا۔ یہ بہادر جانور مزید کئی سال تک ان کا رفیق رہا۔ یہ گھوڑا معرکہ سندھ کے پانچ سال بعد تفلیس کی فتح تک سلطان کے پاس تھا۔اس کے اعزاز کی وجہ سے اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی۔ (سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۲)

ساحلِ سندھ کے معرکہ کے اثرات..... ساحل سندھ کے اس تاریخی معرکے میں اگر چہ مسلمانوں کو شکست ہوئی، لیکن ان کی قربانی اور سرفروشی رائگاں نہیں گئی۔ تاریخ پر اس معرکے کے اثرات ثبت ہیں اور رہیں گے۔اس لڑائی میں تاتاریوں نے اپنی تمام بکھری ہوئی قوت جمع کر کے مسلمانوں کے مقابلے میں جھونک دی تھی، مگر مجاہدینِ اسلام نے تعداد کی کئی گنا کمی کے باوجود تین دن تک تاتاریوں سے اس قدر شدید مقابلہ کیا کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں بہت کم ملے گی۔ چنانچہ اس لڑائی میں جس قدر مسلمان شہید ہوئے اس سے کئی گنا زیادہ تاتاری واصل جہنم ہوئے۔

مؤرخ ابن اثیر لکھتے ہیں: "**وکان القتل فی الکفار اکثر و الجراح اعظم**" (الکامل فی التاریخ، ج ۷، ص ۵۹۴)

یعنی کفار کے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ چنانچہ لڑائی کے انجام پر اگر چہ میدان تاتاریوں کے ہاتھ رہا، لیکن انہیں اپنے مقتولین کی کثرت کے باعث شدید افرادی کمی لاحق ہوگئی جس کا اثر یہ ہوا کہ چنگیز خان وادی سندھ و پنجاب سے آگے قدم نہ بڑھا سکا، اس کی وہ طوفانی پیش قدمی جو بڑے بڑے صوبوں کو چشم زدن میں روندرہی تھی یہاں آکر ایک طویل عرصے کے لیے تھم گئی اور وہ جلد ہی مختلف عوارض سے پریشان ہو کر قراقرم واپس لوٹ گیا۔ اگر دریائے سندھ کے کنارے شہید ہونے والے ہزاروں مجاہدین کی قربانیاں نہ ہوتیں تو ارضِ ہند جو اس وقت کئی حکومتوں کا مجموعہ تھی چنگیز خان کے لیے تر نوالہ ثابت ہوتی۔ اگر سلطان جلال الدین کے ہاتھوں اس محاذ پر تاتاریوں کو کاری زخم نہ لگتے تو چند ہی مہینوں میں ان کا دہلی، بغداد اور دمشق پر قبضہ کوئی بعید بات نہ تھی۔ تب ہی تو حافظ ذہبی جیسے عظیم صاحبِ نظر کہہ اُٹھے: "**لولاہ لداسوا الدنیا** (اگر سلطان جلال الدین نہ ہوتے تو تاتاری تمام روئے زمین کو روند ڈالتے) (۵۳)

''نیلاب'' کہاں ہے؟..... نیلاب کا تاریخی ساحل جہاں چنگیز خان اور سلطان جلال الدین کی افواج کے مابین یہ لافانی معرکہ برپا ہوا تھا، تاریخ سے ہماری بے اعتنائی کے باعث گمنام ہو چکا تھا۔ راقم ایک عرصہ تک اسی جستجو میں رہا کہ اس تاریخی مقام کی تعیین کر کے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھے، مگر باوجود سعی بسیار کے اس مقصد تک رسائی نہ ہو سکی۔ ایک عرصہ اسی شش و پنج میں گزرا، بالآخر اللہ کے فضل وکرم سے جو اس کتاب کی تسوید و ترتیب میں ہر قدم پر شامل حال رہا، یہ عقدہ بھی حل ہو گیا۔ راقم ۲۰۰۳ء میں خود اس مقام کا سفر کر کے آیا ہے۔ اس سفر کی روداد پر سفر نامہ ''تیرے نقش پا کی تلاش میں'' طبع ہو کر آ چکا ہے۔

نیلاب ضلع اٹک کا ایک گاؤں ہے جو دریائے سندھ کے کنارے واقع ہے۔ اٹک سے پنڈی گھیپ جانے والی شاہراہ پر اٹھواں میل اسٹاپ سے نیلاب کے لیے سڑک نکلتی ہے۔ یہی سڑک آگے گھوڑا ترپ کو جاتی ہے جہاں سے سلطان جلال الدین نے دریا میں چھلانگ لگائی تھی۔

آج کل نیلاب کو باغ یا باغ نیلاب کہا جاتا ہے۔ غالباً گاؤں کو نیلاب کا نام دریائے سندھ سے قرب کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ یہاں دریا کا پانی نہایت صاف وشفاف نیلگوں رنگ کا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نیلاب کا لفظ ''نیلا آب'' (نیلا پانی) سے بنا ہے جسے یہاں کے پانی کی رنگت کی مناسبت سے اس ساحل اور قریبی گاؤں پر منطبق کر دیا گیا۔ قدیم زمانے میں ''نیلاب'' خاصی اہمیت کا حامل تھا۔ نزہۃ الخواطر کے مصنف کے بقول ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیر شاہ سوری کی تعمیر کردہ جرنیلی سڑک بنگال کے ''سنار گاؤں'' سے شروع ہو کر نیلاب تک آتی تھی۔ تب دریائے سندھ پر کوئی پل نہ تھا اور نیلاب گھاٹ کے طور پر استعمال ہوتا تھا یعنی یہاں سے لوگ کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کیا کرتے تھے۔ یہاں اب بھی کشتیاں استعمال ہوتی ہیں مگر بہت کم۔ سلطان جلال الدین بھی کشتیاں حاصل کرنے کے لیے اس جانب آئے تھے، مگر مناسب مقدار میں کشتیاں میسر نہ آنے کے سبب وہ تاتاریوں کے آنے سے پہلے فوج کو دریا عبور نہ کرا سکے۔

وہ چٹان جہاں سے سلطان جلال الدین نے چھلانگ لگائی تھی ''جلالیہ'' یا ''چونگ جلالیہ'' کے نام سے مشہور ہے، قدیم بولی میں ''چونگ'' چھلانگ کو کہا جاتا ہے۔ جامع تاریخ ہند میں بھی اس کا ذکر ہے

دریائے سندھ کے پار خیر آباد کے اسٹاپ سے نظام پورہ جانے والی سڑک پر (جو دریا کے متوازی ہے) تقریباً دس کلو میٹر آگے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ دریا کا تنگ پاٹ یک دم چوڑا ہو گیا ہے۔ اس مقام پر دریا اپنا رخ پہلے جنوب پھر مغرب اور پھر جنوب کی طرف تبدیل کرتا ہے۔ یہیں پہاڑ اور دریائے سندھ کے درمیان گھرا وہ میدان آجاتا ہے جہاں سلطان جلال الدین اور چنگیز خان کے درمیان تاریخی معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ (۵۵) نیز دریائے سندھ کے اس پار صوبہ سرحد میں ایک پہاڑ ''جلالہ سار'' بھی سلطان جلال الدین کی یادگار کے طور پر موجود ہے۔ ممکن ہے یہ وہی پہاڑ ہو جس کی اوٹ میں لشکر جلالی کا ''یسار'' یعنی بایاں بازو تعینات تھا۔ ''جلالی یسار'' بگڑ کر ''جلالہ سار'' بن گیا ہو۔

مزید چند کلو میٹر آگے جا کر دریا دوبارہ موڑ کاٹتے ہوئے بالکل تنگ ہو جاتا ہے۔ یہاں سگئی گاؤں کے قریب دریا کے موڑ پر وہ تاریخی چٹان ہے جس سے سلطان نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالا تھا۔ اس مقام کو ''گھوڑا ترپ'' یا ''گھوڑا ٹپ'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

① ابن اثیر، ج ۷، ص ۵۹۳ تا ۵۹۴...... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۹...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۸

② جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۳۹...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۸...... ابن اثیر ج ۷، ص ۵۹۴

③ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

④ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶، ۱۵۷...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶

⑤ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۶، ۱۵۷...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶

سلطان جلال الدین نے غزنی سے ہندوستان جانے کے لیے دریائے سندھ تک کون سا راستہ اختیار کیا؟ اس کے بارے میں دو آراء ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ انہوں نے اسی معروف شاہراہ پر سفر کیا جسے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ نے اختیار کیا تھا جو درۂ خیبر سے گزر کر پشاور اور اٹک تک پہنچتی ہے۔ اس رائے کی بنیاد تاریخ کی یہ مشہور روایت ہے کہ چنگیز خان سلطان جلال الدین کے تعاقب میں درۂ خیبر سے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔

دوسری رائے یہ ہے کہ سلطان نے غزنی سے پکتیا اور گردیز کا رخ کیا اور کرم ایجنسی کے علاقے سے ہوتے ہوئے دریائے سندھ تک پہنچے۔ ''افغانستان در مسیر تاریخ'' کے مؤلف میر غلام محمد غبار نے یہی نقل کیا ہے۔ غور کرنے پر یہی زیادہ ترین قیاس معلوم ہوتا ہے کیوں کہ غزنی سے ہندوستان جانے کے لیے دریائے سندھ تک کا یہی راستہ مختصر ہے جبکہ درۂ خیبر اور طورخم کا راستہ نسبتاً بہت طویل ہے، نیز درۂ خیبر کے راستے میں ننگرہار کا صوبہ آتا ہے جہاں سلطان سے منحرف ہونے والے امراء جمع تھے اور چنگیز خان سلطان سے ان امراء کا رابطہ منقطع کرنے کے لیے ان راستوں کی پہلے ہی ناکہ بندی کرا چکا تھا، دریں حالات سلطان کا وہاں سے گزر مشکل تھا۔ واللہ علم بالصواب.

سلطان کے اس سفر کے ممکنہ راستوں پر مزید غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کرم ایجنسی سے اٹک جانے کے لیے وہ پاراچنار، مری خیل اور چراٹ سے گزرے ہوں گے، اس طرح پشاور ان کے راستے میں نہیں آیا اور وہ براہ راست ساحلِ سندھ تک پہنچ گئے۔ چنگیز خان کے درۂ خیبر عبور کرنے کی مشہور روایت اگر صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ چنگیز خان نے سلطان کو روکنے کے لیے مختلف راستہ اختیار کیا تھا اور اس صورت میں چنگیز خان کے غزنی پہنچنے کی روایت کو غلط فہمی پر محمول کر کے یہ کہنا پڑے گا کہ اس نے غزنی سے سلطان کی روانگی کی خبر سنتے ہی کابل، جلال آباد اور پشاور کا راستہ اختیار کیا۔ تب ہی اس سے یہ ممکن ہو سکا کہ اس نے کئی دن کے سفر کا فرق ختم کر کے سلطان کو جا لیا۔ ورنہ اتنے دنوں تاخیر سے چلنے والے لشکر کا سلطان تک پہنچنا بظاہر ممکن نہیں تھا۔

⑥ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶...... چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

⑦ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱، جبکہ تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶ اور روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۲۸ پر پندرہ روز تاخیر کا ذکر ہے جو بعید از قیاس ہے۔ ویسے درایت کے اصول پر چنگیز خان کے غزنی پہنچنے کی کوئی روایت قابل قبول نہیں ہونی چاہیے، صحیح یہی ہے کہ چنگیز خان نے الگ راستے سے سلطان کا تعاقب کیا تھا۔

⑧ جامع التواریخ ص ۳۷۵...... تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶

⑨ روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۲۸

⑩ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۸ ملحوظہ: یہاں جس مقام ''جردین'' کا ذکر ہے اس کی صحیح تعیین نہیں ہوسکی۔ یاقوت حموی نے 'کابل اور غزنی کے درمیان 'جردان'' نامی ایک بستی کا ذکر کیا ہے مگر یہ معرکہ کابل اور غزنی کے درمیان نہیں بلکہ غزنی اور پشاور کے درمیان پیش آیا تھا۔ اس لیے دونوں مقامات کو الگ الگ ہی ماننا پڑے گا۔

⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷...... جہاں کشاج ۲ ص ۱۳۹، ۱۴۰

⑫ سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۷

⑬ چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱...... جہاں کشاج ۲ ص ۱۴۰

⑭ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۱۹......

⑮ جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۰

⑯ تاریخ خوارزم شاہی ص ۲۱۹

سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۰ میں بحوالہ ''مفرّج الکروب ج ۴ ص ۶۱ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں انہیں کشتیاں میسر آ گئی تھیں، مگر دریا پار نہ کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اب اتنے مختصر وقت میں چند کشتیوں کے ذریعے فوج کو پار لے جانا ممکن نہیں تھا۔

⑰ روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۲۸

⑱ چنگیز خان، باب ۲۰ ص ۱۵۱

⑲ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱

⑳ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

㉑ ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

㉒ تاریخ ابن الوردی ج ۳ ص ۲۲۹...... شذرات الذہب ج ۵ ص ۷۸

قرائن کی روشنی میں یہی تاریخ درست معلوم ہوتی ہے۔ جبکہ عطا ملک جوینی اور میر خواند کے مطابق یہ معرکہ رجب کے مہینے میں پیش آیا تھا (دیکھئے جہاں کشاج ۱ ص ۱۰۷، روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۲۸ نیز تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶)

㉓ جہاں کشاج ۱ ص ۱۰۶

㉔ ابن اثیر، ج ۷ ص ۵۹۴

㉕ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۱، ۱۵۲

㉖ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۲

㉗ اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص ۱۷۷

㉘ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۰...... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۲...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۵

㉙ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶...... چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۲...... شذرات الذہب ج ۵ ص ۸۷

(۳۰) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳...... جہان کشا ج ۲ ص ۱۴۰...... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶

(۳۱) چنگیز خان باب ۲۰ ص ۱۵۳...... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۵۸...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۵...... جہان کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

(۳۲) چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳

(۳۳) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸...... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

(۳۴) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹...... ابن الوردی ج ۳ ص ۲۲۹

(۳۵) سیرۃ جلال الدین ص ۱۵۹...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۶...... تاریخ ابن الوردی ج ۳ ص ۲۲۹...... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

یاد رہے کہ ایسے مواقع پر عزت بچانے کی نیت سے اہل وعیال کو قتل کرنا یا خودکشی کر لینا اسلامی فقہ کے نقطہ نظر سے درست نہیں ہے بلکہ فقہائے اسلام لڑتے ہوئے مارے جانے یا گرفتار ہو کر قید و بند اور دوسری پیش آمدہ آزمائشوں پر صبر کرنے کی تاکید کرتے ہیں اور اس پر بے حد اجر و ثواب کا یقین دلاتے ہیں۔ اس لیے سلطان جلال الدین کا یہ عمل از روئے شرع لائقِ تقلید یا قابلِ تحسین نہیں۔

(۳۶) جہاں کشا ج ا ص ۱۰۶، ۱۰۷...... جہاں کشا ج ا ص ۱۰۶ (۳۷) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱

(۳۸) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۱، ج ا ص ۱۰۷...... تاریخ مختصر الدول ص ۲۳۶

(۳۹) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸ (۴۰) خوارزم شاہی ص ۲۱۹

(۴۱) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۲۱۔ ج ا ص ۱۰۷...... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸...... سیرۃ جلال الدین ص ۸۴

(۴۲) ابن الوردی ج ۳ ص ۲۳۰...... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۰ (۴۳) چنگیز خان باب نمبر ۲۰ ص ۱۵۳

(۴۴) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۲۔ ج ا ص ۱۰۷...... تاریخ مختصر الدول، ص ۲۳۶

(۴۵) افغانستان در مسیر تاریخ ص ۲۲۵ (۴۶) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۲

(۴۷) جہاں کشا ج ا ص ۱۰۷ (۴۸) چنگیز خان، باب ۲۰ ص ۱۵۳

(۴۹) مقدمہ مثنوی مولانا روم، ج ۵ ص ۱۹ از مولانا قاضی سجاد حسین، حامد اینڈ کمپنی لاہور

(۵۰) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۸...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۲

(۵۱) مختصر الدول، ص ۲۳۶ (۵۲) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸

(۵۳) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸ (۵۴) سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۳۲۸

(۵۵) اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء۔ جامع تاریخ ہند کے تیسرے باب کے حواشی (ص ۳۷۶ حاشیہ ۴۷) میں مرقوم ہے کہ وہ جگہ جہاں سے سلطان کے گھوڑے نے چھلانگ لگائی تھی اب ''چاؤں جلالی'' کے نام سے مشہور ہے۔

پانچواں باب

سرزمینِ ہند میں

نہ پوچھو مجھ سے لذت خانماں برباد رہنے کی　　　نشیمن سینکڑوں میں نے بنا کر پھونک ڈالے ہیں

وقت کی پکار..... سلطان جلال الدین اب سرزمین ہند میں تھے۔اس سرزمین سے ان کا نسلی رشتہ بھی بنتا تھا۔ان کی والدہ ہندوستانی تھیں اوراسی ملک کی سرحد پر قفس حیات سے آزاد ہوئی تھیں۔آج ان کا بیٹا،اپنے ننھیال میں پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ہاں!اس دن دریائے سندھ کے دوسرے کنارے سے ملحقہ جنگلات میں فروکش سلطان جلال الدین ایک لٹے ہوئے قافلہ سالار کی طرح ان پیش آمدہ حوادث پر غور کر رہے تھے جن سے دو سال کے اندر اندر عالم اسلام کا جغرافیہ بدل گیا تھا۔دو سال قبل جس خاندان کی سلطنت کوہِ البرز سے پشاور اور دریائے سیحوں سے خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی آج اس کی سطوت کا جنازہ نکل چکا تھا۔اورگنج سے ساحلِ سندھ تک تمام اسلامی شہر سوختہ ہو چکے تھے۔مملکت خوارزم کا آخری فرمانروا جنوب میں اپنی آخری سرحدوں سے بھی باہر نکلنے پر مجبور ہو گیا تھا۔

سلطان کو وہ باپ یاد آیا جس کی عظمت و ہیبت سے دنیا بھر کے حکمرانوں کا پتہ پانی ہوتا تھا......آج اس کی قبر ایک دور افتادہ جزیرے میں نشان عبرت بنی ہوئی تھی۔انہیں وہ دادی یاد آئی جس کے جاہ وجلال سے ترکمان سرداروں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا......آج وہ تاتاریوں جیسے بے رحم دشمنوں کے چنگل میں تھی۔محبت کرنے والی بہن خان سلطان یاد آئی جو ان کی ہر خوشی اور غم میں شریک رہا کرتی تھی......آج وہ کسی اجڈ تاتاری شہزادے کی قید میں تھی۔قطب الدین،آق سلطان اور رکن الدین یہ سب ان کے بھائی تھے جو شہید ہو چکے تھے......ان کی ماں،بیویاں،اولاد،اعزہ و اقارب سب فنا کے گھاٹ اُتر چکے تھے......ہر مرحلے پر ساتھ دینے والے جاں نثار ساتھی اور عزیز ترین سالارانِ لشکر قربان ہو چکے تھے......پُرامن اور وفادار مسلم عوام کے سروں کی فصل کٹ چکی تھی۔کھوپڑیوں کے مینار آسمان کو چھو رہے تھے،مگر ان سب کی قربانیوں کے بعد قوم کو کیا حاصل ہوا؟؟ ایک مکمل شکست ......ایک ذلیل دشمن کی غلامی......کیا اب کسی جدوجہد کی کامیابی کی امید نہ رکھی جائے؟؟ کیا امت مسلمہ کی ہلاکت واستیصال کو قضائے مبرم سمجھ کر تلوار پھینک دی جائے؟؟

ان تمام سوالات پر غور کرنے کے بعد سلطان جلال الدین کے نزدیک ان کا جواب نفی میں تھا۔عمائدِ قوم اگر ہمت کرتے اور مسلم حکمران خواب غفلت سے ہوش میں آکر سر بکف مجاہدین کے دست و بازو بنتے تو یقیناً اس عظیم حادثے سے بچاؤ ہو سکتا تھا،مگر صد افسوس کہ خوارزم کے کم وبیش ایک کروڑ مسلمانوں کا قتل عام بھی ان پتھر دل حکمرانوں کے دلوں پر چوٹ نہ لگا سکا......خلیفۂ بغداد،سلطان روم،حکمران مصر،شاہِ دہلی اور فرمانروائے شام سمیت سب اربابِ اقتدار دیکھ رہے تھے کہ خوارزمی فوج اور عوام دشمن کے مقابلے سے عاجز آچکے ہیں،مگر کسی نے ان مظلوموں کی حمایت
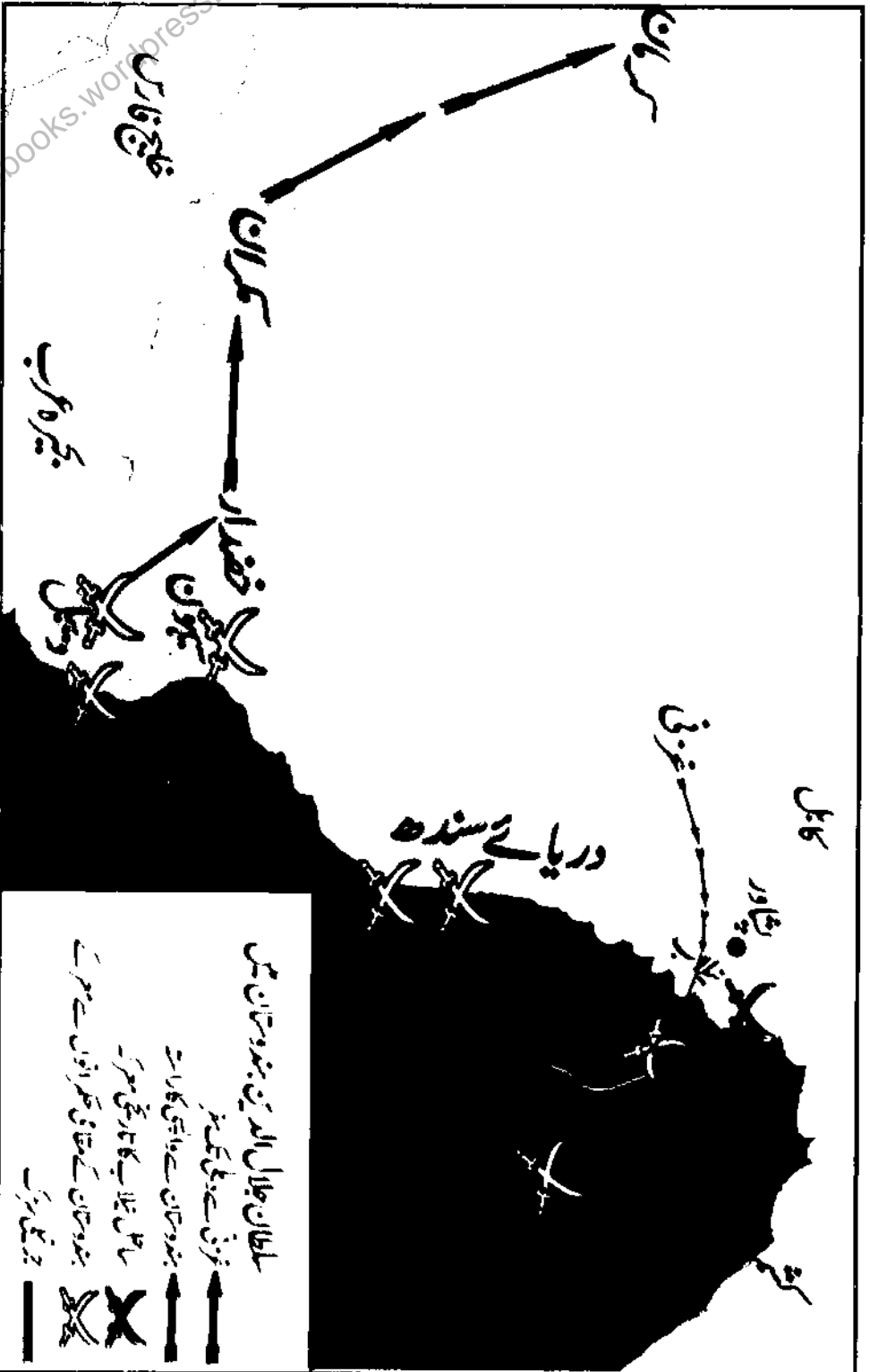
نہ کی...... کسی نے اپنے اوپر جہاد فرض نہ سمجھا، حالانکہ اس وقت آس پاس کی تمام اسلامی مملکتوں پر تاتاریوں سے جہاد کرنا اور خوارزمی مظلوم عوام کی حمایت میں تلوار اُٹھانا شرعاً فرض ہو چکا تھا۔

سلطان جلال الدین نے ان حالات میں تلوار اُٹھائی، جبکہ خوارزم کے بازوئے شمشیر زن کٹ چکے تھے، کسمپرسی کی حالات میں بھی ان کی جدوجہد پر اللہ بزرگ و برتر نے نصرت کے دروازے کھول دیے۔ کئی میدانوں میں تاتاری شکست کھا کر بھاگے، مگر افسوس کہ فیصلہ کن معرکے سے پہلے ہی ان کی تلوار ٹوٹ گئی۔ امراء کی غداری ان کی شکست فاش کا سبب بن گئی۔

تمام حالات پر غور کرنے کے بعد سلطان جلال الدین اسی نتیجے پر پہنچے کہ آسمانی فیصلے ہمارے اجتماعی اعمال کے مطابق ہورہے ہیں۔ اگر ایک بار ہندوستان سے لے کر بغداد اور شام تک کے حکمران امت مسلمہ کی نصرت وحمایت کے نام پر ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوجائیں تو امت کے غیور فرزندوں کو اپنے گرد جمع کر کے تاتاریوں سے بدلہ لینا اب بھی ناممکن نہیں۔ انہوں نے سوچا، شہیدوں کے خون کا ہر ہر قطرہ انتقام کا مطالبہ کررہا ہے، اس خون کو رائگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔ خالی ہاتھ سلطان جلال الدین ایک نئے عزم کے ساتھ اُٹھے، وہ سرزمینِ ہند کو اپنی جہادی مہم کے لیے نیا مرکز بنانا چاہتے تھے۔

ہو صداقت کیلئے جس دل میں مرنے کی تڑپ | پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار | اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قوتِ پنہاں کو کردے آشکار | تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے

ہندوستان کی سیاسی صورتحال..... ہندوستان میں سلطان جلال الدین کے داخلے کے تفصیلی حالات پڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے سیاسی اُتار چڑھاؤ پر ایک نظر ڈال لی جائے۔ فاتحِ ہند سلطان شہاب الدین غوری کی شہادت کے بعد غور سے لے کر بنگال تک پھیلی ہوئی ان کی عظیم سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی تھی۔ منگل ۱۸ ذی قعدہ ۶۰۲ھ (۲۷ جون ۱۲۰۶ء) کو ان کے نائب قطب الدین ایبک نے تختِ دہلی کا خودمختار حکمران بن کر ہندوستان میں پہلی خودمختار اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں قطب الدین ایبک کی وفات کے بعد اس کا آزاد کردہ غلام اور داماد شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ بنا۔ اس دوران خراسان میں غوری سلطنت کے باقی ماندہ نائبین علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے آگے سرنگوں ہو چکے تھے، مگر زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ خود خوارزمی سلطنت تاتاریوں کے ہاتھوں پامال ہوگئی۔

۶۱۸ھ میں جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے دریائے سندھ عبور کر کے سرزمین ہند پر قدم رکھا تو دریائے سندھ کے مشرقی ساحل سے ملحقہ علاقے حکومتِ دہلی کے تسلط سے آزاد ہوکر چھوٹی چھوٹی مختلف ہندو ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے۔ سندھ میں ناصر الدین قباچہ کی اور تختِ دہلی پر التمش کی حکمرانی تھی۔ (۱)

دریائے سندھ کے پار..... سلطان جلال الدین دو دن ساحلِ سندھ کے مشرقی جنگلات میں ٹھہرے رہے، ان کے بچھڑے ہوئے ساتھی جو دریا عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور ان کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے، ایک ایک، دو دو کر کے ان کے ساتھ شامل ہوتے رہے، یہاں تک کہ ان کی تعداد پچاس ہوگئی۔ (۲) النسوی کے مطابق

ان میں سے تین کے نام سعد الدین علی، قلبرس بہادر اور قاتح تھے۔

حافظ ذھبی رحمہ اللہ نے تاریخِ کبیر میں قاضی ابنِ واصل کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان سے آملنے والے بہت سے سپاہی کسی طرح کشتیوں کا انتظام کر کے دریا کے پار آئے تھے۔ جبکہ کاتب النسوی کے بیان کے مطابق سلطان کے بہت سے بہت سے سپاہی ان کے پیچھے دریا میں کود گئے تھے، ان میں سے کچھ افراد کو دریا کی موجوں نے میلوں دور ساحل پر جا پھینکا تھا، وہ سلطان کی زندگی سے لاعلم تھے اور اِدھر اُدھر بھٹکتے ہوئے خوش قسمتی سے سلطان سے آملے تھے۔ ان میں ضیاء الملک عارض النسوی بھی تھے جنہوں نے سلطان کے ساتھ دریا میں چھلانگ لگائی تھی، وہ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں:

''میں پانی میں کود گیا حالانکہ میں جانتا ہی نہ تھا کہ پیراکی کیا ہوتی ہے۔ میں غوطے پر غوطے کھا رہا تھا اور ڈوبنے ہی والا تھا کہ ایک بچہ ہوا سے پھولی ہوئی مشک کے سہارے تیرتا نظر آیا۔ میں نے اس کی مشک کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بولا: ''زندگی چاہتے ہو تو مشک چھینو مت، بلکہ میرے ساتھ تم بھی تھامے رہو، کنارے لگا دوں گا۔' وہ مجھے کنارے لے آیا اور غائب ہو گیا۔ میں اسے ڈھونڈتا ہی رہ گیا۔ ہمارے بہت کم ساتھی بچ کر دوسری طرف آسکے تھے۔ اتنی کم تعداد میں بھی وہ بالکل نظر نہ آیا۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۱)

اسے غیبی مدد کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔ دریا کے اس تیز دھارے میں کوئی ماہر تیراک تنہا بھی بمشکل تیر سکتا ہے چہ جائے کہ ایک بچہ دوسرے کو سہارا دے کر پار لگا دے۔

بہر کیف بچ کر پار آنے والوں کا یہ چھوٹا سا گروہ اپنے محبوب رہنما کو اپنے درمیان زندہ سلامت پا کر خوشی سے نہال تھا اور کسمپرسی و بے چارگی کی انتہا کے باوجود یہ سرفروش آفتوں اور آزمائشوں کے ہر پہاڑ سے ٹکرانے کے عہد کی تجدید کر رہے تھے۔ مجاہدین کی تہی دستی کا یہ عالم تھا کہ سواریاں اور اسلحہ تو درکنار ان کو ستر پوشی کے لیے مناسب کپڑے اور کھانے کے لیے چند لقمے بھی میسر نہ تھے۔ ان میں سے بہت سے زخمی بھی تھے جن کے علاج معالجے کا کوئی انتظام نہ تھا۔

اس موقع پر ''جمال زراد'' نامی ایک شخص غیبی مددگار بن کر سلطان کی خدمت میں آن پہنچا۔ یہ سلطان کا ایک صاحبِ ثروت افسر تھا جو چنگیز خان سے سلطان کی معرکہ آزمائی سے پہلے اپنے مال و متاع سمیت فرار ہو گیا تھا مگر جب اسے سلطان کی شکست اور دریا کے پار آمد کا علم ہوا تو اس سے رہا نہ گیا اور اپنے آقا کی ضروریات کا اندازہ کر کے بھاری مقدار میں خوراک، کپڑے اور دیگر اجناس کا ذخیرہ ایک کشتی میں لاد کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا، اس سے سلطان کے ساتھیوں کو بقدرِ ضرورت غذا اور ستر پوشی کے لیے لباس مل گیا۔ [۳] سلطان نے خوش ہو کر نہ صرف یہ کہ اس کا جرم معاف کر دیا بلکہ اسے اپنا مقرب بنا کر اختیار الدین کا خطاب بھی عطا کیا۔ یہ واقعہ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ [۴] کا ایک مظہر اور اللہ کی غیبی نصرت کا ثبوت تھا۔

بے تیغ سپاہی ..... سلطان جلال الدین جلد از جلد تاتاری فتنے کے مقابلے میں شاہ دہلی شمس الدین التمش سے امداد طلب کرنے دہلی جانا چاہتے تھے، مگر اس سے پہلے راستے کے خطرات سے نمٹنے کا بندوبست ضروری تھا، کیونکہ تاتاریوں کے تعاقب کا خطرہ موجود تھا، اس کے علاوہ خود مقامی ہندو حکمران بھی کچھ کم خطرناک نہ تھے۔

سلطان نے آس پاس کے محل وقوع اور حالات کے جائزے کے لیے چند مجاہدوں کو جاسوس بنا کر روانہ کیا۔ ان کے ذریعے سلطان کو یہ اطلاع ملی کہ قریب ہی ہندو سپاہیوں کا ایک گروہ عیش وعشرت میں مشغول ہے۔ سلطان نے اس اطلاع کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتے ہوئے اپنے سپاہیوں کے لیے اسلحے اور سواریوں کی فراہمی کا منصوبہ تیار کر لیا۔ انہوں نے اپنے چند سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ جنگل سے درختوں کی شاخیں کاٹ لیں۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ جب رات کا اندھیرا چھا گیا تو یہ لاٹھی بردار مجاہدین چپکے چپکے ہندو فوجیوں کے سروں پر جا پہنچے اور دفعۃً حملہ کر دیا۔ اس کامیاب گوریلا کارروائی میں بہت سے ہندو مارے گئے، باقی ماندہ اپنا اسلحہ، مویشی اور دیگر ساز وسامان چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ یہ مال غنیمت مجاہدین کے لیے ایک غیبی امداد سے کم نہ تھا۔ ⑤

ہندو حکمرانوں سے جہاد..... ساحل سندھ کے ہندو حکمران دریا پار کے خوں ریز معرکے میں سلطان جلال الدین کی شکست اور عبورِ دریا کے حالات سن چکے تھے، چونکہ سلطان کی جرأت اور شجاعت کا شہرہ دور دور کے ممالک میں پھیل چکا تھا، لہٰذا ہندو حکمرانوں کو ہندوستانی سرحدوں میں سلطان کی آمد سے ایک طرف تو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ آئندہ چل کر یہ مردِ مجاہد ہندوستان میں ایک بار پھر غزنوی اور غوری کی تاریخ نہ دہرا دے۔ دوسری طرف وہ اس بات سے بھی خوفزدہ تھے کہ کہیں تاتاری سلطان کے تعاقب میں ہندوستان کو تاخت وتاراج نہ کر دیں۔ ان خطرات کی بناء پر ہندو حکمران سلطان سے مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ سلطان اور مقامی ہندو راجاؤں کے درمیان جنگوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر معرکے میں سلطان نے تائید خداوندی سے ہندو راجاؤں کی کئی کئی گنا بڑی جمعیتوں کو شکست فاش دی۔

پہلا معرکہ..... سب سے پہلے رانا چترا جو اس ریاست کا راجا تھا جس کے نواح میں سلطان کا قیام تھا، ایک ہزار پیادوں اور پانچ سو گھڑ سواروں کے ساتھ سلطان کی تلاش میں نکلا۔ ⑥

سلطان کے لیے یہ لمحات سخت آزمائش کے تھے، اس لیے کہ ان کے ساتھیوں کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جا سکتی تھی اور ان میں سے بھی بہت سے معرکہ سندھ کے زخموں سے چور اور پے در پے مصائب سے نڈھال تھے۔ اکثر کے پاس اسلحہ بھی نہ تھا، اس حالت میں کھلے میدان میں ایک باقاعدہ اور منظم فوج سے لڑنا ممکن نہ تھا۔ سلطان نے فوراً اپنا مستقر چھوڑنے کا فیصلہ کیا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ جن زخمیوں میں نقل وحرکت کی سکت ہے انہیں بھی ساتھ لے لیا جائے۔ سلطان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ دریائے سندھ کے کنارے تک پسپا ہو کر کشتیوں کے ذریعے دریا عبور کر کے کسی ایسے سلسلہ کوہ میں چھپ جائیں جو تاتاریوں کے پڑاؤ سے بہت دور ہو۔ جب راجا ان کی تلاش سے مایوس ہو کر لوٹ جائے گا تو وہ واپس اِس پار آ جائیں گے۔ اگرچہ اس تدبیر پر عمل کی صورت میں دوبارہ تاتاریوں سے مڈبھیڑ کا امکان بھی تھا مگر فوری خطرے سے بچاؤ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا تھا۔ تاتاریوں کے بارے میں سلطان کو یقین تھا کہ وہ دریا کے اُس پار ان کی تلاش میں نہیں، کیوں کہ اُن کے خیال میں سلطان کا دریا عبور کر کے واپس آنا ناقابل تصور تھا۔

سلطان نے یہ خطرناک، جرأت مندانہ اور عجیب منصوبہ بنا تو لیا مگر انہیں اس پر عمل کا وقت نہ مل سکا، راجا کے لشکر کی پیش قدمی شروع ہو چکی تھی۔ سلطان جلال الدین اپنے ساتھیوں کو لے کر پیچھے ہٹتے ہوئے قریبی گھنے جنگل میں داخل ہو گئے، پیادوں کو چھپا دیا اور گھڑ سواروں کے ساتھ ایک پہاڑ کے قریب پہنچ کر راجا سے دست بدست جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

راجا کا لشکر سلطان کے تعاقب میں بڑھا چلا آ رہا تھا۔ پہاڑ کے قریب سلطان جلال الدین اپنے مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ کمانوں پر تیر چڑھائے ہوئے ان کے منتظر تھے۔ راجا نے دور سے سلطان کو دیکھا تو اس کا جوش و خروش آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ وہ طوفانی انداز میں اپنے سواروں اور پیادوں سمیت سلطان کی طرف بڑھا۔ سلطان چٹان کی طرح اپنی جگہ پر جمے ہوئے تھے، انہوں نے راجا کو اور قریب آنے دیا۔ جب فاصلہ کم رہ گیا تو سلطان نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو سیدھا راجا کے دل میں پیوست ہو گیا۔ راجہ کی لاش گرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہو گیا۔ ⑦

مِنْ عَهْدِ عَادٍ كَانَ مَعْرُوفًا لَنَا   أَسْرُ الْمُلُوكِ وَقَتْلُهَا وَقِتَالُهَا

(بادشاہوں کو قید کرنا، قتل کرنا اوران سے مقابلہ کرنا ہماری پرانی مشہور عادت ہے۔)

اس فتح سے سلطان کے سپاہیوں کو خاصی مقدار میں اسلحہ، گھوڑے اور رسد کا سامان مل گیا۔

دوسرا معرکہ ..... چند دنوں سلطان جلال الدین کے مخبر یہ اطلاع لائے کہ چار ہزار ہندو سپاہی کچھ فاصلے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں۔ سلطان نے ان پر چھاپہ مار حملے کا منصوبہ ترتیب دیا اور ایک سو بیس جانبازوں کے ساتھ آسمانی بجلی کی طرح بے خبر دشمن پر دھاوا بول دیا۔ بہت سے ہندو سپاہی مارے گئے اور باقی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ اس کارروائی سے مجاہدین کو خاطر خواہ مالِ غنیمت حاصل ہوا، جس سے ان کی اسلحے کی کمی پوری ہو گئی۔ ⑧

ہندوؤں کی متحدہ فوج سے معرکہ ..... کسمپرسی کی حالات میں مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ دیارِ غیر میں لڑے جانے والے ان معرکوں میں مسلسل کامیابیوں سے جہاں سلطان کی سپاہ کو تقویت ملی وہاں مقامی راجاؤں کے لیے خطرے کا بگل بج گیا۔ ''کوہِ بلالہ'' اور ''رکالہ'' ⑨ کے ہندو حکمران سلطان کی ان کامیابیوں سے گھبرا کر آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح اس خطرے کا مقابلہ کیا جائے۔ آخر انہوں نے چھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک متحدہ فوج سلطان کی طرف روانہ کی تا کہ سلطان کو قتل کر دیا جائے یا گرفتار کر لیا جائے۔

اب تک سلطان جلال الدین کے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا، تاہم اب بھی وہ پانچ سو سے متجاوز نہیں تھے۔ جب ہندوؤں کے لشکر سے سامنا ہوا تو سلطان جلال الدین نے ان پانچ سو سرفروشوں کی صفیں ترتیب دے کر اس شدت سے حملہ کیا کہ بارہ گنا زائد ہندو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان فتوحات نے سلطان کی مقبولیت اور قوت میں بے حد اضافہ کر دیا۔ اب بھی دور دراز سے ان کے بھولے بھٹکے سپاہی اور رضا کار آ آ کر لشکر میں شامل ہو رہے تھے یہاں تک کہ تین چار ہزار افراد ان کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ ⑩

سلطان کا تعاقب ..... چنگیز خان اب تک دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سلطان کی ان کامیابیوں کی خبر پا کر اس نے مزید تاخیر نقصان دہ خیال کرتے ہوئے فی الفور ایک بھاری لشکر بلانویان کی قیادت میں سلطان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ تاتاریوں کی آمد کی خبر پا کر سلطان جلال الدین نے دہلی کی طرف کوچ کیا۔ ان کی مختصر سی فوج بیک وقت تاتاریوں اور ہندوؤں سے ٹکرانے کے قابل نہ تھی۔ ⑪

قدرتی رکاوٹ ..... بلانویان سلطان جلال الدین کے تعاقب میں راستے کے شہروں کو تاراج کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ لاہور، ملتان اور شاہ پور (موجودہ سرگودھا) اس کی دہشت گردی کا نشانہ بنے، مگر سلطان جلال الدین اس کی پہنچ سے دور نکل چکے تھے۔ اِدھر موسم گرما کی آمد کے ساتھ ہی ہندوستان کی شدید گرمی صحرائے گوبی کی بلند آب و ہوا کے

عادی تا تاریوں کے لیے نا قابل برداشت ہو چکی تھی، اس لیے تا تاری لشکر کے اکثر سپاہی بیمار ہو گئے۔ بلانویان واپس پلٹ آیا اور چنگیز خان کو بتایا کہ اس علاقے کی آب و ہوا سے ہمارے سپاہی مر رہے ہیں، یہاں کا پانی بھی تازہ اور صاف نہیں ہے۔ (۱۲)

تا تاریوں نے ملتان پر شہزادے چغتائی خان کی قیادت میں حملہ کیا تھا، جہاں ناصر الدین قباچہ کی حکومت تھی۔ تا تاریوں نے شہر کا محاصرہ کر لیا تھا مگر اسے فتح نہ کر سکے اور چالیس روز بعد واپس چلے گئے۔ یقیناً اس میں شہر والوں کی بلند ہمتی کے علاوہ وسطی پنجاب کے شدید گرم موسم کا بھی حصہ تھا۔ (۱۳)

چغتائی خان کی اس فوج نے ملتان کے بعد بلوچستان کا رخ کیا تھا اور مکران و خضدار میں بے شمار خلقت کا خون بہا کر دریائے سندھ کے کنارے کالنجر میں پڑاؤ ڈال دیا تھا۔ وہیں چغتائی خان نے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے قید کیے گئے ہزاروں انسانوں کو محض اس بناء پر قتل کرایا تھا کہ ان موجودگی سے تا تاری لشکر میں بُو پیدا ہو رہی ہے حالانکہ یہ ہندوستان کے گرم موسم کا اثر تھا۔ (۱۴)

بہر کیف سلطان سے سندھ کے معرکے میں تا تاریوں کی افرادی قوت کو ایک بڑا دھچکہ پہنچ چکا تھا، اب موسم کی ناسازگاری اس پر مستزاد تھی، چنانچہ چنگیز خان نے پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس طرح ہندوستان کے شمالی حصے کے سوا باقی تمام علاقہ تا تاری غارت گروں سے محفوظ رہ گیا۔ (۱۵) بعض مؤرخین کے مطابق چنگیز خان کے ہندوستان میں مزید پیش قدمی نہ کرنے میں اس کے بعض توہمات اور بدشگونیوں کا دخل بھی تھا۔ (۱۶)

واپسی ..... چنگیز خان اب اپنے وطن واپس جانا چاہتا تھا۔ چین اور منگولیا میں اس کی واپسی اس لیے بھی ضروری ہو چکی تھی کہ وہاں اس کا نائب مقولی بہادر مر چکا تھا اور ''ہیا'' کی مفتوحہ مملکت میں بغاوت کے شعلے لپک رہے تھے۔ واپسی کے لیے ابتداءً اس نے کشمیر کا رخ کیا، مگر اپنے سامنے نا قابل عبور سلسلۂ کوہ دیکھ کر وہ اسی راستے کی طرف مڑ گیا جس سے وہ آیا تھا۔ (۱۷)

واپسی پر پشاور کو تاخت و تاراج کر کے اس نے سمرقند کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں غزنی کی آبادی کو تہہ تیغ کر کے شہر کو تباہ کر دیا اور سلطان محمود غزنوی کی قبر سے اس کی ہڈیاں برآمد کر کے نذرِ آتش کر دیں۔ اسی طرح وہ زابل، غزنی اور غور سمیت خراسان کی بچی کھچی آبادیوں کو صفحۂ ہستی سے مٹاتا چلا گیا تا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو ان علاقوں سے مدد ملنے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ (۱۸)

نظارۂ عبرت ..... اب تک مسلمان قیدیوں کی بہت بڑی تعداد تا تاریوں کی جبری خدمت کے لیے ان کے ساتھ ساتھ گھسٹتی پھر رہی تھی، اب چونکہ ان کی ضرورت نہیں رہی تھی، اس لیے چنگیز خان کے حکم سے ان کا قتل عام کر دیا گیا۔ (۱۹)
سمرقند میں کچھ وقت گزار کر چنگیز خان نے شمال مشرق کی طرف کوچ کیا۔ فتح کی تکمیل کی خوشی دوبالا کرنے کے لیے اس نے مادرِ خوارزم شاہ بوڑھی ملکہ ترکان خاتون اور شاہی خاندان کی دیگر بیگمات اور شہزادیوں کو حکم دیا کہ وہ سارے لشکر کے آگے آگے چلیں اور بلند آواز سے خوارزم شاہ اور اس کے تاج و تخت پر نوحہ و زاری کریں۔ (۲۰)

دریائے سیحوں کے کنارے جہاں سے چنگیز خان خوارزم میں داخل ہوا تھا، ایک سبزہ زار میں چنگیز خان نے تمام سردارانِ لشکر کو قرولتائی کے لیے طلب کیا۔ اس جشن کا جو نقشہ ہیرلڈ لیمب نے کھینچا ہے اس کا ایک عبرت انگیز اقتباس

درج ذیل ہے:

''اس وقت چنگیز خان ..... محمد خوارزم شاہ کے تخت پر بیٹھا، جسے وہ سمرقند سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے پاس اس مرحوم مسلمان بادشاہ کا تاج اور شاہی عصا رکھا تھا۔ جب قرولتائی کا آغاز ہوا تو خوارزم شاہ کی والدہ (ترکان خاتون) کو گھسیٹ کر لایا گیا، اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں۔''

(چنگیز خان، باب نمبر ۲۱ ص ۱۵۹)

چنگیز خان صحرائے گوبی کی طرف روانہ ہوا تو وہ مطمئن تھا کہ اب اس کے حریفوں کی طاقت فنا ہو چکی ہے۔ ساحل سندھ سے بحیرۂ خزر کے پار تک تاتاری پرچم لہرا رہے تھے اور مسلمانوں کی اس عظیم سلطنت کی چند فیصد آبادی جو زندہ بچ گئی تھی فاتحین کی غلام بن چکی تھی۔

شاہِ دہلی کے در پر ..... سلطان جلال الدین نے دہلی سے دو تین منازل کے فاصلے پر ڈیرے ڈال کر ایک معتمد مشیر سید عین الملک کو قاصد بنا کر سلطان شمس التمش کے دربار میں بھیجا تا کہ التمش کو تاتاری فتنے کی ہمہ گیر ہولناکیوں اور عمومی تباہ کاریوں سے آگاہ کیا جائے اور امت مسلمہ کے مستقبل کو لاحق خطرات کی صحیح تصویر پیش کر کے شاہِ دہلی سے اسلام اور ملّت کے نام پر امداد طلب کی جا سکے۔ التمش کے نام اپنے خط میں سلطان نے تحریر کیا تھا:

''اِنَّ الکِرَامَ لِلکَرِیمِ مَحلّ (یقیناً شریف آدمی شریف لوگوں کے پاس ٹھہرتا ہے۔) زمانے کے حوادث نے مجھے آپ کے پڑوس میں آنے اور ملاقات کرنے کا حق دیا ہے۔ ایسے مہمان بہت کم آیا کرتے ہیں، اگر ہم پاکیزہ محبت اور کامل بھائی چارے کا مظاہرہ کریں اور خوشحالی و بدحالی میں باہمی تعاون اور امداد کا عہد و پیمان کر لیں تو ہمارے تمام مقاصد اور اغراض ہمیں آسانی سے حاصل ہو سکیں گے اور ہمارے دشمن جب ہمارے اتحاد و یکجہتی کی اطلاع پائیں گے تو ان کی جارحیت کے دانت کند ہو جائیں گے۔''[۴۱]

التمش کا جواب ..... سلطان شمس الدین التمش ایک محتاط طبیعت حکمران تھے، سلطان جلال الدین کی کھلم کھلا مدد کرنا ان کے لیے کئی پیچیدگیاں اور مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ وہ خود اندرونی شورشوں اور سازشوں کو بمشکل دبا کر اپنا تخت و تاج سنبھالے ہوئے تھے۔ پنجاب اور سندھ میں قباچہ اور اس جیسے بعض باغی ابھی تک ان کے قابو سے باہر تھے، ان کے پڑوسی خود مختار ہندو راجے پہلے ہی سلطان جلال الدین سے دشمنی ظاہر کر چکے تھے۔ نیز سلطان جلال الدین کی شجاعت، جنگی مہارت اور شہرۂ آفاق دبدبے کو دیکھتے ہوئے التمش کو اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں وہ ہندوستان میں اپنے قدم جما کر دہلی کے تخت کے لیے ایک مستقل خطرہ نہیں بن جائیں۔ ان وجوہات سے قطع نظر کر کے التمش کو سب سے زیادہ خدشہ اس بات کا تھا کہ سلطان کی اعانت و نصرت سے تاتاریوں کو ہندوستان پر حملے کا بہانہ مل جائے گا۔ یہ ایک ایسا خطرہ تھا جس کا تصور ہی اس دور کے حکمرانوں کو لرزانے کے لیے کافی تھا۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود چونکہ سلطان جلال الدین بہرحال ان کے پڑوسی اور ایک مسلم حکمران تھے اور انہوں نے اسلام اور ملّت کے نام پر ان سے امداد طلب کی تھی، اس لیے سلطان التمش نے صاف صاف لفظوں میں انکار کرنا بھی بے مروّتی سمجھا۔ آخر کار کئی دن کی سوچ بچار کے بعد انہوں نے سلطان کے لیے قیمتی تحائف اور لشکر کے لیے سامان رسد کے بھاری ذخیرے کے ساتھ اس مضمون کا جوابی مراسلہ بھیجا:

''ہندوستان کی آب و ہوا آپ کے لیے ناسازگار ہے، یہاں آپ کے لشکر کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑے گا، بہتر ہوگا کہ آپ کسی اور خطے کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنائیں، لیکن اگر آپ یہیں رہنا پسند کرتے ہیں تو ہم آپ کے قیام کے لیے دہلی کے نواح میں ایک قطعۂ زمین مخصوص کرنے کے لیے آمادہ ہیں، نیز اس ملک کے غیر مفتوحہ علاقوں میں سے جو علاقے بھی آپ اپنی طاقت کے ذریعے باغیوں اور فتنہ پردازوں سے پاک کریں گے ہم ان پر آپ کی حکومت تسلیم کرلیں گے۔''

سلطان التمش کے جوابی خط سے سلطان جلال الدین کو معلوم ہوگیا کہ حکومتِ دہلی کھلم کھلا اس جہاد میں اس کے ساتھ شریک ہونے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس طرف سے ناامید ہوکر انہوں نے اپنی عنانِ عزیمت مغربی پنجاب اور سندھ کے علاقوں کی طرف پھیر دی تاکہ اپنی قوت بازو سے کچھ علاقے فتح کر کے مستقبل کے طوفانوں کے سامنے بند باندھنے کی کوئی سبیل پیدا کرسکیں۔ ⁽⁴²⁾

پنجاب اور ساحلِ سندھ کی تازہ فتوحات..... ساحلِ سندھ کے حکمرانوں کو سلطان جلال الدین کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا گئے۔ دریائے سندھ کی وادی کے سب سے بڑے راجہ رائے کھوکھر سنکین نے سلطان کی شمشیر بے نیام کے سامنے سرنگوں ہوکر اظہار اطاعت و فرمانبرداری کیا اور اس ارادے کی توثیق کے لیے اپنا بیٹا سلطان کی خدمت میں بھیج دیا۔ سلطان نے اس پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے راجہ کے بیٹے کو ''قتلغ خان'' کے خطاب اور خلعتِ شاہانہ سے نوازا۔ ادھر حاکم پنجاب قباچہ کے نائب قمر الدین نے بھی سلطان کو تحائف پیش کر کے خیر سگالی کا اظہار کیا۔ ⁽⁴³⁾

''کوہ جود'' کا حاکم سلطان کی طاقت کو فنا کرنے کی تیاری کر رہا تھا۔ س مقصد کے لیے وہ ایک فوج تیار کر چکا تھا۔ سلطان جلال الدین اپنی کمزوری کے باعث اب تک اس سے مقابلے سے کتراتے رہے تھے، مگر دہلی سے واپسی کے وقت ان کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی، لہٰذا اب سلطان جلال الدین نے اس حریف کی گوشمالی ضروری سمجھی اور اپنے سالار تاج الدین ملک کو فوج کے ایک حصے کے ساتھ اس کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ تاج الدین ملک نے حریف کو شکست دی اور بھاری مقدار میں مالِ غنیمت حاصل کرلیا۔ ⁽⁴⁴⁾

غیاث الدین کی نوتشکیل حکومت..... سلطان کی فوج میں حالیہ اضافے کی ایک بڑی وجہ عراق سے خوارزمی سپاہیوں کی تازہ کمک تھی۔ ہوا یہ تھا کہ سلطان جلال الدین کا بھائی غیاث الدین تاتاریوں کی عارضی واپسی کے بعد عراق اور ایران کا کچھ حصہ واپس لینے میں کامیاب ہوگیا تھا، تاتاریوں کے حملے کے دوران وہ ایرانی شہر اصفہان کے مستحکم قلعے میں پناہ گزین رہا تھا، خوش قسمتی سے تاتاری اس شہر پر قبضہ نہ کرسکے اور کافی مدت تک محاصرہ کرنے کے بعد واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد سلطنت خوارزم کے ہزاروں منتشر سپاہی غیاث الدین کے گرد جمع ہوگئے اور کرمان سے خراسان تک خاصے وسیع علاقے اس کے لیے مسخر کر ڈالے، مگر شہزادہ خود ناتجربہ کار اور عیش پرست انسان تھا، امور سلطنت سے اتنا لاپرواتھا کہ امور سلطنت کی تمام دیکھ بھال اس کی والدہ کو کرنا پڑتی تھی۔ اس صورتحال میں کہنہ مشق سرداروں کی رائے یہ تھی کہ سلطان جلال الدین واپس آ کر اس نوتشکیل حکومت کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں سنبھالیں اور غیاث الدین ان کا نائب بن کر رہے۔ پہلے پہل ان امراء اور سرداروں نے سلطان سے اس موضوع پر خط و کتابت کی اور پھر ان میں سے چند امراء مثلاً سنجقان خان، ایلچی پہلوان، اَور خان اور تکشارق جنکشی اپنے سپاہیوں

سمیت سلطان کی خدمت میں آن پہنچے اور اپنا مدعا دہراتے رہے۔ اس تازہ کمک سے سلطان کی قوت میں خاطر خواہ اضافہ ہوگیا۔ النسوی کا بیان ہے کہ ان کی آمد سے سلطان کو اتنی تقویت ملی کہ وہ قباچہ سے جنگ شروع کرنے کے لیے تیار ہوگئے جس کے اسباب پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۱۶۴)

قباچہ کی شر انگیزیاں..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ دریائے سندھ کے کنارے تاتاریوں سے لڑائی میں سلطان جلال الدین کا سپہ سالار امین الملک شکست کھا کر پشاور کی طرف فرار ہوگیا تھا۔ فرار ہوتے وقت امین الملک نے اپنی بیٹی کو جو سلطان جلال الدین کے نکاح میں تھی، اپنے ساتھ اپنی حفاظت میں لے لیا تھا، مگر راستے میں پشاور کے قریب تاتاریوں نے امین الملک کے قافلے کو گھیر لیا۔ [۲۵] امین الملک اور اس کے اکثر رفقاء شہید ہوگئے، جبکہ اس کا کم سن بیٹا قارن خان اور اس کی بیٹی (زوجۂ سلطان جلال الدین) کسی نہ کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلے، مگر ہر طرف موت منہ کھولے کھڑی تھی، کوئی سر پر ہاتھ رکھنے والا نہ تھا، سلطان جلال الدین کا کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں ہیں۔ آخر در در کی خاک چھانتے، مصائب سہتے ہوئے، یہ دونوں بھائی بہن سندھ پہنچ گئے جہاں ناصر الدین قباچہ کی حکومت تھی۔

بدقسمتی سے یہاں کلور کے علاقے میں وہ لالچی لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے۔ قارن خان کے کان میں ایک قیمتی موتی تھا، ایک بدبخت نے معصوم یتیم بچے کو قتل کر کے وہ موتی چھین لیا اور قباچہ کے پاس جا کر اسے بطور تحفہ پیش کر دیا۔ بے رحم قباچہ نے قاتل کے اس جرم پر کوئی کارروائی کرنے کے بجائے اس کے تحفے کو نہ صرف قبول کر لیا، بلکہ اسے انعام واکرام سے بھی نوازا۔ تاہم امین الملک کی بیٹی کے ساتھ اتنی رعایت کرلی کہ اسے اپنے ہاں رہنے کی جگہ دے دی۔

انہی دنوں قباچہ کے دربار میں سلطان جلال الدین کے شکست خوردہ لشکر کے منتشر افراد میں سے دو اہم اشخاص بھی پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک تو شمس الملک شہاب الدین تھا جو علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے سے سلطان جلال الدین کا وزیر چلا آرہا تھا۔ دوسرا شخص نصرت الدین محمد تھا جو ہرات کے نامور غوری حاکم حسن بن خرمیل کا بیٹا تھا۔ نصرت الدین محمد کو کسی طرح قباچہ کے ہاں امین الملک کے بیٹے کے قاتل کے اعزاز کا علم ہوا تو وہ غصے سے کھول اُٹھا، مگر حالات سے مجبوری کے باعث کچھ نہ کر سکتا تھا، اس لیے خاموش رہا۔

دوسری طرف قباچہ نے یہ سمجھ کر اب سلطان جلال الدین ہمیشہ کے لیے تخت وتاج سے محروم ہو کر ایک بھولا بسرا افسانہ بن چکے ہیں، سلطان کے وزیر کی موجودگی میں سلطان کی شان میں کوئی حد درجے قابلِ اعتراض بات کہہ دی۔ شمس الدین اس گستاخی کا چشم دید گواہ تھا، مگر وہ بھی حالات کو دیکھ کر مہر بلب رہا، مذکورہ دونوں واقعات قباچہ کو سلطان جلال الدین کے عتاب کا مستحق بنا سکتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

جب سلطان جلال الدین نے دہلی سے واپس آکر سندھ کے ساحل پر یلغار کی تو ان کو معلوم ہوا کہ ان کی ایک بیوی (دختر امین الملک) ان کا مصاحب نصرت الدین محمد اور ان کا وزیر سلطنت شمس الملک اس وقت قباچہ کی پناہ میں ہیں۔ چنانچہ سلطان نے قباچہ کو مراسلے میں لکھا کہ وہ ان سب کو فوراً ان کے پاس روانہ کر دے۔ پیغام ملنے پر قباچہ نے سلطان کی زوجہ کو قیمتی تحائف کے ساتھ جن میں ایک جنگی ہاتھی بھی شامل تھا، خدمتِ سلطانی میں بھیج دیا، لیکن شمس الملک کے بارے میں قباچہ کو خدشہ تھا کہ وہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے نازیبا کلمات سے سلطان کو مطلع کر دے گا۔ اس خوف سے قباچہ نے شمس الملک کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ قباچہ کی تیسری شر انگیزی تھی۔

قباچہ کو نصرت الدین محمد کے بارے میں اطمینان تھا کہ وہ اس کے حق میں مضر ثابت نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ تھی کہ قباچہ اور نصرت الدین دونوں کے خاندان غوری سلاطین کے نمک خوار رہے تھے۔ اس قدیم تعلق کے باعث قباچہ نے نصرت الدین سے کوئی خطرہ محسوس نہ کیا اور اسے یہ پیغام دے کر سلطان جلال الدین کی خدمت میں بھیج دیا کہ شمس الملک طبعی موت مر گیا ہے۔ (۲۶) لیکن نصرت الدین کے بارے میں قباچہ کا اندازہ غلط تھا۔ اس میں شک نہیں کہ نصرت الدین کا خاندان غوری حکمرانوں کا پروردہ اور خوارزم شاہی خاندان کا حریف رہا تھا، خود نصرت الدین کا باپ حسن بن خرمیل خوارزمی فوج کے ہاتھوں قتل ہوا تھا، (۲۷) مگر ان تمام باتوں کے باوجود نصرت الدین سلطان جلال الدین کا سچا خیر خواہ اور جانثار تھا اور انہیں عالمِ اسلام کی سرحدوں کا محافظ یقین کرتے ہوئے ان کے ایک اشارے پر کٹ مرنے کو تیار رہتا تھا۔

قباچہ سے ٹکر..... سلطان جلال الدین کی خدمت میں پہنچ کر نصرت الدین نے قباچہ کا سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔ امین الملک کے بیٹے کے قاتل پر قباچہ کی نوازشوں اور شمس الملک کے قتل کا حال سن کر سلطان جلال الدین کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس وقت تک سلطان کے بھائی غیاث الدین کے چند منحرف امراء اپنے سپاہیوں سمیت ایران سے ہندوستان چلے آئے تھے جس سے سلطان کی قوت خاصی بڑھ گئی تھی پس اب قباچہ سے ٹکر لینا کوئی مشکل نہ تھا۔ سلطان نے پہلے قباچہ کے مضبوط گڑھ کلور (موجودہ کلور کوٹ) پر حملہ کیا۔ یہی وہ شہر تھا جہاں معصوم بچے قارن خان کو قتل کیا گیا تھا۔ سخت محاصرے اور دن رات جنگ کے بعد کلور فتح کر لیا گیا، اس جنگ کے دوران ایک دھاوے میں سلطان کا ہاتھ تیر سے زخمی بھی ہوا۔ پھر قلعہ برنوزج پر دھاوا بول کر اس پر قبضہ کیا گیا، یہاں بھی سلطان کو تیر سے زخم لگا۔ وجہ یہ تھی کہ یہاں بھی سلطان سپاہ کے شانہ بشانہ قلعے پر حملے میں شامل تھے۔ (۲۸)

ان فتوحات کے بعد زخمی سلطان نے دم لیے بغیر اپنے سالار جہاں پہلوان اوزبک کو سات ہزار سپاہی دے کر قباچہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کر دیا۔ اس فوج میں راجا کھوکھر سنکین کا بیٹا بھی شامل تھا۔ قباچہ نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر لے کر دریائے سندھ کے ساحل سے کوئی ایک فرسنگ دور ''اُچ'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ (۲۹)

جہاں پہلوان نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ طوفانی انداز میں یلغار کر کے راتوں رات قباچہ کے لشکر پر شب خون مارا۔ (۳۰) قباچہ کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اور سارا لشکر منتشر ہو گیا۔ جہاں پہلوان نے قباچہ کی لشکر گاہ سے بے اندازہ مالِ غنیمت حاصل کیا اور سلطان کو اس کامیابی کی اطلاع بھجوا دی۔ (۳۱) سلطان نے خود پیش قدمی کی اور ''اُچ'' پہنچ کر قباچہ کی سابقہ لشکر گاہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ قباچہ جہاں پہلوان کے مقابلے سے فرار ہو کر دریائی جزیرے پر واقع قلعہ بکر (بھکر) (۳۲) میں جا چھپا تھا، کچھ دن بعد موقع پا کر وہاں سے نکل کر ملتان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ (۳۳)

موسم گرما شروع ہو چکا تھا۔ شدت کی گرمی پنجاب کے ان میدانی علاقوں میں غضب ڈھا رہی تھی۔ سلطان جلال الدین نے ''بلالہ''، ''رکالہ'' اور ''جوذ'' کے پہاڑوں کا رخ کیا تاکہ موسمِ گرما وہاں بسر کریں۔ راستے میں ''بسراور'' (پسرور) نامی ایک قلعے کے محاصرے کے دوران سلطان خود بھی زخمی ہو گئے، کیوں کہ وہ حملے میں عام سپاہیوں کے ساتھ شریک تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک تیر پیوست ہو گیا تھا۔ (۳۴) بہر حال قلعہ فتح ہو گیا۔ سلطان نے موسمِ گرما کا کچھ عرصہ اپنی پہاڑی چھاؤنی میں گزارا۔ (۳۵) کچھ مدت بعد انہیں اطلاع ملی کہ کچھ تاتاری فوجی دستے ان کی تلاش میں ان بلند علاقوں کے قریب نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ مؤرخ فرشتہ کا بیان ہے کہ اس تاتاری فوج کی کمان

چغتائی خان کے پاس تھی جبکہ قرین قیاس ہے کہ یہ تاتاری مقبوضہ علاقوں کی سرحدات کے گشتی دستے تھے۔ بہرحال سلطان نے ان سے مڈبھیڑ مناسب نہ سمجھی اور دوبارہ پنجاب کا رخ کیا۔

مؤرخ فرشتہ بتاتا ہے کہ سلطان کو شک گزرا تھا کہ حاکمِ پنجاب قباچہ ان کے خلاف چغتائی خان کی مدد کر رہا ہے، اسی لیے انہوں نے تاتاریوں سے لڑنے کی بجائے قباچہ پر دباؤ ڈالنے کے لیے پنجاب کا رخ کیا۔ ⑳

لاہور، اُچ اور سدوستان کی فتوحات..... ملتان سے گزرتے ہوئے انہوں نے قباچہ سے نعل بہا (ایک قسم کا ٹیکس جو باج گزاروں سے لیا جاتا ہے) طلب کیا۔ قباچہ نے دینے سے انکار کر دیا اور لڑائی کی تیاری کرنے لگا۔ سلطان نے فی الحال اس سے الجھنا خلافِ مصلحت خیال کرتے ہوئے کچھ دیر قیام کے بعد لاہور کی طرف کوچ کر دیا۔ قباچہ کا بیٹا لاہور کا خود مختار حکمران تھا، اس نے اظہارِ اطاعت کر کے خود کو محفوظ رکھا۔ ⑰

اُدھر ''اُچ'' کے باشندے سلطان جلال الدین کے خلاف سر اُٹھا رہے تھے۔ سلطان ''اُچ'' کو مسخر کرتے ہوئے صوبہ سندھ کے علاقے ''سدوستان'' (سیہون) پہنچے۔ ⑱ قباچہ کی جانب سے نامزد یہاں کا حاکم فخر الدین سالاری مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ سلطان جلال الدین کے ہراول دستے جو ''اور خان'' کی قیادت میں تھے جب یہاں پہنچے تو سدوستان کے سپہ سالار ''لاچین ختائی'' نے سخت مزاحمت کی، مگر بالآخر مارا گیا۔ ''اور خان'' نے آگے بڑھ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔

سلطان جلال الدین باقی لشکر کے ساتھ جب یہاں پہنچے تو حاکمِ سدوستان فخر الدین شمشیر اور کفن کا کپڑا ہاتھ میں لیے ہوئے نہایت عاجزانہ انداز میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، معذرت کی اور اطاعت و فرماں برداری کا عہد کیا۔ سلطان نے درگزر سے کام لیا اور اسے سدوستان کی حکومت پر بحال رکھا۔ ⑱

دَیبُل میں..... سدوستان میں ایک ماہ قیام کے بعد سلطان جلال الدین نے ''دَیبُل'' کی طرف کوچ کیا ⑳ اور لشکر کا ایک حصہ اپنے بہترین سالاروں کی قیادت میں ''نہر والہ'' کی طرف روانہ کر دیا۔

دَیبُل بحیرۂ عرب کے کنارے واقع ایک اہم عسکری اور تجارتی شہر تھا۔ ابتداءً اموی دورِ خلافت میں محمد بن قاسم نے اسے فتح کیا تھا، عباسی دور میں بھی یہ اسلامی خلافت کے ماتحت رہا، مگر آثار و قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے اس شہر پر حملہ کیا تو اس وقت یہاں ہندوؤں کی حکومت تھی۔

''جہاں کشا جوینی'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس شہر میں کوئی مسجد تک نہیں تھی۔ سلطان جلال الدین نے دیبل پر بزورِ شمشیر قبضے کے بعد شہر کے بُت خانے (مندر) کی جگہ ایک جامع مسجد تعمیر کرائی، ㉑ چونکہ شہر جنگ کے ذریعے فتح ہوا تھا، اس لیے سلطان ہندوؤں سے کسی ایسے معاہدے کے پابند نہ تھے کہ جس کی رو سے ان کا مندر کی جگہ پر مسجد تعمیر کرنا قابلِ اعتراض بات ہو۔

ایک تاریخی تحقیق..... کراچی سے کوئی چالیس میل دور حیدر آباد جانے والی شاہراہ کے کنارے ''بنبھور'' نامی ایک تباہ شدہ شہر کے کھنڈرات ہیں، محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان کی جانب سے اس قدیم شہر کے حالات پر ''بنبھور'' نامی ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں بہت سے قرائن و آثار سے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ ''بنبھور'' دراصل ''دیبل'' ہی کا

دوسرا نام ہے۔ ''بنبھور'' تباہ کیسے ہوا؟ اس کے متعلق مذکورہ کتابچے میں تحریر کیا گیا ہے:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنبھور کا زوال تیرہویں صدی میں ہوا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ اسی زمانے میں دریا (دریائے سندھ جو اس زمانے میں اس شہر سے کچھ فاصلے پر بہتا تھا) نے اپنا راستہ بدل لیا تھا۔ دوسرے اسی زمانے میں یہاں شدید قسم کا ہنگامہ برپا ہوا تھا جس کے نشانات تمام کھنڈرات میں ملتے ہیں۔ مختلف حصوں میں جہاں جہاں کھدائیاں ہوئی ہیں مُردوں کے بے شمار ڈھانچے نکلے ہیں ...... اس ضمن میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ جلال الدین خوارزم شاہ نے تیرہویں صدی کے وسط میں سندھ پر حملے کے دوران کئی ساحلی قصبات فتح کر لیے تھے، حتیٰ کہ ''دیبل'' کی آخری تباہی بھی اس سے منسوب کی جاتی ہے۔'' (بنبھور، ص:۳۲)

اسی عبارت میں ''منسوب کی جاتی ہے'' کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ یہ روایت کمزور ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تاریخ کی مشہور اور متداول کتب میں سے کسی ایک میں بھی سلطان کو دیبل کی تباہی کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا گیا، البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ سلطان نے یہاں قبضہ کیا تھا۔

نئی فتوحات ...... دیبل کی فتح کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے ''دمریلہ'' پر قبضہ کرلیا۔ اسی دوران ان کے دوسرے جرنیل ''نہروالہ'' کو فتح کر کے بڑی مقدار میں مالِ غنیمت اور بار برداری اور سواری کے اونٹ حاصل کر چکے تھے۔ [۴۳]

سلطان التمش سے رنجش کے اسباب ...... ہندوستان میں سلطان جلال الدین کی آمد کا یہ دوسرا سال تھا۔ اس دوران نت نئی مہمات نے انہیں کسی کروٹ فارغ نہ بیٹھنے دیا۔ سلطان دیکھ چکے تھے کہ ان کے ہمسائے ایک عالمی طوفان کی تباہ کاریوں کی ہمہ گیری ملاحظہ کر کے بھی ان کا ساتھ دینے پر تیار نہیں ہیں۔ تجربے نے ان کو یہ سبق دیا تھا کہ اس دنیا میں صرف طاقت کا احترام کیا جاتا ہے۔ بازی ہارے ہوئے شکستہ حال سپاہی کو کوئی نہیں پوچھتا۔ اس بناء پر تقریباً ایک سال سے زائد مدت تک سلطان کی کوشش یہی رہی کہ زیادہ سے زیادہ قوت فراہم کی جائے تاکہ تاتاریوں سے آئندہ کسی جنگ میں ان کی حیثیت کرائے کے سپاہیوں کے سہارے میدانِ جنگ میں اُترنے والے سالار کی سی نہ ہو۔

سلطنتِ دہلی کے تاج دار سلطان شمس الدین التمش کے عدل وانصاف، پرہیزگاری، شجاعت اور حسن خلق میں کلام نہیں، مگر سلطان جلال الدین اور سلطان التمش کے درمیان منافرت کی ایک خلیج حائل ہوچکی تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ سلطان التمش نے زبردست لشکر وسپاہ کا مالک ہونے کے باوجود اپنی داخلی مصلحتوں کی بناء پر سلطان جلال الدین کا کماحقہ ساتھ دینے سے پہلوتہی کی تھی۔ سلطان جلال الدین جو ملت اسلامیہ کے عمومی مفاد کی بھیک مانگنے التمش کے دروازے پر حاضر ہوئے تھے، اس خلاف توقع سلوک پر حکومت دہلی سے سخت نالاں ہوگئے اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی یہ کیفیت ترقی کرتی رہی۔ چنانچہ پنجاب وسندھ کے ایک وسیع علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد سلطان کو اس بات سے باک نہ ہوا کہ اب وہ التمش کے مقبوضات پر ہاتھ صاف کرنے کا آغاز کریں، مگر درحقیقت سلطان کا یہ فیصلہ خلافِ مصلحت تھا۔ آئندہ حالات نے یہ ثابت کردیا کہ اگر سلطان ایسا نہ کرتے تو انہیں ہندوستان کے اپنے مفتوحہ علاقوں میں اچھی طرح قدم جمانے کا موقع مل سکتا تھا۔

خانسر کا میدانِ جنگ ...... سلطان جلال الدین اور شمس الدین التمش کے مابین چھیڑ چھاڑ کا آغاز خانسر سے ہوا جو

حکومت دہلی کی عملداری کے ماتحت سندھ کا ایک شہر تھا (آج کل اسے کھینسر کہا جاتا ہے، یہ ضلع تھر پارکر میں عمر کوٹ کے مشرق میں ہے)۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اپنی مختصری فوج لے کر خانسر کی طرف بڑھے تا کہ شہر پر قبضہ کرلیں۔ حاکم شہر نے سلطان سے مرعوب ہو کر اقرار وفاداری کیا اور یوں کشت وخون کی نوبت نہ آئی مگر کچھ ہی دنوں بعد سلطان جلال الدین کو معلوم ہوا کہ شاہِ دہلی نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے پیش قدمی شروع کردی ہے۔ سلطان جلال الدین بھی لڑائی پر آمادہ تھے۔ نتیجتاً عالمِ اسلام کی سرحدوں کے دو قابل قدر محافظ شمشیر بکف ہو کر آمنے سامنے آگئے۔

سلطان التمش کی فوج میں ایک لاکھ پیادے، تیس ہزار سوار اور تین سو جنگی ہاتھی تھے، اس کے بالمقابل سلطان جلال الدین کی فوج بہت کم تھی، تاہم انہوں نے صف بندی کر کے ازبک جہاں پہلوان کو جو ہراول کا سالار تھا، آگے بڑھایا۔ التمش کی فوج کے ہراول دستوں نے بھی پیش قدمی کی، مگر خوش قسمتی سے دونوں فوجوں کے ہراول راستے سے بھٹک کر اِدھر اُدھر نکل گئے اور باقاعدہ صف بستہ جنگ نہ ہوسکی۔ البتہ دونوں فوجوں میں ایک جھڑپ ہوئی، وہ اس طرح کہ جہان پہلوان نے عام جنگی قواعد سے ہٹ کر اپنا ایک دستہ التمش کے بھٹکتے ہوئے ہراول کی خیمہ گاہ میں گھسا دیا، جس میں فریقین کے کچھ آدمی مارے گئے۔ [۴۳]

صلح وصفائی..... سلطان شمس الدین التمش نے حالات کی سنگینی کا اندازہ کرتے ہوئے سلطان جلال الدین کو مصالحت کی پیش کش کی اور یہ پیغام دیا:

> ''آپ پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ دین کا دشمن ہمارے سروں پر پہنچ چکا ہے، آپ سلطان المسلمین اور ابن سلطان ہیں، میرے لیے جائز نہیں کہ آپ کے خلاف کسی کا معاون بنوں، نہ مجھ جیسے شخص کو زیبا ہے کہ آپ جیسے شخص کے مقابلے پر تلوار سونتے، سوائے اس کے کہ اپنی مدافعت کی مجبوری درپیش ہو۔ ان حالات میں ہمیں صلح کر لینی چاہئے۔ اگر آپ پسند کریں تو میں اپنی بیٹی کا رشتہ آپ کو پیش کرتا ہوں تا کہ کشیدگی دور ہو اور میرے اور آپ کے درمیان اعتماد بحال ہو اور کشیدگی دور ہو۔''

سلطان التمش کی اس مدبرانہ پیش کش کو سلطان جلال الدین نے قبول کرلیا یوں امت مسلمہ ایک ہولناک مسلم کش خوں ریزی سے بال بال بچ گئی۔ سلطان شمس الدین التمش نے دہلی واپس جاتے ہوئے سلطان جلال الدین کے دو سرداروں یزیدک پہلوان اور سنجر جق طائیسی کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، تا کہ باہمی تعلقات کی پائیداری میں ان کا مشورہ اور تعاون حاصل رہے۔ [۴۴]

تاتاریوں کی خراسان وعراق میں ازسرنو لوٹ مار..... سلطان کے قیام ہندوستان کے ان دنوں میں تاتاریوں کا زیادہ زور چین اور یورپ کی مہمات پر تھا تاہم ۶۲۱ھ (۱۲۲۴ء) میں ان کی ایک مختصر سی فوج جو کہ صرف تین ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھی، ایک بار پھر خراسان، فارس اور عراق کے ان اسلامی شہروں کو تاراج کرنے نکلی جو مغربی تاتاریوں کی زد سے بچ گئے تھے یا وہاں تباہی کے بعد ازسرنو آبادی کے آثار نظر آرہے تھے، اس فوج نے فارس میں قم، کاشان ہمدان اور دیگر شہروں کو بری طرح پامال کیا، پھر یہ رے کی طرف بڑھی۔ یہاں خوارزمی فوج کے بہت سے بھولے بھٹکے سپاہی جمع ہو کر نئے سرے سے بستی آباد کر رہے تھے، تاتاریوں نے ان خانماں بربادوں کو ایک بار پھر اجاڑ دیا۔

ان کا اگلا حملہ تبریز پر تھا، رے کے مفرور خوارزمی سپاہیوں میں سے چھ ہزار افراد جان بچا کر یہاں آ گئے تھے ۔تبریز کا حاکم اوز بک مظفر بہلوان جو کہ پہلے ہی تاتاریوں کا باج گزار تھا ان خوارزمیوں کی موجودگی کو اپنے لیے سخت خطرہ سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ جب تاتاریوں نے تبریز کی فصیل کے سامنے پڑاؤ ڈال کر اسے دھمکی دی تو اس نے ان پناہ گزین خوارزمی سپاہیوں میں سے بہت سوں کے سر کاٹ کر اور باقی ماندہ کو زندہ تاتاریوں کے حوالے کر دیا۔

علامہ ابنِ اثیر یہ واقعہ بیان کر کے مسلمانوں کی کم ہمتی کا رونا روتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ تاتاری صرف تین ہزار گھڑ سوار تھے، جبکہ مفرور خوارزمی سپاہی چھ ہزار پیادے تھے اور اوز بک کی فوج ان دونوں کے مجموعے سے کہیں زیادہ تھی مگر اس کے باوجود خوارزمیوں نے اپنے دفاع کی ہمت کی، نہ ہی اوز بک نے کچھ کیا۔'' (الکامل ج ۷ ص ۶۰۶، ۶۰۷)

یہ واقعہ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے کافی ہے کہ کسی قائد کی عدم موجودگی میں کوئی فوج ایسے دشمن سے ہر گز ٹکر نہیں لے سکتی جس کا رعب و دبدبہ چھا چکا ہو۔ ایسے حالات میں سلطان جلال الدین ہی قوم کا وہ واحد سہارا تھے جو انہیں اس خوف و دہشت سے نجات دلا سکتے تھے۔ تاتاریوں کے اس دستے کی قتل و غارت دراصل عن قریب ان کی کسی بڑی یلغار کی تمہید تھی اور فارس و عراق کے مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ اب ہندوستان سے زیادہ انہیں سلطان کی ضرورت ہے۔

دربارِ دہلی کی فضا..... سلطان جلال الدین ارضِ ہند میں ایک نیا جہان آباد کر چکے تھے اور اب وہ اپنے ہمسایوں سے اچھے تعلقات رکھ کر اپنے مشن کی طرف متوجہ ہونا چاہتے تھے۔ شاہِ دہلی سلطان شمس الدین التمش بھی سلطان جلال الدین سے اچھے تعلقات استوار کرنے میں نیک نیت تھے، مگر افسوس کہ ان کے حاشیہ بردار امراء اور سردارانِ لشکر جو سلطان جلال الدین کے سخت خلاف تھے، اس معاملے میں ان سے متفق نہ تھے۔ چنانچہ دربارِ دہلی کی فضا سلطان جلال الدین کے لیے ناسازگار ہی رہی۔ سلطان التمش کے دہلی پہنچنے کے چند روز بعد ان کے مشیروں، سرداروں اور ماتحت راجاؤں کا یہ اصرار زور پکڑ گیا کہ ہر قیمت پر سلطان جلال الدین کو سرزمین ہندوستان سے باہر نکال دیا جائے۔ قباچہ اور دوسرے آزاد ہندو حکمران بھی اسی خیال کے حامی تھے۔ وہ یہ منصوبہ بھی بنا رہے تھے کہ سلطان جلال الدین کو ماءِ خجنیر (کینجھر جھیل) کے کنارے گھیر لیا جائے۔ (۴۵)

مگر یہ محض ایک ہوائی منصوبہ تھا۔ شمس الدین التمش کو سیاسی مصالح کی خاطر ایک حد تک ان سے اظہارِ اتفاق کرنا پڑا مگر وہ سلطان سے کیے گئے صلح نامے کو اتنی جلد پس پشت ڈالنے اور انکے کے خلاف کسی کارروائی سے حتی الامکان اجتناب برتتے رہے۔

سلطان جلال الدین کی واپسی ..... ہندوستان میں صرف دو سال کی جدوجہد کے نتیجے میں سلطان دریائے جہلم سے بحیرہ عرب تک ایک ایسی وسیع سلطنت کی داغ بیل ڈال چکے تھے جسے کوئی عام حکمران شاید کئی برسوں میں بھی نہ بنا پاتا۔ اس کے باوجود وہ اس پر مطمئن نہیں تھے کہ یہاں ایک نئی دنیا آباد کر کے چین سے زندگی گزاریں۔ اگر انہیں محض ملک گیری کا شوق ہوتا تو ایک حکمران کے ذوق اقتدار کی تکمیل کے لیے یہ مملکت کوئی تنگ نہ تھی، بلکہ رقبے اور آبادی کے لحاظ سے یہ شام اور مصر کے ہم پلہ تھی اور اس پر حکومت کسی بھی حکمران کے لیے نہایت فخر و مسرت کا باعث ہو سکتی تھی۔ تاہم سلطان دیکھ رہے تھے کہ یہاں مستقل طور پر ٹھہرے رہنے سے انکا اصل مقصد خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

سب سے پہلی بات یہ تھی کہ ہندوستان تاتاری یلغار کے راستے سے ہٹ کر تھا۔ یہاں مورچہ بنا کر تاتاریوں کو دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے سے نہیں روکا جاسکتا تھا۔ چونکہ اس ملک کے دو اطراف میں سمندر اور ایک طرف ہمالیہ اور قراقرم کے کہساروں نے اسے بیرونی حملہ آوروں سے خاصا محفوظ کر دیا ہے اس لیے یہ سلطان کی افواج کے لیے بہترین چھاؤنی تو بن سکتا تھا مگر اسے محاذِ جنگ بنانا خطرات سے خالی نہیں تھا۔ مقامی حکمرانوں کا حالیہ عدم تعاون اگر تاتاریوں سے جنگ کے دوران کھلی دشمنی کی شکل اختیار کر لیتا تو اس کے نتائج تباہ کن ہو سکتے تھے، ویسے بھی سلطان مسلمانوں کی اس سرسبز و شاداب محفوظ پناہ گاہ کو جنگ کی آگ میں نہیں دھکیلنا چاہتے تھے۔

سلطان کے سامنے اصل مسئلہ باقی عالم اسلام اور خصوصاً حرمین شریفین کی حفاظت کا تھا۔ عالم اسلام کے یہ انتہائی اہم اور مرکزی علاقے کسی بھی وقت تاتاریوں کے حملوں کی زد میں آسکتے تھے۔ چونکہ اب عراق، عرب، شام، مصر، شمالی افریقہ اور ایشائے کوچک کے اسلامی ممالک ہی عالم اسلام کا بچا کھچا اثاثہ تھے، اس لیے ان ممالک کے سامنے تاتاریوں سے حفاظتی دیوار تعمیر کرنا وقت کا فوری تقاضا تھا۔ بدقسمتی سے تاتاری یلغار کے عارضی طور پر تھم جانے کے بعد تین چار سال کی مہلت پا کر بھی عرب و عجم کے مسلم حکمرانوں کو ہوش نہیں آیا تھا۔ اس لیے ان کی طرف سے اہل اسلام کی مدافعت کا فریضہ انجام دینے والا دور دور تک کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ سلطان وہاں پہنچ کر فوری طور پر اس کمی کو پورا کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ علاقے سلطان کی موروثی مملکت کا حصہ تھے لہٰذا طبعی طور پر بھی سلطان کا رجحان اسی سمت تھا۔

آخرکار سلطان نے اس موضوع پر اپنے امراء سے مشورہ کیا، جہان پہلوان نے کہیں اور جانے کی مخالفت کی اور ہندوستان میں جمے رہنا ہی مفید بتایا، اس کا کہنا تھا کہ دوسرے ممالک میں چنگیزی افواج کا خطرہ برقرار ہے جب کہ ہندوستان ان سے بچا ہوا ہے، اس کے علاوہ سرزمین ہند کے حکمران کمزور ہیں، ان سے کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ مگر جو امراء جو غیاث الدین سے منحرف ہو کر عراق سے آئے تھے، مصر ہوئے کہ سلطان کو ہندوستان سے کوچ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے، غیاث الدین سے نہ سنبھلنے والی حکومتِ عراق ان کی منتظر ہے، بہرکیف تمام پہلوؤں پر غور وخوض اور مشاورت کے بعد سلطان نے ہندوستان سے ایران و عراق کی طرف روانگی کا فیصلہ کر لیا۔ سلطان جلال الدین نے اپنے قابلِ اعتماد سالار ازبک جہاں پہلوان کو فوج کے کچھ حصے کے ساتھ ہندوستان میں اپنے مقبوضات کا گورنر بنایا، ایک امیر حسن مزلق عرف وفا ملک کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ خراسان جا کر غزنی اور غور کے کھنڈرات میں از سرِ نو ہونے والی آبادی کا انتظام سنبھالے۔ اس کے بعد سلطان نے اپنی اکثر سپاہ کے ساتھ وادئ سندھ سے کوچ کر دیا۔ [۴۹]

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ بعض مؤرخین نے ہندوستان سے سلطان کی واپسی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ سلطان اپنے خلاف مقامی حکمرانوں کے اتحاد سے مرعوب ہو گئے تھے، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں تھا۔

ہمیں یہ بات ملحوظ رکھنا ہوگی کہ سلطان اپنی مہماتِ ہند کے دوران ایک بار بھی میدان جنگ میں کسی حریف سے مغلوب نہیں ہوئے، بلکہ شمس الدین التمش سے مصالحت کے بعد تو کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا کہ مقامی حکمران سلطان سے عملاً مزاحم ہوئے ہوں۔ ایسے میں سلطان کا اچانک ان وسیع و عریض آباد و شاداب مفتوحہ علاقوں سے نکل کر لٹے پٹے خراسان و ایران کی طرف کوچ کر دینا کسی نہایت قوی محرک کے بغیر ناممکن تھا۔ اگر اس دور کی تاریخ کو کھنگالا جائے تو ہمیں کوئی ایسا محرک نظر نہیں آتا۔ عقلاً اتنے بڑے جنگ آزما کو کسی معرکے میں شکست دیے بغیر

ھندوستان سے نہیں نکالا جاسکتا تھا اور یہاں تاریخ ہمیں کسی شکست کے ذکر سے خالی نظر آتی ہے، اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ سلطان اپنی خوشی اور مرضی سے صرف اپنے مقصد کی خاطر یہاں سے واپس ہوئے تھے۔

یہ درست ہے کہ مقامی حکمران سلطان کی سرزمین ہند میں موجودگی ناپسند کرتے تھے مگر حقیقت میں وہ لوگ سلطان کو بزورِ قوت وہاں سے نکالنے پر دسترس نہیں رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان نے ہندوستان میں ٹھہرنے یا یہاں سے چلنے کے بارے میں امراء سے مشورہ کیا تو جہاں پہلوان نے انہیں روکنے کے لیے دو وجوہ بیان کیں، ایک یہ کہ یہ ملک چنگیز خان کے خطرے سے محفوظ ہے اور دوسرا یہ کہ یہاں کے حکمران کمزور ہیں۔ [۴۷]

اس کے باوجود سلطان نے ایران سے آنے والے خوارزمی امراء سے شنیدہ حالات کے پیش نظر اس محفوظ مرکز کو الوداع کہنے کا عزم کرلیا۔ وہ فرض کے لیے مرکزِ سلطنت کو چھوڑنے کی کٹھن قربانی تختِ خوارزم کے بعد دوسری بار دے رہے تھے۔ تاریخ عالم میں ہمیں ایسی مثالیں بہت کم ملیں گی۔

سلطان کی واپسی میں مقامی حکمرانوں کے دباؤ کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ مقامی راجے سلطان کی موجودگی کو تاتاریوں کے حملے کی دعوت کے مترادف سمجھ کر التمش کو سلطان سے لڑائی پر اکسا رہے تھے، مگر التمش اس کے عواقب کا اچھی طرح علم تھا۔ اُدھر سلطان جلال الدین کو بھی اس تمام صورتحال کی اطلاع ہوگئی تھی۔ انہیں مسلمانانِ ہند کے استحکام کی خاطر دہلی کی اسلامی حکومت کی تقویت بہر حال ملحوظ تھی، وہ از خود ہندوستان سے نکل کر فرمانروائے دہلی کو بہت بڑے مخمصے سے نجات دے سکتے تھے کیونکہ اس طرح دہلی کی حلیف راجدھانیوں کی شکایات ختم ہو جاتیں، جبکہ یہاں جمے رہنے کی صورت میں سلطان خود بھی ان کی طرف سے بے اطمینانی کا شکار ضرور رہتے اور ان مہمات میں اپنے اصل ہدف سے دور ہو جاتے۔ ہندوستان میں حکومت قائم کر کے وہ اپنے مشن کے لیے کسی نہ کسی درجے میں وسائل حاصل کر چکے تھے۔ جہاں تک سرحداتِ ہندوستان کی حفاظت کا تعلق ہے، تو اس کے لیے سلطان ضرورت کے مطابق عاملین، اہلکار اور رضا کار پیچھے چھوڑے جا رہے تھے۔

سفر کے مصائب..... سلطان جلال الدین مکران اور کرمان کے راستے سے ایران کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے پاس اس وقت کوئی دس ہزار سپاہی تھے۔ راستے میں کیچ (خضدار) کے تپتے ہوئے صحراؤں سے گزرتے ہوئے اس قافلے کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ شدید گرمی، لُو کے تھپیڑوں اور پانی وغذا کی کمیابی نے سلطان جلال الدین کے سپاہیوں کو بُری طرح متاثر کیا۔ شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

> ''سلطان جلال الدین اور ان کے ہمراہیوں نے ہندوستان سے کرمان تک کے سفر میں ایسے مصائب جھیلے جنہوں نے ان کی گزشتہ تمام تکالیف کو بھلا دیا اور انہیں موت کے گھاٹ تک پہنچا دیا...... جب بادِ سموم کے تھپیڑے چلتے تو لوگوں کو سانس لیتے ہوئے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ بخار کی حالت میں سانس لے رہے ہیں۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۴)

مکران کے چٹیل و بے آب وگیاہ میدانوں کے جھلسا دینے والے موسم نے رہی سہی کسر نکال دی۔ سلطان کے لشکر کے اکثر سپاہی بیمار ہوگئے اور علاج معالجے کا خاطر خواہ انتظام نہ ہونے کے باعث ان کی حالت نازک سے نازک تر ہوتی گئی، یہاں تک کہ ایک ساتھ کئی کئی جنازے اُٹھنے لگے اور کچھ ہی دن میں سپاہیوں کی ایک بہت بڑی

تعداد جاں بحق ہوگئی۔

موسم کی شدت نے سواری اور بار برداری کے جانوروں کو بھی زک پہنچائی، اکثر گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ سپاہیوں کی اکثریت جو بیمار تھی بیلوں اور گدھوں کی سواری پر مجبور ہوئی۔ نا قابل برداشت تکالیف جھیلتے ہوئے سلطان جب کرمان کے قریب پہنچے تو ان کے ساتھ صرف چار ہزار افراد باقی رہ گئے تھے۔ (۴۸)

حواشی وحوالہ جات

① طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۹ص ۴۷۴، ۴۸۶، طبقہ ۲۰ص ۴۹۰، طبقہ ۲۱ص ۵۲۰ ...... تاریخ ملت ج ۳ص ۴۳۴ تا ۴۵۲ ...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۸

② روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۸ ...... جہاں کشا ج ۲ص ۱۴۲، ۱۴۳

نوٹ: سلطان جلال الدین نے دریا عبور کر کے جس جگہ پناہ لی تھی اسے ''چلِ جلالی'' کہا جاتا ہے۔ مقامی زبان میں بنجر علاقے کو ''چل'' کہتے ہیں۔ اس دور میں یہ علاقہ بنجر اور ویران تھا، تاہم اب یہاں آب پاشی کی سہولت کے باعث سرسبز کھیت لہلہاتے دکھائی دیتے ہیں۔ (بحوالہ: اردو ڈائجسٹ، اپریل ۲۰۰۲ء)

③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۰ ...... ابن خلدون ج ۵ص ۱۱۹ ...... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۶ ...... تاریخ الاسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۸ھ

④ ترجمہ: ''وہ (اللہ) اس (متقی) کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔'' (سورۃ الطارق)

⑤ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۴۳ ...... جہاں کشا کی روایت کے مطابق یہ مقام جہاں ہندوؤں سے معرکہ ہوا، سلطان کے ٹھکانے سے دو فرسنگ (چھ میل) کے فاصلے پر تھا۔ غالباً یہ دریا کے پار باغ نیلاب گاؤں کی حفاظتی چوکی ہوگی اس لیے کہ گھوڑا ترپ سے باغ نیلاب کا فاصلہ تقریباً اتنا ہی ہے۔

⑥ عربی تواریخ میں اس راجا کا نام ''زانہ شترہ'' درج ہے جس کا صحیح ہندی تلفظ 'رانا شترہ' یا 'رانا چترا' ہوسکتا ہے۔ بعض روایات میں اسے صاحب الجبل الجودی کہا ہے یعنی کوہستان نمک کا حاکم (نہایۃ الارب ج ۷ص پ ۳۶۶) مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ حاکمِ جود سے سلطان کی ٹکر دہلی سے واپسی پر ہوئی تھی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ کوہستان نمک میں کئی حاکم ہوں کیوں کہ یہ بہت وسیع علاقہ ہے۔

⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۶۲ ...... سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۲۴۰ ...... تاریخ الاسلام الکبیر للذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۸ھ

⑧ روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۸ ...... جہاں کشا، ج ۲ص ۱۴۳

⑨ ''کوہ بلالہ''، ''رکالہ'' اور ''جودی'' وغیرہ چند مقامات کے نام روضۃ الصفا اور جہاں کشا جوینی میں خاصے فرق کے ساتھ منقول ہیں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کوہستانِ نمک کے علاقے تھے۔ رکالہ کے بارے میں راقم کا خیال ہے کہ اس سے کلر کہار مراد ہے۔

⑩ روضۃ الصفا، ج ۴ص ۸۲۸ ...... جہاں کشا، ج ۲ص ۱۴۴ ...... خوارزم شاہی ص ۱۴۷

⑪ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ص ۱۵۴ ⑫ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ص ۱۵۴
⑬ تاریخ فرشتہ ج ۲ص ۸۹۶ میں یہی توجیہہ کی گئی ہے۔
⑭ روضۃ الصفاج ۵ص ۴۰
⑮ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ص ۱۵۴......روضۃ الصفا، ج ۵ص ۴۰
⑯ ملاحظہ ہو' جامع تاریخ ہند' از خلیق احمد وحبیب احمد۔ مطبوعہ تخلیقات لاہور۔
⑰ چنگیز خان، باب نمبر ۲۰ص ۱۵۴
⑱ روضۃ الصفا، ج ۵ص ۴۰......افغانستان در مسیر تاریخ ۲۲۵
⑲ چنگیز خان، روضۃ الصفا، ج ۵ص ۴۰
⑳ روضۃ الصفا، ج ۵ص ۴۱ ㉑ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۴
㉒ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۵......خوارزم شاہی، ص ۱۴۸
㉓ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۵......سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۲
㉔ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۵......ابن خلدون ج ۵ص ۱۱۹

یادر ہے کہ کوہ جودکوہستانِ نمک کا قدیم نام ہے، قدیم مسلم جغرافیہ دان کوہستان نمک کو اس نام سے یاد کرتے تھے، تاہم جامع تاریخ ہند کی بعض عبارتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوہ جودکوہ سلیمان (جو پنجاب اور بلوچستان کے درمیان ہے) کا قدیم نام ہے۔ قرائن سے پہلا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

㉕ جہاں کشا جوینی ج ۲ص ۱۴۷مع حاشیہ نمبر ۱
㉖ نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۷......تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۴۹......ابن خلدون ج ۵ص ۱۱۹
㉗ تاریخ خوارزم شاہی ص ۸۳
㉘ سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۴، ۱۶۵......نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۷۶
㉙ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۶......ابن خلدون ج ۵ص......تاریخ فرشتہ حصہ دوم ص ۸۹۵
㉚ جہاں کشا، ج ۲ص ۱۴۶......ابن خلدون، ج ۵ص ۱۱۹
㉛ جہاں کشا، ج ۲ص ۱۴۶......ابن خلدون، ج ۵ص ۱۱۹
㉜ اب یہاں پنجاب کا مشہور شہر ''بھکر'' آباد ہے جو ملتان کے قریب واقع ہے۔
㉝ جہاں کشا، ج ۲ص ۱۴۶، ۱۴۷
㉞ جہاں کشاج ۲ص ۱۴۷......روضۃ الصفاج ۴ص ۸۲۸...... ''پس روز'' نواحِ سیالکوٹ کا ایک شہر ہے۔ یادر ہے کہ النسوی کے بیان کے مطابق ''کلور'' اور ''برنوزج'' کے محاصروں میں بھی سلطان کا ہاتھ تیر سے زخمی ہوا تھا۔
㉟ کوہستان نمک کی وادی کلر کہار کے قصبے چن جی سے ۱۸کلومیٹر مغرب میں ''میرا اماں'' نامی ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ اس سے ایک گھنٹے پیدل مسافت پر ایک پہاڑی ہے جس پر ۶۰۰ میٹر لمبا اور ۳۰۰ میٹر چوڑا قدیم قلعہ ہے جو قلعہ سمرقند کے نام سے مشہور ہے۔ ماہرینِ آثار قدیمہ کے مطابق یہ قلعہ تیرہویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔ جلال

الدین خوارزم شاہ اسی زمانے میں ہندوستان آئے تھے اور ان کی فوجی چھاؤنی بھی کوہستان نمک کے کسی ایسے ہی محفوظ گوشے میں تھی۔

اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں پاکستانی جغرافیہ دان جناب سلمان راشد نے مذکورہ قرائن کی بناء پر خیال ظاہر کیا ہے کہ قلعہ سمرقند ہی دراصل سلطان جلال الدین کی موسمِ گرما کی چھاؤنی تھی اور اس کی تعمیر یا مرمت کے بعد سلطان جلال الدین نے اپنے وطن کے شہر سمرقند کی یاد میں اسے قلعہ سمرقند کا نام دے دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

(۳۶) تاریخ فرشتہ ج ۲ ص ۸۹۵

(۳۷) تاریخ فرشتہ حصہ دوم ص ۸۹۵، ۸۹۶...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۷......ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

(۳۸) قدیم زمانے میں اس کو سیوستان بھی کہا جاتا تھا، اب یہ ''سیہون شریف'' کے نام سے مشہور ہے۔

(۳۹) روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۲۸...... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۸......تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۰

(۴۰) جہاں کشا جوینی ج ۲ ص ۱۴۸ پر اسے ''دَیْوُل'' لکھا گیا ہے، مگر اسی صفحے کے حاشیہ میں ''معجم البلدان'' کا حوالہ دیتے ہوئے اسے ''دیبل'' تحریر کیا گیا ہے۔

(۴۱) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۸ (۴۲) جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۸

(۴۳) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷......ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

(۴۴) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷......ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹

(۴۵) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۸......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸......سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۹۰

(۴۶) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۹......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸......ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۰

(۴۷) سیرۃ جلال الدین ص ۱۶۹......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۸

(۴۸) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۰...... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۴۹

چھٹا باب

دفاعی حصار کی از سر نو تعمیر

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا. اور تم اللہ کی رسی کو مجتمع ہو کر مضبوطی سے تھامے رہو اور متفرق نہ ہو۔ (آل عمران، آیت ۱۰۳)

ربط و ضبطِ ملتِ بیضا ہے مشرق کی نجات ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو ملک و دولت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

براق حاجب..... سلطان جلال الدین کو راستے ہی میں یہ اطلاع مل چکی تھی کہ تاتاری ایک بار پھر عالمِ اسلام پر یورش کی تیاریاں کرر ہے ہیں، اس لیے اب سلطان جلد از جلد اس طوفان کی روک تھام کے ذرائع مہیا کرنا چاہتے تھے۔ سلطان کو معلوم تھا کہ یہ کوئی آسان کام نہیں، اس عظیم فریضے کی انجام دہی کے لیے بے پناہ وسائل اور بھاری نفری کا حصول ناگزیر تھا جبکہ سلطان تہی دست تھے، ان کے ہمراہی قلیل تھے اور حالات سخت ناسازگار تھے۔ پھر بھی سلطان مایوس ہونے والے انسان نہیں تھے اور عالمِ اسلام کی خاکستر سے کسی چنگاری کی تلاش انہیں کشاں کشاں سوئے فارس و عراق لیے جا رہی تھی۔ سلطان وہاں پہنچ کر اپنے عظیم مقصد کے لیے نئے سرے سے جدوجہد کا آغاز کرنا چاہتے تھے، مگر کرمان کے قریب پہنچتے ہی وہاں کے اندرونی خلفشار نے ان کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اس خلفشار اور ہنگامے کا ذمہ دار ایک بدبخت شخص براق حاجب تھا۔

براق حاجب سلطان علاؤ الدین محمد کے دربار میں ایک اہم عہدہ دار تھا، یہ قراخطائی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتداءً ترکانِ خطا کا درباری تھا، بعد میں خوارزم شاہی ایوان سے منسلک ہو گیا۔ علاؤ الدین محمد نے اسے حاجب کے رتبے سے سرفراز کیا۔ اسے علم نہ تھا کہ وہ اس منافق، دغاباز اور عیار شخص کو اپنی نظرِ کرم کا مستحق بنا کر درحقیقت اپنی آستین میں ایک موذی سانپ پال رہا ہے جو اس کی اولاد کے لیے سراسر فتنہ ثابت ہوگا۔

علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دبدبے اور سطوت کے باعث اس کی زندگی میں براق حاجب کو اپنا زہر اگلنے کا موقع نہ ملا، مگر جب خوارزمی ایوان تاتاری حملے کے دھچکوں سے یکا یک زمیں بوس ہو گیا تو وہ کھل کر سامنے آ گیا۔

شہزادہ غیاث الدین جو تاتاری سیلاب کے گزر جانے کے بعد چند تباہ شدہ شہروں اور بستیوں پر قبضہ کر چکا تھا، اپنی ناتجربہ کاری کی بناء پر براق حاجب کو اپنا مخلص سمجھ بیٹھا اور اسے کرمان کا حاکم مقرر کر دیا۔ براق نے کچھ ہی دن بعد کرمان پر اپنی خودمختار حکومت قائم کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں اور مزید آگے بڑھ کر کرمان کے قریب ''جواشیر'' نامی ایک شہر کا محاصرہ کر لیا۔ (۱) یہ سارا علاقہ سلطان علاؤ الدین محمد مرحوم نے شہزادہ غیاث الدین کے نام کر دیا تھا،

لہٰذا براق حاجب کا یہاں خودمختاری کا دعوے دار بننا خوارزمی خانوادے کے خلاف کھلی بغاوت تھی۔

براق کی گوشمالی..... براق حاجب کے سیاہ کارناموں اور مظالم کا تذکرہ سن کر سلطان جلال الدین نے اس کی گوشمالی ضروری سمجھی اور کرمان کے نواح میں ''جواشیر'' کا رُخ کیا۔ براق حاجب نے سلطان کی آمد کی خبر پا کر محاصرہ اُٹھالیا۔ ''جواشیر'' کے حاکم نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں قلعے کی چابیاں پیش کر کے اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ اُدھر براق حاجب بھی حالات کی نزاکت اور اپنے جرم کی سنگینی کا اندازہ کر کے سلطان کی بارگاہ میں پیش ہوا اور وفاداری کا وعدہ کیا۔ سلطان جلال الدین براق حاجب کو سخت سزا دینے کا ارادہ کر چکے تھے، مگر اس سے قبل انہوں نے اپنے امراء سے مشورہ کیا۔ اُور خان نے رائے دی کہ براق کو گرفتار کر لیا جائے اور کرمان پر قبضہ کر کے اسے دوسرے علاقوں پر قبضے کی بنیاد بنایا جائے۔ تاہم نئے وزیر اعظم ''شرف الملک خواجہ جہاں'' نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے عرض کی:

''ان علاقوں کے نائبین اور حکام میں سے یہ پہلا فرد ہے جو اظہارِ اطاعت کر رہا ہے۔ دوسرے حکام اس کی فریب کاریوں اور غداریوں سے واقف نہیں، اگر اسے سزا دی گئی تو ان کے دل متوحش ہوں گے، طبیعتیں بے چین ہوں گی، آرزوئیں اور امیدیں پژمردہ ہو جائیں گی اور لوگوں کے خیالات بدل جائیں گے۔''

سلطان نے وزیر کی سفارش اور مشورے کو قبول کرتے ہوئے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔ (۲)

حیلہ بازی..... کچھ روز بعد سلطان جلال الدین نے شکار کے لیے گرد و نواح کے جنگلات کا رُخ کیا اور براق حاجب کو بھی اس تفریح میں شرکت کی دعوت دی۔ براق نے پاؤں میں شدید تکلیف کا جھوٹا عذر کر کے سلطان کی پیش کش قبول نہ کی۔ شکار گاہ میں پہنچ کر بعض مخلص امراء کی زبانی سلطان کو براق حاجب کی دروغ گوئی کا حال معلوم ہوا۔ سلطان نے براق کو اس فریب کا مزہ چکھانے کے لیے خود بھی ایک چال چلی اور ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر براق کے پاس بھیجا کہ سلطان عراق کے سفر کے متعلق مشورے کے لیے اسے فوراً طلب کر رہے ہیں۔ براق حاجب بلا کا ذہین اور چالاک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ اس پیغام کے پیچھے اسے گرفتار کرنے کی حکمت عملی کام کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے دوبارہ وہی عذر کر کے حاضری سے معافی چاہی اور سلطان کو فی الفور عراق روانگی کا مشورہ دیتے ہوئے کہلا بھیجا:

''مناسب ہوگا کہ سلطان عراق کو روانگی کے ارادے پر جس قدر جلد ہو سکے عمل پیرا ہوں۔ کیوں کہ یہ علاقہ نہ تو آپ کے تاج و تخت کا مرکز بننے کے لائق ہے اور نہ ہی آپ کے لشکر و خدام کے قیام کا بار برداشت کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ ہاں! ان قلعوں کی حفاظت کے لیے یہاں آپ کے ایک امانت دار نائب اور قلعہ دار و کوتوال کا رہنا ضروری ہے،......تو آپ کی نیابت میں بندہ ان علاقوں کی نگہداشت کے فرائض انجام دینے کے لیے حاضر ہے۔ مجھ سے زیادہ آپ کا وفادار کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ میں نے سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ مرحوم کی خدمت میں اپنے بال سفید کیے ہیں اور یہ علاقہ بھی میں نے ہی بزورِ شمشیر واگزار کرایا ہے۔'' (۳)

گویا پیغام کا صاف مطلب یہ تھا کہ آپ فی الفور عراق کا رُخ کریں اور جواشیر میں مجھے آزاد چھوڑ دیں۔

قاصد کو یہ پیغام دے کر روانہ کر دینے کے بعد براق حاجب نے شہر میں موجود سلطان کے سپاہیوں کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ ان کے جاتے ہی وہ فصیل کے دروازے بند کر کے محصور ہو گیا۔ سلطان جلال الدین براق حاجب کی اس فریب کاری پر لہو کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ حالات ایسے تھے کہ اس کمینہ صفت شخص کے خلاف کوئی فوری اقدام نہیں

کیا جا سکتا تھا۔ آخر کار سلطان نے مجبوراً رختِ سفر باندھ کر مغرب کا رُخ کیا۔ ④

راستے میں یزد کا عمر رسیدہ حاکم علاؤالدولہ حاضر ہو کر حلقہ بگوش ہوا، سلطان نے اسے یزد کا پروانہ حکومت دے دیا۔

نئے دوست ..... چند دن کے سفر کے بعد سلطان جلال الدین شیراز کے قریب جا پہنچے۔ حاکمِ شیراز اتابک سعد بن زنگی نے سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں حکومتِ خوارزم کی بالادستی قبول کر لی تھی، مگر بعد میں بغاوت کر کے اس کے حلقہ بگوشوں سے نکل گیا تھا۔ محمد خوارزم شاہ تاتاری فتنے کے ظہور کے باعث دوبارہ اس طرف توجہ نہ دے سکا تھا، تاہم تاتاری طوفان گزر جانے کے بعد شہزادہ غیاث الدین پیر شاہ نے سعد بن زنگی کو شکست دے کر کئی علاقے اس سے چھین لیے تھے۔ ⑤

سلطان جلال الدین جب شیراز کے مضافات میں پہنچے تو سعد بن زنگی اور غیاث الدین کے مابین کشاکشی کی فضا برقرار تھی۔ غیاث الدین کا پلہ بھاری ہونے کی وجہ سے اتابک سعد بن زنگی گویا اس کا زیر دست تھا۔ سلطان جلال الدین نے ایک ایلچی اتابک سعد کے دربار میں روانہ کیا تا کہ اسے اپنی آمد کے سبب سے مطلع کریں۔ سلطان کی زندگی کا مقصد اب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ حرمین شریفین سمیت عالمِ اسلام کے باقی ماندہ علاقوں کو تاتاریوں کی دست بُرد سے محفوظ رکھنے کے لیے جدوجہد کی جائے اور سب سے پہلے ایک طویل دفاعی خط تیار کر کے تاتاری یلغار کی تازہ لہر کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔

اتابک سعد بن زنگی نے سلطان جلال الدین کی آمد کو ان اطراف کے مسلمانوں کے لیے نیک فال تصور کیا۔ سلطان جلال الدین کا شیراز کا باہر شاندار تاریخی استقبال کیا گیا۔ شہزادے سلغور شاہ بن سعد نے پانچ سو شہ سواروں کے ساتھ آگے بڑھ کر سلطان کا خیر مقدم کیا۔ خوارزمی خانوادے سے گزشتہ رنجشوں کی تلافی کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے سعد بن زنگی نے سلطان کے اعزاز واکرام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ قیمتی پوشاکیں، اشرفیاں، رسد کے خچر اور اونٹ، حبشی وترک غلام اور انواع واقسام کی بیش بہا نعمتیں سلطان کی خدمت میں پیش کیں۔ تعلقات میں مزید پختگی کے لیے اس نے اپنی بیٹی سلغوری خاتون سلطان جلال الدین کی زوجیت میں دے دی۔ نیز سلطان اور سعد بن زنگی کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہوئے جس کے تحت سلطان جلال الدین نے خوارزمی خانوادے کا سربراہ ہونے کی حیثیت سے اتابک سعد کے مقبوضات پر غیاث الدین کا قبضہ مسترد کرتے ہوئے ان علاقوں میں اتابک سعد کی حکومت کو بحال کر دیا۔ ⑥

اتابک کے چھوٹے بیٹے شہزادے سلغور شاہ نے سلطان کے ادب واحترام اور خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، سلطان بھی اس کے سلوک سے بہت متاثر ہوئے، اس لیے انہوں نے جواباً شہزادے سلغور کو گراں مایہ اعزازات ونوازشات سے نوازا اور اسے ''فرزند خان'' کا لقب بھی عطا کیا۔

سعد بن زنگی کا بڑا بیٹا شہزادہ مظفر الدین ابوبکر سعد جو مملکت شیراز کا ولی عہد بھی تھا، اپنے باپ سے بغاوت کے جرم میں کئی سال سے جیل خانے میں تھا۔ سلطان جلال الدین کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے اتابک سعد سے پُرزور سفارش کر کے اس شہزادے کو رہا کرا دیا۔ شہزادہ ابوبکر سلطان جلال الدین کا یہ احسان تا عمر نہ بھولا۔ رہائی کے چند دن بعد ہی اس نے اپنی خدمات سلطان کو پیش کر دیں اور جب سلطان جلال الدین اصفہان روانہ ہوئے تو شہزادہ ابوبکر بھی

ان کے لشکر کا ایک سپاہی بن چکا تھا۔ (۷) سلطان جلال الدین کے پرچم تلے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں شہزادے ابوبکر نے شاندار کارنامے انجام دیے۔ اپنے باپ کے انتقال کے بعد ابوبکر نے شیراز کی حکومت سنبھالی اور طویل مدت تک مثالی عدل وانصاف سے حکومت کرتا رہا۔ شیخ سعدی شیرازیؒ نے گلستان و بوستان میں ابوبکر سعد کے عدل و انصاف کی خوب تعریف کی ہے۔

اصفہان میں ..... شیراز کے بعد سلطان جلال الدین کی اگلی منزل اصفہان تھی جو تاتاریوں کی دست بُرد سے محفوظ رہنے والے چند خوش قسمت شہروں میں سے ایک تھا۔ اِن دنوں یہ شہر غیاث الدین پیر شاہ کے زیرِ تسلط تھا، مگر امراء و اعیانِ شہر سلطان جلال الدین کی طرف مائل تھے، اس کی بڑی وجوہات یہ تھیں کہ غیاث الدین اپنی فوج اور ماتحتوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا تھا، عیش و عشرت میں منہمک اور انتظامِ حکومت سے بے پروا تھا۔ (۸)

اصفہان میں بھی سلطان جلال الدین کا زبردست خیر مقدم ہوا۔ قاضی اصفہان رکن الدین مسعود ابن صاعد نے حاضر ہوکر وفاداری کا یقین دلایا۔ (۹) اتا بک علاؤ الدولہ جو ثروت، وجاہت اور شجاعت میں شہر کے چوٹی کے امراء میں شمار ہوتا تھا، بیش بہا تحائف اور نوادرات کے ساتھ سلطان جلال الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اتا بک علاؤ الدولہ اسّی برس کا ہو چکا تھا، سلطان جلال الدین نے اسے باپ کی سی عزت دی، اسے اپنے برابر تخت پر بٹھایا اور اسے ''پدر'' (والد) کہہ کر مخاطب کیا۔ (۱۰)

غیاث الدین کی بدگمانی ..... اصفہان کے بعد سلطان جلال الدین رے جا کر اپنے بھائی غیاث الدین سے ملنا چاہتے تھے تاکہ اس کے تعاون اور اشتراک سے وہ سلطنتِ خوارزم کو از سرِ نو مضبوط بنیادوں پر استوار کر کے مسلمانوں کو دشمنانِ دین کے ظلم وستم سے محفوظ رکھ سکیں، اس طرح ان کا بھائی دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد میں ان کا دست و بازو بنے، مگر غیاث الدین ملک وملّت کے مفادات کا ادراک کرنے سے قاصر تھا۔ وہ سلطان جلال الدین کو تاتاریوں سے بڑھ کر اپنا دشمن خیال کرنے لگا تھا، اس لیے ہندوستان سے اپنے بڑے بھائی کی واپسی کی اطلاع اسے خطرے کا بگل محسوس ہوئی۔

غیاث الدین سے جھڑپ ..... غیاث الدین پیر شاہ کو رے میں یہ خبر ملی کہ سلطان جلال الدین اصفہان پہنچ چکے ہیں، اس نے فوراً تیس ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر جمع کیا اور سلطان جلال الدین کو اس سرزمین سے بے دخل کرنے کے عزم کے ساتھ پیش قدمی کی۔ سلطان جلال الدین جو اپنے بھائی کے ساتھ مل کر تاتاریوں کے خلاف جہاد کا جذبہ لے کر آئے تھے، اس صورتحال سے چونک گئے۔ آخر کار انہوں نے خوں ریزی سے بچنے کے لیے ایک خاص حکمت عملی ترتیب دی، انہوں نے اپنے زیرک مصاحب ''ادک امیر آخور'' کو ایک مصالحت آمیز مراسلہ دے کر غیاث الدین کے پاس روانہ کر دیا۔ مراسلے میں انہوں نے تحریر کیا تھا:

> ''والد مرحوم کی وفات کے بعد میں نے جو شدید ترین مصائب جھیلے ہیں اگر وہ پہاڑوں پر رکھ دیے جائیں تو پہاڑ بھی ان کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں۔
>
> ''حَتّٰی ضَاقَتْ عَلَیَّ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ۔ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی، میں اپنی موروثی سلطنت سے بھی دست کش ہوا اور اپنی قوت بازو سے فتح کیے ہوئے علاقے بھی چھوڑ کر چلا آیا۔ میں اس خیال سے تمہارے پاس آ رہا تھا کہ چند دن استراحت کرلوں، لیکن اب معلوم

ہوا کہ تمہارے پاس مہمان کے استقبال کے لیے تلوار کی دھار ہی رہ گئی ہے تو میں چشمے کے کنارے آ کر بھی شوق کی پیاس کے ساتھ واپس لوٹ جاتا ہوں۔‘‘ (۱۱)

اس کے ساتھ سلطان نے ہدیے کے طور پر پروان کی جنگ میں مارے جانے والے چنگیز خان کے بیٹے تولی خان کا بیش قیمت لباس، اس کی آب دار شمشیر اور اس کا برق رفتار گھوڑا بھی غیاث الدین کے پاس بھجوا دیے۔ یہ نادر اشیاء سالہا سال کے مسلسل حوادث کے باوجود سلطان جلال الدین کے پاس محفوظ چلی آ رہی تھیں۔ ان کی تاریخی حیثیت کے باوجود غیاث الدین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے سلطان نے ان کو ہدیہ کرنے میں تامل نہ کیا۔

دوسری طرف انہوں نے سفیر کے توسط سے غیاث الدین کے افسران میں خفیہ طور پر چھوٹے چھلے تقسیم کرا کے انہیں اپنے وہ انعامات اور احسانات یاد دلائے جو وہ اپنے والد کے دور میں ان پر نچھاور کرتے رہے تھے۔ سلطان اپنے والد کے زمانے ہی سے فوج کے شعبے سے خاص محبت رکھتے تھے، افسران اور سپاہیوں پر ان کی نوازشیں اس دور میں بھی کم نہ تھیں، اس لیے وہ فوج کے ہر دل عزیز رہنما تھے۔

سلطان جلال الدین کا خفیہ پیغام ملنے پر غیاث الدین کے کئی افسران نے ان سے آ ملے، ان میں ابوبکر ملک بھی تھا۔ اس نے حاضر ہو کر عرض کیا: ’’ہم سب غیاث الدین کے ظالمانہ سلوک سے نالاں ہیں۔ آپ کی آمد کے مشتاق اور آپ کے اشارے کے منتظر ہیں، آپ بلا خوف وخطر فوراً لڑائی چھیڑ دیں۔‘‘

غیاث الدین سلطان کا مراسلہ ملنے کے بعد جنگ سے بے فکر ہو کر اپنی فوج کو منتشر کر چکا تھا، اتنے میں چند امراء نے سلطان کی طرف سے ملنے والی انگوٹھیاں دکھا کر اسے سارا کچا چٹھا کہہ سنایا۔ اب غیاث الدین کی آنکھیں کھلیں، اس نے سلطان کے سفیر امیر آخور کو حراست میں لے لیا اور فوری کارروائی کر کے سلطان سے نامہ و پیام کرنے والے چند افسران کو گرفتار کر لیا۔ باقی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے اور سلطان جلال الدین سے جا ملے۔ غیاث الدین نے ازسرِ نو جنگ کی تیاری کی مگر اتنے افسران کے ساتھ چھوڑ جانے کے باعث وہ خود بھی پست ہمت ہو چکا تھا اور اس کے باقی ماندہ سپاہی بھی سخت بددل ہو گئے تھے۔ سلطان جلال الدین کے لیے اتنا موقع کافی تھا، انہوں نے سپاہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ ان کی قیادت میں بمشکل تین ہزار تھکے ہارے سپاہی تھے، جبکہ غیاث الدین کی فوج تیس ہزار سے کم نہ تھی، مگر اس سے پہلے کہ یہ فوج لڑائی کے لیے مستعد ہوتی، سلطان کے گھڑ سوار آن پہنچے، یہ دیکھ کر غیاث الدین کی فوج نے لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیے، نااہل غیاث الدین خیمہ گاہ سے فرار ہو کر ’’سلوقان‘‘ کے قلعے میں چھپ گیا۔ (۱۲)

اپنے محافظوں کے جلو میں جب سلطان جلال الدین غیاث الدین کے لشکر کی خیمہ گاہ میں آئے تو نالائق شہزادے کے تمام امراء اور افسران ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے اپنے سپاہیوں سمیت ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ یہاں خیمہ گاہ میں سلطان نے اپنی سوتیلی ماں یعنی غیاث الدین کی والدہ ’’بکلوائی بیگم‘‘ کو موجود پایا جسے غیاث الدین گھبراہٹ میں وہیں چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی بیگمات میں سے یہ واحد خاتون تھی جو تاتاریوں کے خونی پنجے سے محفوظ رہ گئی تھی۔ اپنے بیٹے کی نااہلیت کا احساس کر کے اس نے حکومت کا زیادہ تر انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور اپنی ساس ترکان خاتون کے نقشِ قدم پر چل رہی تھی۔ (۱۳)

سلطان جلال الدین اپنی سوتیلی والدہ کے ساتھ نہایت ادب سے پیش آئے اور اس کے سامنے چھوٹے بھائی کی

کج فہمی اور عاقبت نااندیشی کی شکایت کی اور کہا:

''وہ مجھ سے ڈر کر کیوں بھاگ گیا؟ اس دنیا میں اس کے سوا میرا کونسا بھائی باقی رہ گیا ہے؟؟۔ مجھے وہ آنکھ کی روشنی سے زیادہ محبوب ہے۔ دست و بازو سے زیادہ معزز ہے۔'' (۱۴)

ستارۂ اقبال بلندی پر ..... غیاث الدین کی ماں کو ان باتوں سے بڑا اطمینان ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے کو واپس بلوالیا اور دونوں بھائیوں میں صلح کرادی۔ (۱۵) غیاث الدین اگرچہ رنجیدہ دل اور کبیدہ خاطر تھا، مگر اب بڑے بھائی کے اقبال اور سطوت کا ستارہ بلندی پر دیکھ کر وہ خاموشی کے ساتھ ان کی خدمت میں دن گزارنے لگا۔ سلطان جلال الدین بھی نے اس کے اکرام و اعزاز میں کوئی کمی نہ کی۔ اس کا ساتھ چھوڑ کر آنے والے سرداروں کی بھی خوب خاطر داری کی۔ وہ امراء جو تاتاریوں کے حملے کے دنوں میں یا ان کے چلے جانے کے بعد وفا شعار رہے تھے، سلطان کی خاص عنایات کے حق دار بنے اور اپنے علاقوں پر ان کی سیادت برقرار رہی، جو غداری اور نمک حرامی کے عادی تھے انہیں اپنے کرتوتوں کا مزا چکھنا پڑا۔ اس طرح چند ہی دنوں میں وہ تمام باغی اور خودسر امراء جو غیاث الدین کے دور میں سراپا فتنہ تھے، سلطان کے رعب و دبدبے اور حسنِ تدبیر کی بدولت سرنگوں ہو گئے۔ (۱۶)

فوج کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا، تیس چالیس ہزار سپاہی سلطان کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ خراسان، کرمان، اصفہان، فارس، مازندران اور دیگر کئی علاقوں پر سلطان جلال الدین کا قبضہ تسلیم کرلیا گیا اور اس سرزمین میں ایک مضبوط جہادی مورچہ تیار کرنے کے لیے حالات سازگار ہو گئے۔ خوارزم، خراسان اور ہندوستان میں جہادی مراکز قائم کرنے کی تین جاں توڑ مگر رائیگاں کوششوں کے بعد آخر کار عالی حوصلہ سلطان جلال الدین اپنی جدوجہد کے چوتھے دور میں ایک بار پھر ایک نیا مورچہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اس پُرمسرت موقع پر ان کے ایک درباری ''نور الدین منشی'' نے فارسی میں ایک قصیدہ پیش کیا جس کا مطلع یہ تھا۔

بیا جانا کہ شُد عالَم دگر بارہ خوش و خرم — بفرِّ خسروِ اعظم، الغ سلطاں جلال الدین (۱۷)

(اے زندگی! لوٹ آ، کیونکہ دنیا عظیم بادشاہ عالی مرتبت سلطان جلال الدین کی شان و شوکت کے سبب دوبارہ خوش و خرم ہوگئی ہے۔)

خوزستان کی مہم ..... کچھ عرصے بعد سلطان جلال الدین نے ''خوزستان'' کی طرف پیش قدمی کی اور اس کے دارالحکومت ''تستر'' کے محاصرے میں مصروف رہے، مگر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ موسمِ سرما اسی مشغولیت میں گزر گیا۔ بہار کی آمد پر سلطان محاصرہ اُٹھا کر ''شاہ پور خواست'' آ گئے اور ایک ماہ تک یہیں مقیم رہے۔ (۱۸)

عالمی صورتحال ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ دریائے سندھ کی جنگ کے کچھ عرصے بعد چنگیز خان خراسان میں سہ بارہ قتل عام کراتا ہوا چین کی طرف لوٹ گیا تھا، وہاں ''ہیا'' کے باغیوں کی سرکوبی اور دیگر مہمات نے اسے چند سال تک اسلامی ممالک میں دوبارہ پیش قدمی کا موقع نہ دیا۔ تاتاری یلغار کے اس طرح عارضی طور پر رک جانے کے بعد خراسان، ایران اور عراقِ عجم کے تباہ شدہ شہروں میں ایک بار پھر زندگی کی رمق دکھائی دینے لگی تھی اور فرار یا روپوش ہونے والے بہت سے لوگ اپنے آبائی شہروں کے کھنڈرات میں دوبارہ آ بسے تھے، مگر اب ان کی تعداد سابقہ آبادی کا چند فیصد بھی نہ تھی۔ مثلاً ہرات ہی کو لے لیجئے، تاتاریوں کے حملے سے پہلے اس کی آبادی لاکھوں کے حساب سے تھی،

مگران کے ہاتھوں پامال ہونے کے بعد پندرہ سال تک اس عظیم شہر کی آبادی چالیس نفوس سے متجاوز نہ ہو سکی۔ (۱۹)
سلطان جلال الدین کے زیر قبضہ موجودہ علاقے بھی زیادہ تر ایسے ہی برباد شدہ شہروں پر مشتمل تھے، جہاں معدودے چند افراد دوبارہ آشیانے بنا چکے تھے، مگران کھنڈرات کے مغرب میں عالمِ اسلام کا نصف حصہ آبادی اور وسائل سے بھرپور تھا جس کی طرف تاتاری حملہ آوروں کی حریصانہ نگاہیں لگی ہوئی تھیں۔ سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے تمام مقدس مقامات اور مذہبی مراکز انہی علاقوں میں تھے اور یہ بات تاتاری بھی بخوبی جانتے تھے کہ جب تک مسلمانوں کے یہ مراکز آباد ہیں اس قوم کو ختم کرنا محال ہے۔

سلطان کا نظریۂ اتحادِ ملّی ..... عالمِ اسلام میں اس وقت سلطان جلال الدین وہ واحد حکمران تھے جو تاتاریوں کے عظیم فتنے کی تباہ کاریوں سے سب سے زیادہ واقف، ان کی مکاریوں سے سب سے زیادہ آگاہ اور میدانِ جنگ میں ان کو مُنہ توڑ جواب دینے کی سب سے بہتر صلاحیت رکھتے تھے۔ وقت کی آواز پر ہمہ تن گوش رہتے ہوئے وہ اس بات کو نہایت ضروری خیال کرتے تھے حرمین شریفین اور باقی ماندہ مسلم ملکوں کی حفاظت کے لیے ایک متحدہ محاذ بنایا جائے۔ اس اتحادی طاقت کو تاتاریوں کے مقابلے میں بہترین طور پر استعمال کرنے لیے ان کے ذہن میں ایک عجیب منصوبہ تھا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سرحدوں سے لے کر بحیرہ اسود کے ساحل تک ہلالی شکل کی ایک طویل دفاعی دیوار تیار کی جائے جو بیک وقت ہندوستان، فارس، بغداد، شام، حجاز، مصر اور ایشیائے کوچک کی مسلم آبادیات کا حصار بن سکے۔

اس عظیم کام کے لیے بے شمار وسائل اور لامحدود مالی وافرادی قوت درکار تھی۔ بے سروسامانی کے عالم میں اس منصوبے کا نقشہ بنانے والے سلطان جلال الدین کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے مسلمان حکمرانوں کا تعاون حاصل کرنا ناگزیر تھا۔ چونکہ خلافت بغداد کو عالمِ اسلام میں مرکزی حیثیت حاصل تھی، اس لیے سلطان کا خیال تھا کہ اگر خلیفہ ناصر سابقہ رنجشیں فراموش کر کے ان کی امداد پر رضامند ہو جائے تو پھر اردگرد کی مسلم حکومتیں بھی حالات کی سنگینی کا اندازہ کر کے ان کے ساتھ تعاون میں پس وپیش نہیں کریں گی۔ اس خیال کے پیش نظر سلطان نے خلیفہ سے براہِ راست رابطہ کرنا ضروری سمجھا تاہم موسم سرما شروع ہو چکا تھا اس لیے وہ مناسب دنوں کے منتظر رہے۔

دربارِ خلافت میں سفارت کی روانگی اور ناکامی ..... سلطان نے موسم سرما تستر میں گزارا، آمد بہار ہوئی تو ''شاہ پور خواست'' آکر ایک ماہ قیام کیا اور آخر ماہ صفر ۶۲۱ھ (مارچ ۱۲۲۴ء) میں جبکہ موسم بہار اپنے جوبن پر تھا، بغداد کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ خلیفہ ناصر سے گفت وشنید کر کے باہمی تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ (۲۰)

بغداد کے قریب پہنچ کر سلطان نے ضیاء الملک کو اپنا ایلچی بنا کر دربارِ خلافت میں بھیجا۔ (۲۱) ضیاء الملک نے خلیفہ کی خدمت میں سلطان کی آمد کا مقصد اور اس کا پس منظر بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا اور خلیفہ کو سلطان کی نیک نیتی کا یقین دلانے کی کوشش کی، مگر افسوس کہ خوارزم کے کم وبیش ایک کروڑ مسلمانوں کا خون بہہ جانے کے بعد بھی خلیفہ کے دل میں برباد شدہ مملکت خوارزم کی نفرت اسی طرح موجود تھی۔ علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کے بعد بھی عالمِ اسلام کا پیشوا اس کی اولاد اور مسلم رعایا پر رحم کھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

خلیفہ کی برافروختگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کچھ دنوں پہلے سلطان کے ہراول دستوں کے سالار ایلچی جہان پہلوان نے ایران کے علاقے خوزستان پر حملہ کیا تھا جو دربارِ خلافت کے زیر سایہ سمجھا جاتا تھا، اگرچہ سلطان نے خوزستان کی

شکست خوردہ فوج سے بھی اچھا سلوک کیا تھا اور اس لڑائی کے تمام گرفتار شدگان کو فوراً رہا کر دیا تھا مگر اس جھڑپ سے بغداد اور خوارزم کے پرانے اختلافات پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ نے سلطان کے پیام صلح و تعاون کو قابل اعتناء نہ سمجھا بلکہ سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے ترک سپہ سالار ''قشتمور'' کو بیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کر دیا، ساتھ ہی حاکم اربیل مظفر الدین کوکبری کو نامہ بر کبوتروں کے ذریعے یہ فرمان بھیجا کہ وہ دس ہزار سپاہیوں کو لے کر دوسری سمت سے سلطان پر یلغار کرے تاکہ سلطان کو دونوں جانب سے گھیر لیا جائے۔ نیز خلیفہ نے قشتمور کو بھی یہ ہدایت کی کہ وہ مظفر الدین کی آمد سے پہلے جنگ کا آغاز نہ کرے۔

خلافتی افواج کی یلغار..... سلطان جلال الدین بغداد کے باہر پڑاؤ ڈال کر خلیفہ کے جواب کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے کہ انہیں بغدادی افواج کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ سلطان جنگ کے ارادے سے آئے تھے نہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار تھے۔ ان کے پاس صرف اپنی رفاقت اور حفاظت کے لیے دو ہزار سپاہیوں کا دستہ تھا۔

سلطان کا پیام..... تصادم سے بچنے کے لیے سلطان نے ایک بار پھر غلط فہمیاں دور کرنے کی کوشش کی اور قشتمور کے پاس ایلچی کی معرفت یہ پیغام بھیجا:

''میں لڑنے کے ارادے سے نہیں آیا، خلیفہ کا مہمان بن کر حاضر ہوا ہوں۔ مہمان کے ساتھ ایسا سلوک بے مروّتی ہے۔ اس جانب ہماری آمد کا مقصد صرف یہ ہے کہ امیر المؤمنین ناصر کے سایۂ عاطفت کی پناہ حاصل کریں۔ اس وقت بلادِ اسلامیہ کو تاراج و برباد کرنے والے طاقتور دشمن نے ہر طرف غلبہ پا لیا ہے اور کوئی لشکر اس کے مقابلے کی سکت نہیں رکھتا۔ اگر خلیفۃ المسلمین میری مدد فرمائیں اور مجھے ان کی رضامندی کی پشت پناہی حاصل ہو تو میں اس گروہِ تاتار سے مقابلہ کرنے اور اس کو مار بھگانے کا ذمہ لیتا ہوں۔''[۴۲]

لڑائی کا آغاز..... قشتمور پر سلطان کی درخواست کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اسے خلیفہ کی جانب سے جنگ کے واضح احکامات مل چکے تھے، اب اس کے لیے سلطان کی باتوں پر کان دھرنا بے معنیٰ تھا۔ تاہم خلیفہ کی تاکید کی بنا پر وہ مظفر الدین کوکبری کی آمد کا انتظار کر رہا تھا، جب مظفر الدین کی فوجوں کے پہنچنے میں دیر ہو گئی تو قشتمور نے یہ سوچ کر کہ سلطان کے مٹھی بھر ساتھیوں کو روندنے کے لیے اس کے بیس ہزار سپاہی کافی ہیں، حملے کا حکم دے دیا۔ قشتمور کی فوجیں گرد کے بادل اُڑاتی ہوئی آگے بڑھیں۔ سلطان جلال الدین سمجھ گئے کہ اب مقابلہ ناگزیر ہے، دس گنا زائد دشمن کو دیکھ کر وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے، بلکہ اپنے ڈیڑھ ہزار سپاہیوں کو انہوں نے کچھ فاصلے پر گھات میں بٹھا دیا اور خود پانچ سو جانبازوں کے ساتھ صف بنا کر حریف افواج کے بالمقابل جا کھڑے ہوئے۔

سلطان کے ساتھ صرف پانچ سو سپاہی دیکھنے کے بعد قشتمور کی جلد بازی اور بے صبری آخری حدود کو پہنچ گئی۔ اپنی دانست میں چند لمحوں کے اندر اندر سلطان کو گرفتار کر کے خلیفہ کی نظرِ کرم کا مستحق بننے کا خواب دیکھتے ہوئے قشتمور طوفانی انداز میں ان مٹھی بھر حریفوں پر حملہ آور ہو گیا۔

جنگ کا انجام..... سلطان اجلال الدین نے بغدادی افواج کے مقابلے میں شہد کی مکھی کی طرح ڈنک مار کر پیچھے ہٹنے کا انداز اپنایا۔ حریف فوج کے قلب اور دائیں و بائیں پہلو پر چند جارحانہ حملے کرنے کے بعد سلطان نے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق پسپائی اختیار کی۔ قشتمور نے یہ خیال کر کے کہ سلطان جلال الدین فرار ہو رہے ہیں، پوری تیزی

سے ان کا تعاقب کیا۔ سلطان پیچھے ہٹتے ہٹتے اپنے مخالفین کو ان گھاٹیوں اور پہاڑیوں میں لے آئے جہاں ان کے پندرہ سو سپاہی مورچہ زن تھے۔ خلافتی افواج کو یہاں پہنچتے ہی تیروں اور پتھروں کی بارش کا سامنا کرنا پڑا۔ اس اچانک افتاد سے ان میں بھگدڑ مچ گئی۔ قشتمور نے یہ گمان کر کے کہ سلطان کا اصل لشکر تعداد میں بہت زیادہ ہے، واپس مڑنے کی کوشش کی، مگر اسے زندہ بچ کر نکلنا نصیب نہ ہوا۔ اس دوران مورچوں میں چھپے ہوئے خوارزمی سپاہی شمشیر بکف ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ ادھر سلطان جلال الدین بھی پلٹ کر حملہ کر چکے تھے اور بغدادی لشکر یہ دیکھے بغیر کہ ان حملہ آوروں کی تعداد کتنی ہے، پوری رفتار سے بغداد کی طرف بھاگ رہا تھا۔ ان کی بدحواسی سے محظوظ ہوتے ہوئے سلطان جلال الدین اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ ان کا تعاقب کرتے رہے اور بغداد شہر تک ان کو ہانکتے چلے گئے۔ [۴۳]

خلیفہ کی بدحواسی ..... قشتمور کی ہلاکت اور خلافتی افواج کی رسوا کن شکست کی خبر سے خلیفہ ناصر بے حد سراسیمہ ہو گیا۔ اس نے بغداد کے آہنی پھاٹک بند کرا کر زبردست پہرے مقرر کر دیے اور منجنیقیں نصب کرا دیں۔ دس لاکھ دینار کے عظیم خرچ سے کی جانے والی یہ دفاعی تیاریاں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ شاید بغداد پر کسی بہت بڑے لشکر نے چڑھائی کر دی ہے [۴۴] مگر سلطان جلال الدین کے پاس کوئی بڑا لشکر تھا نہ ان کا بغداد پر چڑھائی کا ارادہ تھا۔ وہ خلافتی افواج کو ان کے گھر کا راستہ دکھا کر واپس لوٹ آئے۔

بعقوبا اور دقوقا پر قبضہ ..... سلطان اس وقت اپنی چھاؤنی سے سینکڑوں میل دور تھے ...... خوراک و رسد کی کمیابی، بار برداری اور سواری کے جانوروں کی قلت اور ضرورت کے مطابق اسلحہ نہ ہونے کے باعث ان کے سپاہیوں کی حالت بہت دگرگوں ہو چکی تھی، اس حالت میں بغدادی افواج کا اچانک پھر سے آپڑنا یا ان کے کسی اور حلیف کی جانب سے حملہ قطعاً بعید نہ تھا۔ ظاہر ہے ایسی کوئی صورتحال سلطان کے لیے مہلک ثابت ہو سکتی تھی۔ مجبور ہو کر انہوں نے بغداد سے سات فرسخ کے فاصلے پر واقع قصبے ''بعقوبا'' پر قبضہ کیا......اور وہاں سے رسد کا سامان اور سواری کے گھوڑے اور خچر حاصل کر لیے۔

بعد ازاں سلطان کا گزر ''اربیل'' کے راستے میں پڑنے والی آبادی ''دقوقا'' سے ہوا، یہاں کے لوگوں میں یہ پرچا ہو چکا تھا کہ سلطان اور ان کے ساتھی خلافت کے باغی ہیں، چنانچہ اہل شہر نے فصیل پر چڑھ کر سلطان کو گالیاں دیں۔ سلطان نے شہر کا محاصرہ کر کے ایک ہی ہلے میں اس پر قبضہ کر لیا۔ سلطان کے سپاہی گالیاں سن کر سخت طیش میں تھے، اس لیے سلطان کے روکتے روکتے بھی بہت سے لوگ ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ [۴۵]

حاکم اربیل سے جھڑپ اور صلح ......اسی دوران سلطان کو اطلاع ملی کہ اربیل کا حاکم مظفر الدین کوکبری دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے آرہا ہے۔ سلطان جلال الدین اپنے جانثاروں کے ساتھ اربیل کے راستے میں ایک پہاڑ کے عقب میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ مظفر الدین کوکبری کی فوج جب یہاں سے آگے نکل گئی تو عقب سے دفعتہً حملہ کر دیا۔ مظفر الدین گرفتار کر لیا گیا اور اس کے سپاہی بدحواس ہو کر بھاگ نکلے۔

مظفر الدین کوکبری ایک شریف، تجربہ کار اور دلیر انسان تھا، اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے سالار کی حیثیت سے تیسری صلیبی جنگ میں اپنی بہادری کے خوب جوہر دکھائے تھے، اب وہ عمر رسیدہ ہو چکا تھا۔ جب اسے سلطان جلال الدین کی خدمت میں لایا گیا تو سلطان نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا اور شاہانہ اعزاز و اکرام سے

نوازا۔ مظفرالدین نے اپنے قصور پر ندامت کا اظہار کیا۔ سلطان نے درگزر سے کام لیا، ساتھ ہی کردی ڈاکوؤں سے حجاج کرام کے تحفظ کے لیے اس کی کامیاب کوششوں پر اس کی تعریف کی۔ مظفرالدین سلطان کے کریمانہ اوصاف سے بے حد متاثر ہوا، وہ بصد اصرار سلطان کو اپنے شہر لے گیا (۲۶) جہاں سلطان بطور مہمان کچھ عرصہ مقیم رہ کر اس کی مخلصانہ خدمات وخاطر ومدارات سے لطف اندوز ہوئے۔ (۲۷)

عزمِ نو..... خلیفہ ناصر کی بے مروّتی کا مشاہدہ کرنے کے بعد بھی سلطان جلال الدین مایوس نہ ہوئے۔ انہوں نے ملک وقوم کے دفاع کے لیے خود اپنے زورِ بازو میں اضافہ کرنے کی حکمت عملی اپنائی۔ اپنے دائرہ کار کو وسعت دیتے ہوئے انہوں نے شمالی عراق سے لے کر آذربائیجان تک پھیلی ہوئی ان چھوٹی چھوٹی متعدد ریاستوں پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی جن کے حکمران تاتاریوں کے حلیف اور باج گزار تھے اور ان سے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں مدد ملنے کی کوئی امید نہ تھی، بلکہ یہ خطرہ ہر آن موجود تھا کہ وہ اس نوتشکیل جہادی قوت کی پشت میں خنجر ثابت ہوں گے۔

مراغہ پر قبضہ..... آذربائی جان جاتے ہوئے راستے میں سلطان کو مراغہ شہر کے بعض رؤساء کے خفیہ خطوط ملے، جن میں انہیں مراغہ پر قبضے کی دعوت دی گئی تھی۔ دراصل بات یہ تھی کہ مراغہ تبریز کے حاکم ازبک مظفر کے ماتحت تھا مگر وہ عیاش انسان ایک طرف تاتاریوں کا نمک خوار تھا تو دوسری طرف گرجستان کے عیسائیوں سے دبتا تھا۔ چنانچہ بہت سے رؤسائے شہر سلطان جلال الدین کی ماتحتی میں آنا چاہتے تھے۔ ان کی دعوت پر جمادی الثانیہ ۶۲۲ھ (جولائی ۱۲۲۵ء) میں سلطان جلال الدین نے مراغہ پر حملہ کیا اور چند دن کے محاصرے کے بعد شہر کو فتح کر لیا۔ مسلسل حوادث اور بدامنی نے شہر کو زیروزبر کردیا تھا۔ سلطان کے حکم سے تباہ حال شہر کی ازسرنو مرمت اور تعمیر کا کام بحسن وخوبی تکمیل کو پہنچا۔ (۲۸)

مسلم حکمرانوں سے روابط کا آغاز..... خلیفہ کی امداد سے ناامید ہونے کے بعد سلطان جلال الدین شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کررہے تھے کہ عالمِ اسلام کے دیگر حکمرانوں سے براہِ راست روابط بڑھائے جائیں تاکہ یہ باہمی اتحاد آئندہ چل کر دشمنانِ اسلام کے سامنے سدِّ سکندری بن سکے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آذربائیجان اور اس کے بعد گرجستان پر یلغار کا منصوبہ ترتیب دے رہے تھے۔ چونکہ ان کے پڑوسی مسلم حکمران جوان کے باپ کی نت نئی مہمات سے سہمے رہتے تھے، اب ان کی فتوحات کو بھی اسی زاویے سے دیکھنے لگے تھے اس لیے سلطان انکی غلط فہمیاں دور کرکے انہیں اپنے مقصد اور منصوبے سے آگاہ کرنے کے خواہش مند تھے اور اپنا دردِ دل ان کے سامنے رکھنا چاہتے تھے۔ (۲۹)

علاؤالدین کیقباد (سلطان روم) سے اتحاد..... جمادی الاخریٰ کے اواخر میں جبکہ سلطان مراغہ ہی میں مقیم تھے، انہوں نے اپنی مملکت کے قاضی القضاۃ مجیرالدین عمر بن سعد الخوارزمی کو اپنا سفیر بنا کر خیر سگالی کے مراسلے کے ساتھ ایشیائے کوچک، شام اور مصر کے دورے پر بھیجا۔ سلطان کے مکتوب میں دوطرفہ تعلقات کو مضبوط بنانے سے متعلقہ امور کے علاوہ فرمانرواؤں کو یہ اطلاع بھی دی گئی تھی کہ سلطان جلال الدین نے آذربائی جان فتح کرلیا ہے اور اب وہ جہاد کے لیے گرجستان کا رخ کرنے والے ہیں۔ (۳۰)

ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کا باعظمت فرماں روا علاؤالدین کیقباد حکومت کررہا تھا، اس کے نام سلطان کے طویل مراسلے کا مکمل ترجمہ درج ذیل ہے:

مکتوبِ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ منکبرتی..... بنام سلطان روم علاؤالدین کیقباد سلجوقی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحیت وسلام کے اوراد کی وہ برکتیں اور ثنا ومدائح کے وہ لطائف جن سے عقیدے کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی مشامِ دل کو حاصل ہوتی ہے اور محبت ودوستی کی عمارتیں مضبوط ہوتی ہیں، ہر وقت سلطانِ معظم، جمشیدِ زمانہ، ذوالقرنینِ وقت، علاءُ الدنیا والدین، قطب الاسلام والمسلمین، فلک المعالی، ظل اللہ فی العالمین، افتخارِ آل سلجوق، ملک الملوک والسلاطین، برہان امیر المؤمنین (سلطان علاؤ الدین) کی مجلس پر نازل وشامل رہیں۔

اجتماع کی سعادت اور ملاقات کی عزت حاصل کرنے کی آرزو جو ہر حالت میں باقی رہے گی اتنی مختصر نہیں کہ قلم اپنی تیز رفتاری کے باوجود اس کا بیان احاطۂ تحریر میں لا سکے۔ اَلْخَطُّ لَایُغْنِی بِمَا لَایَنْفَد (خط اس بات سے بے نیاز نہیں کرتا جو ختم نہ ہوتی ہو۔)

اگرچہ اس سے پہلے زمانہ کے تغیر وانقلاب کی بدولت خط وکتابت کا دروازہ جس سے جدائی کے زمانہ میں دوستوں کو تسلی ہوتی ہے، بند رہا، لیکن آج کے بعد سے بیگانگی کا حجاب دور کرنے اور مودّت و یگانگی کا باب کھولنے کی کوشش کرنا چاہئے۔ اور جانبین سے تَمَسَّکْ اِنْ ظَفَرْتَ بِوُدِّ حُرٍّ، فَاِنَّ الْحُرَّ فِی الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (اگر تم کسی شریف آدمی کی دوستی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسے مضبوطی سے تھام لو، کیونکہ شریف آدمی دنیا میں تھوڑے ہیں۔) والے مقولے پر عمل کرنا چاہئے۔ خدا کا شکر واحسان ہے کہ جہاد وجنگجوئی کی سنت پر عمل پیرا ہونے میں ہماری اور آپ کی شرکت ثابت ہے۔ اسی طرح دین وملت میں بھی ہم دونوں موافق ہیں اور ''اَوْلَی النَّاسِ بِوُدِّکَ وَ خُلَّتِکَ مَنْ وَافَقَکَ فِیْ دِیْنِکَ وَ مِلَّتِکَ. ''(تیری محبت ودوستی کا سب سے زیادہ مستحق وہ شخص ہے جو دین وملت میں تیرے موافق ہے۔)

بادشاہانِ مغرب میں آپ کی ذاتِ گرامی سرحدوں کی روک تھام اور اہل کفر وفجور کے قلع وقمع کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ میں دیارِ مشرق میں شمشیر آبدار سے کفار کے فتنہ وفساد کی آگ بجھاتا رہتا ہوں۔ اگر ہم آہنگی کی ایسی علامات کے باوجود ہم نے باہمی تعلقات اور دوستانہ مراسم قائم رکھنے اور نباہنے کی کوشش نہ کی اور منافع کے حصول اور نقصانات سے بچاؤ کے لیے باہم حصہ دار اور شراکت دار نہ بنے توفَاَیَّ النَاسِ نَجْعَلُهٗ صَدِیْقًا وَ اَیَّ الْاَرْضِ نَسْلُکُهٗ اِرْتِیَادًا. (بھلا پھر کس کو دوست بنائیں گے اور کسی زمین پر چادر لٹکا کر......یعنی بےفکری سے......چل سکیں گے!)

یہ مراسلہ شہر مراغہ میں جو آج کل فتح وظفر کے پرچموں کا مرکز ہے اواخر جمادی الثانیہ میں لکھا جارہا ہے۔ الحمد للہ! آنجناب کی تائید دولت وبرکت سے ہمارے ملک کا حال لاکھ لاکھ حمد اور شکر کا مستحق ہے۔ کامرانی کے اسباب اور جہانبانی کے ذرائع اجتماعِ امت، باہمی اتفاق اور اکابرِ ملوک وسردارانِ ملک کی اطاعت کی صورت میں مہیا ہیں۔ ملکِ موروثی قبضہ میں ہے اور (مزید) فتوحات جاری ہیں۔ جس زمانہ میں ہم ان ممالک سے غائب رہے ہندوستان کے شہروں سے ایک وسیع وعریض مملکت ہمارے کارکنوں

کے قبضہ میں آ گئی۔

ہمارا عزم وارادہ ہمیشہ اعدائے دین سے انتقام لینے اور اہل اسلام کے دلوں کو تشفی دینے کے لیے وقف رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنجناب ہمارے ملک و دولت کی سرسبزی و رونق پر جس سے رعایا کی راحت اور کارکنوں کی استقامت وابستہ ہے، کس درجہ خوش وخرم ہوں گے، اسی طرح جو سعادت آپ کو حاصل ہوئی ہے اس میں ہم اپنے آپ کو شریک اور حصہ دار خیال کرتے ہیں۔

فی الحال صدر معظم، عالمِ مجتہد، قوام الملک، مجیر الملۃ والدین، شرف الاسلام والمسلمین، علامۂ زمان، دانشمندِ دوران، فخرِ خوارزم وخراسان، قاضی القضاۃ مما لک، ابوالملوک والسلاطین، طاہر...... ادام اللہ تائیدہٗ...... جو سلسلۂ اکابر کے نفیس ترین جوہر ہیں اور گروہِ اہل فخر کا خلاصہ ہیں اور قدمائے ملک واعیانِ دولت میں سے مخصوص تقرب وامتیاز کے ساتھ مشرف ہیں، اس کے علاوہ اہم معاملات میں انہی کے مشورے پر اتفاق کیا جاتا ہے...... وہ آپ کی جانب روانہ کیے جارہے ہیں۔ ان کی زبانی وہ تمام پیام گوش گزار ہوں گے جن سے راہِ محبت کشادہ ہوگی، بیگانگی اور اجنبیت کا غبار دل کے آئینے سے صاف ہوجائے گا اور ہماری دوستی کا معیار جو آپ پر روشن ہے، پورے خلوص کے ساتھ واضح ہوجائے گا...... اس طرح کہ آج کے بعد سے جانبین سے ایلچیوں اور قاصدوں کی آمد ورفت پیہم جاری رہے گی۔ مناسب ہوگا کہ آں محترم بھی (قاضی صاحب کی زبانی) ان باتوں کو جو ہمیشہ ملوک وسلاطین کے کانوں تک پہنچتی رہتی ہیں، قبولیت کے گوش سے سنیں اور جو کچھ وہ [۳۱] کہیں اور بیان کریں...... اسے ہمارا ہی کہا ہوا اور ہمارا ہی پیام خیال فرمائیں۔ امید ہے کہ وہ اپنی معروضات سے ہمارے مراسمِ خلوص و دوستی کی کیفیت وکمیت نہایت صفائی اور نیک نیتی سے واضح کریں گے۔ والسلام

سلطان علاؤ الدین کیقباد کا جواب...... قاضی القضاۃ مجیر الدین طاہر خوارزمی جب یہ مکتوب لے کر سلطان علاؤ کیقباد کے دربار میں پہنچے تو ان کی زبردست پذیرائی ہوئی۔ سلطان کیقباد نے ان کا بے حد اعزاز واکرام کیا اور کچھ مدت مہمانی کے بعد سلطان جلال الدین کے نام اپنا مراسلہ دے کر ان کو رخصت کیا۔

سلطان علاؤ الدین کیقباد کے اس مکتوب کے متن کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

مکتوبِ سلطان علاؤ الدین کیقباد...... بنام سلطان جلال الدین خوارزم شاہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فخر ومباہات کے جوہر اور بلند واعلیٰ مناقب واوصاف سلطان معظم، شہریارِ بنی آدم، سکندرِ دوئم، صاحبِ قرآن، عالم، علاء الاسلام والمسلمین سلطان جلال الدین کی ذاتِ شریف میں ودیعت فرمائے ہیں اور نہایت صحیح و درست دلائل کے ساتھ لطف کی گراں قدر خوبیاں عطا کی ہیں، اس لیے اس قاعدے سے کہ لَیْسَ مِنَ اللّٰہِ بِمُسْتَنْکَرٍ اَنْ یَجْمَعَ الْعَالَمَ فِیْ وَاحِدٍ. (یہ بات اللہ سے کچھ بعید نہیں کہ وہ ایک شخص کے اندر ساری دنیا بھر کی خوبیاں جمع کردے۔) اللہ تعالیٰ نے یہ بھی چاہا کہ موانست ومیلانِ باہمی کی ابتدا اور اشتیاق وتوجہ کی سلسلہ جنبانی بھی آں محترم کی طرف سے

ہوتا کہ دلنوازی اور دوست داری کی تمام قسمیں اور لطف وعنایان کے سارے وصف آں جناب کو مہیا و میسر ہو جائیں۔ اَبیَ الفَضلُ اِلَّا اَنْ یَکُونَ لِاَھْلِہٖ.

(فضیلت انہی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کے اہل ہوں۔)

اسی قاعدے کی بنا پر آپ نے اس مخلص کے ساتھ مراسلت کا افتتاح فرمایا اور دوستی کی بنیاد ڈالنے میں سبقت کی۔ جب آپ کا خط جو سرمایۂ فخر ومباہات ہے پہنچا تو جو شوق پہلو میں پوشیدہ تھا سینے میں مشتعل ہو گیا اور سوزِ محبت کا شعلہ ثریا تک جا پہنچا۔

وَاَبرَحُ مَا یَکُونُ الُوفَ یَوْمٍ اِذَا دَنَتِ الخِیَامُ مِنَ الخِیَامِ.

(جب محبوب کے خیمے ہمارے خیموں کے قریب آ جاتے ہیں تو یہ تھوڑا سا فاصلہ ہزاروں دنوں کی مسافت کی مانند تھکا دینے والا ہوتا ہے۔)

اللہ علیم ہے کہ جب سے ملعون کافروں سے انتقام لینے اور اہلِ دین کے قلوب کو تسلی دینے کے لیے آپ کے فتح مند پرچموں کا مسلسل حرکت میں آنا معلوم ہوا ہے، خصوصاً سلطان معظم کی عالی ہمتی اور کامرانی کی بشارت کا علم ہوا ہے، تب سے لحظہ بلحظہ ملاقات کا شوق بڑھتا جاتا ہے اور مراسلت کی آرزو ترقی کرتی جاتی ہے، مگر یہ بات آپ سے پوشیدہ نہ ہوگی کہ اس مخلص کو ہمیشہ گرما دسرما کا سفر چاروں طرف تلوار کے سائے میں طے کرنا اور جہاد کرنا پڑتا ہے (سلطان علاؤالدین کیقباد اس دور میں یورپی حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہا تھا) اور یہی بات جو آپ نے مراسلۂ گرامی میں بیان فرمائی اور اسے باہمی ہم آہنگی کی علامات میں شامل فرمایا میری طرف سے عذر کے لیے کافی ہے۔

دوسرے یہ کہ خدائے عز وجل نے افتتاحِ رسم ومراسلت کا شرف آں محترم کو عطا فرمایا ہے تو یہ الطاف وعواطف (یعنی ملاقات میں پیش قدمی) بھی آپ ہی کے حصے میں رکھے ہیں۔ اس کے خلاف جرأت کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ اب جبکہ آپ نے تعلقات کی وسعت کی اجازت عطا کی ہے یقین ہے کہ متواتر مراسلات سے آپ کو زحمت نہ ہوگی۔

صدر کبیر، عالم، مجیر الدولۃ والدین، ظہیر الاسلام والمسلمین، نصیر الملوک والسلاطین، صدرِ صدور خوارزم وخراسان، افتخارِ جہان، علّامہ طاہر پہنچے اور ان کے ذریعے سے پیامہائے گرامی اور مراسلۂ مبارک وصول ہوا۔ اس کے مطالعہ سے ان کے الطافِ عمیمہ کی بیاضِ خلوص نمایاں ہوئی اور علّامہ موصوف نے اپنے چند روزہ قیام میں سب کے دل شاہانہ بلند خیالیوں کے ذکر سے جیت لیے اور جان و روح کی تقویت پہنچائی۔

جواب کے لیے امیر سپہ سالار صلاح الدین خدمت گرامی میں باریابی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے مامور ہوئے۔ قوی امید ہے کہ جب ملازمت و باریابی سے مشرف ہوں تو جو کچھ یہ کہیں اور بیان کریں آپ اس پر بھروسہ فرمائیں اور اسے ہمارا کہا ہوا خیال فرمائیں اور محبت و دلنوازی کی جو بنیاد قائم کی ہے اسے پیہم مراسلت و دوستانہ پیام وسلام سے مضبوط کرتے رہیں۔

لَو کَانَ فِیمَا مِن کَرَمٍ فیه مزیدٌ فزَادکَ اللّٰه۔

(عزت وتکریم کے بارے میں جو کچھ خیال کیا جاتا ہے اگر اس میں زیادتی ہوسکتی ہو تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے اسے مزید بڑھادے)

تاکہ یہ مخلص طریقِ خدمت پر گامزن رہے اور مودت و یوستگی کے تعلقات مضبوط اور قائم رہیں۔ والسلام

اس سفارت سے دونوں بادشاہوں میں خط وکتابت اور دوستی والفت کے جس رشتے کا آغاز ہوا تھا وہ جاری رہا۔ جانبین سے وفود کا تبادلہ ہوتا رہا، کچھ عرصہ بعد جب سلطان جلال الدین کو تاتاریوں سے جہاد کے لیے رقم کی ضرورت پڑی تو سلطان کیقباد نے ان کی بھرپور مالی امداد کی۔ (۳۲)

حکمرانِ شام "الملک المعظم" سے تعلقات ..... مصر اور شام پر سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے برادرزادے حکومت کررہے تھے۔ الملک الکامل محمد مصر کا حکمران تھا۔ الملک الاشرف موسیٰ خلاط اور الجزیرہ کی مسند اقتدار سنبھالے ہوئے تھا۔ رُہا اور میافارقین پر الملک المظفر شہاب الدین غازی کی حکومت تھی، جبکہ الملک المعظم عیسیٰ دمشق کا حاکم تھا۔ یہ چاروں بھائی عیسائیوں سے معرکہ آزمائیوں کے ساتھ ساتھ باہمی سرحدی تنازعات پر ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑے رہتے تھے۔ خصوصاً الملک المعظم اور الملک الاشرف کے درمیان اکثر ناچاقی رہا کرتی تھی۔

الملک المعظم بعض خصوصیات کے لحاظ سے ایک منفرد حکمران تھا۔ وہ قرآن مجید کا حافظ اور فقہ میں یدِ طولیٰ رکھتا تھا۔ مذہبِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا پختہ پیروکار تھا اور اپنے عقائد کے لیے "العقیدۃ الطحاویۃ" جیسی معتمد کتاب کو معیار قرار دیتا تھا۔ شجاعت وحمیت کا مادہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ (۳۳) ۶۱۸ھ میں فرنگیوں سے دمیاط کی بازیابی میں اس کی حمیت اور جرأت کا بڑا دخل تھا۔ سلطان جلال الدین نے جن دیگر حکمرانوں کے ساتھ مراسلت ومکاتبت کے ذریعے اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی ان میں الملک المعظم کا نام قابل ذکر ہے۔ اس مراسلت میں یہ طے ہوا کہ دونوں حکمران ایک دوسرے کے مخالفین کے مقابلے میں باہمی تعاون کی راہ اپنائیں گے۔

یہ معاہدہ آذربائی جان میں ہوا جس کے لیے الملک المعظم نے سلطان جلال الدین کی خدمت میں اپنے دربار کے ایک معزز رکن صدر البکری کو سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ (۳۴)

چونکہ پہلے سے الملک الاشرف اور المعظم کے درمیان تنازعہ چلا آرہا تھا، اس لیے خود بخود اس معاہدے اور اتحاد کی زد اشرف پر بھی پڑ رہی تھی۔ (۳۵) اسی وجہ سے الملک الاشرف سلطان جلال الدین سے ناراض ہوگیا اور اس کے اور سلطان جلال الدین کے درمیان کبھی خوشگوار تعلقات قائم نہ ہوسکے۔

المعظم کی سلطان سے عقیدت ..... الملک المعظم کو سلطان جلال الدین سے اس قدر عقیدت ہوگئی تھی کہ وہ سلطان کی دی ہوئی خلعت بڑے اہتمام سے زیب تن کیا کرتا تھا اور بڑے فخر سے سلطان کے عطا کردہ گھوڑے پر سواری کیا کرتا تھا۔ الملک الاشرف سے گفتگو کے درمیان وہ اکثر کسی بات پر زور دینے کیلئے یوں کہا کرتا: "وحیاۃِ رأس السلطان جلال الدین" (سلطان جلال الدین کی زندگی کی قسم)

اشرف یہ الفاظ سن کر بہت جھنجھلاتا، مگر معظم کو پروانہ ہوتی۔ (۳۶)

خلیفہ کے متعلق المعظم سے سلطان کی مکاتبت ..... سلطان جلال الدین خلیفہ ناصر کی بدسلوکی اور فتنہ پروری سے سخت نالاں ہو چکے تھے، ایک بار ان کے جی میں آئی کہ کیوں نہ الملک المعظم کے ساتھ مل کر خلیفہ کے خلاف فوج کشی کی جائے تا کہ اس فتنہ پرور شخص سے نجات ملے۔ چنانچہ سلطان نے معظم کو لکھا:

''آیئے! میرے ساتھ متحد ہو جایئے۔ ہم مل کر خلیفہ کے خلاف اقدام کریں گے۔ میرے باپ کی ہلاکت اور اسلامی ممالک پر تاتاریوں کے حملے کا سبب وہی ہے۔ ہم نے اس کے ایسے خطوط بھی برآمد کیے تھے جس میں اس نے ترکانِ خطا کو ہمارے خلاف اُبھارتے ہوئے ان سے دستخط شدہ وعدے کیے تھے کہ انہیں حکومتیں، خلعتیں اور لشکر عنایت کیے جائیں گے۔''

الملک المعظم جانتا تھا کہ ایسا کوئی بھی اقدام عامۃ المسلمین کے حق میں مہلک ہونے کے ساتھ ساتھ خود ان دونوں کے لیے بھی بدنامی اور خسارے کا باعث ہوگا، اس لیے اس نے سلطان کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور اپنے جوابی خط میں لکھا:

''میں ہر مرحلے میں آپ کا ساتھ دوں گا، مگر خلیفہ کے خلاف کچھ نہیں کروں گا، اس لیے کہ وہ بہر حال مسلمانوں کا پیشوا ہے۔''[۳۷]

اس جواب کے بعد سلطان کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا اور خلیفہ کے متعلق انہوں نے اپنی روش دوبارہ مؤدبانہ کر لی۔

الملک المعظم کے مقاصد ..... الملک المعظم اگرچہ سلطان جلال الدین سے اتحاد کر چکا تھا اور سلطان کے اکرام و احترام میں کوئی کسر نہ چھوڑتا تھا، مگر اس کا یہ تعاون اور بھائی چارہ حقیقتاً اپنے سیاسی مفادات کے حصول کے لیے تھا۔ اپنے بھائیوں الملک الاشرف اور الملک الکامل کی دست برد سے بچنے کے لیے اس نے سلطان کی دوستی سے اپنی کمر مضبوط کر لی تھی۔[۳۸]

معظم کے تعاون اور ہمدردی کا یہ پہلو غالباً سلطان کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہ ہوگا، مگر انہوں نے بہر صورت ایک حلیف کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے معظم کی دوستی کو غنیمت ہی سمجھا، مگر آئندہ چل کر ان کو یہ دوستی بڑی مہنگی پڑی۔ سلطان کے متعلق معظم کے ذہن کا اندازہ ایک واقعے سے ہو سکتا ہے۔

ایک بار خلافت بغداد کی جانب سے کوئی صاحب سفیر بن کر الملک المعظم سے ملے اور دوران گفتگو اس سے کہنے لگے: ''میں مصلحت یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اس خارجی جلال الدین خوارزمی سے قطع تعلق کر لیں اور اپنے بھائیوں سے تعلقات قائم کریں۔ آپ کے درمیان صلح کرانے کے لیے ہم اپنی خدمات پیش کرتے ہیں۔''

الملک المعظم نے جواباً کہا: ''مجھے یہ تو بتایئے کہ جب میں سلطان جلال الدین خوارزمی سے قطع تعلق کر لوں گا اور پھر کبھی میرے کسی بھائی نے مجھ پر حملہ کیا تو کیا آپ لوگ میری مدد کریں گے؟''

سفیر نے کہا: ''ہاں! بالکل''

الملک المعظم نے یقین نہ کرتے ہوئے کہا: ''آپ حضرات کی عادت ہی نہیں کہ آپ کسی کی مدد کریں۔ یہ دیکھئے خلیفہ ناصر کے خطوط ہمارے پاس موجود ہیں۔ جب ہم دمیاط کے محاذ پر نصرانیوں سے برسرپیکار تھے تو ہم نے خلیفہ سے مراسلت کر کے اس سے مدد مانگی۔ جواب ملا کہ ہم تو الجزیرہ کے حکام کو آپ کی مدد کا کہہ چکے ہیں، مگر انہوں نے

مدد نہیں بھیجی۔''

یہ کہہ کر الملک المعظم نے کہا: ''بغداد والو! میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک آدمی تھا۔ وہ نماز کے لیے جاتا تو کتوں کے خوف سے لاٹھی ہاتھ میں تھام کر رکھتا۔ اس کے کسی دوست نے اسے کہا کہ آپ بوڑھے بزرگ ہیں، یہ لاٹھی آپ کے لیے بڑا بھاری بوجھ ثابت ہو رہی ہے، اسے رکھ دیں، میں آپ کو ایسی چیز بتاتا ہوں کہ آپ کو لاٹھی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ بوڑھے نے پوچھا: 'وہ کیا؟' کہنے لگا: 'گھر سے نکلتے ہوئے سورۂ یٰسین پڑھ لیا کریں، کتا آپ کے قریب نہیں آئے گا۔' کچھ مدت گزر گئی، اس دوست نے ایک بار پھر اسی بوڑھے کو لاٹھی سمیت دیکھا تو پوچھا: 'میں نے آپ کو ایسی چیز نہیں بتا دی تھی جو آپ کو لاٹھی سے بے نیاز کر چکی تھی۔' بوڑھا بولا: 'میاں! یہ لاٹھی ایسے کتے کے لیے ہے جو قرآن نہیں سمجھتا۔''

یہ قصہ سنا کر معظم نے سفیر سے کہا: ''میرے بھائی میرے خلاف متحد ہو چکے ہیں، اس لیے میں نے سلطان جلال الدین خوارزمی کو خلاط (جو الملک الاشرف کا علاقہ تھا) کے محاذ پر کھڑا کر دیا ہے، اگر مجھ پر میرا بھائی اشرف حملہ کرنا چاہے گا تو جلال الدین اسے روک لے گا اور اگر میرے بھائی الملک الکامل نے حملہ کیا تو اس سے میں خود نمٹ لوں گا۔''[29]

ایک نیا فتنہ اور اس کا تدارک ..... خلیفہ ناصر کی سازشی فطرت سلطان جلال الدین کو زک پہنچانے کے لیے مسلسل منصوبہ سازی کر رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اس نے امیر ''ایغان طائیسی'' کو آلۂ کار بنایا۔ ''ایغان طائیسی'' خوارزمی دربار کا ایک اہم رکن شمار ہوتا تھا۔ وہ سلطان جلال الدین کا بہنوئی اور شہزادہ غیاث الدین کا ماموں تھا۔ جن دنوں سلطان جلال الدین ہندوستان میں تھے، امیر ایغان طائیسی عراق میں اپنے بھانجے غیاث الدین کا سرپرست بن کر اس کی حکومت کی تشکیل میں تعاون کر رہا تھا، مگر تھوڑے ہی عرصے بعد ماموں بھانجے میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ ایغان طائیسی خود مختار حکمرانی کا دعوے دار بن بیٹھا تھا۔ غیاث الدین اور اس کے مابین جھڑپیں بھی ہوئیں تھیں جن میں عموماً غیاث الدین کا پلّہ بھاری رہا تھا۔

ایران وعراق میں سلطان جلال الدین کی حالیہ فتوحات کے دوران امیر ایغان طائیسی آذربائیجان میں اپنی فوج تیار کر رہا تھا۔ پانچ ہزار جنگجو اس کے ماتحت جمع ہو چکے تھے۔ اس موسم سرما میں وہ ''بحیرۂ ارّان'' کے ساحلی علاقے میں فروکش تھا۔ خلیفہ ناصر نے پیغام بھیج کر اسے ہمدان سمیت سلطان جلال الدین کے تمام مقبوضات پر حملے کے لیے اُکسایا اور کامیابی کی صورت میں اسے ان علاقوں کا خود مختار فرمانروا تسلیم کرنے کا وعدہ کیا۔

خلیفہ کی سرپرستی سے دلیر ہو کر امیر ایغان طائیسی نے اپنے لشکر کے ساتھ ہمدان کا رخ کیا۔ آذربائیجان سے لوٹے ہوئے مویشیوں کے ریوڑ اور غنائم کے انبار بھی اس کے ساتھ تھے۔ سلطان جلال الدین کو اس کی اطلاع ہو چکی تھی۔ انہوں نے برق رفتاری سے یلغار کی اور ہمدان کے نواحی پہاڑوں میں ''ایغان طائیسی'' کو جا لیا۔ سلطان کی حکمت عملی یہ تھی کہ بلا کشت وخون اس فتنے کی سرکوبی ہو جائے اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے۔

سلطان رات کے اندھیرے میں خاموشی سے ''ایغان طائیسی'' کی خیمہ گاہ کے قریب جا پہنچے۔ خیمہ گاہ کے چاروں طرف آذربائیجان اور بحیرۂ ارّان سے لوٹے ہوئے مال ومتاع کے انبار لگے ہوئے تھے، سواری اور بار برداری کے جانوروں کے ریوڑ بہت بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سلطان نے خیمہ گاہ کا گھیراؤ کر کے ان سب چیزوں پر قبضہ

کرلیا۔ صبح تڑکے ایغان طائیسی میٹھی نیند سے بیدار ہوا تو اپنے کیمپ کے اردگرد کا منظر دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اچانک اس کی نگاہ سلطان جلال الدین کے چترِ شاہی پر جا پڑی، سلطان کو پہچان کر وہ حیرت سے انگشت بدنداں رہ گیا۔ وہ اس خام خیالی میں مبتلا تھا کہ سلطان یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر دقوقا کے محاصرے میں مصروف ہیں اور اس کی حرکتوں سے بے خبر ہیں۔ بہرحال اب معافی کی درخواست ہی نجات کی ایک صورت باقی رہ گئی تھی۔ اس نے اپنی بیوی (سلطان کی بہن) کو بھیج کر جان بخشی کی التماس کی۔ سلطان نے بڑے اعزاز واکرام سے اپنی بہن کا استقبال کیا اور اس کے شوہر کی جاں بخشی کر دی۔ نیز اس کے تمام سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا اور اس کی خدمت اور حفاظت کے لیے اپنے سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے پاس چھوڑ دیا۔ (۴۰)

تبریز کی مہم ..... سلطان جلال الدین کا اگلا ہدف آذربائیجان کی ریاست تھی۔ وہاں کا حاکم ازبک مظفر بن بہلوان ایک عیش پرست انسان اور تاتاریوں کا حلیف تھا۔ چند سال قبل جب تاتاریوں نے مرو پر حملے کیا تھا تو وہاں کے شکست خوردہ چھ ہزار خوارزمی سپاہیوں نے فرار ہو کر آذربائیجان کے مرکز تبریز میں پناہ لی تھی۔ تاتاریوں نے جب ازبک مظفر سے ان خوارزمیوں کی گرفتاری کا مطالبہ کیا تو اس نے بلا تامل بعض خوارزمیوں کے سر کاٹ کر تاتاریوں کے پاس بھیج دیے تھے اور باقی ماندہ کو گرفتار کر کے ان کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اوزبک کے ان سنگین جرائم کے باعث سلطان جلال الدین سخت برافروختہ تھے اور اسے اس کے کرتوتوں کی سزا دینا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ سلطان کو یہ اطلاع بھی ملی تھی کہ اوزبک اور گرجستان کے عیسائی مل کر ان کے خلاف محاذ کھولنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

ایغان طائیسی کا فتنہ فرو کر کے سلطان مراغہ لوٹ آئے اور کچھ مدت تیاری کے بعد آذربائیجان کی طرف کوچ کر دیا۔ دریں اثناء انہیں اطلاع ملی کہ ازبک مظفر ان کے حملے سے خوفزدہ ہو کر تبریز سے فرار ہو کر گنجہ پہنچ چکا ہے۔ اس کے امراء اور اس کی بیوی بنت سلطان طغرل نے شہر کا انتظام سنبھالا ہوا ہے۔ (۴۱)

رجب ۶۲۲ھ (جولائی ۱۲۲۵ء) میں سلطان نے تبریز کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر فصیل بند ہو کر پانچ روز تک بھرپور مدافعت کرتے رہے۔ (۴۲)

بیگم بنت طغرل کا پیام ..... تبریز کے مفرور حاکم ازبک مظفر (۴۳) بن بہلوان کی اہلیہ، سلاجقہ عراق کے آخری مقتول فرمانروا سلطان طغرل بن الپ ارسلان کی بیٹی تھی۔ (۴۴) اپنے شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات کشیدہ رہا کرتے تھے۔ (۴۵) ازبک شراب نوشی اور لہو ولعب مشغول رہتا، جبکہ امورِ مملکت اس کی بیوی اور امراء انجام دیا کرتے تھے۔ (۴۶) ایک بار ازبک کے منہ سے نکل گیا: ''اگر میں فلاں غلام کو قتل کروں تو تجھے تین طلاق۔'' بعد میں وہ غلام ازبک کے ہاتھوں ہی مارا گیا۔ (۴۷) بیگم بنت طغرل نے بغداد اور شام کے ائمہ سے فتویٰ طلب کیا تو سب نے طلاق واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔ (۴۸) مگر ازبک کے پنجۂ اقتدار سے مغلوب ہو کر بے چاری بنتِ طغرل چار و ناچار اس کے ساتھ رہتی رہی۔

تبریز پر سلطان کے حملے کے دوران ایک روز بیگم بنت طغرل اپنے محل کی بلندی سے جنگ کا نظارہ کر رہی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ سلطان جلال الدین پر جا پڑی جو اپنی فوج کی کمان کر رہے تھے۔ سلطان کے خداداد جاہ وجلال، ان کی جرأت وہمت اور وقار وتمکنت کا مشاہدہ کر کے بیگم بنت طغرل نہایت متاثر ہوئی اور سلطان سے نکاح کے خواب

دیکھنے لگی۔ (۴۹) اس نے تبریز کے قاضی القضاۃ عزالدین قزوینی کے ہاں فسخِ نکاح کا دعویٰ کر کے اپنے حق میں فیصلہ لے لیا۔ (۵۰)

بعدازاں اس نے خفیہ طور پر سلطان جلال الدین کو پیام دیا کہ مجھے اپنے شوہر کی جانب سے طلاق ہو چکی ہے جس پر بغداد و شام کے علماء کے فیصلے پیشِ خدمت ہیں، میں آپ سے مصالحت کر کے شہر حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں، مگر اس سے قبل آپ مجھے اپنے مال و متاع کے ساتھ اپنی جاگیر چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ شہر پر قبضے کے بعد تشریف لا کر آپ مجھے اپنے نکاح میں قبول کر لیں۔

سلطان نے اس پیش کش کو اس شرط پر قبول کر لیا کہ بنت طغرل کو اوزبک سے طلاق ملنا ثابت کیا جائے۔ بنت طغرل نے طلاق کے گواہ بھیج دیے جنہوں نے سلطان کے روبرو حلفیہ شہادت دی کہ طلاق واقع ہو چکی ہے اور اوزبک سے نکاح ختم ہو چکا ہے۔ تب سلطان نے نکاح پر آمادگی ظاہر کر کے نشانی کے طور پر ایک بیش قیمت انگوٹھی ارسال کر دی (۵۱) بیگم بنت طغرل خوشی سے نہال ہو گئی۔ اس نے بڑی فراست سے کام لیتے ہوئے امراء کو جمع کر کے انہیں سلطان کی قوت اور انتقام سے ڈرا کر اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ بعض شرائط پیش کر کے سلطان سے مصالحت کر لیں۔

امرائے دولت نے اس تجویز کو بخوشی قبول کر لیا اور قاضی عزالدین قزوینی کو عمائد شہر کے ایک وفد کے ساتھ سلطان کے پاس بھیج دیا۔ (۵۲)

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ سلطان جلال الدین ازبک مظفر سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں کے حملے کے آغاز میں جب مغربی تاتاریوں کا لشکر سوبدائی اور جبی نویان کی قیادت میں تبریز سے گزرا تھا تو ان دنوں شکست خوردہ خوارزمی افواج کے کئی سپاہی تبریز میں پناہ لیے ہوئے تھے، تاتاریوں کے یہاں پہنچنے پر ازبک نے نہ صرف انکی باج گزاری فوراً قبول کر لی تھی بلکہ انکو خوش کرنے کے لیے اپنے ہاں پناہ لینے والے خوارزمی فوجیوں کے سر قلم کر کے ان کے پاس بھیج دیے۔ سلطان اس ظلم کو کبھی نہ بھلا سکے، اور اب تبریز کے محاصرے کے دوران وہ بار بار اپنی مجلس میں کہہ رہے تھے کہ یہی وہ اہل تبریز ہیں جنہوں نے کل ہمارے مسلمان بھائیوں کو قتل کر کے ان کے سر کافر تاتاریوں کے پاس بھیجے تھے۔

وفد کے ارکان کو سلطان کی اس برہمی کا علم ہو چکا تھا، اس لیے وہ ڈرتے ڈرتے سلطان کے پاس حاضر ہوئے اور جان کی امان طلب کی۔ سلطان نے خوارزمی سپاہیوں کے ساتھ ان کے ظلم و ستم کا تذکرہ کیا تو وفد نے معذرت کرتے ہوئے کہا:

> ''یہ ازبک کا اپنا فعل تھا، ہمارا اس جرم میں کوئی حصہ نہیں۔ ہمیں اتنی قوت حاصل نہیں تھی کہ ازبک کو اس بُرے فعل سے روک سکتے۔''
>
> سلطان نے ان کے عذر کو قبول کر لیا اور وفد کی التماس کے مطابق تمام شہریوں کی جان و مال کے تحفظ کا وعدہ کیا۔ اسکے علاوہ بیگم بنت طغرل کو اس کی جاگیر میں جانے کی اجازت دے دی۔ (۵۳)
>
> تبریز میں فاتحانہ داخلہ ..... جمعہ ۱۷ رجب ۶۲۲ھ (۲۵ جولائی ۱۲۲۵ء) کی صبح تبریز شہر کے دروازے کھول دیئے گئے۔ (۵۴) امراء، عمائدِ شہر اور ارکانِ دولت کے وفود سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر تعظیم بجالاتے رہے۔ سلطان کمالِ

بشاشت اور خندہ روئی کے ساتھ ان سے ملتے رہے۔ (۵۵) شہر میں داخل ہو کر انہوں نے حکم دیا کہ کسی شخص کو مجھ تک پہنچنے سے نہ روکا جائے۔ لوگ سلطان کی بارگاہ میں آ کر سلام عرض کرتے رہے۔ سلطان سب سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے، عدل وانصاف کے مطابق فیصلے نافذ کیے اور مزید احسانات وعنایات کا وعدہ کرتے ہوئے بولے:

''مراغہ شہر ویران ہو چکا تھا، تم دیکھ چکے ہو کہ میں نے اسے دوبارہ اچھی طرح تعمیر کرا دیا ہے۔ اب تم یہاں بھی دیکھ لو گے کہ میں کیسے عدل وانصاف کا برتاؤ کروں گا اور تمہارے شہر کو آباد کر دوں گا۔'' (۵۶)

بیگم بنت طغرل نے آذربائیجان میں اپنی ذاتی جاگیر ''خوئی'' جانے کا ارادہ کر لیا تھا، اس لیے سلطان نے وعدے کے مطابق اس کو فوج کے ایک دستے کی حفاظت میں ''خوئی'' بھیج دیا۔ (۵۷) سلطان کے معتمد ترین خادم قلیج اور ہلال اس قافلے کے نگران تھے۔ بنت طغرل کو بحفاظت خوئی پہنچا کر یہ دونوں لوٹ آئے۔ (۵۸)

سلطان جلال الدین نے تبریز میں نظام الدین طغرائی کو اپنا نائب مقرر کر دیا جو بیگم بنت طغرل کا پروردہ اور خاص وفادار تھا (۵۹) تبریز اس زمانے میں آذربائیجان کا صدر مقام ہونے وجہ سے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ اس کی فتح کے بعد اس پوری ریاست میں فتوحات کے دروازے کھل گئے۔ تبریز میں سلطان کے مختصر سے قیام کے دوران ان کی فوجیں اس ریاست کے مزید کئی مقامات پر قابض ہو گئیں اور تقریباً ساری ریاست پر خوارزمی پرچم لہرانے لگے۔ (۶۰)

سدِّ سکندری ...... ہندوستان سے واپسی کے دوسرے سال سلطان جلال الدین فارس سے آذربائیجان تک ایک وسیع علاقے پر قابض ہو چکے تھے اور ان کی قوت بڑی حد تک مستحکم ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنی دور اندیشی، فراست اور ذکاوت سے کام لیتے ہوئے سلطان کئی مسلم حکمرانوں کا اعتماد اور تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ یہ صورتحال اسلام کے بدترین دشمن چنگیز خان اور اس کے چیلوں کے لیے تعجب انگیز بھی تھی اور پریشان کن بھی۔ تاتاریوں کا خونی سیلاب جس کے ازسرنو اُمنڈنے کے آثار کچھ عرصہ قبل سے پھر ظاہر ہو رہے تھے، اپنے راستے میں ایک سد سکندری دیکھ کر تھم گیا تھا۔ اتابک سعد زنگی اور مظفر الدین کوکبری جیسے چھوٹے حکمرانوں کے ساتھ ساتھ الملک المعظم عیسیٰ اور سلطان علاؤ الدین کیقباد جیسے باعظمت اور قوی فرمانروا بھی سلطان جلال الدین کے شانہ بشانہ نظر آ رہے تھے۔ خلیفۃ المسلمین کی بے اعتنائی اور تغافل کے باوجود ان چند مسلم حکمرانوں کا اتحاد اور جذبۂ تعاون وتناصر تاتاری درندوں کے حوصلے پست کرنے کے لیے کافی تھا۔ چنگیز خان اگرچہ اپنے وطن صحرائے گوبی واپس جا چکا تھا، مگر یہاں کے حالات سے ہر کروٹ باخبر رہتا تھا۔ موجودہ صورتحال کو اپنے لیے حوصلہ شکن محسوس کرتے ہوئے اس نے عالمِ اسلام پر تازہ یلغار کے منصوبے کو کسی مناسب وقت تک کے لیے مؤخر کر دیا۔ اس کے تباہ کن سواروں کی یلغار اب چین کے باقی ماندہ علاقوں کے ساتھ ساتھ رُوس اور یورپ کی طرف ہو رہی تھی۔

عالمی نقشہ ...... اس وقت جغرافیائی لحاظ سے عالمِ اسلام اور تاتاری عملداری کا نقشہ کچھ یوں تھا کہ ''ماوراء النہر'' میں مستقل طور پر تاتاری حکومت قائم تھی۔ سمرقند اور بخارا کے کھنڈرات میں نئی آبادیاں وجود میں آنے لگی تھیں، مگر پہلے کی بہ نسبت ان کی مردم شماری عشیرِ عشیر کو بھی نہیں پہنچتی تھی۔ اس نئے معاشرے میں تاتاری آقا تھے اور مسلمان ان کے غلام تھے، مالک ومملوک میں رابطے کے لیے بعض ایسے مسلمان کارندے متعین تھے جو کبھی تاتاری مفادات کے خلاف سوچنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ خوارزم کا پایۂ تخت ''اورگنج'' تاتاری حملے میں بے نام ونشان ہو چکا تھا۔ اب

تا تاریوں کے زیرِ نگرانی اس کے بالمقابل اسی نام سے ایک نئے شہر کی تعمیر کی جارہی تھی۔

یہ تو ماوراء النہر کا حال تھا، مگر موجودہ افغانستان اور خراسان کے علاقے تا تاری حملے اور قتل عام کے بعد سے مسلسل ویران چلے آرہے تھے، کسی کو ہمت نہ تھی کہ جا کر ان کھنڈرات کو آباد کرے۔ سینکڑوں میل تک کسی انسان کا نام ونشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ لق و دق علاقے سلطان جلال الدین اور تا تاریوں کے درمیان ایک خالی میدان کی صورت میں حدِ فاصل کا کام دے رہے تھے۔ (٦١)

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشا، ج۲ص۲۱۱

② سیرۃ جلال الدین ص ۱۷۵...... نہایۃ الارب ج ۷ص ۳۶۸...... جہاں کشا، ج ۲ص۲۱۱...... ابن خلدون، ج ۵ص ۱۲۰

③ جہاں کشا جوینی، ج۲،ص۱۵۰،۲۱۳،۲۱۴...... روضۃ الصفاج۴ص۸۲۹

④ جہاں کشا، ج۲،ص۱۵۰،۲۱۳،۲۱۴...... روضۃ الصفاج۴ص۸۲۹

⑤ ابن خلدون، ج۵ص۱۲۰...... ابن اثیرج۷ص۶۰۷، ۶۰۸

⑥ ابن اثیر، ج۷ص۶۱۱

⑦ جہاں کشا جوینی ج۲ص۱۵۱...... تاریخ خوارزم شاہی ص۱۵۲

⑧ ابن خلدون، ج۵ص۱۲۰

⑨ ابن خلدون، ج۵ص۱۲۰

⑩ روضۃ الصفا، ج۴ص ۸۲۹۔ نیز بعد میں سلطان نے خراسان کی امارت بھی اسی کے حوالے کردی تھی، دیکھیے! روضۃ الصفا، ج۴ص۸۲۹اور تاریخ گزیدہ ج۱ص۵۰۲

⑪ سیرۃ جلال الدین ص۱۷۷...... نہایۃ الارب ج۷ص۳۶۸

⑫ سیرۃ جلال الدین ص۱۷۸............ تاریخ خوارزم شاہی ص۱۵۳...... ابن خلدون ج۵ص۱۲۰

⑬ سیرۃ جلال الدین ص۱۸۲...... نہایۃ الارب ج۷ص۳۶۹...... ابن خلدون، ص۱۲۰

⑭ سیرۃ جلال الدین ص۱۷۸...... تاریخ خوارزم شاہی ص۱۵۳...... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۲ حوادث ۶۱۹ھ

⑮ ابن خلدون، ج۵،ص۱۲۰

⑯ ابن خلدون، ج۵،ص۱۲۰

⑰ جہاں کشا، ج۲ص۱۵۴...... روضۃ الصفا، ج۴ص۸۲۹

⑱ جہاں کشاج۲ص۱۵۴...... ابن خلدون ج۵ص۱۲۱

⑲ روضۃ الصفا، ج۵ص۴۰

⑳ جہاں کشاج۲ص۱۵۴

㉑ ابن خلدون ج۵ص۱۲۱

㉒ جہاں کشا، ج۲ص۱۵۴...... تاریخ خوارزم شاہی ص۱۵۵

㉓ جہاں کشاج۲ص۱۵۵......

㉔ شذرات الذہب ج۵ص۹۷

㉕ ابن اثیر ج۷ص۶۱۲...... نہایۃ الارب ج۷ص۳۶۹۔ یاد رہے کہ یعقوبا اور دقوقا پر یہ قبضہ عارضی تھا، بعد میں

سلطان نے یہ شہر خالی کر دیے تھے۔

(۲۶) جہاں کشا ج۲ ص ۱۵۵

(۲۷) مظفر الدین کو کبری تیسری صلیبی جنگ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا مایہ ناز سالار رہا تھا۔ بہادری، دانش اور شرافت کا پیکر تھا۔ اس کا داد و دہش بھی مشہور ہے، مگر طبیعت کچھ بدعات کی طرف مائل تھی، جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سرکاری سرپرستی میں سب سے پہلے اسی نے فروغ دیا تھا۔

(۲۸) سیرۃ جلال الدین ص ۱۱۹۴...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ (۲۹) تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷

(۳۰) سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۴...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۹...... سلجوق نامہ ابن بی بی ص ۱۵۳ تا ۱۵۸

(۳۱) یعنی قاضی القضاۃ مجیر الدین (۳۲) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۶۲...... خوارزم شاہی، ص ۱۸۱۔

دونوں حکمرانوں کے یہ یادگار خطوط سلجوق نامہ ابن بی بی ص ۱۵۳ تا ۱۵۸ میں نقل کیے گئے ہیں۔ ابن بی بی سلطان کیقباد کے درباری تھے، لہٰذا سرکاری ریکارڈ سے خطوط کو لفظ بلفظ نقل کرنا ان کے لیے ممکن تھا۔

(۳۳) العبر ج ۳ ص ۱۹۴...... البدایۃ النہایۃ ج ۷ ص ۱۴۲

(۳۴) تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۹ ھ

(۳۵) العبر ج ۳ ص ۱۸۲ (۳۶) العبر ج ۳ ص ۱۸۹

(۳۷) سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۲

(۳۸) تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۲ حوادث ۶۱۹ ھ (۳۹) النجوم الزاہرۃ ج ۶ ص ۲۶۴

(۴۰) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ (۴۱) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۷...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۳

(۴۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ (۴۳) تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی ج ۴ ص ۲۷۵، بحوالہ الفخری، ص ۲۸۷

(۴۴) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ (۴۵) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۶

(۴۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ (۴۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹

(۴۸) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۶ (۴۹) روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۰

(۵۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۷...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷...... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۰

(۵۱) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۶ (۵۲) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۶

(۵۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶ (۵۴) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

(۵۵) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۷ (۵۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

(۵۷) ابن اثیر ج ۷، ص ۶۱۶ (۵۸) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

(۵۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴ (۶۰) ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۱۶

(۶۱) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۷...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۷

ساتواں باب

فتوحاتِ گرجستان

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ. ان سے لڑو! اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا اور ان کو ذلیل کرے گا اور تم کو ان پر غالب کرے گا اور بہت سے مسلمانوں کے دلوں کو شفا دے گا۔ (سورۃ التوبہ آیت ۱۴)

اُٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے   مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ایک نیا چیلنج ..... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین کا وجود جہاد فی سبیل اللہ کی آگ اور اللہ کے لیے جینے مرنے کے خمیر سے تیار کیا گیا تھا۔ جہاد کا ولولہ ان کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ ان کے ہر سانس اور ہر نقل و حرکت سے اسی جذبے کا اظہار ہوتا تھا۔ تاتاری طوفان کے سامنے ایک مستحکم دیوار تعمیر کرنے کے بعد بھی وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر نہ بیٹھے۔ اب بھی ان کی تلوار نیام میں مچل رہی تھی اور دشمنانِ اسلام کے خون کی پیاسی تھی۔ اگرچہ ابھی سلطان کو اتنی قوت حاصل نہیں ہوئی تھی کہ وہ تمام مقبوضاتِ اسلامیہ کو تاتاریوں کے پنجے سے چھڑا کر صحرائے گوبی تک ان درندوں کا تعاقب کرتے، تاہم حریف کے حملے سے مدافعت کی صلاحیت حاصل کر لینا اور تاتاریوں کا اس سے مرعوب ہو کر پیش قدمی کا ارادہ ترک کر دینا بھی سلطان کی بڑی کامیابی تھی۔

اس محاذ سے وقتی طور پر کسی قدر فارغ ہوتے ہی سلطان کو شمال مغرب میں اپنی روح کی تسکین کا سامان نظر آ رہا تھا۔ گرجستان کے شیطان صفت نصرانیوں کی فتنہ پرور قوت جو گزشتہ ایک صدی سے زائد عرصے سے ان علاقوں کے سرحدی مسلمانوں پر جبر و ستم کے پہاڑ توڑ رہی تھی، سلطان جلال الدین کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی تھی۔ تاتاریوں کی طاقت کا قلع قمع کرنے سے قبل ہی اس دوسرے سخت جان دشمن سے الجھنا اگرچہ بظاہر ایک خلافِ مصلحت اقدام معلوم ہوتا تھا، مگر سلطان جو کہ ان کے مظالم کی خبریں سن سن کر ایک عرصے سے کسی موقع کے منتظر تھے، اب ان کے پنجے سے مسلمانوں کو رہائی دلانے میں مزید تاخیر برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

درحقیقت گرجیوں کے عزائم اتنے خطرناک تھے کہ ان کی روک تھام کئے بغیر چارۂ کار نہیں رہا تھا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں امت مسلمہ کے بہیمانہ قتل عام کے بعد مسلمان اس قدر رختہ، شکستہ اور منتشر ہو چکے تھے کہ گرجیوں کو بقیہ عالمِ اسلام لقمہ تر نظر آ رہا تھا اور وہ اپنے قریبی ممالک پر قبضہ کرنے کے بعد سب سے پہلے مدینۃ الاسلام بغداد کو فتح کرنے کا عزم کر چکے تھے، (1) تاہم سلطان جلال الدین کی شکل میں راستے کا ایک وزنی پتھر موجود تھا جسے ہٹائے بغیر وہ اپنے خوابوں کی تعبیر نہیں پا سکتے تھے۔

گرجی کون تھے؟..... گرجستان (جارجیا) آذربائیجان کی شمال سرحدوں سے متصل ایک وسیع ریاست ہے۔ قفقاز

کے بلند و بالا کہساروں میں واقع اس سرزمین پر آرمینیا کے عیسائیوں کی ایک شاخ کی حکمرانی تھی۔ یہ لوگ گرجی کہلاتے تھے۔ تفلیس اس علاقے کا صدر مقام تھا، یہ خطہ اپنی سرسبزی وشادابی اور صاف وشفاف پانی کے بہتے ہوئے چشموں کی بناء پر ہر دور میں مشہور رہا ہے۔ ②

گرجی شدید متعصب نصرانی ہونے کے علاوہ بلا کے جنگجو اور خواں خوار تھے۔ کوئی بیرونی حملہ آور ان کو دبانے میں کبھی کامیاب نہ ہوسکا، مسلم فاتحین بار بار فوج کشی کے باوجود اس قوم کو رام نہ کر سکے۔ ۵۱۵ھ میں گرجیوں نے یلغار کر کے سلطان طغرل سلجوقی سے تفلیس چھین کر اپنی قوت نہایت مستحکم کر لی اور کھلم کھلا اسلامی ممالک پر تاخت وتاراج کرنے لگے۔ آذربائیجان، دربند شروان، خلاط اور ارزن الروم کے مسلم حکمران ان کے باج گزار شمار ہونے لگے۔ ان علاقوں میں قتل وغارت گری گرجیوں کا عام معمول تھا۔ یہاں کے عوام اور حکام ان ظالموں کے خوف سے سہمے رہتے تھے۔ بعض مسلم حکمرانوں کی یہ حالت تھی کہ وہ گرجی حکمران کی عنایت کردہ خلعت پہن کر دست بستہ غلامی کا مظاہرہ کرتے۔ نیز مسلمان ہونے کے باوجود گرجی حکمران کے فرمان کی تعمیل میں وہ اپنے پرچم پر صلیب نصب کر کے ذلت وخواری کی آخری حد پھلانگنے کا ثبوت دیتے۔

صرف یہی نہیں، بلکہ مسلم فرمانرواؤں پر گرجیوں کے دباؤ کا یہ عالم تھا کہ مغیث الدین طغرل شاہ بن قلج ارسلان سلجوقی (حاکمِ ارزن الروم) نے گرجیوں کی فرمائش پر اپنے بڑے بیٹے کو نصرانی مذہب میں داخل کر دیا تھا تا کہ گرجیوں کی ملکہ اسے اپنے شوہر کے طور پر پسند کرے ③ (نعوذ باللہ من ذالک)۔ چنانچہ مہر وماہ نے مسلمانوں کی رسوائی کا یہ تماشا بھی دیکھا کہ ایک اسلامی سلطنت کا شہزادہ صلیب پرستوں کی خوشنودی کے لیے ان کا مذہب اختیار کر کے ان کی ملکہ کا شوہر بننے کا سیاہ کارنامہ انجام دے رہا ہے۔ یہ نکاح اگر چہ پنپ نہ سکا اور ملکہ کی بدکرداری سے دل برداشتہ ہو کر شہزادے کو جلد ہی اس کا ساتھ چھوڑنا پڑا، تاہم یہ قصہ اس دور کی اسلامی حکومتوں کی ذلت، بے بسی اور بے حمیتی کا کھلا مظہر بن گیا۔ ④

گرجیوں کی اس ملکہ کا نام ''قیز ملک'' تھا۔ اس دور میں وہ اپنے ملک کی بلاشرکت غیرے حکمران تھی، گرجی سورما اس کے حکم پر اسلامی سرحدوں کو پامال کرنے کے لیے ہر دم تیار رہتے تھے۔ اپنی صفات کے لحاظ سے وہ مسلمانوں کے لیے ایک عذاب سے کم نہ تھی۔ اس کے دور میں مسلم ممالک پر گرجیوں کی تاخت وتاراج کی کثرت نے گزشتہ تمام ادوار کے مظالم کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کی بدمزاجی، بدچلنی اور آوارگی کے باعث اس کی قوم کا کوئی معزز شخص اس سے نکاح کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا۔ ⑤

شلوہ کی گستاخی ..... گرجی اسلام کی مقدس شخصیات کی شان میں گستاخیاں بھی کیا کرتے تھے۔ حد یہ تھی کہ آذربائی جان کے سابق حاکم ازبک پہلوان نے ایک بار شمس الدین قمی نامی ایک سفیر کو گرجستان بھیجا۔ گرجیوں کا سپہ سالار شلوہ بڑا گھمنڈی اور بدزبان تھا، اس نے باتوں باتوں میں قمی کو ذلیل کرنے کی خاطر کہا:

میری آرزو ہے کہ کاش تمہارے حضرت علی اس زمانے میں ہوتے، میں انہیں اپنی ہیبت کے وہ مناظر دکھاتا کہ وہ بدر وحنین کے معرکے بھول جاتے۔ (نعوذ باللہ)

شمس الدین قمی ایک کمزور سلطنت کا بزدل سفیر تھا اس لیے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی کھلی گستاخی سن کر بھی

چپ رہا، مگر سلطان جلال الدین کو کسی طرح یہ بات پتا چل گئی اور گرجیوں کے خلاف ان کا عزم جہاد مزید مصمم ہو گیا۔ ⑥

یلغار کی تیاریاں ...... آذربائیجان پر تسلط کے دوران ہی سلطان جلال الدین نے گرجیوں کے خونچکاں مظالم کی داستانیں سن کر ان کو سبق سکھانے کی تیاری شروع کر دی۔ یہ خیال ان کے دل و دماغ پر اس طرح چھا چکا تھا کہ وہ بار بار اس عزم کا اعادہ کرتے تھے اور کہتے تھے:

''میں گرجیوں کے علاقوں پر حملے کا ارادہ رکھتا ہوں، ان سے قتال کروں گا اور ان کے ملک پر قبضہ کروں گا۔''

اس عزم کے کھلم کھلا اظہار میں غالباً یہ مصلحت پوشیدہ تھی کہ قرب و جوار کے مسلمان حاکم اس فوج کشی کو اپنے خلاف گمان کر کے پریشان نہ ہوں۔ سلطان کے اس عزم کے جواب میں گرجی قبائل جو اس سے قبل بڑے بڑے نامور مسلم فاتحین کا رخ پھیر چکے تھے اور کچھ عرصہ قبل ہی تاتاریوں کے تند و تیز سیلاب کا سامنا کر کے بھی اپنی جگہ پر برقرار تھے، مقابلے کے لیے بھرپور تیاریاں کرنے لگے۔

اعلانِ جنگ ...... سلطان جلال الدین نے اپنی قوت مجتمع کر کے گرجیوں کے اربابِ اقتدار کی طرف باقاعدہ پیغام بھیج کر انہیں طاقت آزمائی کے لیے للکارا۔ گرجیوں نے بڑے سخت لہجے میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''تم جانتے ہو کہ تمہارا باپ تم سے بڑا بادشاہ تھا، اس کی فوج تمہاری فوج سے زیادہ تھی، وہ تم سے زیادہ قوی تھا، اس کے باوجود جن تاتاریوں نے تمہارے باپ کو شکست دے کر تمہارے ملک پر قبضہ کیا جب انہوں نے ہماری طرف فوج کشی کی تو ہمیں ان کی بھی ذرہ بھر پروا نہ ہوئی، ہم ان سے ہراساں نہ ہوئے، بلکہ تاتاریوں کی آخری کوشش یہ تھی کہ کسی طرح وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں۔'' ⑦

(مطلب یہ تھا کہ جب ہم نے تمہارے باپ کو شکست دینے والی قوت سے خوف نہ کیا تو تم سے کیوں ڈرنے لگے۔)''

سلطان کی حکمتِ عملی ...... گرجستان پر سلطان جلال الدین کی یلغار کے حالات کے تفصیلی مطالعے سے قبل ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ عام طور پر سلطان جلال الدین کی عادت اور حکمتِ عملی دشمن پر اچانک حملہ کرنے کی رہی تھی جو کہ چالاک اور زیرک حملہ آوروں کا خاصہ ہے، مگر اس بار سلطان نے کھلم کھلا اعلانِ جنگ کر کے اور آس پاس اس خبر کو مشہور کرنے کے بعد اس مہم کا آغاز کیا۔ بظاہر یہ انداز مصلحت کے خلاف تھا کہ اس طرح دشمن کو تیاری کا موقع مل سکتا تھا۔ سلطان کے اس اقدام کی ایک وجہ تو وہ ہو سکتی ہے جو گزشتہ سطور میں گزر چکی ⑧ مگر اس کے علاوہ اس میں یہ مصلحت بھی ملحوظ تھی کہ گرجی اپنی قوت پر نہایت نازاں اور مغرور تھے، ان کا غرور توڑنے کے لیے سلطان نے اعلانیہ چیلنج دے کر حملہ کرنے کو ترجیح دی تا کہ وہ بے خبری میں شکست کھانے کا شوشہ سامنے لا کر اپنی خفت مٹانے کے قابل نہ رہیں۔ نیز اگر سلطان اعلانِ جنگ کیے بغیر حملہ کرتے تو بھی گرجیوں کی تیاری میں کوئی خاص کمی نہ آتی، اس لیے کہ وہ پہلے سے از خود حملے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ہمیں یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ سلطان جلال الدین اب بدلتے ہوئے حالات کے تحت اکثر معرکوں میں ہلکی پھلکی تیز رفتار رسالہ (سوار) فوج کو کام میں لا رہے تھے، اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ تاتاریوں کے ہاتھوں عالمِ اسلام کو پہنچنے والے صدمات نے مسلمانوں کی افرادی قوت کو بہت کم کر دیا تھا۔ ان حالات میں بڑا لشکر ترتیب دینا عملی طور پر سلطان کے لیے ممکن نہ تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں سے معرکہ آزمائی میں سلطان کو یہ سبق حاصل ہوا تھا

کہ بھاری بھرکم لشکر کی بہ نسبت ہلکی پھلکی برق رفتار فوج عموماً زیادہ مؤثر ثابت ہوتی ہے، اس لیے سلطان نے آئندہ مہمات میں مختصر فوجوں کے ساتھ تیز ترنقل وحرکت کے نظام پر عمل کیا اور اس سے حسبِ توقع مفید نتائج کیے۔

گرجیوں سے پہلا معرکہ ..... آذربائیجان کی فتح کے اگلے مہینے (شعبان ۶۲۲ھ/ اگست ۱۲۲۵ء) (۹) میں سلطان جلال الدین تیس ہزار جانبازوں کو لے کر (۱۰) گرجستان کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے۔ اس موقع پر سلطان کے اکثر سپاہی عراق میں بکھرے ہوئے تھے، مگر سلطان نے فوری حملے کے لیے ان کا انتظار نہ کیا اور جو سپاہی میسر تھے انہی کے ساتھ گرجستان کا رخ کیا۔ (۱۱)

دوسری طرف گرجی بھی مقابلے کے لیے پوری طرح تیار تھے، وہ ستر ہزار سے زائد جنگجوؤں پر مشتمل لشکر کے ساتھ سرحد کی طرف پیش قدمی شروع کر چکے تھے۔ (۱۲)

سب سے پہلے سلطان جلال الدین غیر متوقع سرعت کے ساتھ ''دوین'' شہر پر حملہ آور ہوئے جسے کچھ مدت پہلے گرجیوں نے مسلمانوں سے چھینا تھا۔ وہاں قبضہ کرنے کے بعد سلطان نے گرجیوں کے ٹڈی دل لشکر سے مقابلے کے لیے کوچ کیا۔ گرجی ''درّہ کربی'' جیسے دشوار گزار مقام پر پڑاؤ ڈال کر سلطانی لشکر کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ (۱۳) یہ مقام دریائے ارس کے کنارے تھا۔

شعبان ۶۲۲ھ (اگست ۱۲۲۵ء) میں جب سلطان دریا کے کنارے پہنچے تو وہاں سالار ایلچی جہان پہلوان ان کا منتظر تھا جس نے سلطان کو خبردار کیا کہ دشمن کی تعداد ہماری بنسبت بہت زیادہ ہے، اس لیے ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ سلطان نے اس مشورے کے جواب میں بے دھڑک اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا، یہ دیکھ کر پوری فوج دریا میں اتر گئی اور اسے بے خوف وخطر پار کر کے دوسرے کنارے پہنچ گئی۔ یہاں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔

گرجی درّۂ کربی کے دائیں بائیں واقع ان بلند پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر کھڑے تھے جو زمانہ دراز سے ان کے لیے ناقابلِ تسخیر حصار ثابت ہو رہے تھے۔ سلطان کی فوج نشیب میں کھڑی دشمن کے نیچے اُترنے کا انتظار کر رہی تھی، مگر گرجی اپنے قدرتی مورچوں سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے، ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان خطرناک چڑھائیوں کو عبور کرنے کا خطرہ مول نہیں لیں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو زندہ بچ کر نہ جانے پائیں گے۔

پورا دن گزر گیا، سورج مغرب میں جا چھپا اور تاریکی چھا گئی، سلطان نے قلبِ لشکر کے عقب میں ہلکی چھولداریاں لگا رات گزاری۔ دونوں طرف کے سپاہی رات بھر پہرے کی حالت میں رہے۔ اگلے دن گرجیوں کو اپنی جگہ جما ہوا دیکھ کر سلطان جلال الدین نے اپنے سالاروں سے کہا: ''دشمن کا مقصد محض ہمارا وقت ضائع کرنا ہے۔ اب ہماری حکمتِ عملی یہ ہوگی کہ ہم کئی سمتوں سے پہاڑ پر چڑھیں گے۔ اگر دشمن تم پر حملہ کر دے تو فوراً پسپا ہو کر نیچے آجانا اور پھر اسے تیروں کی زد پر لے لینا۔''

سالاروں کو منصوبے کی جزئیات سمجھانے کے بعد انہیں اپنے اپنے دستوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھنے کا اشارہ کیا، میسرہ کے سپاہیوں نے تعمیل میں پہل کی۔ ان کے مختلف دستے امیر اُورخان، شہزادہ غیاث الدین اور امیر ایغان طائیسی کی قیادت میں آگے بڑھے۔ البتہ میمنہ کے سپاہی سلطان کا اشارہ پانے کے باوجود پس وپیش کرتے ہوئے وادی میں رکے رہے۔

اوپر جانے والے مسلم جانباز اسے کسی مصلحت پر محمول کر کے مطمئن رہے اور نعرۂ تکبیر بلند کرتے، رجز پڑھتے ہوئے دشوار گزار ڈھلوانوں، سخت چٹانوں اور پیچ در پیچ پگڈنڈیوں کو پھلانگتے ہوئے بلندی کی طرف چڑھتے چلے گئے۔ گرجیوں کے سردار شلوہ کو اسی وقت کا انتظار تھا، ان خطرناک چڑھائیوں پر وہ سلطان کی ساری فوج کو آناً فاناً نیچے دھکیل سکتا تھا، اس نے اندھا دھند حملے کی ٹھان لی، ان کے دوسرے سردار ایوانی نے اسے منع کرتے ہوئے کہا:

''ہمیں بھی سپاہیوں کو قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کر کے حملہ کرنا چاہیے۔''

شلوہ نے متکبرانہ لہجے میں جواب دیا: ''اس حقیر دشمن سے لڑنے کے لیے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسے نمٹانے کے لیے تو میں اکیلا کافی ہوں۔''

یہ کہہ کر شلوہ اپنے زیر کمان سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ سلطان کے میسرہ پر ٹوٹ پڑا جو پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچ گیا تھا، مگر مجاہدین نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مقابلہ کیا اور اپنے قدم اکھڑنے نہ دیے، یوں پہاڑ کی چوٹی پر ایک مہیب جنگ چھڑ گئی۔

اس دوران قلبِ لشکر کے سپاہی بھی سلطان کی کمان میں اوپر چڑھنے لگے تھے، یہ دیکھ کر باقی گرجی سپاہی سیلاب کے دھارے کی طرح یکدم اپنے مورچوں سے نکل کر لشکرِ اسلام کے سامنے آگئے تاکہ انہیں راستے ہی میں روک کر نیچے لڑھکا دیں۔ وہ سلطان کو ایک ناتجربہ کار اور کم عقل انسان سمجھ کر اپنی چالاکی اور قوت پر ناز کرتے ہوئے تلواریں سونت کر تیزی سے نیچے اُتر رہے تھے۔ ⑭

سلطان کی چال..... دشمن کو قریب آتا دیکھ کر سلطان نے فوج کو رکنے کا اشارہ کیا۔ گرجی دیکھ رہے تھے کہ اسلامی لشکر نہایت خطرناک مقام پر کھڑا ہے، اس لیے وہ پورے جوش و خروش سے ان کی طرف لپک رہے تھے تاکہ جلد از جلد اس کھیل کو نمٹا دیں، لیکن اس سے قبل کہ فریقین کی تلواریں آپس میں ٹکراتیں، سلطان کے حکم کے مطابق فوج کے افسران اپنے اپنے دستوں سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

گرجیوں نے سلطانی فوج کو اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگتے دیکھا تو ان کے غرور و تکبر میں اور اضافہ ہو گیا۔ دانت پیستے، بے ہنگم نعرے لگاتے ہوئے وہ بھی پوری سرعت سے ان کے پیچھے دوڑے۔ سلطانی لشکر نے پسپائی اس وقت جاری رکھی جب تک کہ گرجیوں کا پورا لشکر کھلے میدان میں نہ نکل آیا۔ ⑮

جب سلطان جلال الدین نے اطمینان کر لیا کہ تمام گرجی لشکر اپنے دفاعی حصار سے باہر آچکا ہے تو انہوں نے اپنے دستوں کو مرتب کر کے مُڑ کر حملہ کر دیا۔ گرجی جو ہَوا کے گھوڑوں پر سوار چلے آرہے تھے اس غیر متوقع صورتحال سے بوکھلا گئے۔ تاہم اب مقابلہ کیے بغیر چارہ نہ تھا، گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی، صلیب کے علمبردار گرجی سورما اور ایک اللہ کے پرستار مسلم تیغ آزما بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے پر وار کرنے لگے۔ زخمیوں کی چیخ و پکار سے قیامت صغریٰ کا سماں برپا ہو گیا۔ نیزے اور تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے، گرم خون کے دھارے زمین کو سرخ کر رہے تھے۔

سلطان اس دوران ایک ٹیلے پر کھڑے پہاڑ اور وادی میں بکھری اپنی فوج کی قیادت کر رہے تھے۔ تثلیث کے حاشیہ برداروں کے مقابلے میں توحید کے علمبردار نہایت ثابت قدمی سے لڑتے رہے، حتیٰ کہ نصرتِ الٰہیہ نے دامن پھیلا کر لشکرِ اسلام کو اپنی آغوش میں لے لیا۔

گرجیوں کا دوسرا سردار ایوانی چوٹی پر کھڑا یہ منظر دیکھ رہا تھا۔اس نے سپاہیوں کو پکار کر کہا: ''شلوہ شکست کھا گیا ،اب ہمارے پیچھے آؤ۔''

یہ کہہ کر وہ ایک تنگ گھاٹی کی طرف دوڑا تاکہ اس دارو گیر سے بچ کر نکل جائے، سپاہیوں کی بڑی تعداد نے اس کا ساتھ دیا۔ اَن گنت لاشیں میدان میں چھوڑ کر وہ سب پہاڑی دروں کی طرف بھاگ نکلے، اس بھگڈر میں ان میں سے بہت سے ایک گہری کھائی میں گر کر ہلاک ہو گئے۔ مسلمان سپاہی بھی فرار ہونے والے دشمنوں کے تعاقب میں کوہستان میں داخل ہو گئے۔ بچے کھچے گرجی درّۂ کربی کے تنگ اور پُر پیچ راستے میں واقع غاروں اور عمیق وادیوں میں چھپتے پھر رہے تھے۔ (۱۶) سلطان کی فوج نے چن چن کران کو قتل کیا۔ابو شامہ کی روایت کے مطابق ان کے مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی، (۱۷) گویا دشمن کے اکثر افراد موت کے گھاٹ اُتر گئے تھے۔ سلطان نے قیدی اور بہت سے مقتولین کے کٹے ہوئے سر، تاج الدین قلیج کی نگرانی میں اپنے مرکز تبریز روانہ کر دیے۔فتح کے بعد سلطان کی خیمہ گاہ میدان جنگ کے ساتھ ہی لگادی گئی، چونکہ وادی دشمن کی لاشوں سے پر تھی اس لیے سلطان سے ملنے جو بھی آتا اسے لاشوں کو روندتے ہوئے آنا پڑتا۔

اس جنگ کے اختتام پر گرجیوں کا دیو پیکر، قوی ہیکل سالار ''شلوہ'' جان بچانے کے لیے وادی میں اتر گیا تھا اور خود کو مردہ ظاہر کرنے کے لیے خون میں لت پت ہو کر لاشوں کے ڈھیر میں چھپ گیا تھا، مگر ایک بچے ابنِ دایہ نے بھانپ لیا کہ یہ زندہ ہے۔اس طرح یہ بد بخت کا فر زندہ گرفتار ہو گیا۔ان کا دوسرا بڑا سپہ سالار ''ایوانی'' معرکے سے جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور ایک قلعے میں جا چھپا تھا۔سلطان کے سپاہیوں نے اس کا بھی تعاقب کیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ (۱۸) انجام کار ''ایوانی'' بھی ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گیا۔

ان دنوں گرجی اتنی بڑی تعداد میں قید ہو رہے تھے کہ اسلامی شہروں میں گرجی غلام صرف دو دو تین تین دینار میں فروخت ہونے لگے تھے۔ (۱۹)

شلوہ اور ایوانی..... گرجی لشکر کے گرفتار شدہ امراء میں سے ''شلوہ'' اور ''ایوانی'' اپنی سلطنت کے اہم ترین جرنیل اور نہایت ظالم، خونخوار، اور مکار انسان تھے۔ کچھ عرصہ قبل اسلامی ملکوں پر تاخت و تاراج میں ان کا حصہ سب سے زیادہ تھا۔انہیں یقین تھا کہ اب انہیں جان سے مار دیا جائے گا، اس لیے ان دونوں نے نفاق کی پالیسی پر عمل کرنے کی ٹھان لی۔شلوہ کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا۔اس کی مافوق الفطرت جسامت اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر ہر کوئی تعجب کر رہا تھا، مگر سلطان کے جاہ و جلال کے سامنے شلوہ نے بھیگی بلّی بن کر اپنی جاں بخشی کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی۔سلطان کو معلوم تھا کہ اس کم بخت نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں گستاخی کی تھی اس لیے انہوں نے غضبناک ہو کر اس سے پوچھا:

''تیری وہ اکڑ کہاں گئی!...... تیرا وہ غرور کیا ہوا جس کی بنیاد پر تو کہا کرتا تھا...... ذوالفقار کا دھنی کہاں ہے جو میری شمشیرِ آبدار کا زخم دیکھے...... بتا! وہ نعرہ کیا ہوا!!''

شلوہ نے کانپتے ہوئے عرض کیا: ''عالی جاہ!...... حضور کی دولتِ بلند اقبال نے ہماری توقع کے برعکس سب کچھ کر دکھایا۔''

سلطان نے قدرے نرم پڑتے ہوئے اس کو اسلام کی دعوت دی۔شلوہ نے منافقت کے طور پر ظاہراً اسلام قبول کر کے اپنی جان بچالی۔

سلطان کے حکم کے مطابق شلوہ، ایوانی اور گرجیوں کے دوسرے گرفتار شدہ اہم امراء کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا رہا تاکہ وہ دل سے مسلمانوں کے خیر خواہ بن کر گرجستان کی بقیہ مہمات میں ان کے معاون ثابت ہوں۔ (۴۰)

وزیر سلطنت کا پیام ..... اس شاندار فتح کے بعد گرجستان کے صدر مقام تفلیس تک سلطان کا راستہ صاف تھا، مگر وزیر اعظم شرف الملک کا پیغام ان کے پاؤں کی زنجیر بن گیا۔ یہ پیغام لڑائی سے پہلے ہی سلطان کو موصول ہو چکا تھا۔انہوں نے اپنے بھائی غیاث الدین کو مفتوحہ علاقوں کی ولایت سپرد کی (۴۱) اور امرائے لشکر کو طلب کر کے ان سے کہا:

''مجھے تبریز میں بغاوت کی اطلاع ملی ہے ..... میں نے لڑائی سے پہلے تمہیں یہ بات اس لیے نہ بتائی کہ کہیں تم پر اضطراب اور خوف نہ طاری ہو جائے۔ بہر حال اب میرے بعد تم اس سرزمین میں قدم جمائے رہو اور دشمن کے ٹھکانوں کو اُجاڑنے میں کوئی کسر نہ چھوڑو۔'' (۴۲)

اس معرکے میں میمنہ کی سپاہ نے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، صرف میسرہ اور قلب کے جانبازوں نے دادِ شجاعت دی تھی، سلطان نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ میمنہ کے امراء اس جنگ سے پہلے ہی ہمت ہار گئے تھے، انہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ جنگ کے دوران فرار ہو جائیں گے۔سلطان نے میدان جنگ میں کھلی آنکھوں سے ان کی سرکشی کا نظارہ کیا تھا مگر ازراہ مصلحت اپنے جذبات کو دبائے رکھا اور اس انداز میں لشکر کی قیادت کی کہ مزید انتشار نہ پھیلا اور فتح ونصرت نے قدم چومے۔تاہم جب جہادی مہم انجام کو پہنچی تو سلطان نے خائن افسران کو یہ جتانا ضروری سمجھا کہ وہ ان کے حال سے بے خبر نہیں تھے۔انہوں نے تبریز واپس جانے سے قبل میمنہ کے امراء کو اپنے خیمے کی قنات کے باہر بلوایا، وہ جمع ہو گئے تو اپنے حاجب کے ذریعے انہیں کہلوایا:

''ہم بخوبی جانتے ہیں کہ تم نے دورانِ جنگ کوتاہی کا مظاہرہ کیا اور تم یہ طے کر چکے تھے کہ اگر گرجیوں نے تم پر حملہ کیا تو تم پشت پھیر کر بھاگ نکلو گے۔اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح وظفر سے نوازا ہے، ہم تمہاری تقصیر معاف کرتے ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ تم ہمارے جانے کے بعد یہاں ٹھہر کر پوری تندہی کے ساتھ گرجیوں کے ٹھکانے مسلسل اجاڑتے رہو گے۔''

امراء نے اس کا وعدہ کیا اور سلطان نے مطمئن ہو کر واپسی کا سفر اختیار کیا۔ (۴۳)

سلطان کی تبریز واپسی ..... سلطان چند دستوں کے ساتھ بجلی کی طرح لپکتے ہوئے تبریز پہنچے اور وزیر اعظم کی نشاندہی کے مطابق بغاوت کے ملزموں کو گرفتار کر لیا۔ان میں حاکم تبریز نظام الدین طغرائی اور اس کا چچا شمس الدین طغرائی بھی شامل تھے۔سلطان نے حاکم تبریز کو قتل کرا دیا اور باقی ملزموں کو جیل خانے بھیج دیا۔ (۴۴) النسوی کے بقول اس معاملے میں وزیر اعظم نے جھوٹی شہادتوں کے ذریعے بے قصور افراد کو سزا دلوا دی تھی۔اس حقیقت کا انکشاف خاصی مدت بعد جا کر ہوا۔ (۴۵)

ماہ رمضان کی مصروفیات ..... سلطان نے ماہِ رمضان تبریز میں گزارا۔پورے مہینے علماء وفقہاء اور واعظین کے بیانات کی محفلیں سجتی رہیں، سلطان اپنے اعیان کے ساتھ ان میں شرکت کا اہتمام کرتے۔جو علماء ان محفلوں میں کھل کر کلمہ حق بلند کرتے اور منکرات پر تنقید کرتے، سلطان ان کی حوصلہ افزائی کرتے۔بعض خطباء نے سلطان کو خوش

کرنے کے لیے اپنے خطبات میں ان کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے کی کوشش کی مگر سلطان نے ان کے طرز کو ناپسند کیا۔ (۴۶)

بیگم بنت طغرل سے نکاح..... سلطان جلال الدین بیگم بنت طغرل سے نکاح کا وعدہ کر چکے تھے، مگر مسلسل جہادی مصروفیات کے باعث اس وعدے کے ایفاء میں تاخیر ہوتی چلی گئی۔ تبریز میں سلطان کو فرصت کی چند گھڑیاں میسر آئیں تو انہوں نے اس ذمہ داری سے عہدہ براہونے کا ارادہ کیا۔ بیگم بنت طغرل اپنی جاگیر شہر ''خوئی'' میں قیام پذیر تھی۔ وہیں عقدِ نکاح ہوا۔ (۴۷)

گنجہ کی فتح..... سلطان نے تبریز میں قیام کے دوران اپنے قابلِ اعتماد امیر اُورخان علی نیشاپوری کو ایک فوج کے ساتھ شہر ''گنجہ'' کی طرف روانہ کیا جو آذربائی جان کا اہم شہر تھا۔ آذربائیجان کا مفرور سابق حاکم ازبک مظفر بہلوان بھی یہاں پناہ لیے ہوئے تھا، اُورخان نے جب گنجہ پر حملہ کیا تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ نکلا اور ایک قلعے میں جاچھپا۔ یہیں اسے خبر ملی کہ اس کی مطلقہ بیوی نے سلطان سے نکاح کر لیا ہے۔ اس نے مضطربانہ انداز میں پوچھا:

''آیا بنت طغرل نے خوشی سے نکاح کیا ہے یا اس پر جبر کیا گیا ہے؟''

اطلاع دینے والے نے کہا: ''اس نے بخوشی ایسا کیا ہے۔ گواہوں کے ذریعے طلاق کا ثبوت دیا ہے۔''

ازبک یہ سن کر اس قدر غمزدہ ہوا کہ اسی وقت بستر پر پڑ گیا اور بخار میں پھنکنے لگا، چند دن بعد اسی حالت میں فوت ہو گیا۔ (۴۸)

اُدھر اُورخان نیشاپوری نے گنجہ کے علاوہ اس کے نواح میں بیلقان، برزہ، سکویر اور شیزر کے علاقے بھی فتح کر کے ایک وسیع سرزمین کو سلطانی مقبوضات میں شامل کر لیا۔ (۴۹)

خلیفہ ناصر کا انتقال..... سلطان جلال الدین کو گرجستان سے تبریز آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ بغداد میں خلیفہ ناصر کا انتقال ہو گیا۔ یہ آخری شب رمضان ۶۲۲ھ (۵۔اکتوبر ۱۲۲۵ء) کا واقعہ ہے۔ خلیفہ ناصر نے ستر سال کے لگ بھگ عمر پائی اور تقریباً ۴۷ سال حکومت کی۔ خلفائے بنوامیہ اور خلفائے بنوعباس میں سے کسی کو اتنی طویل مدتِ حکومت نصیب نہیں ہوئی، مگر افسوس کہ خلیفہ ناصر نے طویل زمانہ اقتدار کی نعمت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے اسے اسلام کی جڑیں کاٹنے میں صرف کیا اور یوں اپنی دنیا وآخرت برباد کر لی۔

آخری عمر میں وہ مکمل طور پر اسلام دشمن طاقتوں کا معاون بن چکا تھا، مرنے سے قبل اپنی بداعمالیوں کا کچھ بدلہ اسے دنیا ہی میں مل گیا تھا، عالمِ اسلام پر تاتاریوں جیسی بلا مسلط کرنے کا نتیجہ بھی اس نے بغداد کے مستقل طور پر غیر محفوظ ہونے کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ زندگی کے آخری سالوں میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور تمام جسم بالکل ناکارہ ہو گیا۔ حرکت کرنے کی بھی سکت نہ رہی۔ ساتھ ہی قوتِ بصارت بھی سلب ہو گئی۔ تین سال اس طرح گزارے کہ چل سکتا تھا، نہ دیکھ سکتا تھا، بستر پر پڑے پڑے صرف زبانی احکام جاری کرتا تھا۔ ایک خاص باندی جسے اس نے خود اپنا طرزِ تحریر اور اپنے دستخط سکھا دیے تھے حکم نامہ تحریر کر کے مہر لگا دیتی تھی۔ ابتلاء اور عذاب کے ان مظاہر کے باوجود خلیفہ کے ظالمانہ احکام، جابرانہ قوانین، کفار سے تعلقات اور عوام پر لگائے گئے ناروا ٹیکس برقرار رہے۔ خلیفہ پانی پینے میں اتنی احتیاط برتتا تھا کہ اس کے لیے بغداد سے سات فراسخ (۲۱ میل) دور سے ایک خاص مقام کا عمدہ

اور میٹھا پانی لایا جاتا، جسے جراثیم سے پاک کرنے کے لئے ایک ایک دن کے وقفے سے سات بار اُبالا جاتا، پھر ٹھنڈا کر کے اس کی خدمت میں پیش کیا جاتا، مگر اس قدر احتیاط کے باوجود آخری دنوں میں اسے پتھری کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ بیس دن بڑی تکلیف میں گزارے، پیشاب بند ہو گیا تھا، انجام کار شاہی طبیب نے مثانہ چیر کر پتھری نکالی۔ چند دن بعد اس زخم کی تاب نہ لاتے ہوئے خلیفہ دنیا سے چل بسا، [30] اس کی موت سے کفار اپنے ایک خاص مددگار سے محروم ہو گئے، جبکہ اس کے ظلم و ستم کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے عوام نے سکون کا سانس لیا۔

مقام عبرت ہے کہ اپنے حریف علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دنیا سے رخصت ہونے کے صرف پانچ سال بعد خلیفہ ناصر بھی اپنے اعمال کے ساتھ رب العالمین کی محاسبہ گاہ میں جا پہنچا۔ وہ سلطنت، وہ حکومت اور طاقت جس کے نشے میں یہ دونوں حکمران ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے درپے تھے، دونوں میں سے کسی کے پاس نہ رہی۔ دو دو گز زمین ان دونوں کو ملی اور جو سلطنت وہ دونوں چھوڑ گئے جلد یا بدیر کفار کے قبضے میں آ گئی۔

خواب گہ شاہوں کی ہے یہ منزلِ حسرت فزا   دیدۂ عبرت! خراجِ اشکِ گلگوں کر ادا

نیا خلیفہ ..... خلیفہ ناصر کا ولی عہد ابو نصر محمد اپنے نظریات، کردار اور عادات و اطوار میں اپنے باپ کی ضد تھا۔ وہ ''ظاہر بامر اللہ'' کا لقب اختیار کر کے مسندِ خلافت پر آیا۔ اس نے عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی اور عوام کو بڑا سکھ پہنچایا۔ داخلی امور کے ساتھ اس نے خارجہ پالیسی پر بھی خاص توجہ کی اور اس میں انقلابی تبدیلیاں لا کر دکھائیں۔ خصوصاً عالمِ اسلام کی سرحدوں پر شمشیر بکف سلطان جلال الدین کو اس نے نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا اور از خود سلطان کے ساتھ بہتر اور پائیدار تعلقات کے آغاز کی کوشش کی۔

خلیفہ ظاہر کا پیام دوستی ..... سلطان جلال الدین تبریز میں مقیم تھے کہ نئے خلیفہ کی جانب سے مشہور صوفی نجم الدین رازی (مؤلف مرصاد العباد) اور رکن الدین بن عطاف سفیر بن کران کے پاس حاضر ہوئے اور کہا:

''خلیفہ ناصر بقضائے الٰہی وفات پا گئے اور الظاہر بامر اللہ نے مسند خلافت سنبھال لی ہے۔ ہم ان کی جانب سے سلطان کی خدمت میں خیر خواہی اور نیک اندیشی کے جذبات لے کر حاضر ہوئے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کی دلی خواہش ہے کہ دونوں حکومتوں کے تعلقات دوستانہ اور برادرانہ رہیں۔''

سلطان جلال الدین کو اپنی جہادی مہمات کے لیے دیگر مسلمان حکمرانوں کے تعاون کی شدید ضرورت تھی۔ چند حکومتوں کے ساتھ دوستانہ معاہدوں کے انعقاد کے باوجود وہ خلیفۃ المسلمین کی سرپرستی کی کمی نہایت شدت سے محسوس کرتے تھے اور درحقیقت دربارِ خلافت کا خوارزمی ایوان پر عتاب بہت سے مسلمان حکمرانوں کو سلطان کے ساتھ تعاون سے روکے ہوئے تھا، مگر اب صورتحال بدل چکی تھی، خود خلیفۃ المسلمین کی جانب سے دوستی کا مخلصانہ ہاتھ بڑھایا جا رہا تھا اور سلطان کا دل تشکر اور مسرت کے جذبات سے لبریز ہو رہا تھا ہفت اقلیم کی بادشاہت پا کر بھی وہ اتنے مسرور نہ ہوتے جتنا کہ نئے خلیفہ کی جانب سے دوستی کا پیام پا کر ہوئے۔

سلطان نے قاضی مجیر الدین کو ایک خلعتِ فاخرہ دے کر دربارِ خلافت کے ساتھ اچھے تعلقات کی تجدید کے لیے روانہ کر دیا۔ [31]

گرجستان کی طرف دوبارہ کوچ ..... سلطان کی گرجستان کی مہم ابھی ادھوری تھی۔ وہ چند داخلی مسائل حل کرنے کے لیے

عارضی طور پر تبریز میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہی نئی تیاریوں اور تازہ ولولے کے ساتھ ذی الحجہ ۶۲۲ھ (دسمبر ۱۲۲۵ء) میں انہوں نے پھر گرجستان کے فلک بوس پہاڑوں کی طرف کوچ کیا، (۳۲) ان کی غیر حاضری کے طویل وقفے سے فائدہ اُٹھا کر گرجیوں نے قپچاق اور لکز کے قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر بڑے پیمانے پر جنگ کے لیے بھرپور انتظامات کر لیے تھے، اب یہ اتحادی فوجیں کندھے سے کندھا ملا کر سلطان سے زور آزمائی کے لیے تیار تھیں۔ (۳۳)

ملکۂ گرجستان سے مذاکرات..... محرم ۶۲۳ھ (جنوری ۱۲۲۶ء) میں سلطان گرجستان کی حدود میں داخل ہوئے (۳۴) اور سرحدی شہر دوین سے ہوتے ہوئے آگے روانہ ہوئے (۳۵) یہ سخت سردی کے دن تھے، برف باری عروج پر تھی۔ پہاڑ، وادیاں اور میدان سفید سفید برف سے ڈھکے ہوئے تھے، موسم کی شدت نے اپنا اثر دکھایا اور دریائے ارس کے کنارے پہنچتے ہی سلطان اس قدر سخت بیمار پڑ گئے کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا چنانچہ انہوں نے موسم سرما وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا، (۳۶) اس دوران انہوں نے ایک ہشیار مصاحب سلطان ملک طشتدار کو قاصد بنا کر گرجیوں کی ملکہ سے مذاکرات کے لیے روانہ کر دیا تا کہ اسے جنگ کے مہلک انجام سے ڈرا کر کشت وخوں سے باز رہنے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ کیا جا سکے۔ (۳۷)

سازش کا جال..... شلوہ، ایوانی اور دیگر گرجی امراء جو گزشتہ معرکے میں سلطان کے حلقہ بگوش بن گئے تھے اس دوران سلطان کی نظروں میں ایک قابل قدر مقام پیدا کرنے کی کوششیں کرتے رہے تھے۔ وہ صبح وشام سلطان کی عظمت وشوکت کے گن گاتے، رات دن ان کی غلامی کا دم بھرتے اور اپنی سرکش قوم کے متعلق سخت ترین الفاظ استعمال کر کے اس سے بیزاری کا اظہار کرتے۔ سلطان نے بھی ان پر اعتماد کر لیا تھا اور جود وکرم کا معاملہ کرتے ہوئے مرند، ارمیہ، سلماس اور اشنورا کی جاگیریں بھی ان کے نام کر دی تھیں۔ سلطان کو امید تھی کہ اس طرح گرجستان کی فتوحات میں ان کا دلی تعاون حاصل رہے گا۔

یہ گرجی سردار ویسے تو آئندہ کی جنگی حکمت عملی کے حوالے سے گرجستان کے حالات سے سلطان کو آگاہ کرتے رہتے تھے مگر یہ ان کا ظاہری کردار تھا۔ اندرونِ خانہ وہ اب بھی سلطان کے پکے دشمن اور اپنی قوم کے وفادار سپاہی تھے اور سلطان کی طاقت کو مکمل طور پر فنا کر دینے کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔ (۳۸)

بالآخر انہوں نے ایک گھناؤنا منصوبہ ترتیب دیا اور ایک روز موقع پا کر اپنی ملکہ کو خفیہ پیغام رسانی کے ذریعے اپنے منصوبے سے آگاہ کیا اور اسے کہلوایا کہ ہم مسلمانوں کی فوج کی راہنمائی کرتے ہوئے اسے درّۂ مارکاب کے راستے سے روانہ کریں گے، لہٰذا اس مقام پر جنگجوؤں کے دستے کمین گاہوں میں متعین کر دیے جائیں تا کہ بے خبری میں اسلامی لشکر کا صفایا کر دیا جائے اور انتقام کی پیاس بجھائی جا سکے۔

سلطان جلال الدین اس سازش سے بالکل لاعلم تھے۔ چونکہ شلوہ نے بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، اس لیے سلطان اس پر اور اس کی وساطت سے دیگر گرجی امراء پر اعتماد کرنے لگے تھے۔ قریب تھا کہ یہ منافق گروہ اپنی مکروہ سازش سے لشکرِ اسلام کو سخت زک پہنچانے میں کامیاب ہو جاتا، مگر ''جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے'' کے بمصداق ایک تعجب انگیز واقعے نے سلطان جلال الدین کو دشمن کے عزائم سے باخبر کر دیا۔

سازش کا افشاء..... سلطان جلال الدین کا ایلچی سلطان ملک طشتدار ان دنوں تفلیس میں گرجیوں کی ملکہ سے مذاکرات کر رہا تھا۔ یہ بڑا زیرک اور سمجھدار شخص تھا، اس نے گرجیوں کے ایک درباری ''کشیش'' سے بے تکلفی پیدا

کر لی تھی تا کہ کوئی راز اس کے مُنہ سے اچکنے کا موقع مل جائے۔ گرجستان کا دریائے کُرّ اپنے قدرتی مناظر کے باعث بڑی پُر لطف سیر گاہ تھی۔ (۳۹) ملک طشتدار ایک دن اس دریا کے کنارے چہل قدمی کر رہا تھا کہ اچانک کشیش وہاں سے گزرا جو شراب سے بدمست تھا اور خود پسندی نے اس کی بد دماغی کو مزید دو آتشہ کر دیا تھا۔ باتوں باتوں میں ان دونوں کے درمیان اپنے اپنے لشکروں کی قوت وشوکت کا تذکرہ چھڑ گیا۔ کشیش جو نشے کے باعث پہلے ہی اپنے حواس میں نہ تھا، چلّا کر کہنے لگا:

''تم ہمیں سمجھتے کیا ہو؟؟ ہم نے سب بندوبست کر رکھا ہے...... درّہ مارکاب میں ہمارے بے شمار جنگجو گھات میں بیٹھے ہیں۔ شلوہ اور ایوانی سلطان جلال الدین کو ادھر ہی سے لائیں گے، پھر دیکھنا...... ہم کیسا بدلہ لیں گے۔''

یہ الفاظ سن کر ملک طشتدار کے جسم میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی، دشمن کا گھناؤنا منصوبہ چشم زدن میں طشت از بام ہو کر اس کے سامنے آ چکا تھا۔ اس نے سوچا ''کشیش'' چونکہ نشے میں دُھت ہے، اس لیے فی الحال اسے احساس نہیں ہے کہ وہ یہ باتیں کس کے سامنے کہہ رہا ہے، مگر جوں ہی اسے راز فاش ہو جانے کا احساس ہوگا تو وہ مجھے قتل کیے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ بجلی کے کوندے کی طرح یہ خیال اس کے ذہن میں لپکا، اگلے ہی لمحے اس کی تلوار نیام سے نکل کر گرجی درباری کو واصل جہنم کر چکی تھی۔ دریائے کُرّ کے کنارے اس کارروائی کو دیکھنے والا اور کوئی نہ تھا، مگر یہ حرکت چھپ نہیں سکتی تھی، اب اس سرزمین میں ٹھہرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا، نیز یہ خطرہ بھی تھا کہ کہیں سلطان ان منافقین کے کہنے میں آ کر پیش قدمی شروع نہ کر دیں۔ چنانچہ ملک طشتدار نے بلاتاخیر گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برق کی مانند پہاڑوں اور جنگلات کو طے کرتا ہوا صبح صادق کے وقت...... جبکہ اسلامی لشکر گاہ میں فجر کی اذانیں گونج رہی تھیں...... بارگاہِ سلطانی میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔

منافقین کا انجام..... سلطان نے یہ سنتے ہی شلوہ، ایوانی اور دیگر زیر حراست چالیس گرجی امراء کو طلب کیا تا کہ ملک طشتدار کی اطلاع کی تصدیق ہو سکے، جب یہ منافقین حاضر ہوئے تو سلطان نے انہیں بڑی نرمی اور متانت سے مخاطب کر کے دشمن پر یلغار کے متعلق ان سے مشورہ مانگا اور پوچھا کہ حملے کے لیے غرس یا درۂ مارکاب میں سے کونسا راستہ زیادہ موزوں رہے گا؟

منافقین کو بالکل خبر نہ تھی کہ سلطان پر سارا راز کھل چکا ہے، سلطان کے طرزِ تخاطب میں بھی ذرّہ برابر کوئی ایسا تغیر نہ تھا کہ وہ چوکنا ہو جاتے، اس لیے شلوہ نے تیار شدہ منصوبے کے مطابق کہا:

''عالی جاہ! غرس کے راستے میں گرجی سپاہیوں سے بھرپور ایک مستحکم قلعہ واقع ہے جو ہماری پیش قدمی میں رکاوٹ ثابت ہوگا، اس کے بالمقابل درۂ مارکاب کا راستہ نہایت بے خطر اور تفلیس سے نزدیک تر ہے، میری رائے ہے کہ اسی راستے سے لشکر کشی کی جائے۔''

دوسرے گرجی امراء نے بھی زور و شور سے اس رائے کی حمایت کی اور یوں اپنی منافقت کا ثبوت پیش کر دیا۔

سلطان جلال الدین غصے سے بھڑک کر اپنی جگہ سے اٹھے، تلوار نیام سے کھینچ کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ شلوہ کے ہاتھی جیسے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ دوسرے گرجی امراء کو بھی سلطان کے حکم سے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

اب سلطان نے اپنے مخلص افسران سے مشورہ لیا۔ سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ سلطان نے کہا:

''میری تجویز یہ ہے کہ دشمن پر اسی وقت حملہ کر دیا جائے، وہ لوگ شلوہ اور اس کے ساتھیوں کے انجام سے بے خبر، غفلت کی حالت میں ہوں گے کہ ہم ان کے سروں پر جا پہنچیں گے۔'' (۴۰)

امرائے لشکر نے اس تجویز کو سراہا، سلطان فوراً دس ہزار برق رفتار شہ سواروں کا لشکر اپنی کمان میں لے کر دشمن کے مورچوں کی طرف روانہ ہوئے۔ دن رات سفر کر کے وہ ان بلند کوہساروں کے درّوں میں جا پہنچے جن کی چوٹیوں تک رسائی کے لیے عقاب جیسی بلند پرواز چاہیے۔ شب کی خاموشی اور گھٹاٹوپ بھیانک تاریکی میں ان سنگلاخ راستوں پر مجاہدین کے گھوڑوں کے سُم چنگاریاں اُڑا رہے تھے اور ٹاپوں کی زوردار آواز سے وادیاں گونج رہی تھی۔

مزید کچھ فاصلہ طے کر کے سلطان نے اپنی محتاط طبیعت اور خداداد ذکاوت سے کام لیتے ہوئے تمام فوج کو پیادہ ہو جانے کا حکم دیا تاکہ دشمن ٹاپوں کی آواز سن کر فوج کی نقل و حرکت سے آگاہ نہ ہو جائے۔ سارا لشکر گھوڑوں سے اُتر پڑا اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا۔ سلطان خود بھی پیدل چل رہے تھے۔ صبح صادق کے وقت سلطانی لشکر گرجیوں کے مورچوں کے نزدیک پہنچ کر دم سادھے ہوئے حملے کے لیے اپنے قائد کے اشارے کا منتظر تھا۔

معرکہ کارزار ..... صبح کی روشنی پھیلتے ہی مسلم جانباز نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکایک دشمن پر ٹوٹ پڑے، گرجی اس غیر متوقع حملے سے بدحواس ہو گئے۔ پھر بھی چاروناچار تلواریں سونت کر مقابلے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ سورج کے بلند ہوتے ہوتے لڑائی کی شدت عروج پر پہنچ گئی۔ جنگ کے شعلے ہر طرف لپک رہے تھے اور اپنی زد میں آنے والی ہر شے کو فنا کیے دے رہے تھے۔ ہر سمت کشتوں کے پشتے لگ رہے تھے۔ انجام کار جب گرجیوں نے مسلمانوں کی قلتِ تعداد کے باوجود ان کی ثابت قدمی اور دلیری میں کوئی تفاوت نہ دیکھا تو حوصلے ہار بیٹھے اور میدانِ جنگ سے فرار ہونے لگے۔ لشکرِ اسلام نے گھیر گھار کر ان کو تلواروں اور نیزوں پر رکھ لیا۔ جب لڑائی کا گرد و غبار فرو ہوا تو گرجی سپاہیوں کی اکثر تعداد موت کے گھاٹ اُتر چکی تھی۔ (۴۱)

لڑائی کے اختتام پر سلطان نے اپنے لشکر کو دشمن کے تعاقب میں روانہ کرنے کے بجائے اسی جگہ روک کر آرام کا حکم دیا۔ قفقاز کے پیچ در پیچ فلک بوس کوہستان میں اس وقت دشمن کا تعاقب خطرے سے خالی نہ تھا۔

شب بھر آرام کے بعد پو پھوٹتے ہی سلطان نے لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔ لشکر کوہستان کو عبور کر کے گرد و غبار کے بادل اُڑاتا ہوا صحرائے لور میں داخل ہوا۔ یہاں میدانِ جنگ سے فرار ہونے والے گرجی بڑی تعداد میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ سلطان کے اشارے پر ان سب کو واصل جہنم کر دیا گیا۔ یہاں سے سلطانی افواج نے پہلے شہرِ لوری اور پھر علیاآباد کی طرف پیش قدمی کی، یہ دونوں مقامات بلا کسی مزاحمت کے فتح ہو گئے۔ (۴۲) ان فتوحات کے بعد گرجستان میں سلطان جلال الدین کے قدم اچھی طرح جم گئے تھے اور اب وہ ان کے دارالحکومت تفلیس کو فتح کیے بغیر واپسی کے لیے تیار نہ تھے۔ تاہم فی الفور چڑھائی کرنے کے بجائے انہوں نے ماہ محرم کے بقیہ ایام اور صفر کا پورا مہینہ اسی جگہ رک کر اپنی طاقت کو نئے سرے سے مستحکم کیا۔

سلطان گرجیوں کے نرغے میں ..... غرہ (۴۳) ربیع الاوّل کا قصہ ہے کہ گرجستان کی شجر پوش وادیوں اور شفاف چشموں سے متاثر ہو کر سلطان جلال الدین نے سیر و تفریح اور شکار کا منصوبہ بنایا۔ بعض خصوصی مصاحبین اور چند سپاہیوں کو لے کر وہ گھنے جنگلات کی طرف نکل گئے۔ ان جنگلات سے آگے گرجیوں کی مقبوضہ حدود شروع ہو جاتی

تھیں۔ان اطراف میں مسلمانوں کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے کے لیے گرجیوں نے جگہ جگہ اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔سلطان جلال الدین کا جنگلات میں داخل ہونا ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہا۔انہوں نے فوراً اپنی چھاؤنی کو خبردار کر دیا۔گرجیوں نے موقع غنیمت جان کر سلطان کا کام تمام کرنے کے لیے پانچ سو آزمودہ کار جنگجوؤں کا ایک دستہ اِدھر روانہ کر دیا۔

سلطان جلال الدین کوہ ودمن کے پُر کیف و دلکش نظاروں میں محو تھے کہ یکا یک انہوں نے دور سے گرجیوں کے گھڑسوار دستے کو سرپٹ اس طرف آتے ہوئے دیکھا۔ایک عام سپاہی کے نقطہ نظر سے اس وقت راہِ فرار اختیار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا،مگر سلطان جلال الدین کی جرأت، ہمت اور بہادری کے سامنے ہر مشکل آسان اور ہر محال ممکن تھا۔انہوں نے اپنی شمشیرِ آبدار میان سے کھینچی اور اپنے ساتھیوں کو حوصلہ دلاتے ہوئے دشمن پر جارحانہ انداز میں حملہ کر دیا۔ان چند ساتھیوں کے ہمراہ سلطان نے ایسی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔پانچ سو حملہ آور سلطان کو گھیرے ہوئے تھے لیکن سلطان شیر ببر کی طرح دائیں سے بائیں اور آگے پیچھے متواتر حملے کر کے انہیں کسی بھی سمت سے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دے رہے تھے۔سلطان کے مصاحبین اور محافظ بھی آہنی دیوار کی طرح کندھے سے کندھا ملا کر جان توڑ مدافعت کر رہے تھے۔

سلطان کی بے مثال ثابت قدمی نے گرجیوں کو حد درجے حیرت زدہ اور سراسیمہ کر دیا۔دال گلتی نہ دیکھ کر انہوں نے مزید کمک طلب کی اور دم بدم گرجی دستے دور دراز کی کمین گاہوں اور چھاؤنیوں سے نکل نکل کر اس محاذ پر جمع ہونے لگے، یہاں تک کہ ان کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔سلطان پھر بھی مقابلے میں ڈٹے رہے اور ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوئے۔قفقاز کی اس شجر پوش وادی میں سلطان نے شجاعت و جواں مردی کے وہ جوہر دکھائے کہ دشت وجبل ہی نہیں، بلکہ خورشید و فلک بھی دم بخود رہ گئے۔ان کی شمشیرِ خارا شگاف چشم زدن میں اِدھر کئی دشمنوں کے وار روکتی، اُدھر کئی بے ایمانوں کو موت کی نیند سُلا دیتی۔دریائے سندھ کی لڑائی کے بعد اب تک درپیش معرکوں میں غالباً یہ مقابلہ سلطان کے لیے سخت ترین تھا جس میں سلطان کے بچ نکلنے کے امکانات بہت کم تھے،مگر ''ہمت مرداں و مددِ خدا'' کے بمصداق سلطان نے سرتوڑ کوشش کر کے اپنا کامیاب دفاع کیا۔

خوش قسمتی سے اس وقت تک سلطان کی فوج تک اس حادثے کی خبر پہنچ چکی تھی، اس لیے وہ بھی پوری سرعت سے سلطان کی مدد کے لیے آ رہے تھے، جوں ہی مددگاروں کی ایک کھیپ سلطان کی معیت میں پہنچی، سلطان ان کی صف بندی کر کے اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں گرجستان کے صلیب پرستوں پر جارحانہ انداز میں ٹوٹ پڑے اور دشمن کے دونوں پہلوؤں پر چند زوردار حملے کر کے ان کا رخ پھیر دیا۔

گرجیوں کے قدم اُکھڑتے ہی سلطان نے اپنی فوج کو تعاقب کا حکم دیا، جاں نثار سپاہیوں نے بھاگتے ہوئے دشمن کو تیروں، نیزوں اور تلواروں سے پامال کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور دریائے کُرّ تک تعاقب جاری رکھا۔بچے کھچے گرجی سپاہی مسلمانوں کی تلواروں سے ڈر کر اپنے بھاری اسلحے اور گھوڑوں سمیت دریا میں کود گئے، مگر ان میں سے چند ایک کے سوا سب دریا کی سرکش لہروں کا شکار ہو کر مر گئے۔ (۴۴)

سلطان کی حکمت عملی ..... کئی معرکوں میں شکست کھانے کے بعد اب گرجی سلطان سے حد درجہ دہشت زدہ ہو چکے

تھے، اس لیے اس موقع پر ایک مشیر نے سلطان کو رائے دیتے ہوئے کہا: ''عالم پناہ! یہ موقع غنیمت ہے، ہمیں فوراً دشمن کے دارالحکومت تفلیس کا محاصرہ کر لینا چاہیے۔''

سلطان نے اس مشورے کو رد کرتے ہوئے کہا: ''ہمیں تفلیس کی مضبوط فصیلوں کے سامنے آدمی گنوانے کی ضرورت نہیں، باہر موجود گرجیوں کو نمٹانے کے بعد میں ہم تفلیس کو کسی دِقّت کے بغیر حاصل کر سکتے ہیں۔''(۴۵)

دو تین روز تک سلطانی لشکر چن چن کر دشمنوں کا صفایا کرتا رہا۔ جب سلطان کو یقین ہو گیا کہ اب گرجیوں اور ان کے اتحادیوں کی وہی قوت باقی رہ گئی ہے جو تفلیس کی فصیلوں کی پناہ میں ہے تو انہوں نے ساز و سامان ایک محفوظ مقام پر چھوڑ کر ہلکے پھلکے لشکر کے ساتھ آگے پیش قدمی شروع کی۔

فتحِ تفلیس..... تفلیس سے کچھ فاصلے پر سلطان نے فوج کو رکنے کا حکم دیا، اور صرف تین ہزار کے لگ بھگ سپاہی اپنے ساتھ رہنے دیے اور بقیہ تمام لشکر کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے جگہ جگہ گھات میں بٹھا دیا۔ اس انتظام کے بعد سلطان خود آگے بڑھے اور تفلیس کی فصیل کے سامنے جا کر رک گئے۔

شہر کی فصیل کا زیادہ ایک بلند پہاڑی سلسلے پر تعمیر کیا گیا تھا، اس پر گرجی، قپچاقی، ارمنی اور لکزی فوجیں پرے جمائے کھڑی تھیں۔ یہ بلند و بالا مستحکم فصیلیں ایک طویل مدت کے لیے حملہ آوروں کو روکنے کے لیے کافی تھیں۔ اگر سلطان جلال الدین محاصرہ کر لیتے تب بھی اہل شہر مہینوں تک بآسانی مدافعت کر سکتے تھے، لیکن سلطان کو ایک مختصر سی فوج کے ساتھ فصیل کے سامنے پا کر محصورین دھوکے میں آ گئے، اپنی تعداد کی کثرت پر ناز کرتے ہوئے انہوں نے بلا تاخیر باہر نکل کر حملے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ کسی پس و پیش کے بغیر ان گنت گرجی اور ان کے اتحادی، فوج در فوج شہر سے باہر نکلنے لگے۔ سلطان جلال الدین نے حملہ آوروں کا سیلاب اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر قدرے توقف کے بعد پسپائی شروع کر دی۔ گرجیوں نے خیال کیا کہ سلطان مقابلے سے کترا کر راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ انتقام کی آگ میں جھلسے ہوئے گرجی اندھا دھند سلطان کے تعاقب میں بڑھتے رہے۔ سلطان اپنے طے شدہ منصوبے کے مطابق انہیں اس مقام تک لانے میں کامیاب ہو گئے جہاں ان کی فوج کا اکثر حصہ گھات لگائے بیٹھا تھا۔

جب لشکرِ کفار مکمل طور پر ان کی زد میں آ گیا تو انہوں نے کمین گاہوں سے نکل کر حملہ کر دیا۔ اس اچانک افتاد سے گرجی اس قدر گھبرا گئے کہ کسی کو سر پیر کا ہوش نہ رہا۔ سلطان جلال الدین بھی پلٹ کر سامنے سے راستہ روک چکے تھے۔ مکمل تباہی سے بچنے کے لیے گرجی سورماؤں نے افراتفری کے عالم میں فصیلِ شہر کا رخ کیا، مسلمان جانباز بھی ان کے تعاقب میں چلے، شہزادہ غیاث الدین ان کی کمان کر رہا تھا۔ جب گرجی فصیلِ شہر کے دروازے کھلوا کر شہر میں داخل ہونے لگے تو مسلمان سپاہی بھی اس بھگدڑ میں ان کے ساتھ ساتھ شہر میں گھس گئے۔ تفلیس کے محکوم مسلمانوں نے ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' اور ''سلطان جلال الدین زندہ باش..... سلطان جلال الدین زندہ باش.....'' کے نعرے لگا کر فاتح لشکر کا استقبال اور ساتھ ساتھ اپنے اسلام کا اظہار بھی کیا۔

چونکہ یہ شہر عُنوۃً (بزور شمشیر) فتح ہوا تھا، اس لیے حکمِ سلطانی سے لشکرِ اسلام نے گرجیوں کی لاشوں سے تفلیس کے گلی کوچوں کو پُر کر دیا۔ گرجیوں کی شورش پسندی اور سرکشی کا تجربہ کرنے کے بعد سلطان جلال الدین ان میں سے لڑائی کے قابل کسی فرد کو زندہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔(۴۶)

آخری لمحات میں اپنی شکست کا یقین کر کے تفلیس کے قلعے کے محافظین نے شاہی خزانہ دریا میں غرق کر دیا تھا، تاہم اس کے سوا حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کا بھی کوئی حد و حساب نہ تھا۔ (۴۷)

اس عظیم الشان فتح سے گرجیوں کی کمر ٹوٹ گئی، تفلیس میں قتل کیے گئے گرجیوں کی تعداد ایک لاکھ بتائی جاتی ہے۔ (۴۸) یہاں کی آبادی سے میں سے صرف وہی بچ سکے جو پہلے سے مسلمان تھے یا اس فتح کے بعد اسلام لے آئے۔ (۴۹) یہ یادگار واقعہ آٹھ ربیع الاوّل ۶۲۳ھ (۸ مارچ ۱۲۲۶ء) کا ہے۔

اس دوران ہزاروں گرجی سپاہی شہر کو سلطانی افواج کے رحم و کرم پر چھوڑ کر قلعے میں مورچہ زن ہو گئے تھے۔ یہ قلعہ ایک دریا کے پار تھا۔ دریا پر لکڑی کے دو پُل تھے مگر گرجیوں نے قلعے میں داخل ہونے سے قبل دونوں پُل جلا کر ناکارہ دیے تھے۔ دریا کا پاٹ اتنا چوڑا اور بہاؤ اتنا تیز تھا کہ پُل کے بغیر اسے عبور کرنا بہت مشکل تھا مگر سلطان نے آرام کیے بغیر اسی شب اپنے سپاہیوں کے ساتھ دریا پار کر کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ شکن آلات تک نصب کروا دیے۔ یہ دیکھ کر گرجیوں نے قاصد بھیج کر جان کی امان طلب کی، چونکہ شہر فتح ہونے کے بعد بھی قلعے کا زیادہ دنوں تک دشمن کے پاس باقی رہ جانا تشویش ناک تھا اس لیے سلطان نے ازراہِ مصلحت انہیں پروانہ امن دے دیا اور قلعے پر اس کے تمام ساز و سامان سمیت قبضہ کر لیا۔ (۵۰)

تفلیس کے نواح میں گرجیوں کے بہت سے دیہات اور قلعے موجود تھے۔ سلطانی لشکر کی آمد کے خوف سے وہاں آباد گرجیوں کی بہت بڑی تعداد دوسرے علاقوں کی طرف نقل مکانی کر گئی۔ سلطان کے سپاہیوں نے یکے بعد دیگرے ان تمام مقامات پر قبضہ کر لیا اور جہاں کہیں مسلح شرپسندوں کا سراغ پایا انہیں بلاتوقف جہنم رسید کر دیا۔ (۵۱)

تفلیس کی فتح کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین کا وہ عظیم دفاعی خط مکمل ہو گیا جس کے لیے وہ ایک عرصے سے کوشاں تھے۔ ساحلِ سندھ سے لے کر قفقاز تک ہلال کی شکل میں پھیلا ہوا یہ ہزاروں میل طویل حصار جغرافیائی لحاظ سے تاتاری یلغار کے تمام ممکنہ راستوں کو گھیرے ہوئے تھا۔ تاتاریوں کو اب کسی بھی اسلامی ملک پر حملہ کرنے سے پہلے اس دفاعی حصار سے گزرنا پڑتا۔ ان کی پیش قدمی کے ہر امکانی راستے پر قابض ہو کر سلطان نے اس ہزاروں میل لمبی پٹی کے ایک ایک انچ کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی تھی اور مجاہدین کے تیز رفتار گشتی دستے اس مقصد کے لیے ایک وسیع خطے میں متحرک ہو چکے تھے۔

اگر مجھے فدیہ لینے کا شوق ہوتا..... تفلیس سے تبریز کے راستے میں ''سرماری'' نامی مقام پر سلطان کا ایک کیمپ تھا۔ سلطان نے تاج الدین ہلال کی نگرانی میں جن خاص قیدیوں کو تبریز روانہ کیا تھا، وہ راستے میں یہاں ٹھہرائے گئے تھے۔ وزیرِ سلطنت شرف الملک نے یہ طے کر لیا تھا کہ فدیہ لے کر ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ گرجی اپنے تین بڑے سرداروں کی رہائی کے بدلے بیس ہزار اشرفیوں کی مالیت کی نقدی، زیور اور مویشی لے کر یہاں پہنچ چکے تھے اور تینوں سرداروں کی رہائی عمل میں آنے والی تھی۔

مگر اس سے پہلے سلطان جلال الدین دریائے ارس کا پل پار کر کے یہاں پہنچ گئے۔ اسی کیمپ میں منشی شہاب الدین النسوی کا قیام بھی تھا۔ جب سلطان کو گرجیوں کی رہائی کے معاملے کی سن گن ملی تو النسوی کو بلا کر کہا:

''اگر مجھے دشمن فروخت کرنے کا شوق ہوتا تو میں اب تک اس قدر مال و دولت جمع کر چکا ہوتا کہ رات دن کی

گردش بھی اسے ختم نہ کر سکتی۔''

یہ کہہ کر سلطان نے حکم دیا کہ گرجی سرداروں کو ہرگز آزاد نہ کیا جائے چنانچہ ان کو چھوڑ کر فدیہ لینے کا منصوبہ ترک کر دیا گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی وجہ سے وزیر دل ہی دل میں بہت کبیدہ خاطر ہوا اور ردِّعمل کے طور پر سرکاری خزانے کو فضول مصارف میں بے تحاشا خرچ کرنے لگا۔

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراجِ تحسین ..... اکثر مؤرخین نے گرجستان میں سلطان کی جہادی مہمات کو یا تو بالکل نظرانداز کیا ہے یا انہیں سرسری طور پر اس طرح بیان کیا ہے جیسے یہ روزمرہ کی معمولی جھڑپیں ہوں حالانکہ گرجستان کا محاذِ جنگ اتنا اہم، نازک، خطرناک اور کٹھن تھا کہ اگر سلطان کی سوانح میں اس ایک مہم کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تب بھی ان کی شجاعت، ہمت اور معرکہ دانی کے ثبوت کے لیے کسی اور کارنامے کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کے اس ایک احسان سے امت مسلمہ تاقیامت سبکدوش نہیں ہو سکتی اور یہ ایک محاذ ہی تاریخ میں ان کا نام روشن کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس سے قبل گرجستان میں عیسائیوں کا تسلط کسی طرح ختم ہونے میں نہ آتا تھا اور وہاں مسلم آبادی مٹتی جارہی تھی۔ سلطان نے گرجی عیسائیوں کو اس طرح کچلا کہ وہاں مسلمان نئی آن بان کے ساتھ ظاہر ہوئے اور آج تک ان علاقوں میں ان کی بڑی تعداد آباد چلی آرہی ہے۔

اگر اس مقام پر سلطان کے قابل قدر کارہائے نمایاں کو سمجھا ہے تو علامہ بن اثیر رحمہ اللہ نے ...... جو سلطان جلال الدین کے ہم عصر تھے، وہ فرماتے ہیں:

> ''گزشتہ سالوں کے حالات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ گرجستانی اپنی سرحد سے متصل اسلامی ممالک خلاط، آذربائیجان، ارّان، ارزن الروم، دربند شروان وغیرہ میں مسلمانوں کا بے تحاشا خون بہاتے رہتے تھے اور ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے جارہے تھے، ان کے ہاتھوں ان علاقوں کے مسلمان ذلت و رسوائی کا شکار تھے، آئے دن وہ ان پر حملہ آور ہوتے اور قتل عام کرتے۔ ہم اور تمام مسلمان جب بھی یہ حالات سنا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ سے دُعائیں کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ایسا رہنما نصیب فرمائے جو ان کی حفاظت کرے، ان کی مدد کرے اور ان کا انتقام لے......
>
> پس اللہ تعالیٰ نے ان پس ماندہ علاقوں پر رحمت کی نگاہ ڈالی، ان پر رحم فرمایا اور ان کو 'جلال الدین' عطا فرمایا جس نے گرجیوں کا وہ حشر کیا جو تم دیکھ چکے ہو اور وہ ان کافروں سے اسلام اور مسلمانوں کا انتقام لے کر رہا۔'' [۵۳]

دربارِ خلافت کے سفیر کا جذبہ جہاد ..... سلطان کے ان کارناموں نے اسلامی ملکوں میں جہاد کا ایک جوش و جذبہ پیدا کر دیا تھا۔ ایک مدت بعد بڑے بڑے امراء و رؤساء جہاد میں حصہ لینے کو سعادت اور فخر کی بات سمجھنے لگے تھے۔ اس ولولے کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ ان دنوں دربارِ خلافت کا ایک بڑا قابل اور عالم فاضل سفیر سلطان جلال الدین کے ہاں آیا ہوا تھا۔ سلطان گنجہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ جب سفیر واپس ہونے لگا تو سلطان نے اپنے ہاں کے معروف عالم حافظ تقی الدین کو اس کے ساتھ روانہ کیا کہ وہ اعزاز کے طور پر اسے بغداد تک چھوڑنے جائیں۔

سفیر نے چند منازل سفر کیا تھا کہ تاتاریوں کے سلطان کے خلاف حملے کی افواہ پھیل گئی۔ ادھر سلطان اصفہان

کی طرف کوچ کر چکے تھے جس سے اس افواہ کو مزید تقویت ملی اور مشہور ہو گیا کہ سلطان جہاد کے لیے سرحدوں کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ سن کر سفیر نے بغداد جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور سلطان کی تلاش میں روانہ ہو گیا۔ سلطان راستے میں میانج کے مقام پر رکے ہوئے تھے کہ بغدادی سفیر پھر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''مجھے معلوم ہوا ہے تاتاری پھر سے آپ کے خلاف لشکر کشی کر رہے ہیں اور آپ ان سے جہاد کرنے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہر مسلمان پر سلطان کے پرچم تلے جہاد کرنا فرض ہے۔ میں بھی مسلمان ہوں پس اس فریضے سے پہلوتہی نہیں کر سکتا۔''

سلطان جلال الدین کو سفیر کا یہ جذبہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی، انہوں نے تعریف کرتے ہوئے کہا: ''واقعی دربارِ خلافت کے سفیر کی شان یہی ہونی چاہیے جس سے آپ بہرہ ور ہیں۔''

سلطان نے اپنے کاتب النسوی کو حکم دیا کہ سفیر کو لشکر کا معاینہ کرایا جائے۔ ایک ایک دستہ پریڈ کرتے ہوئے سفیر کے سامنے سے گزرا۔ معاینے کے بعد سلطان نے دریافت کیا:

''امیر المؤمنین کی فوج زیادہ ہے یا ہماری؟''

سفیر نے کہا: ''امیر المؤمنین کی فوج اس سے کئی گنا زیادہ ہے، البتہ آپ کی فوج جنگوں کی زیادہ ماہر ہے۔''

سفیر کچھ دنوں بعد بغداد واپس چلا گیا کیونکہ تاتاریوں کی آمد کی خبر محض افواہ ہی تھی۔ اصل میں سلطان کی کچھ فوج جو بلکا خان نامی ایک امیر کی قیادت میں تھی، مرکز کی طلب پر ہندوستان کے مقبوضات سے واپس آ رہی تھی۔ لوگوں نے اسے تاتاریوں کی فوج سمجھ لیا تھا۔ [۵۳]

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۸ ② تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۷

③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵، ۶۱۷، ۶۲۹ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵

④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵ ⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۰۵

⑥ سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۹، ۲۰۰ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰

⑦ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷۔ ویسے گرجیوں کا یہ جواب لاف زنی اورلن ترانی سے خالی نہیں، اس لیے کہ تاتاریوں سے جنگ میں گرجیوں کا بہت نقصان ہوا تھا اور تاتاریوں کا پلہ بھاری رہا تھا۔

⑧ یعنی یہ کہ قرب وجوار کے مسلم حکمران اس فوج کشی کو اپنے خلاف گمان نہ کریں۔

⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷ ⑩ روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۰

⑪ سیرۃ جلال الدین ص ۱۹۷ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰

⑫ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۱۷ ⑬ روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۰ ...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۹

⑭ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۸، ۱۹۹ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰ ...... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم ...... خوارزم شاہی ص ۱۵۸

⑮ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۹ ...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۵۸ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵

⑯ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۹۹ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰ ...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۹ ...... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم

⑰ البدایۃ والنہایہ ج ۷ ص ۱۲۴ بحوالہ ابو شامہ ...... ابن اثیر نے یہ تعداد بیس ہزار بیان کی ہے۔

⑱ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۰ ...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸ ...... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم

⑲ سیرۃ جلال الدین ص ۲۰۲ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰

⑳ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۰ ㉑ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵

㉒ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸ ㉓ سیرۃ جلال الدین ص ۲۰۲ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰

㉔ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

㉕ اس قضیے کی تفصیل سلطان کی سیرت وکردار کے تحت پندرہویں باب میں ملاحظہ کریں۔ نیز ملاحظہ ہو سیرت سلطان جلال الدین ص ۱۱۷، ۱۱۸ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۲۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۶ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۲۷) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

(۲۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۷ ...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۷ ...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۲۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴، ۱۲۵ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۳۰) شذرات الذہب ج ۵ ص ۹۸، ۹۹ ...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹ ...... الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲۰ ص ۲۵۶

(۳۱) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۰ ...... خوارزم شاہی ص ۱۸۵

(۳۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸ (۳۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

(۳۴) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

(۳۵) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۰ (۳۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۴ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۳۷) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۰ (۳۸) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۰

(۳۹) دریائے کرّ ایک بڑا دریا ہے۔ یہ قفقاز کے جبل باب الابواب سے بہتا ہوا تفلیس شہر کے درمیان سے گزر کر اسے دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ بعدازاں آذربائیجان اور اران کے مابین حدِ فاصل بناتا ہوا بحیرہ خزر (کیسپین) میں جا گرتا ہے۔

(۴۰) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۲ (۴۱) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۲

(۴۲) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۲ (۴۳) قمری مہینے کی پہلی دوسری اور تیسری تاریخ غرّہ کہلاتی ہے۔

(۴۴) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۴ (۴۵) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

(۴۶) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۶

(۴۷) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۴ (۴۸) البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۲۴

(۴۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۵ ...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۲۸

(۵۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۴ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

(۵۱) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۴ (۵۲) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۷

(۵۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۲۷، ۱۲۸ ...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۶۵

متحدہ دفاعی حصار کا انہدام

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ......اور آپس میں جھگڑا مت کیا کرو کہ اس سے تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔(انفال، آیت:۴۶)

۶۲۳ھ میں ایک طرف تو سلطان جلال الدین خوارزم شاہ گرجستان میں فتوحات کے پھریرے لہرا رہے تھے، مگر دوسری طرف وہ بین الاقوامی سیاست کے میدان میں چند پریشان کن تبدیلیوں کا سامنا کر رہے تھے، جن کا تذکرہ پہلے اختصاراً اور پھر قدرے تفصیل سے درج ذیل ہے:

1 ......خلیفۃ المسلمین ظاہر باللہ جنہوں نے چند ماہ پیشتر سلطان کی جانب تعاون اور خیر سگالی کا ہاتھ بڑھایا تھا، یکا یک سلطان کی حمایت سے دست بردار ہو گئے۔

2 ......حاکمِ خلاط الملک الاشرف سے سلطان کے تعلقات از حد کشیدہ ہو گئے۔

3 ......سلطان کے سب سے مضبوط حلیف الملک المعظم نے بھی سلطان کو تنہا چھوڑ دیا۔

اب ان حالات کی تفصیل ملاحظہ کیجیے:

1 خلیفہ کی خفگی..... خلیفہ ظاہر باللہ کی سلطان سے اچانک خفگی کی وجوہات سے کسی مؤرخ نے پردہ نہیں اُٹھایا، مگر اس زمانے کے حالات کا بغور جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آذربائیجان اور گرجستان میں سلطان کی طوفانی فتوحات کے باعث آس پاس کے مسلم و غیر مسلم حکمران سلطان سے حسد کرنے لگے تھے۔ نیز انہیں یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر سلطان ان کو ترکِ جہاد اور تاتاریوں کی حمایت کی سزا دینے کے لیے ان پر حملہ آور ہو گئے تو وہ ان کے مقابلے کی تاب نہیں لاسکیں گے۔ ان حالات کے پیشِ نظر یہ بعید نہیں کہ سلطان کی بڑھتی ہوئی طاقت کو توڑنے کے لیے یہ صاحبِ اقتدار طبقہ خلیفۃ المسلمین کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کی کوششیں کرنے لگا ہو۔ غالباً یہ اسی قسم کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ آخر کار خلیفۃ المسلمین سلطان کی حمایت سے نہ صرف یہ کہ خود دست کش ہو گئے بلکہ انہوں نے سلطان کے حلیف الملک المعظم کو بھی ان سے علاحدہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔

2 الملک الاشرف سے کشیدگی..... سلطان جلال الدین اور الملک الاشرف کے مابین کوئی ذاتی تنازعہ نہ تھا، مگر چونکہ ایک مدت سے الملک المعظم اور اشرف کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے، اس لیے الملک المعظم کے ساتھ سلطان کو اتحاد کرتا دیکھ کر اشرف نے سلطان کو بھی اپنا مدمقابل سمجھ لیا تھا۔ آنے والے دنوں میں حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ الملک الاشرف اور سلطان کے تعلقات مزید خراب ہوتے چلے گئے۔

3 الملک المعظم کی سلطان سے علاحدگی..... الملک المعظم جس کے ساتھ دوستی کی خاطر سلطان جلال الدین نے

الملک الاشرف سے مخاصمت مول لی تھی، اب ان دونوں کے درمیان جنگ کے شعلے بھڑکنے کے بعد سلطان کی حمایت سے دست بردار ہوکر الملک الاشرف سے جاملا تھا۔ اس سے قبل خلیفہ نے بھی الملک المعظم پر اس سلسلے میں دباؤ ڈالا تھا اور سلطان کو باغی قرار دیتے ہوئے معظم کو اس کی دوستی سے باز رہنے کا حکم دیا تھا۔ ماہ شوال میں الملک الاشرف نے بذاتِ خود معظم کے پاس جاکر اسے سلطان کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کرلیا۔ دونوں میں باہمی اتحاد کا معاہدہ طے پا گیا۔ بعدازاں اس معاہدے میں ان کا تیسرا بھائی الملک الکامل شاہِ مصر بھی شامل ہوگیا۔ سلطان جلال الدین کے اقتدار کو اپنی خاندانی وجاہت اور موروثی حکومت کے لیے خطرہ گردانتے ہوئے یہ سب بھائی سلطان کے خلاف متحد ہوگئے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ سلطان جلال الدین اس بے فائدہ کشمکش سے ابتداءً ہی دامن بچا کر رکھتے، مگر اب الملک المعظم کے علاحدہ ہوکر حریف سے مل جانے کے بعد وہ اپنے خلاف بنائے گئے اس متحدہ محاذ سے بے توجہی نہیں برت سکتے تھے۔ انہیں اس صورتحال سے نفسیاتی طور پر بھی سخت دھچکا لگا تھا کہ جن سے انہیں اپنا دست و بازو بننے کی امید تھی وہی انکے جانی دشمن ثابت ہورہے تھے، جن کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے انہوں نے اپنی راتوں کی نیند تک حرام کرلی تھی وہی انہیں بے دست و پا کرنے پر تل گئے تھے۔ سلطان نے سمجھ لیا تھا کہ اب ایوبی خانوادے کے حکمرانوں کی سازشوں سے لاپرواہی برتنا، ان کے کسی وعدے پر اعتماد کرنا یا اپنے مشن کی تکمیل کو ان کی امداد پر منحصر کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اسکے ساتھ ساتھ وہ انہیں ان کی بے وفائی اور بے مروتی کی سزا بھی دینا چاہتے تھے، اس لیے وہ معاملات کو صلح صفائی سے حل کرنے کی امکانی کوششوں پر غور کرنے کی بجائے ایوبی حکمرانوں کو ترکی بترکی جواب دینے پر تل گئے اور تنہا ہوتے ہوئے بھی ان کے متحدہ محاذ کے مقابلے پر جم گئے۔

سلطان جلال الدین اور ایوبی خاندان کے باہمی ٹکراؤ میں ہر جانب کے حکومتی افسران کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں، حاشیہ برداروں کی لگائیوں بجھائیوں، وزراء کی سازشوں اور سلاطین کی باہمی بداعتمادی کا بڑا دخل تھا۔ ان امور کے باعث فریقین نے اپنے مصالح کو نظر انداز کرکے ایک ایسی دلدل میں قدم رکھ دیا جس سے نکلنا دونوں کے لیے دوبھر ہوگیا اور محاذ آرائی کے اس طویل سلسلے میں فریقین کی قیمتی صلاحیتوں کا سرمایہ برباد ہوتا رہا۔

اگر ہم اس صورتحال کو سلطان کے مداح کی حیثیت سے دیکھیں تو ہمیں وہ ایوبی خاندان کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور نظر آتے ہیں، لیکن غیر جانب دارانہ نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس موقع پر ایوبی حکمرانوں کا طرزِ عمل قابل تقلید تھا، نہ سلطان کی پالیسی قابل تعریف۔ اگر سلطان جلال الدین اور ایوبی خانوادے کے تاجدار خلوصِ نیت سے مل بیٹھ کر اپنے اختلافات رفع دفع کرلیتے تو امت مسلمہ آنے والے بہت سے مصائب سے بچ سکتی تھی۔

چند متفرق واقعات اور مہمات ..... ان ایام میں چند اہم واقعات رونما ہوئے نیز سلطان جلال الدین کو بعض نئی مہمات پر جانا پڑا جن کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

1 **ناگہانی مہم .....** تفلیس کی فتح کے دنوں میں کرمان کے حاکم براق حاجب نے موقع پاکر سلطان کے خلاف بغاوت کردی اور چنگیز خان کو کہلا بھیجا:

''جلال الدین ایک وسیع سرزمین پر قابض ہوکر قوت پکڑ چکا ہے، مزید فتوحات کے بعد اس کا رخ آپ کی

جانب ہوگا،اس کا تدارک ابھی نہ کیا گیا تو وہ آپ کے ملک پر بھی قبضہ کرلے گا۔''

عراق کے گورنر شرف الدین نے سلطان کو براق کی ان حرکات کی خبر بھیج دی۔ اطلاع ملتے ہی سلطان نے جمادی الثانیہ ۶۲۳ھ میں چیدہ چیدہ سواروں کا ایک لشکر لے کر بگولے کی طرح کرمان کا رخ کیا اور وسیع جنگلات، بلند پہاڑوں اور بے آب وگیاہ ریگزاروں کو پھلانگتے ہوئے صرف سترہ دن میں تفلیس سے کرمان جا پہنچے۔ ان کے زیادہ تر سپاہی ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکے تھے، اس لیے کرمان پہنچنے تک ان کے ساتھ صرف تین ہزار سوار باقی رہ گئے تھے۔ سلطان کی اس اچانک آمد سے براق گھبرا گیا اور گڑگڑا کر معافی مانگی، جسے سلطان نے بعض مصلحتوں کی بنا پر قبول کرلیا۔

2 خلیفہ ظاہر کی وفات ..... گزشتہ کچھ دنوں سے خلیفۃ المسلمین ظاہر باللہ کے بدلے ہوئے انداز سلطان جلال الدین کے لیے مسلسل ذہنی اذیت کا باعث تھے۔ اس کا فوری تدارک ضروری تھا، چونکہ ظاہر باللہ ایک انصاف پسند، نیک سیرت اور نرم خو انسان تھے، اس لیے یہ عین ممکن تھا کہ سلطان سفارتی کوششوں کے ذریعے خلیفہ کا دل صاف کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر گرجستان کے جہاد کی زبردست مشغولیت اور پھر براق کی بغاوت نے سلطان کو کچھ کرنے کا موقع نہ دیا اور جب سلطان بغاوت کے شعلے سرد کر کے فارغ ہوئے تو ان کو یہ اطلاع ملی کہ خلیفہ ظاہر داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں۔ یہ سانحہ ۱۴ رجب ۶۲۳ھ (۱۱ جولائی ۱۲۲۶ء) بروز ہفتہ کو پیش آیا۔

3 گرجستان پر سلطان کا تیسرا حملہ ..... ماہِ رمضان میں سلطان نے پھر گرجستان کا رُخ کیا۔ ابتداءً گرجیوں کے شہر ''آنی'' کا محاصرہ کر کے زبردست حملے کیے اور منجنیقوں کے ذریعے سنگ باری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ساتھ ہی انہوں نے فوج کا ایک حصہ شہر ''قرس'' کے محاصرے کے لیے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں شہر اپنی فصیلوں اور قلعوں کے لحاظ سے بڑے مضبوط اور ناقابلِ تسخیر شمار ہوتے تھے۔ تقریباً ایک ماہ تک مسلسل سنگباری کے باوجود ان کی فصیلیں روزِ اوّل کی طرح سر بلند رہیں۔ اسی محاصرے کی حالت میں خوارزمی لشکر نے عید الفطر منائی۔ ماہِ شوال کے چند دن گزرنے پر سلطان اپنی فوج کو محاصرے پر متعین چھوڑ کر خود تفلیس چلے گئے اور تازہ دم دستے لے کر وہاں سے کوہستانِ قبق کی طرف کوچ کیا۔ کوہستان میں واقع ابخاز کے علاقے میں شورش پسند گرجیوں کی ایک نئی قوت مجتمع ہو رہی تھی۔ سلطان نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کی قوت کو کچل کر رکھ دیا۔

4 ترکمانی ڈاکوؤں کی سرکوبی ..... ''ترکمان ایوانیہ'' آذربائیجان کے سرحدی کہساروں میں ڈاکوؤں کا ایک زبردست قبیلہ تھا۔ سلطان جلال الدین کی عدم موجودگی میں مقامی محافظ فوج کو کمزور پا کر وہ آذربائیجان میں گھس آئے تھے اور بے محابا لوٹ مار کر رہے تھے۔ تبریز آنے والا ایک بڑا قافلہ جس کے مال تجارت میں صرف بکریوں کی تعداد ہی بیس ہزار تھی، مکمل طور پر لوٹ لیا گیا تھا۔ ترکمانی ڈاکو اس خام خیالی میں مگن تھے کہ سلطان جلال الدین کو حالیہ مہمات کے باعث دائیں بائیں کا ہوش نہ ہوگا کہ اچانک سلطان اپنے برق رفتار دستوں سمیت ان کے سروں پر آن پہنچے۔ ڈاکوؤں کو اپنی پہاڑی پناہ گاہوں تک پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔ سلطانی فوج نے چاروں طرف سے گھیر گھار کر ان کی بڑی تعداد کو قتل اور باقی ماندہ کو قید کرلیا۔ عوام سے لوٹے ہوئے مال کے ذخائر اور مویشی بازیاب کرا لیے گئے۔

5 بہادری کا ایک عجیب واقعہ ..... سلطان اس مہم سے فارغ ہو کر موقان سے ہوتے ہوئے ایک سو سپاہیوں کے حفاظتی

دستے کے ساتھ اپنی ملکہ بنت طغرل سے ملاقات کرنے خوی روانہ گئے تاکہ کچھ استراحت کریں۔اس اثناء میں خبر ملی کہ ''سنقر جا'' نامی ایک امیر دیگر اتابکی امراء کے ساتھ راستے میں کئی گنا فوج کے ساتھ ان سے لڑنے پر آمادہ ہے۔

اس صورتحال میں بظاہر آگے جانا خود کو خطرے میں ڈالنے کے برابر تھا مگر سلطان کے لیے یہ معمول کی بات تھی۔انہوں نے بے خوف وخطر سفر جاری رکھا اور جونہی حریف کی فوج نظر آئی وہ انہی سو سپاہیوں کے ساتھ اس پر ٹوٹ پڑے۔اتابکی لشکر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا مگر سلطان نے تعاقب جاری رکھا۔آخر کار ان سب نے ہتھیار ڈال دیے اور سلطان کے حلقہ بگوش بن گئے۔

6 ملک خاموش کا تحفہ ..... سلطان نے خوئی میں کچھ ستانے کے بعد تبریز کا دورہ کرتے ہوئے ''گنجہ'' میں پڑاؤ ڈالا۔یہاں تبریز کے سابق حاکم ازبک بہلوان کا بیٹا قزل ارسلان عرف ملک خاموش سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ پیدائشی طور پر گونگا تھا،اس نے سلطان کو ایک نایاب تحفہ پیش کیا۔یہ ایک کمر بند تھا جس میں کئی انمول ہیرے جڑے ہوئے تھے جن میں سے ایک کی پیائش ہتھیلی کے برابر تھی۔یہ نایاب شے ایرانی حکمرانوں میں نسل در نسل چلی آرہی تھی،اس پر شاہ کیکاؤس اور دیگر قدیم ایرانی بادشاہوں کے نام کندہ تھے۔ازبک بہلوان کی موت کے بعد ملک خاموش اس کا وارث بن گیا تھا اور اب اس نے سلطان جلال الدین کے سپرد کردی۔سلطان اس نادر تحفے سے بہت مسرور ہوئے۔انہوں نے کیکاؤس کا نام مٹا کر اس پر اپنا نام کندہ کرایا اور عید کے دن اسے زیب تن کرنے کا معمول بنالیا۔

7 تفلیس کی تباہی ..... ترکمان ایوانیہ پر حملے سے قبل سلطان نے تفلیس اور اسکے نواح میں پڑاؤ ڈالے ہوئے اکثر خوارزمی سپاہیوں کو ناقابلِ برداشت سردی سے بچانے کے لیے معتدل اور سرسبز علاقوں کی طرف پھیل جانے کا حکم دے دیا تھا۔بظاہر اس بات کا کوئی امکان نہ تھا کہ اس شدید موسم میں گرجیوں کی بچی کھچی تعداد کسی محاذ پر بھی پیش قدمی کر سکے گی،مگر خوارزمی فوج کے ہٹنے کے بعد حیرت انگیز طور پر قرس، آنی اور چند دوسرے محفوظ قلعوں کے گرجی سپاہی موسم کی شدت کو نظر انداز کرتے ہوئے ربیع الاوّل ۶۲۴ھ (فروری ۱۲۲۷ء) میں یکدم تفلیس پر حملہ آور ہوگئے۔وہاں پر خوارزمی فوج کا ایک قلیل حصہ باقی رہ گیا تھا جو مدافعت سے عاجز آکر شہر سے نکل گیا۔گرجیوں کو یقین تھا کہ وہ شہر پر قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے،وہ جانتے تھے کہ سلطان جلال الدین یہ خبر سنتے ہی اپنے لشکر سمیت ان پر دھاوا بول دیں گے اور اس وقت وہ مقابلے کی تاب نہیں لاسکیں گے،اس بناء پر شہر فتح کرتے ہی گرجیوں نے ہر طرف آگ لگادی اور قتل عام وغارت گری کرکے واپس لوٹ گئے۔

سلطان کو ''گنجہ'' میں یہ خبر موصول ہوئی تو وہ فوراً تفلیس روانہ ہوئے،مگر ان کے پہنچنے سے قبل گرجی شہر کو سخت نقصان پہنچا کر جا چکے تھے۔

گرجیوں سے چند اور معرکے ..... انہی ایام میں ایک خوارزمی سالار کک خان کسی سے مشورہ کیے بغیر بکھرے ہوئے سپاہیوں کو جمع کرکے گرجیوں کے علاقے لوری پر تاخت وتاراج کرنے لگا۔ایک شب اس نے لشکر کے ایک حصے کو جھیل بتاخ کے مشرق میں اور دوسرے کو مغربی کنارے پر ٹھہرایا۔گرجیوں نے موقع دیکھ کر مغربی کنارے پر پڑاؤ ڈالنے والوں پر شب خون مارا اور بہت سے خوارزمیوں کو شہید یا مجروح اور بہت سوں کو گرفتار کرلیا۔

زخمی ہونے والے سپاہیوں میں ازبہ طاین نامی ایک ترک بھی تھا۔اپنے ساتھیوں کی شکست وپسپائی کے بعد اس

نے دیکھا کہ گرجی ایک ایک زخمی کو قتل کرتے جا رہے ہیں۔وہ فوراً ایک چٹان کی طرف کھسک گیا اور اس سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔اپنا ترکش سامنے الٹ دیا اور کمان میں تیر چڑھا کر تیار ہو گیا۔گرجی اس کی طرف بڑھے تو تیر چلانے شروع کر دیے۔اس طرح یکے بعد دیگرے تین گرجیوں کا مار ڈالا۔گرجی اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ پھر کوئی اس کے قریب نہ گیا۔جب میدان خالی ہو گیا تو ازبہ طاین پا پیادہ آذربائی جان کی طرف روانہ ہو گیا مگر اسے راستے کا صحیح پتا نہ تھا اس لیے وہ گرجیوں کے سالار ایوانی کے بیٹے کے قلعے کے پاس جا نکلا۔یہاں اسے نے ایک گرجی کو بکریاں چراتے دیکھا تو اسے قتل کر دیا اور اس کا ریوڑ ہانکتے ہوئے ایک وادی میں لے گیا۔ایک بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بھونا، کچھ کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی اور باقی توشہ دان میں ساتھ رکھ کر پھر سے سفر شروع کر دیا۔

اُدھر سلطان آذربائی جان سے واپسی پر موقان میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے کہ انہیں اس شبِ خون کی اطلاع ملی۔اس کے ساتھ ہی یہ بھی خبر آئی کہ گرجی ملکہ اور سپہ سالار چالیس ہزار سے زائد سپاہ کے ساتھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔وہ فوراً کوچ کر کے بحیرہ بتاخ کے کنارے پہنچے، یہاں دونوں لشکروں کے ہراولوں میں زوردار جنگ ہوئی، جس میں گرجی شکست کھا کر پسپا ہو گئے۔ان کے بہت سے افراد قید ہوئے جنہیں سلطان نے اسی وقت قتل کرا دیا۔خوارزمی سپاہی گرجیوں کا تعاقب کرتے کرتے سپہ سالار کے خیمے تک پہنچ گئے اور اسے لوٹ لیا۔

گرجی لوری شہر میں قلعہ بند ہو گئے۔سلطان نے شہر کا سختی سے محاصرہ کر کے مطالبہ کیا کہ شبِ خون میں گرفتار کیے جانے والے خوارزمی سپاہی رہا کیے جائیں۔گرجیوں نے مرعوب ہو کر سب قیدی رہا کر دیے،سلطان نے دیکھا کہ ان قیدیوں میں ازبہ طاین شامل نہیں ہے ۔ جب گرجی سفیر سے پوچھا گیا تو اس نے اس نام کے کسی قیدی اپنے ہاں موجودگی سے صاف انکار کر دیا۔سلطان نے دوبارہ اس کی بازیابی کا مطالبہ کیا اور واضح کیا کہ اس شبِ خون کے بعد خوارزمی سپاہیوں نے جائے وقوعہ سے لاشیں اٹھالی تھیں،ان مقتولین میں ازبہ طاین کی لاش کہیں نہیں تھی۔چونکہ علاقہ ایسا تھا کہ گرجیوں کی ناکہ بندی سے کسی کا سالم بچ نکلنا مشکل تھا اس لیے سلطان کو یقین تھا کہ ازبہ طاین اب تک انہی کی قید میں ہے۔آخر کار گرجیوں نے حلف اٹھا کر کہا کہ اب ان کے پاس کوئی خوارزمی قیدی نہیں ہے۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ایک خوارزمی سپاہی آخر تک تیر چلاتا رہا تھا اور اسے گرفتار نہیں کیا جا سکا تھا۔

کچھ دنوں بعد گرجیوں کی بات کی تصدیق ہوگئی، کیونکہ ازبہ طاین صحیح سلامت خوارزمی عملداری کے سرحدی شہر نخجوان پہنچ گیا تھا۔سلطان کو اطلاع ملی تو وہ مطمئن ہو گئے۔اس مہم کے بعد سلطان نے بہرام گرجی کے قلعے کی طرف پیش قدمی کی کیونکہ تاتاریوں سے جنگ کے ایام میں گنجہ کے گرد و نواح کے علاقوں میں اس کے مظالم کی خبریں مسلسل پہنچتی رہی تھیں۔سلطان نے چھاپے مار کر بہرام کے علاقے سے بہتیرا مال غنیمت لوٹا اور اس کی خوب گوشمالی کر دی۔

اس کے بعد نہایت سرعت سے شکان کے قلعے پر حملہ کیا گیا جو گرجیوں کی ملکہ کی جاگیر تھا۔گرجی بے خبر تھے اس لیے قلعہ آناً فاناً فتح کر لیا گیا۔کاک اور کوارین نامی دو قلعوں کا محاصرہ تین ماہ تک جاری رہا۔آخر کار گرجیوں نے ایک خطیر رقم کے عوض محاصرہ اٹھانے کی درخواست کی ۔ چونکہ سلطان خلاط کی مہم پر جانے کا تہیہ کیا ہوا تھا اس لیے یہ پیش کش قبول کر کے محاصرہ اٹھالیا گیا۔(سیرۃ جلال الدین،ص:۲۹۵)

حواشی وحوالہ جات

① البدایہ النہایہ ج ۷ ص ۱۳۲..... النجوم الزاہرۃ ج ۶ ص ۲۶۴

② ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۷

③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۰

④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۱..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۵

⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۱

⑥ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۳۱، ۶۳۴، ۶۳۵

⑦ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۵

⑧ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۶..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷..... تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات حرف خا۔

⑧ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷

⑩ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۳۹، ۶۴۰

باطنیہ (اسمٰعیلیہ) سے جہاد

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ. اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ (سورۃ تحریم، آیت:۹)

سلطان جلال الدین نے باطنیوں کیخلاف بہت بڑے پیمانے پر کارروائیاں کیں اور ان سے (امت مسلمہ کا) انتقام لیا۔ واقعی باطنیوں کا شر اور ضرر بہت بڑھ چکا تھا۔ تاتاریوں کے ظہور کے بعد سے لے کر اب تک اسلامی ممالک میں ان کی حرص بہت بڑھ چکی تھی، مگر سلطان جلال الدین نے ان کے ظلم و تعدی کی راہ مسدود کر دی اور ان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ (تاریخ الکامل لابن اثیر، ج۷، ص:۶۴۰)

باطنیہ کے نئے ولولے ..... آپ پڑھ چکے ہیں کہ باطنی فرقے کے بانی حسن بن صباح کے جانشین ایک صدی سے زیادہ عرصے سے پوری دنیائے اسلام میں تہلکہ مچا رہے تھے اور بڑے بڑے نامور سلاطین، وزراء، مشائخ اور علماء ان کے خنجروں کی زد میں آ کر جاں بحق ہو چکے تھے۔ درمیان میں ان کے روحانی پیشوا ''جلال الدین حسن نومسلم'' کے قبولِ اسلام کے اعلان کے بعد چند سال تک ان کے خنجروں کے وار عارضی طور پر کچھ تھم گئے تھے۔ ① مگر ۶۱۸ھ میں اس کی موت کے بعد فدائی نئے ولولے کے ساتھ سرگرم ہو گئے۔ اب ان کا امام علاؤالدین خورشاہ تھا۔ تاتاریوں کے ہاتھوں عالمِ اسلام کی بربادی اس کے حوصلوں کے لیے مہمیز تھی۔ چنانچہ اس کا دبدبہ بحال اور اقتدار خوب مستحکم ہو گیا۔ تاتاری بھی عالمِ اسلام کے لیے الموت کی شر انگیزی سے بخوبی واقف تھے، اس لیے انہوں نے اردگرد کا سارا علاقہ تاراج کرنے کے باوجود باطنی فرقے کے اقتدار کو نہیں چھیڑا۔ ان کے شہر اسی طرح آباد اور بستیاں اسی طرح سلامت تھیں۔ ②

ان دنوں سلطان جلال الدین کے زیرِ قبضہ علاقے کی سرحدیں باطنی مملکت سے جا ملی تھیں۔ سلطان ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور باطنیوں کے کفریہ عقائد اور ان کی فتنہ پروری سے خوب واقف تھے، مگر وہ اندرونی و بیرونی حریفوں کے پیدا کردہ ان گنت مسائل میں الجھے ہوئے تھے، اس حالت میں وہ باطنی خنجر برداروں سے ٹکر لے کر اپنی پریشانیوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ مگر چونکہ قدرتِ خداوندی نے یہ سعادت بھی سلطان جلال الدین کے مقدر میں لکھی تھی کہ وہ اس دہشت گرد گروہ سے امت مسلمہ کا انتقام لیں۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد از خود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ سلطان کو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کی گوشمالی کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

خوارزمی امیر کی جرأت ..... اُورخان نیشاپوری سلطان جلال الدین کے قابلِ اعتماد امراء میں سے ایک تھا۔ سلطان نے اس کی شرافت، دیانت اور شجاعت کے باعث ''گنجہ'' اور اس کے گردونواح کے بعض علاقے اس کی تحویل میں دے دیے تھے۔ یہ علاقے باطنی حکومت کی سرحدوں سے جا ملتے تھے۔ باطنیوں کی فتنہ انگیزیاں روز بروز بڑھتی جا رہی

تھیں۔ چند سال قبل تاتاری یلغار کی افراتفری میں جب مملکت خوارزم کا شیرازہ بکھر گیا تو باطنیوں نے موقع غنیمت جان کر خوارزمی حکومت کے علاقے ''دامغان'' پر قبضہ کرلیا تھا۔ یہ مسئلہ دونوں حکومتوں میں کشیدگی پیدا کرنے کے لیے کافی تھا۔اسی وجہ سے خوارزمی افسران باطنیوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور باطنیوں کے جذبات بھی مختلف نہ تھے۔ یہ سلگتی ہوئی آگ اس وقت بھڑک اُٹھی جب اُورخان کا ایک افسر باطنیوں کی بدقماشیوں سے تنگ آکر ان کے علاقے میں گھس گیا اور تاخت وتاراج کر کے لوٹ آیا۔

باطنی سفیر کو ترکی بہ ترکی جواب ..... باطنیوں کے نئے پیشوا علاؤ الدین محمد ثالث نے اس واقعے پر احتجاج کرتے ہوئے اپنا سفیر سلطان جلال الدین کے پاس بھیجا۔ سلطان نے معاملے کی تحقیق وزیراعظم شرف الملک کے سپرد کردی۔ وزیراعظم نے اُورخان اور باطنی سفیر دونوں کو بُلا کر قصہ دریافت کیا۔ باطنی سفیر نے اُورخان کی فوج کی جانب سے سرحد کی خلاف ورزی کا واقعہ دوہرا کر دھمکی دیتے ہوئے کہا:

''اگر آپ ان ناخوشگوار واقعات کی روک تھام نہیں کریں گے تو ہم انتقامی کارروائی پر مجبور ہو جائیں گے۔''

ایک دشمنِ اسلام کے مُنہ سے یہ دھمکی سن کر اُورخان سراپا غضب بن گیا اور کئی چمکدار خنجر اپنی آستین سے نکال کر باطنی سفیر کے سامنے پھینک مارے۔ پھر گرج کر کہا:''ہمارے خنجر سے تمہارے خنجروں سے زیادہ تیز ہیں اور ہمارے پاس وہ تلواریں بھی ہیں جو تمہارے پاس نہیں۔'' (۳)

اُورخان نیشاپوری کی شہادت ..... باطنی سفیر سراسیمہ ہوکر واپس لوٹ گیا اور دربارِ ''الموت'' کو اُورخان کی ''گستاخی'' سے آگاہ کیا۔ وہاں سے فی الفور تین فدائیوں کو اس کے قتل پر متعین کردیا گیا۔ چنانچہ ایک دن موقع پا کر انہوں نے اُورخان کو شہید کردیا اور خون آلود خنجر لہراتے ہوئے چلاّنے لگے:''ہم ہیں مولا علاؤ الدین کے فدائی۔''

یہ نعرے لگاتے ہوئے وہ قصرِ وزارت میں جا گھسے تا کہ لگے ہاتھوں وزیراعظم کو بھی نمٹاتے چلیں۔ خوش قسمتی سے وزیراعظم وہاں موجود نہ تھا۔ فدائیوں نے ایک فراش کو مار گرایا۔ ابھی وہ وزیراعظم کو تلاش کر رہے تھے کہ عوام کا ایک جمِ غفیر اس ہنگامے سے آگاہ ہوکر گھروں اور دکانوں سے نکل آیا اور تینوں قاتلوں کو موقع پر ہی دھرلیا۔ چونکہ فدائیوں کی بہیمانہ کارروائیوں سے ہر شخص متنفر تھا، لہٰذا مشتعل عوام نے اسی وقت پتھر مار مار کر تینوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

امیر اُورخان نیشاپوری سلطان جلال الدین کا مایہ ناز جرنیل تھا۔ فدائی گروہ کے ہاتھوں اس کی اچانک شہادت سے سلطان کو سخت صدمہ پہنچا اور انہوں نے تہیہ کرلیا کہ وہ اس بدطینت فرقے کو عبرتناک سزا دیے بغیر دم نہیں لیں گے۔ (۴)

ازسرِنو مذاکرات ..... اسی اثناء میں باطنیوں کا ایک اور سفیر بدرالدین، وزیراعظم شرف الملک کے پاس پہنچ کر ازسرِنو مذاکرات کا آغاز کرنے لگا۔ سلطان نے وزیراعظم کو حکم دیا کہ وہ باطنی سفیر سے ''دامغان'' کی واپسی کا مطالبہ کرے۔ یہ علاقہ خوارزمی سلطنت میں شامل تھا جسے تاتاری یلغار کے بعد موقع پا کر باطنیوں نے دبالیا تھا۔

چونکہ وزیراعظم باطنیوں کی حالیہ کارروائی میں ان کے خنجروں کے سفاکانہ وار دیکھ کر سخت مرعوب ہو چکا تھا اور اب اسے اپنی جان کا خطرہ لاحق تھا، اس لیے اس نے سلطان کے حکم پر توجہ نہ دی اور باطنیوں کو خوش کرنے کے لیے نہ صرف نئے سفیر کی غیر معمولی خاطر داری کی بلکہ مذاکرات کے دوران بھی معذرت خواہانہ انداز اپنائے رکھا۔ نتیجتاً بات چیت میں باطنی سفیر کا پلّہ بھاری رہا اور یہ طے پایا کہ دامغان پر باطنیوں کا قبضہ برقرار رہے گا، تاہم وہ اس کے بدلے

خوارزمی سلطنت کو تیس ہزار دینار سالانہ ادا کیا کریں گے۔

وزیر اعظم کی کم ہمتی ..... الموت کا سفیر شرائطِ صلح طے ہو جانے کے بعد بھی چند روز تک وزیر اعظم کا مہمان رہا۔ اس دوران وزیر اعظم کی ضیافتوں سے محظوظ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خوارزمی ایوان پر اپنی دھاک بٹھانے میں مصروف رہا۔ ایک دن وزیر اعظم کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ کر وہ ازراہِ نخوت کہنے لگا:

''ہمارے خادموں سے بہت کم کوئی جگہ خالی رہتی ہے، خود آپ کے درباریوں اور محافظوں میں ہمارے کئی فدائی موجود ہیں۔ یہ لوگ ہمارے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور پھر کسی خطرے کی پروا نہیں کرتے۔''

یہ انکشاف ہوتے ہی وزیر اعظم کانپ گیا اور بے ساختہ کہہ اُٹھا:

''کیا آپ ان میں سے چند آدمی میرے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا رومال باطنی سفیر کی طرف پھینک دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں امان دینے کا وعدہ کرتا ہوں۔ وزیر اعظم کی طرف سے امان کا پروانہ ملتے ہی، باطنی سفیر کے اشارے پر وزیر اعظم کے نجی ملازمین میں سے پانچ آدمی سامنے آ کر بولے: ''ہم باطنی فدائی ہیں۔''

ان میں سے ایک فدائی جو کہ ہندوستانی تھا، ایک قدم آگے بڑھا کر بولا:

''میں تو آپ کو اُسی دن اور اُسی لمحے قتل کر سکتا تھا (۵) لیکن میں نے ایسا نہیں کیا، اس لیے کہ مجھے مرکز سے آپ کے قتل کا حکم موصول نہیں ہوا تھا۔''

وزیر اعظم یہ سن کر گھبراہٹ سے پسینے پسینے ہو گیا اور بڑی عاجزی سے کہنے لگا:

''میری جان نہ لینا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا آقا علاؤ الدین مجھ سے کیوں ناراض ہے۔ میں تو جس طرح سلطان جلال الدین کا غلام ہوں اسی طرح آپ کے پیشوا کا بھی ادنیٰ خادم ہوں۔'' (۶)

فدائیوں کو عبرتناک سزا ..... باطنی سفیر وزیر اعظم کو خوب دہشت زدہ کر کے اکڑتا ہوا واپس چلا گیا۔ ادھر سلطان کے جاسوسوں نے انہیں اس نجی محفل کی کارروائی سے آگاہ کر دیا۔ فدائیوں کی جسارت اور وزیر کی بزدلی پر سلطان جلال الدین نہایت غضب ناک ہوئے اور ایک خط کے ذریعے وزیر کو لعنت ملامت کرنے کے بعد حکم دیا کہ ان پانچوں فدائیوں کو بلا تاخیر گرفتار کر کے زندہ جلا دیا جائے۔

سلطان کے حکم سے انحراف کرنا ممکن نہیں تھا۔ فوراً دیوانِ وزارت کے سامنے آگ کا الاؤ روشن کیا گیا اور پانچوں فدائیوں کو ان میں پھینک دیا گیا، وہ شعلوں میں گھر کر بھی نعرے لگاتے رہے: ''ہم ہیں مولا علاؤ الدین کے فدائی۔'' آخر کار اسی طرح جل کر خاکستر ہو گئے۔ فوج کے اس افسر کو بھی سزائے موت دے دی گئی جس نے دیکھے بھالے بغیر ایسے دشمنوں کو بھرتی کر لیا تھا۔ (۷)

اعلانِ جہاد ..... پانچ فدائیوں کو عبرتناک سزا دینے کے ساتھ ہی سلطان جلال الدین نے سلطنتِ الموت کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا اور بھرپور انتظام و منصوبہ بندی کے ساتھ ایک مضبوط لشکر تیار کر کے صحرائی آندھی کی طرح باطنی سلطنت کی طرف پیش قدمی کی۔

باطنیہ کے اکثر قلعے نہایت بلند و بالا پہاڑوں، دشوار گزار درّوں اور کھائیوں کی پناہ میں تھے، اس لیے گزشتہ ایک

صدی سے اولوالعزم مسلم فاتحین کی پے در پے یلغاریں بھی ان کا زور توڑنے میں ناکام رہی تھیں، لیکن نصرتِ خداوندی نے اس مشکل ترین مہم کو سلطان جلال الدین کے لیے بالکل سہل کر دیا اور سلطان نے حیرت انگیز طور پر مہینوں کے اہداف دنوں میں حاصل کر لیے۔ سلطان کی یلغار کی خبر سنتے ہی باطنی سلطنت میں زلزلہ آ گیا۔ ان کے دلوں پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ وہ کہیں بھی زیادہ جم کر مقابلہ نہ کر سکے۔ سلطانی افواج خراسان کے کردکوہ سے لے کر باطنیوں کے مرکز الموت تک ان کے تمام ناقابل تسخیر مورچے پامال کرتی چلی گئیں۔ اس کافر و مرتد فرقے کے درندہ صفت کارکنوں کا ہر جگہ بے محابا قتلِ عام کیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا اور تمام اموال لوٹ لیے گئے۔ ⑧

اگر سلطان کو چند دن اور مل جاتے تو وہ الموت کو بھی فتح کر کے اسی موقعے پر باطنیہ کا نام و نشان مٹا ڈالتے، لیکن جنوب مشرق سے تاتاریوں کی نقل و حرکت کی خبر نے انہیں اچانک واپس جانے پر مجبور کر دیا، تاہم وہ باطنی سلطنت کو آخری سانسوں تک پہنچا چکے تھے۔ یہاں تک کہ ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان کے ایک ہی حملے میں الموت کی باطنی سلطنت نے دم توڑ دیا۔

خنجر اور تلواریں..... سلطان کی ان فتوحات نے باطنی پیشوا کے چھکے چھڑا دیے تھے، چنانچہ سلطانی افواج کی واپسی کے بعد اس نے آئندہ سلطان کے حملے سے محفوظ رہنے کے لیے ان سے تعلقات بہتر بنانے کی کوشش کی۔ سلطان جلال الدین رے میں مقیم تھے کہ باطنی امام کی سفارت خدمت ہوئی جس کے ساتھ نو فدائی بھی تھے۔ سفیر نے سلطان کو اپنے آقا کی طرف سے یہ پیغام دیا کہ یہ فدائی آپ کے ایک اشارے پر جان قربان کر سکتے ہیں۔ آپ جس دشمن کو چاہیں ان کے ذریعے مروا دیں۔''

سلطان نے امراء کو بلا کر مشورہ کیا کہ آیا یہ پیش کش منظور کر لی جائے۔ سب نے اثبات میں جواب دیا مگر عراق کے گورنر شرف الدین نے کہا: ''باطنی امام کا اصل مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کا قرب حاصل کرنے کے بہانے آپ کے دلی راز جان لے۔ وہ ان فدائیوں کے ذریعے یہ جان لے گا کہ آپ کس کس کو اپنا جانی دشمن سمجھتے ہیں۔''

شرف الدین کی بات معقول تھی۔ سلطان نے فدائیوں کو اس پیغام کے ساتھ واپس بھیج دیا: ''آپ جانتے ہیں کہ ہمارے دشمن کون ہیں اور کن سے ہمارے معاہدے ہیں۔ کون ہمارے حریف ہیں اور کون حلیف۔ اگر آپ خود ہمارے کسی دشمن کو کم کرنا چاہتے ہیں تو ضرور کیجیے۔ ہماری طرف سے تعیین کی کیا ضرورت ہے۔ ہم ان شاء اللہ آپ کو ایسی زحمت نہیں دیں گے۔ ویسے بھی تیز تلواروں کے ہوتے ہوئے، ہمیں خنجروں اور فدائیوں کی کوئی حاجت نہیں۔''

اس طرح باطنی شیرِ خوارزم کو دوستی کا فریب دینے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۲۴۸)

مؤرخ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراج تحسین..... باطنیہ کا استیصال سلطان جلال الدین کے ناقابلِ فراموش کارناموں سے ایک ہے جسے مؤرخینِ اسلام نے یادگار الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا خراج تحسین درج ذیل ہے:

''سلطان جلال الدین نے باطنیوں کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر کارروائیاں کیں اور ان سے (امت مسلمہ کا) انتقام لیا۔ واقعی باطنیوں کا شر اور ضرر بہت بڑھ چکا تھا۔ تاتاریوں کے ظہور کے بعد سے لے کر اب تک اسلامی ممالک میں ان کی حرص بہت بڑھ چکی تھی، مگر سلطان جلال الدین نے ان کے ظلم و تعدی کی راہ مسدود کر دی اور ان کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ان کو اسی بدسلوکی کے مطابق سزا دی جو کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ کرتے چلے آئے تھے۔'' ⑨

حواشی وحوالہ جات

① واللہ اعلم یہ اظہارِ اسلام سچے دل سے تھا یا ڈھونگ تھا۔ مؤرخین میں سے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے دوسرا احتمال اختیار کیا ہے۔

② تاریخ الاسلام ذہبی، طبقہ ۶۲، حوادث، سن ۶۱۷

③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۸

④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۹

⑤ یعنی ''اور خان'' کے قتل کے دن

⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۰

⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۱...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷...... تاریخ خوارزم شاہی ص ۱۶۶ تا ۱۶۸...... حسن بن صباح ص ۶۶ تا ۶۷

یاد رہے کہ کسی کو آگ میں جلا کر مارنا شرعی قوانینِ تعزیرات کے مطابق جائز نہیں، اس لیے سلطان کا یہ فعل قابل تقلید نہیں۔

⑧ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۰...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۷

⑨ ابن اثیر، ج ۷، ص ۶۴۰

تاتاریوں سے جہاد کا دُوسرا دور

وَقَاتِلُو هُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ...... اورتم ان (کافروں) سے اس وقت جنگ کرتے رہو کہ شر باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ (انفال، آیت:۳۹)

عالمِ اسلام پر تاتاریوں کی دوبارہ یورش..... اب تک کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ سلطان جلال الدین کی جدوجہد کا اصل مطمحِ نظر عالمِ اسلام کو تاتاریوں کے ہمہ گیر سیلاب سے بچانا تھا۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ تاتاریوں سے سلطان کا آخری معرکہ شوال ۶۱۸ھ میں ہوا تھا۔ اس کے بعد اب (۶۲۴ھ) تک اگرچہ سلطان کا براہِ راست تاتاریوں سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا، مگر ان چھ برسوں میں سلطان کی دوڑ دھوپ کے پیچھے اصلاً یہی مقصد کارفرما رہا کہ عالمِ اسلام کو فتنۂ تاتار سے نجات دلائی جائے۔ ان چھ میں سے ابتدائی دو برسوں (۶۱۹ھ، ۶۲۰ھ) میں سلطان ہندوستان کی خاک سے مسلمانوں کے لیے حصارِ نو تعمیر کرنے کی کوشش کرتے رہے، جبکہ تاتاری خوارزم اور اس سے ملحقہ دنیائے اسلام کو جی بھر کر تاراج کرنے کے بعد اپنے قائد چنگیز خان کی رہنمائی میں چین، رُوس اور یورپ کی نئی شکارگاہوں کا رُخ کر رہے تھے۔ سلطان جلال الدین کو ایک بے وطن اور شکست خوردہ حریف سمجھ کر انہوں نے کچھ عرصے تک ان کی طرف توجہ نہ دی۔ تاہم جب سلطان نے ہندوستان سے لوٹ آنے کے بعد مزید دو برس (۶۲۱ھ، ۶۲۲ھ) کی شبانہ روز کاوشوں سے ایک نئی مستحکم حکومت بنالی تو تاتاریوں کی آنکھیں کھلیں، مگر اس وقت تک سلطان آس پاس کے مسلم حکمرانوں سے اتحاد کر کے ایک مضبوط دفاعی خط تیار کر چکے تھے، اس لیے اس اتحاد کے برقرار رہنے تک تاتاری عالمِ اسلام کی سرحدوں پر کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔

۶۲۳ھ کے دوران اس اتحاد میں رخنہ اندازی کے آثار نمودار ہوئے اور سال کے ختم ہوتے ہوتے یہ اتحاد تقریباً نابود ہو گیا۔ صحرائے گوبی میں زندگی کے آخری ایام گننے والا بوڑھا چنگیز خان اس وقت چونکا، وہ چاہتا تھا کہ اپنا چراغِ زندگی گل ہونے سے قبل اس خطرناک ترین حریف کو مکمل طور پر ٹھکانے لگا دے۔ براق حاجب اور اس جیسے بدطینت امراء اب بھی عالمِ اسلام میں تاتاریوں کے وفاداروں کی حیثیت سے موجود تھے، براق حاجب کی طرف سے چنگیز خان کو سلطان کے خلاف بلا تاخیر فوج کشی کی دعوت مل چکی تھی اور مسلم سلطنتوں کا اتحاد ٹوٹ جانے سے سلطان کے خلاف کارروائی کے لیے یہ موقع نہایت موزوں تھا۔ چنگیز خان کے دل میں باقی ماندہ عالمِ اسلام کو بھی زیرِ نگین کرنے کی خواہش موجود تھی اور وہ خوب جانتا تھا کہ سلطان جلال الدین کو راستے سے ہٹائے بغیر یہ آرزو پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔ ان عوامل کی بناء پر ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) میں تاتاریوں کی جانب سے سلطان کی قلمرو پر حملے کی تیاریاں بھرپور انداز میں جاری رہیں اور سال کی دوسری ششماہی میں جبکہ سلطان جلال الدین باطنی حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف

تھے، تاتاریوں کا آتشیں سیلاب کئی خطوط پر پیش قدمی کرتے ہوئے سلطان کی سرحدوں کی طرف بڑھنے لگا۔
لشکرِ تاتار کی پیش قدمی ..... سلطان جلال الدین کو تاتاری لشکر کی پیش قدمی کی اطلاع بروقت مل گئی۔ انہوں نے باطنیوں کی باقی ماندہ طاقت اوران کے مرکز الموت کو اس کے حال پر چھوڑا اور واپسی اختیار کی۔ اسی اثناء میں ان کو معلوم ہوا کہ تاتاری کئی محاذوں سے حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اوران کی ایک بڑی بھاری فوج رے کے قریب پہنچ چکی ہے۔ سلطان سمجھ گئے کہ تاتاری اس بار انہیں کچلنے کے ساتھ ساتھ بقیہ عالمِ اسلام پر بھی ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہیں۔ سلطان کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ رے پر قبضہ کرنے کے بعد تاتاری اپنے مورچے مضبوط کر کے براہِ راست عراق اور شام یا جزیرۃ العرب کا رُخ نہ کرلیں۔ چنانچہ سلطان نے دیگر اطراف سے توجہ ہٹا کر تیزی سے رے کا رُخ کیا۔
تبریز کی بغاوت ..... سلطان ابھی ہمدان تک ہی پہنچے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ تبریز کے سابق حاکم ازبک مظفر بہلوان کے غلام، فتنہ پردازوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کو اپنے ساتھ ملا کر بغاوت پر آمادہ ہیں اور وہ ازبک مظفر کے گونگے بیٹے "ملک خاموش" کو باپ کا جانشین بنانا چاہتے ہیں۔ عین اس وقت جبکہ سلطان کو بیرونی محاذ پر مکمل توجہ درکار تھی، یہ اندرونی شورش ان کے لیے سخت تشویش کا سبب بن گئی۔ سلطان نے حالات کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے وزیر سلطنت کو کچھ فوج دے کر ان باغیوں سے نمٹنے کے لیے روانہ کیا اور فوج کا زیادہ حصہ اپنی کمان میں لے کر رے کی طرف سفر جاری رکھا۔ وزیر اعظم نے واپس جا کر بڑی سرعت سے بغاوت کے شعلوں کو سرد کیا اور باغیوں کے سرغنوں کو گرفتار کر کے قتل کرادیا۔

اس جھنجھٹ سے جان چھڑا کر سلطان جلال الدین تاتاریوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے یکسو ہو گئے۔ (1)
اب وہ پوری تیزی سے رے کی طرف لپکے، ادھر تاتاری بھی اسی سمت آرہے تھے، دونوں لشکروں میں سے ہر ایک کی پوری کوشش تھی کہ وہ شہر تک پہلے پہنچے۔
رے کا پہلا معرکہ ..... تاتاری لشکر رے سے کچھ فاصلے پر دامغان تک آچکا تھا کہ سلطان کی فوج نہایت برق رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رے کی مدافعت کے لیے بروقت پہنچ گئی۔ اب کھلے میدان میں تقریباً چھ سال کے وقفے کے بعد دونوں حریف ایک بار پھر آمنے سامنے ہوئے۔ نفرت وعداوت کی چنگاریاں اور غیظ وغضب کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ پھر یہ چنگاریاں اور شعلے جنگ کی آگ کے مہیب الاؤ میں تبدیل ہو گئے۔

گھمسان کی لڑائی شروع ہوگئی۔ فریقین ایک دوسرے پر پل پڑے، دونوں جانب سے تیراندازی ہوئی تو یوں لگا جیسے آسمان پر بادل چھا گئے ہوں، چمکدار تیر بھیجوں کو چیر کر نکل گئے۔ پھر گھڑسوار ایڑ لگا کر ایک دوسرے کی طرف لپکے اور خون آلود نیزے پشتوں سے پار ہونے لگے۔ دست بدست لڑائی شروع ہوئی اور صیقل شدہ تلواریں جوڑوں کو کاٹ کاٹ کر پھینکنے لگیں۔ ہر طرف موت رقص کررہی تھی۔ حق وباطل کا یہ معرکہ دن بھر جاری رہا۔ اسلامی لشکر کے افسران نے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بہادری کے جوہر دکھائے، آخر کار تائیدِ ایزدی لشکرِ اسلام کے شاملِ حال ہوئی۔ کفر کے علمبردار مرعوب ومقہور ہو کر میدان سے بھاگے، مگر سلطان انہیں اتنی آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھے۔ انہوں نے جوش وبے تابی میں کی جانے والی چند گھنٹوں کی داروگیر کی بجائے پوری احتیاط اور منصوبہ بندی کے ساتھ ان کا تعاقب کیا، چند دن تک انہیں گھیرنے، مارنے اور پکڑنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس طرح مسلمانوں نے ہزیمت خوردہ لشکر کی بہت بڑی تعداد کو قتل کر کے ایک بھاری جمعیت کو قیدی بنالیا۔ اس شاندار فتح کے فوراً بعد سلطان کو خبر ملی کہ تاتاریوں کا ایک دوسرا بڑا

لشکر بھی رے کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے۔ چنانچہ سلطان جلال الدین رے کے گردونواح میں پڑاؤ ڈال کر ان نئے حریفوں کی پیشوائی کی تیاری کرنے لگے، مگر سال کے آخر تک دوسرا لشکر سلطان سے مقابلے کے لیے نہ پہنچا۔ ②

اس وقت بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے لشکر کی شکستِ فاش کے بعد دشمن نے مرعوب ہو کر فوری پیش قدمی ترک کر دی ہے، مگر بعد میں یہ حقیقت کھلی کہ انہی دنوں صحرائے گوبی میں نسلِ انسانیت کا قاتلِ اعظم چنگیز خان موت کے ہاتھوں زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔ آباد زمین کے تقریباً نصف حصے پر محیط اپنی عظیم سلطنت سے ہاتھ دھو کر یہ جہان سوز فاتح اب دو گز زمین میں منوں مٹی کے بوجھ تلے دفن ہو چکا تھا۔ بڑے بڑے شہر، قلعے، محلات، لاکھوں افراد پر مشتمل دنیا کی سب سے بڑی تباہ کن فوج، بیٹے، پوتے، حشم و خدم اور دولت کے بے شمار انبار...... یہ سب کچھ جو اس نے دنیا میں حاصل کیا تھا پیچھے چھوڑ کر اب وہ اپنے خالق و مالک کے سامنے اپنے اعمالِ بد کا جوابدہ تھا، وہ دنیا میں تا قیامت لعنت و ملامت کا حق دار اور آخرت میں آتشِ جہنم کی ابدی سزا کا مستحق بن چکا تھا۔

عبرت کا مقام ہے کہ وہ دنیا کے سب سے زیادہ رقبے پر حکمرانی کرنے کے باوجود اپنے لیے ایک ایسی قبر تک نہ بنوا سکا جو اس کی یادگار رہتی۔ اس کی موت سفر کے دوران کسی غیر آباد مقام پر ہوئی تھی اور وہیں اسے دفنا دیا گیا۔ چند برسوں میں ارضیاتی تبدیلیوں نے اس جگہ کو اس طرح چھپا دیا کہ خود اس کے وارثین ہزار کوششوں کے باوجود اس کی قبر کا سراغ نہ لگا سکے۔ چنگیز خان کی موت ۱۸ اگست ۱۲۲۷ء (۴ رمضان، ۶۲۴ھ) کو ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خان قراقورم میں تخت نشین ہوا۔ ③

چنگیز خان کی موت سے اس کے ورثاء اور نائبین پر حزن و ملال کے بادل چھا گئے اور کچھ عرصے تک وہ کسی بیرونی محاذ پر توجہ دینے کے قابل نہ رہے۔

چند اہم واقعات

کیقباد کی امداد...... انہی دنوں حاکم ایشیائے کوچک علاؤ الدین کیقباد کا سفیر عماد الدین سلطان جلال الدین کے دارالحکومت تبریز وارد ہوا۔ چوں کہ سلطان تاتاریوں سے مدافعت کے لیے ایران گئے ہوئے تھے اس لیے سفیر نے خوئی میں سلطان کے وزیر شرف الملک سے ملاقات کر کے اپنے آقا کا درج ذیل پیغام دیا:

''بلاشبہ سلطان جلال الدین عالمِ اسلام کی مشرقی سرحدوں پر تاتاریوں کے خلاف سینہ سپر ہیں، ادھر ہم مغربی سرحدوں پر کفار کے مقابل ہیں اور امسال ان کے کئی قلعے فتح کر چکے ہیں۔ آپ کے اردگرد کئی دشمن ان نازک لمحات میں آپ کے خلاف طرح طرح کی جھوٹی توقعات لگائے ہوئے ہیں اور ناپاک آرزوئیں وابستہ کر رہے ہیں۔ مگر ہم آپ کے قریب ہیں، آپ پکاریں گے تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ آپ بلائیں گے تو قریب پائیں گے۔ ہماری اور آپ کی مملکت میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی آپ کے خلاف جنگ کرنے کھڑا ہوا یا کسی نے آپ کے مقابلے میں تلوار سونتی تو ہم آپ کی ایسی مدد کریں گے کہ اسے اپنی تلوار نیام میں ڈالنا پڑے گی بلکہ ناک رگڑنی پڑے گی۔ ہم اس کا کام تمام کر کے چھوڑیں گے۔''

وزیر اعظم نے سفیر کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کیا اور جواب دینے سے قبل امراء کو جمع کر کے مشورہ مانگا۔ چونکہ تاتاریوں کے خطرے کی وجہ سے سلطان کو افواج تیار کرنے کے لیے کافی سرمایے کی شدید ضرورت تھی اس لیے امراء

کی رائے یہ ہوئی کہ اس پیش کش کے جواب میں صرف مالی امداد کا اشارہ دیا جائے کیونکہ لڑنے والے افراد تو ایران اور عراق سے بھی بھرتی کیے جاسکتے تھے۔ چنانچہ وزیر شرف الملک کی طرف سے کیقباد کو اپنی ضروریات کی اطلاع دے دی گئی اور درج ذیل مراسلہ روانہ کیا گیا:

''آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یورش تاتار کے پے درپے حوادث اور اشک آور المیوں نے خوارزم کے ان خزانوں کو لوٹ لیا ہے جو صدیوں سے محفوظ چلے آرہے تھے۔ سلطان جلال الدین نے اپنے والد کی وفات کے بعد ایسے حالات میں پرچم جہاد بلند کیا ہوا ہے کہ ان کے پاس اپنی شمشیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اگر آپ ان حالات میں ان سے بھائی چارے کا سلوک کریں گے تو سلطان بھی اس احسان کو کبھی نہیں بھلائیں گے اور اس کی نیک نامی کا چرچا بھی ہمیشہ باقی رہے گا۔''

اس مراسلے کے جواب میں کیقباد نے خطیر رقم اور تحائف بھیج کر تاتاریوں سے جہاد میں اپنا حصہ شامل کیا۔ (۴)

تاتاریوں سے ان جنگوں کے دوران علاؤ الدین کیقباد کے سوا کسی اور حکمران نے سلطان سے زبانی ہمدردی اور یک جہتی تک کا اظہار نہ کیا بلکہ باطنی تو بھرپور طریقے سے سلطان کے خلاف سرگرم رہے اور حکام شام کی ریشہ دوانیاں بھی جاری رہیں۔

ایک بد شگونی..... سلطان جلال الدین کے والد نے خلیفہ ناصر کا کام تمام کرنے کے لیے ۶۱۴ھ میں ماہر عملیات علامہ سکا کی سے ایک پُتلا بنوا کر قاضی مجیر الدین کے ہاتھ بغداد میں دفن کروایا تھا۔ ایوانِ خوارزم کے بعض اراکین کا خیال یہ تھا کہ علامہ سکا کی کے اس عمل کی رجعت سے ہی سلطان محمد خوارزم شاہ کے شمسِ اقتدار کو گہن لگا ہے۔ چنانچہ وہ سلطان جلال الدین پر زور دیتے رہے کہ اس طلسم کی رجعت کے اثرات سے بچنے کے لیے اس کا سراغ لگا کر اسے برآمد کر کے ضایع کر دیا جائے، مبادا اس کے منحوس اثرات سے خوارزمی اقتدار کا پرچم پھر سرنگوں نہ ہو جائے۔ سلطان کو ان توہمات پر یقین نہیں تھا، مگر ان امراء کے اصرار پر ان کا وہم دور کرنے کے لیے انہوں نے قاضی مجیر الدین کو پھر بغداد روانہ کر دیا۔ موصوف بغداد پہنچ کر اس مکان کی تلاش میں رہے جس میں وہ پتلا دفن تھا، مگر تلاش بسیار کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ان کے ناکام واپس آنے سے وہمی اذہان مزید تشویش میں مبتلا ہو گئے اور اسے سلطان جلال الدین کے زوال کا پیش خیمہ خیال کرنے لگے۔ (سیرۃ جلال الدین ص ۲۵۳، ۲۵۴)

الملک المعظم کی وفات..... انہی ایام میں سلطان کے سابق حلیف الملک المعظم عیسیٰ ابن ملک العادل نے وفات پائی۔ یہ ذی قعد ۶۲۴ھ کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک الناصر داؤ تخت نشین ہوا۔ (۵)

رے کا دوسرا معرکہ..... ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں تاتاریوں کے نئے خاقانِ اعظم او کتائی خان نے اپنے باپ کی مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے گزشتہ سے بڑھ کر تیاریوں کے ساتھ ایک لشکرِ جرار سلطان جلال الدین سے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔

سلطان جلال الدین تبریز میں مقیم تھے کہ انہیں جاسوسوں نے اطلاع دی کہ تاتاری لشکر نے اچانک دریائے جیحوں عبور کر لیا ہے اور اس کا رُخ اب عراق کی طرف ہے۔ (۶)

تاتاریوں کا یہ لشکر جس کی قیادت باجی نویان، باقو نویان اور اسرطغان جیسے مایہ ناز سرداروں کے ہاتھ میں تھی، (۷) خراسان کی طرف بڑھا، لیکن جب اسے پہلے سے تباہ و برباد پایا تو رے کی طرف روانہ ہو گیا۔ (۸) اس کے ساتھ ہی

تاتاریوں کے ایک دوسرے ٹڈی دل لشکر نے اصفہان کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ (۹) ان دنوں سلطان کے اہل و عیال اصفہان ہی میں تھے (۱۰) مگر رے کی مدافعت کو زیادہ اہم سمجھ کر سلطان نے اِدھر کا رُخ کیا۔

رے کے قریب سلطان جلال الدین کا تاتاری درندوں سے ہولناک ٹکراؤ ہوا۔ تاتاریوں کی تعداد اس بار بہت زیادہ تھی، جبکہ سلطان کو بعض عوارض کے باعث پوری تیاری کا موقع نہیں مل سکا تھا، تاہم جس قدر قوت وہ وہ فراہم کر سکے تھے اس کے ساتھ انہوں نے سردھڑ کی بازی لگا کر مقابلہ شروع کیا، مگر سرتوڑ کوشش کے بعد بھی وہ تاتاریوں کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو نہ روک سکے۔ بالآخر سلطان کو میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

سلطان کی یہ پسپائی اعترافِ شکست کے طور پر نہ تھی، بلکہ یہاں سے ہٹ کر اپنی قوت کو مجتمع کرنے کے بعد سلطان نے دوسرے میدان میں حریف کا دوبارہ سامنا کر کے اس پر تندو تیز حملے کیے، مگر اس بار بھی وہ زیادہ دیر دشمن کا ریلا نہ روک سکے۔ آخر کار انہوں نے فوج کو ایک بار پھر پسپائی کا حکم دیا اور راستے میں رکاوٹ بننے والے دشمنوں کو درہم برہم کرتے ہوئے اصفہان کی طرف نکل گئے (۱۱) جہاں دوسرا تاتاری لشکر شہر پر حملے کی تیاری کر رہا تھا۔

سلطان اصفہان میں ...... اصفہان وہ خوش قسمت شہر تھا جہاں تاتاری اب تک ایک بار بھی قبضہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے، اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ یہ شہر تاتاریوں کی یلغار کے عام راستوں سے ذرا ہٹ کر تھا، دوسرے اس کی فصیلیں بہت بلند اور مضبوط تھیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے باشندے اپنی شجاعت و تہور میں مشہور تھے۔ عیدوں اور دوسرے میلوں پر سپاہیانہ لباس پہن کر حربی داؤ پیچ کے مظاہرے کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

تاریخ کبیر ذہبی میں مؤرخ عبداللطیف بغدادی سے منقول ایک روایت ہمیں بتاتی ہے تاتاری اپنی پہلی یلغار میں ایک بار یہاں حملہ آور ہوئے تھے مگر انہیں یہ تجربہ بہت مہنگا پڑا تھا۔ شہر والوں نے ان کے لیے بلا تامل دروازے کھول دیے تھے اور جب تاتاری اندر داخل ہو چکے تو انہیں گھیر گھار کر اس طرح قتل کیا تھا کہ ایک فرد بھی بچ کر نہ جا سکا تھا۔ اس کے بعد تاتاری سلطان جلال الدین سے معرکوں اور دیگر مہمات کے باعث پھر اصفہان کا رخ نہ کر سکے تھے، بہر حال اب وہ اہلِ اصفہان کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھانے کے لیے بے تاب تھے۔

اصفہان پہنچ کر سلطان کو معلوم ہوا کہ تاتاریوں کا دوسرا لشکر اصفہان سے صرف ایک یوم کی مسافت پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے (۱۲) اور کسی بھی وقت حملہ کر سکتا ہے جبکہ اہلِ شہر کی دفاعی تیاریاں برائے نام تھیں، صرف اصفہان کی مضبوط فصیل کی پناہ کے باعث وہ اب تک تاتاریوں سے بچے ہوئے تھے مگر تا کے..... حالات نہایت نازک صورتحال اختیار کر گئے تھے، عوام و خواص موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے، تاتاریوں کی دہشت کے باعث اردگرد کے تمام حکام اور صوبہ دار اپنے شہروں اور قلعوں کو چھوڑ چھوڑ کر پناہ لینے کے لیے اصفہان کا رُخ کر رہے تھے۔ (۱۳) سالاروں پر بھی گھبراہٹ طاری تھی۔ دو میدانوں سے سلطان کی مسلسل پسپائی نے ان کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ ان حالات میں سلطان کے سر پر بہت بڑا بوجھ آن پڑا تھا، اگر وہ بھی انہی احساسات کا اظہار کرتے جو دوسروں کے تھے تو تاتاریوں سے مزاحمت کے رہے سہے امکانات بھی ختم ہو جاتے، اس لیے انہوں نے مایوسی اور پریشانی کے تمام محرکات کو نظر انداز کرتے ہوئے ان شکستہ دل لوگوں کی حوصلہ افزائی کی اور ان کو اللہ بزرگ و برتر کی نصرت کا یقین دلایا۔

شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

"خطرات اور حوادث میں سلطان جلال الدین کی قوتِ قلبی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے، جب امراء اور سرداروں نے تاتاریوں کے اصفہان کے قریب پہنچنے کی خبر سنی تو ہراساں ہو کر سلطان کے دروازے پر آئے۔ انہیں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد باریابی کی اجازت ملی۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو سلطان اس وقت رہائش گاہ کے صحن میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر کچھ ایسے موضوعات پر بات چیت شروع کر دی جن کا تاتاری یلغار سے کوئی تعلق نہ تھا، جیسے تاتاریوں کا مسئلہ کوئی مسئلہ ہی نہ ہو، اور جیسے ان کا حملہ کوئی نئی بات نہ ہو۔ خاصی دیر تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرنے کے بعد سلطان نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد تاتاریوں کے حملے اور مقابلے میں جنگی حکمت عملی کے بارے میں مشورہ شروع کیا۔ (۱۴)

مشورے کے بعد سلطان نے اعیانِ سلطنت اور امرائے لشکر کو جمع کر کے ایک ولولہ انگیز تقریر کی جس میں انہوں نے کہا:
"واقعی! ہمیں ایک بہت بڑی مہم اور ایک عظیم ابتلاء کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، لیکن اگر ہم نے اس موقع پر کاہلی اور بزدلی اختیار کی تو ہماری بقا کا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔ دشمن سے مزاحمت کرنا اور اس راستے کے شدائد پر صبر کرنا ہی ہمارے لیے بہتر ہے۔ اگر باری تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوا تو ہم سب دشمن کے پنجے سے نجات پالیں گے اور اگر شکست ہوئی تب بھی درجۂ شہادت سے محروم نہیں رہیں گے۔"

سلطان کے اس خطبے نے رگوں میں جمتے ہوئے خون کو تازہ حرارت عطا کی اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو نیا حوصلہ بخشا۔ تمام افسران اور سپاہی لڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ (۱۵)

جہاد کی تیاری..... اپنے سپاہیوں کو مقابلے کے لیے آمادہ پا کر سلطان جلال الدین خوشی سے کِھل گئے۔ ان کی پوری توجہ جنگ کی تیاری پر مرکوز ہو گئی۔ فوج کو سامانِ حرب کی سخت ضرورت تھی۔ سلطان نے حتی الوسع اس کمی کو پورا کیا اور جس قدر ساز و سامان حاصل ہو سکا اپنے لشکر کو فراہم کیا۔ (۱۶) اس کے بعد انہوں نے چار ہزار سپاہی ہراول دستے کے طور پر دامغان اور رے کی طرف بھیج کر انہیں پیش قدمی کرنے والے دوسرے تاتاری لشکر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کا حکم دیا۔ یہ دستے تاتاریوں کی نقل و حرکت کی خبریں روزانہ سلطان کو روانہ کرتے رہے، حالت یہ تھی کہ تاتاری دامغان اور رے سے برابر اصفہان کی طرف بڑھتے چلے آ رہے تھے اور سلطان کا ہراول مسلسل پیچھے ہٹتا آ رہا تھا۔ چند دنوں بعد یہ ہراول دستے واپس اصفہان پہنچ گئے اور سلطان کو دیگر تفصیلات کے علاوہ دشمن کے قریب تر آنے کی خبر دی۔ (۱۷)

سلطان جلال الدین فوج کا حوصلہ بڑھانے اور انہیں دشمن سے بے خوف کرنے کی پوری کوشش کرتے رہے۔ مزید تاکید کے لیے انہوں نے سب افسران اور سپاہیوں سے قسمیں لیں کہ وہ میدانِ جنگ سے مُنہ نہیں پھیریں گے، سلطان نے خود بھی سب کے سامنے اس بات پر قسم کھائی۔ (۱۸)

نفیرِ عام..... چونکہ افرادی قوت کی کمی بہرحال موجود تھی، اس لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی کو نفیرِ عام کا حکم دیا (۱۹) اس اعلان کے بعد شہر اور گرد و نواح سے بکھرے ہوئے سپاہیوں اور رضا کاروں کی ٹولیاں آ آ کر لشکر میں شامل ہونے لگیں۔ شیراز کا شہزادہ ابوبکر بن سعد (۲۰) جو اپنے باپ سعد بن زنگی کے بعد تخت نشین ہوا تھا، اپنے بہادروں کی فوج لے

کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ [۲۱] مزید افرادی قوت کے لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی اور رئیس کو پیادوں کے رضا کار دستے تیار کرنے اور انہیں مسلح پریڈ کرانے کا حکم دیا۔ [۲۲]

ابھی سلطان لشکر کی تیاری اور انتظامات میں مصروف تھے کہ ایک دن تاتاری حملہ آور اصفہان کی مشرقی فصیل کے سامنے ظاہر ہوئے۔ تاجن نویان، بانکنویان، باقو نویان، اسن طغان نویان، یاتماس نویان اور باشاور نویان جیسے جنگجو مغل سردار اس لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی خیمہ گاہ ''السین'' نامی دیہات کے ساتھ تھی۔ ادھر سلطان اور ان کے سرفروش سپاہی مقابلے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے، مگر بعض درباریوں، نجومیوں اور امرائے سلطنت نے اصرار کیا کہ تین دن تک کھلے میدان میں مقابلے سے احتراز کیا جائے۔ سلطان نے بادلِ نخواستہ ان کی بات مان لی۔ [۲۳]

چھاپہ مار دستوں کی کارروائی..... تاتاریوں نے جب دیکھا کہ سلطان فصیل سے باہر نکلنے پر تیار نہیں تو وہ اسے سلطان کی کمزوری پر محمول کر کے محاصرے کی تیاری کرنے لگے۔ [۲۴] محاصرے کے لیے خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے دو ہزار تاتاریوں کا ایک دستہ بلادِ لولؤ کے پہاڑی سلسلے میں آباد نواحی دیہاتوں اور بستیوں کو لوٹنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ مخبروں نے جب سلطان کو یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے فوراً تین ہزار شہ سواروں کو ان لٹیروں پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیج دیا۔ ان سواروں نے تاتاری دستے کو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان گھیر لیا اور ہر طرف سے ناکہ بندی کرنے کے بعد ان کی اکثریت کو ہلاک کر دیا اور چار سو کے قریب افراد کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان نے ان قیدیوں میں سے کچھ کو اپنی رہائش گاہ کے صحن میں طلب کیا اور اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کیا۔ باقی قیدیوں کو سڑکوں پر لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا، ان کی لاشوں کو گھسیٹا گیا اور چوراہوں پر لٹکا دیا گیا تاکہ عوام و خواص کے دلوں سے تاتاریوں کا خوف نکل جائے۔ [۲۵]

میدانِ جنگ میں..... تین دن گزر جانے پر سلطان جلال الدین اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کی فصیلوں سے نمودار ہوئے۔ شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں سلطان نے فوج کی صف بندی کی۔ وہ خود قلبِ لشکر میں کھڑے ہوئے اور اپنے بھائی غیاث الدین کو دائیں بازو پر متعین کیا۔ [۲۶] تاتاریوں کا ٹڈی دَل لشکر میدان کی دوسری جانب صفیں باندھ چکا تھا۔ یہ تاریخی معرکہ ۲۲ رمضان ۶۲۵ھ (۲۴ اگست ۱۲۲۸ء) کو لڑا جا رہا تھا۔ [۲۷]

غیاث الدین کی غداری..... نقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں جانب کے سپاہی نیزے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سلطان دائیں اور بائیں بازو کے افسران کو یہ حکم دے چکے تھے کہ حریف کے قلب پر ان کے حملے کے ساتھ ہی وہ بھی ان کی موافقت کرتے ہوئے دشمن کے دائیں بازو اور بائیں بازو پر پورا دباؤ ڈال دیں [۲۸]

مگر اس نازک موقعے پر سلطان کے بھائی غیاث الدین نے بزدلی اور بے وفائی کا بدترین مظاہرہ کیا اور اپنے مصاحبین، چند افسران اور ان کے زیرِ قیادت دستوں کو لے کر دائیں بازو کی صفوں سے علاحدہ ہو گیا۔ ایلچی جہان پہلوان نے بھی، جو سلطان کی فوج کا افسر تھا، اس کی تقلید کی۔ [۲۹]

سلطان جلال الدین غیاث الدین کو میدان چھوڑتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گئے، مگر اپنے خداداد ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اس صورتحال پر ذرّہ برابر تشویش کا اظہار نہ کیا۔ [۳۰] سلطان کی اس حوصلہ مندی سے ان کے افسران اور لشکر کی ہمت بھی برقرار رہی اور ان سب نے یہی خیال کیا کہ شاید غیاث الدین سلطان کے حکم سے کسی

کر سلطان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ (۳۱) مزید افرادی قوت کے لیے سلطان نے اصفہان کے قاضی اور رئیس کو پیادوں کے رضا کار دستے تیار کرنے اور انہیں مسلح پریڈ کرانے کا حکم دیا۔ (۳۲)

ابھی سلطان لشکر کی تیاری اور انتظامات میں مصروف تھے کہ ایک دن تاتاری حملہ آور اصفہان کی مشرقی فصیل کے سامنے ظاہر ہوئے۔ تاجن نویان، بانکنویان، باقو نویان، اسن طغان نویان، یاتماس نویان اور باشاور نویان جیسے جنگجو مغل سردار اس لشکر کی کمان کر رہے تھے۔ ان کی خیمہ گاہ ''السین'' نامی دیہات کے ساتھ تھی۔ ادھر سلطان اور ان کے سرفروش سپاہی مقابلے کے لیے پوری طرح آمادہ تھے، مگر بعض درباریوں، نجومیوں اور امرائے سلطنت نے اصرار کیا کہ تین دن تک کھلے میدان میں مقابلے سے احتراز کیا جائے۔ سلطان نے بادلِ نخواستہ ان کی بات مان لی۔ (۳۳)

چھاپہ مار دستوں کی کارروائی ..... تاتاریوں نے جب دیکھا کہ سلطان فصیل سے باہر نکلنے پر تیار نہیں تو وہ اسے سلطان کی کمزوری پر محمول کر کے محاصرے کی تیاری کرنے لگے۔ (۳۴) محاصرے کے لیے خوراک کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے دو ہزار تاتاریوں کا ایک دستہ بلا دلولؤ کے پہاڑی سلسلے میں آباد نواحی دیہاتوں اور بستیوں کو لوٹنے کے لیے روانہ ہو گیا۔ مخبروں نے جب سلطان کو یہ خبر پہنچائی تو انہوں نے فوراً تین ہزار شہ سواروں کو ان لٹیروں پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیج دیا۔ ان سواروں نے تاتاری دستے کو پہاڑی گھاٹیوں کے درمیان گھیر لیا اور ہر طرف سے ناکہ بندی کرنے کے بعد ان کی اکثریت کو ہلاک کر دیا اور چار سو کے قریب افراد کو گرفتار کر کے سلطان کے سامنے پیش کر دیا۔ سلطان نے ان قیدیوں میں سے کچھ کو اپنی رہائش گاہ کے صحن میں طلب کیا اور اپنے ہاتھ سے جہنم رسید کیا۔ باقی قیدیوں کو سڑکوں پر لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا، ان کی لاشوں کو گھسیٹا گیا اور چوراہوں پر لٹکا دیا گیا تاکہ عوام و خواص کے دلوں سے تاتاریوں کا خوف نکل جائے۔ (۳۵)

میدانِ جنگ میں ..... تین دن گزر جانے پر سلطان جلال الدین اپنے لشکر کے ساتھ اصفہان کی فصیلوں سے نمودار ہوئے۔ شہر سے باہر ایک وسیع میدان میں سلطان نے فوج کی صف بندی کی۔ وہ خود قلبِ لشکر میں کھڑے ہوئے اور اپنے بھائی غیاث الدین کو دائیں بازو پر متعین کیا۔ (۳۶) تاتاریوں کا ٹڈی دَل لشکر میدان کی دوسری جانب صفیں باندھ چکا تھا۔ یہ تاریخی معرکہ ۲۲ رمضان ۶۲۵ھ (۲۴ اگست ۱۲۲۸ء) کو لڑا جا رہا تھا۔ (۳۷)

غیاث الدین کی غداری ..... نقارے پر چوٹ پڑی اور دونوں جانب کے سپاہی نیزے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ سلطان دائیں اور بائیں بازو کے افسران کو یہ حکم دے چکے تھے کہ حریف کے قلب پر ان کے حملے کے ساتھ ہی وہ بھی ان کی موافقت کرتے ہوئے دشمن کے دائیں بازو اور بائیں بازو پر پورا دباؤ ڈال دیں (۳۸) مگر اس نازک موقعے پر سلطان کے بھائی غیاث الدین نے بزدلی اور بے وفائی کا بدترین مظاہرہ کیا اور اپنے مصاحبین، چند افسران اور ان کے زیرِ قیادت دستوں کو لے کر دائیں بازو کی صفوں سے علاحدہ ہو گیا۔ ایلچی جہان پہلوان نے بھی، جو سلطان کی فوج کا افسر تھا، اس کی تقلید کی۔ (۳۹)

سلطان جلال الدین غیاث الدین کو میدان چھوڑتے ہوئے دیکھ کر حیران رہ گئے، مگر اپنے خداداد ضبط و تحمل سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اس صورتحال پر ذرہ برابر تشویش کا اظہار نہ کیا۔ (۴۰) سلطان کی اس حوصلہ مندی سے ان کے افسران اور لشکر کی ہمت بھی برقرار رہی اور ان سب نے یہی خیال کیا کہ شاید غیاث الدین سلطان کے حکم سے کسی

مصلحت کی بناء پر علاحدہ ہوا ہے۔ (۳۱) دوسری طرف تاتاریوں پر بھی اس صورتحال کا اُلٹا اثر پڑا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خوارزمی فوج کے دائیں بازو سے کئی دستے الگ ہوکر کسی اور سمت کا رُخ کررہے ہیں تو وہ یہ خیال کرکے سراسیمہ ہوگئے کہ سلطان جلال الدین نے جنگی چال کے طور پر ان کو عقب سے حملے کے لیے روانہ کیا ہے۔ (۳۲) سلطان کے افسران اور تاتاری سرداروں دونوں کا اصل صورتحال سے لاعلم رہنا اللہ جل شانہٗ کی غیبی مدد کا کرشمہ تھا ورنہ جنگ کے آغاز ہی میں مسلمان شکستہ خاطر اور تاتاری شیر دل ہوجاتے اور چند گھڑیوں میں مسلمانوں کو شکست فاش ہوجانا کوئی بعید نہ تھا۔

نقشہ رزم گاہ...... اس اثناء میں دونوں فوجیں آپس میں گتھ چکی تھیں۔لڑائی کی شدت کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے دائیں اور بائیں بازو میں فاصلہ غیر معمولی طور پر بڑھ گیا تھا جس کی وجہ سے دونوں بازوؤں کا قلب سے رابطہ مشکل ہورہا تھا۔ ادھر قلب کے پیادہ اصفہانی دستوں کو منظم انداز میں آگے بڑھتا دیکھ کر تاتاریوں نے انہیں منتشر کرنے کے لیے اپنے گھڑسوار دستے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تعینات کردیے۔ جب سلطان جلال الدین پیش قدمی کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے تو دشمن کی چال کو سمجھ کر انہوں نے اصفہانیوں کے پیادہ دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ (۳۳) اس کے ساتھ ہی انہوں نے دائیں اور بائیں بازو کو یک لخت دشمن پر ٹوٹ پڑنے کا اشارہ کیا۔ (۳۴)

غیاث الدین کے دستوں کے فرار کے باوجود اسلامی لشکر کے دائیں بازو میں دم خم موجود تھا، سلطان کا اشارہ پاتے ہی انہوں نے دشمن کے بائیں بازو پر ایک زوردار حملہ کیا اور اسے دھکیلتے ہوئے کوسوں دور کاشان کے نواح تک لے گئے۔ اس کے برعکس دوسری طرف تاتاریوں کے دائیں بازو نے مسلمانوں کے بائیں بازو پر دھاوا بول کر اسے میدان کے آخری کونے تک ہٹنے پر مجبور کردیا۔ (۳۵)

اب کچھ عجیب سی صورتحال پیدا ہوگئی تھی، دونوں لشکروں کے دستے متفرق انداز میں اِدھر اُدھر باہم نبرد آزما تھے، دائیں بازو کے افسران کو بائیں بازو کی کوئی خبر نہ تھی اور بائیں بازو کے سالاروں کو دائیں بازو کا کچھ پتہ نہ تھا، سلطان جلال الدین قلبِ لشکر میں علاحدہ رہ گئے تھے۔ (۳۶)

دُشمنوں کی ہزیمت...... بدنظمی کے عالم میں بھی دیر تک یہ لڑائی اسی طرح شدت سے جاری رہی۔ آخر کار سلطان کا ہزیمت خوردہ بایاں بازو اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگیا اور تاتاریوں کے دائیں بازو کو دھکیلتا ہوا اپنی جگہ پر واپس آگیا۔ سہ پہر کے وقت سلطان نے لشکر کو منظم کرکے حریف پر چند جارحانہ حملے کیے، اسی دوران مسلمانوں کے بائیں بازو نے دشمن کے دائیں بازو پر دھاوا بول کر اسے روند کر رکھ دیا۔ انجامِ کار تاتاریوں کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ (۳۷)

سلطان اپنے جانبازوں کے ساتھ کئی میل تک دشمن کا تعاقب کرتے رہے اور دور تک ان کو مارتے کاٹتے چلے گئے۔ شام کے وقت وہ تھکن سے بے حال ہوکر گھوڑے سے اُتر پڑے (۳۸) اور ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ڈھلتے سورج کی مدھم روشنی میں وہ اپنے بدترین دشمن کی پسپائی اور تباہی کا منظر پوری دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے سرفروش چُن چُن کر دشمن کے سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اُتار رہے تھے۔ (۳۹)

سلطان جلال الدین کچھ دیر اس نظارے سے لطف اندوز ہوتے رہے، لیکن اندھیرا چھاتا دیکھ کر انہوں نے

تعاقب کو خلافِ احتیاط خیال کرتے ہوئے سپاہیوں کو رکنے کا حکم دیا۔ (۴۰)

کچھ ہی دیر بعد لشکر کا ایک اعلیٰ افسر ''ایلان توغو'' ان کے پاس آیا اور نہایت جذباتی انداز میں عرض کرنے لگا:

''حضور والا! ہم زمانۂ دراز سے یہ تمنا کر رہے تھے کہ ہمیں کوئی فتح حاصل ہو اور ہم جی بھر کر اپنے ارمان نکالیں، خوشیاں منائیں، دل کھول کر دشمن کا شکار کریں، عالی جاہ! آج ہمیں اس کا سنہری موقع حاصل ہوا ہے، مگر آپ تعاقب ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں۔ تاتاری تو رات کے اندھیرے میں دو دن کی مسافت طے کر جائیں گے۔ ہم ان کا تعاقب ابھی سے کیوں نہ کریں۔'' (۴۱)

بعض دیگر امراء نے بھی اس کی زور و شور سے تائید کی۔ (۴۲) سلطان بہادر افسران کی نہایت قدر کرتے تھے اور ان کے مشوروں اور جذبات واحساسات کا حتی الامکان لحاظ کیا کرتے تھے، اس افسر کا جذباتی انداز اور امراء کا مسلسل اصرار دیکھ کر وہ نرم پڑ گئے اور تعاقب کی اجازت دے کر خود بھی تعاقب کرنے والوں میں شامل ہو گئے۔ کچھ دیر بعد فوج کا اکثر حصہ تعاقب میں شریک ہو چکا تھا۔ البتہ لشکر سلطانی کے میمنہ کے کئی دستے جو تاتاریوں کے میسرہ کو دھکیل کر کاشان تک لے گئے تھے، ابھی تک واپس نہیں لوٹے تھے۔

پانسہ پلٹ گیا..... ہزیمت خوردہ تاتاری لشکر کے ہزاروں مفرورین آگے جا کر ایک جگہ جمع ہو گئے۔ چونکہ سلطانی لشکر نے کچھ دیر کے لیے ان کا تعاقب ترک کر دیا تھا، اس لیے انہیں منظم ہونے کا موقع مل گیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے دیکھا کہ افق سے گرد و غبار کے بادلوں میں خوارزمی فوج پیش قدمی کر رہی ہے۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا اور اندھیرے میں پیش قدمی کرنے والے لشکر کو تباہی سے دوچار کرنا زیادہ مشکل نہ تھا۔ تاتاریوں نے ایک ٹیلے کے پیچھے اپنے بہترین نشانہ باز دستے گھات میں بٹھا دیے اور ان کے باقی سپاہی بھی یک بارگی حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ جوں ہی خوارزمی لشکر زد پر آیا، تیروں کی بارش نے ان میں افراتفری مچا دی، اس کے ساتھ ہی تمام تاتاری ٹیلے کی اوٹ سے نکل کر سیلابی ریلے کی طرح یکدم لشکرِ اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ (۴۳)

تاتاریوں کے اس غیر متوقع اور شدید حملے کا پہلا شکار خوارزمی فوج کا بایاں بازو تھا۔ (۴۴) اس کے افسران نے اپنی صفوں کو سنبھالنے کی پوری کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے اور پسپا ہوتے چلے گئے، تاتاری لشکر کا میمنہ ان کا تعاقب کرتا رہا۔ النسوی کے بقول اس دن مسلمانوں کو امیر اُورخان کی قدر معلوم ہوئی جسے باطنیوں نے قتل کر دیا تھا۔ خوارزمی لشکر کے بائیں بازو کا امیر اکثر وہی ہوا کرتا تھا اور اس کی موجودگی میں فتح ہمیشہ قدم چومتی تھی۔

اس دن بائیں بازو کی پسپائی کی وجہ سے تمام فوج غیر منظم اور متفرق ہو گئی۔ دونوں فریق آپس میں خلط ملط ہو گئے (۴۵) اور جگہ جگہ انفرادی شجاعت کے جوہر کھلنے لگے، سخت اندھیرے میں دوست اور دشمن کی تمیز مشکل ہو رہی تھی، تاتاریوں کے چند دستے عقب سے حملہ کر کے لشکرِ اسلام کو پوری طرح گھیرنے کی کوشش کرنے لگے، (۴۶) اب قلبِ لشکر شدید دباؤ میں پیچھے ہٹ رہا تھا (۴۷) سلطان بذاتِ خود بُری طرح نرغے میں آ گئے تھے اور کسی وقفے کے بغیر تیروں، نیزوں اور تلواروں کے مسلسل وار اس طرح ان کا رُخ کر رہے تھے کہ ان کی موت یقینی معلوم ہوتی تھی، اگر اجل کا وقت پہلے سے طے نہ ہوتا تو سلطان کا چند لمحے زندہ رہنا بھی مشکل تھا۔ (۴۸)

گھیرا توڑ دیا..... مسلمانوں نے اس صورتحال میں مقابلہ بے سود سمجھا اور حملہ آوروں کا گھیرا توڑ کر اِدھر اُدھر نکلنے کی

کوشش کرنے لگے۔ سلطان جلال الدین کوئی چار سو جانثاروں کے ساتھ دشمن کے نرغے میں پھنس کر رہ گئے تھے، ان میں سلطان کے بہادر امراء اور لشکر کے کئی بڑے سردار شامل تھے۔ (۴۹) سلطان نے لڑائی سے نہ بھاگنے کی قسم کھائی تھی، اس لیے وہ، ان کے محافظ اور خاص رفقاء آخر تک سرفروشانہ مقابلہ کرتے رہے۔ لڑائی کے دوران ایک موقع پر سلطان نے پلٹ کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تو دیکھا، ان کا علمبردار بھی پیٹھ پھیر کر بھاگا جا رہا ہے۔ سلطان سے برداشت نہ ہوا، انہوں نے تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ وہ اسی جگہ ڈھیر ہو گیا۔

اس دوران تاتاری چاروں جانب سے صف در صف سلطان کو گھیرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اپنا حلقہ تنگ کرتے جا رہے تھے۔ سلطان کے قریبی ساتھی جاں توڑ مدافعت کرتے ہوئے ایک ایک کر کے کٹتے جا رہے تھے۔ سلطان کا ماموں زاد اخش ملک سلطان پر برسنے والے تیروں کو روکتے روکتے چھلنی ہو کر شہادت کی سعادت پا چکا تھا۔ امراء اور خواص کی اکثریت جامِ شہادت نوش کر چکی تھی، اب ان کے ساتھ صرف چودہ جانثار غلام باقی رہ گئے۔ (۵۰)

تاتاری ایک بار پھر سلطان کو زندہ گرفتار کر کے اپنے خانِ اعظم کے سامنے پیش کرنے کی دیرینہ خواہش پوری کرنے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ سلطان بھی ان کے بُرے ارادوں کو تاڑ چکے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ اب مزید مزاحمت بے سود ہے۔ بظاہر نجات کا کوئی راستہ نہ تھا، مگر آخری کوشش کے طور پر انہوں نے اللہ کو یاد کر کے اپنی پوری طاقت جمع کرتے ہوئے ایک طرف حملہ کیا۔ اس سمت گھیرا ڈالنے والے دشمنوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ سلطان کی تلوار بجلی کی طرح کوند رہی تھی، وہ مزاحمت کرنے والے تاتاریوں کو گراتے ہوئے آگے بڑھے اور اپنے چند سرفروش ساتھیوں سمیت سنسناتے ہوئے تیر کی مانند دشمن کے گھیرے سے باہر نکل گئے۔ تاتاری گھڑسوار پوری تیزی سے ان کے پیچھے روانہ ہوئے مگر سلطان پلک جھپکتے میں گھٹاٹوپ تاریکی میں غائب ہو چکے تھے۔ تاتاریوں کے ایک سالار بایںال نوین نے سلطان کو اس کمال کی دلیری کے ساتھ راستہ بنا کر نکلتے دیکھا تو بے ساختہ کہہ اٹھا:

''تو ہر جگہ سے صاف بچ نکلا، بے شک اس زمانے کا مرد تو ہی ہے۔ تو ہی مد مقابل سے صحیح ٹکر لینے والا جنگجو ہے۔''

اس کے بعد کئی دن تک سلطان کا کچھ پتہ نہ چلا۔ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ وہ اس معرکے میں شہید ہو گئے ہیں اور بعض کا یہ گمان تھا کہ انہیں دشمن نے گرفتار کر لیا ہے۔ (۵۱)

جنگ کا حیرتناک انجام..... اندھیری شب میں لڑے جانے والے اس خوں ریز معرکے کے آخری لمحات کی صورتحال نہایت عجیب تھی۔ فریقین میں سے ہر شخص اپنے مقابل پر اندھادھند وار کر کے اپنا راستہ صاف کرنا چاہ رہا تھا، جس طرح سلطان کے سپاہی اس کوشش میں تھے کہ وہ دشمن کا گھیرا توڑ کر اِدھر اُدھر نکل جائیں۔ اسی طرح تاتاری بھی تاریکی کے باعث میدانِ جنگ کی صورتحال کا صحیح اندازہ نہ کر کے سراسیمہ ہو چکے تھے اور اس ہنگامے اور افراتفری سے جان چھڑا کر میدان سے ہٹنا چاہتے تھے۔ وہ جگہ جگہ منتشر ٹولیوں کی صورت میں مسلمانوں سے الجھے ہوئے تھے اور مسلمان جب ایک طرف زوردار حملے کر کے ان کے نرغے سے نکلتے تو تاتاریوں کی جمعیت مزید درہم برہم ہو کر رہ جاتی۔ رات کی سیاہ چادر میں آسمان کی بلندی پر ٹمٹماتے ستارے اس تاریخی معرکے کے اختتام پر یہ عجیب منظر دیکھ رہے تھے کہ مسلمان اور تاتاری دونوں فریق اندھیرے کو آڑ بنا کر میدان سے فرار ہو رہے ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جنگ کے اس حیرتناک انجام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وَكَانَتْ مَلْحَمَةٌ لَمْ يُسْمَعْ بِمِثْلِهَا فِي الْمَلَاحِمِ فِي انْهِزَامِ كِلَا الْفَرِيقَيْنِ." (53) (یہ ایک ایسی گھمسان کی جنگ تھی جس کی مثال گھمسان جنگوں کی تاریخ میں نہیں سنی گئی، اس لیے کہ یہ واحد جنگ تھی جس میں دونوں فریق میدان سے شکست کھا کر بھاگے۔)

لشکرِ اسلام کی حالتِ زار ..... شب تاریک کے اس خوں ریز معرکے کے اختتام پر لشکرِ اسلام کا یہ حال تھا کہ اس کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی، زخمیوں کا شمار اس کے علاوہ تھا۔ (53) بائیں بازو اور قلب کے زندہ بچ نکلنے والے سپاہی فارس، کرمان اور تبریز جیسے دور دراز کے علاقوں کی طرف نکل گئے تھے۔ (54) البتہ دائیں بازو کے سپاہی جو تاتاریوں کے میسرہ کو پسپا کرتے ہوئے کاشان پہنچ گئے تھے، اس موقع پر موجود نہ ہونے کے تباہی سے باعث محفوظ رہے، اپنے لشکر سے الگ ہونے کے بعد وہ دو دن بھٹکنے کے بعد واپس اپنے معسکر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، تاہم سلطان کی گمشدگی کے باعث بددل ہو کر اب وہ لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ (55)

سلطان کی گمشدگی کے علاوہ سب سے زیادہ یاس انگیز پہلو یہ تھا کہ تقریباً وہ تمام بہادر، تجربہ کار، باحمیت اور مخلص افسران جن پر سلطان کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اسی شب کی خوں ریزی کا شکار ہو کر شہید ہو چکے تھے۔ ان میں سے الپ خان، ارتق خان، کوج خان، منکلی بیگ طائین اور بولق خان کے نام تاریخ میں محفوظ ہیں۔ شہاب الدین النسوی بتاتے ہیں کہ سلطان کے ہمراہ لڑنے والے امراء اور خواص میں سے صرف تین افراد کوچ تکین پہلوان، اودک امیر آخور اور حاجبِ خاص خان بردی زندہ بچ کر نکل سکے۔ (56)

ابوبکر بن سعد کی واپسی ..... اسلامی لشکر کے بڑے قائدین میں سے صرف ابوبکر بن سعد حاکم شیراز بالکل صحیح وسالم لوٹنے میں کامیاب ہوا۔ وہ پہلی بار تاتاریوں کے قدم اُکھڑتے ہی ان کے تعاقب میں نکل گیا تھا اور بقیہ تمام دستوں سے اس کے دستے بہت آگے تھے۔ جب شام کے وقت سلطان جلال الدین نے تاتاریوں کا تعاقب روک دیا تو ابوبکر بن سعد بقیہ لشکر سے دور ہونے کے باعث بھٹک کر رہ گیا۔ سلطان اور باقی لشکر کا اتا پتا نہ پا کر اس نے آگے بڑھنا خطرناک سمجھتے ہوئے کسی دوسرے راستے سے واپسی اختیار کر لی۔ لوٹتے وقت بھی سلطان سے اس کا ملاپ نہ ہو سکا، اس لیے وہ دوبارہ تعاقب میں شامل نہ ہوا اور اس عظیم حادثے سے محفوظ رہا جو دوسروں کو پیش آیا۔ (57)

اتابک علاؤ الدولہ کی قربانی ..... اتابک علاؤ الدولہ فارس کے قدیم شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ساٹھ برس تک یزد پر حکومت کی تھی، کبرسنی کی وجہ سے اسے ابا خان کہا جاتا تھا۔ سلطان جلال الدین کی ہندوستان سے واپسی کے بعد یہ اتابک ان کے وفاداروں میں شامل ہو گیا تھا۔ سلطان نے خراسان کے باقی ماندہ آباد علاقوں کی امارت اس کے سپرد کر دی تھی۔ اس کے بڑھاپے کے باعث سلطان اسے باپ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ یہ بوڑھا امیر بھی اس جنگ کی نذر ہو گیا۔ لڑائی کے اختتام پر باطنی گروہ کے ایک آدمی نے اسے گرفتار کر لیا تھا۔ بوڑھے اتابک نے اپنے پاس موجود تمام زر و جواہر حوالے کر کے بمشکل رہائی حاصل کی اور اپنے علاقے کی طرف چل دیا۔ رات کا وقت تھا..... گھپ اندھیرے میں وہ لڑکھڑاتا ہوا ایک کنوئیں میں جا گرا اور وہیں جان دے دی۔ اس وقت اس کی عمر چوراسی (۸۴) سال کے لگ بھگ تھی۔ (58)

اصفہان کا محاصرہ ..... اگر چہ اصفہان کے اس معرکے میں انجام کار مسلمان اور تاتاری دونوں میدان چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے، مگر تاتاریوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے نقصانات بہت زیادہ تھے، خاص کر سلطان کی گمشدگی اور بڑے بڑے کمانداروں کی شہادت نے ان کو دوبارہ مجتمع ہونے کے قابل نہیں رہنے دیا تھا۔ اس کے برخلاف تاتاری میدان سے ہٹنے کے بعد منظم ہو کر ایک بار پھر آگے بڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اب اصفہان تک پہنچنے میں ان کے سامنے کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔

وہ مکمل فتح حاصل کرنے کے لیے شہر پر قبضہ اور قتل عام کی رسم کو پورا کرنا ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ چند دن بعد وہ ایک بلائے بے درماں کی طرح آگے بڑھے اور اصفہان کا محاصرہ کر لیا۔ (۵۹)

باطنیوں کا اظہارِ مسرت ..... غیاث الدین غداری کر کے پناہ لینے باطنی امام علاؤالدین خورشاہ کے پاس چلا گیا تھا۔ ادھر پیچھے سے سلطان جلال الدین کی گمشدگی یا شہادت کی خبر بھی پھیل گئی۔ اس صورتحال سے باطنیوں کے ہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ شام میں باطنیوں کے نائب شیخ مظفر بن حسین نے باطنی امام کے نام فوراً مراسلہ لکھا:

''بے چارہ جلال الدین اصفہان کے نواح میں مارا گیا ہے۔ اس کی فوج پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ اس کا بھائی حضور کے دامن سے وابستہ ہونے کو تیار ہے۔ اُدھر تبریز میں قزل ارسلان عرف ملک خاموش کے حامی بھی حلقہ بگوش بننا چاہتے ہیں۔ غرض اب پورا ایران امام علاؤالدین کے لیے سرنگوں ہے۔''

یہ خط بعد میں خوارزمیوں کے ہاتھ لگا تو انہیں اپنی مصیبتوں پر باطنیوں کی مسرت کا اندازہ ہوا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص:۲۷۸)

سلطان کا حال ..... سلطان جلال الدین تاتاریوں کے نرغے سے بچ نکلنے کے بعد یہ سوچ کر اصفہان کی طرف نہ گئے کہ کہیں تاتاری بھی ان کے تعاقب میں اصفہان کا رُخ نہ کر لیں (۶۰) چنانچہ دشمن کی نگاہوں سے بچتے ہوئے وہ لورستان کے پہاڑوں میں پہنچ گئے اور ایک گھاٹی میں پناہ لی۔ ان کے ہزیمت خوردہ لشکر کے مفرور سپاہیوں میں سے بعض افراد ایک ایک دو دو کر کے اسی طرف آتے رہے اور حسنِ تقدیر سے سلطان کی اچانک ملاقات سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ (۶۱)

سلطان کا اہل اصفہان کو پیام ..... اہل اصفہان اپنی شجاعت وحمیت کے لیے مشہور ومعروف تھے (۶۲) مگر اس وقت تاتاریوں کے محاصرے میں ان کی حالتِ زار ناقابلِ بیان تھی۔ فوج اور لڑنے والے رضا کاروں کی قوت ٹوٹ چکی تھی۔ سلطان جلال الدین جو اس بھیانک طوفان میں مسلمانوں کی ڈوبتی ہوئی کشتی کا آخری سہارا تھے، لاپتہ ہو چکے تھے۔ شہر کے ہر چھوٹے بڑے پر افسردگی طاری تھی۔ شہر کے عمائد کو کوئی راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔ باغیانہ ذہن رکھنے والے بعض مقامی امراء، سلطان جلال الدین اور خوارزمی سپاہیوں کو اس تمام تر صورتحال کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ ان کے نزدیک اہلِ اصفہان کا سلطان جلال الدین کی حلقہ بگوشی اختیار کرنا اور خوارزمیوں کو اصفہان میں رہنے کا موقع دینا ان کی وہ حماقت تھی جس کی وجہ سے تاتاریوں نے اصفہان پر حملہ کیا تھا اور اب اس آفت سے چھٹکارے کا طریقہ یہی تھا کہ خوارزمی سپاہیوں کو اصفہان سے نکلنے پر مجبور کر دیا جائے۔

قاضی القضاۃ رکن الدین صاعد اور دیگر عمائدِ شہر نے بمشکل ان امراء کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔ خانہ جنگی کے خطرے سے نپٹنے کے لیے بالآخر یہ طے پایا گیا کہ اگر سات دن تک سلطان کی واپسی نہ ہوئی تو اہل اصفہان اپنے معاملات

میں خودمختار ہوں گے۔ عمائد اور قاضی صاحب کو اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر عید الفطر کی نماز تک سلطان کا اتا پتا نہ چلا تو سلطان کے بہنوئی امیر ایغان طایسی کو جو کہ بیماری کے سبب جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا، سلطان کی جگہ خوارزمیوں کا بادشاہ مان کر تخت پر بٹھا دیا جائے گا، کیونکہ لے دے کے اب خوارزمیوں میں وہی ایک تجربہ کار سیاست دان تھا اور حسب نسب کے لحاظ سے نمایاں وجاہت رکھتا تھا۔ (۶۳)

بہر کیف ابھی شہر میں یہ عہد و پیمان ہو رہے تھے کہ سلطان جلال الدین کا قاصد خفیہ طور پر شہر کے امراء و اکابر کی خدمت میں آ پہنچا، اس نے سلطان کا سلام پہنچا کر کہا:

''سلطان عالی وقار بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہیں اور فرما رہے ہیں کہ میں کسی ایک جگہ قیام کرنے کے بجائے گھوم پھر کر اپنا بکھرا ہوا لشکر جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، اس کے بعد میں اور آپ متفق ہو کر ایک ساتھ محاصرہ کرنے والے تاتاریوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور انہیں پیچھے دھکیل دیں گے۔ (۶۴)

اصفہان کے رؤساء اور عمائد اس بشارت سے نہایت خوش ہوئے اور سلطان کا حکم بسر و چشم قبول کر کے ان کی بھرپور نصرت و امداد کا عہد کیا، چونکہ یہ پیغام رسانی خفیہ تھی، اس لیے بہر حال عوام کو سلطان کے زندہ یا شہید ہونے کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ شہر میں طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں اور عجب مخمصے کا عالم طاری تھا۔

عید گاہ میں سلطان کی آمد ..... عید الفطر کے دن لوگ عید گاہ میں صفیں باندھ کر کھڑے تھے کہ دور سے گرد و غبار بلند ہوتا دکھائی دیا۔ دل دھڑکنے لگے، امید و بیم کی کیفیت میں نگاہیں اسی طرف جم گئیں۔ ہر چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ آخر گرد و غبار چھٹنے لگا اور مجاہدین و عوام کے محبوب قائد سلطان جلال الدین خوارزم شاہ گھڑ سواروں کے ایک دستے کے ساتھ شہر میں داخل ہوتے دکھائی دیے۔ (۶۵) سلطان کو اچانک اپنے سامنے پا کر مجاہدین اور عوام مسرت سے بے قابو ہو گئے اور خوشی سے نعرے لگاتے ہوئے ان کے استقبال کے لیے دوڑے۔ سلطان کی آمد سے عید الفطر کی گم شدہ بہاریں لوٹ آئی تھیں۔ سلطان نے سب کے ساتھ مل کر نمازِ عید ادا کی۔ (۶۶)

آخری معرکہ اور فتح مبین ..... مقابلے کی از سرِ نو منصوبہ بندی کرنے کے بعد ایک دن سلطان اپنی فوج اور اصفہان کے رضا کاروں کی مشترکہ قوت کے ساتھ تاتاری لشکر سے مقابلے کے لیے نکل آئے۔ ایک بار حق و باطل کا معرکہ برپا ہوا۔ خوارزمی، ترک اور فارسی سپاہیوں کے ساتھ ساتھ مقامی رضا کاروں نے بھی بڑی پامردی، استقلال اور سرفروشی کے ساتھ اس جنگ میں حصہ لیا۔ ایک نہایت خوں ریز معرکے کے بعد تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی اور وہ بُری طرح پٹ کر رے کی طرف بھاگے۔ سلطان جلال الدین گزشتہ نقصانات کا پورا پورا بدلہ چکانا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے دشمنانِ اسلام کا پیچھا نہ چھوڑا اور کئی روز تک ان کو ہانکتے اور گھیر گھار کر موت کے گھاٹ اُتارتے رہے۔ تقریباً تین سو کلو میٹر طویل پسپائی کے بعد بچے کھچے تاتاری رے سے آگے پہنچ گئے۔ (۶۷) مگر سلطان کے حکم سے فوج نے اس وقت تک ان کا تعاقب جاری رکھا جب تک وہ دریائے جیحوں کے پار نہ چلے گئے۔ (۶۸)

اس عظیم فتح سے سلطان کی گزشتہ معرکے میں شکست کا بڑی حد تک ازالہ ہو گیا۔ تاتاری بھی سلطان سے اس قدر مرعوب ہوئے کہ تین سال تک انہیں دریائے جیحوں عبور کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔

اس عظیم کامیابی کے بعد سلطان نے اصفہان واپس آ کر ان تمام افسران اور سپاہیوں کو انعام و اکرام سے نوازا

جنہوں نے حالیہ معرکوں میں جرأت وبہادری کی نئی داستانیں رقم کی تھیں۔اس کے بالمقابل گزشتہ معرکے کی شکست میں جن افسران اور امراء کی بزدلی اور حماقت کا دخل تھا سلطان نے انہیں عام مجمعوں کے اندر رسوا کیا اور انہیں نشانِ عبرت بنانے کے لیے برقعے پہنا کر شہر کے بازاروں اور گلیوں میں گشت کرایا۔ (۶۹)

چنگیز خان کے جانشین کا اظہارِ برأت ...... اس جنگ میں شکست کے بعد تاتاریوں کی خفت کا یہ عالم تھا کہ چنگیز خان کے جانشین اوکتائی خان نے سلطان کو خط لکھ کر اصفہان پر حملہ آور فوجوں سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا۔ابن اثیر نے تو یہاں تک نقل کیا ہے کہ چنگیز خان کے جانشین نے سلطان کو کہلوایا تھا کہ ان حملہ آوروں کو ہم نے دھتکار دیا ہے۔ (۷۰)

مگر یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ تاتاریوں کے اتنے بڑے بڑے لشکر خاقان کی اجازت کے بغیر کسی ملک پر حملہ کرنے کی جرأت کریں......اور پھر جب مقابل میں تاتاریوں کا قومی اور روایتی حریف سلطان جلال الدین ہو تو یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ حملہ آور افواج اپنی حکومت کی اجازت اور باقاعدہ منصوبہ بندی کے بغیر اس کی طرف بڑھی ہوں گی۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ حملہ آور لشکر خاقان کی طرف سے نہیں آئے تھے تو پھر ایسے سوالات جنم لیتے ہیں جن کے جوابات کسی طرح نہیں مل پاتے مثلاً یہ حملہ آور تھے کون، کہاں سے آئے تھے، واپس کہاں چلے گئے، ان کی چھاؤنی کہاں تھی، ملک کونسا تھا، بادشاہ کون تھا، اگر خاقان نے انہیں دھتکار دیا تھا تو ان کو فطری طور پر خاقان کے حریف جلال الدین سے اتحاد کر لینا چاہیے تھا......انہوں نے اس کے برعکس جنگ کیوں شروع کردی۔یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ جنگوں کا یہ موسم ایک سال سے کچھ زائد مدت تک چلا تھا، اس دوران خاقان نے حملہ آوروں سے اظہارِ برأت کیوں نہ کیا، اس کا خیال شکستِ فاش کے بعد ہی کیوں آیا۔معلوم ہوا کہ خاقان کا یہ بہانہ اپنی خفت مٹانے کی ناکام کوشش کے سوا کچھ نہ تھا۔

تاتاریوں کیخلاف لڑے جانے والے ان معرکوں کے نتائج وثمرات ...... ۶۲۴ھ اور ۶۲۵ھ میں تاتاریوں کے خلاف لڑے جانے ان معرکوں سے ہمیں سلطان جلال الدین کی قوتِ ایمانی، عزم واستقلال اور حوصلے کا بخوبی انداز ہوسکتا ہے۔ان دو سالوں کے اکثر اوقات میں سلطان کسی نہ کسی محاذ پر تاتاریوں سے برسرِ پیکار رہے یا اس کی تیاری اور تگ ودو میں مصروف رہے۔اس طویل جنگی سلسلے کا آغاز ایسے وقت ہوا جبکہ سلطان کا دیگر مسلم حکمرانوں سے اتحاد ٹوٹ چکا تھا اور ان کے اکثر حلیف حریف بن چکے تھے۔سلطان نے یہ سب جنگیں تنہا لڑی تھیں۔ بیرونی حکمرانوں میں سے صرف سلطان علاؤالدین کیقباد ان کی مالی اعانت کرکے اس جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ دار بنا تھا۔

عالمی سطح پر اس تنہائی کے باوجود سلطان جلال الدین چٹان کی طرح ڈٹ کر تاتاریوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ان کو دو تین میدانوں میں شکست بھی ہوئی، اپنوں کی غداری اور اندرونی شورشوں سے بھی ساتھ ہی ساتھ پالا پڑا، پھر بھی ان کی حوصلہ مندی اور اولوالعزمی میں کمی نہ آئی اور وہ ایک میدان میں شکست کھا کر دوسری رزم گاہ میں اس شکست کا بدلہ لیتے رہے......حتیٰ کہ انجام کار دشمنانِ دین کو خائب وخاسر ہو کر لوٹنا پڑا اور مسلمانوں کو فتح مبین نصیب ہوئی۔اس فتح کے اثرات سے تمام عالمِ اسلام مستفید ہوا اور سلطان کی ہمت، قربانی اور سرفروشی کی بدولت تاتاری اپنی اس دوسری یورش میں جس کا آغاز چنگیز خان کے زمانے میں اور اختتام اس کے بیٹے اوکتائی خان کے دور میں ہوا، نہ صرف عالمِ اسلام کی ایک انچ سرزمین پر بھی قبضہ نہ کرسکے بلکہ آئندہ بھی چند سالوں کے لیے امت مسلمہ ان کے شر سے محفوظ ہوگئی۔

حواشی وحوالہ جات

① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲..... خوارزم شاہی ص ۱۷۹
② ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۰
③ تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۴، ۲۴۵..... سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۲۴۳..... الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲ ص ۲۵۷
④ سیرۃ جلال الدین ص ۲۶۱، ۲۶۲..... خوارزم شاہی ص ۱۸۱
⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۱..... الاعلام بوفیات الاعلام ج ۲ ص ۲۵۷
⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲..... خوارزم شاہی ص ۱۶۸
⑦ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑧ ابن اثیر، ج ۷ ص ۶۴۴
⑨ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۲..... خوارزم شاہی ص ۱۶۸..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑩ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑪ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴
⑫ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑬ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۸
⑭ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳..... خوارزم شاہی، ص ۱۶۸..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۸
⑮ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۸
⑯ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑰ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸
⑱ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
⑲ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸ ⑳ گلستان وبوستان میں شیخ سعدی رحمہ اللہ کا ممدوح
㉑ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴
㉒ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ ھ
㉓ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۳..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۴۴ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۴..... خوارزم شاہی، ص ۱۶۹
۴۵ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۴۶ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۸
۴۷ یہ ابن اثیر رحمہ اللہ کا قول ہے، دیگر مؤرخین کے نزدیک یہ ۶۲۴ھ کا واقعہ ہے، مگر قرائن سے ابن اثیر کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔
۲۸ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹ ۲۹ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲
۳۰ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۳۱ خوارزم شاہی ص ۱۶۹ ۳۲ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴
۳۳ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۳۴ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹..... خوارزم شاہی ۱۶۹
۳۵ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹ ۳۶ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹
۳۷ شذرات ج ۵ ص ۱۱۳..... العبر ج ۳ ص ۱۹۲..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۳۸ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۳۹ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵..... خوارزم شاہی ص ۱۶۹
۴۰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵..... خوارزم شاہی ص ۱۷۰
۴۱ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۵..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۴۲ خوارزم شاہی ص ۱۷۰
۴۳ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ..... خوارزم شاہی ص ۱۷۰
۴۴ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۴۵ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۴۶ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹ ۴۷ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹
۴۸ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۴۹ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶..... خوارزم شاہی، ص ۱۷۰
۵۰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ
۵۱ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹..... روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۰
۵۲ العبر ج ۳ ص ۱۹۲..... شذرات الذہب ج ۵ ص ۱۱۳
۵۳ شیخ سعدی رحمہ اللہ (متوفی ۶۹۱ھ) نے بوستان کے باب پنجم میں ''حکایت شاطر سپاہانی'' کے عنوان سے تاتاریوں کے خلاف ایک معرکۂ کارزار میں اپنے ایک اصفہانی دوست کی شرکت کا قصہ نقل کیا ہے اور اپنی سحر بیانی سے گویا اس گھمسان کی جنگ کا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیا ہے۔ قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ رحمہ اللہ نے

اصفہان کے اسی معرکے کا حال بیان کیا ہے۔

۵۴......تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ

۵۵......تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸

۵۶...... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ......سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۵۷ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴

۵۸ تاریخ گزیدہ ج ا ص ۵۰۲......سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۶......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲

۵۹ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵ ۶۰ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۱ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۶۹......ابن اثیر نے لورستان کے بجائے ''سُمیرم'' نامی مقام کا ذکر کیا ہے جو اصفہان اور شیراز کے درمیان ایک قصبہ تھا۔

۶۲ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۳ تاریخ گزیدہ ج ۲ ص ۵۰۲......سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۷

۶۴ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵ ۶۵ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۰

۶۶ جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۷۰ ۶۷ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

۶۸ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۳۸......خوارزم شاہی ص ۱۷۱

۶۹ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۰

۷۰ سیرۃ جلال الدین ص ۲۳۸......تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۴ھ......ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۵

اتحادی لشکر سے جہاد

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ...... یہ ایسے ہیں کہ لوگوں نے ان سے کہا کہ ان لوگوں نے تمہارے لیے فوج جمع کی ہے، تم ان سے ڈرو تو اس بات نے ان کا ایمان بڑھا دیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ (آل عمران، آیت:۱۷۳)

گرجیوں کا دیگر حکومتوں سے اتحاد ..... سلطان جلال الدین تاتاریوں کو درسِ عبرت دے کر فارغ ہوئے تو انہیں ایک بار پھر گرجستان کے محاذ کی طرف توجہ دینا پڑی۔ اگرچہ گرجیوں کی قوت ٹوٹ چکی تھی، مگر ایک طویل عرصے تک سلطان کی تاتاریوں سے نبرد آزمائی کے سبب انہیں آس پاس کے متعدد حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف متحدہ محاذ بنانے کے لیے کافی وقت مل گیا تھا۔

یہ وہ وقت تھا کہ سلطان کی فتوحات سے اردگرد کے سارے اربابِ اقتدار لرز رہے تھے۔ سلطان جلال الدین دریائے سندھ کے ساحلی علاقوں سے لے کر قفقاز کے پہاڑوں تک ایک ایسی وسیع وعریض مملکت قائم کر چکے تھے جو افرادی قوت کی کمی اور اقتصادی حالت کی کمزوری کے باوجود رقبے کے لحاظ سے اس زمانے کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت بن گئی تھی۔ تاتاریوں کے خلاف حالیہ کامیابیوں نے سلطان کے جاہ وجلال اور سطوت وشوکت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔

چاہئے تو یہ تھا کہ سلطان کے پڑوسی حکمران، تاتاری یلغار کے سامنے ان کے سدِ سکندری بن جانے پر ان کے مشکور وممنون ہوتے، مگر مسندِ حکومت کے ان پجاریوں کو سلطان کی ہرنئی کامیابی سے اپنی کرسی ڈگمگاتی نظر آتی اور عروج کی طرف سلطان کا ہر قدم انہیں اپنے سینے پر محسوس ہوتا۔ چنانچہ گرجیوں نے ان حکمرانوں کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خلاف ایک اتحاد تشکیل دینے میں دیر نہ لگائی اور تاتاریوں کے جھنجھٹ سے فرصت پاتے ہی سلطان کو گرجستان کی سرحدوں پر ایک نیا سیلاب اُمنڈتا نظر آنے لگا جو کوئی درجن بھر حکومتوں کی جارحانہ قوتوں کا مجموعہ تھا۔ سلطان کے خلاف یلغار کرنے والے اس لشکر میں مندرجہ ذیل حکومتوں اور قبائل کا اشتراک تھا:

1 گرجی	2 قپچاق	3 ارمن	4 آلان
5 لکز	6 سریر	7 سونیان	8 ابخاز
9 جانیت	10 روم	11 شام (1)	

سلطان کی عسکری شوریٰ کا اجلاس ..... سلطان جلال الدین کو دشمن کی بے پایاں تیاریوں کی اطلاعات مسلسل مل

رہی تھیں۔ انہوں نے ''مندور'' کے مقام پر پڑاؤ ڈال کر عسکری شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ سپہ سالاروں اور امرائے سلطنت کی آراء سننے کے بعد سلطان نے وزیراعظم کو اظہارِ خیال کا موقع دیا۔ وزیراعظم نے فصیح و بلیغ عبارت کے ساتھ مؤدبانہ انداز میں عرض کیا:

''عالم پناہ! دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہماری افرادی قوت ان کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے، لہٰذا فی الوقت لڑائی چھیڑنے کے بجائے ہمیں موسم گرما تک انتظار کرنا چاہئے، اس دوران ہمارے چھاپہ مار دستے دشمن کی کمک و رسد کو لوٹتے رہیں گے۔ موسمِ گرما تک خوراک کی عدمِ فراہمی کی بناء پر دشمن کے سپاہی اور گھوڑے کمزور ہو جائیں گے۔ نیز اس وقت تک ہماری وہ افواج جو دور دراز کی سرحدوں پر تعینات ہیں ہماری مدد کو پہنچ جائیں گی۔ تب ہم یک بارگی حملہ کر کے دشمن کو روند دیں گے۔''

کم ہمت وزیراعظم کی اس ''حکیمانہ'' تقریر کے دوران سلطان غصّے کی شدت سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔ اُس کے خاموش ہوتے ہی سلطان نے قلمدان سے دوات اُٹھا کر وزیراعظم کے سر پر دے ماری اور گرج کر کہا:

''تم مجھے ان بھیڑ بکریوں سے ڈرا رہے ہو...... بھلا شیر کو بکریوں کے ریوڑ کی کثرت سے کیا خوف ہو سکتا ہے......؟؟'' (۲)

جہاد کے لیے نفیرِ عام...... سلطان نے فیصلہ سناتے ہوئے نفیرِ عام کا اعلان کر دیا۔ ہر طرف سے عوام و خواص جہاد کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے پروانہ وار چلے آئے۔ گھوڑوں کے گلے اور اسلحہ و رسد کے ذخائر حتی الوسع جمع کر لیے گئے۔ چند دن بعد سلطان نے فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ دوسری سمت سے متحدہ لشکر بھی پیش قدمی کر رہا تھا۔ سلطان نے ایک کشادہ میدان میں اپنی فوج کی صف بندی کی۔ جب دشمن کی افواج قریب آن پہنچیں تو سلطان ایک بلند ٹیلے پر چڑھ کر ان کا جائزہ لینے لگے۔ ایک اعصاب شکن منظر ان کے سامنے تھا۔ تاحدِ نگاہ پیادوں اور سواروں کی صفیں ایستادہ ہو رہی تھیں جن کا آخری سرا نظروں سے اوجھل تھا۔ گرجستان کے عیسائیوں کے علاوہ شمال اور مغرب کے تقریباً تمام جنگجو قبائل اپنے اپنے پرچموں سمیت میدان میں پَرے جمائے کھڑے تھے۔ سلطنتِ روم اور شام کے مسلمان سپاہی بھی اتحادیوں کی صفوں میں دکھائی دے رہے تھے۔ اگرچہ سلطان کو ان تفصیلات کا پہلے سے علم تھا، مگر اب اس بحرِ متلاطم کو آنکھوں کے سامنے پا کر وہ اور ان کے تمام سپاہی یہ محسوس کر رہے تھے کہ سارا عالم ان کے مقابلے میں نکل آیا ہے۔ (۳)

سلطان نے سمجھ لیا کہ کھلے میدان میں صرف افرادی طاقت کے بل بوتے پر اس سیلاب کو روکنا بہت مشکل ہوگا، اس کے لیے کوئی ایسی چال چلنی پڑے گی جس سے دشمنوں میں انتشار پھیل جائے، ان کا اتحاد بداعتمادی کی نذر ہو جائے اور لڑائی سے پہلے ہی وہ نفسیاتی طور پر جنگ ہار جائیں۔ سلطان اس مقصد کے لیے کچھ دیر منصوبہ بندی کرتے رہے، جلد ہی ان کے زرخیز ذہن نے ایک مرحلہ وار منصوبہ ترتیب دے ڈالا۔

سلطان جلال الدین کا حربہ...... اتحادیوں کے دائیں بازو کی افواج میں قپچاقی جنگجوؤں کے بیس ہزار مسلح افراد تنے کھڑے تھے۔ ان کے روایتی پرچم ان کی صفوں میں جگہ جگہ لہرا رہے تھے۔ قپچاقی قبائل سے خوارزمی سلاطین کی قدیم رشتہ داری تھی۔ سلطان کی دادی ترکان خاتون اسی قبیلے کی ایک شاخ سے تعلق رکھتی تھی۔ انہیں اپنے خلاف صف آراء پا کر سلطان نے سوچا کہ اگر کسی طرح انہیں اتحادی افواج سے علاحدہ کر دیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ان کے دشمنوں کی

تعداد کم ہو جائے گی، بلکہ باقی متحدہ لشکر کا باہمی اعتماد بھی متزلزل ہو جائے گا۔ کچھ توقف کے بعد سلطان نے ایک ترکیب سوچ لی۔ انہوں نے روٹی کے ایک ٹکڑے پر تھوڑا سا نمک رکھ کر ایک قاصد کے حوالے کرتے ہوئے کہا:

''خفیہ طور پر قپچاقی لشکر کے سپہ سالار سے ملو اور یہ روٹی اور نمک اس کو پہنچا کر میری طرف سے کہہ دو...... تم بھول گئے کہ والدِ محترم سلطان علاؤ الدین محمد مرحوم کے زمانۂ اقتدار میں کئی بار میں نے ہی تمہاری سفارش کر کے تمہیں ان کی گرفت سے بچایا تھا اور قید و بند کے مصائب سے تمہیں چھٹکارا دلایا تھا۔ کیا تم اپنی نمک حلالی کا ثبوت پیش کرنے اور میرے احسانات کا بدلہ دینے کے لیے میرے بالمقابل شمشیر بکف ہو کر آئے ہو!!''

سلطان کا تیر نشانے پر لگا۔ جب قاصد نے قپچاقی سالار کو روٹی اور نمک پیش کر کے یہ پیغام سنایا تو وہ شرم سے پانی پانی ہو گیا، اس پیغام کا ہر لفظ اس کی غیرت و حمیت پر ایک چوٹ لگا رہا تھا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ فوراً میدان سے نکل جائیں۔

سلطان کا دوسرا مقصد بھی اسی حربے سے پورا ہو گیا، دوسرے اتحادی سالار قپچاقی لشکر کی علاحدگی کی اصل وجہ نہ جاننے کے باعث طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے اور لڑائی کے آغاز سے قبل ہی ان میں بداعتمادی اور بددلی پھیلنے لگی۔ ④

ایک اور چال...... سلطان جلال الدین دشمن کی اس دلی کیفیت کو بھانپ رہے تھے اور موقع غنیمت جان کر عام حملے سے قبل ایک اور نفسیاتی ضرب لگانا چاہتے تھے۔

اتحادی لشکر میں اصل کردار گرجی ادا کر رہے تھے۔ متحدہ افواج کی عمومی قیادت بھی ایک گرجی سردار ''ایوانی'' کے ہاتھ میں تھی۔ سلطان نے قاصد کی معرفت اسے یہ پیغام بھیجا:

'' آپ بہت دور سے سفر کر کے آئے ہیں...... تھکے ہوئے ہیں، گھوڑے بھی خستہ حال ہو رہے ہیں...... تو کیوں نہ ایسا کر لیا جائے کہ دونوں جانب سے چنے ہوئے لڑاکا جوان میدان میں آئیں اور اکا دکا جنگ کے جوہر دکھائیں، ہم ان کی لڑائی کا نظارہ کر کے لطف اندوز ہوں گے۔''

ایوانی کو بھی یہ پیش کش دلچسپ معلوم ہوئی اور اس نے ہاں کر دی۔ ⑤

هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ ...... دونوں لشکر آمنے سامنے صف آراء تھے۔ اتحادیوں کی فوج میں گرجی اپنی قوت، قد و قامت اور دلیری کے لحاظ سے سب سے فائق شمار کیے جاتے تھے، اس لیے ان کی جانب سے ایک نامور پہلوان گھوڑا دوڑاتا ہوا صفوں سے برآمد ہوا جو اپنے بلند قد و کاٹھ، فولادی لباس اور مہیب اسلحے کے باعث لوہے کا پہاڑ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے میدان میں آتے ہی ہاتھی کی طرح چنگھاڑتے ہوئے مبارزت طلبی شروع کی۔ مسلمانوں کی صفوں سے عام سی ہیئت اور معمولی قد و قامت کا ایک سوار نکل کر تیر کی طرح اس کی طرف گیا۔ دیکھنے والوں نے گمان کیا کہ ایک کم سن بچہ کسی دیو کے سامنے آ کھڑا ہوا ہے۔ ⑥

گرجی پہلوان چشم زدن میں یہ کھیل نمٹا دینے کے لئے بلا توقف اپنی بھاری بھرکم تلوار سونت کر اس ہلکے پھلکے مجاہد پر ٹوٹ پڑا۔ مجاہد بجلی کی طرح تڑپ کر چکمہ دے کر گیا۔ گرجی کی تلوار سنسناتی ہوئی اس کے قریب سے گزر گئی۔ گرجی نے رکے بغیر چند اور وار کیے، مگر اس کی تلوار ہوا میں نصف دائرے بنا کر رہ گئی۔ یکا یک مجاہد اپنا نیزہ سنبھال کر

تیزی سے پلٹا، "اللہ اکبر" کی گونج دار صدا کے ساتھ ہی ایک بھیانک چیخ سنائی دی۔ لوگوں نے دیکھا کہ گرجی پہلوان گھوڑے سے گر کر تڑپ رہا ہے۔ مجاہد کا نیزہ اس کی پشت سے پار ہو چکا تھا۔ متحدہ افواج کے سپاہی قلق اور بے چینی کے عالم میں اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے، جبکہ مسلمان خوشی سے نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے، تحسین و آفرین کی صداؤں سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ⑦

گرجی پہلوان کے مرنے کے بعد بھی اس شاہین صفت مجاہد نے میدان نہ چھوڑا اور کسی نئے مقابل کا انتظار کرنے لگا۔ دشمن کی صفوں سے ایک اور مسلح جوان برآمد ہوا۔ یہ مقتول گرجی پہلوان کا بیٹا تھا، قد و قامت میں اپنے باپ سے کم معلوم نہیں ہوتا تھا، اس کی نگاہیں خون آلود تھیں اور چہرہ شدتِ غضب سے انگارہ ہوا جا رہا تھا۔ وہ ایک زلزلے کی طرح میدان میں کودا اور اپنے حریف پر پل پڑا۔ تلواروں کی ہولناک جھنکار چند لمحے تک گونجتی رہی۔ فریقین دم بخود ہو کر زندگی اور موت کا یہ کھیل دیکھ رہے تھے۔ پھر یکا یک ایک جگر دوز چیخ سنائی دی۔ گرجیوں نے نہایت مایوسی کے عالم میں یہ منظر دیکھا کہ ان کا دوسرا بہترین لڑاکا بھی خاک و خون میں لت پت تڑپ رہا ہے۔

ایک جانب سے مسرت کے قہقہوں اور دوسری جانب سے بے ہنگم انتقامی نعروں کی گونج میں گرجیوں کا تیسرا قسمت آزما میدان میں داخل ہوا۔ یہ بھی اسی مقتول گرجی پہلوان کا بیٹا تھا۔ مجاہد نے اس کا قصہ نمٹانے میں بھی زیادہ دیر نہ لگائی اور ایک مختصر مگر تند و تیز مقابلے کے بعد اسے بھی مار گرایا۔

گرجیوں اور ان کے اتحادیوں کی نبضیں ڈوب رہی تھیں۔ ان کے سالار سوچ رہے تھے، سلطان جلال الدین کی فوج کے ایک عام سے سپاہی کا یہ دم خم ہے تو یقیناً ہم سب مل کر بھی اس سے ٹکر نہیں لے سکتے۔

مجاہد اسی طرح میدان میں ثابت قدم کھڑا تھا۔ تین طاقتور حریفوں سے یکے بعد دیگرے مقابلے کے بعد بھی اس کے جسم پر تکان کے کوئی آثار نہ تھے۔ اب بھی وہ ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگاتے ہوئے برسرِ میدان زور آزمائی کے لیے کسی مقابل کو للکار رہا تھا۔ اتحادی لشکر سے ایک اور پہلوان غصے سے پھنکارتا ہوا باہر آیا۔ اس کے چہرے کے خد و خال یہ یقین دلا رہے تھے کہ وہ بھی اس سے قبل مقابلے میں مارے جانے والے پہلوانوں کا بھائی ہے۔

مجاہد نے پورے استقلال اور اعتماد سے اس کے ساتھ شمشیر و سناں کا کھیل کھیلنے کے بعد اسے بھی موت کا کڑوا جام پینے پر مجبور کر دیا۔ کچھ دیر کے لیے اس رزم گاہ میں سناٹا چھا گیا۔ دشمن ہی نہیں دوست بھی دم بخود ہو کر اس شمشیر زن کو دیکھ رہے تھے جس کے فولادی بازو چار دیو پیکر انسانوں کو نمٹا چکے تھے اور اس کی عقابی نگاہیں بدستور کسی پانچویں شکار کی تلاش میں تھیں۔ دیر تک اتحادی افواج میں سکوتِ مرگ طاری رہا، کسی کو سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

آخران کا ایک نامی گرامی سردار جی کڑ اکر مقابلے کے لیے میدان میں اُتر آیا۔ اس سے قبل گرجی اپنے چار بہترین مایہ ناز بہادروں کو گنوا چکے تھے، مگر یہ ان کے ترکش کا سب سے کڑا تیر تھا۔ جب یہ خطرناک لڑاکا سردار مبارزت گاہ میں اُترا تو اس کے کوہ قامت جسم اور فیل پیکر گھوڑے کو دیکھ کر لوگ عش عش کر اُٹھے اور جب اس نے اپنی شمشیرِ آتش بار سونت کر اپنے سخت جان حریف پر حملہ کیا تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ اصل جنگ اب شروع ہوئی ہے۔ تلواریں باہم ٹکرا کر چنگاریاں جھاڑ رہی تھیں۔ گرجستان کا دیو مسلسل جارحانہ حملے کر رہا تھا اور مجاہد دفاعی انداز میں

پیچھے ہٹتے ہوئے اس کے پے در پے وار روک رہا تھا۔ اس کے بازوؤں میں ابھی قوت باقی تھی، مگر پریشان کن بات یہ تھی کہ اس نازک حالت میں اس کا گھوڑا تھکن سے چور ہو کر جواب دینے والا تھا۔ گرجی بھی اس کمزوری کو بھانپ چکا تھا، اس لیے وہ وار پر وار کیے جا رہا تھا تاکہ جلد از جلد اس قصے کو نمٹا دے۔ گرجی کا پلّہ بھاری دیکھ کر مسلمانوں کے دل دھک دھک کر رہے تھے، خصوصاً ان افسران اور امراء کے چہروں کے رنگ فق ہو چکے تھے جنہیں یہ حقیقت معلوم تھی کہ یہ ایک عام مجاہد کے بھیس میں خود سلطان جلال الدین خوارزم شاہ مقابلے پر ہیں۔

لڑائی پوری شدت سے جاری تھی۔ سلطان اپنے گھوڑے کی کمزوری کے سبب چند زخم کھا چکے تھے اور سمجھ چکے تھے کہ لڑائی کو مزید طول دینا خودکشی کے مترادف ہوگا۔ پلک جھپکتے میں انہوں نے ایک فیصلہ کیا اور عین اس لمحے جب دشمن اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر ان پر نہایت کاری وار کر رہا تھا، انہوں نے اپنا نیزہ تھامتے ہوئے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی، گرجی کی ضرب خالی گئی، اس کے ساتھ ہی سلطان نے بجلی کی طرح پلٹ کر نیزے کا ایک ایسا زوردار وار کیا کہ دیونما سردار کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کی انتڑیاں باہر نکل آئیں۔ ⑦

نصرتِ خداوندی کا نزول ..... لشکرِ اسلام سے دوادو تحسین اور تکبیر و تہلیل کے نعرے بلند ہو کر سماءِ ارضی تک جا پہنچے۔ اس کے برعکس دشمن کی صفوں میں کہرام مچ گیا۔ مایوسی، بددلی اور دہشت ان کے دلوں پر چھا گئی۔ سلطان کو اسی لمحے کا انتظار تھا۔ انہوں نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ گرجیوں کے حوصلے پست ہو چکے تھے۔ تھوڑی دیر میں وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ انہیں پسپا ہوتے دیکھ کر بقیہ اتحادی فوجیں بھی جم کر نہ لڑ سکیں اور جلد ہی وہ بھی گرجیوں کی تقلید پر مجبور ہو گئیں۔ سلطانی لشکر کو بے اندازہ مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ عطا ملک جوینی لکھتا ہے:

''اس قدر مالِ غنیمت حاصل ہوا کہ بھیڑ بکریوں کی طرف کسی کو التفات ہی نہ رہا اور دولت اتنی عام ہوئی کہ مال مویشی شمار میں نہیں آتے تھے۔'' ⑨

اس طرح یہ لڑائی جس میں فتح ناممکن دکھائی دے رہی تھی تائیدِ ایزدی سے کسی بڑے نقصان کے بغیر مسلمانوں کی زبردست کامیابی اور اہلِ باطل کی کھلی شکست پر اختتام پذیر ہوئی۔

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۰ ② جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۱......روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۳۱

③ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۱، ۱۷۲......روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۳۱

④ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۲

⑤ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۲............روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۸۳۱...... یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اسی نام کے ایک گرجی سردار کو سلطان نے ۶۲۳ھ میں گرفتار کیا تھا، وہ الگ شخص تھا جسے بعد میں قتل کر دیا گیا تھا۔ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ نام نہیں کوئی فوجی خطاب یا عہدہ ہوگا جس کے حامل متعدد افراد ہو سکتے ہیں۔

⑥ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۳ ⑦ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۳

⑧ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۳............روضۃ الصفا، ج ۴ ص ۱۸۳۱

⑨ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۷۴

بارہواں باب

اپنوں کی دُشمنی

دوستانِ بے وفا جب راہ میں حائل نہ تھے — دشمنوں سے معرکے میرے لئے مشکل نہ تھے
دشمنوں کی ضرب نہ مجھ کو شکستہ کرسکی — دوستوں کی دشمنی، ہاں! پارہ پارہ کرگئی
قوتِ بازو، شجاعت، ہمتِ عالی بھی تھی — پر مری شمشیر مجھ سے دوستوں نے چھین لی

الملک الاشرف سے محاذ آرائی ..... انہی دنوں الملک الاشرف اور سلطان جلال الدین میں کشیدگی مزید بڑھ گئی ۔ان دونوں بادشاہوں کے تعلقات ایک عرصے سے ناخوشگوار چلے آرہے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس باہمی کشیدگی میں اضافہ ہوتا رہا۔کشیدگی کا یہ دور ۶۲۲ھ میں شروع ہوا تھا، پھر جب الملک الاشرف نے اپنے بھائیوں الملک المعظم اور الملک الکامل کو ساتھ ملا کر سلطان جلال الدین کے خلاف متحدہ محاذ بنالیا تو فریقین میں باقاعدہ جھڑپیں شروع ہوگئیں اور سرحدوں کی خلاف ورزی آئے دن کا معمول بن گئی۔

سلطان جلال الدین اور الملک الاشرف کے مابین محاذ آرائی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے جس کی تفصیل ہمارے موضوع سے خارج ہے۔(اگر کوئی چاہے تو اس تصنیف کے اصل مآخذ کی طرف رجوع کر کے اس کے اسباب اور نتائج پر سیر حاصل بحث کرسکتا ہے۔)

کیقباد کی پیش کش ..... اس محاذ آرائی کا پہلا محرک تو الملک المعظم بنا تھا جس نے سلطان کو اپنے بھائی الملک الاشرف کے خلاف ابھارنے کے لیے ان سے اتحاد کرلیا تھا۔مگر اب سلجوقی حکمران علاؤالدین کیقباد نے بھی اس آگ میں ایندھن ڈالنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔سلطان جلال الدین جب تاتاریوں کو اصفہان میں شکست دے کر شمالی ایران واپس لوٹے تو انہی دنوں کیقباد کا سفیر اپنے آقا کا ایک مکتوب لے کر حاضر ہوا جس میں اس سالسلجوقی سلطان کی کفار (عیسائیوں) کے متعدد قلعے فتح کرنے کی خبر دی گئی تھی ۔ سلطان جلال الدین کو تاتاریوں کے خلاف فتح کی مبارکباد دی گئی تھی ۔اس کے ساتھ ساتھ سلطان کو الملک الاشرف کے خلاف جنگ پر ابھارنے کے لیے کہا گیا تھا:

''اب ہمارے لیے صرف یہ کام باقی ہے کہ اس باغی گروہ اور نافرمان جماعت کو نمٹا دیں۔'' سلطان جلال الدین کو الملک الاشرف کے خلاف کارروائی پر ابھارنے کے لیے اس مہم کو جہادِ اکبر کہا گیا تھا اور اس حدیث کا حوالہ دیا گیا تھا جس میں ارشاد ہے:''ہم بڑے جہاد سے چھوٹے جہاد کی طرف لوٹ رہے ہیں۔''(سیرۃ جلال الدین ص ۲۸۰)

خلاط پر سلطان جلال الدین کا فیصلہ کن حملہ ..... سلطان جلال الدین نے الملک المعظم کے برانگیختہ کرنے پر ذیقعدہ ۶۲۳ھ (نومبر ۱۲۲۶ء) میں الملک الاشرف کی سلطنت کے اہم شہر خلاط پر چڑھائی کی تھی مگر یہاں کے موسم کی شدت کے باعث انہیں محاصرہ اٹھا کر ناکام لوٹنا پڑا تھا۔

کیقباد کا خط ملنے کے کچھ عرصے بعد شوال ۶۲۶ھ (اگست ۱۲۲۹ء) میں سلطان نے ایک بار پھر خلاط کا محاصرہ کرلیا۔اس مہم میں سلطان کے آٹھ مہینے صرف ہوگئے۔اس طویل مدت میں جو اہم واقعات پیش آئے، ذکر کیے جارہے ہیں۔

[1] تاتاری سلطان سے صلح پر آمادہ..... ان دنوں سلطان جلال الدین کی مسلسل فتوحات کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور خود تاتاری سلطان جلال الدین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ ہونے لگے تھے۔تاتاری شہزادے یہ محسوس کررہے تھے کہ سلطان کو اندرونی مہمات سے ذرا فرصت مل گئی تو وہ ان سے انتقام لینے کے لیے دریائے آمو عبور کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔یہی وجہ تھی کہ تاتاریوں نے سلطان سے مصالحت کی کوشش شروع کردی۔اس مقصد کے لیے انہوں نے سلطان کی بہن کو واسطہ بنایا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ کئی سال پہلے سلطان کی سوتیلی بہن شہزادی خان سلطان چنگیز خان کی قید میں آگئی تھی۔ جب قیدی خواتین کو تاتاری سرداروں میں تقسیم کیا گیا تو شہزادی خان سلطان کو جوجی (دوشی خان بن چنگیز خان) نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔دوشی خان رفتہ رفتہ اسلام سے متاثر ہونے لگا تھا،اسی لیے اس نے شہزادی کو اس بات کی آزادی دے دی تھی کہ وہ بچوں کو قرآن مجید پڑھائے اور اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرے، نیز اسے اپنے رشتہ داروں سے خط وکتابت کی اجازت بھی تھی۔چنانچہ سلطان جلال الدین کے نام اس کے خطوط آتے رہتے تھے،جس میں عموماً وہ اپنے حالات کے علاوہ بوڑھی دادی ترکان خاتون کے احوال بھی تحریر کیا کرتی تھی۔

جوجی چند سالوں بعد مرگیا مگر تاتاریوں کے خاقان اوکتائی نے شہزادی کو اپنے وطن نہ جانے دیا۔تاہم اس نے شہزادی کو کہہ کر سلطان جلال الدین کو ایک خط لکھوایا جو سلطان کو محاصرۂ خلاط کے ایام میں موصول ہوا، جو ایلچی یہ خط لایا تھا اس کے پاس علامت کے طور پر علاؤالدین خوارزم شاہ کی وہ انگشتری تھی جو خان سلطان نے اپنے باپ کی آخری نشانی کے طور پر محفوظ کر رکھی تھی۔بہن نے اپنے دلیر بھائی کو لکھا تھا:

> ''پیارے بھائی! خاقان آپ کے مرتبے اور شان وشوکت سے واقف ہے اور چاہتا ہے کہ آپ سے صلح اور رشتہ داری کا تعلق استوار کرے۔اس کی پیش کش یہ ہے کہ دریائے جیحوں کو مسلمانوں اور تاتاریوں کے مابین سرحد قرار دے دیا جائے۔اس جانب کا علاقہ اُس کا ہو جائے اور پار کا تمام علاقہ آپ کے لیے تسلیم کرلیا جائے۔
>
> ان کی اس پیش کش کے باوجود اگر آپ اتنی قوت حاصل کرچکے ہیں کہ ان سے جہاد کرکے انتقام لے سکیں تو پھر آپ جو مناسب سمجھیں کرگزریں۔بصورتِ دیگر باہمی سلامتی اور صلح صفائی کے اس موقعے کو غنیمت جانیے کیوں کہ اس وقت تاتاری خود آپ سے صلح کرنے کے خواہش مند ہیں۔''[1]

سلطان جلال الدین کا مقصدِ زندگی اگر محض حکومت، تاج وتخت اور اقتدار سے چمٹے رہنا ہوتا تو ان کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ دشمن سے صلح کرکے باقی عمر چین کی بنسی بجاتے اور شاہی محلات کی رنگ رلیوں سے لطف اندوز ہوتے، مگر وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کی منزل ستاروں سے آگے ہوتی ہے اور کج کلاہوں کے تاج ان کی ٹھوکروں میں رُلتے ہیں۔انہیں یہ ہرگز گوارا نہیں ہوسکتا تھا کہ لاتعداد مسلمانوں کے قاتلوں سے صلح کرکے تلوار ہاتھ سے رکھ

دیں۔اگرچہ فی الوقت وہ تاتاریوں سے پورا پورا بدلہ لینے سے قاصر تھے،مگر انہیں اس وقت کا بے چینی سے انتظار تھا جب وہ صحرائے گوبی میں اسلام کا پرچم گاڑ کر اپنی دادی، بہن اوران جیسی ہزاروں بے کس ماؤں بہنوں کو تاتاریوں سے بازیاب کراتے،اس لیے انہوں نے اس پیش کش کو مسترد کردیا۔

تاتاریوں کی جانب سے سلطان سے صلح کی یہ پہلی اور آخری کوشش تھی۔اس کے بعد وہ مصالحت سے مایوس ہوکر چپ چاپ اس انتظار میں رہے کہ کب سلطان کی قوت کمزور پڑے اور کب وہ ان کے خلاف کوئی نئی فیصلہ کن مہم شروع کریں۔

[2] اکلوتے بیٹے اور منہ بولے لڑکے کی وفات..... سلطان کی اولاد دریائے سندھ کے کنارے چنگیز خان کے انتقام کا نشانہ بن چکی تھی بعد میں سلطان نے جو نکاح کیے ان میں سے صرف ایک بیوی سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ''قیمقار شاہ'' رکھا گیا۔یہ بڑا ہنس مکھ اور ذہین بچہ تھا۔سلطان کو اس سے بڑی محبت تھی اور گویا یہ بچہ ان کی ہزاروں امیدوں کا مرکز اوران کے سپنوں کی تعبیر تھا،مگر تقدیرِ الٰہی کوئی نہیں ٹال سکتا۔محاصرۂ خلاط کے دوران اس ننھے منے شہزادے نے فقط تین برس کی عمر میں اچانک اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اسے دائی نے زہر دیا ہے مگر یہ الزام ثابت نہیں کیا جاسکا۔ (۲)

اب لے دے کے سلطان کا ایک منہ بولا بیٹا رہ گیا تھا مگر چند دن بعد خلاط کے محاصرے کے دوران ہی وہ بھی بیمار پڑ کر فوت ہوگیا۔اس لڑکے کا نام دوش خان تھا۔یہ سلطان کے ماموں زاد اخش ملک بیٹا تھا۔اخش ملک سلطان کے حفاظتی دستے کا سالار بھی تھا۔اس نے معرکۂ سندھ میں بھی سلطان کو دشمن کے نرغے میں آنے سے بچایا تھا اور پھر اصفہان کی جنگ میں سلطان کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہوگیا تھا تب سلطان نے اس کے بیٹے کو متبنّیٰ قرار دے دیا تھا۔اس بچے کو وہ اپنی اولاد پر بھی ترجیح دیتے تھے۔ان دونوں بچوں کی موت کا سلطان پر بہت گہرا اثر ہوا۔(سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۶)

[3] دربارِ خلافت میں پذیرائی..... سلطان جلال الدین موجودہ خلیفہ مستنصر باللہ سے بہتر تعلقات کے لیے سفارتی ذرائع بروئے کار لارہے تھے۔اس کے اچھے نتائج برآمد ہوئے۔خلیفہ نے تاتاریوں کے عزائم کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اپنی افواج کی بھرتی میں غیر معمولی اضافہ کرلیا تھا۔نیز تاتاریوں کے خلاف سلطان کی جرأت مندانہ کارروائیوں کو وہ بنظرِ استحسان دیکھ رہا تھا۔

سلطان محاصرۂ خلاط میں مشغول تھے کہ خلیفہ مستنصر کی جانب سے سعدالدین حاجب کی قیادت میں ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔وفد کی آمد کے دو مقاصد تھے۔

1 ......سلطان علاؤالدین محمد نے بغداد پر فوج کشی کے وقت اپنی عملداری میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ موقوف کرادیا تھا اور اب تک خوارزم شاہی مملکت میں اسی پر عمل چلا آرہا تھا،سلطان جلال الدین نے عباسی خلافت سے سفارتی تعلقات قائم کرنے کے باوجود اپنے والد کے اس نامناسب حکم کو منسوخ نہیں کیا تھا۔خلیفہ مستنصر کی طرف سے یہ وفد مطالبہ لے کر آیا تھا کہ سلطان جلال الدین دو طرفہ تعلقات کی پختگی کو یقینی بنانے کے لیے اپنے ملک میں خلیفہ کے نام کا خطبہ پھر سے شروع کرائیں۔

2 ......بدرالدین حاکمِ موصل،مظفرالدین حاکمِ اربیل،شہاب الدین سلیمان شاہ سردارِ بویہ اور عماد الدین

پہلوان حاکمِ ہزاراسپ دربارِ خلافت کے تابعدار اور فرماں بردار تھے، دربارِ خلافت کی خواہش تھی کہ سلطان کی مہمات میں ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے۔

سلطان جلال الدین دربارِ خلافت سے تعلقات کی بہتری کی اہمیت کو سمجھ چکے تھے اس لیے انہوں نے دونوں مطالبات کو بسروچشم قبول کیا اور مزید توثیق کے لیے اپنے حاجب بدرالدین طولق بن اینانج خان کو دربارِ خلافت میں بھیج دیا۔

سلطان نے اسے تاکید کی تھی کہ بغداد کے وزیر اعظم مؤید الدین قمی سے ملاقات میں دست بوسی نہ کرنا اور اظہارِ انکسار سے گریز کرنا۔ وجہ یہ تھی کہ یہ شیعہ جو خلیفہ ناصر کے دور سے اب تک وزیرِ اعظم چلا آرہا تھا، سلطنتِ خوارزم کے خلاف خفیہ سازشوں اور بغاوتوں میں ملوث رہا تھا۔ بہر کیف بغداد میں سلطان کے سفیر کی بڑی آؤ بھگت ہوئی، واپس آکر اس نے بتایا:

''میں نے بغداد میں کچھ دن گزارے تھے کہ ایک شام ایک کشتی میری رہائش گاہ کے سامنے دریائے دجلہ کے کنارے آ لگی، خلیفہ کا حاجب سعدالدین رہائش گاہ میں داخل ہوا اور بولا: چلیے، خلیفہ کے ہاں حاضری کے لیے تیار ہو جائیے۔ میں کشتی میں سوار ہوا تو سعدالدین حاجب بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ یہ دیکھ کر ملاّح نے غیر مانوس زبان میں اسے کچھ کہا، جسے سن کر سعدالدین اچھل کر اس کشتی سے اترا اور ساتھ لگی دوسری کشتی میں جا بیٹھا، مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ میں نے وجہ دریافت کی تو بولا: مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ خصوصی کشتی ہے، خلافت مآب نے آپ کے اعزاز میں خاص آپ کے لیے بھیجی ہے۔''

الغرض سلطان کا سفیر اس اعزاز واکرام کے ساتھ ایوان خلافت پہنچا، تنہائی میں خلیفہ مستنصر باللہ سے ملاقات ہوئی، خلیفہ نے سلطان کا ذکر بڑی عزت سے کیا اور پوچھا:

''کیف الجناب العالی الشاہنشاہی'' (جناب شہنشاہ عالی کیسے ہیں)

کچھ رسمی باتوں کے بعد خلیفہ نے سفیر کی گزارشات سنیں اور کہا:

''دربارِ خلافت کی نگاہ میں سلطان جلال الدین کا جو مرتبہ اور مقام ہے وہ عالمِ اسلام کے کسی اور حکمران کو حاصل نہیں۔ ہم سلطان جلال الدین کو تمام سلاطین پر فوقیت دینا چاہتے ہیں۔''

یہ کہہ کر خلیفہ نے سلطان کے لیے نوازش نامہ دیا جسے سفیر نے سر آنکھوں پر رکھا۔ اس میں سلطان کے نام خیر سگالی کا پیغام تھا۔ خلیفہ مستنصر نے ایلچی کی بڑی خاطر مدارات کی اور واپسی پر اپنے دو درباریوں سعدالدین حاجب اور فلک الدین کو سلطان اور ان کے امراء کے لیے بیش قیمت خلعتیں اور تحائف دے کر سفیر کے ساتھ روانہ کیا۔ دو خلعتیں سلطان کیلئے اور بقیہ ان کے درباریوں کے لیے تھیں۔

خلیفہ کی جانب سے خلعت ملنے پر سلطان جلال الدین نہایت مسرور ہوئے۔ انہیں مخالفت کی جن خطرناک آندھیوں کا سامنا تھا، ان سے بچاؤ کے لیے خلیفہ کا سایہ وہ اپنے لیے ایک نعمتِ عظمیٰ تصور کرتے تھے۔ اظہارِ مسرت کے لیے سلطان نے ایک شاندار محفل منعقد کی جس میں حاضرین کے سامنے خلیفہ کی عطا کردہ دونوں خلعتیں زیبِ تن کیں۔ ان میں سے ایک خلعت عمامے، جبے اور ہندی مرصع تلوار پر مشتمل تھی جبکہ دوسری خلعت میں قنع (ایک قسم کا

بنیان)، آستین دار جبہ، طلائی دستے والی شمشیر، یاقوت کے اکتالیس نگینوں سے مرصع سونے کی ڈھال، ایک قیمتی دھار اور ساز و سامان سے آراستہ دو گھوڑے شامل تھے۔

سلطان سے گفتگو کے دوران سفیرِ بغداد نے اہلِ خلاط کی سفارش کرتے ہوئے کہا کہ ان پر رحم کرتے ہوئے محاصرہ ختم کر دیا جائے تو بہتر ہوگا۔

سلطان نے جواباً کہا: ''امیر المؤمنین نے اپنے پیغام میں لکھا ہے کہ وہ میری فتح اور غلبے کے خواہش مند ہیں اور مجھے تمام حکمرانوں پر فائق دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب جبکہ خلاط کی فتح کا وقت قریب آن پہنچا ہے تم ایسا مشورہ کیوں دے رہے ہو جو خلیفہ کے پیغام کے خلاف ہے۔''

سفیر نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ''صرف مخلوقِ خدا پر ترس کی وجہ سے اور اس خیال سے یہ تجویز دی گئی ہے کہ کہیں محاصرہ مزید طویل نہ ہو جائے اور آپ کو شہر فتح کیے بغیر لوٹنا پڑے۔ اگر آپ کو مجبوراً شہر فتح کیے بغیر لوٹنا پڑے تو اب آپ یہ کہہ کر بہتر انداز میں واپسی کر سکتے ہیں کہ خلیفۃ المسلمین کی سفارش پر محاصرہ ختم کیا جا رہا ہے۔''

سلطان نے ان کی معذرت قبول کی مگر مشورے پر عمل نہ کیا اور شہر فتح کر کے چھوڑا۔ ③

4 رکن الدین ارزن الرومی کی آمد...... انہی دنوں سلطان جلال الدین کی زندگی میں ایک نیا شخص داخل ہوا۔ یہ رکن الدین ارزن الرومی تھا۔ یہ علاؤالدین کیقباد کا چچیرا بھائی اور ارزن الروم نامی چھوٹی سی ریاست کا جو خلاط اور سلطنت روم کے مابین واقع تھی، حاکم تھا۔

چند سال قبل اس کی سلطنتِ خوارزم سے دشمنی تھی، وہ بعض مواقع پر خوارزمی سپاہ کی کمک و رسد منقطع کرنے اور ایک بار سلطان کے ایک سفیر کو قتل کرانے میں ملوث رہا تھا مگر اب وہ سفیر بھیج کر سلطان سے سابقہ تقصیرات کی معافی مانگ رہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کے سلطان کیقباد سے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے۔ اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے کسی دوسرے بڑے حکمران کی پشت پناہی درکار تھی۔ جب اس نے سلطان جلال الدین کا دائرۂ حکومت خلاط تک وسیع ہوتے دیکھا تو اپنا مطلب نکالنے کے لیے سلطان جلال الدین سے تعلقات بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

سلطان نے اس کی طرف سے پیامِ معذرت قبول کر لیا تو رکن الدین خود حاضرِ خدمت ہوا اور سلطان کی بھرپور مدد کرتے ہوئے سامانِ رسد کے علاوہ ہتھیار اور قلعہ شکن آلات بھی فراہم کیے جن میں ''قرابغرا'' نامی ایک بہت بڑی منجنیق بھی تھی۔

5 سلطان علاؤالدین کیقباد سے کشیدگی...... انہی دنوں الملک الاشرف کے ساتھ ایک اور طاقتور دشمن سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے راستے میں کانٹے بکھیرنے کے لیے مستعد ہو گیا۔ یہ ایشیائے کوچک کی سلجوقی رومی سلطنت کا فرمانروا علاؤالدین کیقباد تھا۔ ۶۲۷ھ تک سلطان جلال الدین اور اس کے مابین کوئی تنازعہ نہ تھا، بلکہ اس سے قبل دونوں حکومتوں میں سفارتی وفود کا تبادلہ بھی ہوتا رہا اور ۶۲۴ھ، ۶۲۵ھ میں تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کیقباد نے سلطان جلال الدین کی مالی اعانت بھی کی تھی، اس کے بعد کیقباد نے سلطان جلال الدین کو الملک الاشرف کے خلاف جنگ پر خود ابھارا تھا مگر ۶۲۷ھ کے وسط میں یہ تعلقات یکدم کشیدہ ہو گئے اور کیقباد دیگر حکمرانوں کو ساتھ ملا کر سلطان جلال الدین پر چڑھ دوڑا۔

اس کی چند وجوہات تھیں جو درج ذیل ہیں:

1 ...... کیقباد کو اب تاتاریوں کے خلاف کسی جدوجہد کی کامیابی سے مایوسی ہو چکی تھی، دنیا کے دیگر حکمرانوں کی طرح وہ بھی ان سے دہشت زدہ تھا، اس لیے اس نے تاتاریوں کو بھاری مقدار میں مال و دولت دے کر ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، مگر سلطان جلال الدین کو وہ اپنے عزم کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھتا تھا۔ وہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ سلطان جلال الدین کا تاتاریوں کے خلاف جہاد دراصل عالمِ اسلام اور تاتاریوں کے درمیان صلح و صفائی کی راہ ہموار کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، لہٰذا سلطان کو جہاد سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ جب تک سلطان جہاد جاری رکھے ہوئے ہے اس وقت دوسرے اسلامی ممالک بھی مجاہدین کی درپردہ اعانت کے شبہے کی زد میں رہیں گے اور تاتاری ان سب کو اپنا دشمن تصور کریں گے۔

یہ بات کیقباد کے ذہن میں اس قدر راسخ ہو گئی تھی کہ اب وہ سلطان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انہیں جہاد سے روکنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا تھا۔

2 ...... خلاط کے محاصرے کے دنوں میں سلطان کی فوجیں سلجوقی سلطنت سے قریب آ چکی تھیں۔ کیقباد کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ سلطان کی فوج اب اس کی مملکت پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکے گی۔

3 ...... سلجوقی سلطنتِ روم اور خلاط کے مابین واقع چھوٹی سی ریاست ارزن الروم کا حاکم رکن الدین، علاؤ الدین کیقباد کا سخت حریف تھا، محاصرۂ خلاط کے دوران رکن الدین نے سلطان جلال الدین سے اتحاد کر لیا تھا، کیقباد نے اس اتحاد کو اپنے خلاف فرض کر لیا اور دہشت زدہ ہو گیا۔

4 ...... محاصرۂ خلاط کے دنوں میں کیقباد نے سلطان کے پاس ایک وفد بھیجا تھا جو بنیادی طور پر تین مطالبات لے کر آیا تھا۔ 1 سلطان خلاط کا محاصرہ ترک کر دے۔ 2 تاتاریوں سے صلح کر لے۔ 3 رکن الدین ارزن الرومی کو گرفتار کر کے ان کے حوالے کر دے۔ 4 اپنی بیٹی کیقباد کے لڑکے سے منسوب کر دے۔

علاؤ الدین کیقباد نے مطالبات کی منظوری کی صورت میں حتی الامکان مالی تعاون کا یقین دلایا تھا، مگر سلطان ان میں سے کسی مطالبے کو تسلیم نہ کر سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ تعلقات سخت کشیدہ ہو گئے۔ اس سفارت کا تفصیلی حال درج ذیل ہے:

محاصرۂ خلاط کے دوران علاؤ الدین کیقباد کے سفیر امیر شمس الدین التون اور کمال الدین کامیار سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان نے اپنے امراء اور سالاروں کو جمع کر کے دربار آراستہ کیا۔ امیر شمس الدین نے سلطان کی دست بوسی کر کے سلطان کیقباد کا خط پیش کیا۔ (۴)

جس کے چند اقتباس مندرجہ ذیل ہیں:

1 ...... ہمارا انتہائی مقصد یہ تھا کہ جب سلطان کی تیغِ انتقام مخالفینِ ابخاز کی سرکوبی کے بعد نیام میں ہو اور خطۂ تفلیس کی فتح سے فرصت ہو جائے تو چند روز تفریح و گلگشت کے طور پر روم کے مرغزاروں میں بسر فرمائیں۔ (۵)

2 ...... معلوم ہوا ہے کہ آپ نے غرض مند لوگوں کے بہکانے سے جو انسان نما شیاطین ہیں، قبۃ الاسلام خلاط کے محاصرے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ یہ بات رائے درست سے بعید معلوم ہوتی ہے......

3 ......میں واضح کرتا ہوں کہ بہتر یہ ہے کہ تاتاریوں کے لشکر سے صلح کرلیں اور اگر ممکن ہو تو جہاں تک گنجائش نظر آئے اپنی طرف سے صلح جوئی کی ابتدا کریں۔

4 ......میرا خیال ایسا ہو رہا ہے کہ میں تاتاریوں کی خدمت میں قاصد بھیج کر تمام اہلِ اسلام کی مصلحت کے لحاظ سے سلطان شہید علاؤالدین محمد کی عاجلانہ حرکت کی معذرت چاہوں، امید ہے کہ نرم گفتاری اور صرفِ زر کی بدولت اس عالمگیر فتنہ کی آگ بجھ جائے۔

5 ......مجھ سے جہاں تک ممکن ہوگا سیم وزر و جواہرات اور آپ کی دوسری خدمات سے دریغ نہ کروں گا۔

6 ......اگر اصحابِ غرض کے کہنے سے ان نصائح پر توجہ نہ کریں گے تو حمیتِ اسلامی اور اصول جہانبانی کے لحاظ سے عملی طور پر نصیحت منوانا ضروری ہوگا۔

سلطان جلال الدین خط کے مضمون کو اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ علاؤالدین کیقباد کے پیغام کا خلاصہ یہ نکلتا تھا کہ سلطان اپنے دونوں طاقتور حریفوں یعنی تاتاریوں اور الملک الاشرف سے صلح کرلیں، اس صورت میں انہیں بھرپور مالی امداد دی جائے گی اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو کیقباد بھی ان کے خلاف یلغار کرنے والوں کی صف میں شامل ہو جائے گا۔ سلطان جلال الدین کے لیے اس خط کے مندرجات کو ہاتھ باندھے غلام کی طرح مان لینا ناممکن تھا۔ الملک الاشرف کے ساتھ ان کا تنازعہ پرانا چلا آرہا تھا جس کی کئی وجوہ موجود تھیں۔ نیز یہ فریقین کا باہمی اور اندرونی جھگڑا تھا، کسی تیسری طاقت کو یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ ایک ہی فریق پر دباؤ ڈال کر اسے صلح جوئی پر مجبور کرے اور دوسرے فریق کی غلطی سے چشم پوشی کرلے۔

رہا تاتاریوں سے صلح کا مشورہ تو وہ سلطان جلال الدین کے لیے ناقابلِ عمل ہی نہیں ناقابلِ التفات تھا۔ جس دشمن نے اپنے چند آدمیوں کے انتقام کے لیے عالمِ اسلام کا اکثر حصہ اُجاڑ ڈالا تھا آیا وہ اس حق دار تھا کہ اس کے اس ظالمانہ سلوک کے بدلے خود مظلوموں کے نمایندے اس سے معذرت کریں! کیا خونِ مسلم اتنا سستا سمجھ لیا جاتا۔ سلطان جلال الدین جانتے تھے کہ زر اور نرم گفتار سے بھیڑیوں کی فطرت تبدیل نہیں کی جاسکتی۔ سلطان کے نزدیک جہاد بالسیف ہی ان کا ایک علاج تھا اور وہ اس وقت تک ان کے خلاف تلوار اُٹھائے رکھنے کا عزم کیے ہوئے تھے جب تک اللہ کا دین غالب نہ ہو جائے۔

سلطان کے نزدیک کیقباد کے خط میں مندرج کوئی مطالبہ ایسا نہ تھا جس کا وہ مثبت جواب دے سکتے۔ تاہم وہ اس سے اپنے تعلقات خراب کر کے اپنے حریفوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لیے انہوں نے کیقباد کے قاصدوں سے کہا: ''اگر سلطان کے دامنِ دل پر کسی قسم کا غبار بیٹھ گیا ہے تو معذرت خواہی اور تمہیدِ معافی سے دور ہو جائے گا۔ تم لوگ سلامت واپس جاؤ اور ہماری طرف سے مخلصانہ تسلیم پہنچاؤ۔ ہمارے ایلچی بعد میں عہدنامے اور خطوط کے مفصل جوابات لے کر پہنچ جائیں گے۔'' (سلجوق نامہ)

اس دوران وفد نے یہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ رکن الدین ارزن الرومی کو جوان دنوں سلطان کے ہاں تھا، گرفتار کر کے سلطان کیقباد کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس سے انتقام لے سکے اور اس کے علاقے پر رومی فوج کو قبضہ کرنے دیا جائے۔ سلطان جلال الدین اس مطالبے پر جھنجھلا گئے اور بولے:

''آپ کومطلوب اس شخص نے اگر چہ ہمارے ساتھ بھی زیادتیاں کی ہیں مگر اس وقت وہ ہمارے ہاں اہل عرب کی طرح مہمان بن کر آیا ہے۔ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ گھر آئے ہوئے فرد سے ایسا سلوک کریں اور کسی ایسے کے سپرد کر دیں جو اس کے خون کا پیاسا ہو۔'' (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۰)

بعد ازاں وفد نے دونوں حکومتوں کے تعلقات کو بہتر اور پائدار بنانے کے لیے علاؤ الدین کیقباد کے بیٹے کے لیے سلطان کی اس بیٹی کا رشتہ طلب کیا جو سلطان کی ملکہ سلغوری خاتون بنت اتابک سعد کے بطن سے تھی ⑥ اس مطالبے پر چند لحظوں کے لیے سلطان جلال الدین سوچ میں پڑ گئے، ان کی سوچ یقیناً عالمِ اسلام اور ملک و ملت کے مفادات سے ہٹ کر نہیں ہو سکتی تھی اور امید کی جا سکتی تھی کہ سلطان ایک مضبوط حلیف کے تعاون کو برقرار رکھنے کی خاطر اس سے تعلق کو رشتہ داری میں تبدیل کرنے کا موقع ضایع نہیں کریں گے، مگر شرف الملک کی غداری اور بدزبانی آڑے آ گئی۔ اس سے پہلے کہ سلطان کچھ بولتے، وزیرِ اعظم وفد کی اس درخواست کو حد درجہ قابلِ نفرت اور خلافِ ادب شمار کر کے ان معزز سفیروں کو ڈانٹنے لگا اور بہت کچھ اول فول بک گیا۔

وزیرِ اعظم کی برہمی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان سفیروں نے اسے معمولی تحائف پیش کیے تھے جو اس کی پسند کے مطابق نہ تھے۔ وزیرِ اعظم نے الگ ملاقاتوں میں بھی ان سفیروں کو بدکانے اور بدگمان کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

شہاب الدین النسوی لکھتے ہیں:

''ایک دن یہ سفیر وزیرِ اعظم کے خیمے میں آئے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا وزیرِ اعظم انہیں سخت لہجے میں کہہ رہا تھا: اگر سلطان اجازت دیں تو میں صرف اپنی ذاتی فوج کے ساتھ تمہارے ملک میں گھس کر اس پر قبضہ کر سکتا ہوں۔

اور اسی اس قسم کی دیگر باتیں کیں۔ سفیروں کے جانے کے بعد میں نے وزیر سے دریافت کیا: ایسی تلخ کلامی کا کیا مطلب، جب کہ ان کا بادشاہ دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہے اور اس نے اپنے قاصدوں کو تعلقات بہتر کرنے کے لیے بھیجا ہے؟'' وزیر نے کہا: ''ان سفیروں نے مجھے جو ہدیہ دیا ہے وہ صرف دو ہزار دینار کا ہے۔'' (سیرۃ جلال الدین ص: ۳۲۰)

اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سلطنت کے اس مرکزی ستون نے ملکی مصالح کو مذاق سمجھ لیا تھا اور انہیں ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھاتا چلا جا رہا تھا۔ اس کے بعد بھلا سلطنتِ خوارزم کی تباہی میں کیا رکاوٹ رہ سکتی تھی۔

رومی سفیر چند روز ٹھہر کر ایک بُرا تاثر لے کر واپس گئے۔ سلطان کیقباد نے بھی اسے اپنی توہین خیال کیا اور اس کا جھکاؤ سلطان جلال الدین کے حریفوں کی جانب ہو گیا اور اس نے الملک الاشرف کی طرف سفیر بھیج کر تجدید تعلقات کی کوشش میں دیر نہ کی۔ وہ تو پہلے ہی موقع کی تاک میں تھا، اس نے فوراً صلح کا معاہدہ کر کے سلطان جلال الدین کے خلاف متحدہ محاذ بنا لیا۔ ⑦

اس دوران شہر خلاط کے محاصر کو تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے تھے، محصورین کا بھوک سے اور محاصرین کا سردی گرمی کی تکالیف سے بُرا حال ہو چکا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ایک موقع پر بیس ہزار افراد یک دم فصیل کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے، بھوک سے ان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ سلطان کے وزیر شرف الملک نے فوراً کئی گائیں بیل ذبح کرا کے ان کے

کھانے کا انتظام کر دیا مگر اس باوجود بہت سے افراد کی حالت اتنی خستہ ہو چکی تھی کہ انہیں بچایا نہ جاسکا۔

ان حالات کو دیکھ کر خلاط کے ایک امیر اسماعیل ایوانی نے سلطان کو خفیہ پیغام بھیجا کہ اگر اسے آذربائی جان میں جاگیریں دی جائیں تو اس کے عوض وہ شہر فتح کرا دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ سلطان نے وعدہ کر لیا۔ اسماعیل ایوانی نے ایسی ترکیب بتائی جس میں کم سے کم خونریزی سے شہر فتح ہو جانے کی امید تھی۔ اس نے راتوں رات کچھ خوارزمی سپاہیوں کو شہر کی فصیل پر چڑھا دیا جنہوں نے اپنے پرچم نصب کر دیے۔ اگلے دن زوردار معرکہ شروع ہوا۔ اس دوران فصیل شہر کے ایک جانب منجنیقوں نے شگاف ڈال دیا تھا۔ شہر کی فوج شگاف کے پاس بھرپور مدافعت کر رہی تھی۔ قریب تھا کہ وہ خوارزمیوں کو پیچھے دھکیل دیتے کہ اس دوران ان کی نگاہ فصیل پر لہراتے خوارزمی پرچموں پر پڑی۔ وہ سمجھے کہ شہر فتح ہو گیا ہے۔ چنانچہ سب نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۲۷ھ (۱۴ اپریل ۱۲۳۰ء) کو خلاط فتح ہو گیا۔ ⑧

فتح کے بعد سلطان کے بپھرے ہوئے سپاہیوں نے شہر میں لوٹ مار کرنے کی اجازت طلب کی۔ اہل شہر کے مصائب کے پیش نظر سلطان نے اس سے منع کرنے کی کوشش کی مگر خود سر امراء اور سالاروں نے احتجاج شروع کر دیا اور کہا: ''محاصرے کی طوالت سے ہمارے سپاہی بھی تو تباہ ہوئے ہیں، گھوڑے اور مویشی ختم ہو چکے ہیں۔ اگر مال غنیمت لوٹنے کی اجازت نہ ملی تو سپاہیوں کے دل کمزور پڑ جائیں گے جبکہ دوسری طرف دشمن ہمارے خلاف متحرک ہو چکا ہے۔ اس حالت میں سپاہی اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے بغاوت پر اتر آئیں گے، فوج منتشر ہو جائے گی اور سارا نظام ختم ہو جائے گا۔''

سلطان کے کانوں میں یہ باتیں پھونک کر انہوں نے لوٹ مار کی اجازت حاصل کر لی اور شہر میں گھس کر ایک طوفان برپا کر دیا۔ کتنے ہی مکانات خزانوں کی تلاش میں کھود دیے گئے اور کتنے بے گناہ لوگ ان کی زدوکوب کا شکار بنے۔ فتح کے بعد سپاہیوں کا مفتوحین سے یہ سلوک بھی سلطان جلال الدین کی ساکھ کے گرنے کا سبب بنا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۲۳)

بگڑتے ہوئے حالات...... خلاط کی فتح کے بعد ۶۲۷ھ کے وسط میں بظاہر حالات پر سلطان جلال الدین کی گرفت مضبوط تھی، تاتاریوں اور گرجیوں کو سبق مل چکا تھا، باطنی فرقہ الموت کی حدود میں سمٹ گیا تھا، سلطان کو خلیفہ کی حمایت بھی حاصل ہو چکی تھی...... مگر یہ صرف ظاہری نقشہ تھا جس کے پردے میں حالات تیزی سے بگڑتے جا رہے تھے۔ خلیفہ کا پیامِ دوستی ایک رسم کے سوا کچھ نہ تھا اور دربارِ خلافت کی خلعتیں محض ایک بہلاوے کا سامان تھیں، خلافتِ بغداد اب بھی حسبِ سابق عالمِ اسلام کے مسائل سے لاتعلق تھی۔ سلطان کو اس سے عسکری مدد ملنے کا کوئی امکان اب بھی نہیں تھا۔ علاوہ ازیں بیرونی دشمنوں سے زیادہ اب سلطان کو ان غداروں اور ہمسائیوں سے خطرہ تھا جو ان کے اقتدار کی بیخ کنی کے لئے مسلسل تگ و دو میں مصروف تھے۔ سلطان کے معتمد وزیروں، سرداروں اور امراء میں سے کئی خفیہ طور پر دشمنوں سے مل چکے تھے۔ فوج میں پہلے جیسی وفا شعاری اور جانثاری نہیں رہی تھی، بلکہ بعض سالارانِ فوج میں بغاوت کی سوچ پیدا ہو رہی تھی۔ بیرونی محاذوں پر تاتاریوں اور گرجیوں کے خلاف شاندار کامیابیاں حاصل کرنے کے باوجود سلطان جلال الدین اپنے پڑوسی مسلم حکمرانوں کے دلوں سے بدگمانی اور حسد کے داغ صاف کرنے میں ناکام

رہے تھے۔ سلطان کی فتوحات نے ان کے جذبہ رقابت کو اُبھار دیا تھا اور وہ سلطان کے خلاف بڑے پیمانے پر کارروائی کے لیے موقع کی تلاش میں تھے۔

یہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا تھا۔ سلطان کا سب سے بڑا حریف الملک الاشرف خلاط پر سلطان کے قبضے کے بعد ان سے بدلہ لینے کے لئے بے چین تھا۔ اب اسے سلطان علاؤ الدین کیقباد کی حمایت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ مصر اور شام کے حکمران بھی ان کے ساتھ متحد ہو گئے، جلد ہی ان سب کی مشترکہ لشکر کشی نے سلطان جلال الدین کی طاقت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ سلطان جلال الدین سنبھلنے کے قابل نہ رہے۔ ذیل میں ہم بگڑتے ہوئے حالات کے اہم اسباب کا ذکر قدرے تفصیل سے کرتے ہیں:

[1] اندرونی غداروں کی کثرت ..... سلطان جلال الدین کے درباریوں میں منافقین اور غداروں کی ایک پوری جماعت پرورش پا رہی تھی۔ ان میں سب سے بڑا غدار سلطان کا وزیر اعظم شرف الملک تھا۔ سلطان کچھ عرصے سے اس کی فضول خرچی اور بے انصافی کی مسلسل شکایات سننے کی وجہ سے اس سے کبیدہ خاطر تھے۔ شرف الملک سلطان کے رویے میں سرد مہری پا کر خود بھی سراپا بغض و نفرت بن گیا تھا۔ اگرچہ وہ سلطان کے سامنے اب بھی اپنی سعادت مندی کے اظہار کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا، مگر پسِ پردہ سلطان کے اقتدار کی جڑیں کاٹنے میں مصروف تھا۔

غداروں کا ایک اور گروہ شہزادہ غیاث الدین کے ساتھ جلاوطنی کی حالت میں مختلف حکومتوں سے مل کر انہیں سلطان کے خلاف ابھار رہا تھا۔ اس میں شہزادے کے ساتھ امیر ایلچی جہان پہلوان اور وزیر کریم الشرق شامل تھے۔ یہ وہی لوگ تھے جو معرکہ اصفہان میں سلطان کا ساتھ چھوڑ کر بھاگے تھے۔ کاتب النسوی تحریر کرتے ہیں:

> ''غیاث الدین نے جب جنگ تاتار میں سلطان کا ساتھ چھوڑا تو خوزستان چلا گیا اور وہاں سے کریم الشرق کو یہ اطلاع دے کر دربارِ خلافت بھیجا کہ وہ سلطان سے الگ ہوگیا ہے۔ اس مراسلے میں اس نے جتایا کہ وہ اپنے دورِ حکومت میں دربارِ خلافت کی متوسل تمام مملکتوں کا بہتر ہمسایہ بن کر رہا مگر سلطان جلال الدین نے ہندوستان سے آنے کے بعد ارد گرد کی حکومتوں کے خلاف مسلسل کارروائیاں کی ہیں۔ اس نے درخواست کی کہ خلافت مآب اسے سلطان سے اس کی غصب کردہ سلطنت واپس دلوانے میں مدد کریں، وہ خلیفہ کا مطیع بن کر رہے گا۔ خلیفہ نے اس کے سفیر کو خوش آئند وعدوں کے ساتھ واپس بھیجا اور غیاث الدین کے لیے تیس ہزار دینار کی رقم بھی دی۔''

بعد ازاں غیاث الدین مزید سازشوں کے لیے سلطان کے دوسرے حریف حاکم الموت علاؤ الدین کے پاس چلا گیا اور اسی قسم کی حرکتوں میں مصروف رہا۔

[2] جاسوسی کے تانے بانے ..... ان دنوں مملکتِ خوارزم کی نشأۃ ثانیہ کے خلاف اپنے اور پرائے اکھٹے ہو چکے تھے۔ جاسوسی کا ایک پراسرار جال تھا جس کے تانے بانے مملکتِ تاتار سے لے کر بغداد اور شام تک پھیلے ہوئے تھے۔ اندازہ یہ ہے کہ شام کی صلیبی ریاستیں بھی اس میں کسی نہ کسی انداز میں شامل تھیں۔ سازشوں کے اس جال میں الموت کے باطنی مرکزی کردار ادا کر رہے تھے۔ ان چند سالوں میں وہ تاتاریوں کے ساتھ مسلسل خط و کتابت میں مصروف رہے اور انہیں سلطان کے خلاف جاسوسی میں مدد دیتے رہے۔ تاتاریوں کے سفیر خفیہ طور پر تاجروں کے

روپ میں باطنیوں کے علاقوں سے چلنے والے قافلوں میں شامل ہوکر سلطان جلال الدین کی مملکت کوعبور کرتے اورتاتاریوں کے پیغامات بغداداورشام لے جاتے۔جس طرح خلیفہ ناصر نے سلطان علاؤ الدین کے خلاف تاتاریوں سے گٹھ جوڑ کیا تھا،اسی طرح اس کے جانشین بھی چنگیز خان کے وارثوں سے تعلقات بہتر بنانے اور سلطان جلال الدین کی سلطنت کوکمزورکرنے کے لیےخفیہ طور پر سرگرم تھے۔

ان تمام سازشوں اورزیرِ زمین کارروائیوں کاایک نمونہ پیشِ خدمت ہے۔

جن دنوں سلطان جلال الدین تاتاریوں کوشکست دے کر اصفہان میں مقیم تھے، تاتاریوں کاایک قاصد تاجر کے بھیس میں باطنیوں کے تجارتی قافلے میں شامل ہوکر بغداد اور شام کے لیے روانہ ہوا۔سلطان جلال الدین کومخبر نے اس کی اطلاع دے دی۔سلطان نے فوری طور پر وزیرِاعظم شرف الملک کوحکم بھیجا کہ عراق کی سرحدیں عبور کرنے والے ہرآنے جانے قافلے کی مکمل چھان بین کر کے تاتاریوں کے قاصد کو پکڑ لیا جائے اوراسے تاحکم ثانی زیرِحراست رکھا جائے۔سلطان کا مقصد یہ تھا کہ اس جاسوس کی گرفتاری سے انہیں اپنے ہمسایوں کی ریشہ دوانیوں کے بارے میں ایک پختہ ثبوت مل جائے گا جس کے بل بوتے پر وہ باطنی پیشوا،خلافتِ بغداد اور حکامِ شام سے احتجاج کرسکیں گے۔

شرف الملک نے حکمِ سلطانی کے مطابق تجارتی قافلوں کی کڑی نگرانی شروع کردی،کچھ دنوں بعد شام سے ستراسّی باطنیوں کا ایک تجارتی قافلہ سرحد پر آیا،شرف الملک مردم آزار اورفضول خرچ آدمی تھا۔قافلے کے مال ودولت پراس کی رال ٹپک پڑی اوراس نے اترار کے عاقبت نااندیش حاکم ینال خان کی تاریخ کودہراتے ہوئے تمام اہلِ قافلہ کوقتل کرا کے سارا مال وزر ضبط کرلیا اور پھر چندہی دنوں میں اس دولت کواپنے چہیتے امراء اورمصاحبین پرخرچ کردیا۔سلطان جلال الدین کواطلاع ہوئی تو شرف الملک کی اس بدانتظامی پر تلملا کررہ گئے۔ باطنی حکمران کوبھی سفارتی چڑھائی کاموقع مل گیا تھا،اس کاسفیرآن پہنچا اوراپنے مقتولین کاخون بہا طلب کرنے لگا۔

سلطان نے ایک معتمد امیر طوطق خان بن اینانج کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ شرف الملک سے لوٹے ہوئے مال کی پائی پائی وصول کر کے چند قسطوں میں باطنی حکمران کوادا کرے،اسی طرح مقتولین کاخون بہاسرکاری خزانے سے آہستہ آہستہ ادا کردیاجائے۔زیرِزمین سازشوں اورجاسوسیوں کے ساتھ اس قسم کے واقعات مملکتِ خوارزم کے وقار کومزید متاثر کررہے تھے۔

3 فوج کی بے لگامی ..... سلطان کےلشکر میں ان کے پرانے مخلص اور جانثار سپاہیوں کی تعداد مسلسل جنگوں میں شہادت کے باعث بہت کم رہ گئی تھی اوراب عمومی بھرتی کے باعث اس میں ہرقسم اور ہرمزاج کے افراد جمع ہوتے جارہے تھے۔اوباشوں اورغارت گروں کے علاوہ پس ماندہ اجڈ قبائل کے افراد بھی بڑی تعداد میں شامل ہوچکے تھے۔

روزمرہ کی لڑائیوں میں تجربہ کار،فرماں بردار اور بےلوث افسران کی شہادتوں کے بعد اب بڑے عہدوں پر بھی کئی ناموزوں افراد کا قبضہ ہوچکا تھا۔اس بناء پر سلطان کے لیے فوج کواس کی من مانی کارروائیوں سے روکنا مشکل ہوگیا تھا۔چنانچہ گزشتہ چند فتوحات کے بعد فوج کے اوباش طبقے نے مفتوحہ علاقوں کے علاوہ اردگرد کی سرحدوں میں گھس کرلوٹ مار کا بازار گرم کردیا جس کے باعث سلطان کی قدرومنزلت کو بین الاقوامی سطح پر بڑا دھچکا لگا۔

متحدہ فوجوں کی یلغار..... علاؤ الدین کیقباد کے اپنے چچازاد بھائی رکن الدین حاکم ''ارزن الروم'' سے یا ہی تعلقات کشیدہ چلے آرہے تھے۔ علاؤ الدین کیقباد نے جب خلاط کے محاصرے کے دنوں میں اسے سلطان جلال الدین کی مدد کرتے دیکھا تو یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں رکن الدین سلطان کو اپنا ہمنوا بنا کر میرے خلاف فوج کشی نہ کر دے۔ (۹)

سلطان جلال الدین کے پاس بھیجی جانے والی اپنی سفارت کی ناکامی اور خلاط پر سلطان کے قبضے کے بعد علاؤ الدین کیقباد کے شکوک خوف کے آخری درجے تک جا پہنچے اور اس نے الملک الاشرف سے اپنے سابقہ تمام گلے شکوے دور کر کے اس سے سلطان کے خلاف مدد طلب کی۔ (۱۰) نیز شاہِ مصر الملک الکامل کی طرف بھی قاصد بھیج کر یہی درخواست کی۔ کیقباد کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ اس نے ایک ہی دن میں یکے بعد دیگرے پانچ ایلچی کامل اور اشرف کے پاس روانہ کیے۔ یہ دونوں حکمران پہلے ہی سلطان کے خلاف طیش کی آگ میں سلگ رہے تھے، لہٰذا بلا تاخیر انہوں نے الجزیرہ اور شام کے شہروں سے افواج طلب کر کے کیقباد کی طرف روانہ کر دیں۔ (۱۱)

شہاب الدین غازی، الملک العزیز عثمان اور الملک الجواد سمیت شام و مصر کے نامی گرامی امراء اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ اس مہم میں شرکت کر رہے تھے، اور سب سے بڑھ کر الملک الاشرف بذاتِ خود اس عظیم لشکر کے ہمراہ جا رہا تھا۔ (۱۲)

سلطان جلال الدین مستقبل کے خطرات سے بے فکر نہیں تھے، انہوں نے پیش بندی کے طور پر آگے بڑھ کر ملازکرد کا محاصرہ بھی کر لیا تھا، مگر انہیں تین مسلم حکومتوں کے اپنے خلاف باقاعدہ عسکری اتحاد کا علم نہ تھا۔ انہوں نے ملازکرد کا محاصرہ شروع کیا تو اس دوران ان کے حلیف رکن الدین نے آ کر انہیں آگاہ کیا کہ سلاجقہ روم اور حکام شام والجزیرہ زبردست عسکری تیاریوں کے ساتھ ان کے خلاف یلغار کر رہے ہیں۔

ان دنوں سلطان کے ہزاروں سپاہی جو کہ آذر بائی جان، اران، عراق اور مازندران جیسے علاقوں کے رہائشی تھے، تعطیلات پر جا چکے تھے، اس لیے تین ملکوں کی مشترکہ فوجوں سے مقابلے کی تیاری کرنا مشکل تھا۔ سلطان نے اس مسئلے پر رکن الدین سے مشورہ کیا تو اس نے رائے دی کہ ہم اپنی فوجیں لے کر ''خرت برت'' کے علاقے میں ٹھہر جاتے ہیں، یہاں سے ہم نگرانی کر سکیں گے کہ تینوں اتحادیوں میں سے کون اپنی فوج لے کر پہلے آتا ہے، ان میں سے جو حریف بھی پہلے پہنچے گا ہم اس سے جنگ شروع کر دیں گے اور اسے دوسرے اتحادیوں سے ملنے کا موقع دیے بغیر پسپا کر دیں گے۔

سلطان نے اس رائے کو پسند کر کے رکن الدین کو سرحدوں کی دیکھ بھال کے لیے رخصت کر دیا مگر تقدیر کی بات کہ انہی دنوں ان کی طبیعت بے حد خراب ہوگئی۔ ادھر رکن الدین کے خطوط آنے لگے کہ شام اور الجزیرہ کے لشکر سرحد کی طرف روانہ ہو چکے ہیں، سلاجقہ روم کی فوج تیار ہو رہی ہے۔ پھر اس کے مزید پیغامات آئے کہ خوارزمی لشکر کو آج کل میں سرحد سے آگے پیش قدمی شروع کر دینی چاہیے تاکہ حریف افواج کے اجتماع سے قبل ان میں سے کسی ایک کا تیا پانچا کیا جا سکے۔ رکن الدین کو معلوم نہیں تھا کہ سلطان کی بیماری کس قدر بڑھ گئی ہے اور طبیب سلطان کی زندگی سے مایوس ہو چلے ہیں۔ ایسے میں ان خطوط پر بھلا کیا توجہ دی جاتی اور فوج پیش قدمی کیسے کرتی۔ (۱۳)

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شام اور الجزیرہ کی افواج سیواس کے مقام پر علاؤ الدین کیقباد کی فوجوں سے جا ملیں اور اس متحدہ ٹڈی دل لشکر نے ملازکرد اور خلاط کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ یہ لشکر سپاہیوں کی کثرت کے باعث سیواس سے چل کر ایک ہفتے میں ''آق شہر'' پہنچا۔ (۱۴)

سلطان جلال الدین ''یاسی چمن'' میں

...... چند دنوں بعد سلطان جلال الدین کو بیماری سے قدرے افاقہ ہوا اور ساتھ ہی اتحادیوں کی پیش قدمی کی اطلاع موصول ہوئی۔ (۱۵) اس دوران رکن الدین ارزن الرومی ان سے آملا تھا، سلطان نے اس سے مشورہ طلب کیا۔ اس نے جواباً کہا: ''مناسب ہوگا کہ آپ ان کے آنے سے قبل خود آگے بڑھ کر 'یاسی چمن' کے مقام تک پہنچ جائیں، اگر یہ سرسبز و شاداب علاقہ قبضے میں آ گیا تو فتح و نصرت یقیناً قدم چومے گی۔''

سلطان جلال الدین فوراً پابہ رکاب ہو گئے اور رکن الدین ارزن الرومی کے ہمراہ بیس ہزار سپاہی لے کر رات بھر غیر معمولی تیزی سے سفر کرتے ہوئے علی الصبح ''یاسی چمن'' پہنچ گئے۔ (۱۶)

چونکہ سلطان کی طبیعت پہلے سے ناساز چل رہی تھی لہٰذا اس رات کے تیز رفتار سفر کی وجہ سے مرض نے بڑھتے بڑھتے اتنی شدت اختیار کر لی کہ سلطان گھوڑے پر سوار ہونے کے قابل نہ رہے، (۱۷) اس حالت میں وہ فوج کی کمان بھی نہیں کر سکتے تھے، اور یہ ایک نہایت پریشان کن صورتحال تھی کیوں کہ اس دور کی لڑائیوں میں فتح کا زیادہ انحصار خود بادشاہ یا سپہ سالار کی ذاتی شجاعت اور کارکردگی پر ہوتا تھا۔ جب تک قائدِ لشکر اپنے علم سمیت ڈٹ کر کھڑا رہتا، فوج بے جگری سے لڑتی رہتی اور اگر قائد بذاتِ خود جم کر نہ لڑ سکتا تو فوج بھی مایوس ہو کر میدان چھوڑ دیتی۔ اس بناء پر سلطان کو خدشہ ہوا کہ ان کی بیماری جنگ کے نتائج پر بہت بُری طرح اثر انداز ہوگی۔ علاوہ ازیں سلطان کی فوج کی ایک خاصی تعداد اس موقعے پر ان کے ساتھ نہیں تھی اور جو سپاہی ہمراہ تھے ان کے ہتھیار اور سواری کے جانور خلاط کی طویل جاں سوز مہم میں خستہ حال ہو چکے تھے۔ ان سب عوامل کے پیش نظر سلطان کی واپسی ہی بہتر تھی مگر رکن الدین ارزن الرومی سلطان کی مدد سے کیقباد کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تُلا بیٹھا تھا، اس لیے واپسی کا فیصلہ نہ ہو سکا۔

ہراول دستوں کا تصادم ...... دشمن کے قریب آنے کی اطلاع ملنے پر سلطان جلال الدین نے اتر خان کو دو ہزار سپاہیوں کا ہراول دستہ دے کر آگے بھیج دیا۔ (۱۸)

ادھر سلجوقی ہراول فوج کے چھ ہزار سپاہی امیر مبارز الدین کی قیادت میں بیابان موش کے پہاڑوں سے ہوتے ہوئے آگے آ رہے تھے۔ ان کا رخ خلاط کی طرف تھا کیوں کہ ان کے خیال میں سلطان جلال الدین کی فوج ابھی تک وہیں تھی۔ انہیں قطعاً خبر نہیں تھی کہ خوارزمی لشکر راتوں رات ان کے راستے میں حائل ہو چکا ہے۔

خوارزمی ہراول کے سپاہی ان کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر رات کی تاریکی میں ان کے گرد گھیرا ڈالتے رہے اور صبح پَو پھوٹتے ہی اچانک ان پر حملہ آور ہو گئے۔ ایک شدید لڑائی کے بعد حریف کے دو سو سپاہی قتل اور بہت سے قید ہو گئے۔ قیدیوں میں سلجوقی فوج کے کئی امراء بھی شامل تھے۔ انہیں سلطان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ سلطان نے مصلحت پسندی کا لحاظ رکھتے ہوئے حکم دیا:

''فی الحال ان کو قید رکھا جائے۔ جنگ کے اختتام پر دیکھا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فتح کسے نصیب ہوگی؟'' (۱۹)

رکن الدین کی رائے ...... بعد ازاں سلطان نے رکن الدین ارزن الرومی کو بلوایا اور اس پہلی جھڑپ میں لڑائی کی شدت کا ذکر کر کے اس سے رائے معلوم کی۔ اس نے چاپلوسانہ انداز میں جواب دیا:

''سلجوقی لشکر کی پشت و پناہ سوار تھے، جب اللہ کے فضل سے انہیں شکست ہوگئی ہے تو اب یوں سمجھئے کہ سلجوقی سلطنت پر آپ ہی کا قبضہ ہے۔'' (۴۰)

ملک الاشرف کی کیقباد کو تسلی ..... اِدھر علاؤالدین کیقباد اپنے ہراول دستوں کی ہزیمت سے بڑا پریشان ہوا۔ اسے اپنی اور اپنے حلیفوں کی تجربہ کار، مسلح اور تازہ دم افواج پر بڑا ناز تھا۔ اس غیر متوقع خبر سے اس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ میدانِ کارزار سے کنارہ کش ہو جانے کے متعلق سوچنے لگا، مگر جب اس نے اپنے حلیفوں سے مشورہ کیا تو انہوں نے اسے سراسر حماقت اور تذلیلِ نفس قرار دیتے ہوئے اس سے اتفاق نہ کیا۔ الملک الاشرف نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا:

''جس لشکر کو پہلے شکست ہوتی ہے آخر وہی کامیاب ہوتا ہے، آپ مطمئن رہیں۔'' (۴۱)

مزید جھڑپیں ..... تین روز تک علاؤالدین کیقباد کے لشکر اور خوارزمی فوج کے ہرول دستوں میں خونریز جھڑپیں ہوتی رہیں جس میں فریقین کی بڑی تعداد مقتول ہوئی۔ شام کی افواج کا پڑاؤ اس معرکہ کارزار سے دور تھا، انہیں گردوغبار کے بادل اٹھتے نظر آتے تھے، لوگوں نے بتایا کہ خوارزمیوں نے سلجوقیوں کو بے تحاشا نقصان پہنچایا ہے اور ان کے سات ہزار سپاہی ہلاک کر دیے ہیں۔

موفق عبداللطیف بغدادی نے ارزنجان کے ایک شامی سپاہی کا چشم دید بیان نقل کیا ہے، اس نے بتایا:

''سلجوقی سلطنت کی تمام فوج جو کہ بارہ ہزار تھی یہاں جمع ہوگئی تھی، ان جھڑپوں میں ان میں سے صرف وہی بچے جو زخمی تھے یا پسپا ہو گئے تھے۔ علاؤالدین کیقباد کے پاس صرف پانچ ہزار تھکے ماندے سپاہی رہ گئے تھے۔''

تاہم شام، الجزیرہ اور مصر کے لشکر سلطان کے مقابلے میں موجود تھے، اصل خطرہ بھی انہی سے تھا کیوں کہ مدتوں سے صلیبی جنگیں لڑنے والی یہ فوجیں نہایت تجربہ کار اور بہترین تربیت یافتہ تھیں۔ (۴۲)

جنگ ٹل نہ سکی ..... ۲۷ رمضان کو متحدہ افواج پیش قدمی کر کے خوارزمی فوج کے پڑاؤ کے بہت قریب آ گئیں۔ ایک سخت معرکہ شروع ہوا جو رات کی تاریکی پھیلنے تک جاری رہا۔ اندھیرے میں دونوں فوجیں اپنے اپنے پڑاؤ میں لوٹ گئیں اور رات بھر فریقین اپنا اسلحہ اور دیگر سامانِ جنگ درست کرنے میں مصروف رہے، ہر ایک کو یقین تھا کہ کل فیصلہ کن لڑائی ہوگی۔'' (۴۳)

سلطان جلال الدین کامیابی کے کچھ آثار دیکھنے کے باوجود اس جنگ سے گریز کرنا چاہتے تھے، اس لیے اس آخری وقت میں وہ ایک بار پھر واپسی پر آمادہ ہو گئے تھے مگر اس دوران دشمن کے لشکر سے دو غلام فرار ہو کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے سلطان کو امید دلائی کہ دشمن بہت کمزور ہے۔ کل کسی خاص کشمکش کے بغیر فتح ان کے قدم چومے گی۔ سلطان جلال الدین نے ان کی باتوں سے متاثر ہو کر واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (۴۴)

آخری معرکہ ..... جمعہ ۲۸ رمضان ۶۲۷ھ (۱۹ اگست ۱۲۳۰ء) کو دونوں لشکر اپنی تمام تر قوت کے ساتھ آمنے سامنے ہو کر صف بندی کرنے لگے۔ متحدہ افواج کو ہر لحاظ سے خوارزمی لشکر پر برتری حاصل تھی۔ ان کے صرف گھڑ سوار سپاہیوں کی تعداد پچیس ہزار تھی، (۴۵) پیادہ دستوں کی گنتی اس کے علاوہ تھی۔ ان کا ہر سپاہی تنومند، تازہ دم اور ہر قسم کے بہترین اسلحے سے لیس تھا، وہ سرتاپا لوہے میں غرق تھے، ان کے چست و چالاک عربی گھوڑے اپنی تیز رفتاری اور

کارکردگی میں بے مثال تھے۔ اس کے برعکس خوارزمی لشکر مجموعی طور پر بیس ہزار، تھکے ماندے اور مسلسل جنگوں سے نڈھال سپاہیوں پر مشتمل تھا[۲۶] ان کے پاس گھٹیا اور بوسیدہ قسم کا سامانِ حرب تھا جسے اتحادی افواج کے نئے، پائدار اور بہترین اسلحے سے کوئی نسبت نہ تھی۔

سلطان جلال الدین کے آنسو..... لڑائی کا وقت قریب ہوا تو سلطان جلال الدین ایک بلند ٹیلے پر چڑھ گئے۔ وہ بیماری کے شدید حملے کی لپیٹ میں تھے، کمزوری اور نقاہت اس قدر بڑھ چکی تھی کہ ان کے لیے گھوڑے کی پیٹھ پر جم کر بیٹھنا تک دشوار تھا۔

ٹیلے کی بلندی پر کھڑے ہوکر سلطان اپنے حریف کی شاندار صف بندی کا مشاہدہ کررہے تھے۔ میدان میں دور دور تک بہترین ہتھیاروں سے آراستہ سپاہی تنے کھڑے تھے، ان کی قد آدم ڈھالیں اور مکمل زرہیں سورج کی روشنی میں شیشے کی طرح چمک رہی تھیں۔ شام اور مصر کی فوجیں آتشیں اسلحہ استعمال کرنے میں بڑی ماہر تھیں، ان کے نفط اندازوں کے دستے بھی نظر آرہے تھے، چرخ اندازوں کی ٹولیاں بھی دیوپیکر تیروں کے ساتھ مستعد تھیں، چند لمحوں میں یہ سب کچھ اس جانباز کے خلاف حرکت میں آنے والا تھا جو دس برس سے دن رات تاتاری سیلاب کے سامنے بند باندھنے میں مصروف تھا۔[۲۷]

یہ سب کچھ دیکھ کر سلطان جلال الدین سوچ رہے تھے..... ہماری کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ چاروں طرف سے کفار ہم پر یلغار کررہے ہیں اور ہم ماہِ رمضان کے مقدس لمحات میں ایک دوسرے کی جان لینے پر آمادہ ہیں..... اگر ہمیں ان خانہ جنگیوں سے سابقہ نہ پڑتا..... تو آج ہماری افواج تاتاری غارت گروں سے فیصلہ کن لڑائی لڑ چکی ہوتیں...... کاش!..... کہ یہ برادر کشی ہماری قسمت میں نہ ہوتی......

ممکن تھا کہ سلطان کے ان احساسات کا کسی کو علم نہ ہوتا، مگر اب ضبط وتحمل کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ رہا تھا، دل میں بھڑکتی ہوئی غم کی آگ نے دھواں دیا اور بے ساختہ اُن کے مُنہ سے ایک کربناک ''آہ'' نکل گئی۔[۲۸] ان کے ساتھ کھڑے ہوئے امراء اور محافظ پریشان سے ہوکر ان کی طرف دیکھنے لگے۔

سلطان جلال الدین اتحادی لشکر پر ایک حسرتناک نگاہ ڈالتے ہوئے بھرائے لہجے میں گویا ہوئے: ''کاش! یہ لشکر میرے ساتھ ہوتا، اگر میں ایسے لشکر کو ساتھ لے کر تاتاریوں سے مقابلے کے لیے جاتا تو یقیناً انہیں تباہ وبرباد کردیتا اور اُن خونخوار کتوں کے خون سے زمین کی نباتات کی نشوونما کرتا۔''

سلجوق نامے کا مؤلف ابن بی بی تحریر کرتا ہے کہ یہ کہتے ہوئے سلطان جلال الدین کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔[۲۹]

ان کے افسران اور محافظ جو موت کے منہ میں بھی انہیں مسکراتا دیکھنے کے عادی تھے اس وقت سکتے کے عالم میں ان کی یہ حالت دیکھ رہے تھے، خود ان کے دل بھی غم واندوہ سے ڈوبے جارہے تھے۔ ایک خوارزمی سپاہی کا بیان ہے: ''جب ہم نے سلطان کی یہ کیفیت دیکھی تو ہمارے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔''

نقارے پر چوٹ پڑنے والی تھی، سلطان آنسو پونچھتے ہوئے قلبِ لشکر میں آکھڑے ہوئے۔[۳۰]

جنگ کا آغاز..... طبلِ جنگ کی آواز سے دشت وجبل گونجے اور دونوں فوجیں باہم برسرِ پیکار ہوگئیں۔ خوارزمی

فوج کے ایک حصے نے سلجوقی دستوں پر حملہ کیا اور میدان کے اس حصے میں زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔

جنگ سے پہلے سلطان جلال الدین کی فوج میں سے دو آدمی غداری کر کے الملک الاشرف سے جا ملے تھے، الملک الاشرف نے ان سے سلطان کے لشکر کی تعداد معلوم کر لی تھی، اب اس نے پوچھا:

''یہ بتاؤ! جلال الدین خوارزمی کہاں ہے؟''

غداروں نے اشارہ کرتے ہوئے بتایا: ''وہ اُس ٹیلے پر ہے۔ اس کے بال اطلس کی ٹوپی سے ڈھکے ہوئے ہیں اور اس کے کندھے پر ایک چھوٹا سا نیزہ ہے جو اس کے کرتے کے ساتھ سِلا ہوا ہے۔''(۳۱)

الملک الاشرف نے الملک الکامل کے بھیجے ہوئے مصری فوج کے دستوں کو ساتھ لیا، اس کے بعد حمص، حماۃ اور حلب کی افواج کے علاوہ عرب امراء کے دستوں میں سے بہترین سپاہی منتخب کر کے خوارزمی لشکر کے قلب پر جہاں خود سلطان جلال الدین موجود تھے جارحانہ حملہ کیا۔ سلطان جلال الدین اس وقت بیماری کے شدید حملے کی لپیٹ میں تھے، تکلیف کی شدت کے باعث وہ فوج کی صحیح طرح قیادت نہیں کر سکتے تھے اور میدان جنگ کے لحہ بلحہ بدلتے ہوئے حالات کا انہیں پوری طرح ادراک نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسری طرف خوارزمی افسران میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو سلطان کی کمی کو پورا کر سکتا اور حریف کی متحدہ منظم اور تجربہ کار فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتا۔

تاریخ خوارزم شاہی کے مصنف کے بقول ''گویا سلطان کی فوج بغیر کمانڈر کے لڑ رہی تھی۔'' چنانچہ سلطان کے سپاہی قلبِ لشکر پر الملک الاشرف کے خطرناک حملے کی مدافعت نہ کر سکے، نتیجہ یہ نکلا کہ متحدہ فوج کے دستے پیش قدمی کرتے کرتے اس ٹیلے کے قریب آ گئے جس پر سلطان جلال الدین موجود تھے۔

تقدیر کا فیصلہ ..... الملک الاشرف کے حملے کی شدت اور اپنی فوج کی کمزوری کو دیکھ کر سلطان جلال الدین شدید بیماری کے باوجود اُٹھے اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے..... مگر اب مشیتِ ایزدی کے نفاذ کے لیے ظاہری اسباب و عوامل آخری شکل پانے والے تھے..... تاتاریوں کے خلاف جہاد سے کنارہ کش رہنے والی بے حمیت مسلم حکومتوں کو باہمی انتشار، خانہ جنگی اور ترکِ جہاد جیسے عظیم جرائم کی سزا ملنا طے ہو چکا تھا..... بارگاہِ ربوبیت مسلم حکمرانوں کو سلطان جیسے محسن کے خلاف صف آراء دیکھ کر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہتی تھی، تاتاریوں کی شکل میں وہ ان کے لیے عبرتناک سزا خود طے کرنے والی تھی، سلطان جلال الدین کو ان عاقبت نااندیش، بے حس اور خوابیدہ مسلمانوں کی نگہبانی سے فارغ کرنے کا فیصلہ کیا جانے لگا تھا.....

سلطان بمشکل گھوڑے پر سوار تو ہو گئے مگر ان کے ہاتھ اس قدر کپکپا رہے تھے کہ وہ لگام کو صحیح طرح نہ تھام سکے، گھوڑا قابو میں نہ آیا اور اُلٹے پاؤں چل کر چند گز پیچھے ہٹ گیا۔ سلطان کے مخلص امراء نے یہ منظر دیکھا تو عرض کرنے لگے:

''عالی جاہ! آپ کی طبیعت بہت ناساز ہے، کچھ دیر آرام کیجئے تا کہ کسی قدر افاقہ ہو۔''

یہ امراء اصرار کر کے سلطان کو عقب کے محفوظ حصے کی طرف لے گئے۔(۳۲)

شکستِ فاش ..... ادھر الملک الاشرف کے نامور سالار عز الدین عمر نے خوارزمی لشکر پر سخت دباؤ ڈال دیا تھا(۳۳) جبکہ خوارزمی دائیں بازو اور بائیں بازو کے سپاہی جو قلبِ لشکر سے فاصلے کے باعث سلطان کی میدان سے کنارہ کشی کی وجہ نہ سمجھ سکے تھے اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ سلطان جلال الدین میدانِ جنگ سے فرار ہو رہے ہیں، یہ سوچ کر ان کی

ہمت جواب دے گئی اور شامی فوج کے شدید حملے کے سامنے معمولی مزاحمت کے بعد وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ (۳۴) جو پیچھے رہ گئے وہ ہر طرف سے سلجوقی اور شامی فوجوں کے گھیرے میں آ کر پس گئے۔ الغ خان اور اطلس ملک سمیت سلطان کے کئی بڑے امراء اور ان کا حلیف رکن الدین ارزن الرومی زندہ گرفتار ہوئے۔ (۳۵)

اتحادی افواج نے خوارزمی فوج کے مفرور سپاہیوں کا چہار سو تعاقب کیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا۔ بچ نکلنے والے مفرورین کا یہ حال تھا کہ وہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بکھر کر اِدھر اُدھر بھٹکتے رہ گئے اور ان کے دشمن قبائلی افراد ان کو چن چن کر ختم کرتے رہے۔ تقریباً تین ہزار خوارزمی منتشر ٹکڑیوں کی صورت میں ''جانیت'' کی بستیوں کی طرف جا نکلے۔ یہ قبیلہ گرجیوں کا حلیف تھا۔ چنانچہ یہاں کے قبائلیوں نے اردگرد کے عیسائیوں کے ساتھ مل کر ان سب کو گھیر لیا اور کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔

اتحادیوں کا عام خیال یہ تھا کہ سلطان جلال الدین بھی اسی ہنگامۂ محشر میں جاں بحق ہو چکے ہیں، اس لیے کئی دن تک وہ ان کی لاش تلاش کرتے رہے۔ ان کے ایک سردار نے اس جنگ کا قصہ سناتے ہوئے کہا:

''ہم نے سلطان جلال الدین خوارزمی پر حملہ کر کے ان کے لشکر کو ایک ایسے کنارے تک دھکیل دیا جس کے نیچے گہری کھائی تھی، وہ سب گھوڑوں سمیت پھسل پھسل کر اس میں گرتے رہے اور ان کے پرخچے اُڑ گئے۔ اگلے دن ہم نے اس کھائی میں جھانک کر دیکھا تو ایک زخمی کے سوا جس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی، سب مر چکے تھے۔ ہم کئی دن تک مقتولین کی لاشوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے رہے کہ کہیں جلال الدین ان میں تو نہیں......''

خوارزمی لشکر افراتفری میں اپنا زائد اسلحہ، مویشی، سواریاں اور دیگر تمام ساز و سامان وہیں چھوڑ گیا تھا۔ سلجوقی اور شامی افواج نے یہ سب کچھ لوٹ لیا، چونکہ ان کے نزدیک ان اشیاء کا معیار بہت گھٹیا تھا، اس لیے ہر سپاہی نے اپنے حصے میں آنے والا سامان اونے پونے بیچ دیا۔ لوٹ مار کرنے والے زیادہ تر عرب بدو تھے، انہیں جو سب سے قیمتی چیز ملی تھی وہ پچیس رطل وزنی سونے کا ایک ٹکڑا تھا جو سلطان جلال الدین کے خیمے سے ملا تھا۔ (۳۶)

مؤرخین کے بقول خوارزمی فوج کو زیادہ نقصان شامی سپاہیوں نے پہنچایا تھا، ایک خوارزمی قیدی کا کہنا تھا: ''اگر شامی لشکر نہ ہوتا تو ہم سلجوقی فوج کو روند ڈالتے، ان کے پچاس گھڑ سوار تو میں نے خود قتل کیے تھے۔'' (۳۷)

اس خوں ریز لڑائی میں شکستِ فاش کے باعث خوارزمی فوج بالکل ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئی، سلطان جلال الدین کے ہاتھ سے تلوار چھن گئی اور تاتاری سیلاب کو روکنے والا احفاظتی بند شکستہ ہو گیا۔

سلطان کی کسمپرسی..... یاسی چمن کے میدانِ جنگ سے نکل کر سلطان جلال الدین رُوح پر ناقابل برداشت بوجھ لیے ہوئے، سفر و مرض کی اذیتیں سہتے خلاط کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ صرف سات آدمی تھے۔ راستے میں ان کا گزر ''ملازکرد'' سے ہوا جہاں ان کے وزیر اعظم نے شہر محاصرہ کیا ہوا تھا۔ سلطان اور ان کے ساتھی بھوکے پیاسے وہاں پہنچے تھے۔ وزیر اعظم نے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا، شہر فتح ہونے کے قریب تھا، مگر سلطان نے فی الفور وزیر اعظم کو محاصرہ اُٹھا کر اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ خلاط پہنچ کر سلطان نے وہاں ٹھہرنے کی بجائے فوری کوچ کا حکم دیا، سواریوں کی کمی کی وجہ سے صرف ضروری ساز و سامان، خزانے اور اپنی مستورات کو ساتھ لیا اور آذربائیجان کی طرف کوچ کر دیا۔ (۳۸) خلاط میں متعین خوارزمی محافظ بھی وہاں سے نکل گئے۔

سلطان نے وزیر اعظم کو باقی ماندہ عراقی سپاہیوں کے ساتھ سقمناباد کے علاقے میں چھوڑ کر سرحدوں کی نگرانی کی تاکید کی اور خود ''خوی'' چلے گئے۔ ادھر الملک الاشرف کی افواج نے پیش قدمی کر کے خلاط پر قبضہ کر لیا۔ (۳۹)

مصالحت ..... الملک الاشرف جانتا تھا کہ تاتاریوں سے مدافعت کے لیے سلطان جلال الدین کا وجود امت کے لیے نہایت غنیمت ہے، اور اگر یہ حصار ٹوٹ گیا تو تاتاری کسی بھی وقت اس کی ریاست پر حملہ کر دیں گے۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ سلطان کی یہ شکست آئندہ کسی جوابی حملے میں فتح سے بھی بدل سکتی ہے، اس لیے فاتح ہونے کے باوجود اس نے پیام صلح میں پہل کی اور سلطان کے وزیر اعظم کو جو سقمناباد میں ٹھہرا ہوا تھا، اپنے خط میں لکھا:

''آپ کے آقا مسلمانوں کے سلطان، انکے حکمران اور ان کا سہارا ہیں، وہ تاتاریوں اور عالم اسلام کے درمیان رکاوٹ اور دیوار ہیں۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ان کے والد کی موت سے ملتِ اسلامیہ کن مصائب کا شکار ہوئی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ سلطان جلال الدین کی شکست کا مطلب اسلام کی شکست ہے جس کا نقصان ساری امت کو ہوگا۔ آپ تجربہ کار انسان ہیں، سیاسی نفع وضرر کو خوب سمجھتے ہیں۔ سرد وگرم چشیدہ ہیں۔ کیا آپ سلطان کو کسی ایسے معاہدے کی ترغیب نہیں دے سکتے جو سب کے لیے درست اور بہتر ہو۔ آپ کیوں انہیں ایسی بات پر آمادہ نہیں کرتے جو دنیا و عقبیٰ میں زیادہ قابل تعریف اور اللہ کے زیادہ قریب کرنے والی ہو۔ علاؤالدین کیقباد اور اپنے بھائی الملک الکامل کی طرف سے میں ضمانت دینے کو تیار ہوں کہ وہ سلطان کی ہر موقع پر مدد کریں گے، قریب ہوں یا دور اپنی نیتوں کو صاف رکھیں گے۔ ایسے اقدامات کریں گے جن سے کشیدگی دور ہو اور انتشار ختم ہو۔''

الملک الاشرف کے اس خوبصورت پیغام اور اس ضمانت نے کہ اس کا بھائی الملک الکامل اور علاؤالدین کیقباد بھی اس صلح میں شامل ہو جائیں گے، وزیر اعظم کو بہت متاثر کیا اور اس نیسلطان جلال الدین کو صلح کی ترغیب دیتے ہوئے الملک الاشرف کے پیغام سے آگاہ کیا۔ سلطان جلال الدین فوراً معاہدہ صلح پر تیار ہو گئے۔ وہ کہاں چاہتے تھے کہ مسلمان افواج اس طرح باہم ٹکراتی رہیں اور کفار انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کرتے رہیں۔ ویسے بھی اس شکست کے بعد ان میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ جنگ جاری رکھتے، چنانچہ انہوں نے الملک الاشرف کی پیش کش کو غنیمت سمجھا اور کسی خاص حیل وحجت کے بغیر اس کی من پسند شرائط پر صلح کر لی۔

صلح کی شرائط کے مطابق سلطان نے خلاط پر اشرف کا اقتدار تسلیم کرنے کے علاوہ ''سرمن رای'' کا علاقہ بھی اس کے حوالہ کر دیا۔ اشرف کے دو بھائی مجیر الدین اور تقی الدین خلاط پر سلطان کے قبضے کے وقت سے ان کی قید میں تھے۔ اس صلح کے موقع پر سلطان نے ان دونوں کو باعزت طور پر رہا کر دیا۔ (۴۰)

ہندوستانی مقبوضات پر التمش کا قبضہ ..... یاسی چمن کی رزمگاہ میں سلطان جلال الدین کی شکست سے ان تمام مخالفین اور حاسدین کو کھل کر سامنے آنے کا موقع مل گیا جو اب تک سلطان کی ہیبت کے باعث دبے ہوئے تھے۔

ہندوستان میں ساحلِ سندھ کے علاقوں پر سلطان کا نائب ''جہاں پہلوان ازبک'' نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا، عوام میں اس کی مقبولیت کے باعث اس کے ہمسائے حکمران اس سے حسد کرتے تھے۔ سلطان جلال الدین کی تلوار کند ہوتے دیکھ کر ہندوستان میں ان کے مخالفین کی بن آئی، سب راجوں، مہاراجوں اور امرائے سلطنت نے شاہِ دہلی شمس الدین التمش کو یقین دلایا کہ اب سلطان جلال الدین کا قصہ تمام ہونے کو ہے، ایسے میں

ہندوستان کی سرحدوں کو محفوظ رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سلطان کی عملداری پر قبضہ کرلیا جائے۔

التمش کی طرف سے اجازت پانے کے بعد دہلی کی افواج نے سلطان کے نائب جہاں پہلوان کی علمداری پر حملہ کر کے اسے وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ جہاں پہلوان نے پہلے کشمیر جا کر قدم جمانے کی کوشش کی مگر ہندوستانی امراء نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ آخر کار اسے ہندوستان چھوڑنا پڑا اور وہ دریائے سندھ عبور کر کے سلطان جلال الدین سے ملنے ایران روانہ ہو گیا۔ (۴۱)

امراء اور وزراء میں آثارِ بغاوت ..... سلطان کی طاقت روز بروز گھٹتے دیکھ کر ان کے امراء جو مسلسل جنگ و جدال سے نڈھال ہو رہے تھے، نہایت بددلی اور مایوسی کا شکار ہونے لگے۔ وزیراعظم شرف الملک بھی اپنے طور پر سلطان کے ایامِ اقتدار گن چکا تھا، اس لیے پیش بندی کر کے اس نے خفیہ طور پر الملک الاشرف اور علاؤ الدین کیقباد سے تعلقات قائم کر لیے اور انہیں اپنی وفاداری اور اطاعت کا یقین دلایا۔ (۴۲)

تبریز اور گنجہ میں زیرِ زمین سازشیں ..... تبریز، گنجہ اور بعض دوسرے شہروں میں سلطان کے وہ مخالفین جو ایک عرصے سے اپنی مفسدانہ کارروائیوں سے رکے ہوئے تھے، اب زیرِ زمین گھناؤنی سازشوں کے تانے بانے تیار کرنے لگے۔ ان سب کا مطمحِ نظر یہ تھا کہ سلطان کے خلاف بغاوت کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا جائے۔ (۴۳)

حواشی وحوالہ جات

① سیرۃ جلال الدین ص۳۰۰، ۳۰۱......ابن خلدون ج۵ ص۱۳۵، ۱۳۶......نہایۃ الارب ج۷ ص۳۷۳

② سیرۃ جلال الدین ص۳۰۳......خوارزم شاہی، ص۱۸۹

③ سیرۃ جلال الدین ص۱۷۸تا۱۸۰......نہایۃ الارب ج۷ ص۳۷۳، ۳۷۴......ابن خلدون ج۵ ص۱۳۶

④ سلجوق نامہ، ص۱۶۲، (لابن بی بی۔مترجم: محمد زکریا مائل)

⑤ ''روم'' سے مراد سلجوقی سلطنت کا علاقہ ایشیائے کوچک ہے، اس زمانے میں یورپی روم کے علاوہ ایشیا کا یہ علاقہ بھی روم کہلاتا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ صدیوں تک یہ یورپ کی سلطنتِ روم کا حصہ رہا تھا، آج کل یہی علاقہ ''ترکی'' کہلاتا ہے۔

⑥ سلجوق نامہ ص۱۵۶

⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص۳۱۷تا۳۱۹......خوارزم شاہی ص۱۹۳

⑧ سیرۃ سلطان جلال الدین ص۳۲۰، ۳۲۱......ابن اثیر ج۷ ص۶۵۳

⑨ ابن اثیر ج۷ ص۶۶۴

⑩ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایۃ سبط ابن جوزی

⑪ ابن اثیر ج۷ ص۶۵۴

⑫ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ......سلجوق نامہ ۱۶۵

⑬ سیرۃ سلطان جلال الدین ص۳۳۰......نہایۃ الارب ج۷ ص۳۷۵، ۳۷۶

⑭ ابن اثیر ج۷ ص۶۵۴......سلجوق نامہ ص۱۶۷

⑮ جہاں کشا ج۲ ص۱۸۱

⑯ سلجوق نامہ ص۱۶۷

⑰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص۳۳۰......خوارزم شاہی ص۱۹۷

⑱ سیرۃ سلطان جلال الدین ص۳۳۰......خوارزم شاہی ص۱۹۷تا۱۹۸

⑲ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ......سلجوق نامہ ص۱۶۷تا۱۶۸

⑳ سلجوق نامہ ص۱۶۷تا۱۶۸

㉑ سلجوق نامہ ص۱۶۷تا۱۶۸

㉒ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ بروایۃ موفق بغدادی

㉓ سلجوق نامہ ص۱۶۹تا۱۷۰......تاریخ کبیر للذہبی طبقہ۶۳ حوادث ۶۲۷ھ

٤٤ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ بروایۃ موفق بغدادی

٤٥ ابن اثیر ج ٧ ص ٦٥٤

٤٦ البدایہ والنہایہ ج ٧ ص ١٣٦

٤٧ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ...... جہاں کشا ج ٢ ص ١٨١

٤٨ سلجوق نامہ ص ١٧٣ ٤٩ سلجوق نامہ ص ١٧٣

٥٠ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ بروایۃ موفق بغدادی

٥١ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ

٥٢ جہاں کشا ج ٢ ص ١٨١...... روضۃ الصفا، ج ٤ ص ٨٣٢

٥٣ ابن اثیر ج ٧ ص ٦٥٥

٥٤ جہاں کشا ج ٢ ص ١٨١

٥٥ سلجوق نامہ ص ١٧٣...... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ٣٣١، ٣٣٢...... نہایۃ الارب ج ٧ ص ٣٧٦

٥٦ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ

٥٧ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ

٥٨ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ

٥٩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ٣٣٣...... نہایۃ الارب ج ٧ ص ٣٧٦...... ابن خلدون ج ٥ ص ١٣٥

٦٠ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ٣٣٣، ٣٣٤...... نہایۃ الارب ج ٧ ص ٣٧٦ ...... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ٦٣ حوادث ٦٢٧ھ بحوالہ مرآۃ الزمان، ج ٨، ص ٦٥٩، ٦٦٢

٦١ ابن خلدون ج ٥ ص ١٣٧...... سیرۃ سلطان جلال الدین ص ٢٢٠...... خوارزم شاہی، ص ٢٠٤

٦٢ ابن خلدون ج ٥ ص ١٣٨ ٦٣ ابن خلدون ج ٥ ص ١٣٨

تیرھواں باب

چراغِ اُمید بجھ گیا

صحرا سے لے کے آئے جو تا منزلِ مراد — کر کے ہمیں فلک کے حوالے کہاں گئے
وضعِ زمانہ دیکھ کر یارانِ باصفا — رخ پر نقاب شرم کا ڈالے کہاں گئے
اب شاہراہِ عام پہ جلتے نہیں چراغ — تاریک راستوں کے اُجالے کہاں گئے

تاتاریوں کی پیش قدمی..... منگولیا کے بحرِ آتشیں کے سامنے بند باندھتے ہوئے سلطان جلال الدین کو تقریباً دس سال ہونے کو آئے تھے۔ ان کی کوششیں کبھی کامیاب ہوئیں اور کبھی ناکام۔ ان کی جدوجہد مختلف اقالیم میں مختلف انداز سے جاری رہی۔ کبھی انہوں نے اپنے ہمسایوں سے اتحاد کر کے اس تباہ کار سیلاب کا راستہ روکنے کی سعی کی اور کبھی ان کو صرف اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنا پڑا، لیکن اب ۶۲۸ھ کے آغاز میں ان کی حیثیت سمندری طوفان میں ہچکولے کھاتی ہوئی کی کشتی کے بے سہار املاح کی سی تھی۔ انہیں کسی ہمسایے کی اعانت حاصل تھی، نہ ان کے اپنے بازوئے تیغ زن میں وہ پہلا سا دم خم رہا تھا۔ ان کے وزراء خائن اور بددیانت تھے، امراء سرکش تھے، سالارانِ فوج، بددل اور مایوس تھے، خزانہ تقریباً خالی تھا، سپاہیوں کی تعداد بہت قلیل اور ان کے لیے اسلحہ، خوراک اور رسد کے انتظامات ناکافی تھے۔ بارہ سال سے ناقابل بیان محنت ومشقت، مسلسل اسفار، نہ ختم ہونے والی جنگی صعوبتوں، ذہنی دھچکوں اور سرد وگرم علاقوں میں آب وہوا کی لگاتار تبدیلیوں نے خود سلطان کو سخت بیمار کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ بیماری کا اثر طبع مزاج پر بھی پڑتا ہے، اس لیے سلطان میں اب پہلے کی طرح ضبط وتحمل بھی نہیں رہا تھا۔ اگر ایسے میں انہیں کوئی حوصلہ دلانے والا مخلص دوست ہی مل جاتا تو غنیمت ہوتا مگر یہاں صورتحال یہ تھی کہ ان کا سب سے معتمد ساتھی وزیر اعظم بھی بے وفا ہو چکا تھا۔

سلطان کے اندرونی و بیرونی تمام دشمن ایک عرصے سے دم سادھے ہوئے اسی لمحے کا انتظار کر رہے تھے اور اب بڑی تیزی سے پر پُرزے نکالنے لگے تھے۔ ان حالات میں تاتاری جوان کے سب سے بڑے حریف تھے، بھلا کیسے پیچھے رہتے۔ تقریباً تین سال تک عالمِ اسلام کی طرف للچائی ہوئی نگاہیں ڈال کر وہ صرف اس لیے ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے تھے کہ سلطان کی شمشیرِ آبدار ان کو خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی، مگر اب یہی شمشیر انہیں کند دکھائی دے رہی تھی۔

حاکم ''الموت'' کی سازش..... سلطان کے باج گزار حاکم الموت علاؤالدین نے بھی سلطان کی حالتِ زار دیکھ کر تاتاریوں کو پے در پے پیغامات بھیجے کہ وہ اس وقت کو غنیمت جان کر فوراً سلطان کے خلاف یلغار کر دیں۔ اس نے اپنے خط میں لکھا: ''علاؤالدین کیقباد اور الملک الاشرف سے شکست کے بعد سلطان جلال الدین کی قوت بہت کم رہ گئی ہے۔ اب اسے مسلم حکمران اس کی مدد بھی نہیں کریں گے۔'' اس نے تاتاری خاقان کو جلال الدین کے خلاف مہم جوئی میں فتح کا پورا پورا یقین دلایا۔ ①

چنانچہ دریائے جیحوں کے پار ایسے کسی موقع کے شدت سے منتظر تاتاری شہزادے زور شور سے اپنا سامانِ جنگ درست کرنے لگے۔ تاتاریوں کے موجودہ خاقان اوکتائی خان کی طرف سے اس مہم کو کامیاب بنانے کے تاکیدی احکامات جاری ہو چکے تھے۔ تاتاری لشکر بخارا میں مرتب ہوتا رہا۔ آخر زبردست تیاریوں کے بعد موسم خزاں میں اس نے دریائے جیحوں کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔

سرحدوں پر تاتاریوں کی نقل وحرکت ..... موسم سرما شروع ہونے کو تھا، سلطان اپنے مرکز تبریز میں مقیم تھے کہ اچانک سرحدوں پر تاتاری لشکر کی نقل وحرکت کی اطلاعات موصول ہونے لگیں۔ سلطان کا اضطراب ناقابلِ بیان تھا۔ دشمن ایسے وقت میں ان پر چڑھائی کر رہا تھا، جبکہ ان کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ انہوں نے فوری طور پر تاتاری لشکر کے کوائف معلوم کرنے کے لیے یرغو نامی ایک افسر کو چودہ سپاہیوں کے ساتھ اس سمت روانہ کیا۔ یہ سپاہی ''ابھر'' اور ''زنجان'' کے درمیان ''مرج شروان'' کے علاقے سے گزر رہے تھے کہ تاتاریوں کے ایک دستے سے ان کی مڈبھیڑ ہو گئی جس میں تمام خوارزمی سپاہی شہید ہو گئے اور یرغو بمشکل جان بچا کر واپس تبریز آ سکا۔ ②

اس حملے کا واضح مطلب یہ تھا کہ سرحدیں غیر محفوظ ہو چکی ہیں اور تاتاری بلا روک ٹوک اندر داخل ہو رہے ہیں۔ سلطان نے ان کی فوری روک تھام کے لیے تبریز سے کوچ کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ اپنی افواج کو جو موقان کے نواح میں بکھری ہوئی تھیں جلد از جلد مرتب کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ غیر یقینی حالات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنے اہل وعیال اور شاہی خزانے کو وزیر اعظم شرف الملک کی نگرانی میں قلعہ کیران روانہ کر دیا، جو کہ تبریز اور بیلقان کے درمیان واقع ہے۔ ③

سلطان نے چند خواص اور تھوڑی سی فوج کے ساتھ تبریز سے کوچ کیا تو کسی کو معلوم نہ تھا کہ اپنے پایہ تخت سے یہ ان کا آخری سفر ہے، اس کے بعد انہیں کبھی یہاں لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ سلطان کو بھی احساس ہو چکا تھا کہ اب شاید وہ اپنے اعزہ واقارب اور قریبی دوستوں سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونے کو ہیں۔

شہاب الدین النسوی جو تبریز سے ان کے ساتھ ہی چلے تھے، لکھتے ہیں:

> ''اس وقت سلطان کے ساتھ ان کے قریبی مصاحبین میں سے میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ہاں امرائے شام میں سے مجیر الدین بن ملک العادل، اس سفر میں ساتھ رہا اور گفتگو کرتا رہا۔ ایک دن جب مجیر الدین سلطان سے گفتگو کر کے الگ ہوا تو میں نے دیکھا سلطان کے آنسو بہہ کر ان کے رخساروں کو تر کر رہے ہیں۔ شاید انہیں اپنی سلطنت کے خاتمے، اہل وعیال کے دشمنوں کے نرغے میں آ جانے، مصائب میں گھر جانے اور ان سے ہمیشہ کی جدائی کا احساس ہو گیا تھا۔'' (سیرۃ جلال الدین ص ۳۵۲)

سلطان افواج کو مرتب کرنے موقان پہنچے تو انہیں یہ دیکھ کر مزید پریشانی ہوئی کہ سپاہی موسم سرما گزارنے کے لیے شروان سے لے کر مکتور تک کے دور دراز کے علاقوں کا رخ کر چکے ہیں۔ اب ان کے دوبارہ جمع ہونے میں کئی ماہ لگ سکتے تھے۔ سلطان نے موقان میں ٹھہرے رہنا بے سود سمجھ کر ضلع الجبال کے قلعہ ''ارمیہ'' میں جا کر ڈیرا ڈال دیا۔

ابھی وہ افواج جمع کرنے کی ادھیڑ بُن میں مبتلا تھے کہ قلعہ بلک کے حاکم کی طرف سے اطلاع دی گئی کہ جن تاتاریوں نے ان کے افسر یرغو کے جاسوس دستے پر حملہ کیا تھا ان کی تعداد صرف سات سو تھی۔ ④

اس خبر سنتے ہی سلطان کی تشویش جاتی رہی۔ دراصل موسمِ سرما اور برف باری کے پیشِ نظر سلطان کا پہلے بھی یہ خیال تھا کہ تاتاری بھرپور حملے کے لیے حسب عادت موسمِ بہار کا انتظار کریں گے۔ اب جبکہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ ان کے سپاہیوں پر حملہ کرنے والے دشمنوں کی تعداد صرف سات سو تھی تو انہوں نے یہ خیال کیا کہ تاتاریوں کی کسی بڑی فوج کی فوری یلغار کی خبریں درست نہیں ہیں۔ یہ سات سو حملہ آور کوئی گشتی دستہ ہوں گے۔ النسوی نے عرض کیا:

''عالم پناہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سات سو سپاہی تاتاریوں کا ہراول دستہ ہوں اور اصل فوج پیچھے آ رہی ہو۔''

سلطان نے جواباً کہا: ''تاتاری ہمارے مقابلے میں سات سو سپاہی نہیں بھیج سکتے۔ اگر یہ ان کا ہراول دستہ ہوتا تو ان کی تعداد کم از کم سات ہزار ہوتی۔'' ⑤

سلطان جلال الدین نے یہ الفاظ صرف جی بہلانے کو کہے تھے ورنہ حقیقت ان سے مخفی نہیں تھی۔ النسوی کہتے ہیں:

''یوں لگتا تھا کہ سلطان حقیقت کی جانچ پڑتال کرنا نہیں چاہتے بلکہ ایسی خبر سننا چاہتے ہیں جو ان کا غم ہلکا کرے۔'' (سیرۃ سلطان جلال الدین، ص: ۳۵۱)

بہر حال حقیقت یہی تھی کہ یہ سات سو سپاہی ہراول کے تیز رفتار دستوں میں سے تھے جو صرف سلطان کا کھوج لگانے کے لیے سلطنت کے مختلف حصوں میں داخل ہوئے تھے، ان کے پیچھے باقاعدہ لشکر بھی آ رہا تھا۔ لاتعداد تاتاری سپاہی اپنے خانِ اعظم کے حکم کے مطابق جرماغون کی قیادت میں دریائے جیحوں عبور کر کے عن قریب سلطان کی قلمرو میں داخل ہونے والے تھے۔ ⑥ کچھ دنوں بعد باوثوق ذرائع نے سلطان کو سرحدوں پر تاتاری لشکر کی آمد کی یقینی اطلاع پہنچائی۔

تاتاریوں کی اس یلغار میں کا ہدف صرف سلطان جلال الدین کا کام تمام کرنا تھا۔ اس لیے تاتاریوں کی تمام تر کارروائی سلطان جلال الدین کے تعاقب تک محدود تھی۔ ان کی نقل و حرکت سلطان کی آمد و رفت کے ساتھ تبدیل ہو رہی تھی۔ اس بار تاتاری شہروں کا محاصرہ کرنے، انسانوں کو مارنے اور بستیوں کو آگ لگانے نہیں آئے تھے۔ یہ کام سلطان جلال الدین کو قتل کرنے کے بعد پورے اطمینان سے کیے جا سکتے تھے۔ اس وقت اہم مسئلہ اس رجل عظیم کو ختم کرنا تھا جس کی موجودگی میں تاتاری کبھی چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے۔

مجاہد کی پکار..... سلطان جلال الدین کے پاس اب اس کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا کہ وہ اپنے ہمسایہ مسلم حکمرانوں سے اسلام کے نام پر ایک بار پھر مدد طلب کریں۔

ہر درد مند دل کو رونا مرا رُلا دے — بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اگرچہ وہ جانتے تھے کہ ان کے اکثر پڑوسی ان کے بدخواہ ہیں، انہیں معلوم تھا کہ الملک الاشرف اور کیقباد سے مصالحت کے باوجود ابھی تک ان کے باہمی تعلقات ایثار، محبت اور قومی یکجہتی کی حدود سے دور ہیں۔ انہیں پتا تھا کہ خلیفۃ المسلمین ان پر خلعتوں کی بارش برسانے کے باوجود اب بھی تاتاریوں کے خلاف اعلانِ جہاد کو خلافِ مصلحت گردانتے ہیں، مگر ان تمام حقائق سے آگاہی کے باوجود سلطان کو ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید یہ بے حس حکمران تاتاری شمشیر کو اپنی شہ رگ کے قریب دیکھ کر، وقتی طور پر ہی سہی، اپنے مشترکہ مفاد کے لئے ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے خلیفہ مستنصر باللہ، سلطان علاؤ الدین کیقباد، الملک الاشرف اور دیگر حکمرانوں کے نام یہ

تاریخی پیغام ارسال کیا۔ ⑦

''شاہِ تاتار کا لشکر دریائے جیحوں عبور کر چکا ہے، اس ٹڈی دل فوج کے سامنے شہر اور قلعے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے خوف اور دہشت سے عوام لرزہ براندام ہیں۔

یاد رکھیئے! اگر میں درمیان سے ہٹ گیا تو آپ کے لیے انہیں روکنا اور ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہوگا۔ میں آپ سب کے دفاع کے لیے سدِ سکندری بن کر کھڑا ہوں اور آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ میں سے ہر ایک اپنے پرچم کے ساتھ ایک فوج میری مدد کے لیے بھیجے۔

مجھے یقین ہے کہ ہمارے اس اتحاد سے دشمن کے دانت کند اور ہمارے سپاہیوں کے حوصلے بلند ہوجائیں گے۔

اس پیغام کے ساتھ ہی میں اپنے فریضے سے سبکدوش ہوتے ہوئے آپ پر اتمامِ حجت کر چکا ہوں، اگر آپ نے کوتاہی کی تو اس کا انجامِ بد خود دیکھ لیں گے۔ والسلام۔'' ⑧

شراب و شیشہ و ذکرِ بُتاں کا وقت نہیں — اُٹھو اُٹھو کہ یہ خوابِ گراں کا وقت نہیں

فوج کی خودسری..... مسلم حکمرانوں کو جھنجھوڑنے کے ساتھ ساتھ سلطان نے دور دراز کے قلعوں اور شہروں تک بکھری ہوئی اپنی فوجوں کو تاکیدی احکامات جاری کیے کہ وہ فوری طور پر ان کے پاس ''موقان'' میں جمع ہوجائیں، مگر اب فوج میں بھی بغاوت کے اثرات نمایاں ہورہے تھے۔ اکثر سالار اپنی جگہ سے ٹس سے مس تک نہ ہوئے۔ ⑨ سلطان کے ہزاروں سپاہی ان دنوں موسم سرما کی تعطیلات پر تھے، سلطان کے ہرکارے قریہ قریہ ان کو تلاش کررہے تھے۔ سلطان نے ان ہرکاروں کو تیروں والی شاہی علامات بھی دی تھیں جن کو دیکھ کر ہر سپاہی کو بہر صورت اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے حاضر ہونا پڑتا تھا۔ مگر یہ تمام بھاگ دوڑ رائیگاں جارہی تھی۔

فوج کے تیار نہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ وزیر اعظم شرف الملک کی غدارانہ روش تھی۔ وزیر اعظم پر ملک کے مالیاتی اور انتظامی امور کا تمام تر دارومدار تھا، اس کے باغیانہ رویے سے شہ پاکر اس کے زیرِ اثر ہزاروں سپاہی سلطان کے تاکیدی احکام کو نظر انداز کررہے تھے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں:

خرج وزیرہ عن طاعته فی طائفة کثیرة من العسکر

سلطان کا وزیر فوج کی کثیر تعداد کے ساتھ ان کے حلقہ اطاعت سے نکل گیا تھا۔'' (الکامل ج:۷، ص:۶۵۸)

دوسری بڑی وجہ یہ تھی کہ تاتاریوں کے کئی لشکر جگہ جگہ پھر رہے تھے اور انہیں جہاں سلطان کے سپاہیوں کی موجودگی کا علم ہوتا وہاں تباہی مچادیتے، اس لیے سلطان کے منتشر سپاہی ان سے بچنے کی کوشش میں مزید بکھرتے جارہے تھے۔ ان دنوں سلطان کے جاسوسوں نے تو حد ہی کردی تھی۔ وہ اپنے فرائض کو یوں بھول بیٹھے تھے جیسے ان کا کوئی کام ہی نہ ہو۔ ایک دن موقان کے باہر سلطان نے ایک ٹیلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کاتب النسوی سے کہا:

''آپ اس ٹیلے پر جائیے، ہم کچھ دیر میں آتے ہیں۔ ہمارے آنے تک آپ ایک تحریر تیار کردیں جس میں اردبیل اور فیروز آباد کے قلعہ داروں کو تاکید کی جائے کہ ہم تاتاریوں کی نقل وحرکت معلوم کرنے کیلئے امیر یغان سنقر اور امیر ارسمان کو بھیج رہے ہیں۔ ان کیلئے ہر چوکی پر گھوڑے تیار رکھے جائیں اور تمام ضروریات کا خیال رکھا جائے۔''

کاتب النسوی نے ٹیلے پر جا کر یہ تحریر لکھ دی۔ کچھ دیر بعد سلطان جلال الدین بھی وہاں آ گئے اور یہ تحریر دونوں افسروں کو دے کر روانہ کر دیا۔ مگر یہ دونوں نالائق اپنے گھروں کو چلے گئے۔ انہیں بالکل احساس نہیں تھا کہ انہیں جس خطرے کی خبر لینے کے لیے بھیجا گیا ہے وہ عین سر پر منڈلا رہا ہے۔ (سیرۃ جلال الدین، ص:۳۵۲)

دوسری طرف تاتاریوں کا جاسوسی نظام سلطان کی عملداری میں پوری طرح فعال ہو گیا تھا، یہی وجہ تھی کہ ان دنوں سلطان کو تاتاریوں کی نقل و حرکت کی نہایت اہم اور حساس اطلاعات بھی وقت گزرنے کے بعد یا خاصی تاخیر سے موصول ہو رہی تھیں، جبکہ تاتاریوں کو سلطان کے بارے میں بالکل درست خبریں اس طرح مل رہی تھیں گویا سلطان کے جاسوس ہی ان کے مددگار بن گئے ہوں۔ اپنے فوجی امراء، سرداروں اور مخبروں کی اس خودسری اور بے وفائی سے سلطان جلال الدین کو لوحِ تقدیر پر لکھا ہوا تباہ کن مستقبل صاف نظر آنے لگا۔

سلطان کی قیام گاہ پر تاتاریوں کا حملہ ...... اپنی اور عالم اسلام کی افواج کے اجتماع کے انتظار میں سلطان کا اضطراب اور اعصابی تناؤ دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کیفیت کو کم کرنے کے لیے وہ ایک دن ''موقان'' کے نواح میں شکار کے لیے نکل گئے جوان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ ان کے ساتھ صرف ایک ہزار سپاہی تھے۔ الملک الاشرف کا بھائی مجیر الدین یہاں بھی ان کے ساتھ تھا۔

موقان شہر سے باہر ایک بلند پہاڑی پر ایک مضبوط قلعہ تھا جسے ''شیر کبوت'' کہا جاتا تھا۔ پہاڑی کے گرد گہری خندقوں نے اسے نہایت محفوظ بنا دیا تھا۔

سلطان نے اس قلعے کے نواح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کے ساتھ قافلے میں ایک تاتاری قیدی بھی تھا جسے خلاط کے محاصرے کے دوران سرحدوں سے مزید کئی ساتھیوں سمیت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس کے باقی ساتھی قتل کر دیے گئے تھے۔ صرف اسی کو اب تک زندہ رکھا گیا تھا۔ شام ہوئی تو سلطان نے اس تاتاری قیدی کو النسوی کے حوالے کر دیا اور کہا: ''اسے قلعے میں لے جاؤ اور سخت حراست میں رکھو۔''

سلطان کو خطرہ تھا کہ اگر وہ موقع پا کر فرار ہو گیا تو تاتاریوں کو ان کی فوج کے انتشار اور نظام حکومت کی ابتری کی تازہ ترین چشم دید تفاصیل معلوم ہو جائیں گی۔ سلطان کو قطعاً خبر نہیں تھی کہ تاتاریوں کا ایک دستہ ان کے قریب تر آ چکا ہے اور نہ صرف ان کے شکار پر نکلنے سے واقف ہے بلکہ اسے ان کی خیمہ گاہ کا بھی علم ہے۔ یہ صورتحال اس احتمال کو پختہ کرتی ہے کہ سلطان کے محکمہ خبر رسانی و جاسوسی کا غالب عنصر تاتاریوں کے ہاتھوں بک چکا تھا اور مفوضہ خدمات کے بر عکس کام کر رہا تھا۔ النسوی قیدی کو تین سپاہیوں کی حراست میں قلعے میں لے گئے تاکہ رات وہیں بسر کی جائے۔

الملک الاشرف کا بھائی مجیر الدین موقان کی شکار گاہ میں سلطان کے ساتھ ہی تھا۔ سلطان نے اس رات اسے خصوصی طور پر الملک الاشرف کے نام یہ پیغام دیا: ''تاتاریوں کا یہ حملہ میری ذات یا میری سلطنت کے خلاف نہیں۔ اگر اس فتنے کو پھیلنے کا موقع دیا گیا تو باقی تمام عالمِ اسلام بھی معرضِ ہلاکت میں پڑ جائے گا۔ اس شر کی چنگاریاں اڑنے لگی ہیں اور اس مصیبت کی آگ بھڑک چکی ہے۔ امّت کا اتحاد و اتفاق ہی اس کو دور کر سکتا ہے۔''

سلطان نے مجیر الدین کو روانہ کرتے ہوئے وزیر اعظم شرف الملک کو یہ پیغام بھی بھیجا کہ مجیر الدین کے ساتھ کسی مناسب شخص کو سفیر بنا کر الملک الاشرف کے دربار میں بھیجا جائے۔ شرف الملک نے اس مقصد کے لیے اپنے نائب

معین الدین قمی کو مجیر الدین کے ساتھ روانہ کر دیا جو کہ سفارت کے لیے بالکل مناسب نہیں تھا۔ شہاب الدین النسوی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ ایسی سفارت اپنے ہدف کے برعکس اور اپنے مقصد کے مخالف تھی۔ سفارت کے لیے ایسا شخص چُن کر وزیرِ اعظم نے درحقیقت احسان فراموشی کا ثبوت دیا تھا اور سلطنت کے زوال کی کوشش کی تھی۔'' (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۵۵)

تاتاریوں کا چھاپہ...... اسی رات تاتاریوں کا ایک چھاپہ مار دستہ سلطان کی شیر کبوت کے نواح میں موجودگی کی یقینی اطلاع پا کر وہاں پہنچ گیا اور تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یکایک خیمہ گاہ پر حملہ آور ہو گیا۔ تمام دفاعی رکاوٹیں ان کے اچانک حملے کے سامنے سرنگوں ہو گئیں۔ سلطان بڑی مشکل سے وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے قافلے کا تمام ساز و سامان تاتاریوں نے لوٹ لیا۔

النسوی نے اس ہنگامے سے بے خبر شیر کبوت کے قلعے میں رات گزاری۔ صبح سویرے جب قلعے سے نکل کر سلطان سے ملنے آیا تو دیکھا شاہی خیمہ گاہ خالی پڑی ہے۔ سامان الٹ پلٹ ہو چکا ہے۔ شکار کے لیے سدھائے گئے چیتوں اور شکروں کے سوا وہاں کوئی فرد موجود نہیں ہے۔ النسوی کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ فوراً گھوڑے کو ایڑ لگا کر سلطان کی تلاش میں نکلے۔ انہیں یقین تھا کہ تاتاریوں کا ایک لشکر اِن کے آگے سلطان کے تعاقب میں جا رہا ہے تو ایک لشکر پیچھے بھی آ رہا ہوگا۔

راستے میں ''سلطان خوئی'' کے مقام پر دریائے ارس سے نکلنے والی نہر کا پُل آیا، وہاں تاتاریوں کے خوف سے نقل مکانی کرنے والے ترکمانوں کا ایسا ہجوم تھا کہ کسی کا گزرنا مشکل تھا۔ النسوی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، گھوڑا نہر میں ڈال دیا اور بسلامت دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ بیلقان کے پاس سے وہ بغیر رکے گزرے گئے اور سیدھا گنجہ جا کر دم لیا، مگر سلطان جلال الدین کا پھر بھی کوئی اتا پتا نہ چل سکا۔ اگلے دن النسوی نے تاتاریوں کے لشکر کو سلطان کی تلاش میں گنجہ کے پاس سے گزرتے دیکھا۔ ⑩

ماہان میں قیام...... اُس رات حملہ آور تاتاریوں نے سلطان جلال الدین کا بہت دور تک تعاقب کیا تھا۔ آخر دریائے ارس کے کنارے پہنچ کر سلطان ان کو چکمہ دے کر ''گنجہ'' کے راستے پر ڈال دینے میں کامیاب ہو گئے اور خود سبزہ و گل کی سرزمین ''ماہان'' پہنچ گئے۔

موسمِ سرما اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا اور برف باری کی شدت کے باعث کسی جانب سے تاتاریوں کی پیش قدمی کا خطرہ نہیں رہا تھا، اس لیے سلطان کو کچھ عرصہ یہاں ٹھہرنے کا موقع مل گیا۔ اس قیام کے دوران ایک بلند پہاڑی قلعے کا والی عزّ الدین بڑی جانثاری کے ساتھ سلطان کو خوراک و رسد، دیگر ضروریات اور دشمن کی نقل و حرکت کی معلومات فراہم کرتا رہا۔ اس کی فرض شناسی کے باعث سلطان نے یہاں نہایت محفوظ وقت گزارا۔

سردی کی شدت کم ہوئی اور موسمِ بہار قریب آیا تو عزّ الدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ تاتاریوں کا ایک لشکر تبریز سے دس میل دور ''اوجان'' کے مقام سے آپ کی تلاش میں چل پڑا ہے اور اسے آپ کے ٹھکانے کا پورا علم ہے۔ عزّ الدین نے مشورہ دیا کہ آپ کو یہاں سے کوچ کر کے ''اران'' چلے جانا چاہیے، وہاں بہت سے ترکمان جنگجو

اپنے مضبوط قلعوں میں آپ کو خوش آمدید کہیں گے۔ (۱۱)

شرف الملک کی بدکرداری اور انجام بد...... اِدھر سلطان جلال الدین بیرونی دشمنوں سے نمٹنے کے لیے اسباب کی تلاش میں سرتوڑ کوشش کر رہے تھے، اُدھر اندرونی باغی عناصر سلطان کو زک پہنچانے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔ ان میں سے وزیر اعظم شرف الملک کی شخصیت سرفہرست تھی۔ سلطان کا یہ بے وفا وزیر اعظم ان دنوں اڑان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اڑان پہنچنے سے پہلے پہلے سلطان پر اپنے وزیر اعظم کی قابل نفرت کارستانیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ وزیر اعظم کے بڑے بڑے چند جرائم جو سلطان کی ناراضگی کا سبب تھے، درج ذیل ہیں:

1 ......وہ رعایا کے مال ومتاع پر بے محابا دست درازی کرتا تھا۔

2 ......سلطان کی اجازت کے بغیر قومی خزانے سے ہزاروں لاکھوں روپے بلاضرورت خرچ کر ڈالتا تھا، اس سے شدید ضرورت کے وقت فوج کو رسد واسلحہ کی فراہمی سخت متاثر ہوتی تھی۔

3 ......سلطان نے اس کی فضول خرچی سے تنگ آ کر حکم جاری کیا تھا کہ شاہی ہدایات کے بغیر خزانے سے کوئی رقم خرچ نہ کی جائے، مگر اس نے اس حکم کو سراسر نظر انداز کر دیا تھا اور سلطان کے احکام پر عمل کرنے والے کارندوں کو سزائیں دینے لگا تھا۔

4 ...... بگڑتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس نے تصور کر لیا تھا کہ سلطان کو عن قریب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہندوستان فرار ہونا پڑے گا اور خوارزمی حکومت ختم ہو جائے گی، چنانچہ وہ قرب وجوار کے حکمرانوں سے خفیہ روابط بڑھا کر مستقبل میں اپنی ملازمت کا انتظام کر رہا تھا۔ اس نے بعض خطوط میں کیقباد اور الملک الاشرف سے اطاعت اور وفاداریوں کا وعدہ کیا تھا اور بدلے میں اپنے لیے آذربائی جان کی جاگیر مانگی تھی۔

5 ......وہ اپنی نجی محفلوں اور خفیہ خطوط میں سلطان کو بُرا بھلا کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔ اس کے ایسے خطوط سلطان کے ہاتھ لگے تھے جن میں سلطان کو کھلے لفظوں میں ظالم اور مردود کہا گیا تھا۔

6 ......اس نے حسام الدین قلیج ارسلان کو جو قلعہ کیران میں سلطان کے حرم اور شاہی خزانے کا نگران تھا، تاکید کی تھی کہ شاہی حرم اور خزانے کے بارے میں اسی کے احکام پر عمل کیا جائے اور سلطان کی بات نہ مانی جائے۔

وزیر اعظم کے سیاہ کارناموں کے باوجود سلطان اس سے چشم پوشی کرتے آرہے تھے کہ شاید وہ خود عواقب کا اندازہ کر کے اپنی روش بدل لے، مگر اب اتنے بڑے بڑے جرائم یا الزامات کے بعد سلطان کے صبر کی انتہاء ہو چکی تھی۔ انہوں نے وزیر اعظم کا کانٹا نکال دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس عزم کے ساتھ جب وہ اچانک اڑان پہنچے تو ان کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر وزیر اعظم گھبرا گیا۔ وہ حیزان کے قلعے میں مقیم تھا اور اسے مرمت وغیرہ کرا کے خوب مضبوط کر چکا تھا مگر اسے خوب اندازہ تھا کہ سلطان کے انتقام سے بچنا مشکل ہے۔ کفن اوڑھ کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا اور پیروں پر گر کر گڑگڑاتے ہوئے جاں بخشی کی درخواست کی۔ ہر چند کہ سلطان اس پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے مگر اس کی فریاد سے ان کا دل پسیج گیا اور جاں بخشی کر کے صرف ایک قلعے میں نظر بند کر دینے پر اکتفا کیا۔

قلعے کی چار دیواری میں بھی وزیر اعظم کا سیاسی ذہن سازشوں کے تانے بانے بنتا رہا۔ جلد ہی اس نے ناظم قلعہ

کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان کے خادموں اور غلاموں سے خفیہ رابطے قائم کر لیے۔ اس ساری سازش کا آخری ہدف یہ تھا کہ سلطان کے غلام و خدام گرجیوں کی مدد سے سلطان کا تختہ اُلٹ دیں۔

مگر خوش قسمتی سے وزیر اعظم کی اس سازش کو غلاموں کے افسر اعلیٰ نے سلطان کے آگے طشت از بام کر دیا۔ سلطان پہلے ہی بیرونی محاذ پر مسلسل ناکامیوں کے سبب پریشان تھے، ایسی حالت میں اندرونی جھگڑوں کو زیادہ طول دینا ان کے بس سے باہر تھا، اس لیے بلا تاخیر انہوں نے وزیر اعظم کو قتل کرا دیا۔

سلطان کا خیال تھا کہ وزیر اعظم کے انجام سے دیگر اندرونی مخالفین بھی درسِ عبرت حاصل کریں گے اور ان کی پریشانیوں میں کمی واقع ہو جائے گی، مگر افسوس کہ وزیر اعظم سلطان کے اندازے سے بھی زیادہ امراء اور سپاہیوں میں اثر انداز ہو چکا تھا، اس لیے وزیر اعظم کے قتل سے بد دِل ہو کر کئی امراء جو دل سے وزیر اعظم کے حامی تھے، سلطان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ (۱۲)

تبریز پر غداروں کا قبضہ ...... انہی دنوں تبریز میں جو کہ سلطان کی سرگرمیوں کے لیے ایک عرصے تک مرکز کا کام دیتا رہا تھا، بغاوت کے شعلے بھڑک اُٹھے اور بہاؤ الدین محمد نامی ایک امیر نے شہر پر قبضہ کر کے سلطان کی سپاہ کو بے دخل کر دیا۔ (۱۳) ہر چند کہ تبریز سلطان کے پایہ تخت کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن تاتاریوں کی روک تھام کے جھنجھٹ اور نت نئے حوادث میں سلطان کو اِدھر توجہ دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ دراصل تبریز کو بازیاب کرانے کے لیے جس طاقت کی ضرورت تھی سلطان کو اسے حاصل کرنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا اور اس سے قبل تاتاریوں سے مدافعت کا کوئی انتظام ہو جانا ضروری تھا۔

سلطان کی حالت یہ تھی کہ ان کے پاس اب کوئی ایک مضبوط فصیل بند شہر بھی ایسا نہیں رہا تھا، جہاں ان کے وفادار سپاہیوں کی معتد بہ تعداد موجود ہوتی، اور جسے وہ اپنے لیے محفوظ تصور کر کے وہاں تاتاریوں سے خاصے دنوں تک قلعہ بند لڑائی کا انتظام کر سکتے۔ حالات کی گردش نے انہیں ایک بار پھر شاہ سے خانہ بدوش بنا دیا تھا۔

آغازِ بہار اور آمدِ تاتار ...... موسم بہار کے آغاز کے ساتھ ہی کثیف بادل چھٹ گئے...... آسمان کی نکھری نکھری نیل فام چادر نے اپنا چہرہ دکھایا...... سورج کی کرنوں سے مشرق و مغرب منور ہو گئے...... بے برگ و بار سوکھے سوکھے درخت پتوں، پھولوں اور پھلوں سے لدنے لگے۔

برف پگھل چکی تھی...... منجمد آبشار نغماتِ حمد گنگناتے ہوئے بہنے لگے تھے...... مگر...... مسکراتی بہار کی یہ آمد عالمِ اسلام کے لیے غضب کی خزاں کا پیام لائی تھی۔ بادِ نسیم کے ان جھونکوں کے پیچھے جبر و قہر کی ریحِ صرصر چلنے والی تھی۔ سورج کی روپہلی کرنوں کی اوٹ میں تباہی کی سیاہ گھٹائیں سر اُٹھا رہی تھیں۔ وہ راستے جو مسلسل برف باری کے باعث مسدود تھے، اب کھل چکے تھے، اس لیے تاتاریوں کو مغرب کی طرف پیش قدمی سے کوئی شے روکنے والی نہ تھی۔ تاتاری کماندار جرماغون بیلقان میں پڑاؤ ڈال کر سلطان کے پیچھے روانگی کے لیے آخری اشارے کا منتظر تھا۔ شاید ان کی اعلیٰ کمان یلغار سے پہلے اس بات کا اطمینان کرنا چاہتی تھی کہ سلطان جلال الدین کو مقامی حکام اور بیرونی فرمانرواؤں کی جانب سے اب کوئی امداد نہیں ملے گی۔

ایک تاتاری قیدی سے پوچھ گچھ ...... جرماغون کا ایک سپاہی بیلقانمیں سلطان کے نائب فخر الدین کے پاس پہنچا اور

اسے تحکمانہ لہجے میں یہ پیغام دیا کہ اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو سلطان سے تعلقات ختم کر دو اور ہماری صفوں میں شامل ہو کر سلطان کو اس سرزمین سے باہر دھکیل دو۔ فخر الدین ایک غیرت مند شخص تھا، اس نے اس سپاہی کو گرفتار کر کے سلطان کے پاس بھیج دیا۔ سلطان نے تخلیہ میں اس تاتاری سے جرماغون کی فوج کی تعداد دریافت کی تو اس نے جواب دیا:

''جب بخارا میں لشکر ترتیب دیا جا رہا تھا تب تعداد بیس ہزار ظاہر کی جا رہی ہے، مگر درحقیقت اصل تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔'' سلطان یہ سن کر چونک گئے اور پھر اپنے سپاہیوں کو افواہوں اور بددلی سے بچانے کے لیے کہا:

''اس سے پہلے کہ ہمارے سپاہیوں تک تاتاریوں کی تعداد کی یہ خبر پہنچے، قیدی کو قتل کر دو۔''

چنانچہ اس قیدی کو قتل کر دیا گیا۔ (۱۴)

آخری کوشش ..... سلطان جلال الدین کا پیغام مختلف حکومتوں اور درباروں تک پہنچ چکا تھا، مگر ابھی تک کسی جانب سے ان کو کوئی مثبت جواب موصول نہیں ہوا تھا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، سلطان کی پریشانی اور بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جنوب اور مشرق سے تاتاریوں کی پیش قدمی شروع ہو چکی تھی۔ وہ بستیوں اور دیہاتوں کو تاراج کرتے ہوئے بڑے شہروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ان حوصلہ شکن حالات میں ان کے سامنے یہ تجویز آئی کہ ان کا کوئی ہوشیار مصاحب مختلف چھاؤنیوں کا دورہ کرے اور وہاں جو فوجی ملیں ان کو لے کر ان کے رشتے داروں اور قبیلے والوں سے ملاقاتیں کی جائیں اور انہیں سلطان کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا جائے مگر سلطان کو اس کام کے لیے اپنے بچے کھچے رفقاء میں کوئی موزوں آدمی نہ ملا۔

خوش قسمتی سے انہی دنوں احمد النسوی سلطان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ چند ماہ پہلے شیرکبوت کے نواح میں سلطان کی خیمہ گاہ پر تاتاریوں کے حملے کی ہنگامہ آرائی میں سلطان سے جدا ہو گیا تھا اور تب سے ان کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ برف باری کے تین ماہ اس نے گنجہ میں چھپ کر گزارے تھے کیوں کہ وہاں بھی بغاوت ہو چکی تھی اور کسی خوارزمی کا کھلے عام باہر پھرنا سخت خطرہ مول لینے کے برابر تھا۔ وہیں اسے سلطان کا اتا پتا معلوم ہوا تھا۔ تب وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر پابہ رکاب ہوا۔ دن کو کہیں چھپ جاتا اور رات کی تاریکی میں راستہ طے کرتا۔ تاتاریوں کے گشتی دستوں سے بچتا بچاتا وہ بڑی مشکل سے سلطان کے پاس پہنچا تھا۔ سلطان اس وقت قلعہ زاریس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، اس کی آمد کی خبر سنتے ہی اسے بلا لیا اور اس سے ملک کے حالات پوچھنے لگے تھے۔ النسوی نے بتایا:

''سارا ملک خصوصاً اران تاتاریوں کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ گزشتہ شب میں جس راستے سے گزر رہا تھا، اس کے بائیں ہاتھ پر مجھے تاتاری کیمپ کی روشنیاں جھلملاتی صاف نظر آ رہی تھیں۔''

اسی دن عصر کے وقت سلطان نے النسوی کو دوبارہ اپنی محفل میں بلوایا جہاں دوسرے امراء بھی جمع تھے۔

سلطان نے ان سے پوچھا: ''اب یہ بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟''

النسوی نے کہا: ''جو سلطان کی رائے ہو!''

سلطان نے کہا: ''ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ ایک نمائندہ بھیج کر اران میں بکھرے ہوئے سپاہیوں اور ترکمان قبائلیوں کو جمع کریں۔ ان کو لے کر ہم گنجہ کے باغیوں سے ٹکر لیں۔ یا تو وہ بچیں گے یا ہم۔ ترکمانوں کو جہاد پر آمادہ کرنے کیلئے کسی ایسے آدمی کو جانا چاہیے جو ان کو کسی مال و متاع اور غنیمت کی امید دلائے بغیر ان کے دل جیت

سکے۔ میرے پاس جو ترک افسران ہیں ان میں سے ایک بھی اس لائق نہیں۔''

سلطان کو النسوی کی تھکن اور اس مہم کے انتہائی کٹھن اور پُر خطر ہونے کا احساس تھا اس لیے وہ النسوی کو براہ راست حکم نہیں دے رہے تھے مگر النسوی نے اشارہ سمجھ لیا اور خود کو اس مہم کے لیے پیش کر دیا۔

سلطان نے النسوی کو روانہ کر دیا۔ قدم قدم پر تاتاریوں کی نقل وحرکت کے خطرے کے باوجود وہ ترکمان اور دیگر قبائل کا دورہ کر کے نئے رضا کاروں کی شیرازہ بندی کی کوشش کرنے لگے۔ (۱۵)

النسوی قبائل میں دعوتِ جہاد کی مہم سے فارغ ہو کر آئے تو قبائل کے بہت سے رضا کار سلطان کے پرچم کے نیچے جمع ہونے لگے تھے۔ (۱۶) یہ ایک امید افزا بات تھی۔

گنجہ کی بغاوت ..... جب ترکمانوں کی کچھ جمعیت تیار ہوگئی تو سلطان جلال الدین نے گنجہ کا رخ کیا۔ وہاں بندار نامی ایک سردار بغاوت کا علم بلند کیے ہوئے تھا۔ سلطان نے پہلے النسوی کو بھیج کر اسے سمجھانے بجھانے کی کوششیں کیں مگر وہ نہ مانا۔

آخر ایک دن سلطان جلال الدین خود شہر کے باہر پہنچ گئے، ایک باغ میں خیمہ لگا کر بندار کے نمائندوں سے بات چیت کی اور سب کو امان دینے کا وعدہ کیا مگر بندار پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے شہر سے باہر نکل کر اچانک سلطان کے خیمے پر تیروں کی بارش کر دی۔ سلطان بے خوف وخطر تلوار سونت کر باہر نکل آئے اور اپنے مٹھی بھر سپاہیوں کے ساتھ اس شدت کا حملہ کیا کہ باغی بھاگنے پر مجبور ہوگئے۔ سلطان کے سپاہیوں نے ان کا تعاقب کیا اور شہر کے دروازے بند ہونے سے پہلے اندر داخل ہوگئے۔ بندار اور دیگر سرکردہ باغیوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر ان کی لاشیں سڑکوں پر گھمائی گئیں۔ سلطان کے سپاہیوں نے باغیوں کے گھر لوٹنے کی کوشش کی مگر سلطان نے سختی سے منع کر دیا۔ (۱۷)

حکمرانوں کو از سرِ نو دعوتِ جہاد ..... سلطان گنجہ میں بغاوت فرو کرنے کے بعد سترہ دن وہیں مقیم رہے اور حتی الامکان مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری نبھانے کی کوشش کرنے کے لیے مشورے کرتے رہے۔ ترکمان قبائلی سلطان کی کمان میں لڑنے کے لیے تیار ہو چکے تھے مگر باقاعدہ افواج فراہم کیے بغیر فقط ناتجربہ کار نوجوانوں کے بل بوتے پر تاتاریوں کی طوفانی یلغار روکنا بعید از قیاس تھا۔ سلطان عالم اسلام کے حکمرانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ خطوط بھیج کر ان پر اتمام حجت کر چکے تھے۔ اب ان کی رائے یہ تھی کہ اپنی قوتِ بازو کے سہارے پر ہی کچھ کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر اس علاقے میں دفاع ممکن نہ ہو تو ایران کی طرف کوچ کیا جائے۔ مگر ترک امراء ایک بار پھر سلطان کی رائے پر غالب آگئے۔ انہوں نے سلطان پر زور دیا کہ ایک بار پھر مسلم فرمانرواؤں کو جھنجھوڑنے کی کوشش کی جائے اور مختلف درباروں میں قاصد روانہ کر دیے جائیں۔ اوتر خان اور کچھ کمزور دل امراء جو سلطان کے اقبال سے مایوس ہو چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب تاتاریوں پر فتح پانا بعید از قیاس ہے، الملک الاشرف سے امداد مانگنے پر زیادہ زور دے رہے تھے۔ ان کے نزدیک کئی ملکوں کی فوجیں جمع ہو کر ہی یہ کٹھن مہم انجام دے سکتی تھیں۔

سلطان بھی اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کر گزرنا چاہتے تھے اس لیے الملک الاشرف سے امداد طلب کرنے وہ بنفس نفیس کیلکون کے راستے سے خلاط کی طرف روانہ ہوگئے۔ انہیں امید تھی کہ وہ اسلام کی حرمت کا واسطہ دے کر اسے منا لیں گے۔ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سلطان نے اس کے بعد خود دیار بکر، الجزیرہ اور بغداد جا کر خلیفہ سمیت تمام مسلم

فرمانرواؤں سے تاتاریوں کے خلاف امداد طلب کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا مگر تاتاریوں کے طوفانی تعاقب نے انہیں خلاط کے علاوہ کہیں اور جانے کا موقع نہ دیا۔ (۱۸)

اس راستے میں سلطان کے قافلے کو سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا، یہ شدید گرمی کے دن تھے۔ آسمان سے آگ برستی تھی، بارش کا دور دور تک کوئی نام ونشان نہ تھا، اہلِ قافلہ پیاس سے بے حال تھے۔ آخر نمازِ استسقاء ادا کی گئی، سلطان نے خود دعا کرائی۔ اس کے بعد اس قدر موسلا دھار بارش ہوئی کہ ہر طرف جل تھل ہوگیا۔ سلطان کی خیمہ گاہ کا یہ حال ہوا کہ کیچڑ کی وجہ سے لوگوں کا سلطان کے خیمے تک جانا مشکل ہوگیا۔

اس حالت میں بھی سلطان کا نشاط باقی تھا اور وہ ساتھیوں کو مایوسی سے بچانے کے لیے امید افزا باتیں کرتے تھے۔ بارش کی شدت دیکھ کر ایک خادمہ دایہ خاتون نے کہا:

''حضور! آپ کو دعائے استسقاء میں اتنی مہارت کب سے ہوگئی۔ اس قدر پانی برس رہا ہے کہ ہم عاجز آگئے ہیں۔ دوسروں کی دعا پر تو بقدرِ ضرورت بارش ہوتی ہے۔''

سلطان نے مسکرا کر کہا:

''بات یہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔ دعا سے جو ملتا ہے وہ بقدرِ ہمت ملتا ہے۔ یہ پانی میری ہمت کے بقدر نازل ہوا ہے۔ اسے تم رعایا کی ہمت پر قیاس مت کرو۔''

اس طرح کی دلچسپ باتوں نے اس دشوار سفر کو کچھ آسان کر دیا تھا۔ (سیرۃ جلال الدین ص: ۳۷۱، ۳۷۲)

الملک الاشرف کی بے مروتی ..... ادھر الملک الاشرف کو جب معلوم ہوا کہ سلطان جلال الدین خلاط آرہے ہیں تو وہ بڑا اسٹپٹایا۔ صلح نامے پر دستخط ہوجانے کے باوجود سلطان سے اس کی دلی کدورت ہنوز باقی تھی، اس لیے وہ سلطان سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ آخر کار سلطان کو ٹالنے کی غرض سے وہ خلاط سے نکل گیا۔ جب سلطان جلال الدین خلاط کے نواح میں پہنچے تو انہیں الملک الاشرف کی عدم موجودگی کا علم ہوا۔ سلطان نے خلاط میں متعین الملک الاشرف کے نائب کو کہلوایا: ''ہم نہ آپ سے جنگ کرنے آئے ہیں نہ آپ کو تنگ کرنے، بلکہ اس عظیم دشمن نے ہمیں آپ کے وطن کا رُخ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔'' (۱۹)

براہ راست ملاقات کے امکانات نہ دیکھ کر سلطان نے اپنا سفارتی وفد الاشرف کی خدمت میں دمشق روانہ کر دیا۔ جب یہ وفد دمشق پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ الملک الاشرف ان سے ملاقات سے بچنے کی خاطر مصر چلا گیا ہے۔ الملک الاشرف کی اس بے مروّتی کے باوجود سلطان نے خطوط کے ذریعے اس تک اپنا پیام پہنچا کر اس سے امداد کی بار بار درخواست کی، مگر اس کی طرف سے حیلوں بہانوں کے علاوہ کوئی جواب نہ ملا۔

النسوی نے نہایت افسوس کے ساتھ الملک الاشرف کی ٹال مٹول کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

''سلطان کے سفیر دمشق پہنچے تو الملک الاشرف خود مصر چلا گیا اور وہاں سے پیغامات بھیجتا رہا کہ ہم سلطان جلال الدین کی مدد کے لیے مصر سے ایک لشکر تیار کر کے عنقریب آرہے ہیں:

مواعید کمال ح السراب المهمه القفر　　فمن یوم الیٰ یوم ومن شهر الیٰ شهر

(تیرے وعدے جیسے صحرا میں چمکتا سراب۔ ایک دن سے دوسرے دن تک، ایک ماہ سے اگلے ماہ تک)

تب خوارزمی سفیروں نے سلطان کو مراسلے بھیج کر آگاہ کر دیا کہ الملک الاشرف سے امداد ملنے کی قطعاً توقع نہ رکھی جائے۔سفیروں کے امیر مختص الدین نے اپنے خط میں لکھا:

''الملک الاشرف مصر سے اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تاتاریوں سے ہماری کشمکش ختم نہیں ہو جاتی ،یعنی یا تو ہم غالب آجائیں یا تاتاری ہمیں ختم کر دیں۔لہٰذا سلطان معظم کو کچھ اور حل سوچنا ہوگا ،الملک الاشرف کی طرف سے جواب کا انتظار نہ کیا جائے۔''[40]

الملک الاشرف سے مایوس ہو کر سلطان جلال الدین نے ایک بار پھر امراء سے مشورہ کیا۔طے یہ ہوا کہ الملک الاشرف کے بھائی الملک المظفر شہاب الدین غازی سے امداد کی درخواست کی جائے۔الملک العادل کا یہ بیٹا اس وقت سلطان کے سب سے قریبی علاقے میافارقین اور الجزیرہ کا حاکم تھا،وہ اپنے بھائیوں کے برعکس سلطان سے کسی تنازعے کا فریق بھی نہیں تھا،سلطان نے احمد النسوی کو چند قابل اعتماد امراء کے ساتھ اس مہم پر جانے کی تیاری کا حکم دیا اور کہا:

''الملک المظفر کو کہنا کہ وہ جہاد کے لیے فوج لے کر بذات خود جلد از جلد میرے پاس آن پہنچے اور تاتاریوں کی یورش کے مقابلے میں دست و بازو بنے۔اسے کہنا کہ حاکمِ ماردین اور حاکمِ آمد کو بھی اپنے اثر ورسوخ کے ذریعے اس فریضے کی ادائیگی پر آمادہ کرے۔اگر اللہ نے ہمیں تاتاریوں پر فتح عنایت کی تو میں خلاط سمیت جتنے علاقے وہ چاہے گا اسے دے دوں گا۔''

النسوی نے حکم سلطانی پر سر جھکا دیا۔سلطان نے پُر امید لہجے میں کہا:''اگر یہ حکمران آگئے تو پھر الملک الاشرف کی مدد کی بالکل ضرورت نہیں رہے گی۔''

مجلس مشاورت برخواست ہوئی تو سلطان نے النسوی سے تخلیے میں کہا:

''مجھے معلوم ہے کہ یہ حکام ہرگز ہماری اعانت پر آمادہ نہیں ہوں گے۔یہ نہیں چاہتے کہ ہم تاتاریوں پر غالب آئیں۔ایسے بے رحم لوگوں سے شکوہ کرنا بے فائدہ ہے۔مگر میرے ترک امراء ایسی امیدیں دلا رہے ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔دوسروں سے امداد مانگنے کے بہانے وہ خود جہاد سے جان بچانا اور جنگ کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ان بے بنیاد توقعات میں الجھا کر انہوں نے ہمیں صحیح حکمت عملی مرتب کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔اس سفارت کے لیے میں تمہیں اس لیے بھیج رہا ہوں کہ تم ان حکام کے ہاں سے ایسا مایوسانہ جواب لے کر آؤ جس کے بعد ان سے امید کا کوئی امکان نہ رہے اور ہمیں ان کی طرف کوئی میلان نہ رہے۔پھر ہم اس قابل ہوں گے کہ اتفاق رائے سے اصفہان کی طرف کوچ کر جائیں جو اب تک محفوظ علاقہ ہے۔''

سلطان کا خیال بالکل ٹھیک تھا۔الملک المظفر کسی طرح بھی سلطان کی مدد پر آمادہ نہ ہوا۔اس نے صاف کہہ دیا:

''میں اپنے فیصلوں میں خود مختار نہیں ہوں،اپنے بھائیوں الملک الاشرف اور الملک الکامل کی نیابت میں حکومت کرتا ہوں اور ان کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ویسے بھی سلطان کی فوج کی موجودگی میں میری فوج کی حیثیت ایسی ہی ہے جیسے لشکر کے سامنے ایک سوار۔تو مجھ سے مدد مانگنے کا کیا مطلب۔جہاں تک حاکمِ آمد اور حاکمِ ماردین کو جہاد پر ساتھ لانے کی بات ہے تو یہ دونوں حکام میرے تابع نہیں ہیں،وہ میری بات کیوں سننے لگے۔ہم جانتے ہیں

کہ سلطان کی ان سے خط و کتابت ہوتی رہتی ہے، تو سلطان انہیں دعوتِ جہاد دے کر خود آزمالیں کہ وہ تاتاریوں کے خلاف ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہیں یا نہیں۔ سلطان کو پتا چل جائے گا کہ ان کے وعدے جھوٹے ہیں جن کا کوئی مصداق اور مطلب نہیں۔''

النسوی نے پوری کوشش کر کے دیکھ لی مگر شہاب الدین غازی خود سلطان کی حمایت پر آمادہ نہ ہوا۔ البتہ اس نے النسوی کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا:

''الملک الاشرف پر آپ کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ وہ مصر اسی لیے گئے ہیں کہ تاتاریوں کے خلاف سلطان کی مدد کے لیے لشکر تیار کر لیں۔'' (۴۱)

تاتاریوں کی مسلم حکمرانوں کو دھمکیاں..... تاتاری سیلاب کی تند و تیز لہریں ایک بار پھر دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے رہی تھیں...... گاؤں، بستیاں، قلعے اور شہر اس طوفان کے تموّج سے تہہ و بالا ہو رہے تھے..... گزشتہ ایک عشرے میں آغوشِ عدم سے گلستانِ وجود میں آنے والے باغِ آدم کے نوخیز پودے خاکستر ہو رہے تھے...... مسلمانوں کی باقی ماندہ آبادیات میں سروں کی فصلیں کاٹی جا رہی تھیں...... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ بے کسی اور بے بسی کے عالم میں خلاط کے نواح میں ڈیرے ڈال کر اپنے خطوط کے جواب میں کسی غیبی مدد کے منتظر تھے......

تاتاریوں کا ایک لشکر ان کے تعاقب میں ''دریائے برکرتی'' عبور کر چکا تھا (۴۲) جبکہ ایک دوسری فوج مراغہ پر قبضہ کر چکی تھی۔ اسلامی ممالک سے سلطان کی امداد کے تمام امکانات کو روکنے کے لیے تاتاریوں کے ایلچی تمام مسلم حکمرانوں کے پاس پہنچ چکے تھے اور انہیں خبردار کر رہے تھے کہ وہ ہرگز ہرگز سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی مدد و اعانت نہ کریں، ورنہ مملکتِ تاتار سے ان کے تعلقات خراب ہو جائیں گے اور پھر حالات کی سنگینی کی تمام ذمہ داری انہی پر ہوگی۔ سلطان کی طرف سے اپنی ہمسایہ ریاستوں آمد اور ماردین کے امراء کے نام بھی مراسلے بھیجے گئے مگر ان عیش پرست حکمرانوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔ (۴۳)

مستقبل کا فیصلہ..... سلطان جلال الدین کی پکار اور تاتاریوں کی دھمکی عالمِ اسلام کے اعلیٰ ایوانوں میں پہنچ چکی تھی۔ سلطان کے خطوط اور تاتاریوں کے عتاب نامے ان کے سامنے تھے۔ سربراہانِ مملکت اپنے پُرتعیش، مرمریں محلات میں اپنے مصاحبین اور امراء کے ساتھ آرام دہ نشستوں پر بیٹھ کر، آگ اور تلوار کی زد میں آئے ہوئے مسلمانوں کے مستقبل کا فیصلہ کرنے لگے تھے..... مؤرخ دم سادھے کھڑا تھا کہ شاید اس نازک گھڑی میں مسلم سربراہوں کو صحیح اور جرأت مندانہ فیصلہ کرنے کی توفیق ہو جائے اور اسلام کی تاریخ کا ایک روشن باب وجود میں آسکے......

مگر...... اسے مایوسی ہوئی...... اسلامی سربراہوں کی غیرت و حمیت مر چکی تھی...... فانی عیش و عشرت کے نشے نے ان کی قوتِ فیصلہ سلب کر لی تھی...... وہ موت کے تصور سے لرزہ براندام تھے اور سر جھکا کر زندہ رہنا چاہتے تھے...... وہ ذلت کی زندگی کو عزت کی موت پر ترجیح دے چکے تھے..... تاتاریوں کی ناراضگی کا خوف انہیں حواس باختہ کر رہا تھا، جبکہ سلطان کا مبنی بر حقیقت پیام ان کی نگاہوں پر پڑے پردے ہٹانے سے قاصر تھا، (۴۴) ملک الاشرف کو گویا سانپ سونگھ گیا..... کیقباد کی رگِ حمیت نہ پھڑکی..... شہاب الدین غازی نے اپنے لقب کی لاج رکھنے کی کوشش نہ کی۔ (۴۵) آمد اور ماردین کے حکام نے تو سلطان کا مکتوب سننا تک گوارا نہیں کیا۔

رہے خلیفۃ المسلمین تو ''تمام امت کا سرپرست'' ہونے کی حیثیت سے وہ ہمیشہ اپنی مصلحتوں کا لحاظ رکھ کر قدم اُٹھانا پسند کرتے تھے۔ بھلا سلطان جلال الدین کا ساتھ دے کر وہ تاتاریوں کو بغداد پر حملہ آور ہونے کا موقع کیوں فراہم کرتے؟

سفیروں کی واپسی..... شہاب الدین النسوی الملک المظفر کے قصرِ شاہی سے روانہ ہونے کو تھے کہ برکری کے علاقے سے مخبر نے تاتاریوں کے دریا عبور کرنے کی خبر بھیجی۔ الملک المظفر نے رقعہ پڑھ کر النسوی کو روک لیا اور کہا:

''تاتاریوں نے خلاط کے نواح میں دریا عبور کرلیا ہے۔ لہٰذا چند ایک دنوں میں سلطان سے ان کی فیصلہ کن جھڑپ ہونا لازمی ہے۔ اب تمہارا جانا خطرے سے خالی نہیں۔ بہتر ہے یہیں ہمارے پاس ٹھہر کر انتظار کرو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔''

النسوی نے اس پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۵ تلاوت کی: ''لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

بلا عذر جہاد سے رک کر گھروں میں بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کو لے کر جہاد کرنے والے، کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔''

پھر کہا: ''نہ تو میں سلطان سے زیادہ معزز ہوں اور نہ ہی سلطان کے بعد زندہ رہنا چاہتا ہوں۔''

یہ کہہ کر انہوں نے سفر کے لیے کمر کس لی۔ جب وہ روانگی سے قبل الوداعی مصافحہ کرنے الملک المظفر کی طرف بڑھے تو کہا: ''دو میں سے ایک بات ہونے کو ہے۔ یا تو سلطان جلال الدین کو فتح ہوگی یا شکست۔ اور کچھ بھی ہو اس کا انجام حسرت وندامت کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔''

''وہ کیسے؟'' الملک المظفر نے حیران ہوکر پوچھا:

''وہ اس طرح کہ اگر سلطان کو فتح ہوئی تو آپ جو کہ آج ان کی اعانت سے جی چرا رہے ہیں، اس وقت انہیں دنیا جہان کے خزانے بھی پیش کردیں، تب بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ سلطان کو شکست ہوئی تو جب آپ کو تاتاریوں سے پالا پڑے گا تب آپ سلطان کو یاد کر کے افسوس کیا کریں گے۔''

''بالکل سچ کہا مگر میں کیا کروں، مجبور ہوں۔'' الملک المظفر نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ (سیرۃ جلال الدین، ص: ۴۷۴)

بھیانک خواب..... النسوی الملک المظفر کے دربار سے رخصت ہوئے اور پوری رفتار سے سلطان کی خدمت میں حاضری کے لیے حانی کی سمت روانہ ہوگئے۔ انہیں اطلاع ملی تھی کہ سلطان اب جبل الجور کے آس پاس کہیں ہیں۔ دن بھر پوری تیزی سے سفر کے بعد مغرب کے وقت انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اس کے بعد رات بھر سفر جاری رہا۔ اسی دوران انہیں نیند کا ایک جھونکا آیا۔ تب انہوں نے ایک بھیانک خواب دیکھا۔ ان کا سر پتھر تلے دبا ہوا تھا۔ ڈاڑھی اور سر کے بال اڑے ہوئے تھے جیسے انہیں جلا دیا گیا ہو۔ النسوی کہتے ہیں:

''میں نے خواب ہی میں اس خواب کی تعبیر نکالی...... یہ سر سلطان جلال الدین کا ہے...... جس کا مطلب ان کی موت ہے...... ڈاڑھی کٹنے کا مطلب خاندان کی عورتوں اور باندیوں کی گرفتاری

ہے.....سر کے بال منڈے ہونے کا مطلب مال سے محرومی ہے۔''[۴۶]

وہ ہڑ بڑا کر نیند سے بیدار ہوئے۔ پھر فکر کی وجہ سے ان کی آنکھ نہ لگ سکی۔ دل پر ایسا ملال طاری ہوا کہ صبح تک کسی سے بات تک نہ کر سکے۔ دن کی روشنی میں یہ قافلہ حانی پہنچ گیا۔ یہاں سلطان کے اہل وعیال اور حرم کے خیمے ایک وادی میں لگے ہوئے تھے جبکہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ امید وبیم کی کیفیت میں خلاط سے کچھ فاصلے پر جبل الجور کے قریب ایک خفیہ جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔[۴۷] ان کے تمام سفیر یکے بعد دیگرے واپس پہنچ چکے تھے اور سب نے اپنی کوششوں کی ناکامی کی خبر دے دی تھی۔[۴۸]

یہیں النسوی نے حاضرِ خدمت ہو کر اپنی سفارت کے انجام سے آگاہ کیا۔ سلطان کو یقین ہو گیا کہ اب انجام قریب ہے.....تقدیر کا اٹل فیصلہ نافذ ہو کر رہے گا۔

مجلسِ اقوامِ عالم کو بتاؤں کس طرح میں نہیں عیسیٰ تو مردوں کو جگاؤں کس طرح

اس حالت میں وہ شرعاً مخلوقِ خدا کی نگہبانی کے مسئول نہیں رہے تھے، تاہم اپنی اور اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کی جان اور عزت وآبرو کو بچانے کے لیے ظاہری اسباب اختیار کرنے کے وہ اب بھی مکلف تھے۔

اتر خان کی کوتاہی..... سلطان جلال الدین اپنے ساتھیوں سے صلاح ومشورہ کر رہے تھے کہ ''کوکہ تحکم'' نامی ایک سردار کو ان کی خدمت میں پیش کیا گیا، وہ پہلے تاتاریوں کی ماتحتی قبول کیے ہوئے تھا مگر پھر اس سے کوئی جرم سرزد ہوا تو سزا کے خوف سے اپنے ایک ہزار سپاہیوں سمیت ان کے لشکر سے بھاگ نکلا۔ اس نے سلطان کو بتایا کہ تاتاری اپنے کیمپ میں اپنے گھوڑوں کی نعل بندی کر رہے ہیں تاکہ دور تک سلطان کا تعاقب کیا جاسکے۔ اس نے مشورہ دیا کہ گھات لگا کر تاتاریوں پر اس وقت حملہ کیا جائے جب وہ راستے میں لوٹ مار میں مشغول ہوں۔ سلطان کو یہ مشورہ بہت پسند آیا۔

اسی دوران انہیں تاتاری لشکر کے قریب تر آنے کی خبر ملی۔ مٹھی بھر شکستہ دل سپاہیوں کے ساتھ اس لشکر سے مقابلہ آسان نہیں تھا۔ بہر حال سلطان نے جنگی چالوں کو کام میں لانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ایک کارگر منصوبہ ترتیب دیا اور اپنے سالاروں کو تفصیلات سمجھا کر امیر اتر خان کو حکم دیا کہ وہ چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر دشمن پر حملہ کرے اور پھر پسپا ہو کر اس مقام تک آجائے جہاں باقی ماندہ مجاہدین پہلے سے گھات میں ہوں گے۔

اس وقت سلطان کی کمان میں چار پانچ ہزار سپاہی موجود تھے جو کہ اس بے سروسامانی کے عالم میں بھی سلطان کا ساتھ نبھا رہے تھے، اگر ان کے افسران سلطان کی منشاء اور حکمتِ عملی کے مطابق کام کرتے رہتے تو وقت کا یہ صاحبِ عزیمت انسان شاید راکھ کے ڈھیر ہی سے کوئی نیا قلعہ تعمیر کر لیتا اور ناموافق حالات کو ایک بار پھر حسن تدبیر سے اپنے حق میں کر لیتا.....مگر صد افسوس کہ سلطان کے معتمد افسران بھی اب اپنے فرائض کی انجام دہی سے بے گانہ ہو چکے تھے، انہی میں سلطان کا خالہ زاد اتر خان بھی شامل تھا۔ بزدلی اور بے وفائی کے جراثیم اسے بھی قلبی مریض بنا چکے تھے۔ وہ بھی تاتاریوں سے لڑائی بھڑائی کو خودکشی کے مترادف سمجھنے لگا تھا، اس لیے سلطان کا حکم سن کر وہ بادلِ نخواستہ کچھ دور تک گیا اور پڑاؤ سے چند میل دور تک کا جائزہ لینے کے بعد تاتاری فوج کے آثار نہ پا کر لوٹ آیا۔ اس نے سلطان کو مطمئن کرنے کیلئے کہہ دیا کہ تاتاری ملازکرد کی طرف مڑ گئے ہیں۔

جب سلطان نے یہ بات النسوی کو بتائی تو انہوں نے سلطان سے کہا: ''یہ کیسے ممکن ہے کہ تاتاری آپ پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑوں پر سوار چلے آ رہے ہوں اور پھر راستے ہی سے مڑ گئے ہوں۔''

سلطان نے جواب دیا: ''یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیا تمہیں یاد نہیں کہ جب ہم نے خلاط کا محاصرہ کیا تھا، اس وقت بھی کچھ حریف حملہ کرنے روانہ ہوئے تھے، جب انہیں پتا چلا کہ ہم شام کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں تو وہ گھبرا کر خود ہی واپس چلے گئے تھے۔'' (سیرۃ جلال الدین، ص: ۳۷۸)

مگر النسوی کی تشویش دور نہ ہوئی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ تاتاری بغیر لڑے کیسے واپس جا سکتے ہیں۔ بات بھی یہی تھی۔ تاتاری لشکر اسی طرف بڑھ رہا تھا اور صرف ایک آدھ دن کے فاصلے پر تھا، اتر خان نے جھوٹ بولا تھا۔ (۲۹) کاش! وہ اس تباہ کن غفلت اور خطرناک غلط بیانی کا مظاہرہ نہ کرتا۔ کاش سلطان النسوی کی بات پر توجہ دے لیتے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو امید کی جا سکتی تھی کہ سلطان اس موقع پر کم از کم اپنی مدافعت کر لیتے اور شاید آئندہ انہیں اپنی طاقت میں اضافہ کر کے اللہ کی مدد و نصرت سے تاتاریوں کو شکست دینے کا موقع بھی مل جاتا۔

حاکمِ آمد کا فریب...... اتر خان کی دروغ گوئی پر یقین کر کے سلطان جلال الدین اور ان کے امراء تاتاریوں کے کسی فوری حملے سے بے فکر ہو چکے تھے۔ اب وہ آپس میں یہ طے کر رہے تھے کہ بھاری ساز و سامان کو دیارِ بکر کے کسی قلعے میں محفوظ کر کے صرف اپنے بال بچوں سمیت اصفہان چلے جائیں جو اپنی مضبوط فصیل کے باعث ابھی تک تاتاریوں کی زد سے محفوظ تھا۔ یہ رائے بہت صائب تھی، اس طرح سلطان اور ان کے ساتھیوں کو کم از کم پانچ چھ ماہ کی مہلت مل جاتی اور اتنی مدت میں وہ از سرِ نو فوج تیار کر سکتے تھے۔

مگر اسی اثناء میں آمد کے دغاباز و شاطر حاکم الملک المسعود کا قاصد علم الدین سنجر حاضر ہوا، اس نے سلطان کو اپنے آقا کا مکر و فریب پر مبنی دعوت نامہ پیش کیا۔ حاکم آمد نے کہا تھا: آپ کسی اور جانب رختِ سفر باندھنے کے بجائے مجھ سے آملیں اور سلاطین روم و شام کے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیں کیوں کہ اس وقت ان کی حفاظت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میں اس مہم میں بذاتِ خود آپ کے پاس حاضر رہوں گا اور اپنی چار ہزار سپاہ کے ساتھ تاتاریوں کے خلاف آپ کے شانہ بشانہ لڑوں گا۔ نیز یہاں آ کر آپ قبچاقی قبائل کے بھی قریب ہو جائیں گے اور بوقتِ ضرورت ان سے مدد لے سکیں گے۔

حاکمِ آمد کا یہ پیام خلوص سے یکسر خالی اور سراسر بدنیتی پر مشتمل تھا۔ وہ سلطان کو محض آلۂ کار بنا کر سلاطین روم و شام سے اپنا علاقہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس کی جانب سے تاتاریوں کے خلاف جہاد میں سلطان کا ساتھ دینے کا وعدہ محض بہلاوا تھا، مگر حاکمِ آمد کے قاصد علم الدین سنجر نے چرب زبانی کے ساتھ ایسے سبز باغ دکھلائے کہ سلطان اور ان کے بے سہارا ساتھیوں کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ تعاون کی اس غیر متوقع پیشکش کو نہ ٹھکرائیں۔

''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے بمصداق انہوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا اور اصفہان کے سفر کا خیال ترک کر کے آمد کی طرف کوچ کر دیا۔ (۳۰)

النسوی لکھتے ہیں:

''سلطان کی مثال اس وقت ایسے پیراک کی سی تھی جو تھک ہار کر ڈوب رہا ہو اور اپنی طرف آنے

والے ہر ہاتھ کو تھامنا چاہتا ہو۔''

تاتاریوں کے محاصرے میں ...... آمد کی سمت سفر کے دوران رات کے وقت سلطان جلال الدین ایک پُل کے قریب پڑاؤ ڈالا...... کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہ خاموش اور تاریک رات اپنے دامن میں کیا کیا المیے لیے آئی ہے۔ سلطان کے کاتب شہاب الدین النسوی کو ایک انجانی سی بے چینی لاحق تھی، نیند نہیں آرہی تھی، انہوں نے جاگ کر کچھ لکھتے رہنے کا سوچا۔ دیر تک اپنے خیمے میں شمع جلا کر قلم سنبھالے لکھنے لکھانے میں مشغول رہے، نامعلوم وہ کیا لکھ رہے تھے، شاید مسلم فرمانرواؤں کے نام خطوط یا سلطان کے حالات، انہیں کیا خبر تھی کہ اپنے آقا کے ساتھ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہے...... ادھر سلطان جلال الدین اس رات بہت گہری نیند نے آدبایا تھا، دراصل ذہنی تناؤ کے علاوہ انہیں شدید تکان لاحق تھی، سردرد کی بھی شکایت تھی، انہوں نے سونے سے پہلے جی بھر کے نبیذ پی تھی جس کا خمار ان پر چھا گیا تھا، چنانچہ اب وہ بے خبر سو رہے تھے۔

یہی وقت تھا جب ایک تاتاری فوج اس علاقے میں آن پہنچی، یہ فوج اسی تاتاری لشکر کا حصہ تھی جس کے بارے میں اتر خان نے ملازکرد کی جانب مڑ جانے کی جھوٹی خبر دی تھی۔ اس کی قیادت منگول سردار ''بایماس نویان'' کر رہا تھا۔ اسے تاتاری خاقان اوکتائی نے سپہ سالار جرماغون کی ماتحتی میں سلطان کے خلاف کارروائی کے لیے بھیجا تھا اور روانگی کے وقت اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تھا:

''تمام سرداروں میں سے تُو وہ ہے جو سلطان جلال الدین کا کام تمام کرے گا۔''

سلطان جلال الدین کو گرفتار کرنا چنگیز خان کی زندگی کا نہ پورا ہونے والا ارمان تھا جو اب تاتاریوں کے لیے ایک قومی چیلنج بن چکا تھا۔ نئے خاقان اوکتائی کے نزدیک بھی سلطان کی گرفتاری ہر کام سے زیادہ اہم تھی۔

بایماس کئی ماہ سے سلطان کے تعاقب میں تھا اور اب جاسوسوں سے لی گئی معلومات کے مطابق صحیح جگہ پہنچ گیا تھا، اسے حتمی طور پر علم تھا کہ سلطان اسی پڑاؤ میں بذاتِ خود موجود ہیں۔ وہ رات کی تاریکی میں بڑی آسانی سے سلطان کی خوابیدہ فوج کو روند سکتا تھا مگر اس طرح اسے سونپا گیا اصل ہدف ضائع ہوجانے کا خدشہ تھا، اصل میں تاتاریوں کو تجربہ ہو چکا تھا کہ سلطان کے لیے رات کی تاریکی میں سخت سے سخت نرغہ ابھی مکڑی کا جالا ثابت ہوتا ہے، اس لیے بایماس دن کے اجالے میں سلطان کو پکڑنا چاہتا تھا۔

تاتاری لشکر سلطان کے پڑاؤ سے ایک منزل دور تیار حالت میں کھڑا رہا، اس دوران نصفِ شب کے قریب کوئی ترکمان مسلمان وہاں سے گزرا۔ اس نے اجنبی گھڑسواروں کی آہٹ محسوس کی اور چوکنا ہو گیا۔ اس نے غور سے دیکھا تو بہت سے ایسے سوار دکھائی دیے جو سیاہ گھوڑوں پر سوار تھے اور رات کے اندھیرے کے باوجود وہ قدوقامت میں غیر ملکی معلوم ہوتے تھے۔ [۳۱] اس نے تیزی سے سلطان کی خیمہ گاہ کی طرف دوڑ لگا دی، وہاں پہنچ کر اس نے سلطان کے افسران کو کہہ کر سلطان کو جگانے کی کوشش کی۔ گہری نیند، سردرد اور تکان کی وجہ وہ بمشکل بیدار ہوئے ترکمانی کو ان کے پاس لایا گیا۔ اس نے سلطان کو خطرے سے خبردار کرتے ہوئے کہا:

''سلطان عالی! جہاں کل آپ کی فوج کا پڑاؤ تھا وہاں آج ایک اجنبی فوج نظر آرہی ہے، ان کی وردیاں آپ کی فوج سے مختلف ہیں، گھوڑوں کے رنگ سیاہ ہیں۔''

سلطان نے اس بات کو ذرا بھی سنجیدگی سے نہیں لیا، دراصل ان دنوں سلطان کی فوج جس علاقے سے بھی گزرتی تھی، وہاں کے مقامی لوگ خوفزدہ ہوجاتے تھے کہ سلطان کی وجہ سے کہیں تاتاری ہمیں نہ روندڈالیں، اسی لیے ہر شہر کے باشندے خوارزمیوں کے قافلے کو اپنے علاقوں سے جلداز جلد نکالنے پر تلے نظر آتے تھے اور اس کے لیے تاتاریوں کی آمد کی افواہیں اُڑاتے رہتے تھے۔ ان تلخ تجربات کے تحت سلطان نے اس ترکمانی شخص کی سچی اطلاع کو بھی بدنیتی پر محمول کرتے ہوئے کہا: ''یہ محض ایک حیلہ ہے، ہمیں یہاں سے بھگانے کے لیے ان لوگوں کا ایک بہانہ ہے جو اپنے علاقوں سے ہمارا گزر پسند نہیں کرتے۔''

یہ کہہ کر سلطان پھر سو گئے۔ عام حالات میں سلطان سے ایسی بے فکری کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی مگر نہ معلوم کیوں اس رات وہ خلافِ عادت بالکل بے پروا اور مطمئن تھے۔ لگتا تھا وہ تمام خطرات اور پریشانیوں کو جھٹک کر دیر تک آرام کرنا چاہتے ہیں۔

اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر صبح صادق سے پہلے تاتاری لشکر نے سلطان کی خیمہ گاہ کو گھیر لیا۔ تاتاری جانتے تھے کہ ایک لاکھ مسلمان سپاہیوں کو قتل کر دینا مسلمانوں کو اتنا کمزور نہیں کرسکتا جتنا کہ ایک اکیلے سلطان کی گرفتاری۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اندھیرے میں سلطان کی پوری فوج کو کچلنے کا موقع ہاتھ سے جانے دیا۔ وہ خوارزمی پڑاؤ کے چاروں طرف پھیل گئے اور چپ چاپ صبح کی روشنی کا انتظار کرنے لگے تاکہ اگر اُس وقت سلطان جلال الدین گھیرے سے نکل بھی جائیں تو ان کا تعاقب دشوار نہ ہو۔

خوش قسمتی سے سلطان کے لشکر کا ایک جری سردار اُور خان اپنی کچھ فوج کے ساتھ پیچھے رہ گیا تھا، اسے علی الصبح تاتاریوں کی نقل و حرکت کا علم ہوگیا۔ اس نے فوراً سپاہیوں کو تیار کر کے دشمنوں پر بھرپور حملہ کردیا، تاتاری جو مسلمانوں کو خوابِ خرگوش میں مدہوش سمجھ کر بے پروا تھے عقب سے ہونے والے اس یکدم حملے سے ہکا بکا رہ گئے، اور خان نے ان کا گھیرا توڑ ڈالا اور انہیں جلد ہی بھاگنے پر مجبور کردیا۔ [۴۲]

آخری تعاقب..... اس دوران سلطان کی خیمہ گاہ میں ہل چل مچ گئی، جس کا منہ جدھر اٹھتا تھا وہ ادھر بھاگ رہا تھا، شہاب الدین النسوی جو رات کے آخری پہر سو گئے تھے، اب تک اپنے خیمے میں بے سدھ پڑے تھے۔ ایک غلام نے ادھر سے گزرتے ہوئے چلا کر کہا: ''اٹھیے اٹھیے، دیکھیے کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔''

النسوی کا کہنا ہے: ''میں ہڑبڑا کر اٹھا، جلدی جلدی کپڑے بدلے اور اپنا سب کچھ وہیں چھوڑ چھاڑ کر روانگی کے لیے تیار ہوگیا۔''

سلطان جلال الدین خلافِ عادت اس ہنگامے میں بھی بے خبر سوتے رہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ تمام تفکرات، پریشانیوں اور ذمہ داریوں سے یکسو ہو کر سالہا سال کی تکان اُتار رہے ہیں۔ اُور خان نے شاہی خیمے میں جا کر سلطان کو جگایا اور سارا قصہ سنایا۔ تاتاری پسپا ہو کر زیادہ دور نہیں گئے تھے، خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا، دشمن کسی بھی وقت دوبارہ حملہ آور ہوسکتا تھا، سلطان نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے وہاں سے کوچ کر جانا ضروری سمجھا۔ [۴۳]

اس وقت تک النسوی اپنے گھوڑے پر سوار ہوچکے تھے اور بڑی بے چینی سے سلطان کے خیمے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا سلطان کا خادمِ خاص ان کا ہاتھ تھام کر انہیں سنبھالے ہوئے خیمے سے باہر لا رہا ہے۔ تھکن

اور بے آرامی سے سلطان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ انہوں نے شاہی لباس کی جگہ سفید رنگ کی درویشانہ ٹوپی پہنی ہوئی تھی جسے "طاقیہ" کہا جاتا تھا۔ یہ النسوی کی سلطان پر آخری نگاہ تھی۔ اس کے بعد انہیں اپنے محبوب سلطان کو دوبارہ دیکھنا کبھی نصیب نہ ہوا۔

خادم نے سلطان کو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار کرایا۔ اسے ایڑ لگانے سے پہلے سلطان نے اپنی ملکہ خاتون بنت اتابک سعد کو بلوایا جو موت و زیست کے اس سفر میں اب تک ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ اسے دو معتمد امیروں کی حفاظت میں دے کر حکم دیا کہ اس جگہ سے جتنا دور جا سکتے ہیں چلے جائیں اور کسی محفوظ مقام تک پہنچیں۔ (۳۴)

چونکہ تاتاری لشکر تھوڑے ہی فاصلے تک پسپا ہوا تھا اور کسی بھی لمحے دوبارہ نمودار ہو سکتا تھا۔ اس لیے سلطان جلال الدین خطرے کی زد سے دور نکلنے کے لیے فوراً ایک طرف روانہ ہو گئے۔ اس افراتفری میں النسوی، بہت سے امراء اور سپاہی اِدھر اُدھر نکل گئے، ان میں سے کسی کو پتا نہ چلا کہ سلطان کہاں ہیں اور باقی خوارزمی لشکر کدھر گیا ہے۔

اُدھر سلطان کے روانہ ہوتے ہی تاتاری سائے کی طرح ان کے پیچھے لگ گئے۔ آخر کار سلطان نے ان کو چکمہ دینے کے لیے فوج کی کمان اُورخان کے حوالے کر دی اور اسے تاکید کی کہ کچھ دیر جم کر تاتاریوں کا مقابلہ کرے اور پرچم کو اپنی جگہ سے نہ ہٹنے دے۔ اُورخان کچھ دیر تک تاتاریوں کا جاں توڑ مقابلہ کرتا رہا مگر جب تاتاریوں کا دباؤ بہت بڑھ گیا تو اس نے سپاہیوں کو پسپائی کا حکم دے دیا، تاتاری سائے کی طرح اس کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس ہنگامے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان خود چند سپاہیوں کے ساتھ دوسری طرف مڑ گئے...... سلطان کو یقین تھا کہ ان کے چپکے سے ایک طرف نکل جانے کا کسی کو علم نہیں ہو سکے گا اور تاتاری بدستور فوج کا پیچھا کرتے کرتے دور نکل جائیں گے...... مگر تقدیر کے سامنے تدبیر کام نہیں دیتی، سلطان کا یہ چکمہ جو ہمیشہ کامیاب چلا آتا رہا تھا، اس موقع پر کارگر نہ ہوا۔

تعاقب کرنے والے تاتاریوں کو بھی جلد ہی خبر ہو گئی کہ سلطان فوج کے ساتھ جانے کے بجائے دوسری طرف مڑ گئے ہیں۔ چنانچہ تاتاریوں نے فوج کا پیچھا چھوڑ کر سلطان کی تلاش شروع کر دی۔ ان میں سے بعض نے پلٹ کر سلطان کی خیمہ گاہ کو لوٹا جہاں سے سلطان کے خیمے سے انہیں نادر جواہر کا وہ کمر بند بھی ملا جو صدیوں سے ایرانی بادشاہوں میں منتقل ہوتا آ رہا تھا اور جسے سلطان جلال الدین عید کے دن پہنا کرتے تھے۔ تاتاریوں نے یہ کمر بند خاقان اوکتائی کو بھیج دیا۔ (۳۵)

تاتاریوں سے بچ کر اُورخان تو کسی خاص دقت کے بغیر فوج کے چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ اربیل جیسے محفوظ شہر پہنچ گیا اور پھر موقع ملنے پر اسی فوج کو لے کر تاتاریوں سے بچتے بچاتے ہوئے اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا (۳۶)

مگر سلطان کے لیے مشکلات اور بڑھ گئیں، الگ راستہ اختیار کر کے انہیں کچھ دیر کے لیے تو تاتاریوں سے دور نکلنے کا موقع مل گیا مگر وہ فوج سے بالکل محروم ہو گئے۔ کسی آن بان، لشکر اور حفاظتی دستے کے بغیر اب وہ صرف چند وفاداروں کے ساتھ انجانی راہوں پر چلے جا رہے تھے۔

وہ شبِ تاریک میں سنسان اور پُر خطر راستوں پر اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے کسی نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھے جبکہ تاتاری اس سرزمین کے چپے چپے پر پھیل کر بھوکے درندوں کی طرح ان کی تلاش میں دیوانہ وار گشت کر رہے تھے۔

شامِ غم ایسی بلاخیز نہ دیکھی تھی کبھی   آسماں پر نہ رہا کوئی بھی تارا باقی
اب کہیں جمتی نہیں محفلِ اربابِ چمن   میں ہی بس رہ گیا اس بزم میں تنہا باقی
میرے لب پر تھے گیت بہاروں کے مگر   مڑ کے دیکھا تو وہ موسم ہی نہیں تھا باقی

منزل ہے کہاں تیری..... آگے چل کر سلطان جلال الدین نے پھر آمد کا رُخ کیا جہاں کے حاکم نے چند روز قبل انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا، لیکن سلطان کی حالتِ زار دیکھ کر اُس نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں اور شہر کے دروازے تک نہ کھولے، شہر کی فصیلوں سے سلطان کے لٹے پٹے قافلے پر سنگ باری کی گئی اور ان مصیبت زدگان کو واپس چلے جانے پر مجبور کر دیا گیا۔

سلطان نے یہاں سے بائیں جانب کی شاہراہ پر روانہ ہو گئے جو الجزیرہ کے شہروں کی طرف جاتی تھی، خوش قسمتی سے یہاں انہیں اپنی فوج کے سو گھڑ سوار مل گئے، جو اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ سلطان انہیں ساتھ لے کر آگے روانہ ہوئے مگر یہاں راستے میں ''دربندات'' کے بلند و بالا پہاڑ اور خطرناک درّے آ گئے، جن میں ڈاکوؤں اور رہزنوں کی اجارہ داری تھی، اس لیے وہ آگے نہ جا سکے۔ [۳۷] سلطان کے کئی ساتھی اس خطرناک علاقے میں مقامی شر پسندوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ [۳۸]

اتر خان کی بے وفائی اور اس کا انجام..... سلطان کا افسر اتر خان اس وقت تک سلطان کے ہمراہ تھا۔ اس نے سلطان کو واپسی کا مشورہ دیتے ہوئے کہا: ''اس وقت سب سے محفوظ راستہ وہی ہے جس سے تاتاری آئے تھے۔''

اس راستے پر سفر کر کے وہ میافارقین پہنچ سکتے تھے جو شہاب الدین الملک المظفر بن الملک العادل کا علاقہ تھا۔ [۳۹]

اتر خان کا یہ مشورہ سلطان کی خیر خواہی سے زیادہ اس کے اپنے مفادات کے لیے تھا۔ اصل میں وہ چار و ناچار سلطان کے ساتھ تھا اور علاحدگی اختیار کرنے کے لیے مناسب موقع تلاش کر رہا تھا۔ ان خطرناک پہاڑوں میں وہ تنہا سفر نہیں کر سکتا تھا، اس لیے وہ سلطان کے قافلے کی معیت میں وہ شہاب الدین الملک المظفر کے علاقے سے قریب تر ہونا چاہتا تھا، الملک المظفر کو وہ خفیہ خط و کتابت سے اپنی وفاداریوں کی پیش کش کر چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا، چاہے سلطان جلال الدین کو ایوبی خاندان سے مخاصمت کے سبب وہاں پناہ نہ ملے تو نہ سہی مگر مجھے اپنے خفیہ تعلقات کے باعث وہاں ضرور ٹھکانہ میسر آ جائے گا۔

میافارقین کے نواح میں شب بسری..... سلطان جلال الدین اپنے سو ساتھیوں کے ہمراہ لاتعداد دشمنوں اور ان کے مخبروں کی نگاہوں سے بچتے ہوئے وہ میافارقین کے قریب جا پہنچے [۴۰]، رات کی تاریکی چھا گئی تھی اور شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ مجبوراً سلطان نے مضافاتِ شہر کے ایک گاؤں کا رُخ کیا مگر گاؤں کے کسی گھر میں انہیں پناہ نہ مل سکی۔ آخر کار وہ اپنے وفاداروں کے ساتھ گاؤں کے کھلیان میں ٹھہر گئے۔ گھوڑے نہایت خستہ حال ہو رہے تھے اس لیے ان کو چرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ [۴۱]

اتر خان کی غداری اور انجام..... اتر خان کے لیے یہ سنہرا موقع تھا، وہ الملک المظفر کے علاقے سے قریب تر ہو چکا تھا، سو اس نے سلطان کو ان کے حال پر چھوڑا اور خود رات کی تاریکی میں الملک المظفر کی قدم بوسی کے لیے میافارقین روانہ ہو گیا۔ اتر خان کا یہ خیال تھا کہ خوارزمی ایوان کا سابق معتمد امیر ہونے کے لحاظ سے الملک المظفر کے ہاں اس کی

خوب آؤ بھگت ہوگی، مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ اولادِ عادل خوارزمی امراء کو اپنا بدترین دشمن گمان کرتی تھی۔ چنانچہ الملک المظفر نے اترخان سے کسی قسم کا بہتر سلوک کرنے کے بجائے اسے قید خانے میں ڈال دیا۔ کچھ عرصے بعد الملک الکامل شاہِ مصر نے اسے پابہ زنجیر اپنے پاس طلب کیا۔ الملک الکامل ہی کی قید میں امیر اترخان ایک دن چھت سے گر کر مر گیا۔ (۴۲)

جاتا ہے اک مسافرِ تنہا..... سلطان جلال الدین اور ان کے ساتھی رات بھر کھیتوں میں پڑاؤ ڈالے رہے، رات تو سکون سے گزر گئی مگر دشمن کے جاسوس یہاں بھی موجود تھے جس کی وجہ سے صبح تک تاتاریوں کو اس جگہ سلطان کی موجودگی کی اطلاع مل گئی۔

صبح کا اجالا پھیلتے ہی تاتاریوں کے ایک دستے نے علاقے کا محاصرہ کر کے سلطان کی خیمہ گاہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان جلال الدین اپنے دو جانثار غلاموں کے ہمراہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر ایک طرف نکل گئے، جبکہ اچانک حملے میں سلطان کے اکثر ساتھی شہید ہو گئے اور کچھ کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار شدگان میں سے کسی بزدل نے جان بچانے کے لیے تاتاریوں کو بتا دیا کہ ابھی اس سمت جو سوار گیا ہے، وہی سلطان جلال الدین ہے۔ یہ سنتے ہی تاتاریوں کے افسر نے پندرہ بہترین شہ سوار سلطان کے تعاقب میں روانہ کر دیے تاکہ اس سخت جان حریف سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ (۴۳)

اس دوران سلطان جلال الدین وقتی طور پر اپنے دونوں غلاموں کے ہمراہ دشمن کی زد سے دور نکل گئے تھے..... مگر قدم قدم پر خطرات کا سامنا تھا، سلطان کے یہ آخری دو وفادار بھی زیادہ دیر تک ان کا ساتھ نہ دے سکے اور آگے چل کر کردستان کے سفاک ڈاکوؤں سے کسی جھڑپ میں یہ دونوں جانثار غلام اپنے آقا پر قربان ہو گئے۔ (۴۴)
دھرتی کے سینے پر سلطان جلال الدین خوارزم شاہ حوادث و آلام کے نرغے میں بالکل تنہا رہ گئے۔ (۴۵)

اُبھری ہوئی ہیں دور پہاڑوں کی چوٹیاں　　جن کا سکوت پردہ کشِ روزگار ہے
جاتا ہے اک مسافرِ تنہا کسی طرف　　منزل ہے جس طرف نہ کوئی رہگزار ہے

ادھر پندرہ سواروں کا گروہ جو سلطان کے تعاقب میں تھا ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا، ان کے نیزوں کی انیاں اور تلواروں کی دھاریں سلطان کے خون سے غسل کے لیے بے تاب تھیں۔ ان سپاہیوں کو اوپر سے یہ احکام مل چکے تھے کہ سلطان کو گرفتار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے اور اگر وہ گرفتاری دینے پر آمادہ نہ ہوں تو بلا تامل انہیں قتل کر کے اس جھنجھٹ کو ختم کر دیا جائے۔ (۴۶)

سلطان نے پلٹ کر دیکھا، دشمن سر پر آ چکا تھا۔ ان کا تھکا ہوا گھوڑا زیادہ دیر تک انہیں دشمن کی پہنچ سے باہر نہیں رکھ سکتا تھا۔ خود سلطان کی حالت بھی خستہ تھی، مگر آفرین ہے ان کی ہمت اور حوصلہ مندی پر۔ اس حال میں بھی ان کا دل خوف سے دھڑکا، نہ ان کے دست و بازو کپکپائے۔ سلطان نے اپنی چمکدار تلوار نیام سے کھینچ لی جس کی کاٹ ابھی باقی تھی۔ ان کے بازوؤں کا زور ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ اگرچہ ملک وملت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ سے نکل چکی تھی مگر وہ دشمن سے اپنا دفاع کرنے کے گر نہیں بھولے تھے،

سلطان جلال الدین نے تلوار کے دستے پر گرفت مضبوط کر لی اور ان درندوں کو قریب آنے دیا۔ جیسے ہی ایک

تا تاری سوار ان کے قریب پہنچا...... سلطان کی تلوار شعلہ جوالا بن کر چمکی اور دشمن کا سر گردن سے الگ ہو کر دور جا پڑا۔ اگلے ہی لمحے دوسرا تا تاری سلطان پر حملہ آور ہوا، مگر سلطان نے ایک ہی وار میں اس کا سر بھی اُڑا دیا، تعاقب میں آنے والے بقیہ تیرہ سوار یہ منظر دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ان پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ انہوں نے آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا اور اُلٹے قدموں واپس لوٹ گئے۔ (۴۸)

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور گھٹا ٹوپ اندھیروں کی وسعتوں میں غائب ہو گئے۔

حسن کیا ہو خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو　　　شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

سلطان کا انجام؟ متضاد آراء...... اس المیہ داستان کا اختتام ایک سوالیہ نشان بن کر رہ جاتا ہے۔ سلطان کا انجام کیا ہوا؟؟ یہ ایک معما ہے جس کا جواب یقینی طور پر دینا مشکل ہے۔ (۴۹) بہت دنوں تک سلطان کے بارے میں کسی کو کوئی اطلاع نہ تھی۔ ایک عرصہ گزرنے کے بعد ان کے بارے میں طرح طرح کی خبریں اور افواہیں گشت کرنے لگیں، جن میں سے اکثر یقیناً من گھڑت تھیں اور بعض کسی درجے میں قابلِ اعتبار کہی جا سکتی ہیں۔ بہر حال سلطان کے انجام کے بارے میں مختلف داستانیں زبان زدِ خواص و عوام ہو گئیں۔ ان میں سے مشہور قصہ جو شہاب الدین النسوی نے نقل کیا ہے انہی کے الفاظ میں مندرجہ ذیل ہے، ناگزیر وضاحتی عبارتیں جو قوسین میں ہیں، راقم کی ہیں۔

''سلطان جلال الدین (تعاقب کرنے والے دشمنوں کو چکمہ دے کر کردستان کے) ایک پہاڑ پر پہنچ گئے، کرد باشندے اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے آنے جانے والوں کی نگرانی کیا کرتے تھے، اور جس پر بس چلتا اسے لوٹ لیتے تھے۔ (چونکہ اس وقت سلطان اپنی سواری سے محروم ہو کر پیدل چلے جا رہے تھے اور یقیناً بھوک پیاس اور تھکن سے ان کی حالت نہایت خستہ ہو چکی تھی اس لیے کسی دشواری کے بغیر) کردوں نے اپنی عادت کے مطابق سلطان کو بھی گرفتار کر لیا اور ان کا قیمتی لباس اور اسلحہ چھین کر ان کو قتل کرنے کے درپے ہو گئے، تب سلطان نے کردوں کے سرداروں سے کہا:

'میں سلطان جلال الدین ہوں، مجھے قتل کرنے میں جلدی نہ کرو، یا تو مجھے الملک المظفر بن الملک العادل کے پاس لے چلو، وہ تمہیں مالا مال کر دے گا۔ یا مجھے میرے شہر تک پہنچا دو، میں تمہیں حاکم بنا دوں گا۔'

کردوں کا سردار سلطان کی اس پیش کش پر انہیں ان کے شہر پہنچانے پر آمادہ ہو گیا، وہ سلطان کو اپنے گھر لے گیا اور انہیں اپنی بیوی کی نگرانی میں چھوڑ کر خود سلطان کے لیے سواری کا انتظام کرنے نکل گیا (چونکہ اس وقت تک ایک خوارزمی مسافر کی گرفتاری کی خبر پوری بستی میں پھیل چکی تھی لہذا) بستی والوں میں سے ایک اوباش اور بدفطرت شخص (جو خوارزمیوں سے سخت نفرت رکھتا تھا) فوراً سردار کے گھر پہنچا۔ (سردار کو نہ پایا تو) اس کی بیوی سے پوچھا: 'یہ خوارزمی کون ہے۔ تم نے اس کو ابھی تک قتل کیوں نہیں کیا۔'

خاتونِ خانہ نے جواب دیا: 'میرا خاوند اسے پناہ دے چکا ہے، اس لیے کہ یہ خوارزمیوں کا سلطان ہے۔'
اس شخص نے (نفرت آمیز لہجے میں) کہا: 'تم نے یہ تصدیق کیسے کی کہ یہ سلطان ہے۔ اور اگر

ہے بھی تو کیا ہوا، خوارزمیوں کے ہاتھوں میرا ایک بھائی خلاط کے محاصرے میں مارا گیا تھا۔ خدا کی قسم! وہ تمہارے اس خودساختہ سلطان سے کہیں زیادہ بہتر تھا، میں اس کا بدلہ لے کر رہوں گا۔'

اتنا کہتے ہی کرکردی اپنا نیزہ سنبھال کر سلطان پر جھپٹا (سلطان نہتے تھے، نیز تھکن اور خستہ حالی کی وجہ سے اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے تھے) کردی نے انہیں وہیں قتل کر دیا (شجاعت و بسالت کی شاندار تاریخ رقم کرنے والے مجاہد نے چند لمحوں میں جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔)[۴۹]

مذکورہ روایت کو اختصار و تفصیل کے اختلاف اور جزئیات کے فرق کے ساتھ بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

اس سے ذرا مختلف ایک اور روایت روضۃ الصفا میں منقول ہے، مؤلف روضۃ الصفا تحریر کرتے ہیں:

''بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ سلطان (کردستان کے) کوہستانی علاقے میں پہنچ کر ایک جگہ آرام کے لیے رکے (وہ تھکن سے چور تھے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند سو رہے تھے) اس دوران کچھ کردیوں نے ان سے لباس اور گھوڑا چھیننے کے لیے نیزہ ان کے سینے سے پار کر کے انہیں قتل کر دیا (سلطان حالتِ خواب ہی میں شہید ہو کر خالق حقیقی سے جا ملے)''[۵۰]

اس سے ملتی جلتی ایک روایت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں نقل کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''سلطان تنہا رہ گئے، اتنے میں انہیں میافارقین کے کسی گاؤں میں ایک کسان مل گیا، اس نے انہیں تعجب سے دیکھا کیوں کہ ان کا لباس جواہر اور سونے سے مرصع تھا، کسان نے پوچھا: 'آپ کون ہیں؟'

سلطان نے جواب دیا: 'میں خوارزمیوں کا بادشاہ ہوں۔'

چونکہ خوارزمیوں نے اس کسان کے بھائی کو قتل کیا تھا اس لیے کسان نے بظاہر تو سلطان کا اعزاز و اکرام کرتے ہوئے انہیں مہمان بنایا مگر جب وہ سو گئے تو کلہاڑی کا وار کر کے انہیں قتل کر دیا اور ان کے لباس پر قبضہ کر لیا۔ (حاکم میافارقین) شہاب الدین غازی کو اس کی خبر ہو گئی، اس نے کسان کو بلوا کر جواہر سے مرصع لباس ضبط کر لیا اور سلطان کا گھوڑا بھی اس سے لے لیا۔''[۵۱]

سلطان کی شہادت کی یہ روایات اس وقت پھیلیں جب کہ ان کی گمشدگی کے کچھ عرصے بعد آمد شہر میں کردستان کے کچھ مشکوک لوگ پکڑے گئے۔ ان سے نہایت بیش قیمت لباس اور اسلحہ برآمد ہوا جو کسی بادشاہ ہی کے لائق تھا۔ سرکاری کارندوں نے تفتیش کی تو سلطان جلال الدین کے سابقہ غلاموں میں سے کسی نے ان چیزوں کو شناخت کر کے بتایا کہ یہ لباس اور اسلحہ سلطان جلال الدین کے سوا کسی اور کا نہیں۔ اس انکشاف کے بعد گرفتار شدگان سے سختی سے باز پُرس کی گئی کہ تمہیں یہ لباس اور اسلحہ کیسے ملا تو انہوں نے مذکورہ واقعہ بیان کر دیا۔ آمد کے حکمران الملک المسعود نے اس تفتیش کے بعد گرفتار شدگان کو قتل کرا دیا۔ آمد میں ایک قبر تیار کرائی اور مقتول شخص کی نعش کو لا کر وہاں دفن کر دیا گیا۔[۵۲]

ادھر الملک المظفر بن الملک العادل نے بھی مذکورہ واقعہ سے مطلع ہونے کے بعد مقتول کے ہتھیار، تلوار، لباس اور گھوڑے کی زین منگوا کر سلطان کے کئی افسران سے جن میں اتر خان اور امیر آخور بھی شامل تھے تصدیق کروائی کہ یہ واقعی سلطان کا سامان ہے۔ بعد ازاں جائے وقوعہ پر کچھ آدمی بھیج کر مقتول کی ہڈیاں منگوائی اور خلاط میں تدفین کی۔[۵۳]

اس طرح سلطان کی دو قبریں بن گئیں جس کی وجہ سے حقیقتِ حال اور مشتبہ ہو گئی۔

شہاب الدین النسوی کو سلطان کی شہادت کی یہ روایت کچھ دیر سے موصول ہوئی تھی، ہوا یہ تھا کہ سلطان سے بچھڑ نے کے بعد تین دن تک وہ جنگلوں میں چھپے رہے، پھر ہفتوں تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے۔ اس دوران انہیں دو ماہ تک آمد میں نظر بند بھی رکھا گیا۔ خاصے دنوں بعد انہیں قید سے فرار کا موقع ملا، تب انہیں پتا چلا کہ سلطان کردیوں کے ہاتھوں شہید ہوگئے ہیں۔ (۵۴)

النسوی نے اس المناک خبر پر یوں نوحہ کیا ہے:

> ''اس سانحے سے زمانے کا گریباں چاک ہوگیا ہے، مصائب کا نشہ کافور ہوگیا ہے، پرچمِ دین سرنگوں نظر آتا ہے، اسلام کی عمارت ڈھے گئی ہے۔'' (۵۵)

الملک الاشرف کو اس کے درباریوں نے نہایت مسرت کے ساتھ سلطان جلال الدین کی موت کی خبر دی۔ اس نے بگڑ کر کہا:

> ''جانتے بھی ہو تم کس بات کی مبارک باد دے رہے ہو اور کس بات پر خوش ہو رہے ہو۔ عن قریب تم جلال الدین کی غیر موجودگی کے عواقب دیکھ لو گے۔ یہ حادثہ تاتاریوں کے عالمِ اسلام میں گھس جانے کا سبب بنے گا۔ جلال الدین خوارزمی تاتاریوں اور ہمارے درمیان سدِ سکندری کی طرح حائل تھا۔'' (النجوم الزاہرۃ، ج:۲،ص:۲۰۸، شاملہ)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ سلطان جلال الدین کی شہادت کا شہرہ ۶۲۹ھ کے اوائل میں ہوا، جبکہ ان کی شہادت کا واقعہ وسطِ شوال ۶۲۸ھ (اگست ۱۲۳۱ء) میں پیش آیا تھا۔ یہی ابن خلدون کا قول ہے۔ (۵۶)

دوسری رائے ..... سلطان کے خواص میں سے بعض افراد کردیوں کے ہاتھوں سلطان کی شہادت کے واقعے کی صداقت کا پورے شدومد سے انکار کرتے رہے۔ یہ سلطان کے وہ ساتھی تھے جو آمد اور میافارقین کے آس پاس سلطان کے کوچ و قیام میں آخر تک ان کے ساتھ تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ بعض لوگوں سے سلطان کا لباس اور اسلحہ برآمد ہو جانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے جس مقتول سے یہ لباس اور اسلحہ اُتارا ہے وہ سلطان جلال الدین ہوں۔

ان کا بیان تھا کہ سلطان جلال الدین جب آخری بار اپنے ساتھیوں سے رخصت ہوئے تھے تو اس وقت انہوں نے اپنا شاہی لباس اور اسلحہ اپنے سلاحدار کے پاس جمع کرادیا تھا اور خود ایک درویش کا بھیس بدل کر نامعلوم سمت چلے گئے تھے، (اس بات کی تصدیق النسوی کی تحریر سے بھی ہوتی ہے کہ خیمہ گاہ پر حملے کے وقت جب ان کی نگاہ آخری بار اپنے محبوب سلطان پر پڑی تھی تو اس وقت سلطان طاقیہ یعنی درویشوں والی ٹوپی پہنے گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے) لہٰذا شاہی لباس اور اسلحے کا حامل یہ مقتول سلطان جلال الدین نہیں تھا، بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ سلطان کا سلاحدار تھا جسے شاہی لباس اور اسلحے کی وجہ سلطان جلال الدین سمجھ لیا گیا، (۵۷) دوسری رائے کو بھی ایک بڑے طبقے نے قبول کرلیا اور ایک عرصے تک بہت سے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ سلطان جلال الدین کسی صوفی یا درویش کے روپ میں نگر نگر کی سیاحت کررہے ہیں۔ (۵۸) واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

سلطان کی روپوشی کے بعد ایک طویل زمانے تک تاتاریوں پر سلطان کا خوف سوار رہا۔ اگر کہیں افواہ پھیل جاتی کہ سلطان فلاں مقام سے گزر رہے ہیں تو تاتاریوں کی جان پر بن آتی۔ فی الفور تاتاری لشکر ادھر کا رُخ کرتا اور سلطان

کی تلاش میں دن رات ایک کر دیتا۔ سلطان کا کچھ اتا پتا نہ ملتا، مگر عوام کی شامت آ جاتی۔ تشدد، حراست، پوچھ گچھ اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ (۵۹)

کتنے ہی لوگوں کو سلطان جلال الدین کا اتا پتا معلوم کرنے کے لیے پُر تشدد کارروائیوں سے ہلاک کر دیا گیا اور کتنے ہی افراد کو سلطان جلال الدین گمان کر کے قتل کر دیا گیا۔ بعض ایسے مستانے بھی تھے جو سستی شہرت حاصل کرنے یا تاتاریوں کو خوفزدہ کرنے کے لیے جلال الدین خوارزم شاہ ہونے کا اعلان کر کے ماحول میں زلزلہ پیدا کرتے رہے، تاہم جلد ہی ان کی حقیقت کھل جایا کرتی تھی۔ ۶۳۳ھ میں ایک شخص نے اسپیدار کے علاقے میں یہ دعویٰ کیا کہ میں سلطان جلال الدین ہوں۔ تاتاری حاکم جنتمور نے اس کے مقابلے کے لیے اپنے ان سرداروں کو بھیجا جو سلطان جلال الدین کو برسرِ میدان اچھی طرح دیکھ چکے تھے، ان سرداروں نے اس شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کا جھوٹ ثابت کرنے کے بعد اسے قتل کر دیا۔

۶۵۲ھ میں ایک تجارتی قافلہ دریائے جیحوں کے کنارے پہنچا۔ دریا عبور کرنے سے قبل حفاظتی چوکی کے تاتاری سپاہیوں نے ان کی جانچ پڑتال شروع کی۔ اس قافلے میں انہیں درویشانہ صورت کا ایک شخص دکھائی دیا۔ تاتاری سپاہیوں نے اس فقیر کو شک کی نگاہوں سے دیکھا اور اسے حراست میں لے کر اس سے پوچھ گچھ شروع کی۔ تفتیش کے دوران اس فقیر نے اس بات کا اعتراف کر لیا کہ وہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ ہے۔ تاتاری اس پر تشدد کے بدترین حربے آزماتے رہے، مگر وہ ایک لمحے کے لیے بھی اپنے اقرار سے نہ پھرا، حتیٰ کہ اسی زدوکوب کے دوران اس کی روح پرواز کر گئی۔ (۶۰)

افواہوں اور دعووں کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا۔ بہر حال وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ سب کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔

تاتاریوں پر سلطان کا جو خوف طاری تھا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ سلطان کی شہادت یا روپوشی کے بعد عرصۂ دراز تک عبادت کے دوران اپنے فرضی معبود ''روحِ محافظ'' کا اس احسان پر شکر ادا کرتے کہ سلطان جلال الدین جیسے بہادر اور خطرناک دشمن کو اس کی امداد اور اعانت سے شکست ہوئی۔ (۶۱) ان کی اس مناجات کے مفہوم سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری قومی حیثیت سے سلطان جلال الدین کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کیا کرتے تھے۔

حواشی وحوالہ جات

① ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۷ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۹۳

② سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۰ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸

③ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۲ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶

اہل وعیال کی نگرانی کے بارے میں ذکر کردہ روایت جہان کشا کی ہے جسے قرائن کی تائید حاصل ہے۔ النسوی کا بیان اس سے مختلف ہے، وہ بتاتا ہے کہ تاتاریوں کے خطرے نے سلطان کو اس کی مہلت نہ دی کہ وہ اہل وعیال او رخزانے کو کسی قلعے میں محفوظ کر سکتے اور انہیں اہل وعیال کو تبریز ہی میں چھوڑ کر ہنگامی طور پر کوچ کرنا پڑا۔ دیکھئے سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۰۔ مگر آگے چل کر دونوں مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ سلطان نے اہل وعیال کو اپنے پاس بلا لیا تھا تاکہ اصفہان کی طرف کوچ کیا جائے۔ تاتاریوں کے آخری حملے کے وقت حرم سلطان کے ساتھ ہی تھا۔ دیکھیے: سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۷۹، ۳۸۰ ...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۸

④ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱ ...... خوارزم شاہی ص ۲۰۵ ...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۴۱

⑤ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱ ...... خوارزم شاہی ص ۲۰۵ ...... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۴۱

⑥ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۸ ...... مختصر الدول ص ۲۴۶

⑦ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۳ ⑧ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۳

⑨ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۱

⑩ سیرۃ جلال الدین ۳۵۳، ۳۵۴ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶

⑪ سیرۃ جلال الدین ۳۵۶ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۶

⑫ سیرۃ جلال الدین ۳۶۴ تا ۳۶۶ ...... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۸۵ ...... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹

⑬ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۸

⑭ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۳ ⑮ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۲

⑯ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۲ ⑰ سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۹

⑱ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹ ...... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹

⑲ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹

⑳ سیرۃ جلال الدین ص ۳۷۲ ...... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸

(۲۱) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۳......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸

(۲۲) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۴

(۲۳) ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۳

(۲۴) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹...... روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۳۲...... جہاں کشا، ج ۲ ص ۱۸۳......ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۹......تاریخ لابن الوردی ج ۳ ص ۲۲۶

(۲۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۴ (۲۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵

(۲۷) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹

(۲۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۸......خوارزم شاہی، ص ۲۱۵......ابن اثیر ج ۷ ص ۶۵۸

(۲۹) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۵......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۹......خوارزم شاہی ص ۲۱۵

(۳۰) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۷......خوارزم شاہی ص ۲۱۶......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸

(۳۱) سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۷۷، ۳۷۸...... جہاں کشاج ۲ ص ۱۸۸......مختصر الدول ص ۲۴۷......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸

(۳۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۸، ۳۷۹

(۳۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۸، ۳۷۹......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۳۴) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۹......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۳۵) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹...... جہاں کشاج ۲ ص ۱۸۹......تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف خا، ملک خاموش

(۳۶) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۳۷) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۳۸) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۰......خوارزم شاہی ص ۲۱۷

(۳۹) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۴۰) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۴۱) نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹ (۴۲) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

(۴۳) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

سلطان کے ساتھ دو غلاموں کے فرار ہونے کا ذکر ابن العبری نے کیا ہے، دیکھیے تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷

(۴۴) تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷

(۴۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱......البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۱۵۴......تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف جیم......خوارزم شاہی ص ۲۱۷

(۴۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱......خوارزم شاہی ص ۲۱۷......سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۹

⑰ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹
⑱ مؤرخ ابن اثیر نے سب سے زیادہ محتاط موقف اختیار کیا ہے، اپنی تاریخ کے اختتام تک وہ یہی تحریر کرتے رہے کہ اب تک سلطان جلال الدین کے بارے میں کوئی (باوثوق) اطلاع نہیں ملی۔
⑲ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۱، ۳۸۲ ⑳ روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۳۲
㉑ البدایہ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۴..... نیز دیکھیے، سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۴۵..... ابن الوردی ج ۳ ص ۲۳۱..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۱..... شذرات الذہب ج ۵ ص ۱۳۱..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۴..... خوارزم شاہی ص ۲۱۷، ۲۱۸
㉒ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۱..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷
㉓ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۲، ۳۸۳..... خوارزم شاہی، ص ۲۱۸
㉔ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۴۶۔ خوارزم شاہی ص ۲۶۹
㉕ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۲
㉖ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳، وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم۔ تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰
㉗ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۱..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷ (واضح رہے کہ سلاحدار فوج کے اس عہدے دار کو کہا جاتا تھا جو شاہی اسلحے کے ذخائر کا نگران اور ذمہ دار ہوتا تھا۔)
㉘ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۱..... روضۃ الصفاج ۴ ص ۸۳۲..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷
㉙ خوارزم شاہی ص ۲۱
㉚ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۹۱، ۱۹۲..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷
㉛ دنیا کے ظالم حکمران ص ۶۹

سلطان جلال الدین کی زندگی کے اہم معرکے
تاتاریوں سے معرکے
گرجیوں سے معرکے
عراق ایران اور گردونواح کے مقامی حکمرانوں سے محاذ آرائیاں
باطنی سلطنت پر یلغار
یاسی چمن کا معرکہ
الاسود
قفقاز
آرمینیا
تفلیس
آذربائجان
خلاط
خوی
آمد
دیار بکر
تبریز
مراغہ
اربل
الجزیرہ
شام
ہمدان
کرمان شاہ
خلافت بغداد
اصفہان
رے
شیراز
کرمان
فارس
خوارزم
نسا
مرو
نیشاپور
خراسان
ہراۃ
بوشنج
کابل
غزنی
قندھار
بست
پشاور
کشمیر
سیالکوٹ
لاہور
امرتسر
وادی کوہ کہار
کوہستان نمک
ملتان
دہلی
مکران
خضدار
سندھ
دیبل
ہندوستان
کاشغر

سلطان جلال الدین کے بعد عالمِ اسلام کی حالت زار

تا تاری (اربیل، کرخینی اور دقوقا میں) قتل و غارت گری کر کے اس طرح صحیح وسلامت واپس لوٹے کہ انہیں کسی کا خوف نہ تھا......ایک شہ سوار بھی ان کے راستے میں حائل نہ ہوا......دیار بکر، الجزیرہ، اربل اور خلاط میں انہوں نے جو چاہا حشر کیا......کسی نے ان کو نہ روکا......کوئی ان کے سامنے کھڑا نہ ہوسکا......سلاطینِ اسلام بلوں میں دبک گئے ہیں......اس پر مستزاد یہ کہ جلال الدین کی خیر خبر ملنا بھی منقطع ہوگئی ہے۔(تاریخ الکامل لابن اثیر)

سلطان جلال الدین کے بعد..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی شہادت یا روپوشی کے بعد تاتاریوں کے سیلِ آتشیں نے بلا روک ٹوک ممالکِ اسلامیہ میں قیامت برپا کردی۔ خونِ مسلم کی قیمت پانی سے ارزاں ہوگئی۔ ہر طرف شعلوں اور بجلیوں کا راج تھا۔ مسلمانوں پر وہ ظلم وستم ڈھائے جارہے تھے کہ جن کی مثال سے تاریخ خالی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ خود عوام وخواص کے دلوں پر دشمن کا اس قدر رعب طاری ہو چکا تھا کہ وہ تاتاریوں کے ہاتھوں بے بسی کے ساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہونے پر آمادہ تھے۔

جب تک سلطان جلال الدین کی شکل میں ایک حوصلہ مند راہنما تاتاریوں کے سامنے چٹان بن کر سربکف رہا، عامۃ المسلمین کے حوصلے بھی برقرار رہے، لیکن اس چٹان کے ریزہ ریزہ ہوتے ہی امیدوں کے تمام چراغ گل ہوگئے اور مایوسی اور کم ہمتی کے بادلوں نے ہر طرف تاریکی پھیلادی، اب مسلمان تاتاریوں کے خلاف تلوار اُٹھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سب سے افسوس ناک پہلو یہ تھا کہ کیقباد، اشرف اور الملک الکامل جیسے قوی فرمانروا جو سلطان جلال الدین کو راستے سے ہٹانے کے لیے اپنے سارے اختلافات بھلا کر متحد ہوگئے تھے، ان کربناک حالات میں چپ سادھے رہے، وہ اجتماعی یا انفرادی طور پر ایک پل کے لیے بھی اس دشمن کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر سکے اور انتہائی مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی پناہ گاہوں میں دبکے رہے۔

سلطان کی گمشدگی کے چند ہی ماہ بعد تاتاری دہشت گرد آذربائیجان، فارس اور عراق عجم سے گزر کر روم اور شام کی سرحدوں پر آگ اور خون کی ہولی کھیل رہے تھے۔ الجزیرہ کا کوئی شہر ان سے محفوظ نہ تھا۔ سیحون اور جیحون کے میدانوں میں رُکا ہوا آتش گیر لاوا اب دجلہ اور فرات کی وادیوں میں داخل ہو چکا تھا۔ آمد، ارزن، میافارقین اور اسعرد میں لاشوں کے انبار لگ چکے تھے۔ طنزہ، ماردین، خابور اور عرابان جیسے چھوٹے شہر ہی نہیں، بلکہ تبریز، نصیبین، موصل اور اربل جیسے بڑے بڑے شہر بھی تباہی سے محفوظ نہیں رہ سکے تھے۔ [1]

مسلم سلاطین بے بسی سے کفِ افسوس مل رہے تھے۔ اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ سلطان جلال الدین کا

ساتھ نہ دے کر انہوں نے اپنا سب سے بڑا محافظ کھو دیا ہے۔ سلطان سے آخر وقت تک بدترین سلوک روا رکھنے والا الملک الاشرف حسرت و یاس کی تصویر بن کر کہہ رہا تھا:

''جلال الدین ہمارے اور تاتاریوں کے درمیان ایک مستحکم دیوار کی طرح حائل تھا جیسا کہ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے مابین سدِ سکندری حائل ہے۔''②

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے   پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

اس دور کے ایک نامور مؤرخ موفق عبداللطیف بغدادی تاتاری دہشت گردیوں کی چند جھلکیاں نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تاتاریوں کی قید سے جو شخص بھی بھاگ نکلتا وہ اسے مار ڈالنے کے لیے ہر ممکن چال چلتے۔ جب وہ اپنی عیش و عشرت کی محفلیں آراستہ کرتے تو انہیں پُر لطف بنانے کے لیے قیدیوں کو بلواتے، ان اعضاء ایک ایک کر کے کاٹتے جاتے، قیدیوں کو تڑپتا دیکھ کر اور ان کی چیخ و پکار سن کر وہ خوشی سے قہقہے لگاتے، اس سے مزا لیتے، تلوار کی نوک ان کے پیٹ میں آہستہ آہستہ کر کے چبھوتے چلے جاتے۔ ان سے جس قدر رحم کی درخواست کی جاتی اتنا ہی ان کے ظلم وستم میں اضافہ ہوتا جاتا۔ خوبصورت خواتین ان کے ہاتھ لگ جاتیں تو کچھ دنوں تک ان کی عصمت دری کرنے کے بعد ہی انہیں قتل کرتے۔'' (تاریخ اسلام ذہبی طبقہ: ۶۲، حوادث: ۶۱۷ھ)

تباہی کے اس سیلاب کے چشم دید گواہ علامہ ابن اثیر اس قتل و غارت کے دل خراش مناظر بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''ایک شخص نے بتایا کہ میں تاتاریوں سے بچنے کے لیے بھوسے کی کوٹھڑی میں چھپ گیا، میں اس کے ایک سوراخ سے جھانک کر ان کو دیکھ رہا تھا۔ وہ جب بھی کسی آدمی کو قتل کرنے کے لیے جھپٹتے تو وہ شخص آگے سے چلا کر کہتا: ''لا باللہ...... نہیں نہیں!...... خدا کے لیے نہیں!!......'' مگر تاتاری اسے قتل کر کے ہی چھوڑتے۔ جب وہ بستی کے تمام افراد کے قتل سے فارغ ہو گئے، مال و متاع لوٹ چکے، خواتین کو قیدی بنا چکے، تو میں نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر ہنستے کھیلتے ہوئے چلے جا رہے ہیں اور اپنی بھونڈی سُروں اور تانوں کے ساتھ یہ گاتے جا رہے ہیں: ''لا باللہ، لا باللہ۔''

نیز علامہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں تاتاریوں کی ایسی ہیبت ڈال دی ہے کہ ان کے متعلق بیان کردہ واقعات کو سننے والا شاید ان کی صحت سے انکار کر دے۔ حد تو یہ ہے کہ ایک تاتاری کسی گاؤں یا مکان میں داخل ہوا جس میں لوگوں کا بہت بڑا مجمع موجود تھا، وہ اکیلا یکے بعد دیگرے سب کو قتل کرتا چلا گیا، کسی ایک کو بھی ہمت نہ ہوئی کہ اس سوار پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کرتا۔

مجھے ایک شخص نے اپنا یہ قصہ بھی سنایا کہ میں سترہ آدمیوں کے ساتھ راستے میں چلا جا رہا تھا کہ ایک تاتاری سوار آ دھمکا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم سب ایک دوسرے کے ہاتھ باندھ دیں۔ میرے ساتھی فوراً

حکم کی تعمیل کرنے لگے۔ میں نے حیران ہو کر ان سے کہا:

'ارے! یہ تو اکیلا ہے، کیوں نہ ہم اسے قتل کر دیں اور پھر بھاگ جائیں۔'

میرے رفقاء نے جواب دیا: 'ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔'

میں نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا: 'یہ تم سب کو اسی لیے قتل کر دینا چاہتا ہے، اس کے بجائے ہم اسے قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے۔'

اللہ کی قسم! میرے ساتھیوں کو پھر بھی کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، آخر میں نے ایک چھری اُٹھائی اور اسے قتل کر دیا اور ہم سب بھاگ نکلے اور جان بچالی۔ اس قسم کے واقعات بہت کثرت سے پیش آرہے ہیں۔''

نیز وہ تحریر کرتے ہیں:

''اب تو اللہ تعالیٰ خاص اپنی جانب سے اسلام اور مسلمانوں کی غیبی نصرت فرمائے، اس لیے کہ حکمرانوں میں اب ہمیں کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آتا جسے جہاد اور دین کی نصرت سے کوئی دلچسپی ہو، بلکہ وہ سب لہو و لعب اور رعایا پر ظلم و زیادتی میں منہمک ہیں...... یہ ایسے مصائب اور حوادث ہیں کہ زمانۂ قدیم سے لے کر دورِ حاضر تک لوگوں نے کسی درجے میں ان سے مشابہت رکھنے والے مصائب کی جھلک تک نہیں دیکھی۔ پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی مسلمانوں پر رحم و کرم فرمائے اور اس دشمن کو ان سے دور کرے۔ یہ سال (۶۲۸ھ) گزر گیا، لیکن ہمیں جلال الدین کی کوئی خبر نہیں ملی۔ ہم نہیں جانتے کہ وہ قتل کر دیا گیا ہے یا تاتاریوں کے خوف سے از خود روپوش ہو گیا ہے یا ہجرت کر کے دوسرے ممالک کی طرف چلا گیا ہے......''

تاتاریوں کی بلا روک ٹوک غارت گری کے وہ متعلق لکھتے ہیں:

''تاتاری (اربیل، کرخینی اور دقوقا میں) قتل و غارت گری کر کے اس طرح صحیح و سلامت واپس لوٹے کہ انہیں کسی کا خوف نہ تھا اور ایک شہ سوار بھی ان کے راستے میں حائل نہ ہوا...... دیار بکر، الجزیرہ، اربل اور خلاط میں انہوں نے جو چاہا حشر کیا، کسی نے ان کو نہ روکا، کوئی ان کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ سلاطینِ اسلام بلوں میں دبک گئے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ جلال الدین کی خیر خبر ملنا بھی منقطع ہو گئی ہے۔ اس کی کوئی اطلاع نہیں پہنچ رہی، لوگوں کو اس کا کچھ حال معلوم نہیں۔''

آخر میں علاّمہ موصوف فرماتے ہیں:

''مجھے ایک ایسے تاجر کا خط پڑھنے کا موقع ملا جو گزشتہ سال (یعنی ۶۲۸ھ میں) تاتاریوں کی آمد سے قبل رے میں آباد تھا۔ جب تاتاریوں نے رے پر چڑھائی کی تو اہلِ شہر نے اظہارِ اطاعت کر کے شہر ان کے حوالے کر دیا۔ بعد ازاں تاتاری آذربائیجان کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ تاجر بھی (ان کا حلقہ بگوش بن کر) ان کے ساتھ تبریز پہنچا، پھر اس نے موصل میں موجود اپنے رشتہ داروں کو خط میں لکھا:

'اس کافر دشمن پر اللہ کی لعنت ہو، ہم اس کا حال بیان کرنے اور اس کے لشکروں کی کثرت کا تذکرہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے کہ کہیں مسلمانوں کے دل خوف سے پارہ پارہ نہ ہو جائیں، بلاشبہہ معاملہ

بہت گھمبیر ہو چکا ہے، تم اس خام خیال میں مبتلا مت رہو کہ وہ لشکر جو نصیبین اور خابور تک جا پہنچا تھا اور وہ دوسرا لشکر جو اربیل اور دقوقا پر حملہ آور ہوا تھا، ان کا مقصد صرف لوٹ مار تھا...... نہیں ...... بلکہ وہ یہ معلوم کرنے آئے تھے کہ اسلامی ممالک میں ان کو روکنے والا کوئی ہے یا نہیں۔ پس انہوں نے واپسی پر اپنے بادشاہ کو آگاہ کر دیا ہے کہ یہ ممالک مزاحمت و مدافعت کرنے والوں سے بالکل خالی ہیں۔ لہٰذا ان کی حرص مزید بڑھ گئی ہے، اب وہ موسمِ بہار میں پھر تم پر حملہ آور ہوں گے۔ تمہارے لیے عالمِ اسلام کی مغربی سرحدوں کے سوا اب کوئی جگہ محفوظ نہیں رہی، بلاشبہ تاتاری تمام ممالک پر حملہ کرنے کا عزم کیے ہوئے ہیں، پس تم اپنی خیر مناؤ۔'

یہ تھا اس کے خط کا مضمون۔ پس اب ان حالات پر ''انا للہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم'' ہی کہا جا سکتا ہے۔ باقی رہا جلال الدین...... تو ۶۲۸ھ کے اختتام تک اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ اسی طرح ۶۲۹ھ میں ماہ صفر کے گزرنے تک بھی ہم اس کے حال سے واقف نہ ہو سکے۔'' (۳)

سلطان کے ساتھیوں کا انجام...... سلطان جلال الدین کی پُراسرار گمشدگی کے بعد ان کے امراء اور سپاہی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے۔ امیر اُورخان جو چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا ۶۳۹ھ تک وہیں رہا یہاں تک کہ تاتاریوں نے اصفہان پر قبضہ کر لیا۔

سلطان کے بہت سے سپاہی علاؤالدین کیقباد کی فوج میں شامل ہو گئے۔ ۶۳۴ھ میں کیقباد کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین کیخسرو تخت نشین ہوا تو اس نے شکوک و شبہات کی بناء پر ان کے افسرِ اعلیٰ کو قید کر دیا۔ باقی خوارزمی سپاہی فرار ہو گئے اور ایک عرصے تک آوارہ گردی اور لوٹ مار میں مصروف رہے۔ آخر کار ملک الصالح نجم الدین ایوب نے جو اپنے باپ الملک الکامل کی جانب سے حرّان، آمد اور کیفا کا حاکم تھا، اپنے باپ کی اجازت سے ان کو اپنی فوج میں شامل کر لیا۔ (۴)

سانحۂ بغداد...... تاتاریوں کا سیلِ بے کراں، عالمِ اسلام کے بڑے حصے پر قابض ہونے کے بعد مدینۃ الاسلام بغداد کے سامنے کئی سال تک موجیں مارتا رہا۔ قدرتِ خداوندی نے غفلت میں ڈوبے ہوئے قصرِ خلافت کے تاجداروں کو اپنی کوتاہیوں کو تلافی کے لیے ایک طویل وقفہ دیا، لیکن جب انہوں نے اس موقع سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا تو قانونِ فطرت نے ان کو دنیا کے لیے عبرت بنا کر رکھ دیا۔

بغداد میں مستنصر باللہ کا بیٹا مستعصم باللہ تخت نشین تھا، اس کے باپ نے تاتاریوں سے حفاظت کے لیے جو کم و بیش ایک لاکھ آزمودہ کار شہسوار تیار کر رکھے تھے، اس نے اپنے سیاہ باطن رافضی وزیر ابن علقمی کے مشورے سے ان میں مسلسل کمی جاری رکھی حتیٰ کہ صرف دس ہزار گھڑ سوار باقی رہ گئے۔ تب ابنِ علقمی کے اشارے پر چنگیز خان کا پوتا ہلاکو خان قہر کی بجلیاں گراتا ہوں دو لاکھ وحشیوں کے ساتھ بغداد پر حملہ آور ہو گیا۔

۱۲ محرم ۶۵۶ھ (۱۹ جنوری ۱۲۵۸ء) کو تاتاری بغداد کا سختی سے محاصرہ کر چکے تھے۔ خوف و دہشت اور محاصرے کی شدت سے اہل شہر کے ہوش اُڑ گئے۔ فوج میں لڑنے کی سکت نہ تھی، خلیفہ غم و اضطراب دور کرنے کے لیے خوبرو حسیناؤں کے نغمات اور رقص سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور تاتاری چاروں طرف سے شہر پر تیر برسا رہے تھے۔ ایک تیر

شاہی ایوان کی کھڑکی سے سنسناتا ہوا آیا اور خلیفہ کی محبوب ترین باندی عرفہ کے جسم میں پیوست ہوگیا۔ رقص کرنے والا بدن تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ خلیفہ نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے تیر کی طرف دیکھا، اس پر تحریر تھا:

"اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ اِنْفَاذَ قَضَائِهِ وَقَدْرِهِ اَذْهَبَ مِنْ ذَوِی الْعُقُوْلِ عُقُولَهُم." (جب اللہ تعالیٰ اپنا فیصلۂ قضاوقدر نافذ کرنا چاہتا ہے تو اہل دانش کی عقلیں چھین لیتا ہے۔)

خلیفہ مستعصم باللہ اپنے وزیر ابن علقمی کے اصرار پر سات سو جلیل القدر علماء، فقہاء، صوفیاء اور امرائے سلطنت کے جلو میں شہر سے نکل کر ہلاکو خان کے پڑاؤ میں پہنچا۔ اس درندہ صفت انسان نے خلیفہ اور اس کے چند ساتھیوں کو علاحدہ کر کے باقی سب کی گردنیں اُڑا دیں اور خلیفہ سے باز پُرس شروع کی۔ اس ہولناک ماحول کے اثر اور اپنی توہین کے احساس سے خلیفہ کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ ہلاکو خان نے ناقابلِ برداشت تاوان کا مطالبہ کیا۔ اگلے دن خلیفہ نے حاضر ہو کر سونے، چاندی اور جواہرات کے تمام خزانے ہلاکو کے قدموں پر بکھیر دیے۔ خلیفہ کا خیال تھا کہ اب اس کی جان بخشی ہو جائے گی، مگر یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا۔ اسے نمدے میں لپیٹ کر کچل دیا گیا۔

پھر تاتاری درندے شہر میں داخل ہوئے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے، عوام وخواص، امیر و غریب سب قتل کر دیے گئے۔ بہت سے لوگوں نے جان بچانے کے لیے کنوؤں، نالیوں، کچرے کے ڈھیروں، بند کمروں اور چھتوں پر پناہ لینے کی کوشش کی مگر تاتاری شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں فنا کرتے گئے۔ بند کمروں اور مکانات کو جلا کر مکینوں کو اندر ہی کوئلہ بنا دیا گیا۔ چھتوں کی تلاشی لے کر وہاں موجود افراد کو بھی ذبح کر دیا گیا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ چالیس دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ یہاں بسنے والے یہودیوں عیسائیوں، رافضیوں اور ابن علقمی جیسے غداروں کے متعلقین کے سوا کسی کو پناہ نہ ملی۔ مقتولین کی تعداد اٹھارہ سے بیس لاکھ تک بتائی جاتی ہے۔ دریائے دجلہ کا پانی کئی دن تک ان کے خون سے سرخ رہا۔ پھر بغداد کے ہزاروں کتب خانوں کی لاتعداد بیش قیمت کتابیں دریا میں ڈال دی گئیں اور دریا کی سطح کئی دن تک ان کی روشنائی سے سیاہ رہی۔ بقول حافظ ابن کثیر......

"یہ گلزار شہر جو پوری دنیا کا سب سے پُر رونق شہر تھا بالکل ویران و تاراج ہوگیا۔ بازاروں اور راستوں پر لاشوں کے ڈھیرے ٹیلوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔ بارش ہوئی تو لاشیں مسخ ہوگئیں۔ شہر میں تعفن پھیلنے سے آب و ہوا خراب ہوگئی۔ وبائیں پھوٹ پڑیں جن کا اثر ملک شام تک پہنچا۔ اس ہوا اور وبا سے لوگ بکثرت ہلاک ہوئے۔ گرانی، فنا اور وبا تینوں کا راج تھا۔" ⑤

بغداد شہر نہیں راکھ کا ڈھیر بن چکا تھا، مگر ظلم و بہیمیت کی یہ آگ چالیس سال قبل دربارِ خلافت ہی سے سلگائی گئی تھی۔ قہر و غضب کے اس طوفان کو خود اس وقت کے مسند نشین خلیفہ نے عالمِ اسلام کی طرف بڑھنے کی دعوت دی تھی۔ جو بھیڑیے آج بغداد کے مسلمانوں کا گوشت نوچ رہے تھے ان کو مسلمانوں کے خون اور گوشت کی چاٹ لگانے والے بغداد ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بھول گئے تھے کہ آگ آخر آگ ہوتی ہے، جب بھڑکتی ہے تو خوارزمی یا بغدادی کا فرق ملحوظ نہیں رکھ سکتی۔

حواشی وحوالہ جات

① ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۰ تا ۶۶۳

② البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۴

③ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۶۰ تا ۶۶۳...... ۶۲۹ھ کے حالات پر ہی علامہ ابن اثیر کی ''الکامل فی التاریخ'' ختم ہوئی اور اس کے اگلے برس ۶۳۰ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے اس عظیم حادثے کی تفصیلات قلمبند کرنے کے لیے ہی انہیں زندہ رکھا تھا اور اس کام کے مکمل ہوتے ہی انہیں واپس بلا لیا۔

④ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۲

⑤ البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷

سیرت و کردار کا گلدستہ

نگہ بلند ، سخن دلنواز ، جاں پُر سوز　　یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

سیرت و کردار کے لحاظ سے سلطان جلال الدین منکبرتی بے شمار خوبیوں اور متنوع صلاحیتوں سے مالا مال ایک غیر معمولی اور حیرت انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ وہ ایک جہاں گیر فاتح بھی تھے اور سیاست دان بھی، وہ مملکت کے منتظم بھی تھے اور رزمگاہ کے سپاہی بھی، وہ دشمنانِ اسلام کے لیے سخت جاں حریف تھے، مگر مسلمانوں کے لیے شفقت و محبت اور ایثار و ہمدردی کا پیکر۔ چٹانوں جیسی سخت جانی اور فولاد جیسے اٹل عزائم کے ساتھ وہ اپنے سینے میں ایک دردمند دل رکھتے تھے جس کی ہر دھڑکن عالمِ اسلام کی خیر خواہی کے لئے وقف تھی۔ شجاعت وحمیت، شرافت و مروت، سخاوت و وسعتِ ظرفی، فیاضی اور رحم دلی، عفو و درگزر، کم گوئی، رہن سہن میں سادگی و بے تکلفی، فضول مشاغل سے اجتناب اور ہر لمحہ کام کی دھن ان کی زندگی کے نمایاں اوصاف تھے۔ آیئے! ذرا سلطان کے ان اوصاف اور ان کی سیرت و کردار کے مختلف پہلوؤں کا قدرے وضاحت سے جائزہ لیں۔

شجاعت ..... شجاعت سلطان جلال الدین کی سیرت کا سب سے نمایاں وصف ہے۔ وہ اپنی شجاعت، جرأت اور دلیری کے باعث تاریخِ عالم کی چند یادگار شخصیتوں میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ سپاہیانہ داؤ پیچ اور حرب وضرب کے کرتب ان کی گھٹی میں پڑے ہوئے تھے۔ مجاہدانہ کارناموں اور جنگی سرگرمیوں کے ان گنت تمغے ان کے سینے پر چمکتے تھے۔ اس دور میں جبکہ مشرق سے لے کر مغرب تک تاتاریوں کی دہشت طاری تھی اور عالمِ اسلام کے علاوہ یورپ کے حکمران بھی چنگیز خان کا نام سن کر کانپ رہے تھے، یہ سلطان جلال الدین ہی کی ہمت تھی کہ انہوں نے چنگیزی یورش کے سامنے بند باندھ دیے اور بارہ سال تک عروج وزوال کی پے درپے گردشوں کے باوجود وہ تاتاری سیلاب کے آگے ڈٹے رہے۔

سلطان کا سوانح نگار النسوی لکھتا ہے:

> ''جہاں تک سلطان کی شجاعت کا تعلق ہے اس کے ثبوت کے لیے وہ واقعات اور معرکے کافی ہیں جن کا میں تذکرہ کر چکا ہوں۔ بلاشبہ وہ شیر تھے، دلیر تھے، آگے بڑھ کر حملہ کرنے والے شہ سواروں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔'' (1)

مصنفِ تاریخِ خوارزم شاہی کا بیان ہے:

> ''سلطان یقیناً اپنی فقید المثال بہادری کی وجہ سے دنیا کے ان چیدہ ناموروں میں شمار ہونے کے قابل ہے جو ناموری اور شہرت کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جنہوں نے کبھی کسی خطرے کی

پروانہ کی جو دولتِ یقین سے مالا مال اور دنیائے خود اعتمادی کے شہنشاہ تھے۔ سلطان، چنگیز جیسے دشمن کے خلاف ایسا ڈٹ کر لڑا کہ دوست تو کجا دشمن بھی عش عش کر اُٹھے اور بڑے بڑے جلیل القدر بہادر سلطان کی عظمت کے سامنے ماند پڑ گئے۔ ④

امتحانات اور قربانیاں ...... سلطان کی زندگی کا دوسرا سب سے نمایاں وصف قربانی ہے، ایثار وقربانی کی وہ کون سی نوع ہے جس سے سلطان کی زندگی خالی ہو۔ ان کی حیات آزمائشوں اور امتحانات کا ایک عجیب وغریب مرقع ہے جس کے ہر مرحلے پر سلطان حیرت انگیز قربانیاں دیتے نظر آتے ہیں۔ مطلق العنان حاکم ہوتے ہوئے اپنی قوم کے لیے انہوں نے جتنی قربانیاں دیں شاید ہی دنیا کی تاریخ میں کوئی بادشاہ اس کی مثال پیش کر سکے۔ حالات نے ان سے ہر قسم کی قربانیوں کا خراج وصول کیا اور وہ اسے اپنا فرض جان کر ادا کرتے گئے۔ آج ان کی دی ہوئی قربانیوں کا عشر عشیر بھی کسی حکمران یا قائد کو نصیب ہو جائے تو وہ تاریخ میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے زندہ و جاوید کر لے، مگر سلطان ان تمام قربانیوں کے جامع ہوتے ہوئے بھی آج تک اپنوں کی بے اعتنائی کا شکار ہیں۔

ایثار وقربانی کا وصف ان کی گھٹی میں پڑا تھا...... وہ شروع ہی سے اس درویشانہ مزاج سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں۔ شہزادگی کے دور میں جب ان کے والد نے ولی عہدی کا حق ان کی بجائے شہزادہ قطب الدین کو دیا تب بھی وہ بسر و چشم اس پر راضی رہے، یہ ان کی زندگی میں اقتدار کی قربانی کی وہ پہلی مثال ہے جو تاریخ میں محفوظ ہے۔

تاتاری یلغار کے بعد تو ان کی حیات کا ہر لمحہ اک کڑا امتحان تھا، ہر گھڑی کوئی نہ کوئی قربانی ان کی منتظر تھی۔ جس دن وہ تاتاریوں سے جہاد کے لیے اورگنج کے شاہی محل سے نکلے وہ ان کی راحت کا آخری دن تھا، اسی لمحے وہ زندگی کی ہر آسائش سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اب ان کی دنیا صرف شمشیر وسناں کی دنیا تھی جس میں عیش وعشرت اور راحت وآرام کا کوئی گزر نہ تھا۔ عزت ومرتبہ، شہرت اور نام ونمود تو وہ ویسے ہی تج چکے تھے مگر اس کھٹن زندگی میں انہیں کبھی مال ودولت کی ایسی فراوانی بھی نصیب نہ ہوئی جو اس دور کے ان سے بہت کم حیثیت بادشاہوں کو حاصل تھی...... باپ کی موت کے بعد خوارزم کا قانونی حکمران ہونے کے باوجود انہیں حاصل شدہ اقتدار کو بھی مقصد کے لیے قربان کرنا پڑا، تاجِ شاہی اور تختِ شاہی کو ٹھوکر مار کر وہ اورگنج سے نکل گئے۔

اس راہ میں انہوں نے وہ تمام مصائب جھیلے جو ان کے ہم وطنوں کا مقدر تھے۔ اپنے قریبی اعزہ واقارب کی ہلاکتیں اور اسارتیں ان کا دل صدمے سے پارہ پارہ کرتی رہیں، حیرت ناک جاہ وجلال کی مالک ان کی دادی ایک بے بس پرندے کی طرح عمر بھر دشمن کی قید میں رہی اور وہ اس دن کا انتظار کرتے رہے جب مسلمان متحد ہو کر خواتینِ اسلام کو آزاد کرانے میں ان کا ساتھ دیں گے، دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت کا حاکم ان کا باپ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ویران جزیرے میں بے گور وکفن پیوندِ خاک ہوا، بہن تاتاریوں زندگی بھر تاتاریوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہی، سلطان نے اپنے سارے بھائیوں کو تاتاریوں یا ملت فروشوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھا۔ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر بار اور وطن چھوڑا، بار بار ہجرت کے امتحان سے گزرے، کبھی خوارزم سے خراسان، کبھی خراسان سے ہند، اور کبھی ہندوستان سے ایران۔ یہ خانہ بدوشی ملک وملت ہی کے لیے قبول کی، جہادی مہمات اور مسلسل سفر ان کی زندگی کا لازمہ بن گئے تھے، اس مسلسل محنت نے انہیں مریض بنا دیا، یوں انہوں نے اپنا سب قربان کرنے کے علاوہ صحت

بھی اپنے مشن پر وار دی۔

دریائے سندھ کے معرکے میں سلطان کو اس وقت اپنی زندگی کے سخت ترین امتحان سے گزرنا پڑا جب انہیں اپنی والدہ اور بیویوں کو تاتاری درندوں سے بچانے کے لیے اپنے ہاتھوں سے دریا برد کرنا پڑا، اسی معرکے میں ان کا ایک سات سالہ بیٹا چنگیز خان کے ہاتھوں اس طرح شہید ہوا کہ اس کے ٹکڑے اڑا دیے گئے، پھر اسی دن دریا عبور کر کے انہیں اپنی آنکھوں سے یہ منظر بھی دیکھنا پڑا کہ تاتاری ان کے کنبے اور خاندان کے باقی ماندہ بچوں، بچیوں اور عورتوں کو ذبح کرتے جا رہے ہیں۔ رشتہ داروں کی قربانی دینے کے علاوہ انہیں بعض مواقع پر خونی رشتوں ناتوں کو ملت کے مفادات پر قربان کرنا پڑا جیسا کہ انہیں اپنے بھائی غیاث الدین اور اپنے بہنوئی سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان کا واحد سرمایہ وہ مجاہد ساتھی تھے جو سب کچھ بھلا کر ان کے ہمراہ تاریخ کا ایک نیا باب تحریر کر رہے تھے، مگر سلطان کا یہ سرمایہ بھی بار بار اس طرح لٹا کہ وہ بالکل تہی دامن رہ گئے، عالم اسلام کے حکمرانوں کی بے اعتنائی کا صدمہ تو وہ عمر بھر برداشت کرتے ہی رہے، مگر آخر میں بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی نے انہیں بالکل تنہا کر دیا۔

یہ ان قربانیوں اور ان آزمائشوں کی ایک جھلک ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اس عظیم سپہ سالار کو واسطہ پڑا۔ آفرین ہے کہ اس نے اسلام کی لاج رکھتے ہوئے آزمائش کی ان تمام گھاٹیوں کو سرخ روئی کے ساتھ عبور کیا۔

ہمت وحوصلہ مندی..... دنیا کے کسی حکمران نے اپنی رعایا کا اس قدر خون بہتا نہیں دیکھا ہوگا جیسا کہ سلطان نے اپنی عوام کا دیکھا...... ان خونی مناظر کو اس ہمت وحوصلہ مندی سے برداشت کر جانا اور خوف ودہشت یا ناامیدی و مایوسی کا تاثر قبول کیے بغیر دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جانا سلطان ہی کے دل گردے کا کام تھا۔

سپاہیانہ خصوصیات..... سلطان جلال الدین اپنے دور کے سب سے بڑے مسلمان جرنیل تھے۔ معرکہ دانی اور کارآزمائی میں اس زمانے کا کوئی کمانڈر ان کے ہم پلہ نظر نہیں آتا۔ سلطان کی قائدانہ وسپاہیانہ زندگی کا بغور جائزہ لینے سے ان کی بہت سی ممتاز خصوصیات سامنے آتی ہیں جن کا مطالعہ عسکری امور کے ماہرین اور مجاہدین کیلئے بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے۔ اس موضوع پر محنت کی جائے تو ایک مستقل تالیف ہوسکتی ہے، تاہم یہاں اشارۃً چند خصوصیات ذکر کی جا رہی ہیں:

1 **متنوع حالات میں لشکر کی کمان کی کامل استعداد.....** سلطان کی سپاہیانہ مہمات میں کبھی تو ان کے پرچم تلے پچاس ہزار سے ایک لاکھ تک سپاہی نظر آتے ہیں اور کبھی ان کے ساتھ لڑنے والوں کی تعداد پانچ سو اور کبھی سو سے بھی کم دکھائی دیتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے سلطان چھاپہ مار ٹولیوں سے لے کر بڑے بڑے صف بستہ لشکروں کی قیادت کا بھرپور تجربہ رکھتے تھے۔ انہیں چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی فوج سے حسبِ موقع کام لینے کا ڈھنگ خوب آتا تھا۔

2 **کئی گنا بڑی افواج سے نبرد آزمائی کی صلاحیت.....** سلطان کی قیادت میں لڑے جانے والے معرکوں کا جائزہ لینے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عموماً ان کے بالمقابل حریف کی عددی طاقت ان کی فوج سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی، مگر سلطان اپنی مہارت اور تجربے کی بنا پر عددی کمی کے باوجود دشمن سے بھرپور مقابلہ کرتے اور اکثر کامیاب وکامران رہتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان جلال الدین کئی گنا بڑی افواج سے نبرد آزمائی کا وسیع تجربہ اور صلاحیت رکھتے تھے۔

3 **خاموش اور تیز رفتار یلغار.....** خاموش اور تیز رفتار نقل وحرکت کو سلطان کی جنگی حکمت کا طرۂ امتیاز کہا جاسکتا ہے۔ بسا اوقات وہ ہفتوں کا فاصلہ دنوں میں طے کر کے یکدم حریف کے سر پر جا پہنچتے اور اس کے سنبھلنے سے قبل ہی

اس پر ٹوٹ پڑتے۔ بسا اوقات انہیں بیک وقت دو دو یا تین تین محاذوں پر فوج کی ضرورت پڑتی۔ ایسے مواقع پر وہ اپنی فوج کی عددی کمی کو یلغار کی سرعت سے پورا کرلیا کرتے تھے۔ اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سرعت رفتار سلطان کی حکمت عملی بھی تھی اور مجبوری بھی۔

4 مستحکم حکمت عملی و منصوبہ بندی ..... سلطان جلال الدین ہمیشہ میدانِ جنگ کے طبعی ماحول کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر جنگی حکمت عملی طے کرتے۔ اس طرح میدانِ جنگ میں وہ اپنی مختصر فوج کے ساتھ بڑے بڑے ٹڈی دل لشکروں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مستحکم رہتے۔ ساحلِ سندھ کی جنگ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سلطان اپنی تیس ہزار فوج کو چنگیز خان کے لاکھوں سپاہیوں کے بالمقابل اس طرح لائے کہ دشمن آگے بڑھنے سے عاجز ہوگیا۔ انہوں نے بلند سلسلۂ کوہ کو اپنی پشت پر رکھ کر عقبی حملے سے بچاؤ کیا اور اپنے بائیں بازو کو پہاڑ کی اوٹ کے باعث محفوظ رکھا نیز احتیاطاً وہاں کچھ فوج بھی پہرے پر لگادی جبکہ دائیں بازو کی صفوں کو اس طرح مرتب کیا کہ اسے دریائے سندھ کے ایک موڑ کی پناہ حاصل رہی۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ ترتیب غزوہ احد میں حضور نبی الملاحم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمت عملی سے حددرجے مشابہ، بلکہ اسی سے مستفاد معلوم ہوتی ہے۔ اس سے ہم سلطان کی ''سِیَر و مغازی'' سے گہری واقفیت کا اندازہ بھی کرسکتے ہیں۔

5 کمزور پہلو پر حملہ اور حریف کے قائدین پر وار ..... سلطان جلال الدین حریف کے کمزور پہلوؤں پر پوری نظر رکھتے تھے اور معرکۂ کارزار میں اسی انداز سے ان کو زک پہنچا کر جلد فتح حاصل کرنے میں کامیاب رہتے تھے۔ حریف کے بادشاہوں اور سالاروں کو تہہِ تیغ یا زیرِ دام کرکے ان کی قوت کو توڑ دینا سلطان کا خاص حربہ تھا۔ اس داؤ کے ذریعے سلطان نے مٹھی بھر افراد کے ساتھ بڑی بڑی فوجوں کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا۔

ہندوستان کے ایک معرکے میں جب سلطان کے ساتھ گنتی کے چند آدمی تھے، ایک ہندو راجہ اپنی فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوگیا۔ سلطان اپنی جگہ پر جم کر کھڑے ہوگئے اور راجہ کو قریب آنے دیا، جب فاصلہ کم رہ گیا تو سلطان نے تاک کر ایک ایسا تیر مارا جو سیدھا راجہ کے دل میں پیوست ہوگیا۔ راجہ کی لاش گرتے ہی اس کا لشکر تتر بتر ہوگیا۔

خلیفہ ناصر نے سلطان سے مقابلے کے لیے قشتمور اور مظفر الدین کوکبری کی قیادت میں دو بڑی فوجیں روانہ کی تھیں۔ سلطان کی جمعیت ان افواج کا دسواں حصہ بھی نہ تھی، مگر اسی گر سے کام لے کر سلطان نے دونوں افواج کو شکست فاش دے دی۔ قشتمور جان سے مارا گیا اور مظفر الدین کوکبری گرفتار ہوکر سلطان کے سامنے اظہارِ ندامت پر مجبور ہوا۔

دریائے سندھ کی تاریخی جنگ میں بھی سلطان کا آخری حربہ یہی تھا اور وہ اس کے لیے چنگیز خان کے قلب لشکر کی تمام حفاظتی دیواریں توڑتے ہوئے اس ظالم و جابر انسان کے سر پر پہنچ بھی گئے تھے۔ وہ تو چنگیز خان کی ظلمتِ حیات اور مسلمانوں کے ایامِ مصائب باقی تھے، ورنہ سلطان نے اس کا کام نمٹانے کے لیے اپنی طرف سے کوشش میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

6 جنگی چالیں ..... سلطان جلال الدین جنگوں میں متنوع اور مختلف چالوں سے کام لیتے تھے۔ اکثر لڑائیوں میں ان کی فتح کسی نہ کسی عجیب وغریب چال کی مرہونِ منت نظر آتی ہے۔ وہ طاقت سے زیادہ داؤ اور جھانسے کے ذریعے دشمن کو زیر کرنے کے قائل تھے۔ سلطان کی یہ خصوصیت ہندوستان سے واپسی کے بعد کی فتوحات میں زیادہ نمایاں دکھائی

دیتی ہے۔کبھی ان چالوں کی حیثیت محض نفسیاتی ہوتی، جن سے مرعوب ہوکر دشمن لڑائی سے پہلے ہی دل چھوڑ بیٹھتا۔

گرجیوں کے متحدہ محاذ سے مقابلے میں سلطان کے نفسیاتی حربے بڑے کارآمد ثابت ہوئے، جب انہوں نے روٹی اور نمک کے ذریعے حریف کے ایک سالار کو غیرت دلا کر میدانِ جنگ سے ہٹادیا اور پھر مبارزت میں دشمن پر دھاک بٹھا کر اسے جنگ سے قبل ہی اتنا خوفزدہ کردیا کہ وہ لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ نکلا۔

7 حریف کے امراء سے ساز باز..... لڑائی کا نتیجہ نکلتا نہ دکھائی دیتا، دشمن کی قوت بہت مستحکم ہوتی یا سلطان خود کم سے کم خوں ریزی کرکے فتح یاب ہونا چاہتے تو ایسے مواقع پر وہ دشمن کے سالاروں اور امراء میں سے بعض سے خفیہ پیام رسانی کرتے اور بہلا پھسلا کر انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرتے اور اس میں عموماً کامیاب بھی رہے۔ ہندوستان سے واپسی پر غیاث الدین پیر شاہ کے افسران سے خفیہ روابط اور گرجیوں کے متحدہ محاذ کے مقابلے میں قبچاقی سردار سے پیام رسانی اس کی مثالیں ہیں۔

8 ذاتی قوت وکمالِ شہ زوری..... فوجی قیادت کے تمام جواہر سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ سلطان بذات خود طاقت، چستی اور شہ زوری میں بھی قابل رشک مقام رکھتے تھے۔ شمشیر وسنان کے کھیل میں ان کا ثانی بہت کم یاب تھا۔ پانچ گرجی پہلوانوں سے مسلسل مبارزت کرکے سب کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اُتارنا سلطان کی قوت، توانائی اور مہارتِ حرب کا روشن ثبوت ہے۔

9 گھیرا توڑنے اور تعاقب سے بچنے کا تجربہ..... دشمن کے نرغے کو توڑنا اور ان کے تعاقب سے بچ نکلنا سلطان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اپنی جہادی مہمات کے دوران وہ آئے دن دشمن کے نرغے میں گھرتے رہتے تھے، مگر کامیابی کے ساتھ ہر بار گھیرا توڑ کر نکل جاتے تھے۔ بارہا دشمن ان کے تعاقب میں ہوتا، مگر وہ کوئی نہ کوئی چکمہ دے اِدھر اُدھر نکلنے میں کامیاب رہتے۔ سلطان کو اس قسم کی صورتحال سے نمٹنے کا زبردست تجربہ حاصل تھا اور بلاشبہ وہ اس فن کے امام تھے۔

نوٹ......ان کے علاوہ سلطان کی اور بھی کئی عسکری خصوصیات اس کتاب کے گزشتہ ابواب پر غور کرنے سے خود بخود سامنے آجاتی ہیں، اس لیے ہم نے یہاں ان مثالوں کا تفصیلی تذکرہ تطویلِ محض سمجھ کر ترک کردیا ہے۔

اندازِ جہاں داری..... سلطان جلال الدین کا دس سالہ دورِ حکومت حوادث ومصائب اور جہدِ مسلسل کی ایک طویل داستان ہے۔ اس عرصے میں سلطان کو کسی وقت بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ وہ کئی کئی ماہ مسلسل جنگی مہمات میں مشغول رہتے۔ ان کے سفر اتنے طویل ہوتے کہ انہیں میلوں کے بجائے طولِ بلد اور عرضِ بلد سے ناپنا مناسب ہے۔ پھر ایک مہم سے فارغ ہوتے ہی کوئی دُوسرا محاذ ان کا منتظر ہوتا اور کبھی ان کو بیک وقت اندرونی اور بیرونی مخالفین سے دو دو ہاتھ کرنے پڑتے۔ ان کے مقبوضہ علاقے تاتاریوں کے ہاتھوں زیروزبر ہوچکے تھے۔ ان کی تعمیر نو کے لیے جن وسائل کی ضرورت تھی وہ ان کو میسر کبھی میسر نہ آسکے۔ ان حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بہت مشکل تھا کہ سلطان عوام کی فلاح وبہبود اور ترقیاتی کاموں پر خاطر خواہ توجہ دے سکتے، تاہم ان مشکلات کے باوجود سلطان کسی موقع پر بھی فریضۂ جہانداری سے غافل نہیں رہے اور حتی الوسع عوامی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ سلطان کے اندازِ جہاں داری کے چند پہلو درج ذیل ہیں۔

شہروں کی تعمیرنو..... تاتاریوں کی پہلی یورش میں تہہ و بالا ہوجانے والے شہروں کو انہوں نے از سرِ نو تعمیر کرایا۔سلطان نے ان کے گرد پختہ اینٹوں کی فصلیں بنوا کرانہیں محفوظ کردیا۔مراغہ، بیلقان اور اردبیل کو جو تاتاریوں کی دست برد سے کھنڈر بن چکے تھے، سلطان کے ذوقِ تعمیر نے اس نہج تک پہنچا دیا کہ ان کی رونق اور چل پہل نے قدیم آبادشدہ بعض شہروں کی گہما گہمی کو ماند کردیا۔ ③

تعلیمی واصلاحی سرگرمیاں، مدارس اور خانقاہیں..... اس دور میں یہ عام رواج تھا کہ بادشاہ، امراء اور اہل خیر ذاتی خرچ پر مدارس اور خانقاہیں کھول کر ان کے اخراجات کے لیے مستقل جاگیریں وقف کردیتے تھے۔ایسے بعض بڑے منصوبے سرکاری خرچ پر بھی شروع کیے جاتے تھے۔

سلطان جلال الدین کو پے در پے مہمات کی وجہ سے شروع کے چند سالوں میں تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں پر توجہ دینے کا بالکل موقع نہیں مل سکا تاہم آخری چار سالوں میں نئے مدارس اور خانقاہیں آباد ہوتے دکھائی دیتی ہیں۔سلطان نے اپنے والد کے ایصال ثواب کے لیے اصفہان میں ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرانے کا حکم دیا تھا جس کی قد آدم دیواریں بھی اٹھادی گئی تھیں۔مگر تاتاریوں کے آخری حملے کی وجہ سے یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا۔(سیرۃ جلال الدین، ص:۳۱۳)

تبریز کے ایک امیر شمس الدین طغرائی نے تبریز میں ایک مدرسہ کھولا تھا جس کی نظامت قاضی عزالدین قزوینی کے سپرد تھی۔قاضی صاحب کے ذمے کچھ اور مدارس کی دیکھ بھال اور تدریس بھی تھی۔(سیرۃ جلال الدین، ص:۲۰۸)

بعض امراء خانقاہیں کھولنے میں بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔کاتب النسوی نے خود خراسان میں اپنے قلعے میں ایک خانقاہ تعمیر کرائی تھی۔جس کے لیے خوردونوش سمیت جملہ اخراجات کا انتظام بھی وہی کرتے تھے۔(سیرۃ جلال الدین، ص:۳۴۳)

عدل وانصاف..... ایک کامیاب حکمران کے بنیادی اوصاف اور شرائط میں عدل وانصاف کی حیثیت سب سے بڑھ کر ہے۔جو حکمران اس وصف سے بہرہ مندر ہے ان کا دورِ حکومت فلاح وبہبود، امن وچین اور تعمیر وترقی کا روشن باب ثابت ہوا اور جن بدبختوں نے عدل وانصاف سے مُنہ موڑا ان کا زمانہ تاریخ کے صفحات پر سیاہ داغ بن کر رہ گیا۔ ہم سلطان جلال الدین کو ان خوش قسمت اور نیک فطرت بادشاہوں میں شمار کرسکتے ہیں جن کے عدل وانصاف کی جھلکیاں تاریخ کے دریچوں سے جابجا دکھائی دیتی ہیں، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

1 ..... تبریز پر سلطان کے قبضے سے پہلے کا قصہ ہے کہ سلطان نے وہاں کے امراء ورؤساء سے اپنے لشکر کے لیے سامانِ خوردونوش ودیگر ضروریات کی خریداری کی اجازت طلب کی۔اجازت مل جانے پر خوارزمی سپاہی تبریز آنے جانے لگے اور بسہولت لشکر کی ضروریات خرید کر لانے لگے۔کچھ دن گزرنے پر بعض سپاہیوں نے شہر کے تاجروں سے بدسلوکی شروع کردی اور خریداری کے نام پر لوٹ مار کرنے لگے۔سلطان کو یہ شکایت پہنچی تو انہوں نے اس زیادتی کی روک تھام کے لیے تبریز میں ایک افسر مقرر کردیا اور اعلان کرادیا کہ جو سپاہی عوام اور تاجروں کے مال پر دست درازی کرے اسے عبرت انگیز سزادی جائے گی۔اس حکم کی شہرت ہوتے ہی بدکردار سپاہیوں کے ہوش اُڑ گئے اور انہیں پھر کسی قسم کی غلط حرکات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ④

2 ..... فتحِ تبریز کے بعد تبریز کا مفرور حاکم اوزبک بن بہلوان ایک قلعے میں پناہ لیے ہوئے تھا۔سلطان کے سپاہی قلعے کے محاصرے کے ساتھ ساتھ اس قلعے کے آس پاس کے علاقے میں لوٹ مار کرنے لگے تھے۔اوزبک نے

یہ صورتحال دیکھ کر سلطان کو پیغام بھیجا کہ اپنے سپاہیوں کو اس بے جا دست درازی سے روکیں۔ سلطان نے حریف کی اس جائز درخواست کو بلا تامل منظور کیا اور فوری حکم نامہ جاری کر کے اس زیادتی کی روک تھام کی۔ ⑤

3 ......سلطان کا وزیر اعظم شرف الملک اپنی حریص طبیعت کی بنا پر سلطان کی لاعلمی میں عوام پر ناجائز ٹیکسوں کا بوجھ ڈال کر انہیں دق کیے رہتا تھا۔ ۶۲۴ھ، ۶۲۵ھ میں سلطان نے تاتاریوں سے جہاد کی شدید مصروفیات کے باعث مملکت کا تمام اندرونی انتظام وزیر اعظم کے سپرد کر دیا تھا۔ وزیر اعظم نے اس طویل دورانیے میں عوام کو خوب لوٹا کھسوٹا، جب ایک عرصے کے بعد سلطان تبریز واپس پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ سارا شہر سونا پڑا ہے۔ سلطان نے شہر کے معززین سے اس کی وجہ دریافت کی تو معلوم ہوا کہ وزیر اعظم کی جانب سے عائد کردہ ناقابل برداشت ٹیکسوں کی وجہ سے شہر کے اکثر باشندے ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے ہیں۔ جب شہر کے معززین سلطان سے عوام کی ان تکالیف کا تذکرہ کر رہے تھے تو شدتِ غم سے سلطان پر رقت طاری ہو رہی تھی۔ عوام کے دکھوں کے احساس کے ساتھ ان کو یہ پشیمانی بھی لاحق تھی کہ میں اس حالتِ زار سے اتنے دنوں تک لاعلم کیوں رہا۔ آخر کار انہوں نے حکم دیا کہ تبریز سے ترکِ وطن کرنے والوں کو اپنے گھروں میں واپس لایا اور بسایا جائے اور اہلِ شہر کو تین سال تک سرکاری واجبات سے آزاد کر دیا جائے۔ ⑥

خرچ کا انداز ..... سلطان جلال الدین ایک تباہ حال مملکت کے وارث تھے، اس لیے ان کے خزانے میں سیم وزر کے بے اندازہ انبار جمع نہ تھے، نہ ہی انہیں فضول داد و دہش اور اسراف کی عادت تھی، تاہم موقع محل پر خرچ کرنے میں وہ بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ خاص طور پر جنگی مہمات میں وہ ہمیشہ نہایت فراخ دلی سے خرچ کرتے تھے، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کی سخاوت احتیاط کی حدود سے تجاوز کر جاتی۔

خلاط کے محاصرے کے زمانے میں ایک شب ایک بڑھیا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی:

''مجھے الملک الاشرف کے کاتب زکی عجمی نے بھیجا ہے، اگر آپ زکی عجمی کو پانچ ہزار دینار ادا کر دیں تو وہ شہر کے محافظ سپاہیوں کو رضامند کر کے فصیل کے دروازے کھلوا دے گا۔''

سلطان کے منشی احمد النسوی نے یہ سن کر سلطان سے کہا: ''بڑھیا کی بات قطعاً غلط ہے، ایک پورے شہر کی سپردگی کا عوض صرف پانچ ہزار دینار سمجھ سے بالاتر بات ہے۔ یقیناً بڑھیا جھوٹ بول رہی ہے، اسے کچھ نہ دیا جائے تو بہتر ہوگا۔''

احمد النسوی کی بات معقول تھی، مگر سلطان نے کہا: ''فی الحال اسے پیشگی ایک ہزار دینار ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اگر اس کا بیان سچ ثابت ہوا تو باقی رقم بعد میں ادا کر دی جائے گی۔''

بڑھیا ایک ہزار دینار وصول کر کے چلی گئی۔ بعد میں احمد کا خدشہ درست ثابت ہوا، نہ ہی شہر کے دروازے کھولے گئے نہ بڑھیا کا کچھ اتا پتا چلا۔ سلطان پہلے ہی اس نقصان کو برداشت کرنے کے لیے تیار تھے، انہوں نے ہزار دینار کے ضیاع کا خطرہ مول لیتے ہوئے ہی بڑھیا کی جھولی بھری تھی۔ کچھ دنوں بعد جب شہر فتح ہوا تو ایک کونے میں وہ بڑھیا بھی مل گئی، اس وقت تک وہ تین سو دینار خرچ کر چکی تھی۔ ⑦

عفو و درگزر ..... عفو و درگزر کی صفت سلطان کے خصائل میں نمایاں نظر آتی ہے۔ ان کی زندگی ایسے واقعات سے بھرپور ہے جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف کر دینے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ ایمانی اور

اخلاقی انحطاط کے اس دور میں سلطان کی عالی ظرفی بہت سے معاصر حکمرانوں پر ان کی واضح برتری کا سبب بن گئی تھی۔ سلطان کے عفوو درگزر کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے:

1 ...... براق حاجب خوارزمی دربار کا وہ بدفطرت رکن تھا جس نے اس خانوادے کی جڑیں کاٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا، مگر جب بھی سلطان اس کے خلاف کارروائی کرتے تو وہ ندامت کا اظہار کر کے معذرت کر لیتا اور سلطان ہر بار پوری فراخ دلی کے ساتھ اسے معاف کر دیتے۔

ایک مرتبہ براق کی بغاوت فرو کرنے کے لیے سلطان کو گرجستان سے کرمان تک سترہ یوم کا مسلسل سفر کرنا پڑا۔ اتنی طویل مسافت طے کرنے اور شدید مشقت برداشت کرنے کے بعد جب براق پر ہاتھ ڈالنے کا موقع آیا تو اس نے معافی مانگ لی اور سلطان اپنی زحمت کا خیال نہ کرتے ہوئے اس سے درگزر کر گئے۔

2 ......خلیفہ بغداد کی افواج سے جھڑپ کے بعد جب خلافتی افواج کی کمک پر آنے والا حاکمِ اربیل مظفرالدین کوکبری سلطان کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا تو اس وقت اپنے اس اقدام کے ردعمل میں وہ سلطان سے کسی نرمی کی توقع نہیں رکھ سکتا تھا، مگر جب اسے سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو سلطان نے نہ صرف اس کی غلطی معاف کی، بلکہ اس کے ساتھ بہت اعزاز واکرام کا برتاؤ کیا جس کے باعث وہ سلطان کا گرویدہ ہو گیا۔

3 ......سلطان جلال الدین کا وزیراعظم شرف الملک ایک عرصے تک سلطان کے مزاج اور منشا کے خلاف من مانی کارستانیوں میں مشغول رہا۔ اس کے جرائم اتنے سنگین تھے کہ شاید کوئی عام حکمران ایسے شخص کو ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ دیتا۔ وزیراعظم کی جرأت اتنی بڑھ گئی تھی کہ وہ سلطان کو اپنی محفل میں کھلے لفظوں میں بُرا بھلا کہتا۔ سلطان ایک عرصے تک اس صورتحال کو برداشت کرتے رہے، آخر کار جب معاملہ حد سے گزر گیا تو سلطان نے اس کی خبر لی۔ اس موقع پر وزیراعظم کفن ہاتھ میں لے کر سلطان کے قدموں پر گر گیا، سلطان کو ترس آ گیا اور انہوں نے اس بدطینت انسان کی جاں بخشی کر کے صرف نظر بندی پر اکتفا کیا۔ (مگر افسوس کہ وزیراعظم نے اس کے بعد بھی سلطان کے خلاف سازشیں جاری رکھیں اور آخر کار اپنے انجام کو پہنچا۔)

4 ......ایسا ہی قصہ سدوستان (سیہون، سندھ) پر حملے کے وقت پیش آیا، جب حاکم سدوستان شکست کھانے کے بعد سلطان کے پاس دست بستہ کفن و شمشیر لیے حاضر ہوا تو نہ صرف یہ کہ سلطان نے اسے معاف کر دیا، بلکہ حکومت پر بھی بحال رکھا۔

5 ......سلطان جلال الدین کا سوتیلا بھائی غیاث الدین ان کے اقتدار سے سخت نالاں تھا۔ سلطان کو شکست دینے کا خواب دیکھتے ہوئے ایک بار وہ سلطان کے خلاف صف آراء ہوا، مگر مُنہ کی کھائی اور گرفتار ہوا۔ دوسری بار اس نے تاتاریوں کے خلاف لڑے جانے والے ایک معرکے میں سلطان کو سخت زک پہنچائی اور عین لڑائی کے وقت میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا اور حاکم الموت کے پاس جا کر پناہ لی۔ بعد میں حاکم الموت نے سلطان سے خط و کتابت کر کے غیاث الدین کی لغزش معاف کرنے کی سفارش کی۔ اگرچہ سلطان جلال الدین غیاث الدین سے سخت ناراض تھے، مگر اس بار بھی تسامح سے کام لیتے ہوئے انہوں نے اسے معاف کر دیا۔

6 ...... جب سلطان جلال الدین خلاط کے محاصرے میں مشغول تھے تو خلاط میں محصور سلطان کا سخت ترین

حریف مجیرالدین بن الملک العادل (برادرِ الملک الاشرف) فصیل پر چڑھ کر سلطان کو فحش گالیاں دیا کرتا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں کا خون کھول اُٹھتا، مگر سلطان ان گالیوں کا کوئی جواب نہ دیتے۔ جب شہر فتح ہوگیا تو قیدیوں میں شامل مجیرالدین کو بھی سلطان کے حضور پیش کیا گیا۔ لوگ یہی خیال کر رہے تھے کہ اب مجیرالدین کی گردن اُڑا دینے کا حکم ہوگا۔ خود مجیرالدین کا خوف سے بُرا حال تھا، مگر سلطان جلال الدین نے اس کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کیا اور اس کی حرکات کو کھلے دل سے معاف کر دیا۔

مجیرالدین سلطان کے اخلاق سے بڑا متاثر ہوا اور ایک عرصے تک سلطان کی خدمت میں رہا۔ اس نے پوری کوشش کی کہ اپنے بھائی الملک الاشرف کو سلطان کا ساتھ دینے پر آمادہ کر سکے (۸) اس طرح وہ سلطان کے حسن سلوک کا بدلہ دینا چاہتا تھا۔ افسوس کہ وہ الملک الاشرف کو قائل نہ کر سکا، تاہم اس نے اپنی احسان مندی کا ثبوت ضرور پیش کر دیا۔

7 ...... تاتاریوں سے جنگوں کے دوران ایک موقعے پر چنگیز خان کی آل اولاد میں سے ایک شہزادہ سلطان کی قید میں آگیا تھا، سلطان نے تاتاریوں سے بدترین رقابت کے باوجود اس کے ساتھ اسلامی اخلاق کے مطابق بہت اچھا سلوک کیا اور اسے اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت کر دیا۔ علامہ ابن اثیر نے اس واقعے کو نقل کر کے سلطان کی وسعت ظرفی کا کافی ثبوت پیش کیا ہے۔

بے تکلفی وسادگی ...... سلطان جلال الدین کی طبیعت تکلّفات سے پاک تھی۔ بہت سے ایسے امور جنہیں بادشاہوں کی شان کے خلاف تصور کیا جاتا تھا، سلطان کے نزدیک قابلِ عار نہ تھے۔ ان کی زندگی بے تکلفی، سادگی اور جفاکشی کی عمدہ تصویر تھی۔ اس بارے میں دو مثالیں نذرِ قارئین ہیں:

1 ...... تبریز کی فتح کے بعد امرائے شہر سلطان کو سابق حکمران ازبک مظفر کے عالی شان محل میں لے گئے۔ یہ محل طلسماتی زینت وزیبائش اور کمالِ فن تعمیر کا لاجواب نمونہ تھا۔ سلطان کچھ دیر اس میں گھومتے پھرتے رہے، حاضرین کا خیال تھا کہ سلطان یہیں قیام کریں گے، مگر سلطان یہ کہہ کر باہر نکل آئے: ''یہ تو سُست طبع انسانوں کا مسکن ہے۔ ہمارے قیام کے لیے مناسب نہیں۔'' (۹)

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر ۔۔۔ تو شاہین ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

2 ...... آٹھ ماہ تک جاری رہنے والے خلاط کے طویل محاصرے کے دنوں میں ایک دن مجیرالدین بن الملک العادل نے تنگ آکر فصیل کی بلندی سے سلطان کو مخاطب کر کے کہا:

''مصیبت کی انتہاء ہو چکی۔ نقصان کھل کر سامنے آگیا ہے۔ دونوں فریق لڑلڑ کے ہلاک ہونے کو ہیں۔ کیا آپ میں یہ ہمت ہے مجھ سے آمنے سامنے انفرادی مقابلہ کر کے اسی پر ہار جیت کا فیصلہ کر لیں۔''

کسی عام شخص سے اس قسم کی پیش کش قبول کرنا عرف عام میں شاہی جاہ وجلال کے خلاف تصور کیا جاتا تھا، مگر سلطان نے مقابلے کی حامی بھر لی اور فوراً پوچھا: ''مقابلہ کب کرنا ہے؟''

مجیرالملک نے کہا: ''کل صبح!''

اگلے دن صبح سلطان جلال الدین ہتھیار لے کر مقابلے کے لیے نکلنے لگے تو امرائے سلطنت جو اس مقابلے کو سراسر خوارزمی ایوان کی ذلت گمان کرتے تھے، راستے میں کھڑے ہوگئے۔ وزیراعظم شرف الملک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا:

''آپ ایسے آدمی سے مقابلہ کرنا کیسے گوارا کر رہے ہیں جو کسی لحاظ سے آپ کا ہم سر نہیں بلکہ آپ کے خدام کے برابر ہے؟۔ پھر اگر ہمیں یقین ہوتا کہ آپ کے اس پر غالب آنے سے شہر فتح ہو جائے گا تو ہم چپ رہتے مگر یقیناً ایسا نہیں ہوگا۔ وہ شہر حوالے نہیں کریں گے۔''

مگر سلطان نے ان کی باتوں کا کوئی اثر نہ لیا اور کہا:

''میں یہ سب جانتا ہوں مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی لڑنے آئے اور میں نہ لڑوں۔ جب حریف آواز لگائے: ہے کوئی لڑنے والا!! تو میرے پاس چپ چاپ بیٹھنے کا کیا عذر ہے۔''

یہ کہہ کر سلطان جلال الدین اکیلے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر شہر کے باب بدلیس کے سامنے پہنچ گئے۔ لڑائی کے لیے یہی جگہ مقرر کی گئی تھی۔

مجیر الدین نے جب دیکھا کہ سلطان واقعی شمشیر بکف ہو کر فصیل کے سامنے موجود ہیں تو اس کے چھکے چھوٹ گئے۔ اس نے سلطان کو محض غصہ دلانے کے لیے یہ چیلنج دیا تھا اور خود اسے امید نہ تھی کہ سلطان واقعی لڑنے پر تل جائیں گے۔ مجیر الدین خود سامنے نہ آیا اور چند سپاہیوں کو فصیل پر بھیج دیا جنہوں نے سلطان پر تیر چلائے اور گالیاں دے کر انہیں غصہ دلانے کی کوشش کی۔ سلطان تھوڑی دیر مجیر الدین کا انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹ آگئے۔ ⑩

اس واقعے سے جہاں سلطان کی بے تکلفی اور سادگی جھلکتی ہے وہاں ہمیں ان کی دلیری اور صبر و تحمل کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

فضولیات سے گریز اور مفید مشاغل میں شرکت ..... سلطان جلال الدین کی زندگی کا ہر ہر لمحہ سعیِ مسلسل سے عبارت تھا۔ وہ فضول کھیل تماشوں، عیش و نشاط اور لغویات سے دور تھے۔ ان کی مصروف و با مقصد زندگی میں لغویات کی کوئی گنجائش نہ تھی، تاہم وہ تفریحِ طبع کے لیے کبھی کبھار شکار یا چوگان (پولو) جیسے مفیدِ صحت کھیلوں میں حصہ لیا کرتے تھے۔

غلطی کی تلافی کی سعی ..... انسان خطا کا پتلا واقع ہوا ہے۔ غلطی اور کوتاہی اس کی سرشت میں داخل ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ کے نیک بندے اپنی غلطی پر مطلع ہوتے ہی اس سے دست کش ہو جاتے ہیں، اس کا اعتراف کر کے اس پر نادم ہوتے ہیں، اس کی معافی اور تلافی کی کوشش کرتے ہیں، جبکہ نافرمان اور فاسق لوگ گناہوں پر اصرار کرتے ہیں اور پشیمان ہونا تو کجا اس بدکرداری پر فخر کیا کرتے ہیں۔ سلطان کا تعلق اوّل الذکر طبقے سے تھا۔ وہ اپنی غلطی محسوس کرتے ہی اس سے رجوع کرنے میں باک محسوس نہیں کرتے تھے۔ حالات کی گردش سے مغلوب ہو کر بارہا ان سے اعتدال، اور عدل و انصاف کو ملحوظ رکھنے میں بھول چوک ہوئی، مگر انہوں نے اپنی غلطی پر متنبہ ہوتے ہی اس کا حتی الامکان تدارک بھی کیا۔

تبریز کی فتح کے بعد جب سلطان گرجستان کے محاذ پر مشغول تھے کہ وزیر اعظم شرف الملک نے اطلاع بھیجی کہ تبریز کا حاکم نظام الدین طغرائی اور اس کا چچا شمس الدین طغرائی بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ کاتب النسوی کا بیان ہے کہ یہ سراسر تہمت اور جھوٹی شکایت تھی، شمس الدین طغرائی نہایت اصول پسند، پرہیز گار اور امانت دار انسان تھا، نہ کسی کا ناروا دباؤ قبول کرتا تھا نہ کسی کی سفارش سے متاثر ہوتا تھا۔ اس طرح وزیر اعظم کے نائبین جو عوام پر دست درازی کے عادی تھے لقمہ حرام سے محروم ہو گئے، انہوں نے مشتعل ہو کر نظام الدین اور شمس الدین کے خلاف سازش کی، جھوٹے گواہ تیار کیے اور وزیر اعظم کی وساطت سے سلطان کے کان بھرے۔ سلطان کو پریشان ہو کر گرجستان سے تبریز آنا پڑا۔ سازشیوں نے سلطان کے سامنے جھوٹی شہادتوں کے ذریعے نظام الدین اور شمس الدین کے خلاف

الزامات ثابت کر دیے۔ سلطان نے بغاوت کی سزا میں حاکمِ تبریز نظام الدین کو قتل کرا کے اس کی لاش شارع عام پر پھینکوا دی اور اس کے چچا شمس الدین پر ایک لاکھ دینار کا تاوان ڈال کر جیل بھیج دیا۔

کچھ عرصے بعد شمس الدین طغرائی کو مراغہ کے جیل خانے منتقل کر دیا گیا، ادھر وزیر اعظم کو یہ خطرہ بدستور لاحق رہا کہ کہیں کسی وقت شمس الدین کو سلطان کے سامنے اصل حقیقت لانے کا موقع نہ مل جائے، چنانچہ وہ سلطان کو اس کے قتل پر برانگیختہ کرتا رہا۔ آخر کار اسے سلطان کی انگشتری کی شکل میں قتل کا پروانہ مل گیا، اس نے انگشتری اور قتل کا حکم نامہ مراغہ کے حاکم کو بھجوا دیا۔

مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے ..... حاکمِ مراغہ شمس الدین طغرائی کی بے گناہی سے واقف تھا، اس نے ایک بے قصور شخص کے خون سے ہاتھ رنگنے پر جلاوطنی کو ترجیح دی اور شمس الدین کو قید خانے سے نکال دیا، یہ دونوں ایک ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر راتوں رات سلطان کی عملداری سے نکل کر پہلے اربیل اور پھر وہاں سے بغداد پہنچ گئے۔ دو سال بعد شمس الدین طغرائی حج کی نیت سے مکہ معظمہ روانہ ہو گیا۔

حج کے دنوں میں دنیا بھر سے حاجیوں کے قافلے کھنچ کھنچ مکہ معظمہ پہنچے جن میں تبریز کے حاجیوں کا گروہ بھی تھا۔ جب حج کے دن لوگ مسجد الحرام میں نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو شمس الدین اس عظیم مجمعے کے سامنے میزابِ رحمت تلے کھڑا ہو گیا، قرآن مجید کا نسخہ سر پر رکھتے ہوئے وہ بلند آواز سے یوں گویا ہوا:

''اے مسلمانانِ عالم! میرا نام شمس الدین طغرائی ہے، میں تبریز کا باشندہ ہوں، میں اس مقدس شہر کی اس مقدس عبادت گاہ میں کھڑا ہوں جس سے زیادہ قابل احترام عبادت خانہ کوئی اور نہیں، اور آج کا دن وہ دن ہے جس سے بڑھ کر متبرک دن اور کوئی نہیں اور میرے ہاتھ میں وہ کتاب ہے جس سے زیادہ مقدس کتاب کوئی نہیں، میں آپ کے سامنے اس مقدس ترین عبادت گاہ میں، اس مقدس ترین دن میں، اس مقدس ترین کتاب کو لے کر قسم کھا کر کہتا ہوں کہ وزیر اعظم شرف الملک نے مجھ پر جو الزام لگایا تھا وہ بالکل غلط ہے، میں اس الزام سے بری ہوں۔ اگر میرا یہ بیان دروغ گوئی پر مبنی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے ہلاک کر دے۔''

تبریز کے حاجیوں نے اس کا یہ حلفیہ بیان سنا اور واپسی پر قافلہ سالار نے سلطان جلال الدین کو اس قصے سے آگاہ کیا۔ سلطان یہ سن کر کانپ گئے۔ فوراً شمس الدین کو واپس بلوایا اور اپنی گزشتہ زیادتی کی تلافی کے طور پر تبریز کی حکومت اس سے بطور تاوان چھینی گئی املاک سمیت دوبارہ اس کے سپرد کر دی۔ (۱۱)

بڑوں کی اطاعت و فرمانبرداری ..... اطاعت و فرماں برداری سلطان جلال الدین کی ایک ممتاز صفت تھی۔ انہوں نے بچپن سے والدین کی مکمل اطاعت کی جو روش اپنائی تھی اسے بڑوں کے سامنے ہمیشہ برقرار رکھا۔ اپنے باپ کے دورِ عروج ہی میں نہیں دورِ زوال میں بھی اس کی کامل اطاعت کی۔ جب ترکان خاتون کے دباؤ پر خوارزم شاہ نے ان کے چھوٹے بھائی قطب الدین ازلاق کو خلافِ دستور اپنا ولی عہد مقرر کیا تو سلطان کے لبوں سے احتجاج کی کوئی صدا بلند نہ ہوئی اور وہ حسب سابق ہر مرحلے پر باپ کی خدمت و تابعداری میں پیش پیش رہے۔

سلطان علاؤ الدین کے دورِ زوال میں بھی ان کی وفا شعاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ چاہتے تو حالات پر اپنے والد کی گرفت کمزور دیکھ کر بغاوت کر کے اپنا حقِ تخت نشینی وصول کر سکتے تھے، مگر انہوں نے ایک لمحے کے لیے بھی اس

نامبارک ارادے کو دل میں جگہ نہ دی۔ تاتاریوں کے حملے کے بعد علاؤالدین محمد خوارزم شاہ اپنی جان بچانے کے لیے جب ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا تو سلطان جلال الدین اس وقت بھی کے ہم رکاب تھے۔ اگر چہ وہ اس صورتحال سے سخت نالاں تھے اور دائرۂ ادب میں رہتے ہوئے باپ کو بارہا سمجھا چکے تھے کہ اس فرار اور روپوشی کا کوئی جواز نہیں، مگر جب وہ باپ کو قائل نہ کر سکے تو خاموشی سے مشرق تا مغرب کے اس بے فائدہ سفر میں اپنے باپ کا بازو تھامے رہے۔ بحیرۂ خزر کے جزیرے میں بھی وہ اپنے باپ کی وفات تک اس کے رفیق رہے۔ ان کی اس تابعداری ہی سے متاثر ہو کر علاؤالدین محمد نے وفات سے کچھ دیر قبل سابقہ فیصلہ منسوخ کر کے ان کو تاج وتخت کا وارث قرار دے دیا۔

سلطان علاؤالدین نے اپنے دورِ ابتلاء میں اپنے خدمت گاروں اور تیمارداروں سے انعامات کے بڑے بڑے وعدے کیے تھے جنہیں وہ ایفاء کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ سلطان جلال الدین نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے ان تمام لوگوں سے کیے گئے وعدوں کو پورا کیا اور انہیں حسبِ خدمت انعامات اور جاگیروں سے نوازا۔ (۱۲)

خلاط کے آخری محاصرے کے دوران سلطان جلال الدین نے اپنے سردار مقرب الدین کو (جو سلطان علاؤالدین محمد کی تجہیز وتکفین میں شریک تھا) حکم دیا کہ وہ اصفہان میں ایک بڑے دینی مدرسے کی بنیاد ڈال کر اس کے احاطے میں خوارزم شاہ کا شاندار مزار تعمیر کرانا شروع کر دے۔ سلطان نے حاکمِ عراق کو بھی تاکید کر دی کہ وہ خوارزم شاہ کی شایانِ شان تدفین اس کے لیے اخراجات کا انتظامات کر دے۔ چنانچہ مقبرے کی تعمیر شروع ہو گئی اور چار ماہ میں قد آدم دیواریں تیار ہو گئیں۔

اُدھر سلطان نے اپنی پھوپھی شاہ خاتون کو جو مازندران کی ایک بستی 'ساریہ'' کی ملکہ تھی، درخواست بھیجی کہ وہ مازندران کے امراء وخواص کے ساتھ بحیرۂ خزر کے جزیرے آب سکون جا کر خوارزم شاہ کی میت نکال لے اور جب تک اصفہان کا مقبرہ تعمیر نہیں ہو جاتا لاش کو اردھان کے قلعے میں محفوظ رکھے۔

چنانچہ شاہ خاتون بحیرہ خزر کے جزیرے پہنچ کر میت کو پورے اعزاز واحترام سے اردھان میں لے آئی، یہاں اسے امانتاً دفن کر دیا گیا۔

کاتب النسوی لکھتے ہیں:

> ''مجھے اسی وقت سے خدشات لاحق ہو گئے تھے، میں جانتا تھا کہ سلطان علاؤالدین محمد کی لاش تاتاریوں کے ہاتھوں جلنے سے صرف اس لیے بچی ہوئی ہے کہ اس جزیرے تک تاتاریوں کا پہنچنا بہت مشکل تھا۔ ورنہ تاتاریوں نے ہر بادشاہ کی قبر کھود کر اس کی لاش جلا دی تھی، حتیٰ کہ غزنی میں سلطان محمود غزنوی کا مزار کھود کر ان کی ہڈیوں کو بھی سوختہ کیا تھا۔''

النسوی کا دھڑکا درست ثابت ہوا۔ اصفہان کا مقبرہ اور مدرسہ ابھی زیرِ تعمیر تھا کہ سلطان جلال الدین کا سارا نظامِ حکومت ابتر ہو گیا اور خوارزم شاہ کی لاش اردھان ہی میں مدفون رہ گئی۔ مگر اسے یہاں بھی زیادہ دن باقی رہنا نصیب نہ ہوا۔ سلطان جلال الدین کی شہادت کے کچھ ہی دنوں بعد تاتاریوں نے قلعہ اردھان کا محاصرہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا اور سلطان محمد خوارزم شاہ کا مدفون ڈھانچہ برآمد کر کے اوکتائی خان (جانشینِ چنگیز خان) کے پاس بھجوا دیا گیا۔ اس نے خوارزم شاہ کی ہڈیاں جلا کر راکھ ہوا میں اُڑا دی۔ (۱۳)

خلیفہ کا احترام ..... سلطان جلال الدین عالمِ اسلام کے اتحاد کے بڑے حامی تھے اور وحدتِ امت کے بنیادی نقطے مرکز خلافت کا حد درجے احترام کرتے تھے۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے زمانے میں مرکز خلافت اور سلطنت خوارزم باہمی حریف بن کر ایک دوسرے کے بالمقابل آ گئے تھے۔ سلطان جلال الدین اس کشیدہ فضا کو ختم کرنے کی حتی الامکان کوششیں کرتے رہے۔ یہ علاحدہ بات ہے کہ خلیفہ ناصر کے دور میں ان کی کاوشوں کو کوئی پذیرائی حاصل نہ ہوئی جس کی بڑی وجہ خود خلیفہ کے دل کا میل اور خوارزمی حکمرانوں سے اس کی حد سے بڑھی ہوئی بدگمانیاں تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان نے ہندوستان سے واپس آ کر دربارِ خلافت میں حاضری کے لیے بغداد کا سفر کیا تو خلیفہ نے ان کے پیامِ صلح کے جواب میں ان کے مقابلے کے لیے ایک بڑا لشکر بھیج دیا۔ چار و نا چار سلطان کو اپنے دفاع کے لیے تلوار اُٹھانا پڑی۔ اس جھڑپ کے بعد تعلقات میں کشیدگی مزید بڑھ گئی اور سلطان بھی کچھ عرصے تک خلیفہ کے خلاف پیچ و تاب کھاتے رہے، تاہم جلد ہی انہوں نے اپنے جذبات پر قابو پالیا اور اصلاحِ تعلقات کی سعی از سرِ نو شروع کر دی جو خلیفہ ناصر کی وفات تک جاری رہی۔

خلیفہ ناصر کے نام اپنے خطوط کے آخر میں وہ اپنا نام یوں لکھا کرتے تھے:

"حذواً علیٰ منوال ابیه خادمه المطواع منکبرتی بن سلطان سنجر" (اپنے باپ کے نقشِ قدم پر آپ کا فرمانبردار خادم، منکبرتی بن سلطان سنجر)۔ (۱۴)

صرف یہی نہیں بلکہ منصبِ خلافت کے احترام میں ان کی بعض عادات مبالغے کی حد تک پہنچ گئی تھیں۔ خلیفہ ناصر کے دورِ اقتدار میں جب سلطان نے تبریز فتح کیا تو وہاں نمازِ جمعہ کے اجتماع میں سلطان نے احترامِ خلافت کا جو انداز اپنایا اسے علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے یوں نقل کیا ہے:

"جمعے کے روز تک سلطان تبریز میں قیام پذیر رہے اور نمازِ جمعہ کے لیے جامع مسجد میں حاضر ہوئے، جب خطیب نے خطبہ دیتے ہوئے خلیفۃ المسلمین کے لیے دُعا شروع کی تو سلطان جلال الدین اپنی جگہ پر باادب کھڑے ہو گئے، جب خطیب خلیفہ کے لیے دُعا مکمل کر چکا تب سلطان بیٹھے۔" (۱۵)

خلیفہ ظاہر اور خلیفہ مستنصر کے دور میں سلطان کو دربارِ خلافت سے تعلقات بہتر بنانے کے لیے سازگار ماحول میسر آیا۔ مستنصر باللہ نے انہیں "الجناب العالی الشاہنشاہی" کے منفرد خطاب سے نوازا اور بیش قیمت خلعتوں کے تحائف ارسال کیے۔ دونوں جانب سے وفود کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ مستنصر کے نام سلطان جلال الدین اپنے خطوط میں خلیفہ کو "سیدنا و مولانا امیر المؤمنین و امام المسلمین و خلیفة رب العالمین قدوة المشارق و المغارب" کے القابات کے ساتھ مخاطب کرتے اور آخر میں اپنے نام کی جگہ صرف "عبدہٗ" (خلیفہ کا غلام) تحریر کرتے۔ (۱۶)

سرعتِ عمل ..... سلطان جلال الدین ضرورت پیش آنے پر عملی اقدام میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ مخالفین کے سر اُٹھاتے ہی انہیں کچلنے کے لیے لپکتے تھے اور فتنے کے شعلے بھڑکتے ہی اسے سرد کرنے کے لیے جھپٹتے تھے۔

ایک دن وہ تبریز کے میدان میں چوگان کھیل رہے تھے کہ انہیں اطلاع ملی کہ ان کا بھائی غیاث الدین جو کچھ عرصہ قبل میدانِ جنگ میں غداری کر کے بھاگ گیا تھا، اصفہان پر حملے کے لیے بڑھ رہا ہے۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان نے چوگان کی لاٹھی پھینک دی اور اسی لمحے برق رفتار دستہ لے کر اصفہان کی حفاظت کے لیے لپکے۔ کافی آگے جا کر

انہیں معلوم ہوا کہ اطلاع غلط تھی۔ غیاث الدین اصفہان نہیں، بلکہ الموت کی طرف جا چکا تھا۔ (۱۷)

حزم و احتیاط اور دوراندیشی ..... سرعتِ عمل کے عادی ہونے کے باوجود وہ حزم احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے۔ جن دنوں وہ گرجستان کی پہلی مہم میں مشغول تھے انہیں تبریز میں بغاوت کی خبر ملی۔ ہرچند کہ خبر سخت تشویشناک تھی، مگر سلطان نے انجام وعواقب کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اسے ضبط کیے رکھا اور اپنے قریبی ساتھیوں کو بھی اس کی ہوا نہ لگنے دی۔ سلطان کو خطرہ تھا کہ گرجیوں سے ان خوں ریز جنگوں کے دوران اگر افسران اور امراء کو پس پشت کسی تشویشناک صورتحال کا علم ہو گیا تو وہ مضطرب اور بے چین ہو جائیں گے اور پوری یکسوئی اور حوصلے سے دُشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔

جب گرجیوں کی مہم سے فراغت ہوئی تب سلطان نے اپنے نائبین اور امراء کو تبریز کے سانحے کی اطلاع دی اور کہا: ''میں نے لڑائی سے پہلے تمہیں یہ بات اس لیے نہ بتائی کہ کہیں تم پر اضطراب اور خوف طاری نہ ہو جائے۔ بہر حال اب تم میرے بعد اس سرزمین میں قدم جمائے رکھو اور دُشمن کے ٹھکانوں کو اجاڑنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑو۔'' یہ کہہ کر سلطان خود تبریز کے باغیوں سے نمٹنے روانہ ہو گئے۔ (۱۸) اس واقعے سے سلطان کے حوصلے، تحمل، دوراندیشی اور حزم و احتیاط کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ سلطان کو ایک جلد باز انسان قرار دینے والے مؤرخین شاید سلطان کی زندگی کے ان روشن پہلوؤں سے ناواقف تھے۔

چند ذاتی اخلاق و اوصاف ..... خوشامد سے نفرت ..... سلطان کو خوشامد سے نفرت تھی، درباری ہوں یا علماء..... وہ سب سے حقیقت کے مطابق بات سننا پسند کرتے تھے، جو لوگ ان کی تعریف میں مبالغہ کرتے تھے سلطان کے دل میں ان قدر و منزلت کم ہو جاتی تھی۔ کاتب النسوی اس کی مثال میں سلطان کے ماہ رمضان ۶۲۲ھ کی مصروفیات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> ''سلطان نے ماہِ رمضان تبریز میں گزارا، وہیں روزے رکھے اور دارالسلطنت میں ایک منبر نصب کروایا۔ اطراف و جوانب کے جو علماء و فضلاء اپنے مسائل اور عرضداشتیں لے کر آئے تھے ان میں سے تیس (۳۰) حضرات کو منتخب کیا۔ روزانہ ان میں سے ایک عالم اس منبر پر وعظ و نصیحت فرماتے، اس محفل میں سلطان خود منبر کی ایک جانب بیٹھے ہوتے۔ جن حضرات نے وعظ میں حق بیان کیا سلطان ان کے شکر گزار ہوئے، جنہوں نے مدح و ستائش میں مبالغہ کیا سلطان نے ان پر ناراضی کا اظہار کیا۔ (۱۹)

رقتِ قلبی ..... سلطان جلال الدین میدانِ جنگ میں صلابت کے پیکر اور استقامت کے کوہِ گراں معلوم ہوتے تھے۔ وہ کفار کے مقابلے میں ایک فولادی دیوار تھے جس میں ذرہ بھر نرمی کا نام و نشان تک نہ تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے سینے میں سوز و گداز سے بھرپور ایک نرم دل رکھتے تھے۔ وہ اللہ عزوجل کے خوف سے رونے والی چشمِ نم کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ ان کی زندگی کے کئی ایسے مواقع ہیں جن سے ان کی رقت قلبی کا انداز ہوتا ہے۔

مؤرخ اسلام علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''وکان ربما قرأ فی المحف ویبکی.''...... ''بسا اوقات وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے زار و قطار روتے تھے۔'' (۲۰)

پروان کے معرکے میں چنگیز خان کی شکست کے بعد جب سلطان کے حلیف سیف الدین اور امین الملک مال

غنیمت کی تقسیم پر باہم لڑ پڑے تو سیف الدین نے امتِ مسلمہ کے نفع وضرر سے قطع نظر کرتے ہوئے سلطان سے علاحدگی کا فیصلہ کرلیا۔ اس موقع پر سلطان جلال الدین، سیف الدین کو منانے کے لیے اس کی منت سماجت کرتے ہوئے ازخود رفتہ ہوکر پھوٹ پھوٹ کر رو دیے تھے۔

علّامہ ابن اثیر نے اسے یوں ذکر کیا ہے: ''وسار بنفسه اليه، و ذكره الجهاد، و خوّف من الله تعالىٰ و بكى بين يديه، فلم يرجع.''...... (سلطان بذاتِ خود سیف الدین کے پاس گئے، اسے جہاد کی اہمیت یاد دلائی، اسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرایا، اس کے سامنے روئے، مگر سیف الدین واپس نہ لوٹا۔) (۴۱)

مشہور محدث ومؤرخ علّامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ کے صاحبزادے شیخ محی الدین یوسف ابن جوزی رحمہ اللہ دربارِ خلافت سے بطورِ سفیر سلطان کی خدمت میں آئے۔ سلطان اس وقت اپنے خلوت خانے میں تھے۔ شیخ جب خلوت میں پہنچے تو دیکھا کہ سلطان قرآن مجید کا نسخہ سامنے رکھے ہوئے تلاوت میں مشغول ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری ہے۔ (۴۲)

سنّی حنفی مسلمان..... تنزل وانحطاط کے اس دور میں طرح طرح کے اعتقادی فتنوں کے اثرات عوام سے گزر کر ممالکِ اسلامیہ کے حکمران طبقے تک پہنچ چکے تھے۔ آپ کو اس دور کی تاریخ میں جابجا نظر آئے گا کہ ایک صحیح العقیدہ سربراہِ مملکت کی وفات کے بعد تخت نشین ہونے والا اس کا بیٹا معتزلی نکلا۔ مملکت مسلمانوں کی تھی، مگر حاکم اسماعیلی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ خانوادۂ شاہی جدّی پشتی اہل سنت والجماعت تھا، مگر نیا بادشاہ اس جادۂ مستقیم کو چھوڑ کر شیعہ بن گیا۔ اس دور میں اعتزال ایک قسم کا فیشن بن چکا تھا اور تشیّع گویا حبِ اہل بیت کی سند تھا۔ عباسی خلیفہ ناصر اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے فرزند الملک الافضل کے متعلق بھی معتبر مؤرخین کا یہ بیان ہے کہ وہ شیعہ تھے۔ (۴۳) مگر نظریاتی حوادث کی ان آندھیوں میں بھی خوارزم شاہی حکمرانوں کے ایمان کی لَو مدہم نہیں ہوئی اور ان کا دامن اعتقادی فتنوں کے کانٹوں سے محفوظ رہا۔ اس خانوادے کے حکمران اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر کاربند اور حنفی مسلک کے پیروکار تھے۔ ان کی خوش عقیدگی اور دین پروری مؤرخین کے نزدیک مشہور ہے۔

علاؤالدین محمد خوارزم شاہ پر بعض لوگوں نے رفض کا الزام لگایا تھا، محض اس لیے کہ وہ خلیفہ کے مقابلے میں نکلا تھا، مگر اس الزام میں کوئی صداقت نہیں بلکہ اگر وہ خلیفہ کا دوست ہوتا تب اس کا شیعہ ہونا قرین قیاس ہوتا، اس لیے کہ خلیفہ خود شیعہ تھا۔ اسی طرح سلطان جلال الدین کو اہل بغداد ''خارجی'' کہا کرتے تھے، مگر اس کا معنی یہ نہیں کہ سلطان خارجی عقائد رکھتے تھے، بلکہ اہل بغداد خلیفہ کے ہر حریف کو اپنی اصطلاح میں ''خارجی'' ہی شمار کرتے تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ جیسے مؤرخ اور فنِ رجال کے امام سلطان جلال الدین کو ہر قسم کی بدعقیدگی کے الزام سے بری قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''کان صحیح الاسلام'' (سلطان جلال الدین صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔) (۴۴)

صورت وسیرت وعادات کے متفرق جھلکیاں.....

● ......سلطان کا سوانح نگار احمد النسوی اپنے محبوب قائد کا حلیہ اور خصائل بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

''سلطان جلال الدین گندمی رنگت اور قدرے کوتاہ قد وقامت کے مالک تھے۔ چہرے کے نقوش ترک قومیت کی عکاسی کرتے تھے۔ ترکی ہی ان کی اصل زبان تھی، مگر فارسی میں بھی گفتگو کیا

کرتے تھے۔ (۲۵) وہ بہت کم گو تھے، متحمل مزاج تھے، غصّے اور گالی گلوچ سے احتراز کرتے تھے۔ان کی شخصیت بڑی پُر وقار تھی، کھلکھلا کر ہنسنا ان کی عادت نہ تھی، صرف مسکرا دیتے تھے، فضول گوئی سے دور تھے، عدل وانصاف سے کام لیتے تھے، تاہم چونکہ انہیں فتنہ وفساد کے دور سے واسطہ پڑا تھا، اس لیے (کبھی) وہ (حالات یا جذبات سے) مغلوب ہوجاتے تھے۔ (۲۶)

- ......سلطان جلال الدین عام طور پر ''طرطورا'' (ایک قسم کی لمبی نوکدار ٹوپی) پہنا کرتے تھے جس کی بناوٹ میں گھوڑے کے بال بھی استعمال کیے جاتے تھے اور وہ مختلف رنگوں کے ہوتے تھے۔ (۲۷)
- ......سلطان کے درباری ان کو ''خداوندِ عالم'' کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ (۲۸)

(واضح رہے کہ فارسی میں ''خداوند'' آقا اور سردار کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے، اسے خدا کے ہم معنیٰ نہ سمجھا جائے۔)

- ...... سلطان اپنے مکتوبات اور احکام ناموں پر جو مہر ثبت کیا کرتے تھے، اس کے الفاظ یہ ہوا کرتے تھے: "النصرة من الله وحدهٗ" (مدد اکیلے اللہ ہی کی طرف سے ملتی ہے۔) موصل اور اس جیسی چھوٹی موٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے نام اپنے مراسلات میں وہ اپنے نام کے بجائے یہی مہر ثبت کر دیتے تھے۔

روم، مصر اور شام کے جلیل القدر سلاطین کے نام اپنے خطوط میں وہ ''سلطان'' کے لفظ کے ساتھ اپنا نام اور ولدیت تحریر کر دیتے تھے یعنی ''سلطان منکبرتی بن سنجر'' بڑائی یا تواضع ظاہر کرنے والے القاب سے گریز کرتے تھے۔ (۲۹)

- ......سلطان جلال الدین کی طبیعت میں جذبات کی جولانی بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ وہ صبر وتحمل، ضبطِ نفس اور ہمت وحوصلہ مندی کے بلند مقامات پر فائز ہونے کے باوجود کبھی کبھار جذبات کے سیلِ بے کراں میں بہہ جاتے تھے۔ اس قسم کے واقعات سلطان کی زندگی کے آخر سالوں میں زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی زندگی مسلسل حوادث و مصائب کا مجموعہ تھی۔ تاتاریوں کے ہاتھوں ان کے اہل خانہ، اعزہ واقارب اور رعایا کے قتل عام سے ان کے دل پر جو زخم لگے تھے وہ کبھی مندمل نہ ہوسکے۔ پھر اپنوں کی ایذا رسانی اور دُشمنی کے چرکے اس پر مستزاد تھے۔ حوادث کی اس بوچھاڑ سے سلطان درحقیقت اندر سے چھلنی ہوکر رہ گئے تھے، اس لیے آخر میں باوجود ضبط کی کوشش کے وہ بارہا جذبات سے بے قابو ہوجایا کرتے تھے اور بعض اوقات اس حالت میں ان سے غیر معتدل فیصلے بھی صادر ہوئے۔
- ......اپنے بعض مصاحبین پر ان کا اعتماد کبھی حدِ احتیاط سے متجاوز ہوجاتا تھا، کبھی ان کی اطلاعات وشکایات پر وہ بلا تحقیق وتفتیش عملدر آمد کر بیٹھتے تھے، اس سے بعض اوقات ان کو نقصان بھی اُٹھانا پڑتا تھا۔ خاص کر وزیر اعظم شرف الملک پر ایک عرصے تک اندھا اعتماد کر کے انہوں نے سخت نقصانات سہے۔

حقیقتِ لفظ ''مَنکَبَرتی'' ...... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے تذکرے میں مؤرخین نے جا بجا ان کے ساتھ ''مَنکَبَرتی'' یا ''مِنکَبَرنی'' کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کی حقیقت اور معنیٰ کیا ہے؟ قاضی احمد غفاری نے تاریخِ جہاں آراء میں تحریر کیا ہے کہ یہ لفظ ''مِنکبَرنی'' ہے۔ ترکی زبان میں تل کو ''مِینگ'' کہتے ہیں اور ناک کو ''بورون''، چونکہ سلطان کی ناک پر ایک تل تھا، اس لیے سلطان کو ''مِنکبرنی'' کہا جانے لگا، یعنی ناک پر تل والا۔ سیرۃ جلال الدین، طبقاتِ ناصری اور معجم البلدان میں اگرچہ یہ وجہ تسمیہ مذکور نہیں، مگر اس لفظ کو ''منکبرنی'' ہی لکھا گیا ہے۔

دوسری طرف بہت سے مؤرخین نے اس لفظ کو ''منکبر تی'' (تا کے ساتھ) تحریر کیا ہے۔ اس صورت میں یہ لفظ مونکو (بمعنیٰ ''خدا'') اور برُ تی (بمعنیٰ ''دینا'') سے مرکب ہوگا گویا ''منکبر تی'' خداداد یا خدابخش کے ہم معنیٰ ہوگا۔

مغربی سکہ شناس ''ایڈورڈ تھامس'' نے اپنے مقالے The coins of the kings of Ghasni (مسکوکاتِ ملوک غزنی) میں سلطان جلال الدین کے جاری کردہ تین سکوں پر کندہ عبارت نقل کی ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دو سکوں پر ''السلطان الاعظم جلال الدنیا و الدین'' اور ایک سکے پر: ''الناصر لدین اللہ امیر المؤمنین جلال الدنیا و الدین منکبرین بن السلطان'' کندہ ہے۔

رہی یہ بات کہ یہ لفظ (منکبر تی، منکبر نی یا منکبرین) سلطان کا نام ہے یا لقب؟...... تو بعض محققین نے اس پہلو کو ترجیح دی ہے کہ یہ لفظ سلطان کا نام ہے اور جلال الدین ان کا لقب ہے، جیسا کہ اس زمانے کے بادشاہوں کی عادت تھی کہ وہ قطب الدین، علاؤ الدین، سیف الدین جیسے القابات اختیار کرتے تھے۔ سلطان نے بھی اسی طور پر جلال الدین کا لقب اختیار کر لیا تھا، مگر بعض دوسرے حضرات اس لفظ کو لقب اور جلال الدین کو نام قرار دیتے ہیں۔

راقم کا خیال ہے کہ پہلا قول ہی درست ہے...... علاؤ الدین محمد نے مرتے وقت جانشین بناتے ہوئے انہیں منکبر تی کہہ کر ہی یاد کیا تھا جیسا کہ شہاب الدین محمد النسوی نے سیرۃ جلال الدین میں ذکر کیا ہے۔ نیز سلطان کے خطوط میں بھی منکبر تی ہی لکھا جاتا تھا نہ کہ جلال الدین۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو مؤرخین کا خراجِ تحسین

حافظ ذہبی رحمہ اللہ...... 1 ھابته التتار، ولولاه لداسوا الدنیا...... تاتاری سلطان جلال الدین سے خوف زدہ تھے، اگر سلطان نہ ہوتے تو تاتاری ساری دنیا کو روند کر رکھ دیتے۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:۲۲،ص:۳۲۸)

2 احد من یضربُ به المثل فی الشجاعة والاقدام...... سلطان ان شخصیات میں سے ایک تھے جن کی شجاعت اور یلغار ضرب المثل ہے۔ (العبر ۳/۲۰۳)

3 لااعلم فی السلاطین اکثر جولانا منه فی البلدان مابین الهند الی ماوراء النهر الی العراق الی فارس الی کرمان الی آذربائیجان و آرمینیة و غیر ذلک...... میں بادشاہوں میں سے کسی کی جولان گاہ سلطان جلال الدین سے زیادہ وسیع نہیں پاتا۔ ان کی گھڑ سواری کی حدود ہندوستان، ماوراء النہر، عراق، فارس، کرمان، آذربائیجان، آرمینیا اور دیگر علاقوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (العبر فی خبر من غبر:۳/۲۰۳)

علامہ ابن عماد حنبلی رحمہ اللہ......وکان جلال الدین سدًّا بین المسلمین و الکفار فلما مات انفتح السد......سلطان جلال الدین مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ایک ''حصار'' تھے، ان کے مرتے ہی ''حصار'' ٹوٹ گیا۔ (شذرات الذہب:۵/۱۳۱)

علامہ ابن تغری بردی رحمہ اللہ...... کان الخوارزمی یقاتل التتار عشرة ایام بلیالیها بعساکره، یترجلون عن خیولهم ویلتقون بالسیوف .ویبقی الرجل منهم یأکل ویبول وهو یقاتل...... بعض اوقات جلال الدین خوارزمی کو اپنے سپاہیوں کے ساتھ تاتاریوں سے دس دس دن رات مسلسل لڑنا پڑتا۔ جلال الدین کے سپاہی گھوڑوں سے اتر کر پیادہ دشمن سے بھڑ جاتے اور شمشیر زنی کرتے۔ یہاں تک کہ کھانا پینا اور طبعی تقاضوں کو بھی لڑائی کے دوران ہی پورا کرنا پڑتا۔ (النجوم الزاہرۃ، ج:۲،ص:۲۰۸،شاملہ)

علامہ اکبر شاہ نجیب آبادی...... وہ ایک بہادر شخص تھا اور متعدد مقامات پر اس نے اپنی بہادری کا ثبوت پیش کر کے اپنے آپ کو مستحقِ ستائش بنالیا تھا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی، ج:۳،ص:۱۳۱۲)

غلام ربانی عزیز (پاکستانی مؤرخ)...... یہ نامور سپاہی ان غیر فانی فرمانروایانِ عالم سے تھا جنہوں نے بڑے سے بڑے خطروں کو پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی۔ ناسازگار حالات اور ناموافق ماحول سے کبھی مرعوب نہ ہوا......وہ زمانے کے سرکش گھوڑے کو لگام دینے میں کامیاب نہ ہوسکا تو زمانہ بھی اسے خلافِ مرضی رام کر کے نکیل نہ ڈال سکا......جلال الدین ظلمتِ کفر و ناخدا ترسی کے خلاف ایمان وانصاف اور اسلام کا عظیم جانباز ہیرو تھا۔ (تاریخ خوارزم شاہی،ص:۱۱)

ڈاکٹر براؤن (یورپی مؤرخ)...... سلطان جلال الدین منکبرتی غارت گر تباہ کار تاتاریوں کے خلاف اسلام کی

آخری پناہ گاہ تھا۔ (تاریخ ادبیاتِ ایران، ۲/۳۰۷)

ہیرلڈ لیمب (امریکی مؤرخ)..... جلال الدین جو خوارزمیوں کا محبوب شہزادہ اور خوارزم شاہ کا ولی عہد تھا، سچا ترک، پستہ قد، چھریرا بدن، سانولا..... جسے تلوار کے کرتبوں سے بڑی دلچسپی تھی۔ (چنگیز خان، باب:۱۴، ص:۱۰۸)

جلال الدین خوارزم شاہ اکیلا یہ صلاحیت رکھتا تھا کہ دنیا بھر کے منتشر مسلمانوں کو یکجا کر کے تاتاری حملہ آوروں کے مقابلے کے لیے میدان میں آئے۔ (چنگیز خان، باب:۱۸، ص:۱۳۹)

مخالفین کے تأثرات

چنگیز خان..... ''از پدر پسر مثل او باید''..... بیٹا ہو تو ایسا ہو۔ (جہاں کشا جوینی، ج۲، ص۱۴۲)

الملک الاشرف موسیٰ ..... ''هو سد مابيننا و بين التتار كما ان السد بيننا و بين يا جوج و ماجوج''..... وہ ہمارے اور تاریوں کے درمیان ایک مستحکم دیوار کی طرح حائل تھا جیسا کہ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے مابین سدِ سکندری حائل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، ج:۷، ص:۱۵۴)

حواشی وحوالہ جات

① سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۴..... تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ھ حرف جیم

② تاریخ خوارزم شاہی، ص ۱۱

③ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۲۲..... ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۵ ..... خوارزم شاہی ص ۱۶۸

④ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

⑤ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۹

⑥ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۱، ۲۸۲..... خوارزم شاہی ص ۱۵۸

⑦ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۱۳، ۳۱۴..... خوارزم شاہی، ص ۱۹۱ تا ۱۹۲

⑧ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۵۵..... خوارزم شاہی، ص ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۲۴

⑨ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

⑩ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۱۳..... خوازم شاہی ص ۱۹۱

⑪ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۰۲ تا ۲۰۴..... خوارزم شاہی ص ۱۶۰..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۰، ۳۷۱

⑫ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۰

⑬ افغانستان درمسیر تاریخ ص ۱۴۱..... خوارزم شاہی ص ۱۹۰، ۱۹۱..... جہاں کشا ج ۲ ص ۱۱۷

⑭ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰..... ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱

سلطان جلال الدین کا خود کو ''ابن سنجر'' کہنے کا پس منظر یہ ہے کہ ان کے باپ کا لقب ''سنجر'' اور ''سکندر ثانی'' تھا۔ جیسا کہ درباری شاعر ضیاء الدین نے اپنے قصیدے میں کہا تھا:

سلطانِ علاء دنیا سنجر کہ ذوالجلال — چہ از خلق برگزید ش و جاہ و جلال داد

شاہِ عجم سکندرِ ثانی کہ رائے او — برفتحِ ملکِ ترکِ حشم را مثال داد

⑮ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶

⑯ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹..... ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

⑰ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۳

⑱ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۸

⑲ سیرت سلطان جلال الدین ص ۲۰۴..... نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۱

⑳ العبر ج ۳ ص ۲۰۳

㉑ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۹۴

㉒ سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸

㉓ دیکھئے! البدایۃ والنہایۃ ، ج ۷ ص ۱۲۷

㉔ العبر ج ۳ ص ۲۰۳

㉕ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۸۴......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹......ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

㉖ سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۸۴......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹............ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰

㉗ تاریخ کبیر للذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف جیم......سیر اعلام النبلاء ج ۲۲ ص ۳۲۸

㉘ ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱

㉙ نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......ابوالفداء ج ۳ ص ۱۵۱

سلطان جلال الدین کے اپنے اور پرائے

تری بندہ پروری سے مرے دن گزر رہے ہیں   نہ گلہ ہے دوستوں سے نہ شکایتِ زمانہ

سلطان جلال الدین کے اہل خانہ، اعزہ اور متعلقین میں سے بعض کا تذکرہ اس کتاب کے گزشتہ حصوں میں منتشر انداز میں آ چکا ہے۔ سلطان کے خانگی کوائف کی وضاحت اور ان کے خاندانی تعلقات کو مرتب انداز میں پیش کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوا کہ ایک باب میں سلطان کے ان متعلقین کا تذکرہ مستقل طور پر کیا جائے۔ اس کے علاوہ سلطان کے جانثاروں اور ان کے دربار سے وابستہ اہل علم وادب کا تعارف بھی قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ سلطان سے غداری کرنے والوں کے انجام کو درسِ عبرت کے طور پر تفصیل سے نقل کیا گیا ہے۔ آیئے! سلطان کے ان متعلقین کے حالات پر ترتیب وار نظر ڈالتے ہیں۔

رشتہ دار

عام رشتہ دار ..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے اکثر رشتہ دار ان کی زندگی ہی میں فوت ہو گئے تھے، صرف اکا دکا چند اہل خاندان ہی تھے جو ان کے بعد بھی حوادثِ زمانہ دیکھنے کے لیے زندہ رہے۔ چونکہ سلطان پر خوارزم شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا تھا لہٰذا اس عظیم خانوادے کے باقی ماندہ افراد آفاقِ عالم کے تاریک گوشوں میں اپنے ایامِ حیات پورے کر کے گمنامی کی حالت میں دنیا سے چلے گئے، یہ سب غربت، جلاوطنی، عزلت یا قید و بند کا شکار رہے، ان میں سے چند ایک کے سوا کسی کے حالات تاریخ کے صفحات میں محفوظ نہیں رہ سکے۔

دادی ترکان خاتون ..... سلطان جلال الدین کی دادی ترکان خاتون جس آن بان سے حکومت کرتی رہی اور جس حسرت ناک انداز میں گرفتار ہوئی وہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

یہ بدنصیب عورت سلطان کی گمشدگی یا شہادت کے وقت بھی صحرائے گوبی میں تاتاریوں کی قید میں زندہ تھی، اس کے دو سال بعد ۶۳۰ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ (۱)

سلطان جلال الدین کے بھائی ..... سلطان کے چار بھائی تھے: قطب الدین از لاق، آق سلطان، رکن الدین غور شاہ اور غیاث الدین پیر شاہ۔ غالباً یہ سب کے سب باپ شریک بھائی تھے، ان میں سے کوئی بھی سلطان جلال الدین کا سگا بھائی نہیں تھا۔ قطب الدین از لاق کو علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے جلال الدین کی جگہ ولی عہد نامزد کیا تھا، مگر موت سے قبل جلال الدین کی جانشینی بحال کر دی، جس کے باعث بعد میں قطب الدین از لاق کے حامی امراء نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی۔ قطب الدین از لاق کے حالات حصہ اول کے چوتھے باب اور حصہ دوم کے باب اول میں گزر چکے ہیں۔

آق سلطان غالباً کم عمر تھا۔اس کے حالات کی کوئی خاص تفصیل نہیں ملتی۔انجام کار وہ بھی قطب الدین ازلاق کے ہمراہ تاتاریوں سے لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔قاضی منہاج السراج نے آق سلطان اور غیاث الدین کو ایک ہی شمار کیا ہے۔ ②

تاتاریوں سے جہاد میں رکن الدین غورشاہ نے بھرپور حصہ لیا اور مردانہ وار مقابلہ کر کے شہید ہوا۔منہاج السراج کے بیان کے مطابق اس کا اصل نام رکن الدین غوریشانستی تھا،جس کا مطلب ہے غوری شکن،دراصل یہ شہزادہ سن ۶۰۱ھ میں اس وقت پیدا ہوا تھا جب سلطان شہاب الدین غوری نے خوارزم پر فوج کشی میں ناکامی کے بعد واپسی اختیار کی تھی اس مناسبت سے اسے غوری شانستی کہا گیا جو مختصر ہو کر عام استعمال میں صرف غورشاہ رہ گیا،یہ سب بھائیوں سیکم عمر،حسین اور بلا کا ذہین وشجاع تھا۔اس کے حالات حصہ اول کے چوتھے،دسویں اور گیارہویں باب گزر چکے ہیں۔ ③

البتہ غیاث الدین پیرشاہ کے حالات اور اس کے انجام کا تذکرہ قدرے وضاحت سے پیش خدمت ہے:

غیاث الدین...... غیاث الدین پیرشاہ حسن و جمال کا مجسمہ،مگر ضدی اور مغرور تھا۔ ④ تاتاری حملے کے دوران وہ اپنے باپ علاؤ الدین محمد کے حکم پر شاہی خاندان کی بیگمات کے ہمراہ ماژندران کے قلعہ قارون دژ میں چھپ گیا تھا۔بعد میں تاتاریوں نے اس قلعے پر قبضہ کر کے بیگمات اور دیگر خواتین کو گرفتار کر لیا،مگر غیاث الدین ان کے ہاتھ سے بچ کر بھاگ نکلا اور تیس ماتحتوں کے ساتھ ایران پہنچ گیا۔

دوران سفر ایک دن اس کے کچھ ساتھیوں نے اسے قتل کر کے اس کا سر تاتاریوں کو پیش کرنے کا منصوبہ بنایا،ان میں ایک صوفی بھی تھا جو دل سے غیاث الدین کا وفادار تھا۔اس نے چپ چاپ سب سنا اور جب یہ سازشی لوگ سو گئے تو جا کر غیاث الدین کو جگایا اور سب کچا چٹھا کہہ سنایا۔غیاث الدین نے اسی وقت ان سازشیوں کو سوتے میں جا پکڑا اور وہیں تہہ تیغ کر دیا۔اس طرح بچتے بچاتے وہ اصفہان پہنچ گیا،یہاں کے باشندوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی،خوارزمی لشکر کے کچھ منتشر سپاہی بھی اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ⑤

غیاث الدین ان کے ساتھ اصفہان کے نواحی قلعے ''ماروت'' میں قیام پذیر ہو گیا اور تاتاریوں کی یلغار تھمنے کا انتظار کرتا رہا۔اس دوران آذربائیجان جانے والے ایک تاتاری لشکر نے قلعے کا محاصرہ کیا،مگر قلعہ اتنا مستحکم تھا کہ وہ سر توڑ کوشش کے باوجود اس پر قبضہ نہ کر سکے۔۶۲۰ھ تک (تقریباً تین سال تک) غیاث الدین اس قلعے میں چھپا رہا۔تاتاریوں کا سیلِ بے کراں گزر جانے کے بعد اس نے تباہ شدہ مملکت کے مغربی حصے پر جو ایران و فارس کا علاقہ تھا دوبارہ قبضہ کر کے ازسرِنو حکومت تشکیل دینے کی کوشش شروع کر دی۔ ⑥

کچھ عرصہ گزرا تھا کہ سلطان جلال الدین ہندوستان سے لوٹ آئے اور غیاث الدین کے افسران کی حمایت سے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لی۔غیاث الدین کو سلطان جلال الدین کی بالادستی پسند نہ تھی،اس لیے وہ سلطان کو نقصان پہنچانے یا کم از کم ان کی ماتحتی سے آزادی حاصل کرنے کا موقع تلاش کرتا رہا۔

کچھ عرصے بعد ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سلطان جلال الدین غیاث الدین سے سخت متنفر ہو گئے اور غیاث الدین بھی ان سے علاحدہ ہونے کے لیے پر تولنے لگا۔ہوا یہ کہ سلطان کے خاص مصاحبین میں سے ایک شخص ملک نصرت الدین محمد نامی تھا۔سلطان جلال الدین نے اسے اصفہان کا نگران اعلیٰ مقرر کر دیا تھا۔ملک نصرت بڑا زندہ دل،

شجاع اور خوش طبع نوجوان تھا۔ سلطان کو اس پر بڑا اعتماد تھا۔ ۞ (اس کی وفاداری کا ایک واقعہ ہندوستان کی مہمات کے ذیل میں گزر چکا ہے۔) انہی دنوں غیاث الدین کے بعض خدام نے اس کی ملازمت چھوڑ کر ملک نصرت کے ہاں نوکری کر لی۔ یہ بات غیاث الدین کو بہت بُری لگی اور وہ ملک نصرت سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ ایک دن سلطان کی موجودگی میں اس نے ملک نصرت سے باز پرس شروع کر دی کہ تم نے میرے ملازموں کو میری مرضی کے بغیر اپنے پاس کیوں رکھ لیا؟ ملک نصرت نے حسبِ عادت خوش طبعی کرتے ہوئے کہا:

''جنابِ من! ملازم اسی جگہ کام کرنا پسند کرتا ہے جہاں سے اسے سہولتیں میسر ہوں۔ وہ بھوکے پیٹ کام نہیں کر سکتے۔''

غیاث الدین نے اس فقرہ کو اپنی کھلی توہین خیال کیا اور جل بھن کر رہ گیا۔ سلطان جلال الدین کی موجودگی کے باعث وہ اپنے غصّے کا اظہار نہیں کر سکتا تھا، مگر نگاہوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ سلطان نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا اور غیاث الدین کو ٹھنڈا کرنے کے لیے نصرت کو اشارہ کیا کہ وہ مجلس سے اُٹھ کر چلا جائے۔ ملک نصرت باہر نکل گیا۔

غیاث الدین اسی وقت سے نصرت کو قتل کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ چنانچہ اسی رات وہ چھت کے راستے ملک نصرت کے گھر میں کود گیا اور خنجر کے پے در پے وار کر کے اسے نیم جان کر دیا۔ زخموں کی شدت سے دو دن بعد ملک نصرت جاں بحق ہو گیا۔

اس ظالمانہ حرکت پر سلطان جلال الدین اس قدر غضبناک ہوئے کہ غیاث الدین کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ سلطان نے اسے لکھ کر بھیجا:

''تم نے قسم کھائی تھی کہ میرے دشمن تمہارے دشمن اور میرے دوست تمہارے دوست ہوں گے۔ مقتول میرا سب سے سچا دوست اور سب سے پیارا ساتھی تھا جس کے پاس بیٹھ کر میں اپنا غم بھول جاتا تھا۔ تم نے اسے ظلماً قتل کیا ہے، تم غدار، وعدہ خلاف، بدعہد اور خائن ہو۔ بہر کیف تم سے قانونی معاملہ کرنے کی قسم میرے ذمے ہے۔ اس لیے میں اس حال میں بھی وہی فیصلہ کروں گا جو شرعی عدالت طے کرے گی۔ اب مقتول کے بھائی کا عدالت میں سامنا کرو۔ اس نے چاہا تو معاف کر دے، چاہے تو قصاص لے۔''

سلطان کے اس ردِّعمل کے بعد غیاث الدین کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ مگر اس سے پہلے کہ مقدمے کا فیصلہ ہوتا قضائے الٰہی سے اصفہان کی لڑائی پیش آ گئی۔ عام حالات میں غیاث الدین کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہ تھا، مگر میدانِ جنگ سے بھاگتے ہوئے اسے یقین تھا کہ اس نازک حالت میں سلطان کے سپاہی دشمن کا مقابلہ چھوڑ کر اس کا تعاقب نہیں کریں گے، چنانچہ وہ میدانِ جنگ سے فرار ہو گیا۔

النسوی نے انکشاف کیا ہے کہ وہاں سے بھاگ کر پہلے اُس نے خلیفہ بغداد خوشنودی حاصل کرنے اور دربارِ خلافت کو سلطان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ اس نے دربارِ خلافت میں عریضہ پیش کیا کہ فدوی مدتِ دراز تک خلافت مآب کے شہروں کا ہمسایہ رہا اور ہمیشہ حقِ ہمسائیگی کی رعایت کرتا رہا، مگر جب سے میرا بھائی جلال الدین ہندوستان سے واپس آیا ہے وہ دربارِ خلافت کی سرحدوں پر حملے کیے جا رہا ہے، پس جلال الدین کے مقابلے میں میری مدد کر کے اس کے مقبوضات مجھے دِلوا دیے جائیں۔'' خلیفہ نے اس کو اچھی امید دِلا کر رخصت کیا تو وہ حسین

مستقبل کے سپنے دیکھتا ہوا، باطنیوں کے مرکز ''الموت'' چلا گیا۔ (۸)

کچھ عرصہ تک وہ حاکم الموت علاؤالدین کے پاس رہا۔ بعد میں جب سلطان جلال الدین نے الموت کے نواح میں جنگی مہمات شروع کیں تو علاؤالدین گھبرا گیا کہ سلطان کے دشمن کو پناہ دے کر خود نہ پھنس جاؤں، اس نے سلطان سے سفارش کی کہ غیاث الدین کو معاف کر دیا جائے، وہ اسے خدمتِ سلطانی میں واپس بھیج رہا ہے۔ سلطان نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ اس دغاباز بھائی کو معاف کر دیا اور اطمینان دلانے کے لیے حلف بھی اٹھایا کہ غیاث الدین کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس یقین دہانی کے بعد غیاث الدین الموت سے نکلا مگر راستے میں مختلف شکوک کا شکار ہو کر سلطان کے پاس جانے کی بجائے کرمان کے حاکم براق حاجب کی پناہ میں چلا گیا۔ اس بھاگ دوڑ میں اس کی ماں بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔ (۹) نیز ایلچی جہان پہلوان اور کریم الشرق نامی دو خوارزمی مصاحب بھی برابر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

براق حاجب نے چند روز تک غیاث الدین کی خوب آؤ بھگت کی، لیکن جلد ہی اس کے بدلتے تیور دیکھ کر شہزادے کو احساس ہوا کہ وہ ایک بے رحم درندے کی قید میں آ چکا ہے۔ براق حاجب درحقیقت خوارزم شاہی خاندان کا دشمن تھا اور ان کا نام ونشان مٹا کر اپنی علاحدہ سلطنت کی بنیاد ڈالنا چاہتا تھا، اس لیے اپنا مرتبہ بڑھانے کے لیے اس نے غیاث الدین کی ماں سے جو کہ سلطان علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی بیگمات میں سے بچ جانے والی واحد خاتون تھی، اور اب اپنے بیٹے کے ساتھ اسکی مہمان بنی ہوئی تھی، زبردستی نکاح کر لیا۔ غیاث الدین اس پر بڑا تلملایا، مگر مجبوری کی بناء پر کچھ نہ کر سکا۔

چند دن کے بعد براق حاجب کے دو خاص مصاحبین شہزادے کے پاس آئے اور اسے اس بات پر آمادہ کرنے لگے کہ وہ براق کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرے۔ ہر چند کہ انہوں نے شہزادے کو اپنے تعاون اور اس مہم کی کامیابی کا یقین دلایا، مگر شہزادے نے آمادگی ظاہر نہ کی۔ اتفاق سے شہزادے کے ایک بے وفا خادم نے اس رازدارانہ گفتگو کے چند ادھورے جملے سن لیے اور براق سے یہ کہہ دیا کہ شہزادہ اور اس کے مصاحبین وخدام بغاوت کی سازش کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی براق کے جذبۂ بہیمیت نے انگڑائی لی۔ اس نے بلاتحقیق وتفتیش شہزادے کو ایک قلعے میں قید کر دیا۔ اس پر الزام عائد کیا کہ وہ اسے زہر دینے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس کے مصاحبین اور نوکروں چاکروں کو بلوا کر ان سے بغاوت کے جرم کا زبردستی اقرار کرانا چاہا تھا۔ انکار کرنے پر ان سب کے ٹکڑے اُڑا دیے۔ ان میں کریم الشرق اور ایلچی جہان پہلوان بھی شامل تھے۔

ان سب کو ٹھکانے لگانے کے بعد شہزادے کو بھی موت کے تختے پر لا کھڑا کیا گیا۔ شہزادہ بہت چیخا چلایا، منت سماجت کی، مگر اس سنگ دل پر کوئی اثر نہ ہوا اور بلا تامل اس نے شہزادے کو موت کی نیند سلا دیا۔ بیٹے کی چیخ وپکار ماں کے کانوں تک پہنچ چکی تھی۔ وہ بے چاری حواس باختہ ہو کر رونے پیٹنے لگی، براق حاجب نے غصّے کے عالم میں اسے بھی بارِ حیات سے سبکدوش کر دیا۔ (۱۰)

یہ سفاکانہ کارنامے انجام دینے کے بعد بدفطرت براق حاجب نے سلطان جلال الدین کو خط لکھا: ''میں نے سلطان عالی قدر کی ایک عظیم خدمت یہ انجام دی ہے کہ ان کے سب سے بڑے دشمن (غیاث الدین) کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔'' (۱۱)

سلطان کی بہنیں..... کتبِ تاریخ کی ورق گردانی سے سلطان کی تین بہنوں کا پتہ چلتا ہے۔

پہلی بہن......ان میں سے ایک وہ تھی جو بعد میں خوارزمی دربار کے امیر مغان طائیسی کی شریک حیات بنی اور اسی کی سفارش پر ایک بار سلطان جلال الدین نے مغان طائیسی کا جرمِ بغاوت معاف کر دیا تھا۔[۱۲] اس بہن کے دیگر کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

دوسری بہن......شاہِ مصر سیف الدین قطز کی ماں، دوسری بہن بھی گمنام تھی جس کا نکاح مودود نامی کسی شخص سے ہوا تھا، اس کا بیٹا محمود بن مودود ایک قابل سالار بنا اور سیف الدین قطز کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی نے مصر کا تخت و تاج سنبھال کر ۶۵۸ھ میں تاتاریوں کو عینِ جالوت کی لڑائی میں تاریخی شکست دی تھی۔[۱۳]

مذکورہ دونوں بہنوں کے نام کیا تھے، یہ سگی تھیں یا سوتیلی؟ اور سلطان کے بعد ان پر کیا گزری......اس بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

تیسری بہن، شہزادی خان سلطان......شہزادی خان سلطان جس کا ذکر اس کتاب کے بعض گوشوں میں گزر چکا ہے سلطان جلال الدین کی سوتیلی بہن تھی۔ یہ وہ خاتون تھی جس نے اپنی زندگی میں حوادث و مصائب کے طوفانوں کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔ محرومیاں اور ناکامیاں اسے ڈستی رہیں، مگر وہ ہر اذیت کو برداشت کرنے اور ہر تکلیف سہنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس نے بے وطنی اور قید و بند میں فہم و فراست، حسن تدبیر اور خداداد توفیق سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے کر قومِ تاتار کی کایا پلٹنے میں اہم کردار ادا کیا۔

شہزادی کی ابتدائی عمر تو بڑے عیش و آرام اور چین و اطمینان سے گزری، مگر شادی کے بعد اس کی محرومیوں کا دور شروع ہو گیا۔ اس کی شادی کا قصہ یہ تھا کہ اس کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ نے جب ترکان خطا کے خلاف جہاد شروع کیا تو اسی سلسلے میں اس نے سمرقند پر حملے کا ارادہ کیا جو اس وقت ترکان خطا کا گڑھ تھا۔ سمرقند کا کٹھ پتلی مسلمان حاکم عثمان خان جو خطائیوں کے ماتحت وہاں مسند نشین تھا خود بھی ان کافروں سے تنگ تھا، اس لیے اس نے از خود سلطان علاؤ الدین محمد کو سمرقند پر حملے کی راہ دکھائی اور شہر کے دروازے کھول دیے۔ خوارزم شاہ نے سمرقند پر قبضے کے بعد عثمان خان کی خدمات کے اعتراف میں شہزادی خان سلطان اس کے نکاح میں دے دی۔

یہ شادی خوارزم کے دارالحکومت اورگنج میں بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ عثمان خان نہایت خوبصورت جوان تھا، حسن کا یہ عالم تھا کہ جب اورگنج پہنچا تو لوگ اسے دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

خوارزم شاہ نے عثمان خان کو دو برس تک شاہی محل میں مہمان رکھا۔ بعد ازاں سمرقند کی ولایت اسے دوبارہ تفویض کرتے ہوئے اپنی بیٹی کو اس کے ساتھ رخصت کر دیا، مگر شہزادی عثمان خان کے گھر میں خوش نہ رہ سکی۔ عثمان خان کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ جوں جوں دن گزرتے جا رہے تھے عثمان خان کی ترش روی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ شہزادی حیران تھی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ دراصل شہر میں تعینات خوارزمی سپاہیوں کی سخت گیری نے عثمان خان کو خوارزمیوں سے متنفر کر دیا تھا اور وہ اپنے غصے کی بھڑاس اپنی بیوی پر نکال رہا تھا۔

کچھ عرصے بعد عثمان خان نے اپنے ترکانِ خطا سے باقاعدہ ساز باز کر لی۔ ترکان خطا کے سردار گورخان کی بیٹی کا رشتہ ملنے کی دلکش پیش کش کو سامنے رکھتے ہوئے ایک دن عثمان خان نے سمرقند میں موجود خوارزمی دستے کو قتل کرا دی، ان کی لاشوں کے ٹکڑے کر کے شہر کے بازاروں اور چوکوں میں لٹکا دیے گئے اور ترکان خطا کے تسلط کی راہ ہموار کر دی

گئی۔شہزادی خان سلطان کو اس حادثے کا علم ہوا تو اس نے ایک اطلاعی خط ایک وفادار خادم کو دے کر اسے فی الفور اورگنج روانہ کر دیا۔

اِدھر عثمان خان شہر میں موجود خوارزمیوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے محل میں آ دھمکا، وہ شہزادی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ شوہر کے چہرے پر بیمانہ غصّے کے آثار دیکھ کر شہزادی نے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا، کچھ باندیاں بھی مالکن کو بچانے کے لیے سامنے آ گئیں۔شہزادی نے ان کے ذریعے شوہر کو کہلوایا:

''میرے بارے میں خدا کا خوف کرو...... میں عورت ذات ہوں، مجھے قتل کرنا تمہارے لیے ذلت کی بات ہوگی۔تمہارے پاس کوئی ایسا جواز بھی نہیں کہ جس کی وجہ سے مجھ پر ہاتھ اٹھایا جائے۔سوچو تو مجھ سے درگزر کرنا ہی انجام کے لحاظ سے بہتر معلوم ہوگا۔''

عثمان خان کافی دیر تک بکتا جھکتا رہا، آخر غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا تو قتل کے ارادے سے باز آ گیا، تاہم اب ساتھ نبھانا دونوں کے لیے ناممکن تھا۔

چند ہی روز میں دارالحکومت سے خوارزمی سپاہ کے تازہ دم دستوں نے سمرقند پہنچ کر بغاوت کو کچل دیا۔بے شمار باغی قتل ہوئے۔عثمان خان کو بھی قتل کر دیا گیا۔اپنی رخصتی کے ایک برس بعد خان سلطان بیوہ ہو کر اپنے باپ کے گھر لوٹ آئی۔ (۱۴)

باپ کے گھر آنے کے بعد بھی اسے چین کے زیادہ دن گزارنے کا موقع نہ مل سکا اور کچھ عرصے بعد تاتاری یلغار کے سیلاب نے ایوان خوارزم کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔خوارزم شاہ نے اپنے خاندان کی مستورات کو ماژندران کے قلعوں میں چھوڑ کر خود بحیرۂ خزر میں پناہ لی۔اس کے روپوش ہونے کے بعد جب تاتاری ان قلعوں پر قابض ہوئے تو وہاں موجود شاہی خاندان کی مستورات کو جن میں شہزادی خان سلطان بھی شامل تھی گرفتار کر کے تاتاری شہزادوں اور سرداروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ (۱۵)

اس شہزادی کو چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی نے (جسے مؤرخین نے جوچی، زوچی، توشی اور دوشی کے الفاظ سے بھی یاد کیا ہے) اپنے لیے پسند کر لیا اور یوں یہ خانماں برباد شہزادی ایک ایسے آہنی قفس میں آ گئی جس سے آزادی حاصل کرنا اس کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔شہزادی کے بطن سے جوجی خان کی اولاد بھی ہوئی۔

چند سالوں بعد جوجی خان تو مر گیا مگر شہزادی اس قید سے نہ نکل سکی۔ان حالات میں بھی اس نے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کا سلسلہ جاری رکھا جس کی اسے تاتاریوں کی طرف سے اجازت دے دی گئی تھی۔ (۱۶)

کلام اللہ کے اثرات سے تاتاریوں کے شاہی خاندان کی نئی نسل تدریجاً متاثر ہوتی رہی۔بعد میں جوجی خان کی اولاد کو جب اسلام کے خاموش اور گمنام مبلغین سے واسطہ پڑا تو وہ فوراً اسلام لے آئے۔تاتاریوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا اعزاز جوجی خان ہی کے بیٹوں میں سے ایک شہزادے برکہ خان کو حاصل ہے۔ (۱۷)

سلطان کی ازواج..... زندگی کے مختلف ادوار میں سلطان جلال الدین نے متعدد نکاح کیے تھے۔دریائے سندھ کی لڑائی کے وقت انہوں نے اپنی جن بیگمات کو تاتاریوں کے چنگل سے بچانے کے لیے دریا بُرد کر دیا تھا ان کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

ان کے علاوہ سلطان کے دیگر نکاحوں کے متعلق جو تفصیل معلوم ہوئی وہ یہ ہے:

1 ......سلطان نے غزنی میں امین الملک کی بیٹی سے نکاح کیا تھا (۱۸) اور یہ وہ واحد ملکہ تھی جو دریائے سندھ کے معرکے میں دشمن کے محاصرے سے نکل کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس کے حالات کی تفصیل ہندوستان کے معرکوں کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ (۱۹)

2 ......ہندوستان میں فتوحات کے دوران سلطان نے راجہ کھوکھر سنکین کی خواہش پر اس کی بیٹی سے نکاح کیا تھا۔ (۲۰)

3 ......ہندوستان سے سلطان کی واپسی پر کرمان میں براق حاجب نے بغاوت سے تائب ہونے اور اظہار اطاعت کرنے کے موقع پر اپنی دختر سلطان کے نکاح میں دے دی تھی۔ (۲۱)

4 ......سعد بن زنگی (والی شیراز) نے سلطان کی شیراز آمد کے موقع پر اپنی بیٹی سلغوری خاتون کو سلطان کے رشتہ ازدواج سے منسلک کر دیا تھا۔ (۲۲) اس کے بطن سے سلطان کی ایک بیٹی ہوئی۔ یہ بیگم ۶۲۳ھ میں عین اسی دن فوت ہوئی جس دن سلطان کا امیر اُورخان نیشاپوری باطنیوں کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

اس کے بعد ۶۲۵ھ میں جب سلطان تاتاریوں سے جہاد کے لیے اصفہان میں رکے ہوئے تھے، سعد بن زنگی نے اپنی دوسری بیٹی سلطان کے نکاح میں دے دی۔ (سیرۃ جلال الدین ص: ۲۷۸)

آخر وقت تک یہ بیگم سلطان کے ساتھ ہی تھی۔ سلطان نے آخر میں تاتاریوں سے بچانے کے لیے اپنے چند خواص کے ساتھ نامعلوم مقام کی طرف روانہ کر دیا تھا، یہ بیگم سلاجقہ روم کے علاقے میں پہنچ کر وہیں مقیم رہی اور بعد میں اپنے رشتہ داروں کے پاس شیراز آگئی۔ (۲۳)

5 ......تبریز کے حاکم ازبک مظفر بن بہلوان کی بیوی بیگم بنت طغرل نے اپنے شوہر سے طلاق ثابت ہو جانے پر از خود سلطان سے نکاح کی درخواست کی تھی جسے سلطان نے قبول کر لیا تھا (۲۴) مگر حاسدین اور سازشی عناصر کی خفیہ چالوں کے باعث رخصتی کے چند سال بعد سلطان اور بیگم بنت طغرل میں ناچاقی پیدا ہوگئی۔

چونکہ سلطان کی نجی زندگی کے اس واقعے کی کڑیاں دو ملکوں کی سیاست سے جا ملتی ہیں، اس لیے ہم سلطان کی اس زوجہ کے حالات کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کرتے ہیں۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ سلطان جلال الدین نے نکاح کے بعد اپنی ملکہ بیگم بنت طغرل کو اس کی ذاتی جاگیر خوی میں سکونت پذیر رکھ کر اس علاقے کا اقتدار اسی کے پاس رہنے دیا تھا۔ بعد ازاں سلطان نے مزید عنایت کرتے ہوئے سلماس اور ارمیہ کے علاقے بھی اس کی جاگیر سے ملحق کر دیے تھے۔ ملکہ کی سہولت کے لیے سلطان نے اپنے وزیر سلطنت شرف الملک کو دیگر فرائض منصبی کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ملکہ کے مشیر کا عہدہ بھی دے دیا تھا۔ کچھ عرصہ تک شرف الملک یہ خدمت ٹھیک ٹھاک انجام دیتا رہا اور سلطان کے تعلقات بھی ملکہ کے ساتھ خوشگوار رہے۔

۶۲۴ھ میں جب سلطان عراق، عجم اور فارس کے میدانوں میں تاتاریوں سے جنگ میں مشغول تھے، وزیر اعظم کو کھل کر اپنی من مانی کرنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ ایک طرف تو اس نے عوام کے مال پر وہ دست درازیاں کیں کہ عوام چلا اُٹھے اور دوسری طرف ملکہ بنت طغرل کے داخلی امور میں بے جا روک ٹوک شروع کر دی۔ یہ سلوک سلجوقی فرمانروا

کی ناز پروردہ بیٹی کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ شرف الملک اور ملکہ میں کشیدگی دن بدن بڑھتی گئی۔ سیاست کے ماہر وزیر اعظم نے یہ سوچ کر کہ کہیں ملکہ محاذِ جنگ پر مصروف سلطان کو میری حرکات سے باخبر نہ کر دے، خود پہل کرتے ہوئے سلطان کے سامنے ملکہ کے خلاف شکایات کا طومار باندھ دیا۔ اس نے ملکہ پر نہ صرف سلطان سے بے وفائی کی تہمت لگائی، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ ''تبریز میں رونما ہونے والی بغاوت میں ملکہ کا بڑا ہاتھ تھا، دراصل وہ نہیں چاہتی کہ تبریز پر اس کے سابقہ شوہر کے وفاداروں کے سوا کسی اور کو حکومت کا موقع ملے۔'' (۴۵)

سلطان کو شرف الملک پر ازحد اعتماد تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی پُرکاری و ہوشیاری کے باعث شرف الملک اپنی بدترین فریب کاریوں پر بھی وفاداری و فرض شناسی کے دبیز پردے ڈالے ہوئے تھا جس کی وجہ سے سلطان جلال الدین اپنے فہم و فراست کے باوجود اس کی خفیہ سازشوں کا ادراک نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ملکہ کے متعلق شرف الملک کے بیان پر سلطان نے ردّ و کد نہ کی اور اس الزام پر یقین کر لیا۔ دوسری طرف شرف الملک نے ملکہ کو بھی سلطان سے بددل کرنے کی کوشش شروع کر دی تاکہ میاں بیوی کی باہم ملاقات اور تصفیے کی نوبت ہی نہ آنے پائے اور اس کی سیاہ حرکات پر پردہ پڑا رہے۔ اسکی کوششیں یہاں بھی کامیاب رہیں اور ملکہ بھی اپنے سادہ لوحی کی بناء پر وزیر اعظم کے جال میں پھنس کر سلطان سے نہایت مایوس اور خستہ خاطر ہو گئی۔ وزیر اعظم کی لگائی بجھائی سے وہ اس قدر متاثر ہوئی کہ سلطان سے متعلق اس کے خیالات یکسر تبدیل ہو گئے۔ اس کے حزن و ملال اور حسرت و غم کی آگ روز بروز تیز ہوتی گئی۔

دوسری طرف سلطان جلال الدین ایک طویل مسافت پر جنگی مہمات میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں ایک عرصے تک ملکہ سے رابطہ قائم کرنے کی فرصت ہی نہ مل سکی۔ سلطان کی یہ بے التفاتی بھی ملکہ کی ذہنی اذیت میں مسلسل اضافے کا سبب بنتی رہی۔ اپنی آرزوؤں کا شیش محل کرچی کرچی ہوتا دیکھ کر ملکہ نے سلطان جلال الدین اور ان کے اہلکاروں سے لاتعلق ہو جانے کا تہیہ کر لیا۔ سلطان سے اس کی محبت اب تدریجاً نفرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ لہٰذا وہ خوی میں واقع اپنے مسکن کو خیرباد کہہ کر ''ارمیہ'' چلی گئی اور وہاں کی جھیل کے درمیان واقع ایک محفوظ بلند پہاڑی قلعے میں فروکش ہو گئی۔

شرف الملک نے اس موقع کو غنیمت جانا اور خوی میں موجود ملکہ کے ساز و سامان اور مال و دولت کے خزانے سمیٹنے میں دیر نہ لگائی۔ ملکہ نے اس وقت نہایت بے چین ہو کر اپنے قاصد کی معرفت وزیر اعظم سے درخواست کی کہ وہ اس کے مال و اسباب سے تعرض نہ کرے، مگر وزیر اعظم نے ملکہ کے اس جائز مطالبے کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ آخر ملکہ نے یہ التماس کی کہ کم از کم اسے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا جائے، مگر وزیر اعظم نے اس پر بھی کان نہ دھرا اور حسب سابق ملکہ کو دھمکی آمیز پیغامات ارسال کر کے اس سے یہی مطالبہ کرتا رہا کہ وہ غیر مشروط طور پر قلعہ سے باہر آ کر اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دے۔

ملکہ جس مقام پر قلعہ بند تھی، اس سے کچھ فاصلے پر شام کے سلطان الملک الاشرف موسیٰ کے عملداری شروع ہو جاتی تھی اور اس کا مضبوط ترین قلعہ خلاط وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ الملک الاشرف اور سلطان جلال الدین کے تعلقات ایک عرصے سے کشیدہ چلے آ رہے تھے، چونکہ ملکہ اب دیگر خوارزمی عمال کے علاوہ خود سلطان جلال الدین سے بھی بددل ہو چکی تھی، اس لیے ان حالات میں اسے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اس سرزمین کو چھوڑ کر اپنے پڑوسی حکمران الملک الاشرف کی پناہ حاصل کر لے۔ اپنے اس عاجلانہ اور جذباتی فیصلے پر عملدرآمد کے لیے اس نے خفیہ طور پر الملک

الاشرف کے نائب، حاکمِ خلاط حاجب علی سے مراسلت کر کے اسے سرحد عبور کر کے اس طرف آنے کی دعوت دی۔

شام کا اربابِ اقتدار طبقہ سلطان جلال الدین کو اپنا سخت ترین حریف تصور کرتا تھا اور انہیں زک پہنچانے کے لیے موقعے کی تلاش میں رہتا تھا۔ ملکہ کے پیغام سے اس طبقے کو خوارزمی ایوان کی تذلیل کا ایک سنہرا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ حاجب علی تمام قوانین اور حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سرحدیں عبور کر کے ملکہ کے پاس آن پہنچا اور سلطنتِ خوارزم سے اس کی علاحدگی کے فیصلے کو سراہتے ہوئے اسے اس کے ساز و سامان سمیت اس پہاڑی قلعے سے نکال کر خلاط لے گیا۔ (۲۶)

کتبِ تاریخ سے ملکہ کے حالات کا اس کے بعد کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ آخر تک الملک الاشرف کی سلطنت میں پناہ لیے رہی اور سلطان جلال الدین سے اس کے تعلقات پھر استوار نہ ہو سکے۔

ملکہ بیگم بنت طغرل کا اس طرح دیارِ غیر کو سدھار جانا خوارزمی ایوان کی سخت توہین تھی۔ غیور اور باحمیت سلطان جلال الدین کو اس حادثے سے جو دھچکا لگا ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اس سانحے کے اثرات تاریخ پر نمایاں ثبت نظر آتے ہیں۔ وزیر اعظم کی فریب کاری، ملکہ کی حماقت اور شام کے اربابِ حل و عقد کی چیرہ دستی سے نمود پذیر ہونے والا یہ قضیہ آئندہ کے لیے دو اسلامی سلطنتوں میں دشمنی کے اضافے کا سبب بن گیا جس کی وجہ خوارزمی اور شامی فوجوں کے درمیان کئی خوں ریز جنگوں کی نوبت آئی۔ یہی واقعہ آگے چل کر خلاط پر سلطان کے بار بار حملوں اور آخر کار وہاں پر قبضے کا سبب بنا۔

6 ......ان کے علاوہ سلطان کو شاہِ ہندوستان شمس الدین التمش نے بھی داماد بنانا چاہا تھا اور خانسر کی جنگ کے بعد معاہدۂ صلح کو مؤکد کرنے کے لیے اپنی لڑکی سلطان کے عقد میں دینے کی پیش کش کی تھی۔ (۲۷)

مگر سیر و تواریخ میں یہ کہیں واضح نہیں ہوا کہ آیا یہ نکاح ہوا بھی تھا یا نہیں۔ بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے کہ رشتے کی بات طے تو ہو گئی تھی مگر اس کے بعد دونوں حکمرانوں کے تعلقات پھر اس قدر کشیدہ ہو گئے کہ رشتے داری کی جگہ کشاکشی کی نوبت آ گئی اور اسی وجہ سے سلطان جلال الدین کو دل شکستہ ہو کر ہندوستان سے واپس جانا پڑا۔

سلطان کی ازواج کا انجام ..... سلطان کے بعد ان کی بیگمات کا کیا حال ہوا؟ تاریخ جہان کشا کے حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بیگم سلغوری خاتون جو آخر تک سلطان کے ہمراہ تھی، چند خواص کے ساتھ سلاجقہ روم کی سلطنت سے ہوتی ہوئی شام پہنچ گئی تھی۔ بعد میں اس کے بھائی حاکم شیراز ابوبکر بن سعد نے اسے اپنے ہاں بلوا لیا، اس طرح اس کی بقیہ زندگی عزت و آرام سے گزر گئی۔ (۲۸) تاریخ جہاں کشا کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تاتاری سالار جرماغون نے سلطان کی بعض بیگمات کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس کے بعد ان پر کیا بیتی ہو گی، یہ اللہ علیم و خبیر ہی بہتر جانتا ہے۔ (۲۹)

سلطان کی اولاد ..... دریائے سندھ کے معرکے سے قبل بھی سلطان صاحبِ اولاد تھے۔ اس معرکے میں ان کا ایک سات سالہ بیٹا گرفتار ہو گیا تھا۔ چنگیز خان کے حکم سے اس معصوم کو شہید کر دیا گیا۔ (۳۰) بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سلطان کے اور بھی بچے تھے جن میں سے بعض شیر خوار تھے۔ یہ سب کے سب تاتاریوں کے ہاتھوں اس معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔ (۳۱) ان میں سے کسی بچے کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

حادثۂ سندھ کے بعد کی زندگی میں سلطان کے ہاں ایک لڑکے قیمقار شاہ اور ایک لڑکی ترکان خاتون کا ذکر ملتا

ہے۔ قیمقار شاہ تین برس عمر پا کر خلاط کے محاصرے کے دوران فوت ہو گیا [۴۲] اور ترکان خاتون سلطان جلال الدین کی شہادت کے بعد تاتاریوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی۔ [۴۳]

ترکان بنت سلطان جلال الدین ..... سلطان کی تمام نرینہ اولاد ان کی زندگی ہی میں دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ البتہ ان کی ایک کم سن بچی زندہ تھی جس کا نام اس کی دادی کے نام پر ''ترکان'' رکھا گیا تھا۔ سلطان کی گمشدگی کے بعد جب جرماغون نے سلطان کی بیگمات کو گرفتار کیا تو یہ بچی بھی اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی عمر اس وقت دو برس تھی۔ جرماغون نے اسے سلطنتِ تاتار کے خاقان اوکتائی بن چنگیز خان کی خدمت میں بھجوا دیا۔ اوکتائی خان کے حکم سے اس بچی کی پرورش کی گئی۔

جب وہ جوان ہوئی تو اسے ہلاکو خان کے حوالے کر دیا گیا۔ ہلاکو خان نے بغداد پر حملے سے کچھ عرصہ قبل ترکان خاتون کو موصل کے مسلمان حاکم کے سپرد کر دیا تاکہ وہ اپنے بیٹے ملک صالح سے اس کا نکاح کرا دے۔ چنانچہ ۶۵۵ھ میں ان کا نکاح بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ [۴۴]

سلطان کے جانثار اور وفادار ساتھی

تیمور ملک ..... تیمور ملک خوارزم کے شمال مشرقی سرحدی شہر قوقند کا حاکم تھا۔ وہ پہلا مرد مجاہد تھا جس نے تاتاریوں کا سرحد پر مردانہ وار مقابلہ کیا اور مٹھی بھر جانبازوں کے ساتھ کئی ماہ تک ان کے سیلاب کو روکے رکھا جس کی تفصیل کتاب کے پہلے حصے میں آ چکی ہے۔

قوقند کی طویل معرکہ آزمائی کے بعد تیمور ملک فرار ہو کر دارالحکومت اورگنج پہنچ گیا [۴۵] جب علاؤالدین خوارزم شاہ کی وفات کے بعد سلطان جلال الدین نے نئے حکمران کی حیثیت سے پایہ تخت میں قدم رکھا تو تیمور ملک ان کے استقبال اور حمایت میں پیش پیش تھا [۴۶] اورگنج سے نکل کر سلطان خراسان روانہ ہوئے تو تیمور ان کے ہراول کی قیادت کر رہا تھا۔ [۴۷]

دریائے سندھ کی تاریخی جنگ میں وہ آخر تک سلطان کے شانہ بشانہ لڑتا رہا اور سلطان کے دریا میں چھلانگ لگانے کے بعد جو بہادر سپاہی دریا عبور کر کے سب سے پہلے سلطان تک پہنچے ان میں تیمور بھی شامل تھا۔ [۴۸]

اس کے بعد سے سلطان کی گمشدگی تک تیمور کے حالات کا کوئی سراغ نہیں ملتا مگر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ وہ حسب سابق سلطان کے ہمراہ جہادی مہمات انجام دیتا رہا ہوگا۔

بہر حال ایک وقت ایسا آیا کہ حالات کی اصلاح سے ناامید ہو کر وہ درویشوں کے بھیس میں ملک شام کی روانہ ہو گیا اور ایک طویل عرصہ وہیں گزارا۔ تاریخی روایات اس ہجرت کے وقت کا تعین بھی نہیں کر پاتیں، تاہم قرین قیاس یہی ہے کہ ایسا سلطان جلال الدین کی گمشدگی کے بعد ہوا ہوگا۔ کیونکہ سلطان کے باقی ماندہ اکثر ساتھی اور امراء ان کی گمشدگی کے بعد اسی طرح ہمسایہ اسلامی ممالک کی طرف ہجرت کر گئے تھے اور ان کی زیادہ تعداد نے شام و مصر کا رخ کیا تھا۔

دراصل تاریخ نویس قوقند سے نکلنے کے بعد تیمور کے حالات کو محفوظ نہیں کر سکے، تاریخ جہاں کشا جوینی اور روضۃ الصفا جیسی کتب میں بھی معرکہ قوقند کی تفصیل کے بعد اگلا منظر تیمور کے شام ہجرت کر جانے کا ہے۔

تاریخ ہمیں یہ منظر دکھاتی ہے کہ چنگیز خان کے بیٹے اوکتائی خان کے دور حکومت میں وطن کی محبت سے مجبور ہو کر تیمور ملک شام سے دوبارہ اپنے دیس میں آتا ہے اور سب کچھ بدلا ہوا پاتا ہے۔ سمرقند و بخارا جیسے عظیم الشان شہروں کی

جگہ اب معدودے چند افراد پر مشتمل بستیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ تیمور ملک اپنے اعزہ واقارب کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا کہ شاید ان میں سے کوئی خوش قسمت زندہ بچ گیا ہو۔ اس نے کئی سال فرغانہ میں گزارے اور اس دوران بار بار قوقند کا خفیہ دورہ کر کے اپنے اہل وعیال کی پوچھ گچھ کرتا رہا۔

آخر کار وہ اپنے ایک بیٹے کا سراغ لگانے میں کامیاب ہو گیا جو قوقند پر تاتاریوں کے حملے کے وقت شیر خوار تھا۔ موقع پا کر تیمور ملک اپنے بیٹے سے ملا اور پوچھا:

''اگر تم اپنے باپ کو دیکھ لو تو پہچان لو گے؟''

بیٹے نے جواب دیا: ''جس وقت میں دودھ پیتا بچہ تھا میرا باپ مجھے چھوڑ گیا تھا، اب میں بھلا اسے کیسے پہچان سکتا ہوں؟ ہاں! ہمارا ایک بوڑھا غلام ہے جو اسے پہچانتا ہے۔''

غلام کو بلایا گیا۔ اس نے تیمور ملک کو غور سے دیکھا اور پہچان لیا کہ راہِ خدا میں جہاد کے لیے گھر بار تج دینے والا اس کا مہربان آقا برسوں بعد اس کے سامنے کھڑا ہے۔ بیٹے کے لیے بھی اپنے گمشدہ باپ سے یوں اچانک ملاقات اس کی زندگی کا سب سے خوش گوار اور عجیب ترین واقعہ تھی۔ ایسے نامور باپ پر اسے جتنا بھی فخر ہوتا کم تھا۔

تیمور کو بیٹے کے ساتھ سکون کے زیادہ دن نصیب نہ ہوئے، کچھ دنوں بعد اسے خاقانِ وقت اوکتائی خان کے دربار میں طلب کر لیا گیا، یہ مسافرِ بےنوا وہاں پہنچا۔ اوکتائی خان کو تیمور کے متعلق اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اس نے تیمور سے پوچھ گچھ کی۔ شیر دل تیمور ملک نے اپنی اصلیت کو نہ چھپایا اور کھل کر بیبا کی اور جرأت کے ساتھ اپنے جہادی کارنامے سنائے۔ تیمور کے تیر سے کانا ہونے والا تاتاری بھی اسے پہچان چکا تھا۔ اوکتائی خان کو تیمور ملک کے ہاتھوں پہنچنے والے سابقہ زخم یاد آ آ کر جلا رہے تھے۔ تیمور کی حالیہ بےادبی وبےباکی مزید برآں تھی، آخر غضبناک ہو کر اس نے اس مجاہد کو شہید کر دیا۔ ۳۹ وسط ایشیا کے مسلمان خصوصاً اہلِ تاجکستان آج بھی تیمور ملک کو قومی ہیرو کا درجہ دیتے ہیں۔

جہاں پہلوان اوزبک ...... یہ سلطان جلال الدین کے معتمد ترین سالاروں میں سے تھا۔ ہندوستان کی فتوحات میں اس کا کردار بہت نمایاں رہا، اسی لیے سلطان نے اسے ہندوستانی مقبوضات کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ سلطان کے ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد اس نے کوئی سات برس تک ہندوستان میں سلطان کی نیابت کے فرائض انجام دیے۔ اس طویل عرصے میں اپنے محبوب سلطان کے دیدار کا جذبہ اسے خدمتِ شاہی میں حاضری دینے پر بار بار اُکساتا رہا، مگر جب بھی وہ سفر کا ارادہ کرتا، عوام جو کہ اس کے عدل وانصاف پر فریفتہ تھے راستے کی دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے اور اسے اپنا ارادہ بدلنا پڑتا۔

وہ نہایت عادل اور نیک سیرت حاکم تھا۔ رعایا، اس کی رعیت پروری اور رحم دلی سے بے حد مطمئن تھی۔ ہندوستانی حکمران اس کی مقبولیت کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ ۶۲۸ھ کے آغاز میں جب سلطان جلال الدین کے اقتدار کو گہن لگنا شروع ہوا تو التمش نے موقع غنیمت جان کر جہاں پہلوان کے خلاف چڑھائی کر کے اسے ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔

جہاں پہلوان کو معلوم تھا کہ اس وقت مرکز میں سلطان جلال الدین بھی نازک حالات سے گزر رہے ہیں، اس لیے دریائے سندھ عبور کر کے وہ سیدھا سلطان کی خدمت میں حاضری دینے کے لیے شمالی ایران روانہ ہوا تا کہ تشنہ

نگاہوں کو سلطان کی زیارت سے سیراب کرنے کے علاوہ اپنی بساط کے مطابق سلطنت کی ہر ممکن خدمت انجام دے سکے۔اس مقصد کے لیے اس نے اپنی تحویل میں موجود بیس ہزار دینار فوراً حاکمِ عراق شرف الدین کی طرف روانہ کیے تا کہ اس رقم کو جلد از جلد سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

سلطان جلال الدین کو جہاں پہلوان کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے حاکمِ عراق کو حکم دیا کہ جہاں پہلوان اور اس کے ساتھیوں کو موسمِ سرما عراق ہی میں گزارنے کی تاکید کر دی جائے۔ جہاں پہلوان کا دل سلطان سے ملاقات کے لیے مچل رہا تھا، مگر حکم کی تعمیل کے لیے وہیں رک گیا۔خدا کا کرنا یہ ہوا کہ کچھ ہی عرصے سے بعد کسی دشمن نے حملہ کر کے جہاں پہلوان کو شہید کر دیا [۴۰] اور وہ سلطان سے ملاقات کی آرزو ساتھ لیے ہوئے راہی آخرت ہوا۔

اُور خان علی نیشاپوری..... سلطانی سپاہ کا زبردست جنگجو، شجاع اور غیور افسر تھا۔ بہت سے معرکوں میں اس نے اپنی بہادری کے جوہر دکھا کر اپنی قابلیت کا لوہا منوالیا۔ گنجہ اور اس کے بعد بیلقان، برزہ، سکویر اور شیز وغیرہ کی فتوحات میں اس کا کردار سب سے نمایاں رہا ہے۔ باطنیوں (اسماعیلیوں) کی گردن پر اس کی فولادی گرفت بڑی سخت تھی۔اسی سے برافروختہ ہو کر آخر کار فدائی حملہ آوروں نے اسے شہید کر ڈالا اور یہی سانحہ سلطان جلال الدین کو باطنیوں کے خلاف جہاد پر برانگیختہ کرنے کا باعث بنا۔ [۴۱]

علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ اس کے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ بہت اچھا امیر تھا، نیکی کے کام بکثرت کرتا تھا، نیک سیرت انسان تھا، سلطان کے سپاہیوں کی لوٹ مار اور دیگر زیادتیوں پر روک ٹوک کرتا رہتا تھا۔'' [۴۲]

نوٹ: سلطان جلال الدین کے ایک اور وفادار سالار کا نام بھی ''اُور خان'' تھا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

ملک نصرت الدین محمد..... ملک نصرت الدین، حسن بن خرمیل نامی ایک نامور سردار کا بیٹا تھا جو کہ غوری بادشاہوں کے زمانے میں ہرات کا حاکم تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے دورِ عروج میں خوارزمی سپاہ نے ہرات پر حملہ کر کے حسن بن خرمیل کو قتل کر دیا تھا اور ہرات خوارزمی مقبوضات میں شامل ہو گیا تھا، اس کے بعد سے حسن بن خرمیل کی اولاد خوارزمیوں کو اپنا دشمن تصور کرنے لگی۔

جب تاتاریوں کے ہاتھوں خوارزمی سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور تباہی و بربادی کے اس طوفان کو روکنے کے لیے سلطان جلال الدین میدانِ عمل میں آئے تو نصرت الدین محمد سابقہ تلخیوں کو فراموش کر کے ملت کی خیر خواہی کے لیے سلطان کے ہم رکاب ہو گیا اور اس نے مختلف نازک مواقع پر بے مثال خلوص اور وفا شعاری کا ثبوت دیا۔ ساحل سندھ کے معرکہ میں بھی یہ سلطان کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد سرزمین ہند میں سلطان سے بچھڑ کر حاکم سندھ قباچہ کی عملداری میں جا پہنچا اور کچھ عرصہ وہاں رہ کر آخر کار سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ (اس کی تفصیل پانچویں باب میں گزر چکی ہے) ہندوستان سے واپسی پر سلطان نے اسے اصفہان کی پولیس کا افسرِ اعلیٰ مقرر کر دیا تھا اور فکرِ معاش سے بے فکر کرنے کے لیے ایک بڑی جاگیر اس کے نام کر دی تھی۔

عادات واطوار کے لحاظ سے بڑا خوش اخلاق، ہنس مکھ اور مہذب تھا، اس لیے سلطان جلال الدین کا منظورِ نظر تھا۔ سلطان کے بھائی غیاث الدین نے ایک ذاتی تنازعے کی بناء پر اسے قتل کر کے سلطان کو ایک مخلص اور وفادار

نائب سے محروم کر دیا۔ (۴۳)

امین الملک ..... مورخین نے امین الملک کو امین الدین ملک، امین ملک، یمین ملک، ملک خان اور خان ملک کے ناموں سے بھی یاد کیا ہے۔ یہ پچاس ہزار سپاہیوں کا امیر، ترکوں کے قنقلی قبائل کا رئیس، سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کا ماموں زاد بھائی اور ان کا سسر تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کے زمانے سے یہ ہرات کا حاکم تھا۔ سلطان جلال الدین کے ساتھ بھرپور انداز میں شریکِ جہاد ہوا۔ خراسان کے معرکوں میں سلطانی لشکر کا دایاں بازو اکثر اسی کے ترک جوانوں پر مشتمل ہوا کرتا تھا۔ معرکۂ سندھ میں دشمن کا جان توڑ مقابلہ کیا اور انہیں بار بار منتشر کیا، مگر بالآخر تاتاریوں نے دائیں بازو اور قلب لشکر کے درمیان حائل ہو کر اسے سلطان سے جدا کر دیا اور لشکرِ اسلام کی قوت کو بکھیر دیا۔

اس موقع پر امین الملک درمیان میں حائل ہونے والے دشمنوں کو درہم برہم کر کے سلطان سے جا ملنے کی بجائے پشاور کی طرف پسپا ہو گیا اور آگے چل کر پشاور کے قریب تاتاریوں کے نرغے میں آ کر شہید ہو گیا۔ (۴۴)

امین الملک کے جہادی کارناموں کے اختتام پر میدانِ جنگ میں اس کا سلطان کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر خود راہ فرار اختیار کرنا، اس کی وفاداری کو قدرے مشکوک بناتا ہے، مگر ممکن ہے کہ جس وقت امین الملک نے سلطان کا ساتھ چھوڑا تھا، اس وقت میدانِ جنگ کی صورتحال اس قدر بگڑ چکی ہو کہ اس کا سلطان سے جا ملنا اور سلطان کو بچانے کی کوشش کرنا بے سود ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ سلطان جلال الدین یہ پیشگی حکم جاری کر چکے ہوں کہ ایسے موقع پر بے نتیجہ مزاحمت کی بجائے اپنی جان بچانے کی کوشش کی جائے اور کسی دوسرے میدان میں جمع ہو کر دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے اپنی طاقت محفوظ رکھی جائے، شاید ایسی کسی ہدایت کے پیش نظر امین الملک نے میدانِ جنگ سے پسپائی اختیار کی ہو اور یہ فرار اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ اَو مُتَحَيِّزاً اِلٰى فِئَةٍ (یا یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا، یا جا ملتا ہو فوج میں) کی استثنائی صورت میں داخل ہو۔ ایسے موقع پر حسنِ ظن رکھنا ہی بہتر ہے جس کی یہاں گنجائش موجود ہے۔

اتابک ابوبکر بن سعد ..... شیراز کے حاکم سعد بن زنگی کا بیٹا تھا۔ نہایت دلیر، غیور اور ہوشیار تھا۔ یہ شہزادہ پہلے خوارزمی حکمرانوں کا سخت مخالف تھا۔ اس نے اپنے باپ سے صرف اس لیے بغاوت کی تھی کہ اس نے علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اس کے باپ نے اس گستاخی پر اسے گرفتار کر کے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ ایک عرصے تک یہ قید و بند کی سزا جھیلتا رہا۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی ہندوستان سے واپسی ہوئی تو انہوں نے شیراز کے قیام کے دوران سعد بن زنگی سے سفارش کر کے ابوبکر بن سعد کو رہائی دلوائی۔ ابوبکر بن سعد سلطان کے حسن سلوک سے اتنا متاثر ہوا کہ خوارزمی خانوادے سے اس کی نفرت محبت سے بدل گئی اور وہ سلطان کے لشکر میں شامل ہو کر ایک عرصے تک جہاد میں مشغول رہا۔ خاص کر اصفہان کے معرکے میں اس کی کارکردگی بہت نمایاں رہی۔

سلطان اسے اپنے بھائیوں سے بڑھ کر مقام دیتے تھے۔ تقریباً چھ سال تک یہ سلطان کے ساتھ رہا، پھر اس کے والد نے اسے ولی عہد بنانے کے لیے شیراز واپس بلا لیا۔ ۶۲۷ھ میں اپنے باپ کی وفات کے بعد یہ شیراز کا حکمران بن گیا اور نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کی۔ (۴۵) شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ نے اسی کے دور میں اپنے شہرہ آفاق شہ پارے گلستان اور بوستان تصنیف کیے اور فرما گئے۔

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود   در ایامِ بوبکر بن سعد بود

اُورخان ..... یہ سلطان کا وہ مایہ ناز جرنیل تھا جو آخروقت تک سلطان کے ساتھ تھا۔ آمد کے قریب سلطان کے پڑاؤ پر شبِ خون مارنے والے تاتاری لشکر کو اسی نے منتشر کر کے سلطان کو گرفتاری سے بچایا تھا۔ بعدازاں سلطان کے حکم پر وہ فوج کا اکثر حصہ اپنے ساتھ لے کر اصفہان کی طرف مڑ گیا تھا تا کہ تاتاری سلطان کو اسی بڑے دستے میں گمان کر کے اس کا تعاقب کرتے رہیں اور سلطان کو بچ نکلنے کا موقع مل جائے، مگر یہ چال کامیاب نہ ہو سکی، اور تاتاری بدستور سلطان کے تعاقب میں لگے رہے۔ اس کے برخلاف اُورخان کو بچ کر اصفہان پہنچنے کا موقع مل گیا، بہرحال چونکہ اُورخان نے سلطان کے حکم کی تعمیل کی تھی، لہٰذا اس کے خلوص پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ (۴۶)

اُورخان ۶۳۹ھ تک اصفہان میں مقیم رہا، یہاں تک کہ تاتاریوں نے وہاں چڑھائی کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ (۴۷)

سلطان کے دربار سے وابستہ اہلِ علم وادب

شہاب الدین محمد ابن احمد النسوی ..... شہاب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد النسوی سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے کاتب اور سوانح نگار تھے۔ نسا کے نواحی قصبے خرندیز میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب ہی میں ان کی علمی لیاقت کا چرچا دور دور تک ہو گیا تھا۔ النسوی کا باپ جاگیردار تھا، باپ کی وفات کے بعد خود النسوی کو اس جاگیر کا انتظام سنبھالنا پڑا۔ انہی ایام میں تاتاریوں نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔ النسوی اپنے مختصر سے عملے کے ساتھ ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے حملہ آوروں کو دس ہزار کپڑے کے تھان بطور تاوان ادا کرنے کی پیش کش کی۔ اس بھاری تاوان کی مالیت ان لٹیروں کی توقع سے زائد تھی، اس چھوٹی سی جاگیر سے انہیں از خود اتنا کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ چنانچہ تاوان وصول کر کے وہ آگے چل دیے اور وقتی طور پر بلا ٹل گئی، مگر اس ہنگامی دور میں کوئی جگہ مامون نہیں تھی چنانچہ نسا پر بھی تاتاریوں کا حملہ ہوا جس میں شہر تباہ و برباد ہو گیا۔

اس کے باوجود النسوی نے اپنے وطن سے جدائی گوارا نہ کی۔ جب تاتاریوں کا طوفان گزر گیا تو نسا کے حاکم نصرت الدین نے یہاں از سرِ نو آبادی کا انتظام کر کے دوبارہ اپنی حکومت قائم کر لی، النسوی کو اس حکومت میں وزیر کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ حکومت تقریباً دو سال تک سلطان جلال الدین کے بھائی غیاث الدین پیر شاہ کے ماتحت چلتی رہی۔

اس دوران ایک موقع پر النسوی کو بھی ملک وملت کی حفاظت کے لیے شمشیر بکف ہونا پڑا چنانچہ نخجوان کے مقام پر انہوں نے ایک معرکے میں تاتاریوں کے خلاف دست بدست جنگ میں حصّہ لیا۔

اس دوران سلطان جلال الدین ہندوستان میں تھے۔ النسوی اس رجلِ عظیم کو ملک وقوم کے مقدر کا ستارۂ اقبال تصور کرتے تھے، اس لیے جب سلطان ہندوستان سے لوٹ کر آئے تو النسوی سلطان کے دامنِ گوہر بار سے وابستہ ہونے کے لیے بے چین ہو گئے۔ سلطان مراغہ کی مہم میں مصروف تھے کہ النسوی حاضرِ خدمت ہوئے۔ سلطان نے ان کی قابلیت اور استعداد کا صحیح ادراک کرتے ہوئے ان کو اپنا کاتب مقرر کر لیا۔

النسوی نے سلطان کا ساتھ خوب نبھایا اور ہر قسم کے موافق ومخالف حالات میں آخر تک سلطان کے وفادار رہے۔ سلطان بھی ان پر بہت بھروسہ کرتے تھے اور الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں ان کی رائے طلب کیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر جب نسا کی حکومت کے لیے سلطان کو اور کوئی موزوں آدمی نظر نہ آیا تو انہوں نے النسوی ہی کو اس شہر کا پروانۂ حکومت عطا کر دیا، مگر النسوی کو سلطان سے دور رہنا شاق تھا، اس لیے انہوں نے سلطان کی اجازت سے

نسا میں اپنا ایک نائب مقرر کر دیا اور خود خدمتِ سلطانی ہی میں حاضر باش رہے۔ سلطان کے آخری ایام میں النسوی نے دربارِ خوارزم کا سفیر بن کر سلاطینِ اسلام کو جہاد فی سبیل اللہ میں سلطنت خوارزم کا ساتھ دینے پر آمادہ کرنے کی بھر پور کوشش کی، مگر افسوس کہ ان کی کاوشوں کو کسی جگہ پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔

آخر وقت میں جب سلطان کے کیمپ پر تاتاریوں نے شب خون مارا اور سلطان ان کی زد سے بچنے کے لیے شبِ تاریک میں انجانی منزل کی طرف نکل گئے تو اس رات حملے سے قبل النسوی سلطان کے ساتھ ہی تھے...... جب دشمن نے اچانک حملہ کیا تو یکدم افراتفری مچ گئی۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہا، گھٹا ٹوپ اندھیرے میں النسوی کو بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ سلطان کہاں ہیں؟...... صبح کی روشنی پھیلنے پر بھی النسوی نے سلطان کا کچھ سراغ نہ پایا تو نہایت غمگین ہوئے، ان کو سلطان سے عشق کی حد تک محبت تھی۔ اپنے محبوب کی موجودگی میں وہ بدترین حالات میں بھی مطمئن رہ سکتے تھے، مگر فراقِ یار کے بعد ان کے لیے یہ فیصلہ مشکل تھا کہ وہ کدھر کو قدم اُٹھائیں۔

جب سے تو انجمنِ شوق میں ساقی نہ رہا　　بادہ نوشی میں کوئی لطف ہی باقی نہ رہا

کچھ عرصہ وہ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ ایک دن تاتاریوں کے ایک دستے سے ان کا سامنا ہو گیا، تاتاریوں نے انہیں گرفتار کر لیا اور راز اگلوانے کی امید پر انہیں قتل کرنے کی بجائے ایک قید خانے میں ڈال دیا۔ دو مہینے تشدد اور تکالیف برداشت کرنے کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح قید خانے سے بھاگ نکلے اور گرتے پڑتے ''میافارقین'' پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر مقامی باشندوں سے ان کو معلوم ہوا کہ کچھ دن قبل سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کسی کردی راہزن کے ہاتھوں شہید ہو گئے ہیں۔

احمد النسوی نے سلطان کی شہادت کے دس سال بعد ۶۳۸ھ میں اپنے محبوب ولی نعمت کی سوانح لکھنا شروع کی۔ کتاب کی ابتداء میں انہوں نے تاتاریوں کی مختصر تاریخ درج کی ہے۔ اس کے بعد سلطان علاؤ الدین محمد کے دورِ آخر میں بغداد پر اس کے حملے کے واقعے سے لے کر سلطان جلال الدین کی شہادت تک کے واقعات تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ یہ کتاب سلیس اور رواں دواں عربی میں تحریر کی گئی ہے۔ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے حالات پر یہ کتاب سب سے معتبر ماخذ ہے، اس لیے کہ النسوی نے اس میں سلطان کے متعلق وہی واقعات تحریر کیے ہیں جو ان کے مشاہدے سے گزرے یا انہوں نے سلطان کے وزیروں اور امیروں سے سماعت کیے۔ [۳۸] اس کتاب کی تصنیف کے کچھ عرصے بعد ۶۳۹ھ میں النسوی کا انتقال ہو گیا۔

النسوی کی سیرۃ سلطان جلال الدین آٹھویں نویں صدی ہجری تک تو عالم اسلام میں معروف رہی مگر پھر گردشِ روزگار نے اسے نایاب کر دیا حتیٰ کہ اس کا نام بھی اہل علم کے لیے اجنبی بن گیا۔ یورپ کی استعماری طاقتوں نے اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اسلامی ملکوں پر قابض ہو کر مالی وسائل کے ساتھ جو علمی خزانے لوٹے تھے ان میں اس نایاب تصنیف کا بھی ایک نسخہ یورپ پہنچ گیا۔ مستشرقین نے اس پر کام کیا اور اسے ۱۸۹۳ء میں پیرس سے ازسرِ نو شایع کرایا۔ اس طرح یہ گم شدہ موتی دوبارہ اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچا۔

علاّمہ السکا کی..... علاّمہ ابو یوسف یعقوب بن ابو بکر بن محمد السکا کی الخوارزمی، خوارزمی دربار کے ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ جملہ علوم و فنون میں یکتائے روزگار تھے۔ ۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء میں خوارزم میں ان کی ولادت ہوئی، اس وقت

خوارزم پر سلطان جلال الدین کا پردادا ایل ارسلان حکومت کر رہا تھا۔

علامہ سکا کی کا لافانی کارنامہ ان کی کتاب مفتاح العلوم ہے جو صرف، نحو، بلاغت، معانی، بدیع اور دیگر علوم عربیت کا خزینہ ہے۔ اس کا خلاصہ تلخیص المفتاح اور خلاصے کی شرح مختصر المعانی آج بھی درس نظامی کا جزء ہیں۔

علامہ موصوف عملیات اور جھاڑ پھونک کے بھی ماہر تھے۔ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ نے بغداد پر ناکام فوج کشی کے بعد انہیں خلیفہ ناصر کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔ علاّمہ سکا کی نے ایک پتلا بنا کر دیا۔ خوارزم شاہ نے اسے اپنے سفیر قاضی مجیر الدین سعد بن عمر کے ذریعے بغداد کے کسی گوشے میں دفن کرا دیا، مگر یہ طلسم خلیفہ ناصر کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ اس کے بجائے چند ماہ کے اندر خود خوارزم شاہ کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ ⁽⁴⁹⁾

سلطان کی شہادت کے بعد جب ہر طرف تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا تو چغتائی خان بن چنگیز خان نے علامہ سکا کی کے علوم کی شہرت سن کر انہیں اپنے بلا لیا۔ علامہ نے چغتائی خان کے سامنے اپنے خفیہ عملیات کے زور سے ایسے ایسے کمالات دکھائے کہ چغتائی دنگ رہ گیا اور علامہ کو اپنا مقرب بنا کر ان کے اعزاز و اکرام میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔

ایک دن چغتائی شکار کے لیے نکلا، پرندوں کی ایک قطار کو محوِ پرواز دیکھا تو تیر کمان پر چڑھا کر نشانہ باندھنے لگا، علامہ سکا کی ساتھ موجود تھے، انہوں نے کہا:

''اس کی ضرورت نہیں، حکم فرمایئے، کون سا پرندہ درکار ہے۔''

چغتائی نے کہا: ''پہلا، آخری اور درمیانہ۔''

علامہ نے زمین پر انگلی کی مدد سے ایک دائرہ کھینچ کر پھونک ماری، اسی وقت وہ تینوں مطلوبہ پرندے اس دائرے میں آ گرے۔ چغتائی یہ دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔

علامہ ایک عرصے تک تاتاری دربار سے عیش و آرام پاتے رہے مگر

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

کے بمصداق ایک دن کسی حاسد کی شکایت سے متاثر ہو کر چغتائی خان نے علامہ کو محبوس کر دیا اور اسی حالت قید و بند میں ۶۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ⁽⁵⁰⁾

(نوٹ: وفیات الاعلام ج ۲ اور بعض کتب میں علاّمہ کا سن وفات ۶۲۶ھ بتایا گیا ہے جو اس لئے درست نہیں کہ دیگر کتبِ تاریخ سے علامہ موصوف کا ۶۲۷ھ میں سلطان جلال الدین کے دربار سے وابستہ ہونا اور ان کے حکم پر بغداد کا دورہ کرنا ثابت ہے، نیز سلطان جلال الدین کے بعد انہوں نے چغتائی خان کے دربار میں بھی ایک عرصہ گزارا تھا۔ ان روایات کو دیکھتے ہوئے ۶۲۶ھ میں ان کی وفات پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔)

شمس الملک شہاب الدین الپ ..... یہ شخص نہایت مدبر، معاملہ فہم اور امور منتظمہ کا ماہر تھا۔ علوم متداولہ میں مہارت رکھتا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد نے اپنے دورِ اقتدار ہی میں جب شہزادوں کے درمیان سلطنت تقسیم کی تو شمس الملک کی قابلیت کا لحاظ کرتے ہوئے اسے جلال الدین کا وزیر اعظم مقرر کر دیا تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد کی وفات کے بعد یہ بدستور سلطان جلال الدین کا وفادار رہا۔ معرکہ سندھ کے حادثے میں بھی سلطان کے ہم رکاب تھا۔

اس ہنگامے میں جب سلطان کے اکثر ساتھی شہید اور باقی ماندہ منتشر ہو گئے تو شمس الملک بھی سلطان سے جدا ہو کر وادی سندھ کی طرف نکل گیا۔ حاکم سندھ قباچہ نے اسے اپنے ہاں نظر بند کر دیا اور بعد میں قتل کرا دیا۔ قباچہ کی اس حرکت سے سلطان جلال الدین نہایت غضبناک ہوئے اور انہوں نے قباچہ کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا جس کی تفصیل ہندوستان کے معرکوں کے ذیل گزر چکی ہے۔ (۵۱)

کمال الدین اسمٰعیل..... فارسی کا قادر الکلام شاعر تھا اور چوٹی کے شعراء میں شمار ہوتا تھا۔ پہلے سلطان علاؤ الدین محمد اور پھر سلطان جلال الدین کے دامن سے وابستہ رہا۔

ایک بار سلطان جلال الدین اصفہان میں قیام پذیر تھے کہ کمال الدین اسماعیل نے سلطان کی شان میں یہ یادگار قصیدہ پڑھا: (۵۲)

بسیطِ روئے زمین گشت باز آباداں بیُمنِ سیرِ سپاہِ خدا یگانِ جہاں
(شاہِ عالم کی فوج کی نقل وحرکت کی برکت سے سطحِ زمین پھر آباد ہو گئی ہے۔)

کند تہنیت یکد گر ہمی بحیات بقیتی کہ ز انساں بماند و از حیواں
(انسانوں اور حیوانات سے زندہ باقی بچ جانے والے ایک دوسرے کو حیاتِ نو کی مبارکباد دے رہے ہیں۔)

زباغِ سلطنت ایں یک نہال سر بکشید کہ برگ او ہمہ عدل ست و بارِ اواحساں
(سلطنت کے چمن میں اُبھرنے والا یہ ایک ایسا نوخیز پودا ہے کہ جس کے پتے سراپا عدل ہیں اور جس کا پھل احسان ہے۔)

برائے بندگیءِ رگہش دگر بارہ ز سرگرفت طبیعت توالدِ انساں
(فطرت نے محض ان کے دربار کی غلامی کرانے کے لیے انسانوں کی پیدائش کا سلسلہ پھر شروع کر دیا ہے۔)

جلالِ دنیا و دیں منکبرتی آں شاہے کہ ایزدش بسزا کرد برجہاں سلطاں
(''جلالِ دنیا و دیں منکبرتی'' وہ بادشاہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے انہیں قابلیتِ تامہ کے ساتھ جہاں کا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔)

زہے معراجِ قدرتش ورائے طورِ کمال زہے معانی خوبت بروں زحصرِ بیاں
(بادشاہ سلامت! آپ کے مرتبے کا عروج جو کہ کمال کے کوہِ طور سے بھی بلند ہے کیا خوب ہے اور آپ کی عمدہ خصلتیں جو قوتِ بیان سے خارج ہیں کیا ہی اچھی ہیں۔)

جہاں ستانا! ایزد ترا فرستاد ست کہ چار حدِ جہاں ملکِ تستِ، رَو، بِستاں
(اے دنیا کے فاتح! خدا نے آپ اس لیے بھیجا ہے کہ دنیا کی تمام حدود آپ کی بادشاہت ہیں، جائیں اور لے لیں۔)

گواہِ ملکِ توعدلست ہرکجا خواہی بنیک محضریِ خود گواہ می گزراں
(آپ کی حکومت کا گواہ تو خود آپ کا انصاف ہے، اس لیے آپ جہاں چاہیں اپنی نیک طبعی پر گواہی دلوالیں۔)

تو عمرِ نوح بیابی از آنکہ در عالم ۔۔۔ عمارت از تو پدید آمد از پسِ طوفاں

(آپ کو عمرِ نوحؑ نصیب ہو، اس لیے کہ آپ ہی کی وجہ سے دنیا میں طوفانِ تاتار کے بعد آبادی کا ظہور ہوا ہے۔)

تو دادِ اسلام بستدی ز صلیب ۔۔۔ تو برگرفتی ناقوس را ز جائے اذاں

(آپ نے ہی اہلِ صلیب سے اسلام کا بدلہ لیا ہے اور آپ نے ہی اذان خانوں سے ناقوس کو اُکھاڑا ہے۔ یہ سلطان کی گرجی عیسائیوں کے خلاف جہاد کی طرف اشارہ ہے۔)

حجابِ ظلم تو برداشتی ز چہرۂ عدل ۔۔۔ نقابِ کفر تو بکشادی از رخِ ایماں

(آپ نے انصاف کے چہرے سے ظلم کا غلاف نوچ لیا ہے اور آپ نے ایمان کے چہرے سے کفر کا نقاب اُٹھا دیا۔ یعنی منافقوں کا نفاق ظاہر کر دیا۔)

ز بازوئے تو قوی گشت بازوئے اسلام ۔۔۔ کہ از مصادمِ کفار گشت بد ویراں

(آپ کے بازو کی بدولت اسلام کا وہ بازو قوی ہو گیا ہے جو کہ کفار کے مسلسل حملوں سے شل ہو چکا تھا۔)

براقِ عزم تو گامے کہ برگرفت ز ہند ۔۔۔ نہاد گامِ دوم بر اقاصی ارّاں

(آپ کے عزم کے ''براق'' کی رفتار کا یہ عالم ہے کہ آپ ہندوستان سے ایک قدم اُٹھاتے ہیں تو دوسرا قدم ارّان یعنی آذربائیجان کے آخری سرے پر پڑتا ہے۔) (۵۳)

کہ بود جز تو شاہانِ روزگار کہ داد ۔۔۔ قضیمِ اسپ ز تفلیس و آب از عماں

(آپ کے سوا اس زمانے کے بادشاہوں میں سے ایسا کون ہو سکتا ہے جو گھوڑے کو تفلیس میں دانا کھلا کر عمان پہنچ کر اسے پانی پلاتا ہو۔) (۵۴)

زلعبِ تیغِ تو در ضربِ خصم شہِ ما تست ۔۔۔ با اسپ و پیل چہ حاجت یکے پیادہ براں

آپ کی تلوار کا کھیل ہی جنگ میں حریف کو شہ مات دینے کے لیے کافی ہے۔ آپ کو ہاتھی گھوڑوں کی کیا ضرورت ہے؟ جنگ کے لیے بس ایک پیادہ ساتھ لے جائیے۔

زشوقِ نامِ تو منبر ہمیشہ در محراب ۔۔۔ چو کودکان ہمہ آدینہ خواہد از یزداں

(آپ کے نام کی محبت میں مسجد کا منبر محراب میں بچوں کی طرح بے چین ہو کر اللہ سے ہمیشہ جمعہ ہی رہنے کی دعا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جمعہ بار بار آئے تاکہ خطبے میں سلطان کا نام بار بار لیا جائے) (۵۵)

سخاوت بسلم در جہاں ہمی بخشد ۔۔۔ زرے کہ نقشِ و جودش نگشت سکۂ کاں

(امن و سلامتی کے وقت آپ کی سخاوت دنیا کو ایسا سونا عطا کرتی ہے کہ کان کے خالص سونے سے ڈھلا ہوا سکہ اس کے ظاہری نقش کا بھی مقابل نہیں ہو سکتا۔)

بعہدِ عدلِ تو گرگ از پے خوش آمدِ میش ۔۔۔ چو خرسِ مصطبہ بازی کند بچوبِ شباں

(آپ کے دورِ عدل میں بھیڑیا بھی بکریوں سے خوش گوار تعلقات کے باعث شرابی ریچھ یعنی سدھائے ہوئے جانور کی طرح چرواہے کی چھڑی سے کھیلتا ہے۔ مراد یہ کہ اس کے اشارے پر چلتا اور تابعدار رہتا ہے)

نورالدین منشی ..... سلطان کے دربار سے وابستہ اہل سخن میں نورالدین منشی کو ایک نمایاں مقام حاصل تھا۔ منشی فارسی نظم ونثر میں منفرد اسلوب کا مالک تھا۔ سلطان کی مدح سرائی میں رطب اللسان رہتا تھا۔ اس کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے۔ [56]

''بیا جانا کہ شد عالم دگرباره خوش و خرم بفرّ خسروِ اعظم الغ سلطان جلال الدین

(آ میری جان! کہ یہ دنیا بادشاہِ اعظم حضرت سلطان جلال الدین کی شان وشوکت کے باعث دوبارہ خوش وخرم ہوگئی ہے۔)

خلاط کی فتح پر نورالدین منشی نے جو''فتح نامہ'' تحریر کیا تھا وہ اس کے اسلوب نگارش اور فارسی نثر کا عمدہ مرقع ہے۔ اس فتح نامہ کا ایک اقتباس (جسے تاریخ جہاں کشا سے نقل کیا جارہا ہے) ہدیۂ ناظرین ہے۔ [57]

اس کے ساتھ راقم کا اردو ترجمہ گویا مخمل میں ٹاٹ کا پیوند ہے، جو فارسی سے ناواقف قارئین کے لیے ناگزیر سمجھ کر کیا گیا ہے۔

فتح نامۂ خلاط از قلم نورالدین منشی

سپاس وحمد وثنا آفریدگارِ روزگار راجلّ ذکرهٔ وعلا، کہ ظفر ونصرت رابارای دولت زای ورایاتِ مملکت افزای ما، ہم عنان گردانیدست، وتائید وقدرت راقرینِ نہضاتِ میمون وعزماتِ ہمایون کرده، بنہضی کشورے درتصرف وتدبیر بندگانِ دولت (ادامها الله) می آید وبرکضی لشکرے مأسورِ قہر ومأمورِ فرمان می شود،

وَهٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّی لِیَبْلُوَنِیْ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ، تارایاتِ ظفر نگار نصرت پیکر ما (حَفَّهَا اللّٰهُ بِالنَّصْر) برحدودِ ممالکِ ارمن خفقان یافتہ است وحوالی شہر اخلاط رامدّت ہشت ماه مرکز ساختہ، آیاتِ وعدووعید برجماعتِ مخالفانِ دولت بکرات خواندیم، ومقدماتِ انذار وتحذیر از برائے الزامِ حجت و اقامت بینت بدفعات تقسیم فرمود، تاباشد کہ راهِ سلامتِ خویش بدیدهٔ بصیرت بینند، وازرہ گذرِ عواصفِ قہر وصواعقِ سخط کہ کوه طاقتِ آن ندارد برخیزند، واز تلاطمِ امواجِ خشمِ حشمِ جہانگیر باجودی طاعت و عبودیت گریزند، وبا ستغفار واستیمان پیش آیند ودر بگشایند۔ بہیچ وجہ دریں مدتِ مدید دعائے ''اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِی فَاِنَّهُم لَایَعْلَمُون'' راا جابتی پیدا نگشت، جماعتِ مخالفان روز بروز غوایت وضلالت مصرّ تر بودند

لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْراً کَانَ مَفْعُوْلًا.

لشکری بسیار از دیارِ بکر وسواحل فرات وبلادِ مصر وشام وبعضے از بلادِ شرقی وطوائف تراکمہ واتراک درآں شہر ازدحام نموده وَمِنْ کُلِّ اَوْبٍ وَّوِجْهَةٍ فرق مختلف فراہم آمده وقوتِ بازو وحصانتِ باروکثرت استعداد از چرخِ تیر وناوک ومنجنیق ونفط وجرہائے ثقیل اعتماد نموده، والحق بروج آن با فلک البروج درمبارات آمده وخندقِ آں بقعر وعمق از پشت گاو وماہی اجتیاز کرده۔

تاثیرات وتاثراتِ ارضی وسماوی درتکمیلِ اسبابِ احکام آن دست درہم داده، ورسوم وقواعد آن

چون اوضاع فلک استوار افتادہ، سودائے غرور در سویدائے ضمایر متمرّ دان از نوعے راہ یافتہ بود کہ جائے قبولِ هیچ موعظت باز نداده، وخیالِ فاسد در دماغهای مخالفان چناں تمکّن یافتہ کہ اندیشۂ صواب در نگنجید، تادر آخر جمادی الاولےٰ کہ حشم جهانگیر (نَصَرَ هُم اللّٰهُ و قَوّاهُم) رخصتِ جنگ یافتند، وفرمان شد کہ ہر ہر کس بجائی خویش نقب بردارند و ہر قومی بموضع خویش راہ جویند، شیرانِ خدم و دلیرانِ حشم کہ از امتدادِ مدّت سہ شبانروز بر محاربت مصابرت نمودند و بر مضاربت مثابرت کردواز جوانب بشہر راہ جستند، روز یک شنبہ بیست وہشتم جمادی الاولےٰ کہ وقت طلوع، بر جھا وشُرَفھا بطلایع اعلام وسناجقِ چوں آسمان بکواکب آراستہ گشتہ بود، واز جوانبِ شہر گیرا گیر اونعرہ برخاستہ، مکالفانِ دولت بقلعہ کہ درمیانِ شہر ست تحصّن نمودند وحشمِ منصور (لَازَالَ منصوراً) بغارت وتاراج مشغول گشت۔

ہر چند اہالی اخلاط از اصراری کہ برغوایت نمودند جائے مرحمت نداشتند ، رای عطوفِ داد گستر بر جانِ ایشاں بخشود، فرمان فرمودیم تادست از غارت وتاراج باز داشتند ،فیضی از سحابِ مکرمتِ بے دریغ نصیبِ حال آں ستم دیدگان گشت، ہمگنان بجائے خویش آرام گرفتند ودعائے دولتِ قاہرہ (شَیَّدَ اللّٰه اَرْکَانُهَا) وردساخت، جماعتِ مخالفان چوں راہ فرار بستہ ودرِ مرحمت شامل گشودہ دیدند باعتذار و استغفار رَبَّنَا ظَلَمْنَا گویان گشتند۔

رایِ زلت بخشای سعادت بخش بریشاں ترحم فرمود واز ہفواتِ ایشاں تجاوز اغماض رفت، وبدیں مکرمتِ بے اندازہ درِ امید بر ہمہ مجرماں باز گشاد، برادرانِ ملک اشرف، مجیر الدین وتقی الدین وعزّ الدین ایبک وصاحبِ ارزن وامیر اقسم باُسرهم واجمعهم واسد عبد اللہ وتمامت ارکانِ ملکِ بنی ایوب امروز روعًا اوطوعًا درسلکِ عبودیت منتظم اند، وبجائی کہ بخشیدہ ایم وامانی کہ یافتہ اند دست برداشتہ مزید قدرت وجہانداری ودوامِ دولت وکامگاریِ میخواہند۔

ترجمہ: ''ہم خداوندِ روزگار عزّ وجل کی تعریف اور حمد وثنا کرتے ہیں کہ جس نے فتح ونصرت کو ہماری سلطنت کی پالیسی اور ہماری مملکت کی ترقی کے پرچموں کے ہمراہ کردیا، جس نے اپنی تائید اور قدرت کو بابرکت نقل وحرکت اور مبارک ارادوں کا ہم دم بنادیا کہ معمولی سی کوشش سے ایک ملک ہماری مملکت (اللہ اسے ہمیشہ باقی رکھے) کے وفاداروں کے قبضہ وتصرف میں آ گیا اور ایک ٹھوکر سے ایک لشکر مجبور وفرمانبردار بن گیا۔ ''یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا ناشکری۔'' تاآنکہ ہمارے فتح مند ونصرت یافتہ پرچم (اللہ ان کو نصرت سے ڈھانپ لے) آرمینیا کی حدود میں لہرا رہے ہیں۔ شہر خلاط کے مضافات کو آٹھ ماہ تک اپنا مستقر بنا کر ہم نے وعدوں اور تنبیہات کے ذریعے بار بار مخالفین کو سمجھایا ور اتمامِ حجت کے لیے دھمکیوں اور وعیدیوں کے مقدمات بار بار ان تک پہنچائے کہ ممکن ہے یہ لوگ اپنی سلامتی کا راستہ نگاہِ بصیرت سے دیکھ لیں اور قہر کی ان آندھیوں اور ناراضگی کے ان کڑکوں کی راہ گزر سے ہٹ جائیں کہ جن کی تاب لانا پہاڑ کے لیے بھی محال ہے اور تاکہ سلطانِ جہانگیر کے غلاموں کے غضب کی لہروں کے تلاطم سے اطاعت وغلامی کے ذریعے محفوظ رہیں

اور معافی وامان کی التماس کریں اور شہر کے دروازے کھولدیں، مگر اس طویل عرصے میں کسی طور پر بھی ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے کہ یہ نادان ہیں'' والی دُعا کی قبولیت ظاہر نہ ہوئی۔ مخالفین دن بدن گمراہی اور سرکشی پر اصرار میں ترقی کرتے رہے ''تا کہ اللہ تعالیٰ ایک طے شدہ کام کا فیصلہ کر ڈالے'' اس شہر میں دیارِ بکر، ساحل فرات، ملکِ مصر، حکومتِ شام، بعض مشرقی علاقوں، ترکمانوں اور ترکوں کے بہت سے لشکروں کا اژدھام تھا۔ ''ہر سمت اور رُخ'' سے مختلف گروہ یہاں جمع تھے۔ یہ اپنی قوتِ بازو، فصیل کے استحکام اور چرخ، تیر و منجنیق، آتشیں لاوے اور جرِ ثقیل کے سامانِ حرب کی کثرت پر بھروسہ کیے ہوئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس شہر کے بُرج آسمانِ بروج سے قوت آزمائی کے لیے آمادہ تھے اور اس کی خندق اپنی گہرائی و پنہائی میں بیل اور مچھلی کی پشت سے گزر چکی تھی۔ (مشہور ہے کہ زمین ایک بیل کے سینگوں پر ہے اور وہ بیل ایک مچھلی کی پشت پر ہے، اس کی طرف اشارہ ہے۔)

زمین و آسمان کی اثر انگیز اور اثر پذیر صلاحیتیں اس (شہر) کی مضبوطی کے اسباب کی تکمیل میں مددگار تھیں اور اس کی دیواریں اور بنیادیں آسمان کی تاسیس کی مانند پختہ تھیں۔ غرور کا سودا باغیوں کے دلوں کی گہرائی میں اس طرح راہ پا چکا تھا کہ کسی نصیحت کی قبولیت کا امکان نہ چھوڑا اور غلط خیال مخالفین کے دماغوں میں اس طرح جم چکا تھا کہ صحیح بات سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہوگئی۔ آخرکار ماہِ جمادی الاولیٰ کے آخری ایام میں سلطانِ جہانگیر کے سپاہیوں نے (اللہ ان کی مدد کرے اور ان کو قوت عطا فرمائے) جنگ کی اجازت حاصل کر لی اور حکم ہوا کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر (فصیل میں) نقب لگائے اور ہر جماعت اپنے اپنے مقام پر راستہ نکالے، شیر دل خادموں اور دلیر سپاہیوں نے جو کہ پڑاؤ کی مدت کی طوالت کے باعث تھک چکے تھے اور مختلف ذرائع سے جنگ کی اجازت حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے، (اب) تین دن رات تک (مسلسل) جنگ کی، اور پے در پے وار کیے اور مختلف اطراف سے شہر میں راستہ تلاش کیا۔ اٹھائیس جمادی الاولیٰ بروز اتوار طلوع آفتاب کے وقت شہر کے برج اور کنگرے پرچموں اور جھنڈوں کی نمود سے یوں سج گئے جیسے آسمان ستاروں سے آراستہ ہو۔ شہر کے اطراف میں شور و غل اور نعرہ بازی ہوئی۔ مخالفینِ حکومت شہر کے وسط میں واقع قلعہ میں محفوظ ہو گئے اور فتح مند سپاہی (وہ ہمیشہ فتح مند ہی رہیں) لوٹ مار میں مشغول ہو گئے۔

اگرچہ خلاط کے باشندے اپنی سرکشی پر اصرار کے باعث مہربانی کے مستحق نہ رہے تھے، مگر مشفق و عادل رائے والے بادشاہ نے ان کی جاں بخشی کر دی۔ حکم ہوا کہ لوٹ مار بند کی جائے۔ اس ابرِ کرم سے بے اندازہ فیض ان مظلوموں کے حصے میں آیا۔ سب لوگوں نے اپنی جگہ آرام حاصل کیا اور غالب حکومت کے لیے (اللہ اس کے ستونوں کو مضبوط فرمائے) دُعاؤں کو وردِ زبان بنایا۔ مخالفین کی نے جب راہِ فرار کو بند پایا اور رحمتِ عامہ کا دروازہ کھلا دیکھا تو ''اے ہمارے رب! ہم نے ظلم کیا الخ'' کہتے ہوئے توبہ اور استغفار کرنے لگے۔

لغزشیں معاف کرنے والے عطا کرنے والے بادشاہ نے ان پر رحم فرمایا اور انکی بے ہودگیوں سے

عفوودرگزرکیااور بے اندازہ کرم کے ساتھ امید کا دروازہ سب مجرموں پر کھول دیا۔ الملک الاشرف کے بھائی مجیرالدین، تقی الدین، عزالدین ایبک، حاکمِ ارزن اور امیر اقسم یہ سب کے سب اور اسد عبداللہ نیز مملکت بنی ایوب کے تمام مصاحبین آج کے دن جبرًایا بخوشی حلقہ بگوش غلام بن چکے ہیں اور جاں بخشی اور حصولِ امان کی خوشی میں ہاتھ بلند کر کے ہماری طاقت اور نظمِ حکومت میں ترقی کے لیے، ہماری مملکت کے دوام کے لیے اور ہماری کامیابی کے لیے دُعا گو ہیں۔''

فارسی دان احباب نورالدین منشی کے اس مسجع ومقفیٰ کلام سے اس کی قادرالکلامی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

مجدالدین محمد ترجمان اور بی بی منجمہ ..... مجدالدین محمد ترجمان سلطان جلال الدین کے دربار کے ایک عالم فاضل رکن تھے اور منشی کے عہدے پر فائز تھے، ان کے نام کے ساتھ ترجمان کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ وہ دربار اور سفارتی مہمات میں ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیا کرتے تھے۔ بی بی منجمہ ان کی اہلیہ تھیں، وہ بھی علم وفضل میں معروف تھیں، خصوصاً علم نجوم میں ان کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

۶۲۷ھ میں جب سلطان جلال الدین کو شام اور روم کی متحدہ افواج کے مقابلے میں شکست ہوئی تو یہ دونوں میاں بیوی پہلے دمشق اور پھر سلاجقہ رُوم کی سلطنت میں چلے گئے۔ سلطان علاؤالدین کیقباد کے ایک معتمد درباری کمال الدین کامیار کی وساطت سے مجدالدین کو بھی دربار کی رکنیت مل گئی۔ مجدالدین کا انتقال ۶۶۷ھ میں ہوا۔

اس کے بیٹے علامہ یحییٰ بن محمد نے جو اپنی ماں کی طرف منسوب ہوکر ''ابن بی بی'' کے لقب سے مشہور ہوئے ، سلطان علاؤالدین کیقباد کے احوال پر ایک کتاب ''الاوامر العلایہ فی امور العلائیہ'' کے نام سے لکھی جس میں ضمناً سلطان جلال الدین کے بھی بہت سے قیمتی حالات قلمبند کردیے۔

علامہ یحییٰ بن محمد کا انتقال ۶۸۰ھ میں ہوا۔ ان کی زندگی ہی میں اس کتاب کا اختصار ''مختصر سلجوق نامہ'' کے عنوان سے تیار ہوگیا تھا جسے ایک مستشرق Houtsma نے ۱۹۰۲ء میں لیڈن (ہالینڈ) سے شائع کیا۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ محمد زکریا مائل نے کیا جو مرکزی اردو بورڈ، گلبرک لاہور نے شایع کیا۔

تاج الدین قلیج ..... سلطان جلال الدین کے وفاداروں میں ان کا ایک غلام قلیج بھی تھا۔ جب سلطان جلال الدین ہندوستان سے واپس لوٹے اور شیراز پہنچے تو حاکم شیراز سعد بن زنگی نے ان کی بڑی تعظیم وتکریم کی اور اس ہونہار غلام کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ قلیج نہایت سلیقہ شعار، خوش گفتار، خوبرو، ذہین وفطین اور احسان شناس لڑکا تھا۔ سلطان کے ساتھ وابستگی کے بعد اس کی خوبیاں مزید کھلیں اور نکھریں۔ اپنی جانثاری، وفاداری، حسن ادب اور معاملہ فہمی کی وجہ سے وہ بہت جلد سلطان کا سب سے قابل اعتماد اور حاضر باش غلام شمار ہونے لگا۔ (۵۸)

بہت سے اہم اور نازک معاملات خاص طور پر نجی زندگی سے متعلقہ کام سلطان جلال الدین اس کے سپرد کردیتے تھے۔ چونکہ سلطان جلال الدین کی کوئی نرینہ اولاد زندہ نہ رہی تھی، اس لیے رفتہ رفتہ سلطان کی شفقتِ پدری اس کی طرف متوجہ ہوگئی اور وہ سلطان کے خصوصی الطاف وانعامات کا مستحق بن گیا۔ قلیج کی یہ خاطر ومدارات بعض بد دماغ مصاحبین کے لیے حسد کا باعث بن گئی اور انہوں نے سلطان اور اس کے تعلق کو غلط رنگ دے کر مشہور کیا۔

سلطان کے ایامِ زوال میں جب ان کے اپنے قریبی ساتھی بھی غداری پر تُل گئے اور حلیف وہمساز ایک ایک

کر کے ساتھ چھوڑتے گئے اور ہر طرف اندرونی و بیرونی دشمنوں نے شورش برپا کردی تو انہی دنوں یہ افسوسناک سانحہ پیش آیا کہ قلیچ بھی سلطان کو مصائبِ زمانہ کی منجدھار میں غوطہ زن چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس سے سلطان جلال الدین کو بے اندازہ صدمہ ہوا۔

بدرالدین ہلال ..... یہ بھی سلطان کے جانثار غلاموں میں سے ایک تھا اور سلطان کی خانگی زندگی کے اہم کاموں کا ذمہ دار تھا۔ چنگیز خان کے پہلے حملے میں یہ ترکان خاتون کے ساتھ محصور اور گرفتار ہوا تھا۔ بعد میں موقع پا کر تاتاریوں کی قید سے بھاگ نکلا اور سلطان جلال الدین کے پاس پہنچ گیا۔ (۵۹)

ناصرالدین قشتمر ..... یہ شاہی غلاموں کا نگران اور سلطان کا قابلِ اعتماد افسر تھا۔ سلطان کے خلاف بغاوت کی ایک خطرناک سازش کو اس نے ناکام بنایا تھا۔ (۶۰)

چند نامعلوم غلام ..... ان کے علاوہ بھی سلطان جلال الدین کے وفادار غلاموں کی ایک جماعت ہر مشکل گھڑی میں ان کے لیے سرفروشانہ قربانیاں دیتی رہی۔ ۶۲۵ھ میں اصفہان کی جنگ میں جب لشکرِ اسلام کو فتح کے بعد شکست ہوئی اور سلطان دشمن کے نرغے میں آ گئے تو ان کے چودہ جانثار غلام ان کے گرد دیوار بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور ان کی دلیری اور سرفروشی سے سلطان دشمن کا گھیرا توڑ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

اسی طرح بالکل آخری وقت میں جب سلطان جلال الدین تاتاریوں کے اچانک حملے سے بچ کر ان کی دسترس سے دور جانے کے لیے کسی نامعلوم سمت روانہ ہوئے تو ان کے دو محافظ غلام اس وقت بھی ان کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے اور راستے میں سلطان کی حفاظت کرتے کرتے شہید ہو گئے۔ (۶۱) رحمهم الله رحمةً و اسعةً.

سلطان کے غدار

قتلغ خان ..... قتلغ خان خوارزمی دارالحکومت اور گنج میں نوے ہزار سپاہیوں کا سالار تھا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی دنیا سے رحلت کے بعد اس ترک سردار نے دارالحکومت اور گنج میں سلطان جلال الدین کی تخت نشینی کو قبول نہ کیا اور سلطان کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار کرنے میں سرگرم حصہ لیا۔ وہ سلطان جلال الدین کے بجائے ان کے چھوٹے بھائی قطب الدین ازلاق سلطان کو مسند حکومت پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی اور اسکے ہم خیال امراء کی سازشوں کے باعث انجام کار سلطان کو مرکزِ خوارزم چھوڑنا پڑا۔ (۶۲)

سیف الدین اغراق خلجی اور اس کے ہمنوا ..... اغراق سیف الدین خلجی اور ترکمان قبائل کا طاقتور سردار تھا۔ نہایت جوشیلا، خودسر، دلیر، چالاک اور فنونِ حرب میں طاق تھا۔ سلطان جب تاتاریوں سے جہاد کے لیے خراسان کے پختون قبائل میں پہنچے تو سیف الدین اس وقت پشاور میں قبائل کو مجتمع کر کے اپنے اقتدار اور اثر و رسوخ کا دائرہ وسیع کرنے میں مشغول تھا۔

سلطان غزنی پہنچے تو سیف الدین اغراق ایک بڑی فوج کے ساتھ سلطان سے آ ملا اور جہاد میں سلطان کے شانہ بشانہ شریک رہا، مگر بعد میں ایک ناگہانی قضیے نے اس کے اور سلطان کے دوسرے سالار امین الملک کے درمیان عداوت کے شعلے بھڑکا دیے جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ انجام کار سیف الدین اغراق اور اس کے ہم نوا کئی سردار اپنی اپنی فوجوں کو لے کر سلطان سے علاحدہ ہو گئے۔ ان کی اس عاقبت نااندیشی سے میدانِ جہاد کا پانسہ پلٹ گیا۔ سلطان

جلال الدین جیتی ہوئی جنگ ہار گئے اور امت مسلمہ کے ایامِ مصائب مزید طویل ہو گئے۔

سیف الدین اغراق کی معیت میں سلطان سے غداری کرنے والے خلجی، ترکمان اور غوری امراء سلطان کی چھاؤنی سے نکل کر ننگر ہار پہنچ گئے۔ یہ علاقہ اعظم ملک خلجی کا تھا جو کہ سلطان سے غداری کرنے والے سرداروں میں ممتاز حیثیت کا مالک تھا۔ اس نے ان تمام منحرف امراء کو اپنے ہاں ٹھہرا کر ان کی پُر تکلف دعوتیں کیں۔

ان منحرف امراء میں نوح جہاندار بھی تھا جو پانچ ہزار خلجی شہ سواروں کا قائد تھا۔ اس کے اور سیف الدین اغراق کے درمیان کچھ رنجش تھی، اس لیے جب سیف الدین نے ننگر ہار سے پشاور کا رُخ کیا تو اپنی دلی ناراضگی کے باعث نوح جہاندار اس کے ساتھ چلنے کے بجائے سواریوں کو چارہ مہیا کرنے کا عذر پیش کر کے وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی اس حرکت پر سیف الدین اغراق سخت جھنجھلایا، مگر اس وقت کچھ نہ کر سکا۔ ننگر ہار سے ایک منزل دور نکل کر اسے خیال آیا کہ کیوں نہ نوح جہاندار کا کام تمام کر دیا جائے اور اس مقصد کے لیے اعظم ملک کو آلہ کار بنایا جائے۔ چنانچہ اس نے وہیں سے اعظم ملک کو فوری پیغام بھیجا کہ ''میں اور تو باپ بیٹے کی مانند ہیں، میں باپ ہوں اور تو بیٹا۔ اگر تو میری خوشی چاہتا ہے تو نوح جہاندار کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی اجازت مت دے۔''

اعظم ملک اس پیام کا اصل مقصد تاڑ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ بلاشبہ اعظم ملک سلطان جلال الدین سے غداری کرنے والوں میں شامل تھا اور اس لحاظ سے یقیناً وہ امت کے اجتماعی مفاد کے احساس سے غافل تھا، مگر اپنے وطنی مفاد کے شعور اور قبائلی روایات کی پابندی کے لحاظ سے وہ ایک بیدار مغز آدمی تھا۔ اس نے سوچا کہ سیف الدین اغراق اور نوح جہاندار میں ٹھن جانا بڑی نامناسب صورت حال ہے، ان میں صلح کرانا ضروری ہے۔ اس کام کو وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہوئے وہ پچاس محافظ سوار ساتھ لے کر سیف الدین کے لشکر میں جا پہنچا اور بڑی منت وسماجت کے ساتھ اسے نوح جہاندار سے مصالحت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ سیف الدین اغراق کی جنونی طبیعت پر اعظم ملک کی نصیحت کا اُلٹا اثر ہوا، بجائے بات ماننے کے وہ اسی وقت نوح جہاندار کو قتل کرنے پر تُل گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، اپنے ساتھ سو سوار لیے اور سرپٹ گھوڑا دوڑا کر سیدھا نوح جہاندار کے پڑاؤ میں جا پہنچا۔

نوح جہاندار نے دور سے سیف الدین کو ایک مختصر سے دستے کے ساتھ آتا ہوا دیکھا تو خیال کیا کہ اعظم ملک کی کوشش کامیاب اور سفارش قبول ہو گئی ہے کہ سیف الدین بنفس نفیس خود مجھ سے مصالحتی ملاقات کے لیے آ رہا ہے۔ سیف الدین قریب آیا تو نوح جہاندار نے اپنے بیٹوں سمیت آگے بڑھ کر بڑے اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا، مگر......سیف الدین تو شاید پاگل ہو چکا تھا۔ نوح جہاندار کو سامنے پاتے ہی اس نے تلوار سونت لی اور حملہ کر دیا۔

نوح جہاندار کی زندگی کے چند سانس باقی تھے، اس لیے اچانک حملے کے باوجود وہ بچ گیا۔ اس کے محافظوں نے سیف الدین کو مزید کچھ کرنے کا موقع نہ دیا اور وہیں اس کی تکا بوٹی کر دی۔

سیف الدین اغراق کے لشکر میں جب اس کی موت کی خبر پہنچی تو وہاں کہرام مچ گیا۔ ان کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ہمارا سردار کس مقصد سے وہاں گیا تھا اور اس کا ممکنہ نتیجہ کیا ہو سکتا تھا؟ انہیں یہی شک ہوا کہ یہ اعظم ملک کی سازش ہے جس نے سیف الدین کو ورغلا کر موت کے منہ میں دھکیلا۔ چنانچہ اس شبہ کی بنیاد پر سیف الدین کے سپاہیوں نے اعظم ملک کو جو کہ ابھی تک سیف الدین کے کیمپ میں بطور مہمان ٹھہرا ہوا تھا، قتل کر دیا۔

سیف الدین کے سپاہیوں کی آتش انتقام اس پر بھی سرد نہ ہوئی، کیوں کہ ابھی قدرتِ خداوندی نوح جہاندار کو بھی سلطان جلال الدین سے غداری کی سزا دینا چاہتی تھی۔ چنانچہ اغراق کے سپاہی مجتمع ہو کر نوح جہاندار کی لشکر گاہ پر ٹوٹ پڑے۔ ایک خوں ریز جنگ ہوئی، جس میں نوح جہاندار اپنے بیٹوں سمیت مارا گیا۔ نیز فریقین کے سپاہی بڑی تعداد میں ہلاک ہو گئے۔ غوری سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد بھی دونوں جانب سے ماری گئی۔

ان بکھری ہوئی غدار فوجوں کے بقیہ افراد کو بھی زیادہ دن گزارنے کا موقع نہ ملا۔ تاتاری لشکر نے جو سیلابِ محشر خیز کی طرح اُمنڈتا چلا آ رہا تھا ایک دن ان سب کو گھیر لیا اور بلا استثناء سب کو موت کا کڑوا جام پینے پر مجبور کر دیا۔ الغرض وہ تیس ہزار خلجی، غوری اور ترکمان سپاہی جو سلطان سے شرمناک بغاوت کے مرتکب ہوئے تھے اس جرمِ عظیم کے بعد دو تین ماہ بھی سطحِ زمین پر نہ رہ سکے اور ہر ایک اپنے انجامِ بد کو پہنچا۔ (۶۳)

براق حاجب ..... براق حاجب ابتداء میں ترکان خطا (قراخطائیہ) کی حکومت کا ملازم تھا۔ جب سلطان علاؤ الدین محمد نے ترکان خطا کو پے در پے شکستیں دے کر ان کی قوت کو پامال کر دیا تو براق ازراہِ مصلحت خوارزمی ایوان کے خدمت گاروں میں شامل ہو گیا اور اپنی ہوشیاری کے باعث بہت جلد ترقی کر کے حاجب کے عہدے تک جا پہنچا۔

سلطان علاؤ الدین محمد کی وفات کے بعد اس نے کرمان اور اس کے نواح کا کچھ علاقہ فتح کر لیا تا کہ خوارزمی سلطنت کے کھنڈرات پر ایک خود مختار حکومت قائم کر کے اپنی اس آرزو کی تکمیل کرے جو مدت سے اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی، مگر انہی دنوں سلطان جلال الدین ہندوستان سے ایران آ گئے اور مجبوراً براق حاجب کو دبنا پڑا، تاہم سلطان کے سامنے اظہار وفاداری کے باوجود وہ خفیہ طور پر سلطان کے خلاف سازشیں گانٹھتا رہا۔ ایک بار موقع پا کر کھلم کھلا بغاوت پر اُتر آیا، مگر سلطان کے بروقت اقدام اور یلغار سے گھبرا کر پھر منافقانہ معذرت کر لی۔

سلطان جلال الدین کے بعد براق نے تاتاریوں کے زیر سایہ کرمان اور اس کے آس پاس اپنی اجارہ داری قائم رکھی۔ ۶۴۲ھ میں وہ دنیا سے رخصت ہوا، اس کے بعد اس کے دو بیٹے رکن الدین اور قطب الدین تخت نشین ہوئے۔ ان کے بعد اس تمام علاقے کا انتظام تاتاریوں نے براہ راست سنبھال لیا۔ (۶۴)

شہزادہ غیاث الدین ..... یہ سلطان کا باپ شریک بھائی تھا جس نے مارِ آستین بن کر سلطان کو بارہا ڈسا اور سلطان ہر بار اس کی حرکاتِ شنیعہ سے درگزر کرتے رہے۔ معرکۂ اصفہان کے دوران عین ہنگامۂ کارزار میں لشکرِ اسلام کا ایک پہلو خالی کر کے بھاگ نکلا، اگر توفیق ایزدی سلطان کے شامل نہ ہوتی تو غیاث الدین کی اس مجرمانہ کارروائی سے مسلمانوں کی عبرتناک شکست یقینی تھی۔ غیاث الدین نے سلطان کا ساتھ چھوڑ کر حاکم الموت کے ہاں پناہ لی اور کچھ عرصے بعد وہاں سے براق حاجب کے پاس کرمان میں مقیم ہو گیا۔ بعدازاں براق حاجب نے اپنے خلاف سازش کے شبہے میں اسے قتل کرا دیا۔ (۶۵) تفصیلی حالات پیچھے گزر چکے ہیں۔

اُتر خان ..... سلطان کے ان افسران میں سے تھا جو آخر تک سلطان کے ساتھ رہے، مگر ان آخری ایام ہی میں اس نے آس پاس کے حکمرانوں سے رابطے قائم کر کے سلطان کا ساتھ چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا، اسی لیے وہ اپنے فرائض منصبی میں نہایت غفلت کا مظاہرہ کرنے لگا تھا۔ اس کی غلط خبر رسانی کے باعث سلطان کو آخری وقت میں تاتاری لشکر کے سر پر آن پہنچنے کی اطلاع نہ ہو سکی تھی۔ سلطان کی اس دوڑ دھوپ کے دوران اتر خان نے انہیں الوداع کہہ کر حاکم

میافارقین کی خدمت میں چلا گیا، مگر افسوس کہ اسے پذیرائی نصیب نہ ہوئی۔ حاکم میافارقین نے اسے قید کر دیا۔ کچھ عرصے بعد اسے وہاں سے مصر کے جیل خانے منتقل کر دیا گیا اور اس قید و بند کی حالت میں مر گیا۔ (۶۶)

وزیر سلطنت شرف الملک خواجہ جہاں...... اس کا نام شرف الدین یلدرجی تھا۔ شرف الملک اور خواجہ جہاں کے القابات سے نوازا گیا۔ سلطان علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کے زمانے میں معمولی خدمت گاری سے ترقی کر کے پرچہ نویسی کے منصب تک پہنچا۔ بعدازاں خوارزم شاہ نے اسے فوجی وزارت کی خدمات سپرد کر دیں، چار سال یہ اس عہدے پر رہا۔

جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ تخت نشین ہو کر غزنی پہنچے تو شرف الملک نے خدمت میں حاضری دی اور حاجب کا منصب پایا۔ جب ہندوستان میں سلطان کا وزیر سلطنت شمس الملک شہاب الدین ہروی قباچہ کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو سلطان نے وزارت کا قلمدان اس کے سپرد کر دیا۔ (۶۷)

شرف الملک کو عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان پر بھی مکمل دسترس تھی۔ امورِ حکومت کا گہرا ادراک رکھتا تھا۔ ملکی انتظام، عسکری مہمات اور سیاست کا ماہر تھا۔ کھلی طبیعت کا مالک تھا۔ ہر کسی سے بے تکلفی سے ملتا تھا۔ غرور و تکبر سے کوسوں دُور اور بے حد فیاض تھا۔ گنے بغیر عطا کرتا چلا جاتا تھا۔

مگر ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ متلوّن مزاج، فضول خرچ، خودسر اور موڈی آدمی تھا۔ بہت جلد ناراض ہو جاتا اور بہت جلد مَن جاتا۔ حساب کتاب رکھنے کا ذرا بھی خیال نہیں کرتا تھا۔ اسے دستور کے مطابق ملکی آمدن کا دسواں حصہ دیا جاتا تھا جو ایک خطیر رقم تھی مگر یہ اس سے بھی مطمئن نہ تھا اور مزید لوٹ کھسوٹ پر مصر رہتا تھا۔ چونکہ سلطان کو رام کرنے اور اپنی وفاداری جتانے کے گر خوب جانتا تھا، اس لیے اس کی تمام غلط حرکات کے باوجود ایک عرصہ تک سلطان جلال الدین اس سے مطمئن رہے، مگر جب رفتہ رفتہ اس کے کرتوت سامنے آئے تو اس سے بددل ہو گئے۔ (۶۸) (شرف الملک کی ان کارستانیوں کی تفصیل گزشتہ ابواب میں آ چکی ہے)

آخر جب پانی حد سے گزر گیا تو اس ناسپاس انسان کی اصلاح سے مایوس ہو کر سلطان نے اسے قتل کرنے کا تہیہ کر لیا مگر پھر اس کے معافی مانگنے پر جان کی امان دے دی تاہم اسے کم از کم نظر بند کرنا ضروری تھا۔ اسے مطمئن کرنے کے لیے سلطان نے وقتی طور پر چشم پوشی کا معاملہ کیا اور وزیر اعظم کو اطمینان ہو گیا کہ سلطان کی ناراضی ختم ہو گئی ہے۔

اب سلطان موقع پا کر ایک دن وزیر کو اران کے نواح میں ''جربیرد'' کے قلعے میں لے گئے اور قلعہ دار کو خفیہ احکام دے کر وزیر کو وہیں نظر بند کر دایا۔

منشی شہاب الدین النسوی کا بیان ہے کہ سلطان تاتاریوں سے نمٹنے تک وزیر اعظم کو نظر بند رکھنا چاہتے تھے اور اس کے خلاف کسی مزید سخت کارروائی کے درپے نہیں تھے، بلکہ وہ اس کے لیے بھی تیار تھے کہ بعد میں اسے اس کے عہدے پر بحال کر دیں، البتہ اس کی مالی بدعنوانیوں کا انہوں نے یہ علاج سوچا تھا کہ عباسی خلافت کے وزراء کی طرز پر یہاں بھی وزیر اعظم کے لیے تنخواہ مقرر کر دی جائے اور محصول میں سے اس کی حصہ داری کا مروجہ نظام ختم کر دیا جائے۔ یہ سلطان کی انتہائی نرم دلی تھی کہ اتنی گستاخیاں سامنے آنے کے باوجود انہوں نے وزیر اعظم کے خلاف کوئی انتہائی فیصلہ نہیں کیا۔

سلطان نے وزیر اعظم کو نظر بند کرا کے اس کی نگرانی سلمان بیگ نامی ایک سخت گیر ترک افسر کے سپرد کر دی تھی۔ سلمان بیگ نے کچھ عرصہ تک اپنا فرض بخوبی نبھایا، مگر بعد میں وزیر اعظم نے اسے اپنا ہمنوا بنالیا اور اس سے دوستانہ تعلقات پیدا کر کے سلطان کے خلاف ساز باز شروع کر دی۔ اس زمانے میں ایوانِ حکومت میں عملی طور پر شاہی غلاموں کا بڑا اثر ورسوخ ہوا کرتا تھا۔ وزیر اعظم اپنے زمانۂ وزارت میں گویا ان سب غلاموں کا ملجأ وماؤی تھا۔ اسے امید تھی کہ اب بھی ان غلاموں سے اپنا کام نکالا جا سکتا ہے۔ اس خیال سے اس نے سلمان بیگ کے ساتھ مل کر ایک سازشی منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کے تحت پہلے سلمان بیگ کی جانب سے غلاموں کے نام یہ خط تیار کیا گیا:

''سلطان نے آپ کے آقا شرف الملک کو بلاوجہ قید کر کے اسے مصائب وتکالیف کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ اب سلطان نے اس بے چارے کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے، اگر آپ اپنے سابقہ آقائے ولی نعمت سے ہمدردی رکھتے ہیں تو جیر برد کے قلعے میں آ کر اس سے مل لیں تا کہ اس کی آزادی کے لیے کوئی لائحہ عمل طے کیا جا سکے۔ علاوہ ازیں آپ کو چاہئے کہ گرجیوں سے مل کر سلطان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیں۔''

سلمان بیگ کے نام سے تحریر کردہ یہ خط وزیر اعظم نے اپنی خاص انگوٹھی سمیت کسی خفیہ ذریعے سے شاہی غلاموں کے افسر اعلیٰ کو ارسال کر دیا۔ شاہی غلاموں کا افسر اعلیٰ جس کا نام ناصر الدین قشتمر تھا، وزیر اعظم کی انگوٹھی اور خط وصول کرنے کے بعد شش و پنج میں پڑ گیا کہ کیا کرے؟ آخر اس کے ضمیر نے اسے سلطان کے خلاف کسی کارروائی میں شرکت کی اجازت نہ دی اور اس نے یہ دونوں چیزیں ایوانِ خوارزم کے امیر اتر خان کے حوالے کر کے اسے سازش سے مطلع کر دیا۔ اتر خان نے یہ تمام واقعات سلطان کو کہہ سنائے۔

اس سازش کے انکشاف سے سلطان سخت برافروختہ ہوئے۔ ایک ہی وقت میں اندرونی اور بیرونی محاذوں پر لڑنا ان کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا اور شرف الملک کو مہلت دینا سازشوں کی جڑیں باقی چھوڑ دینے کے مترادف تھا۔ سلطان نے اسے مزید موقع دینا حماقت تصور کرتے ہوئے اس کے قتل کا فیصلہ کر لیا۔ اس سازش میں اگرچہ سلمان بیگ بھی شریک تھا، مگر سلطان کو یقین تھا کہ اس میں حاصل کردار شرف الملک کا ہے۔ سلمان بیگ کو صرف آلہ کار کے طور پر استعمال کیا گیا ہے، اس لیے انہوں نے سلمان بیگ کے بارے میں ذرا نرم پہلو اختیار کیا۔

سلطان نے فوری طور پر سلمان بیگ کے بیٹے کو جو سلطان کی خاصہ فوج میں شامل تھا، طلب کیا اور اس کے سامنے اس کے باپ کا خط رکھ دیا۔ بیٹا اپنے باپ کو غداروں کی صف میں شامل دیکھ کر بڑا اسٹپٹایا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جرم میں اس کا باپ قتل بھی کیا جا سکتا ہے۔ سلطان نے سلمان بیگ کے بیٹے کی گھبراہٹ اور پشیمانی کو محسوس کر کے ازراہِ لطف وکرم اسے اجازت دے دی کہ وہ اپنے باپ سے مل کر اسے اس غلطی پر عار دلائے۔ سلمان بیگ کا بیٹا اپنے باپ سے جا کر ملا اور اسے اس حماقت کے انجام سے ڈرایا۔ سلمان بیگ بہت شرمندہ ہوا اور بیٹے کو سلطان کے پاس بھیج کر ان سے معافی طلب کی۔ سلطان نے اس کے بیٹے سے کہا: ''مجھے تمہارے باپ کی سچائی پر تب یقین آئے گا، جب وہ شرف الملک کا سر کاٹ کر مجھے بھیج دے گا۔''

سلطان کے اس پیام پر سلمان بیگ نے فوراً پانچ جلاد ساتھ لیے اور شرف الملک کے کمرے میں جا پہنچا۔ شرف الملک سمجھ گیا کہ جلاد قتل کے سوا کسی اور مقصد کے لیے نہیں آئے۔ اُٹھ کر وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھ کر کچھ دیر تلاوت

اور توبہ واستغفار کی، پھر بڑبڑایا: ''جو کفار پر اعتماد کرے اس کی یہی سزا ہے۔'' اس کے بعد جلادوں سے کہنے لگا: ''اب اپنی خواہش پوری کرلو۔''

جلادوں نے سوال کیا: ''جناب! آپ کا سر تلوار سے اُڑا دیا جائے یا گلا گھونٹ کر ختم کیا جائے۔''

بولا: ''میرا خیال ہے کہ تلوار بہتر ہے کہ یہ کم تکلیف دہ ہے۔''

جلاد کچھ سوچ کر کہنے لگے: ''جناب والا! بڑی شخصیات کو تو گلا گھونٹ کر مارنے کا دستور ہے، تلوار سے سر کاٹنا تو چوروں اور ڈاکوؤں کے لیے مخصوص ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے اس کے گلے میں پھندا ڈال دیا اور اتنا گھونٹا کہ شرف الملک کی آنکھیں باہر کو اُبل آئیں اور وہ فرش پر تڑپ تڑپ کر ساکت و جامد ہوگیا۔

جلاد اسے وہیں چھوڑ کر کمرے سے نکل گئے کہ لاش ٹھنڈی ہو جانے پر سر کاٹ کر سلطان کو بھیج دیا جائے گا۔ کچھ دیر بعد جلاد لاش اُٹھانے کے لیے کمرے میں آئے تو یہ دیکھ کر مبہوت رہ گئے کہ شرف الملک زندہ سلامت ان کے سامنے بیٹھا ہے۔ اس کی جسمانی قوت اور مضبوطی پر سب ہی حیران ہوئے۔ آخر تلوار ہی سے قتل کرنا تجویز ہوا اور ایک ہی وار میں اس کا سر دھڑ سے علاحدہ کر کے سلطان کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔ (۴۹)

وفا ملک ...... جب سلطان جلال الدین خوارزم شاہ دریائے سندھ کے کنارے چنگیزی لشکر سے شکست کھا کر ہندوستان پہنچے تو اسی نواح کے اوباش نوجوانوں میں سے ایک شخص ''حسن مزلف'' سلطان کے خدمت گاروں میں شامل ہوگیا اور اپنی عمدہ کارکردگی اور خدمات کی بدولت سلطان کی توجہ اور عنایات حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

سلطان نے اسے ''وفا ملک'' کا لقب عطا کیا اور ہندوستان سے عراق واپسی پر اپنے ہندوستانی مقبوضات میں جہاں پہلوان کے ساتھ ساتھ اسے بھی نیابت کا عہدہ عنایت کیا، مگر ۶۲۷ھ میں جب یاسی چمن کے میدان میں سلطان جلال الدین کی شکست کے باعث مرکزی حکومت کمزور پڑ گئی تو ''وفا ملک'' سلطان جلال الدین سے غداری کر کے اپنے دیگر رفقاء سمیت سلطان شمس الدین التمش کا حلقہ بگوش بن گیا اور سلطان التمش کے ساتھ مل کر سلطان جلال الدین کے وفادار گورنر جہاں پہلوان کو سندھ اور پنجاب کے مقبوضات سے بے دخل کر دیا۔ ''وفا ملک'' کے انجام کے بارے میں کوئی روایت نظر سے نہیں گزری۔

حواشی وحوالہ جات

① جہاں کشا، ج ۲، ص ۳۰۰ ② طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶ ص ۳۷۱

③ طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶ ص ۳۷۰

④ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف جیم

⑤ تاریخ اسلام ذہبی طبقہ ۶۳ وفیات ۶۲۸ ھ حرف جیم

⑥ افغانستان درمیسر تاریخ ص ۱۴۱......ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۱۷

⑦ جہاں کشا ج ۲ ص ۳۰۳......سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۱۴۰......خوارزم شاہی، ص ۱۷۴

⑧ جہاں کشا ج ۲ ص ۳۰۳

⑨ جہاں کشا ج ۲ ص ۳۰۳

⑩ جہاں کشا ج ۲ ص ۳۰۵، ۳۰۶......روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۶......سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۱۴۰ تا ۱۴۵......
خوارزم شاہی ص ۱۷۵

⑪ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۹ ⑫ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۳

⑬ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳ ص ۲۰۰

⑭ ابن اثیر ج ۷ ص ۵۰۸، ۵۱۳......تاریخ خوارزم شاہی ص ۸۰ تا ۸۱
تاریخ ابن خلدون میں خان سلطان کو علاؤ الدین محمد کی بہن بتایا گیا ہے جو صریح طور پر غلط ہے، دیکھئے ابن خلدون ج ۵ ص ۱۰۴

⑮ روضۃ الصفا ج ۴ ص ۸۲۵...... جہاں کشا ج ۲ ص ۲۰۰......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۵

⑯ ابن خلدون ج ۵، ص ۱۳۵......نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۳......خوارزم شاہی ص ۱۸۸

⑰ تاریخ دعوت وعزیمت ج ۱ ص ۳۲۵

⑱ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۵ ⑲ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۵

⑳ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۵ ㉑ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۴۹

㉒ جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۱

㉓ ابن خلدون ج ۵ ص ۱۴۰......طبقاتِ ناصری ج ۱ ص ۳۷۴...... جہاں کشا ج ۲ حاشیہ ص ۱۹۰)

㉔ ابن اثیر ج ۷ ص ۶۱۶......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۴

(۲۵) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۲۵۸ تا ۲۵۹.....خوارزم شاہی ص ۱۸۰ تا ۱۸۱......
واضح ہو کہ یہاں بغاوت سے مراد وہ شورش ہے جو ۶۲۴ھ میں جنگ تاتار کے موقع پر پیش آئی تھی۔

(۲۶) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۸......ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۱

(۲۷) دیکھیے نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۷

(۲۸) جہانکشا، ج ۲ حاشیہ ص ۱۹۰۔ طبقاتِ ناصری طبقہ ۱۶ ص ۲۷۴

(۲۹) جہاں کشا، ج ۲، ص ۳۰۰

(۳۰) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۱۹......ابن الوردی، ج ۳، ص ۲۲۹

(۳۱) جہاں کشا ج ۱ ص ۱۰۷

(۳۲) سیرۃ جلال الدین ص ۳۰۳.....خوارزم شاہی ص ۱۸۹

(۳۳) جہاں کشا ج ۲ ص ۳۰۱

(۳۴) جہاں کشا، ج ۵، ص ۳۰۰، ۳۰۱

(۳۵) چنگیز خان باب ۱۴ ص ۱۱۱

(۳۶) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۳۱

(۳۷) سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۱۲۶.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۴
دونوں مآخذ میں تیمور ملک کو ''دمر ملک'' لکھا گیا ہے مگر قرائن واضح ہیں کہ مراد تیمور ملک ہی ہے۔

(۳۸) تاریخ نہضتہائے ملی ایران ص ۵۱۳

(۳۹) جہاں کشا، ج ۱، ص ۷۲ تا ۷۳

(۴۰) ابن خلدون ج ۵ ص ۱۳۷.....سیرۃ سلطان جلال الدین، ۳۴۶، ۳۴۷.....خوارزم شاہی، ص ۲۰۴

(۴۱) ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۲۴، ۱۲۵.....خوارزم شاہی، ص ۱۶۴

(۴۲) ابن اثیر ج ۷، ص ۶۴۰

(۴۳) سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۲۴۱، ۲۴۲.....خوارزم شاہی، ص ۱۷۴..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۳۰۳

(۴۴) جامع التواریخ، داستان رفتن چنگیز خان برعقب سلطان جلال الدین ص ۳۷۶..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۵، ۱۹۲، مع حاشیہ

(۴۵) جہاں کشا ج ۲ ص ۱۵۱ مع حاشیہ.....خوارزم شاہی ص ۱۵۲..........ابن اثیر ج ۷ ص ۶۴۴

(۴۶) سیرۃ سلطان جلال الدین ص ۳۷۹.....خوارزم شاہی ص ۲۱۶.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۹

(۴۷) ابن خلدون ج ۷ ص ۱۴۰

(۴۸) خوارزم شاہی ص ۲۶۷ تا ۲۷۰.....ابوالفداء، ص ۱۲۹ تا ۱۵۴......ابن خلدون ج ۵ ص ۱۲۱

(۴۹) سیرۃ جلال الدین ص ۲۵۳.....خوارزم شاہی ص ۱۷۸، ۲۷۴

(۵۰) معجم الادباء، ج ۲۰، ص ۵۵ تا ۵۹.....خوارزم شاہی، ص ۲۷۴.....روضۃ الصفا، ج ۵، ص ۴۴.....حاشیہ مختصر المعانی مطبوعہ بیروت

(۵۱) ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹.....نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۶۰

52 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۶۵

53 سلطان جلال الدین نے ہندوستان سے واپس آتے ہی مختصر سے عرصے میں حیرت انگیز طور پر کرمان سے لے کر آذربائیجان تک کے علاقے ختم کر لیے تھے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

54 سرعتِ یلغار سلطان کا امتیازی وصف تھا، یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

55 یعنی جمعے کے خطبہ میں سلطان کا نام آتا ہے تو منبر اسے بار بار سننے کا منتظر رہا ہے اور اللہ سے دُعا کرتا ہے کہ روز ہی جمعہ ہوا کرے تا کہ میں سلطان کا نام روزانہ سنا کروں۔

56 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۵۳ 57 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۷۷ تا ۱۸۰

58 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۵۲

59 سیرۃ جلال الدین ص ۹۶، ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۴

60 سیرۃ جلال الدین ص ۳۶۵ ..... خوارزم شاہی ۲۱۰

61 نہایۃ الارب ج ۷ ص ۳۷۲ ..... تاریخ مختصر الدول ص ۲۴۷

62 روضۃ الصفا، ج ۴، ص ۸۲۷ ..... جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۳۲ ..... خوارزم شاہی، ص ۱۴۰

63 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۹۵ تا ۱۹۸

64 جہاں کشا، ج ۲، ص ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶۵، ۲۱۱ تا ۲۱۴

65 جہاں کشا، ج ۲، ص ۲۰۱ تا ۲۰۷

66 ابن خلدون، ج ۵، ص ۱۴۰ ..... سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۸۰ ..... خوارزم شاہی، ص ۲۱۵

67 ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۲۱، ۱۲۲

68 ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۳۸ ..... خوارزم شاہی، ص ۲۱۱ تا ۲۱۲

69 سیرۃ سلطان جلال الدین، ص ۳۶۴ تا ۳۶۷ ..... خوارزم شاہی، ص ۲۱۰ تا ۲۱۲

70 سلجوق نامہ، ۱۵۳ ..... ابن خلدون، ج ۵ ص ۱۱۹ ..... ابوالفداء، ج ۳، ص ۱۵۰

الملک المظفر سیف الدین محمود قطز

اہل باطل سے ٹکرانے والے حق کے نمائندے ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ حریت اور شجاعت کے اولوالعزم پیکروں سے ملتِ اسلامیہ کسی زمانے میں خالی نہیں رہی۔ جب بھی راہِ عزیمت کے کسی قافلہ سالار نے اسلام کے لیے جان کا نذرانہ پیش کیا تو خالق کائنات نے اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے جلد یا بدیر اس کے کسی جانشین کو کھڑا کر دیا جس کے ہاتھوں عشق ووفا کی داستان اپنے نیک انجام تک پہنچی۔

سیف الدین محمود قطز تاتاریوں کے خلاف جہاد کی اس رُوداد کا تتمہ اور اس سلسلہ حرب وضرب کی آخری کڑی تھا، جس کا آغاز سلطان جلال الدین خوارزم شاہ سے ہوا تھا۔

سیف الدین قطز سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے بھانجے تھے۔ (۱) تاریخ کے منظر نامے پر وہ شہاب ثاقب کی طرح ایک مختصر سے وقت کے لیے اُبھرے، چمکے اور غائب ہو گئے، تاہم سب سے پہلے ہمیں ان کا نام نجم الدین ایوب ملک الصالح کے خدام کی فہرست میں نظر آتا ہے۔ قطز، خوارزم سے ملک الصالح کے پاس کیسے جا پہنچے؟ اس کا جواب معلوم کرنے کے لیے ہمیں تاریخ کی منتشر کڑیاں جوڑنا پڑیں گی۔

تاریخ کی منتشر کڑیاں..... سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی گمشدگی کے بعد ان کے امراء، سپاہی اور متعلقین اِدھر اُدھر بکھر کر رہ گئے اور ایک عرصے تک مارے مارے پھرتے رہے۔ ان میں سے بعض سے لوٹ مار کر کے اپنا پیٹ بھرنے لگے اور ارد گرد کی حکومتوں کے لیے دردِ سر بن گئے۔ بہت سے علاؤ الدین کیقباد کی فوج میں شامل ہو گئے اور بہت سوں کو جن میں زیادہ تعداد بچوں کی تھی، غلام بنا کر منڈیوں میں بیچ دیا گیا۔

خوارزم سے آنے والے ان ترک غلاموں میں ایک کم سن بچہ محمود بھی تھا جو در در کی ٹھوکریں کھاتا بازاروں میں بکتا غلامی کے تازیانے سہتا دمشق کے ایک تاجر کے ہاتھ آ گیا۔ (۲) آزاد پیدا ہونے والے اس بچے کو غیر شرعی طریقے پر غلام بنایا گیا تھا اور غلامی کے کئی مراحل سے گزرنے کے بعد اس کا ماضی سب کی نظروں سے پوشیدہ ہو چکا تھا۔ ویسے بھی ایک غلام کے حسب ونسب سے کسے دلچسپی ہو سکتی تھی؟ سب یہی سمجھتے تھے کہ یہ کسی کافر ملک میں پیدا ہونے والا، کافر زادہ ہے جو جنگ میں گرفتار ہونے کے بعد بازاروں میں بکتا ہوا آیا ہے۔

تیرا باپ کون ہے؟

دمشق کے تاجر کے بعد اسے ''ابن الزعیم'' کی غلامی نصیب ہوئی۔ نیا آقا ایک دن کسی بات پر بگڑ گیا اور اسے ایک طمانچہ رسید کر دیا۔ محمود رونے لگا، کسی نے عار دلاتے ہوئے کہا:

''میاں! ایک تھپڑ کھا کر رونے لگے۔''

محمود نے جواب دیا: ''میں تھپڑ کی تکلیف سے نہیں، اپنے باپ دادا کی اہانت پر رو رہا ہوں۔'' سوال کرنے والے نے طنز کرتے ہوئے کہا: ''تیرا باپ کون ہے؟ کوئی کافر ہی ہے نا۔''

محمود نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا: ''میں صرف اور صرف مسلمان گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میرا نام محمود بن مودود ہے، میں جلال الدین خوارزم شاہ کی ہمشیرہ کا بیٹا ہوں۔''(۳)

محمود کا یہ انکشاف بڑا حیرت انگیز تھا، مگر اس کی بات پر یقین کرنے والا کوئی نہ تھا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ شاید یہ غلامی سے آزادی کا بہانہ بنا رہا ہے۔ کسی نے اس کی تحقیق ضرورت نہ سمجھی۔

الملک الصالح کی خدمت میں ..... ان دنوں مصر میں الملک الکامل کی حکومت تھی۔ اس کا بیٹا شہزادہ الملک الصالح خوارزمیوں کی شجاعت اور ان کی جنگجویانہ صلاحیت سے خوب واقف تھا، اس نے ان کی صلاحیتوں سے فائدہ اُٹھانے کا سوچا اور باپ سے اجازت لے کر خانہ بدوش خوارزمی سپاہیوں کے لیے فوج میں ملازمت کے دروازے کھول دیے۔ الملک الکامل کی وفات کے دو برس بعد ۶۳۷ھ میں الملک الصالح مصر کا بادشاہ بن گیا۔ اسکے دورِ حکومت میں ترک سپاہیوں کے علاوہ باصلاحیت ترک غلاموں کو بھی خرید کر فوج میں بھرتی کیا جانے لگا۔ اسطرح کچھ عرصے بعد سلطنتِ مصر کی فوجی طاقت پر خوارزمی ترکوں کا عنصر غالب آ گیا۔ الملک الصالح بھی مقامی سپاہیوں کی بہ نسبت ان پر زیادہ اعتماد کرتا تھا۔

محمود کی قسمت جاگی اور فوج کے لیے خریدے جانے والے کم سن خوارزمی غلاموں میں اس کا نمبر بھی آ گیا اور اس طرح وہ الملک الصالح کی خدمت میں مصر جا پہنچا۔ کم عمری کے باوجود اپنی حوصلہ مندی، وفاداری اور ادب و تمیز کی بناء پر اسے جلد ہی ملک الصالح کے خدام میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا۔

مبارک خواب ..... محمود نے اپنے بچپن کے ایام میں تاتاریوں کی غارتگری کے جوجگر دوز مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے وہ اس کے دل کی تختی پر نقش ہو چکے تھے، اسے معلوم تھا کہ تاتاری ہی اس کے خاندان اور بھائی بہنوں کے قاتل ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے وطن کو اُجاڑنے والے اور اسے ہجرت پر عبور کرنے والے تاتاری درندوں کے سوا کوئی نہیں۔ اسے پتا تھا کہ اس جیسے ہزاروں لاکھوں بچوں کو یتیم بنانے والے یہی چنگیزی کافر ہیں۔ وہ اپنے دل میں ان سے انتقام لینے کا تہیہ کیے ہوا تھا، جوں جوں اس کی عمر بڑھ رہی تھی اس کا یہ جذبہ بھی ترقی کرتا جا رہا تھا۔

بچپن کے انہی دنوں میں ایک دن محمود نے ایک عجیب خواب دیکھا، یہ خواب اس کے لیے فوز و سعادت کے دروازے وا ہونے کی کلید تھا۔ اس نے حالتِ خواب میں حضور رحمت عالم، ساقی کوثر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''تم مصر کے بادشاہ بنو گے اور تاتاریوں کو شکست دو گے۔''

محمود بیدار ہوا تو اس کا انگ انگ مسرت و فرحت کی شاداب لہروں میں غوطے کھا رہا تھا..... آثارِ سعادت پیشانی پر دمک رہے تھے اور دل میں یقین محکم کی لازوال حرارت بھر چکی تھی۔ دن گزرتے رہے، مگر اس خواب پر یقین ایک پل کے لیے بھی اس کے دل سے محو نہ ہو سکا۔

معصوم وعدہ ..... محمود کی کم عمری کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے مشفق آقا نے اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک سپاہی کو مقرر کر دیا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ محمود کے بالوں میں جوئیں پڑ گئیں۔ اس کا خدمت گار سپاہی اس کی جوویں صاف کرتا رہتا

اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کو لعنت ملامت بھی کرتا جاتا۔ محمود کچھ روز تک خاموشی سے اس کی مذمت آمیز گفتگو سنتا رہتا، مگر ایک دن اس سے رہا نہ گیا اور سپاہی کی طعن و تشنیع کے جواب میں اس نے معصومانہ جھلاہٹ کے ساتھ اسے کہا:

''تمہارا ستیاناس ہو! تم مجھ سے کیا لینا چاہتے ہو؟ جب میں مصر کا بادشاہ بنوں گا تو اس وقت مجھ سے لے لینا۔''

سپاہی بچے کی زبان سے اتنا بڑا دعویٰ سن کر حیران رہ گیا اور بولا:

''تم تو پاگل ہو گئے ہو۔''

محمود نے فوراً کہا: ''جی نہیں! بلکہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی ہے۔ انہوں نے مجھے بشارت دی ہے کہ تم مصر کے بادشاہ بن کر تاتاریوں کو شکست دو گے اور جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد شک وشبہ سے بالاتر، قطعی اور یقینی ہے۔''

سپاہی نے یہ سنتے ہی جھٹ فرمائش کر دی:

''میں تو پچاس سواروں کی قیادت کا عہدہ لینا چاہتا ہوں۔''

محمود نے برجستہ کہا: ''ٹھیک ہے......! نقد خوش خبری لو ...... تمہیں یہ عہدہ مل جائے گا۔''

غلامی سے بادشاہت تک...... دن گزرتے چلے گئے، زمانہ پَر لگا کر اُڑتا رہا۔ محمود عہد شباب میں داخل ہو گیا۔ شام اور مصر کی سیاست میں انقلابات کا سلسلہ جاری رہا۔ ۶۴۷ھ میں جب محمود کا مربی آقا الملک الصالح نجم الدین ایوب اللہ کو پیارا ہوا تو مصر کی سیاست میں ایک نئی اُکھاڑ بچھاڑ شروع ہو گئی جس کا انجام ایوبی خاندان کی حکومت کے خاتمے اور ایک ترک امیر عزالدین ایبک ترکمانی کی تخت نشینی پر ہوا۔ عزالدین ایبک نے الملک المعزؒ کا لقب اختیار کر کے مصر کی باگِ سیاست سنبھال لی، چونکہ وہ خود بھی ان ترک مہاجرین میں سے تھا جنہیں الملک الصالح نے پناہ دے کر اپنا خدمت گار بنالیا تھا، اس لیے اس کے دورِ اقتدار میں ترکوں کی خوب پذیرائی ہوئی۔ محمود بھی تیزی سے ترقی کے مدارج طے کرتا ہوا بادشاہ کے معتمد ترین خدام میں شامل ہو گیا۔

الملک المعز عزالدین چند سال تک بڑے حسنِ انتظام کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کا سیلابِ بلاخیز جو ایک مدت سے بغداد کی سرحدوں پر جوش مار رہا تھا، آگے بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے مدینۃ الاسلام بغداد ملیا میٹ ہو گیا۔ عالمِ اسلام میں صف ماتم بچھ گئی، ہلاکو خان کے مظالم نے چنگیزی بہیمیت کی یاد تازہ کر دی۔ عراق کے بعد شام اور مصر کے عام مسلمانوں کو اپنے انجام کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں رہی تھی، مگر صد افسوس کہ حکمران طبقہ اس وقت بھی باہمی محاذ آرائی میں مصروف تھا۔

۶۵۷ھ میں الملک المعز، ملکہ شجرۃ الدر کی سازش کا شکار ہو کر قتل ہو گیا۔ اس کے ردِعمل میں الملک المعز کے وفادار غلاموں نے ملکہ کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ تختِ مصر ایک بار پھر خالی ہو گیا۔ عوام وخواص حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے اور مشرق سے تاتاری لشکر ایک طوفان کی طرح امنڈا چلا آ رہا تھا۔ الملک المعز کے بعد اس کی اولاد میں سے کوئی حکومت سنبھالنے کے قابل نہ تھا۔ آخر کار امراءِ سلطنت نے مشورہ کر کے اس کے نوعمر بیٹے نورالدین کو الملک المنصور کا لقب دے کر مصر کے تخت پر بٹھا دیا اور محمود کو جو کہ ایوانِ سلطنت میں سیف الدین قطز کے نام سے معروف تھا، اس کم سن فرمانروا کا اتالیق مقرر کر دیا گیا۔ الملک المنصور کچھ عرصہ تک قطز کی زیرِ نگرانی حکومت کرتا رہا۔

سیف الدین محمود قطز کی تخت نشینی ..... تاتاریوں کی جنگی تیاریوں کی اطلاع پے درپے موصول ہو رہی تھیں اور قطز کو اپنے خواب کی تکمیل کا وقت قریب آتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ الملک المنصور جیسے نوعمر، کم عقل اور ناتجربہ کار حکمران کی سرکردگی میں تاتاریوں جیسے عظیم دشمن کے خلاف کامیابی بعید از قیاس ہے۔ ان عوامل پر غور وفکر کے بعد انہوں نے امرائے سلطنت کا اجلاس طلب کیا اور انہیں احساس دلایا کہ تاتاری فتنے کے خلاف بھرپور جدوجہد کے لیے موجودہ فرمانروا کو معزول کرنا ناگزیر ہے۔ امرائے سلطنت جو وقت کی رفتار اور حالات کا دھارا دیکھ چکے تھے، قطز کی تحریک سے متفق ہو گئے اور سب نے قطز سے بیعت کر کے ان کے زیرِ قیادت تاتاریوں سے جہاد کا عہد کیا۔

قطز کی تخت نشینی ذوالقعدہ ۶۵۷ھ میں ہوئی اور ان کو الملک المظفر سیف الدین قطز کے لقب سے یاد کیا گیا۔ تخت نشینی کے بعد انہوں نے اپنے بچپن کے خادم سپاہی سے کیا گیا وعدہ پورا کیا اور اسے پچاس سواروں کا افسر مقرر کر دیا۔ یہ افسر مصر کی فوج میں امیر جمال الدین کے نام سے مشہور ہوا۔ ④

کتبغا نوین کی سفاکی ..... بغداد کے بعد تاتاری غارتگروں نے قدرے توقف کر کے شام پر حملہ کیا، شام کے حکمران الملک الناصر میں ان کے مقابلے کی تاب نہ تھی، تاتاری یکے بعد دیگرے شام کے چھوٹے بڑے تمام شہروں کو روندتے چلے گئے۔ اس لشکر کشی میں تاتاریوں کی قیادت اگرچہ ہلاکو خان کر رہا تھا مگر فوج کی کمان براہِ راست اس کے کہنہ مشق جرنیل ''کتبغا نوین'' کے ہاتھ میں تھی، جس کی سفاکی اور عیاری کے قصے زبان زدِ خواص وعوام ہو چکے تھے۔ لوگ اس کا نام سن کر لرز جاتے اور اسے قہرِ آسمانی تصور کرتے تھے۔

کتبغا نوین، ہلاکو خان کے دادا چنگیز خان کے دور سے تاتاری فوج میں ایک نمایاں مرتبہ رکھتا تھا، ہلاکو کی تمام فتوحات کا سہرا اسی کے سر تھا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''یہی وہ خبیث شخص تھا جس نے ہلاکو خان کے لیے بلادِ عجم سے لے کر شام تک کے علاقے مسخر کیے۔ اس بدبخت نے مسلمانوں کے مقابلے میں ایسے ایسے داؤ پیچ آزمائے جن کی مثال سے اس سے ماقبل کی تاریخ خالی ہے۔''

مثلاً وہ ایک شہر فتح کرنے کے بعد اس کے لڑنے بھڑنے کے قابل افراد کو اپنے ساتھ لے کر دوسرے شہر کا محاصرہ کر لیتا۔ پھر محصورین سے یہ مطالبہ کرتا کہ ہمارے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو اپنے شہر میں جگہ دو تاکہ ان کے رہنے سہنے کا کوئی انتظام ہو سکے، بظاہر اس کا یہ مطالبہ مسلمانوں کے لیے ہمدردانہ معلوم ہوتا بلکہ بعض اوقات محصورین اپنی افرادی قوت میں اضافے کے پہلو کو دیکھ کر اسے اپنے لیے مفید خیال کرتے، مگر حقیقت میں یہ محصورین کو زیر کرنے کی تدبیر تھی۔ اگر محصورین اس کی بات مان کر اس کے ساتھ آنے والے مسلمانوں کو شہر میں جگہ دے دیتے تو لازمی طور پر محصورین کی تعداد بڑھ جانے سے خوراک کے ذخائر جلد ختم ہو جاتے اور محاصرے کی مدت خود بخود مختصر ہو جاتی۔ اگر محصورین اس کی چال سمجھ کر یہ مطالبہ نہ مانتے تو کتبغا نوین اپنے ہمراہی مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکا کر ان سے لڑنے کا حکم دے دیتا اور اس وقت تک ان کو لڑاتا رہتا جب تک کہ وہ شہر کو فتح نہ کر لیتے یا خود لڑتے لڑتے ختم نہ ہو جاتے۔

اگر وہ شہر فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو کتبغا نوین کو اپنا ایک آدمی ضائع کیے بغیر اپنا مقصد حاصل ہو جاتا اور اگر وہ لڑتے لڑتے فنا ہو جاتے تو تب بھی اس میں مسلمانوں ہی کی نسل کشی ہوتی جس سے کتبغا نوین ایک دلچسپ

تماشے کی طرح لطف اندوز ہوتا۔ نیز اس باہم مسلم کش لڑائی میں محصورین کی قوت بھی کم ہوتی رہتی جس کے بعد یہ مکار بھیڑیا کم سے کم افرادی نقصان اٹھا کر بڑے بڑے شہروں کو آسانی سے فتح کر لیتا۔

اس کی ایک چال یہ بھی تھی کہ کبھی وہ محصورین کو خیر خواہی کے انداز سے یہ پیغام دیتا:

''اے شہر والو! تمہارے پاس پانی کا ذخیرہ بہت کم ہے جو عن قریب ختم ہو جائے گا اور تم میں سے کسی کو جان کی امان نہ ملے گی ہم تمہارے تمام مردوں کو قتل کر دیں گے، عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر کے لونڈیاں اور غلام بنالیں گے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ اس بُری حالت کے پیش آنے سے قبل ہی شہر بطور صلح ہمارے حوالے کر کے اپنی جانیں بچالو۔''

اگر شہر والے اس کی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوتے اور جواباً یہ کہلوا دیتے کہ تمہیں غلط فہمی ہوئی، ہمارے ہاں پانی کا وافر ذخیرہ موجود ہے، ہم ایک عرصے تک تمہارا مقابلہ کر سکتے ہیں......تو کتبغا نوین انہیں کہتا:

''مجھے اس بات کا موقع دو کہ میں تمہارے پانی کے ذخیرے کی تصدیق کر سکوں، اس لیے کہ اگر میرا گمان غلط ہے اور واقعی تمہارے پاس پانی بکثرت ہے تو پھر ہمیں طویل عرصے تک محاصرے کی کلفت اٹھانے کا کیا فائدہ؟ ہم محاصرہ اٹھا کر چلے جائیں گے۔''

شہر والے اس پیش کش کو نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر جواباً کہتے:

''آپ بصد شوق اپنے چند معتمد آدمیوں کو بھیج کر ہمارے پانی کے ذخیرے کی کثرت کی تصدیق کر لیں۔''

تب کتبغا نوین اپنے چند سپاہیوں کو شہر بھجوا دیتا، ان کے پاس لمبے لمبے نیزے ہوتے، بظاہر یہ چند نیزے شہر والوں کے لیے کسی خطرے کا باعث معلوم نہیں ہوتے تھے، مگر درحقیقت ان میں پورے شہر کی موت کا پیغام پوشیدہ ہوتا تھا۔ یہ نیزے ایک قسم کا انجکشن تھے، ان کی لکڑی اندر سے کھوکھلی تھی، اس کھوکھلے حصے میں نہایت زہریلا سیال مادہ بھر دیا جاتا تھا، نیزوں کو اس ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر زہر کو ایک خاص طریقے سے خارج کیا جا سکتا تھا۔

شہر والے ان نیزہ برداروں کو بے ضرر سمجھ کر ان کے لیے شہر کے دروازے کھول دیتے اور انہیں اپنے تالابوں، کنوؤں اور حوضوں پر لے جاتے۔ یہ مکار تاتاری اپنے نیزے پانی میں ڈبو ڈبو کر بظاہر پانی کی پیمائش کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اس پانی میں زہر ٹپکاتے جاتے حتیٰ کہ شہر کا سارا پانی زہر آلود ہو جاتا۔ (۵)

بعد میں جب شہر والے پانی استعمال کرتے تو ان کی خاصی تعداد اسی سے ہلاک ہو جاتی اور باقی افراد چار و ناچار ہتھیار ڈال کر دشمن کے لیے شہر کے دروازے کھول دیتے۔

تاتاریوں کا دمشق پر قبضہ...... جمادی الاولیٰ ۶۵۸ھ میں تاتاری فاتحین نے دمشق پر بھی قبضہ کر لیا، شہر کے مسلمانوں پر قیامت ٹوٹ پڑی جبکہ وہاں کی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کی شکست پر جشن مسرت منایا، انہوں نے شہر سے باہر نکل کر تاتاری حملہ آوروں کا گرم جوشی سے استقبال کیا، ان کو تحفے پیش کیے اور اس فتح کو گویا اپنی فتح قرار دے کر خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے شہر واپس آئے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عیسائی بابِ توما سے داخل ہوئے، وہ صلیب کو لوگوں کے سروں پر بلند کر رہے تھے، اپنے مخصوص نعرے لگا رہے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے......یسوع مسیح کا دین غالب آ گیا......وہ اسلام اور مسلمانوں کی کھلے لفظوں میں مذمت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں میں شراب کے برتن تھے، جس مسجد

کے پاس سے گزرتے وہاں شراب کا چھڑکاؤ کرتے، کچھ شراب کی بوتلیں تھیں جن کو وہ لوگوں کے چہروں اور کپڑوں پر چھڑکتے تھے، گلیوں اور بازاروں میں گزرنے والوں کو صلیب کی تعظیم کا حکم دیتے............وہ جامع مسجد میں شراب لے کر داخل ہوتے اور اس بات کا تہیہ کیے ہوئے تھے کہ اگر تاتاریوں کا قیام زیادہ ہوا تو ہم بہت سی مساجد کو گرا دیں گے۔'' (البدایۃ والنہایہ، ج:۷، ص:۲۵۷)

دمشق پر تاتاریوں کے قبضے کے ساتھ ہی شام مکمل طور پر ان کے زیرنگین ہو گیا۔ اب وہ مصر کے دروازے پر تھے، مسلسل فتوحات نے تاتاری وحشیوں میں مصر پر فوری حملے کی زبردست امنگ پیدا کر دی تھی۔ کتبغا نوین اور ہلاکو خان کو اس بار بھی اپنی فتح کا مکمل یقین تھا۔

طبلِ جنگ..... سلطان مصر سیف الدین قطز نے تاتاریوں سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے پہلے ہی سے تیاری کر لی تھی، تاتاریوں کی پیش قدمی کی اطلاع پاتے ہی انہوں نے اپنی افواج کے ساتھ مصر کی سرحد عبور کر لی، ان کی محتاط طبیعت نے اس بات کو خطرناک سمجھا کہ تاتاریوں کو مصر کی سرحدوں تک پہنچنے کا موقع دیا جائے چنانچہ مصری فوج نے دشمن سے زیادہ سرعت کے ساتھ یلغار کی اور منزلیں پھلانگتے ہوئے شام کی حدود میں داخل ہو گئی، ترکمان امراء اور شاہی خانوادے کے کئی نامور سپوتوں کی جمعیتیں سلطان کے لشکر میں شامل تھیں، اس کے ساتھ ہی سیف الدین قطز نے حماۃ کے حاکم الملک المنصور کو ان الفاظ کے ساتھ بلا وا بھیجا:

''ان دنوں دسترخوان آراستہ کرنے کا خیال ترک کر دو، بس ہر سپاہی کو گوشت کا ایک ایک پارچہ دے دو اور جلد از جلد پہنچو۔'' ⑥

کتبغا نوین کو جب سیف الدین قطز کی یلغار کی خبر ملی تو وہ اس غیر متوقع صورتحال اور قطز کی جرأت پر ایک لمحہ کے لیے انگشت بدنداں رہ گیا، تاہم اس نے بلا تاخیر اپنی افواج کو بھی آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ کتبغا نوین کے ساتھ شامل ملت فروش مسلمان امراء نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ٹھہر کر ہلاکو خان سے مزید کمک طلب کر لے، مگر کتبغا نوین کو اپنی موجودہ قوت و کثرت اور اپنی عیاری و تجربہ کاری پر پورا بھروسہ تھا اس لیے وہ نہ رُکا۔

عین جالوت کا معرکہ..... دونوں فوجیں منزلیں قطع کرتی ہوئی ایک دوسرے کی جانب بڑھتی رہیں حتی کہ ۲۵ رمضان ۶۵۸ھ بروز جمعہ کو ''عین جالوت'' کے تاریخی مقام پر حق و باطل کا یادگار معرکہ بپا ہوا۔ تاتاری ٹڈی دل لشکر میں کئی ضمیر فروش نام نہاد مسلم امراء بھی اپنی فوجوں سمیت شامل تھے جن میں الملک السعید (ملک العادل کا پوتا) اور اشرف (حاکمِ حمص) کے نام سرفہرست ہیں۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو سیف الدین قطز نے اپنے افسرانِ اعلیٰ سے کہا:

''خبردار جب تک سورج ڈھل نہ جائے، سائے دراز نہ ہونے لگیں اور ہوا کے جھونکے نہ آنے لگیں، لڑائی چھیڑنے کی کوشش مت کرنا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم دشمن سے اس وقت متصادم ہوں جب لوگ جمعہ کی نماز میں مشغول ہوں اور خطیب حضرات ہمارے لیے دعا کر رہے ہوں۔'' ⑦

دن ڈھلتے ہی لڑائی کا آغاز ہو گیا اور دونوں جانب سے شمشیر زنی اور نیزہ بازی کے جوہر کھلنے لگے، مردانِ کاری اپنے داؤ پیچ آزمانے لگے، گو اس وقت مصری فوج بیک وقت تاتاریوں اور ان کے حلیف مسلم حکمرانوں سے ٹکر لے

رہی تھی، پھر بھی حوصلہ مند سلطان سیف الدین قطز کو کوئی گھبراہٹ نہ تھی، انہیں آقائے نامدار تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پر پورا وثوق تھا۔

لڑائی اپنے جوبن پر تھی، دونوں فریق اپنی ساری قوت جنگ کی بھٹی میں جھونک چکے تھے، عینِ جالوت کی خاک خون سے سرخ ہو رہی تھی، لاشوں کے انبار لگ رہے تھے، تاتاری اپنی گزشتہ نصف صدی پر محیط فتوحات کے گھمنڈ میں نہایت جوش اور غیظ و غضب کے ساتھ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے، ان کے ساتھ نام نہاد مسلم حکمرانوں کے دستے بھی اپنے کافر و مشرک آقاؤں کی خوشنودی حاصل کرنے اور دنیاوی مال و جاہ کی بھیک ملنے کی امید میں اپنے مسلمان بھائیوں کا خون بہانے پر تلے ہوئے تھے۔ ان باطل پرستوں کے مقابلے میں مہاجر ترک سپاہی اور مصر کے سرفروش مسلمان دینِ حق کے دفاع کے لیے جان کی بازی لگا کر اس سیلابِ آتش و آہن کے آگے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جمے کھڑے تھے۔

اس وقت تک لڑائی میں دونوں فریقوں کا پلہ برابر تھا کہ اچانک کتبغا نوین نے ایک جنگی چال چلتے ہوئے مسلمانوں کے بائیں بازو پر اس شدت سے حملہ کیا کہ اس جانب کے مجاہدین کے قدم اکھڑ گئے اور انہیں پیچھے ہٹنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اس وقت ترک اور مصری جرنیلوں کے چہروں پر اضطراب و بے چینی کے آثار صاف دیکھے جا سکتے تھے، تاتاریوں کے شدید دباؤ سے مصری افواج کی صفیں درہم برہم ہوتی جا رہی تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ لڑائی کا پانسہ مکمل طور پر تاتاریوں کے حق میں پلٹ چکا ہے، مگر اس نازک وقت میں بھی الملک المظفر سیف الدین قطز کی پیشانی پر عزم و استقامت کی چمک دمک عیاں تھی۔ انہوں نے دشمن کی جارحانہ پیش قدمی کے تسلسل اور اپنے ساتھیوں کی پسپائی کو دیکھا تو شدتِ غیرت سے اپنا فولادی خود سر سے اتار پھینکا اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح اپنے قلبِ لشکر کے خاص دستوں کو لے کر دشمن سے بھڑ گئے۔ ⑧ پیچھے ہٹنے والے مصری سپاہیوں نے اپنے قائد کی یہ جرأت دیکھی تو ان کی آتشِ حمیت بھی نئی شدت سے بھڑک اٹھی اور انہوں نے ایک بار پھر قدم جما لیے۔

کچھ دیر کے لیے معرکۂ کارزار کی شدت نے ہر کسی کو دائیں بائیں سے بے گانہ کر دیا۔ سلطان سیف الدین قطز آگے بڑھتے بڑھتے بذاتِ خود تاتاری درندوں کے قریب پہنچ گئے جہاں دست بدست شدید جنگ ہو رہی تھی۔ سب ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ اس دھکم پیل میں دشمن کے سپاہیوں کو سلطان قطز کے قریب پہنچنے کا موقع مل گیا۔ ایک شخص نے ناگہانی وار کیا، قطز عین وقت پر ہشیار ہو گئے اور فوراً گھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ دشمن کا وار ان کے گھوڑے پر پڑا اور وہ وہیں دم توڑ گیا۔ سلطان قطز کو آس پاس اپنے کسی سپاہی کے پاس زائد گھوڑا نظر نہ آیا، تاہم انہوں نے کسی کو اپنی مدد کے لیے متوجہ کرنا مناسب نہ سمجھا اور پیدل ہی معرکے میں شریک رہے۔

اسی دوران ایک امیر کی نظر ان پر پڑی وہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیر کی طرح ان کی طرف آیا۔ قریب آ کر وہ گھوڑے سے اُتر پڑا اور گھوڑا سلطان کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے گویا ہوا:

''آقا! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، اس پر سوار ہو جائیے۔''

سلطان سیف الدین قطز اطمینان سے بولے: ''ایسا نہیں ہو سکتا، اس خطرے کے وقت تمہیں پیدل کر کے میں امت مسلمہ کو تمہاری خدمات سے محروم کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔''

امیر اصرار کرتا رہا، مگر قطز نے اپنے نفس کو اس پر ترجیح دینا گوارا نہ کیا۔ کچھ دیر بعد ان کا ایک دستہ زائد گھوڑے لے کر وہاں پہنچ گیا۔ سلطان قطز بلا پس وپیش ان میں سے ایک گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس وقت ایک افسرِ اعلیٰ نے شکایت آمیز لہجے میں سلطان کو مخاطب کر کے کہا:

''حضور والا! آپ اس امیر کے گھوڑے پر کیوں سوار نہ ہو گئے تھے؟ خدانخواستہ اگر دشمن آپ کو اس حالت میں پا لیتا تو خطرہ تھا کہ آپ شہید کر دیے جاتے اور آپ کے بعد ان دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں دینِ اسلام دنیا سے مٹ جاتا۔''

سلطان قطز نے برجستہ جواب دیا: ''نہیں! جہاں تک میرا تعلق ہے تو اس وقت مر کر سیدھا جنت میں جاتا اور رہا اسلام تو اس کا رب اللہ موجود ہے جو اس کو مٹنے نہیں دے گا۔ دیکھو! کتنے بڑے بڑے محافظینِ اسلام دنیا سے چلے گئے اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ دیگر افراد کو اسلام کی حفاظت کے لیے کھڑا کرتا رہا اور اسلام کو نہ مٹنے دیا۔'' ⑨

اس گفتگو کے دوران سلطان قطز پوری بیدار مغزی کے ساتھ لڑائی کے نقشے پر نگاہ رکھے ہوئے تھے اور وہ اپنے افسران اعلیٰ کو موقع بموقع ہدایات دیتے جا رہے تھے۔ پھر یکایک انہوں نے نزولِ نصرت کے آثار محسوس کیے اور تھوڑی ہی دیر میں معرکۂ جنگ کا نقشہ تبدیل ہوتا نظر آیا۔ نصرتِ ایزدی فرزندانِ توحید کی پیشانیوں کے بوسے لے رہی تھی...... لشکرِ تاتار پر ادبار و حرمان کی گھٹائیں مسلط ہو چکی تھیں...... اسلام کی شمشیر خارا شگاف کا رعب ان کے دلوں پر چھا گیا...... مجاہدین کی دہشت ان پر بری طرح سوار ہو گئی۔ صحرائے گوبی کی وحشت ناک تاریکیوں سے برآمد ہونے والے آتشیں طوفان کی پسپائی مقدر ہو چکی تھی۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تاریخ الخلفاء میں اس جنگ کا نتیجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''تاتاریوں کو شرمناک شکست ہوئی اور اللہ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح خوفزدہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو گرفتار کرتے اور لوٹتے تھے۔'' (تاریخ الخلفاء ص: ۱۹۵)

جنگ کے اختتام پر جن قیدیوں کو الملک المظفر سیف الدین قطز کے سامنے پیش کیا گیا ان میں الملک السعید بن عبدالعزیز بن الملک العادل بھی تھا جو تاتاریوں کی حمایت میں پیش پیش تھا۔ قطز نے اسلام اور مسلمانوں سے غداری کے جرم میں اس کی گردن اُڑا دی۔

''کتبغا نوین'' کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا اور سلطان قطز کو یہ بات رہ رہ کر بے چین کر رہی تھی کہ کہیں وہ بچ نکلنے میں کامیاب نہ ہو گیا ہو۔ اسی اثناء میں ان کے سامنے ایک تاتاری نوجوان گرفتار کر کے لایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کتبغا نوین کا بیٹا ہے۔ قطز نے بے تابی کے ساتھ اس سے پوچھا: ''کیا تمہارا باپ فرار ہو گیا ہے؟''

نوجوان نے جواب دیا: ''وہ بھاگنے والا شخص نہیں۔''

یہ سن کر قطز نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ خوب اچھی طرح مقتولین کی لاشوں کی پڑتال کی جائے۔

سپاہی اس نوجوان قیدی کو میدان کارزار میں ساتھ لے گئے جہاں لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ وہ دیر تک ایک ایک لاش کو اُلٹ پلٹ کر دیکھتے رہے۔ اچانک چند مقتولین کے درمیان سے ایک بوڑھے شخص کی لاش برآمد ہوئی جسے دیکھ کر نوجوان قیدی کی چیخ نکل گئی اور وہ زار و قطار رونے لگا۔ معلوم ہوا کہ یہی ''کتبغا نوین'' تھا جو اپنے اعمالِ بد

سمیت جہنم رسید ہو چکا تھا۔ مزید تحقیق سے پتہ چلا کہ اسے ٹھکانے لگانے والا امیر آقوش شمسی تھا۔

سیف الدین قطز کو جب ''کتبغا نوین'' کی ہلاکت کی یقینی اطلاع ملی تو وہ بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر بجالائے اور بولے: ''اب میں اطمینان کی نیند سوسکوں گا۔''

ان کی یہ بات درست ثابت ہوئی۔ دستِ قدرت نے انہیں جس عظیم کام کے لیے پیدا کیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے انہیں بچپن میں ملنے والی سچی بشارت حرف بحرف پوری ہو چکی تھی۔ اب ان کی واپسی کا وقت آ چکا تھا۔ چنانچہ اس عظیم فتح کے چند ہفتے بعد وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ⑩ رحمه الله رحمةً واسعةً.

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''وہ سرخ رنگت اور گھنی ڈاڑھی والا نوجوان تھا، خوش شکل تھا، ۱۶ ذی قعدہ ۶۵۸ھ کو مصر کی جانب لوٹ رہا تھا کہ غرابی اور صالحیہ کے درمیان بعض امراء نے حملہ کر کے اسے قتل کر ڈالا، ابھی اس نے بادشاہت کا ایک سال بھی پورا نہیں کیا تھا۔ اللہ پر رحمت نازل فرمائے۔'' ⑪

عین جالوت میں شکست سے تاتاریوں پر تنزل کی مہر ثبت ہوگئی اور انہیں مزید پیش قدمی کا حوصلہ نہ رہا۔ بعد ازاں سلطانِ مصر الملک الظاہر بیبرس نے انہیں پے در پے شکستیں دے کر سارے ملک شام سے بے دخل کر دیا۔ اس طرح وہ تباہ کن قوت بکھر کر رہ گئی جس نے گزشتہ نصف صدی سے تمام دنیا کو دہشت زدہ کر رکھا تھا اور جس کی ہمہ گیر تخریب کاریوں سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان دنیا سے مٹ جائیں گے۔ ⑫

بعد میں مسلمان مبلغین کی کوششوں سے تاتاریوں نے جوق در جوق اسلام قبول کرنا شروع کر دیا اور یوں ایک صدی سے کم عرصے میں چین کی سرحدوں سے لے کر دریائے فرات تک حاوی مغل سلطنت عالم اسلام کا حصہ بن گئی۔ ⑬

ہے عیاں یہ یورش تاتار کے افسانے سے   بت شکن مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حواشی وحوالہ جات

① العبر، ج ۳، ص ۲۹۱، سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۰...... تاریخ ملت، ج ۲، ص ۹۰۳...... قطز کی والدہ جو سلطان جلال الدین کی حقیقی یا سوتیلی بہن تھیں کے کوائف معلوم نہیں ہو سکے۔

② العبر، ج ۳، ص ۲۹۱

③ حسن المحاضرۃ، ج ۲، ص ۳۸ للعلامۃ جلال الدین السیوطی

④ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۳، ۲۶۴

⑤ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۵

⑥ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۴

⑦ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۵

⑧ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۱

⑨ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۶۴

⑩ البدایۃ النہایۃ، ج ۷، ص ۲۵۸ تا ۲۶۵

⑪ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۳، ص ۲۰۰، ۲۰۱

⑫ سیف الدین قطز کے اس تذکرے کے تحت مندرج اکثر حالات تاریخ البدایہ والنہایہ، ج ۷ سے لیے گئے ہیں۔

⑬ تاتاریوں میں اشاعتِ اسلام کی تفاصیل جاننے کے لیے تاریخ دعوت وعزیمت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ) کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ راقم بھی اس پر ایک مقالہ لکھ چکا ہے جو "سکرات سے حیات تک" کے عنوان سے زیرِ طبع ہے۔

سلطان جلال الدین تنقید کے آئینے میں

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ. اے ایمان والو! تم بہت سے گمانوں سے بچا کرو (کیونکہ) یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (حجرات، آیت:۱۲)

سلطان جلال الدین پر تنقید کا پسِ منظر ..... پیغمبروں کے سوا کوئی بھی انسان خواہ کتنی ہی غیر معمولی شخصیت کا حامل ہو، وہ لغزشوں اور کوتاہیوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اتنا ضرور ہے کہ ہر شخصیت پر اس کی غالب عادات کے لحاظ سے اچھائی یا برائی کا حکم لگایا جاتا ہے۔ اگر کسی کے کردار کا غالب حصہ معاصی و منکرات اور فتنہ و فساد سے آلودہ ہو تو اسے بُرے لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے اور اگر اس کی سیرت کے اکثر اجزاء نیکی اور بھلائی پر مبنی ہوں تو اسے اچھے انسانوں میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

سلطان جلال الدین ایک انسان تھے۔ وہ غلطی اور خطا سے جو لازمہ بشریت ہے، محفوظ نہیں تھے۔ ان کی بعض عادات کو ناپسندیدہ کہا جا سکتا ہے اور ان کے بعض فیصلوں سے اختلاف بھی کیا جا سکتا ہے، مگر ان کی جدوجہد، قربانی، حب الوطنی، سرفروشی اور بے لوثی کو دیکھتے ہوئے ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ان میں خیر کا پہلو غالب تھا اور مجموعی حالات کے لحاظ سے وہ ایک اچھے انسان، اچھے مسلمان اور اچھے حکمران تھے۔

معترضین نے سلطان پر جو تنقید کی ہے اس میں انہوں نے سلطان پر جو الزامات عائد کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ:

1. مسلم برادر کشی کے مجرم، متعصب مزاج اور کوتاہ اندیش انسان تھے۔
2. ظالم و جابر اور اذیت کوش تھے۔
3. ''امارد پرستی'' میں مبتلا تھے۔
4. شراب نوشی اور رقص و سرود میں منہمک تھے۔
5. مکار، دھوکہ باز اور وعدہ خلاف تھے۔

ان الزامات میں سے کسی کی صداقت پر یقین کرنے سے قبل ہمیں یہ ضرور ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سلطان کی زندگی میں عالمِ اسلام میں ان کے متعلق بدگمانیوں کی ایک فضا قائم ہو چکی تھی، جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ سلطان کے والد علاؤ الدین محمد نے اپنی حیاتِ مستعار میں دنیائے اسلام کی کوئی درجن بھر چھوٹی بڑی حکومتوں کو اپنی سلطنت میں شامل کر کے اپنے تمام پڑوسیوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ چنانچہ سلطان جلال الدین کی فتوحات کی بھی وہ اسی تشویش اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھتے رہے اور ان کے متعلق بغض و حسد کے جذبات کا شکار رہے۔

یہ خیالات صرف حکمران طبقے ہی کے نہ تھے، بلکہ ان کے عوام وخواص تک بدگمانی کی اس لہر کی زد میں رہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور کے مؤرخین بھی اس عام ذہنی تاثر سے خالی نہ رہ سکے اور سلطان کے متعلق انہوں نے جو کچھ تحریر کیا وہ اسی ذہن کے مطابق تھا۔

ان مؤرخین میں سے اکثر کا تعلق انہیں ممالک سے تھا جن کے تعلقات سلطان کے ساتھ کشیدہ تھے۔ اس دور کی اکثر تواریخ مصر، شام، الجزیرہ اور ایشیائے کوچک میں لکھی گئیں۔ بعض کتابوں کے لکھنے والے تاتاری حکومت میں وزارت یا مشاورت کا قلمدان بھی سنبھالے ہوئے تھے اور بعض کا تعلق اہل بغداد سے تھا جو خوارزمی حکمرانوں کو شروع سے اپنا دشمن تصور کرتے آتے ہیں۔ ان سب مؤرخین نے اپنی بساط کی حد تک سلطان کے متعلق جو کچھ جانا نقل کر دیا اور بعد میں آنے والے نقل در نقل کے طریقہ کار پر عمل پیرا ہو کر اسی مواد کو آگے منتقل کرتے گئے، یہ مصنفین سلطان کے معاصر ہوتے ہوئے بھی ان کے شب وروز سے قریبی واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ سلطان کے متعلق ان کی معلومات سطحی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان اکثر کتابوں میں سلطان کا تذکرہ ناکافی اور مجمل ہے۔ سلطان کے بعض ضروری کوائف تک ان میں موجود نہیں ہیں، اس لیے سلطان پر الزامات کے بارے میں ان پر سو فیصد یقین کر لینا خلافِ احتیاط ہے۔

رہے وہ حضرات جو سلطان کی زندگی سے قریبی واقفیت رکھتے تھے اور واقعی اس کے اہل تھے کہ سلطان کے متعلق حقائق وتفصیلات کو صحیح طرح منظر عام پر لا سکتے، انہیں تاتاری حملے کی ہمہ گیر تخریب کاری نے اس قابل ہی نہیں چھوڑا کہ وہ یہ ضروری خدمت انجام دے سکتے۔ سلطنتِ خوارزم کے تقریباً تمام مشاہیر، علماء، ادباء اور فضلاء کسی نہ کسی انداز میں تاتاری حملے سے متاثر ہوئے، ان کی اکثریت تاتاریوں کی پہلی اور دوسری یورش میں شہید ہوگئی، ایک بڑی تعداد لاپتہ ہوگئی۔ بہت سے در در کی ٹھوکریں کھاتے رہے، بہت سے تاتاریوں کی قید میں نہایت حقارت کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس طوفانِ ہوش رُبا میں بھلا کسے موقع میسر آ سکتا تھا کہ وہ سلطان کے متعلق اپنے مشاہدات تحریر کرتا۔

تاہم ایک شخص ایسا تھا جس نے اس ذمہ داری کو بڑی حد تک انجام دینے کی سعی کی۔ یہ سلطان کے کاتب اور مشیر خاص شہاب الدین محمد بن احمد النسوی تھے جنہوں نے سلطان کی شہادت یا گم شدگی کے چند سال بعد تقریباً ڈھائی سو صفحات کی ایک جلد میں سلطان کے باوثوق حالات کو جمع کیا اور اسے ''سیرت سلطان جلال الدین منکبرتی'' کا نام دیا، مگر افسوس! حوادثِ زمانہ سے اس کتاب کی زیادہ اشاعت نہ ہوسکی اور تالیف کے دو صدیوں بعد سے یہ کتاب تقریباً نایاب ہی رہی۔ مؤرخین میں سے علامہ ابن خلدون، حافظ ذہبی اور چند ایک کے سوا بقیہ حضرات اسے کا مطالعہ نہ کر سکے، لہٰذا انہوں نے سلطان کے متعلق دیگر ذرائع سے حاصل شدہ کچھ ایسی معلومات بھی اپنی کتب میں درج کر دیں جو ''سیرۃ سلطان جلال الدین'' کے قابل اعتماد مواد سے متصادم ہیں۔ اس بناء پر سلطان کے بارے میں بہت سے حقائق پسِ پردہ ہی رہے اور الزامات وکردار کشی کی دھند چھٹ نہ سکی۔

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلطان کے متعلق کسی غیر مناسب تاریخی روایت پر یقین کرنے سے قبل احتیاط کا دامن تھامنا ضروری ہے۔ میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ سلطان کے بارے میں دیگر مؤرخین کی رائے کو یکسر نظر انداز یا رد کر دیا جائے، بلکہ میرا مطمحِ نظر صرف یہ ہے کہ سلطان پر لگائے الزامات کو مذکورہ بالا پسِ منظر کے تحت من وعن قبول کرنے میں جلدی نہ کی جائے اور ایک مردِ مجاہد کی کردار کشی میں حصہ دار بننے کے بجائے اسے حسن ظن کا جس

قدر فائدہ دیا جا سکتا ہے، دیا جائے۔

چونکہ راقم کی اس تالیف کا اصل موضوع سلطان کی سیرت و سوانح نہیں، بلکہ تاتاری یلغار کی روک تھام میں ان کی جدوجہد کی وضاحت ہے اور یہ مقصد بہر صورت پورا ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمیں مؤرخین کے ذکر کردہ الزامات و اعتراضات کی تفصیل اور پھر ان کی تائید یا تردید میں شواہد و دلائل کے انبار پیش کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، پھر بھی چند سطریں اشارۃً صرف اس لیے تحریر جا رہی ہیں کہ کہیں قارئین سلطان پر بعض لوگوں کی بے جا تنقید سے متاثر نہ ہو جائیں اور سلطان جلال الدین کو مجاہد کی جگہ مجرم نہ گرداننے لگیں۔

اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنے والے سلطان کے بارے میں بعض مؤرخین کی طعن و تشنیع کو پتھر پر لکیر نہ سمجھیں بلکہ اسے عقل و نقل کی کسوٹی میں پرکھیں۔

اس تمہید کے بعد اب ہم اختصار کے ساتھ سلطان پر لگائے جانے والے مذکورہ چند الزامات کے جوابات ترتیب وار تحریر کرتے ہیں۔

برادر کشی، تعصب اور کوتاہ اندیشی کا الزام ..... بعض مؤرخین نے سلطان کو مسلم برادر کش، متعصب مزاج اور کوتاہ اندیش حکمران قرار دیا ہے اور سلطان پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے اپنے تمام ہمسایہ ممالک سے لڑ جھگڑ کر اپنے دشمنوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا تھا۔

چنانچہ ان مؤرخین نے سلطان کے غلط اقدامات کی فہرست تیار کرتے ہوئے گنوایا کہ:

1 اس نے خلیفہ کے مقبوضہ شہروں پر حملہ کیا۔ 2 آذربائیجان کے حاکم اوزبک مظفر بن بہلوان سے لڑائی کی 3 گرجیوں سے دشمنی مول لی۔ 4 الملک الاشرف اور علاؤ الدین کیقباد سے عداوت کی 5 نیز باطنیوں کی حکومت سے بھی ٹکر لی۔

ایک سے زیادہ مؤرخین نے سلطان پر یہ الزام عاید کیا ہے اور گویا اس طرح سلطان کو ایک مجاہد کے بجائے مسلم برادر کشی کے ایک مجرم کی حیثیت سے پیش کیا ہے، مگر حالات کے پسِ منظر کا تفصیلی جائزہ لینے سے بڑی حد تک اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے اور یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عداوتوں اور رقابتوں کی اس آگ کو ہوا دینے میں سلطان کے پڑوسی ہی زیادہ قصوروار ہیں۔

خلیفہ سے دشمنی کے الزام کی حقیقت ..... جہاں تک خلیفہ کے شہروں پر سلطان کے از خود حملے کا الزام ہے یہ صرف ابن اثیر کا بیان ہے (1) ورنہ دیگر تواریخ (جہاں کشا جوینی وغیرہ) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صلح و صفائی اور اعانت کی التماس کے ارادے سے خلیفہ سے ملنے بغداد روانہ ہوئے تھے، مگر خلیفہ نے ان سے لڑائی میں پہل کی تو سلطان کو بھی تلوار اُٹھانا پڑی اور خلیفہ کی فوجوں کو شکست دینے کے بعد انہوں نے سامان رسد وغیرہ کی شدید احتیاج کے باعث خلاف عباسیہ کے بعض شہروں بعقوبا وغیرہ پر قبضہ بھی کر لیا تھا، مگر یہ قبضہ عارضی تھا اور رسد حاصل کرنے کے بعد یہ شہر خالی کر دیے گئے تھے۔ (2)

خلیفہ کے شہروں پر سلطان کے ابتداءً حملہ نہ کرنے کی روایت اس لیے بھی راجح ہے کہ اس مہم میں سلطان اپنی تیس چالیس ہزار فوج میں سے صرف دو ہزار آدمی ساتھ لے گئے تھے۔ یہ تعداد بغداد کی افواج کے ہم پلّہ تو کجا ان کا

دسواں حصّہ بھی نہ تھی۔ یہ علاحدہ بات تھی کہ میدانِ کارزار میں سلطان کی حکمت عملی سے خلافتی افواج بوکھلا کر رہ گئیں اور پشت پھیر کر بھاگ نکلیں۔

اگر سلطان لڑنے کے ارادے سے جاتے تو اپنی موجودہ فوج کی تمام نفری کے علاوہ بھی مزید آدمی بھرتی کر کے ساتھ لے جاتے نہ کہ اس طرح اکثر فوج کو چھاؤنیوں میں چھوڑ کر مٹھی بھر افراد کے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔ کیونکہ بغداد کی فوج کوئی چھوٹی موٹی فوج نہ تھی۔

بالفرض اگر خلافت عباسیہ کی عملداری میں شامل علاقوں پر سلطان کی یلغار کی روایت کو تسلیم کر لیا جائے، تب بھی منصفانہ نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو کیا اس کی وجہ سے سلطان کی تمام جدوجہد کو قلمزد کر دینا اور ان کے جہاد کو فساد قرار دینا درست ہوسکتا ہے؟۔

ذرا سوچیے! ایک طرف ایک مردِ مجاہد ہے جو پورے عالمِ اسلام کو تاتاریوں کی یلغار سے بچانے کے لیے جنوب مشرق سے شمال مغرب تک مورچہ بندیاں کر رہا ہے اور دوسری طرف ایک ایسی بے جان اور بے روح خلافت ہے جس کا وجود عالمِ اسلام کی حمایت کے بجائے اس کی بربادی کے لیے استعمال ہو رہا ہے اور جس کا خلیفہ نہ صرف کمالاتِ مردانگی و جہانداری سے عاری ہے، بلکہ عقیدے اور نظریے کے لحاظ سے بھی اہل اسلام کے سوادِ اعظم سے خارج ہے۔ ان حالات میں اگر ملتِ اسلامیہ کا کوئی سر بکف مجاہد تمام امت مسلمہ کو کفار کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ایسی بے حس و بے حیثیت خلافت کے کچھ علاقے پر عارضی قبضہ کر لیتا ہے اور وہاں سے اپنے مجاہدوں کے لیے کمک و رسد کا انتظام کرتا ہے، وہاں دشمنانِ اسلام کو روکنے کے لیے مورچے اور حصار قائم کرتا ہے تو کیا اسے بغاوت شمار کرنے کے باوجود ہم اس جسارت کے پس پردہ ناگزیر عوامل کو نظر انداز کر دیں گے؟۔ کیا مؤرخ کا فرض نہیں کہ وہ ان حالات اور محرکات کو بھی دیکھے جن کی وجہ سے سلطان جلال الدین جیسے لوگ ایسے انتہائی اقدامات پر مجبور ہوتے ہیں۔

زمین کسی کی میراث نہیں، اللہ بزرگ و برتر کی ملکیت ہے۔ کوئی حکمران چاہے وہ حسب ونسب کے لحاظ سے کتنا ہی عالی مقام کیوں نہ ہو، اگر اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے سر بکف نہیں ہوتا، اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سینہ سپر نہیں ہوتا، زمین پر قرآن وسنت کا نظام قائم نہیں کرتا تو وہ زمین پر خلافت کا مقدار نہیں رہتا۔ خلیفہ ناصر کی حیثیت کچھ ایسی ہی تھی مگر سلطان کو اس نااہل خلیفہ کے لشکر سے اپنے دفاع کے لیے مجبوراً تلوار اُٹھانے کی بھی اتنی بڑی سزا دی گئی کہ انہیں ظالم و غاصب کہا گیا...... اسلام کا محافظ تسلیم کرنے کے بجائے باغی اور خارجی قرار دیا گیا، حالانکہ سلطان نے اس کے بعد محض امت کو انتشار سے بچانے کی خاطر بلا تاخیر خلافت عباسیہ سے اپنے تعلقات بہتر بنا لیے تھے، اور اس نااہل قیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے باوجود سلطان پر طعن وتشنیع جاری رہی اور ان کی کردار کشی سے زبان وقلم کو نہ روکا گیا۔

دیگر حکمرانوں سے دشمنی الزام کی حقیقت ..... آذربائیجان پر سلطان کے قبضے کو الزام وطعن کے انداز سے پیش کرنا بھی قرین انصاف نہیں۔ حاکمِ آذربائیجان ایک عیاش، نااہل اور غفلت شعار حکمران تھا اور تاتاریوں کا اہم حلیف شمار ہوتا تھا۔ ایسے موذی اربابِ اقتدار کے پنجے سے مسلم قوم کو نجات دلانا سلطان کا کارنامہ تھا، نہ کہ جرم۔

اسی طرح گرجیوں اور باطنیوں سے سلطان نے جو ٹکر لی اس کی وجہ محض یہ تھی کہ ان کی غارت گری، ایذا رسانی اور فتنہ پردازی حد سے متجاوز ہو چکی تھی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے سلطان ان کو سبق سکھانے پر مجبور ہوئے۔ یہ بدطینت قومیں

پہلے بھی تمام مسلمانوں اور بالخصوص سلطان جلال الدین کی سخت دشمن تھیں۔ سلطان نے ان سے جہاد کرکے اپنے دشمنوں کی تعداد میں کوئی نیا اضافہ نہیں کیا، بلکہ ان سابقہ دشمنوں ہی کی سرکوبی کی تھی۔ یہ ایک فریضہ تھا جو سلطان نے ادا کیا۔

باقی رہے الملک الاشرف اور علاؤ الدین کیقباد تو سلطان اور ان کے مابین تعلقات کی خرابی کی وجوہات ہم گزشتہ ابواب میں ذکر کر چکے ہیں، جس سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ اس افسوسناک رقابت میں سلطان کی بہ نسبت ان کے عاقبت نااندیش ہمسایوں کا حصہ زیادہ رہا ہے۔

ان باتوں سے قطع نظر کرکے ہمیں یہ سوچنا چاہئے کہ آخر امت مسلمہ کے عظیم فاتحین میں سے اور بھی بہت سے ایسے ہیں جو بارہا خود اپنے ہم عقیدہ حکمرانوں اور سرداروں کے خلاف تلوار سونتنے پر مجبور ہوئے۔ ان کا یہ عمل ان کی بہت سی مجبوریوں کا تقاضا تھا جن سے وہی زیادہ واقف تھے، اس بظاہر نامناسب روش میں یہ حضرات بالکل مخلص تھے۔ دینِ اسلام کی عظمت وسربلندی، ایمان کے تقاضوں کی تکمیل اور شریعت کے نفاذ کے لیے ان عظیم شخصیات پر بارہا ایسے حالات آئے کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر مجبور ہوئے کہ ان مسلمانوں کے خلاف مقابلہ پر آجائیں جو ان کے بلند عزائم کے لیے رکاوٹ تھے۔ اس فیصلے میں اگر وہ غلطی پر تھے تب بھی ان شاء اللہ ان سے مواخذہ نہ ہوگا۔ سلطان محمود غزنوی، سلطان صلاح الدین ایوبی، شہاب الدین غوری، شیر شاہ سوری، اورنگ زیب عالمگیر، احمد شاہ ابدالی اور دیگر بہت سے سلاطینِ اسلام کی تواریخ اور سوانح میں ہمیں یہ بات نمایاں نظر آتی ہے۔ اگر سلطان جلال الدین بھی حالات کے تقاضوں سے مجبور ہوکر کبھی ایسے ہی فیصلے کرگزرے اور اپنے ان ہم مذہب حکمرانوں سے نبرد آزما ہوئے جو ان کے نیک ارادوں کی تکمیل میں حائل تھے تو اس کی بناء پر سلطان کے عظیم تر جہاد کو فساد قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

ظلم وجبر اور اذیت کوشی کے الزام کا جواب ..... بعض مؤرخین نے سلطان کو ایک ظالم وجابر، اذیت کوش اور متشدد حکمران کے طور پر متعارف کرایا ہے اور نہایت مبالغے کے ساتھ عوام پر ظلم وستم، لوٹ مار اور تشدد کے واقعات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس میں اوّلاً تو یہ بات ملحوظ رکھی جائے کہ سلطان نے ہمیشہ اپنے مقبوضہ ممالک میں نہایت عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کی اور عوام کو کسی قسم کی گزند نہیں پہنچائی۔ لوٹ مار اور تشدد کے افسوسناک واقعات صرف ان بعض مواقع پر پیش آئے جب سلطان کی افواج کسی شہر کو فتح کرکے وہاں داخل ہوئیں۔ ثانیاً یہ بات بھی نظر انداز نہ کی جائے کہ لوٹ مار اور غارت گری کے واقعات سلطان کی مرضی کے خلاف فوج کی اپنی من مانی اور سرکشی کے باعث رونما ہوئے۔ جب تک سلطان کا بس چلتا رہا وہ فوج کو ایسی حرکات سے سختی کے ساتھ منع کرتے رہے، اس کی نظیر سولہویں باب میں سلطان کے عدل وانصاف کے واقعات میں دیکھی جاسکتی ہے.....مگر جب سلطان کی افواج میں سے ان کے قابل اعتماد ساتھی رخصت ہوگئے اور آوارہ قسم کے لوگ عمومی بھرتی کے باعث فوج کا غالب عنصر بن گئے تو سلطان کے لیے اس نوعیت کے واقعات کی روک تھام بہت مشکل ہوگئی۔

اگرچہ شرعاً حاکم ہونے کے ناطے سلطان کو اپنے محکوموں کی ان کارستانیوں سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا، تاہم اتنا ضرور ہے کہ سلطان کو جس مبالغے کے ساتھ ظالم وجابر قرار دیا گیا ہے اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ خوارزمی افسران اور سپاہیوں کی ان غلط حرکات سے سلطان کی ناخوشی کا اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جب علامہ محی الدین یوسف ابن جوزی رحمہ اللہ نے خلیفۂ بغداد کے سفیر کی حیثیت سے سلطان سے تخلیے میں ملاقات کی تو سلطان نے علامہ

موصوف کے سامنے نہایت حسرت، ندامت اور معذرت کا اظہار کیا کہ میری فوجیں اپنی سرکشی کے سبب میرے قابو سے باہر ہوگئی ہیں اور میں انہیں لوٹ مار سے روکنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ ③

سلطان کے زوال کے اسباب میں ہم لکھ چکے ہیں کہ ان کے فوجیوں کی سرکشی، امراء کی دغابازیاں اور وزراء کا ناقابل اعتماد کردار سلطنت کی انتظامی مشینری کے تعطل اور سلطان کے زوال کے اہم اسباب تھے۔

خلاطہ کا المیہ ..... مؤرخین نے جن مواقع پر سلطان کے ظلم وستم کا ذکر کیا ہے ان میں ''خلاط'' کے محاذ کو سب سے زیادہ اچھالا گیا ہے۔ خلاط میں سلطانی افواج کا محاصرہ آٹھ مہینوں پر محیط رہا تھا، محاصرے کی طوالت اور موسم کی شدت نے فوج کو انتہائی چڑ چڑا بنا دیا تھا۔ آخر جب شہر فتح ہوا تو افسران اور سپاہ نے سلطان پر دباؤ ڈال کر لوٹ مار کی اجازت حاصل کی اور شہر میں تشدد اور غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس حادثے میں فوج اور افسرانِ فوج کے ساتھ سلطان کا کردار بھی قابل اعتراض ہے کہ انہوں نے دباؤ قبول کر کے لوٹ مار کی اجازت کیوں دی۔ مگر بعض مؤرخین نے اس حادثے کو جس انداز سے بیان کیا ہے وہ خلافِ حقیقت ہے۔ اہل خلاط پر خوارزمی افواج کے تشدد کے متعلق مبالغہ آرائی کے ریکارڈ توڑتے ہوئے انہوں نے کہا ہے کہ:

> '' **1** خوارزمیوں نے شہر والوں کے ساتھ تاتاریوں سے بھی بڑھ کر سفاکانہ سلوک کیا۔ **2** پورے شہر کو پیوند زمین کر دیا۔ **3** تمام لوگوں کو قتل کر دیا گیا **4** تجربہ ہوگیا ہے کہ تاتاریوں کی سیرت بہر حال خوارزمیوں کے کردار سے بدرجہا بہتر ہے'' وغیرہ وغیرہ......

حالانکہ اس داستان سرائی کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس جنگ کے چشم دید گواہ شہاب الدین النسوی حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ بات جو مشہور ہے کہ سلطان نے شہر کے سب لوگوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا، یہ درست نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ بہت سے لوگ زدوکوب کی وجہ سے مارے گئے۔ قحط اور گرانی نے بھی ان کو ہلاک کیا۔'' (سیرۃ جلال الدین، ص:۳۲۳)

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ ظلم بہر حال ظلم ہے، تھوڑا ہو یا زیادہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ مگر خوارزمی افواج کو جو اپنے بہت سے عیوب کے باوجود اس دور میں عالمِ اسلام کی ہزاروں میل طویل شمالی، مشرقی اور جنوبی سرحدوں کا دفاع کر رہی تھیں، تاتاریوں سے بڑھ کر ظالم و غارت گر قرار دینا اور کافر تاتاریوں کو ان مسلمانوں پر فضیلت دینا مصنف مزاجی کے خلاف ہے۔

سلطان پر امارد پرستی کا گھناؤنا الزام اور اس کا جواب ..... سلطان جلال الدین پر ایک نہایت افسوسناک الزام یہ لگایا گیا ہے کہ وہ ''امارد پرستی'' کے مریض تھے۔ اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے سلطان جلال الدین کے اپنے غلام قلیج کے ساتھ تعلق کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قلیج کی وفات پر سلطان کے بارے میں بے سروپا واقعات کو مشہور کر کے ان سے سلطان کی مخبوط الحواسی، کم عقلی اور حماقت پر بزعم خود زبردست استدلال کیا گیا ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے کہ قلیج کی موت پر سلطان نے تمام اہل تبریز کو جنازے میں شرکت اور ماتم و نوحہ وزاری کرنے کا حکم دیا، اس کی لاش کو دفنانے کے بجائے اپنے ساتھ ساتھ لیے پھرتے رہے وغیرہ وغیرہ۔

میں سمجھتا ہوں کہ سلطان رحمہ اللہ پر یہ الزام دراصل ان فاسد ذہنوں کی پیداوار ہے جو اس دور میں سلطان کی کردار کشی کرنے اور عامۃ المسلمین کو ان سے متنفر کرنے کے لیے کوئی پست سے پست انداز اختیار کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے، اس لیے انہوں نے سلطان کی ساکھ کو مجروح کرنے کے لیے ان پر ایسا الزام لگایا جس کے تصور ہی سے ایک شریف آدمی کو کراہت ہوتی ہے، اتنا بڑا الزام شرعی ثبوت کے بغیر کسی شخص پر عائد کرنا ظلمِ عظیم ہے۔

وہ مؤرخین جو اپنی وسعتِ علمی اور اپنی نیکی اور پرہیزگاری کے باوجود یہ روایت نقل کر گئے ہیں اپنے گردوپیش میں سلطان کے متعلق زہریلے پروپیگنڈے کی فضا سے متاثر تھے، اس لیے انہوں نے اس روایت کو قبول کرنے میں تامل سے کام نہیں لیا، مگر ہمارے لیے یہ مناسب نہیں کہ تاریخ کی ایسی روایات کو جو اسلام کی عظیم شخصیات کی کردار کشی کرتی ہیں بغیر سوچے سمجھے قبول کر لیں۔ عقل ونقل کی کسوٹی میں پرکھا جائے تو سلطان جلال الدین باقی تمام زندگی میں اس قسم کی سفلی حرکات سے پاک نظر آتے ہیں۔ ان کی عمر کا ہر لمحہ ان کی طاقتِ ایمانی، ہوش مندی، بلند خیالی، عالی ہمتی، جفاکشی اور سادگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ عیش وعشرت، شہوات ولذات اور پست حرکات سے وہ ہمیشہ دور نظر آتے ہیں، اس لیے ان کے متعلق اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ روایات کو قبول کر لینا انصاف سے بعید ہے۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ امرد پرستی کا گھناؤنا الزام صرف سلطان جلال الدین ہی پر نہیں لگایا گیا۔ بعض اور بھی عالی شان مجاہد اور فاتح ایسے ہیں جن کو بدنام کرنے کے لیے اسی ناپاک الزام کو اچھالا گیا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کو اپنے غلام ایاز کے ساتھ موانست اور قدر دانی کا جو تعلق تھا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے، مگر اس میں کسی معاشقہ بازی اور رومان پسندانہ جذبے کا دخل ہرگز نہ تھا، نہ ہی ایسے عظیم مجاہد کے بارے میں ایسا گھٹیا تصور کسی کو زیب دیتا ہے، مگر ایرانی ادباء وشعراء نے اپنی طبعی آوارگی کا نشانہ سلطان محمود غزنوی کو بھی بنایا اور محمود وایاز کے معاشقے کے قصّے مشہور کر دیے۔ مجھے اس وقت نہایت صدمہ ہوا جب میں نے زمانہ قریب کے ایک ایرانی مصنف کی یہ تحریر پڑھی کہ ''سلطان جلال الدین کا اپنے غلام پر عاشق ہونا کوئی نئی بات نہیں، مسلمان بادشاہوں کے ہاں یہ شغل عام تھا، محمود غزنوی کا ایاز پر عاشق ہونا تو سب کو معلوم ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

یہی وہ لابی ہے جس نے تاریخ اسلام کو مسخ کیا ہے اور بڑے بڑے باعظمت اور قابلِ صد فخر فاتحین کی شان کو ایسے گھٹیا حربوں سے خاک میں ملانے کی کوشش کی ہے۔

(اللّٰھم انا نجعلک فی نحورھم و نعوذ بک من شرورھم)

شراب نوشی اور رقص وسرود کے الزام کا جواب...... اسی طرح سلطان پر ان کے آخری ایام حیات میں شراب نوشی اور رقص وسرود کی محفلیں آراستہ کرنے کا الزام بھی لگایا گیا ہے۔

یہ روایت بھی درایت کی کسوٹی میں پرکھے بغیر قابل قبول نہیں۔ سلطان کے حالات کا تفصیلی جائزہ لینے سے ان کی زندگی کے نشیب وفراز میں کوئی موڑ ایسا نہیں ملتا جس میں کسی تاریخ نویس نے ان کی شراب وُرباب سے دلچسپی کا ذکر کیا ہو، بلکہ اس کے برخلاف شواہد ان فضولیات سے سلطان کی طبعی بے التفاتی پر دلالت کرتے ہیں۔ پھر اس پر کیسے یقین کر لیا جائے کہ ایسا صاحبِ ایمان شخص جو جہاد کے اسپ تیز رو پر سوار ہو کر ایمان ومعرفت کی بے شمار منازل کو پھلانگ چکا ہو، اللہ کی رضامندی کے واسطے بے شمار بار جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لیے آگے بڑھ چکا ہو، قتال فی

سبیل اللہ کی لذت چکھ چکا ہو اور شہادت کے مزے کے لیے بے چین ہو، وہ یکدم شراب اور موسیقی کی حقیر اور گھٹیا لذت پر فریفتہ ہو جائے؟ اس گئے گزرے دور میں فلموں، شراب خانوں اور نائٹ کلبوں کے ڈسے ہوئے بعض نوجوان جب خوش قسمتی سے جہاد کے کسی محاذ پر جا پہنچتے ہیں تو وہاں چند ہی دنوں میں ان کا ایمان اتنا ترقی کر جاتا ہے کہ وہ نہ صرف اس قسم کی تمام شیطانی چیزوں سے خود کوسوں دور بھاگتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی ان سے بچانے کی پوری کوشش کرتے ہیں..... تو جس مجاہد کی پوری زندگی جہاد کے لیے وقف رہی ہو اس کے بارے میں کیسے یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ایمان اسے اس قسم کی گھٹیا حرکات سے نہ روکتا ہوگا؟؟

سچ تو یہ ہے کہ خلفائے اسلام اور سلاطین کے بارے میں تاریخ اور ادب کی کتابوں میں شراب نوشی کی جو روایتیں ملتی ہیں وہ سب محل نظر ہیں۔ ایک عام پڑھنے والا ان کا مطالعہ کر کے یہی تصور کرتا ہے کہ اس دور میں شراب کی اتنی ریل پیل تھی جو آج ہم نام نہاد مسلمانوں میں بھی نہیں۔ حالانکہ ایسا ہونا فہم سلیم سے بعید ہے۔

غور فرمائیے! برائیوں کی ریل پیل کے اِس موجودہ دور میں بھی اسلامی معاشرے میں شراب اس طرح نہیں پی جاتی، اِس فتنہ وفساد کے زمانے میں بھی اسلامی ممالک کے حکام اس طرح کھل کر شراب نہیں پی سکتے کہ اس کے چرچے دنیا بھر میں ہوں حالانکہ اس ماڈرن دنیا میں شراب نوشی کو ایک مہذب عادت مان لیا گیا ہے۔ اس کے باوجود ہمارے حکمران اور سرکاری افسران اگر شراب پیتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ ہر قسم کے ذرائع ابلاغ کا ہدف ہونے کے باوجود اس جرم کی تشہیر سے اپنا دامن بچا لیتے ہیں۔

اب سوچئے کیا اُس دور میں جبکہ اسلامی احکام پر آج کی بہ نسبت بہت زیادہ عمل ہوتا تھا اور معاشرہ آج کی بے حیائی اور اخلاق باختگی سے بہت دور تھا کیا ایسا ممکن تھا کہ حکام بے دھڑک شراب پیتے اور ان کی شراب نوشی کے چرچے گھر گھر ہوتے۔

مانا کہ بہت سے مسلم بادشاہوں بلکہ خلفاء کی شراب نوشی کے قصے کتب تواریخ میں بکثرت ملتے ہیں مگر ایسی روایات پر حرف بحرف یقین کرنے کی بجائے غور وفکر سے کام لینا چاہیے۔ تاریخ پر معمولی نظر رکھنے والا شخص بھی اس سے اتفاق کرے گا کہ سلاطین اور خلفاء کا دور اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود آج کے دور سے ہزار درجہ بہتر تھا۔ اس دور کے اکثر حکمران نماز روزے اور ذکر وتلاوت کے پابند ہوا کرتے تھے۔ سب نے کسی نہ کسی حد تک دینی مدرسوں میں تعلیم پائی ہوتی تھی۔ منکرات سے گریز میں وہ آج کل کے بہت سے دین داروں سے بھی بہتر ہوا کرتے تھے۔ پھر اس کے باوجود ان میں شراب کا، جسے حدیث میں امّ الخبائث (گناہوں کی جڑ) کہا گیا ہے، اتنا عام ہونا کیسے ممکن ہے۔ پس عقل ونقل (روایت ودرایت) کی کسوٹیوں پر ان روایات کو پرکھنا اور ان کی چھان بین کرنا ضروری ہے۔

آٹھویں صدی ہجری کے نامور مسلم مؤرخ اور عمرانیات کے بانی علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے بھی خلفاء اور سلاطین کی شراب نوشی کی روایات کو افسانہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس قسم کی واہیات باتوں کو لوگوں نے اس لیے مشہور کر رکھا ہے تا کہ خود انہیں حرام لذتوں کا راستہ کھلا مل سکے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص: ۲۰)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مسلم مؤرخین میں سے سلطان جلال الدین کے حالات کا جتنا مطالعہ ابن خلدونؒ نے کیا تھا شاید کوئی اور نہ کر سکا۔ اس کے ساتھ ساتھ محمد بن احمد النسوی کی سیرۃ سلطان جلال الدین سے جس قدر استفادہ

تاریخ ابن خلدون میں کیا گیا ہے شاید ہی تاریخ کی کسی اور متداول کتاب میں کیا گیا ہو، عربی کی متداول کتب تاریخ میں سلطان جلال الدین کے حالات کی سب سے زیادہ تفصیل بھی تاریخ ابن خلدون ہی میں ملتی ہے، مگر اپنی معلومات کی اس وسعت کے باوجود علامہ ابن خلدون نے سلطان پر کہیں اشارے کنایے میں بھی شراب نوشی کا الزام عاید نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ ان کی طرف کہیں بھی کردار کے کسی عیب یا کمزوری کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ اگر سلطان کے بارے میں مشہور ان روایات کا کوئی وزن ہوتا تو ابن خلدون اسے ذکر کیوں نہ کرتے؟ ان کا اعراض اس بات کی علامت ہے کہ درایت کے اصول کے تحت (جس کا ابن خلدونؒ نے خاص اہتمام کیا ہے) ان روایات کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس نکتے پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس وقت ہمارے پاس موجود تاریخی ذخیرے میں ایک بڑی تعداد ان کتب کی ہے جو صدیوں کی گمشدگی کے بعد یورپ کے مستشرقین نے برآمد کر کے متن کی تصحیحات کے ساتھ ہمیں پیش کی ہیں۔ خود سلطان جلال الدین کی سوانح ''سیرت جلال الدین منکبرتی'' جو ان کے حالات کا سب سے بڑا مأخذ ہے مستشرقین ہی کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچی ہے۔ تو کیا یہ ممکن نہیں کہ اسلامی لٹریچر میں شراب نوشی کی یہ ریل پیل ان مستشرقین کا کارنامہ ہو۔ کسی عام مشروب خصوصاً نبیذ کو ''خمر'' سے اور نشاط کو ''سکر'' سے بدلنا مستشرقین کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

حقیقت جاننے کے لیے برصغیر کے مشہور مؤرخ علامہ شاہ معین الدین ندوی مرحوم کی رائے پر غور فرمائیے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''ایک غلط فہمی دور کر دینا ضروری ہے۔ عربی میں ''شراب'' مطلق پینے کی ہر چیز کو کہتے ہیں، چنانچہ شربت کے لیے بھی شراب کا لفظ ہے، اسی طریقے سے ''شرب'' مطلق پینے کو کہتے ہیں، خواہ وہ آب زم زم ہی کیوں نہ ہو۔ اردو کی شراب کے لیے عربی میں خمر کا لفظ ہے، لیکن جو لوگ عربی سے واقف نہیں ہیں۔ ان کو شرب یا شراب کے لفظ سے اردو کی شراب یعنی خمر کا دھوکہ ہوتا ہے جو صحیح نہیں ہے۔ اور دھوکہ اچھے اچھوں کو ہو جاتا ہے اور نبیذ نوشی کو شراب نوشی سمجھ لیتے ہیں۔ بعض عباسی خلفاء کے علاوہ جن کی بادہ نوشی مسلّم ہے، باقی اکثر خلفاء بلکہ تقریباً کُل اس ام الخبائث سے محترز رہے۔ البتہ نبیذ کی بعض ہلکی قسمیں جو نشہ آور نہ تھیں بعض علماء عراق کے نزدیک جائز تھیں جن کو قریب قریب سب خلفاء اور امراء بڑے اہتمام سے پیتے تھے۔ (تاریخ اسلام شاہ معین الدین ندوی، ج:۴، ص:۳۳۰ مطبوعہ دارالاشاعت، کراچی)

شاہ صاحب کی یہ رائے بڑی وزنی ہے۔ تاریخی کتب میں جہاں 'الشراب خاناہ'' کا لفظ آتا ہے وہاں بھی خاص ''خمر'' مراد نہیں ہوتی بلکہ کوئی بھی مشروب پینے پلانے کے انتظامات کرنے والے ادارے کو 'شراب خاناہ'' کہا جاتا ہے۔ (دیکھئے ''صبح الأعشیٰ'' ج:۵، ص:۴۵۴، ۴۶۰، ۴۶۹)

علامہ ابن خلدون نے بھی ہارون الرشید اور مامون الرشید جیسے خلفاء کے بارے میں شراب نوشی کی روایات کی تردید کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ وہ نبیذ پیا کرتے تھے۔ علامہ لکھتے ہیں:

''وہ نبیذ تمر پیا کرتے تھے جس کا عراق کے مفتیوں کے مذہب کے مطابق پینا جائز تھا اور یہ بات بالکل واضح تھی۔ جہاں تک خمر (شراب) کا تعلق ہے تو اس کی تہمت لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس بارے میں واہیات روایتوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔'' (مقدمہ ابن خلدون، ص:۱۸)

سلطان جلال الدین جیسے باعظمت سلاطینِ اسلام کے پینے پلانے سے متعلقہ روایات اگر کسی درجے میں ثابت ہو جائیں تو ان کو اسی پر محمول کرنا چاہیے۔

مکاری، دھوکہ بازی اور وعدہ خلافی کے الزام کی حقیقت ..... اس الزام کے متعلق میں مختصراً اتنا ہی سمجھنا کافی ہیکہ سپاہی کے لیے چال بازی ایک ایک ہنر ہے نہ کہ کوئی عیب کی بات۔ حدیث میں آتا ہے "اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ." (جنگ دھوکے کا نام ہے۔) اس کے بمصداق ایک کامیاب سپہ سالار کے بنیادی اوصاف میں سے ہے کہ وہ چالاک اور عیار ہو۔ سیدھا سیدھا بھولا بھالا آدمی نہ میدانِ جنگ میں فوج کی کمان کر سکتا ہے اور نہ حالت امن میں ملکی سیاست اور انتظام کو سنبھال سکتا ہے۔ سلطان جلال الدین جو کہ عالمِ اسلام کی صف اوّل کے سپہ سالار تھے بھلا سادہ لوح اور بھولے بھالے کیوں ہوتے۔ وہ چالاکی اور ہشیاری کی صفات سے کیوں کر عاری ہو سکتے تھے؟

رہی بات وعدہ خلافی اور عہد شکنی کی تو تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ حالتِ امن میں سلطان کا کسی قوم سے باقاعدہ معاہدہ ہوا ہو اور پھر سلطان نے اس معاہدے کی کسی ایک شق سے بھی انحراف کیا ہو۔ پھر بھی اگر کسی مؤرخ نے سلطان کے بارے میں ایسی کوئی یادداشت چھوڑی ہو جس سے ان کی وعدہ خلافی ظاہر ہوتی ہو تو بنابر ثبوت اسے ایک نادر یا اتفاقی واقعہ کہا جائے گا۔ اس سے سلطان کو علی العموم وعدہ خلاف کہنا کیسے صحیح ہوگا؟؟

کیا سلطان جلال الدین ایک ناکام قائد تھے؟..... سلطان جلال الدین کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ وہ اپنی جدوجہد میں مکمل طور پر ناکام رہے، ان کی تمام تر سعی رائیگاں گئی اور وہ اپنا کوئی ہدف حاصل نہ کر سکے۔

مگر حقائق کا بغور جائزہ لیا جائے تو بہت سے نکات اس تاثر کو غلط قرار دیتے ہیں۔ سلطان کا اصل مقصد اگر قیام سلطنت اور جہاں گیری ہوتا تو یقیناً انہیں اپنے مقصد میں ناکام قرار دیا جا سکتا تھا، مگر سلطان کی زندگی میں ایسے شواہد ملتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ ان کی نگاہ ان امور سے بالاتر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی جدوجہد کے اصل اہداف اُمت مسلمہ کی حفاظت، حرمین شریفین کی نگہبانی اور اقوامِ عالم کو دُشمنِ انسانیت تاتاریوں کی یورش سے بچانا تھا۔

قیام واستحکامِ سلطنت جو ان امور ومقاصد کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ تھا، سلطان کے پیشِ نظر ضرور تھا مگر یہ ان کی منزل نہ تھا، اس کا ایک ذریعہ تھا۔ افسوس کہ سلطان کو حصولِ مقصد کا یہ وسیلہ زیادہ مدت تک اور بہتر انداز میں نصیب نہ ہو سکا۔ خوارزمی شاہی حکمرانی اس رجل رشید پر اس انداز میں ختم ہوئی کہ دُشمنوں اور حاسدوں کے ہاں خوشی کے شادیانے بجے اور اپنے آہیں بھرتے رہ گئے۔ تاہم تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ سلطان تاتاریوں کے عالمگیر تسلط کی روک تھام اور حرمین کی حفاظت جیسے اہم ترین اہداف کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب رہے، اس امر کی گواہی علامہ ذہبی بھی یہ کہہ کر دے چکے ہیں: "لولاہ لداسو الدنیا" (اگر وہ نہ ہوتے تو تاتاری تمام دنیا کو روند ڈالتے۔)

سلطان کی سلطنت کی تباہی کے اسباب ..... مذکورہ بالا نقطۂ نظر کی روشنی میں ہم سلطان کی جدوجہد کی کامیابی یا ناکامی پر مزید بحث کرنے کی بجائے، صرف اس موضوع پر بات کریں گے کہ آیا وہ کون سے اسباب وعلل تھے جن کی بناء پر سلطان کی حکومت زوال کا شکار ہوئی اور کن کوتاہیوں کے باعث خوارزم شاہی سلطنت اک بھولی بسری داستان بن گئی۔

حقائق کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے ہم ان اسباب وعلل کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

1 ..... غیر اختیاری اسباب وعلل
2 ..... اختیاری اسباب وعلل

جوامور غیر اختیاری تھے وہ سلطان کی حکومت کے استحکام میں شروع سے رکاوٹ بنے رہے اور اختیاری امور میں کچھ لغزشیں ان کی حکومت کے خاتمے میں دخیل رہیں۔ آیئے! اب پہلے غیر اختیاری اسباب اور پھر اختیاری امور کا جائزہ لیتے ہیں۔

غیر اختیاری اسباب وعلل ..... غیر اختیاری اسباب وعلل سے مراد وہ حالات، واقعات اور مسائل ہیں جن پر سلطان کا بس نہیں چل سکتا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے سلطان کی تخت نشینی سے پہلے ظہور پذیر ہو چکے تھے جن کی روک تھام کا وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اور بعض سلطان کے دورِ حکومت میں وقوع پذیر ہوئے مگر ان کی حیثیت آسمانی بلاؤں یا تکوینی امور کی سی تھی جن پر کسی فردِ بشر کا قابو نہیں ہوتا یا وہ بین الاقوامی سیاست کے ایسے مسائل تھے جن میں قوتِ فیصلہ اور قدرتِ نافذہ سلطان کے ہاتھ میں نہیں تھی۔ اہم غیر اختیاری اسباب یہ تھے۔

1 **سوختہ بدن نیم جان سلطنت** ..... سلطان کو جو مملکت ورثے میں ملی تھی وہ حقیقتاً کوئی مملکت نہیں کھنڈروں اور قبرستانوں کا ایک مجموعہ تھی۔ اسے از سر نو آباد ہونے کے لیے اک مدتِ دراز درکار تھی۔ اس قدر تباہ شدہ مملکت کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے، کامیابی سے چلانے اور استحکام وترقی کے بام عروج پر لے جانے کے امکانات شروع ہی سے بہت کم تھے۔ چنانچہ سلطان کی حتی المقدور کوششوں کے باوجود یہ خانماں برباد ملک اور پارہ پارہ حکومت کسی طور پر سابقہ آن بان کے ساتھ قائم نہ ہو سکی اور پھر تازہ حوادث ومسائل کے حملوں نے اسے بہت جلد سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔

2 **تباہ حال معیشت** ..... کسی بھی ملک کی بقاء وعروج کا مدار بڑی حد تک معیشت کی ترقی پر ہوتا ہے۔ سلطان کی بدقسمتی تھی کہ انہیں ایک لٹا پٹا ملک ملا۔ اس کا خزانہ اکثر وبیشتر خالی ہی رہا۔ سلطان کی حکومت اور گنج، غزنی، ہندوستان اور ایران میں یکے بعد دیگرے چار بار تشکیل پائی۔ ہر بار حوادث اسے مٹا دیتے اور سلطان کو اپنا سفر صفر سے شروع کرنا پڑتا۔ ایسے ہر سفر کا آغاز معاشی دیوالیہ پن سے ہوتا رہا۔ بارہ سالہ دورِ اقتدار میں چار بار مکمل طور پر لٹ جانے والی حکومت کا سربراہ بھلا کب تک معاشی مسائل پر قابو پا سکتا تھا جبکہ بڑی بڑی جنگی مہمات اور طویل تر اسفار کے بھاری اخراجات مسلسل سر پر لدے رہتے تھے۔

مسلسل جنگوں کے اخراجات، افواج کی تنخواہوں، خوراک ورسد، شہریوں کی ضروریات، تباہ حال بستیوں اور شہروں کی آبادکاری اور دیگر ترقیاتی امور کے مصارف کو دیکھا جائے تو سلطان کو دنیا کی کسی بھی مملکت سے زیادہ معاشی وسائل کی ضرورت تھی، مگر حالت یہ تھی کہ ان کی اقتصادی حالت شام وعراق کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں سے بھی زیادہ کمزور تھی۔ اس دیوالیہ پن کے باعث ان کے ہاں آخر تک افواج کو تنخواہوں کی ادائیگی کا باقاعدہ نظام نہیں بن سکا۔ فوجیوں کا گزارا صرف مالِ غنیمت پر ہی ہوتا تھا۔

اگرچہ سلطان نے بعد میں خراج وعشر اور دیگر سرکاری محاصل کا نظام قائم کر دیا تھا مگر اس سے واجبی اخراجات ہی ادا ہو پاتے تھے۔ غالباً اسی تنگ دستی کے سبب تاریخ سلطان کی سخاوت اور داد ودہش کے قصوں سے خالی نظر آتی ہے۔ اگر مالی وسائل بکثرت ہوتے تو کوئی بعید نہ تھا کہ سلطان مملکت کو مضبوط کرنے کے علاوہ سیم وزر کی چمک دمک سے بہت سے دیگر گھمبیر مسئلوں پر بھی قابو پا لیتے۔ شاید اپنے بہت سے دشمنوں کو بھی دوست بنانے میں کامیاب ہو جاتے مگر ''مفلسی میں آٹا گیلا'' کے بمصداق ان کی تنگ دستی ایک اتنا بڑا عیب بن گئی جس نے ان کی غالب خوبیوں کو بھی

چھپالیا، مفاد پرست دوستوں کو بھی دُشمن بنادیا اور ان حاسدین کی زبانوں کو کھول دیا جو مالی احسانات سے زیرِ بار کر کے خاموش کیے جاسکتے تھے۔

3 غدّاروں کی کثرت ..... سلطان کے والد علاؤ الدین محمد خوارزم شاہ کی شکست اور تاتاریوں کی کامیابیوں میں غدارانِ ملت اور بکاؤ درباریوں کی مذموم کارستانیوں کا بڑا دخل رہا تھا۔ یہی غدار سلطان جلال الدین کے خلاف بھی پوری طرح سرگرم رہے۔ ان غداروں کا تذکرہ ہم ایک باب میں علیحدہ سے کر چکے ہیں۔ سلطان کی حکومت کے زوال میں ان کا بہت بڑا دخل تھا۔ یہ درست ہے کہ غداروں میں سے بہت سوں کو کسی نہ کسی طرح قابو کیا جاسکتا تھا، سیم وزر نچھاور کر کے ان کی وفاداریاں خریدی جاسکتی تھیں، جتنی قیمت پر وہ بکے ہیں، اس سے زیادہ بولی لگا کر انہیں دوبارہ رام کیا جاسکتا تھا مگر سلطان کی جمع پونجی کبھی بھی اپنے مخالفین کی ثروت سے زیادہ نہ رہی۔ نتیجتاً وہ یہ حربے استعمال نہ کر سکے۔ دوسری صورت غداروں کو ٹھکانے لگانے کی تھی۔ اس میں سلطان کی فطری نرم دلی آڑے آتی رہی۔ وہ غداروں کو بار بار معاف کرتے رہے۔

یہ تو نامزد غداروں کی بات تھی مگر بعض غدار ایسے بھی ہوں گے جن پر کسی کو شک نہ ہوسکا ہوگا۔ ان کے خلاف کسی کارروائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

4 مسلم حکمرانوں کا حسد اور سازشیں ..... سلطان علاؤ الدین محمد کی فتوحات نے مسلم حکمرانوں کے دلوں میں خوارزم شاہی سلطنت کی جو ہیبت اور نفرت بٹھائی تھی سلطان جلال الدین کو بھی اس کا نشانہ بننا پڑا حالانکہ ان کا مزاج اپنے والد سے مختلف تھا۔ مگر اس کے باوجود مسلم حکمران ان سے نہ صرف ایک فاصلے پر رہے بلکہ ان کی حکومت کو اپنے خلاف ایک خطرہ شمار کرتے رہے۔ وقتی طور پر انہوں نے سلطان کی دعوتِ اتحاد کو قبول بھی کیا، مگر بہت جلد الگ ہو کر ان کے خلاف سرگرم ہوگئے۔ ان کی خفیہ سازشیں سلطان کی حکومت کو کمزور تر کرتی رہیں اور انجام کار ان کی طرف سے کھلی جنگوں نے سلطان کی بچی کھچی طاقت کو بھی سبوتاژ کر دیا۔

5 اعزہ واقارب کی حمایت سے محرومی ..... اس دور کی سلطنتوں کے نظام میں خاندانی وقبائلی اثر ورسوخ کی بڑی اہمیت تھی۔ سلطان شروع ہی سے اپنے کنبے قبیلے کی حمایت سے محروم رہے۔ ان کے حقِ اقتدار کو ابتداء ہی میں ان کے بھائیوں نے چیلنج کر دیا تھا۔ ان کا بھائی غیاث الدین بھی ان کے خلاف محاذ آرائی میں مصروف رہا۔ اپنے قبیلے کی یہ ریشہ دوانیاں سلطان کی سلطنت کے استحکام میں زبردست خلل پیدا کرتی رہیں۔ جن مخلص اعزہ واقارب سے سلطان کو تائید مہیا ہوسکتی تھی ان کی اکثریت تاتاریوں سے جنگوں میں کام آتی چلی گئی اور آخری ایام میں جب سلطان کو قبائل کے اعتماد وتعاون کی ضرورت تھی تو صورتحال یہ ہوچکی تھی

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

6 نرینہ اولاد شہید ہوگئی ..... زوالِ سلطنت کا ایک بڑا اور اہم تکوینی سبب یہ تھا کہ سلطان کی اولادِ نرینہ معرکہ سندھ میں شہید ہوچکی تھی۔ بعد میں ایک اور لڑکا ہوا مگر چند برس کی عمر پا کر فوت ہوگیا۔ اگر ان کے بیٹے زندہ رہتے تو یقیناً باپ کا سہارا بن سکتے تھے۔ کم از کم سلطان کی جدوجہد کا باب اس حسرت ناک انداز میں بند نہ ہوتا۔ اگر ان کا کوئی جانشین ہوتا تو امید کی جاسکتی تھی کہ سلطان کے مخلص سپاہی اس کے کے پرچم تلے جمع ہو کر خوارزم شاہی سلطنت کو

بحال کر دیتے۔ مگر تکوینی امور پر کسی کو اختیار نہیں۔ تقدیر کا لکھا یہی تھا کہ سلطان پر خوارزم شاہی سلطنت ختم ہو جائے۔

اختیاری اسباب وعلل..... اب ہم ان امور پر غور کرتے ہیں جنہیں اختیاری اسباب وعلل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ زوالِ سلطنت کی ایسی وجوہ تھیں جنہیں معقول منصوبہ بندی، پالیسیوں میں بہتری اور اپنی روش میں تبدیلی کے ذریعے دور کیا جا سکتا تھا۔

درحقیقت ہمارے لیے انہی امور پر غور کرنا زیادہ اہم ہے کیونکہ ''دائرہ اختیار'' سے باہر امور پر بحث کرنا معاملے کی وضاحت کی حد تک مفید ہے مگر اس میں ہمارے لیے کوئی عبرت، کوئی نصیحت یا قابلِ عمل پہلو نہیں نکلتا۔ جبکہ ''دائرہ اختیار'' کے اندر رہنے والے امور پر غور کر کے ہم اپنے حال و مستقبل میں ایسی غلطیوں سے اجتناب کی کوشش کر سکتے ہیں۔

آیئے! دیکھتے ہیں کہ سلطان کی اپنی عادات، طرزِ عمل، سیاسی وحکومتی پالیسیوں اور نظامِ حکومت میں کون سی ایسی چیزیں تھیں جن کی اصلاح ضروری تھی۔

[1] سیماب صفتی، طویل منصوبہ بندیوں کا فقدان، بعض عاجلانہ فیصلے..... سلطان کی طبیعت میں سُرعتِ عمل کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ ''ابھی یا کبھی نہیں'' (Now or Never) کے اصول پر ہمیشہ کاربند رہے۔ بعض مؤرخین کے بیانات سے ان کے متشدد، تیز مزاج یا عجلت پسند ہونے کا تاثر ملتا ہے، اس کا صحیح محمل یہ نہیں کہ وہ سخت گیر، ظالم یا بداخلاق انسان تھے، بلکہ اس کی حقیقت اتنی ہے کہ وہ سریع العمل اور تیز رَو تھے۔

ان کی سیرت پر گہری نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر وہ متحمل مزاج اور بردبار تھے مگر حالات و مصائب نے ان کے باطن کو شعلہ جوالا بنا دیا تھا۔ بزرگوں کی صحبت، علماء کی تربیت، خاندانی شرافت و وقار اور زمانے کے تجربات نے انہیں جو صلاحیتیں بخشی تھیں، حالات کے بھنور نے انہیں سرعتِ عمل کی صفت میں ڈھال دیا تھا۔

یہی وصف ابتداء میں سلطان کی بڑی بڑی کامرانیوں کا سبب بنا۔ وہ بڑے بڑے فیصلے ایک لمحے میں کر ڈالتے اور دشوار گزار مہمات میں بلا تامل کود پڑتے۔ سلطان نے اس حیرت انگیز صفت کے باعث چنگیز خان جیسی ہولناک طاقت سے ٹکر لینے اور دریائے سندھ کی متلاطم موجوں کو عبور کرنے کا ناقابلِ یقین کارنامہ انجام دے ڈالا۔

اسی تندی و تیزی کے سبب انہوں نے دس بارہ سال میں اتنے بڑے پیمانے پر جنگیں لڑیں اور اس قدر فتوحات حاصل کیں جو دوسرے نامور حکمران پچاس برسوں میں بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ اسی تیز گامی کے بل بوتے پر انہوں نے اپنا سب سے بڑا ہدف یعنی چنگیزی یلغار کو روکنا اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کرنا بھی حاصل کر لیا۔ مگر بعد ازاں یہی تیزیٔ طبع ان کے نظامِ سلطنت کی کمزوری کا ایک اہم سبب بھی بن گئی۔ مسائل کی کثرت اور فرصت کی نایابی نے غیر شعوری طور پر اس سریع الحرکت انسان کے مزاج کو بھی ہنگامی بنا دیا اور وہ کسی مسئلے میں بھی طویل منصوبہ بندی کے عادی نہ رہے۔

ہندوستان سے واپسی اور ایران وعراق میں ایک نئی حکومت قائم کرنے کے بعد سلطان کے پاس موقع تھا کہ وہ آئندہ کے لائحہ عمل کے لیے مستقل بنیادوں پر نیا نظام مرتب کرتے اور طویل المیعاد سیاسی، سفارتی، عسکری، معاشی، رفاہی و تعلیمی امور پر توجہ دیتے۔ مگر ان کے ہاں آخر تک تقریباً ہر قسم کے فیصلے ہنگامی بنیادوں پر ہوتے رہے۔

سلطان کے مداح انہیں حسنِ ظن کے درجے میں ایک حد تک معذور سمجھ سکتے ہیں کیونکہ وہ دور سراسر ہنگامی تھا لہٰذا نظامِ مملکت ہنگامی انداز میں چلنا کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ مگر پھر بھی اگر سلطان اور ان کے رفقاء کم از کم معاشی اور تعلیمی

امور کو مستقل بنیادوں پر مرتب کر لیتے تو آئندہ کے لیے بہت سے خطرات سے مامون ہو جاتے۔ یہ سرعت مزاجی جہاں طویل منصوبہ بندیوں کی راہ میں حائل رہی وہاں اس کی بناء پر کم از کم دو بار سلطان عاجلانہ فیصلوں کا شکار بھی ہوئے۔ ایک مرتبہ جب وہ سلطان التمش سے نالاں ہو کر ان کے خلاف شمشیر بکف ہو گئے تھے۔ التمش کی معاملہ فہمی نے وقتی طور پر اس جنگ کو روک دیا۔ مگر اس سے ہندوستانی امراء میں سلطان کے خلاف خفیہ عناد کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔

دوسرا عاجلانہ فیصلہ حکامِ شام کی باہمی محاذ آرائی میں شرکت اور ان میں سے ایک فریق کا ساتھ دینے کا تھا۔ اس ایک فیصلے سے آگے کئی نامناسب فیصلوں کی راہ کھول دی۔ الملک المعظم سلطان کا ساتھ پا کر مضبوط ہو گیا مگر اس کے بھائی سلطان کے دُشمن بن گئے۔ یہی دُشمنی جنگِ یاسی چمن کی بنیاد بنی۔ اس موقع پر سلطان سے ایک بار پھر عاجلانہ فیصلہ سرزد ہوا۔ وہ بیماری کی حالت میں خستہ حال فوج کے ساتھ آمادۂ پیکار ہو گئے۔ اگر وہ دو چار شہر حکامِ شام کے حوالے کر کے جنگ سے دامن بچا لیتے تو نہ صرف ایک بڑی تباہی سے بچ جاتے بلکہ ان کی سلطنت کے استحکام کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر ہو سکتا تھا۔

2 مربوط نظامِ مشاورت کا نہ ہونا..... سلطان کے ہاں کھلی مشاورت کی فضا تو موجود تھی، اہم فیصلوں پر بات چیت کے لیے درباریوں اور مشیروں سے رائے لی جاتی تھی، مگر مشاورت مربوط نہیں ہوا کرتی تھی۔ اکثر فیصلے فوری طور پر ایک دو نشستوں میں ہو جایا کرتے تھے۔ پھر آخری سالوں میں سلطان کے پاس اچھے مشیر نہ ہونے کے برابر رہ گئے تھے۔ ان کے پاس یا تو سیدھے سادے مخلص لوگ تھے جو دماغ کی جگہ بھی دل ہی سے کام لیتے تھے۔ ان سے بہتر مشاورت کی توقع کیسے کی جا سکتی تھی۔ یا ایسے چالاک اور ہوشیار افراد تھے جن میں قربانی کا جذبہ بالکل نہیں تھا۔ اس لیے وہ قومی مفاد کو سامنے رکھنے کی بجائے ذاتی اغراض کو دیکھ کر مشورہ دیتے تھے جیسا کہ اتر خان آخر تک سلطان کو غلط مشورے دیتا رہا۔ یہی ستم رکن الدین ارزن الرومی اور آمد کے سفیر نے کیا۔

مشاورت کی کمزوری کی ایک وجہ یہ بھی تھی مسلمانوں کے دورِ زوال کے عام درباروں کی طرح بہت سے فیصلے فردِ واحد کی ذاتی صوابدید پر ہوتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات داخلی و خارجی امور کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے میں کمی رہ جاتی تھی، بعض مناسب آراء نظر انداز ہو جاتی تھیں جس کی بناء پر مسائل کے حل لیے بہترین منصوبے ترتیب دینے اور مؤثر لائحہ عمل طے کرنے میں جھول پیدا ہو جاتا تھا۔

بعض اوقات مشاورت میں مزاجِ شاہی کے برعکس رائے دینے والے کو ڈانٹ بھی پڑ جاتی تھی حالانکہ اس کی رائے کم از کم قابلِ غور ضرور ہوتی تھی۔

ہم پڑھ چکے ہیں کہ گرجستانیوں کے متحدہ لشکر سے مقابلے سے پہلے وزیرِ اعظم نے سلطان کو موسم بہار تک انتظار کرنے اور اس وقت تک لشکر کو مزید مرتب کرنے کا مشورہ دیا، یہ خلافِ مزاج مشورہ سن کر سلطان نے وزیرِ اعظم پر سخت برہمی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے برخلاف کبھی کبھار بالکل غیر معقول رائے دینے والا خوشامد کے ذریعے اپنی بات منوا لیتا تھا۔ جیسا کہ ارزن الرومی نے ۶۲۷ھ میں سلطان کو حکامِ شام سے ٹکرا جانے پر آمادہ کیا تھا۔ اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آ کر سلطان نے خواہ مخواہ ایک ایسی جنگ مول لی جس نے خوارزم سلطنت کی چولیں ہلا ڈالیں۔

3 سلطان کی حد سے زیادہ خود اعتمادی..... سلطان کے خداداد حوصلے اور یقین کو خود اعتمادی کا نام دیں یا خدا

اعتمادی کا...... بہر حال وہ ایک حد سے بڑھی ہوئی صفت تھی۔ غالباً عربی کا لفظ ''تہوّر'' اس کی بہتر تعبیر ہے۔

یہی بے مثال خود اعتمادی اکثر و بیشتر سلطان کی غیر متوقع فتوحات کا سبب بنتی رہی، بلاشبہ سلطان میں یہ صفت ذرا سی بھی کم ہوتی تو وہ چنگیز خان کے مقابلے پر نکلنے کے بجائے سالہا سال تک دور دراز کے منصوبے ترتیب دیتے رہتے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حد درجہ خود اعتمادی کی وجہ سے آخر میں انہیں سخت نقصان اُٹھانا پڑا۔ میدان یاسی چمن میں حکامِ شام سے جنگ اوّل تو قابل اجتناب تھی، مگر جب لڑائی ٹھن گئی تب بھی سلطان ممکنہ ظاہری اسباب کی مکمل تیاری کیے بغیر میدان میں پہنچ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ جنگ سلطان کی قیادت میں لڑی جانے والی آخری بڑی جنگ ثابت ہوئی۔ اسی خود اعتمادی کے باعث سلطان نے اپنے اقتدار کے آخری سال، تاتاری سردار جرماغون کی پیش قدمی کی خبریں سننے کے باوجود بروقت تیاری شروع نہیں کی اور یوں تقریباً سارا موسمِ سرما بیت گیا۔ جب بہار کا موسم آیا تو سلطان کے پاس دور دراز کی افواج کو جمع کرنے کا مناسب وقت نہیں رہا تھا۔ چنانچہ وہ تھوڑے بہت سپاہیوں کے ساتھ تیزی سے نقل مکانی پر مجبور ہو گئے۔

4 مواصلات اور جاسوسی نظام کی کمزوری...... یہ بھی حقیقت ہے کہ سلطان کا جاسوسی نظام آخری چند برسوں میں خاصا کمزور ہو گیا تھا۔ سازشیوں اور غداروں نے نقب لگا لگا کر ذرائع مواصلات کو ابتر کر دیا تھا۔ جاسوسوں کی وفاداریاں تبدیل ہو رہی تھیں اور بہت غدار محکمۂ جاسوسی میں شامل ہو گئے تھے۔ نظامِ خبر رسانی کی کمزوری کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ......ایک دن سلطان کو پولو کے میدان میں کھیل کے دوران غیاث الدین کی یلغار کی خبر ملی۔ وہ تیزی سے فوج لے کر اسے روکنے کے لیے روانہ ہوئے مگر آگے چل کر پتا چلا یہ اطلاع سرے سے بے حقیقت تھی۔
- ......۶۲۸ھ کے موسم بہار میں جب تاتاریوں نے سلطان کے خلاف آخری یلغار کی تب بھی سلطان کا شعبۂ جاسوسی دُشمن کی صحیح تعداد بتانے سے قاصر رہا۔ یوں سلطان ان سے مقابلے کے لیے فوری اور صحیح منصوبہ بندی نہ کر سکے۔
- ......اپنے آخری ایام میں سلطان چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ شمالی ایران و کردستان میں گھوم رہے تھے اور تاتاریوں کا ایک لشکر ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس نازک موقع پر بھی سلطان کے جاسوس متحرک نہیں تھے۔ سلطان کو غلط اطلاع دی گئی کہ تاتاری ملازکرد تک پیش قدمی کر کے واپس مڑ گئے ہیں جبکہ وہ بدستور سلطان کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اگر سلطان کو درست اطلاع مل جاتی تو وہ کسی مناسب میدان میں اس لشکر سے نمٹ سکتے تھے، مگر غلط خبر رسانی کے باعث سلطان اپنی بچی کھچی فوج سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔

5 حد سے زیادہ عفو و درگزر...... مقامِ حیرت ہے کہ بعض مؤرخین سلطان کو سخت گیر اور اذیت پسند قرار دیتے ہیں تاہم اس الزام کے ثبوت میں وہ کوئی شواہد پیش نہیں کر سکتے۔ اس کے برعکس سلطان کی نرم دلی اور عفو و درگزر کے بکثرت واقعات ثابت کرتے ہیں کہ وہ اس صفت میں حدِ کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ یہ صفت اتنی راسخ تھی کہ انہوں نے بڑے بڑے غداروں اور دُشمنوں کو بار بار معاف کیا۔ یہی صفت آگے چل کر ان کے لیے شدید مسائل کا سبب بن گئی۔

وہ براق حاجب، غیاث الدین اور شرف الملک جیسے سانپوں کا سر کچلنے کی بجائے انہیں بار بار اصلاحِ احوال کا موقع دیتے رہے۔ برصغیر کے ٹیپو سلطان شہید کی طرح سلطان کے ہاں بھی میر صادق، پورنیا اور غلام علی پلتے رہے۔

اور سلطان جانتے بوجھتے چشم پوشی کرتے رہے۔ سلطان کی فطری رحم دلی سے موقع پانے والے ان زہریلے ناگوں نے انجام کار مملکت کی جڑوں کو مسموم کر کے چھوڑا۔

6 تعلیمی و تربیتی اداروں کے قیام سے غفلت ..... سلطان کی زندگی کا ہر لمحہ ہنگاموں سے نمٹنے میں گزرا۔ اس دوران وہ طویل المیعاد منصوبے ترتیب نہ دے سکے۔ دیگر منصوبوں سے قطع نظر اگر انہیں ایک اہم شعبے پر خاص توجہ دینے کی توفیق مل جاتی تو آخر میں وہ اتنے تنہا اور بے بس نظر نہ آتے۔ یہ شعبہ عوام اور فوج کی دینی، علمی و اخلاقی تربیت تھا جس کو ترجیحی بنیادوں پر قائم کرنے اور ملک بھر میں پھیلانے کی ازحد ضرورت تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تاتاریوں کی دہشت گردی کے بعد سلطان کی عملداری میں آباد ہونے والی بستیوں اور شہروں میں چند مدارس ہی کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ سلطان نے ایک مدرسہ اصفہان میں بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ دو چار مدارس ان کے امراء نے شروع کرائے تھے۔ لیکن ان چند تعلیم گاہوں سے زمانے کی ضروریات کی تکمیل نہیں ہو سکتی تھی، خصوصاً خود سلطان کے اپنے نظامِ حکومت کو سنبھالنے اور مطلوبہ استعداد و قابلیت پیدا کرنے کے لیے ایسے اداروں پر جس قدر توجہ درکار تھی، اس دور کی سلطنتِ خوارزم کا ماحول اس سے خالی نظر آتا ہے۔

اس طرح فوج میں دینی و روحانی تربیت اور ان کی علمی ترقی کے لیے کوئی نظام موجود نہ تھا۔ فوج کے سابق افسران جو اہل علم و تجربہ تھے ایک ایک کر کے شہید ہوتے رہے اور ان کی جگہ مجبوراً نااہل لوگوں کو مناصب دیے جاتے رہے کیونکہ جانے والوں کا متبادل موجود نہ تھا، نہ ہی متبادل تیار کرنے والے ادارے حسبِ ضرورت موجود تھے۔

مدارس، خانقاہوں اور دیگر مراکزِ علم و ہنر سے پیدا شدہ وہ کھیپ جو گزشتہ دور کی یادگار تھی اپنا بڑا حصہ تاتاریوں کے قتلِ عام کی نذر کر چکی تھی۔ بقیہ السیف افراد سلطان کا ساتھ دیتے ہوئے چند برسوں میں گزر گئے۔ آخر میں سلطان کے گرد بہت سے ایسے لوگ جمع ہو گئے تھے جن کے آباؤ اجداد کا لوٹ مار پر گزارا تھا۔ وہ جہاد کو بھی لوٹ مار کا ''قانونی ذریعہ'' تصور کر کے ادھر آ گئے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں ''سانحۂ خلاط'' نمودار ہوا اور دنیا کو یہ کہنے کا موقع ملا کہ سلطان کی فوج مسلمانوں کا خون بہانا اور ان کے مال و دولت کو لوٹنا اپنا حق سمجھتی ہے۔ کاش کہ سلطان امرائے سلطنت ،فوج اور عوام کی تعلیم و تربیت پر قرار واقعی توجہ دے سکتے تو ایسے سانحے جنم نہ لیتے۔

جانشین کی تقرری نہ ہونا ..... سلطان کی اولادِ نرینہ نہ تھی مگر وہ کسی جانشین کا تقرر کر سکتے تھے۔ مگر آخر تک انہوں نے کوئی ایسا اعلان نہیں کیا۔ چنانچہ ان کی گم شدگی کے بعد ان کی فوج کی شیرازہ بندی ممکن نہ رہی۔ خوارزمی سلطنت جڑ سے ختم ہو گئی اور تاتاریوں سے جہاد کا سلسلہ بالکل رُک گیا۔

ایک غلط تاثر کی نفی ..... سلطان کے بارے میں علی الاطلاق یہ تاثر درست نہیں کہ ان کے اپنوں اور سب ساتھیوں نے انہیں چھوڑ دیا تھا۔ یہ تاثر دے کر ثابت یہ کیا جاتا ہے وہ تند مزاج اور بد اخلاق تھے یا انہیں ماتحتوں کا دل جیتنے کا قرینہ نہیں آتا تھا۔

صحیح بات یہ ہے کہ جو افراد نظریاتی طور پر جہاد کو ایک فریضہ اور مشن سمجھ کر سلطان کے ساتھ تھے وہ آخر تک ساتھ رہے۔ شہاب الدین النسوی، امین الملک، جہاں پہلوان ازبک اور نصرت الدین محمد اس کی واضح مثالیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ آخر پھر یہ لوگ سلطان کے آخری ایام میں نظر کیوں نہیں آتے۔ تو یہ امر واضح ہے کہ سلطان کے خواص کی

اکثریت معرکہ اصفہان ۶۲۵ ھ میں شہید ہوگئی تھی۔ اس جنگ کے بعد سلطان کی عسکری کونسل اور کابینہ تقریباً خالی ہوگئی تھی۔ باقی جو بچے تھے وہ معرکۂ یاسی چمن ۶۲۷ ھ میں کام آ گئے۔ بہرحال اکثر جانباز امراء اور مخلص عہدے دار جیتے جی سلطان سے جدا نہ ہوئے۔

رہی بات ان لوگوں کی جو حبِ مال وجاہ کے اسیر تھے، ان کی وفاداریاں تبدیل ہونا سلطان کی شخصیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ اگر سیف الدین اغراق مالِ غنیمت کے جھگڑے کے باعث جدا ہوا یا سلطان کا بھائی غیاث الدین ہوس اقتدار میں ان کا مخالف بنا تو یہ ان کی اپنی عاقبت نااندیشی اور سفلہ پن کا ثبوت تھا اس سے سلطان پر کوئی الزام نہیں آسکتا۔ کچھ کردار ایسے بھی تھے جو ''چلو تم ادھر کو، ہوا ہو جدھر کی'' پر عمل پیرا تھے۔ وہ سلطان کی سلطنت کو زوال پذیر ہوتا دیکھ کر بالکل آخر میں اپنی وفاداریاں دوسرے ملکوں سے وابستہ کرنے لگے تھے۔ ان میں بطورِ خاص وزیرِ اعظم شرف الملک کا نام لیا جاسکتا ہے۔ بعض امراء کا سلطان سے برگشتہ ہونا صرف اس بناء پر تھا کہ وہ مزید مصائب اور آزمائشوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے یا انہیں سلطان کی جدوجہد کی بارآوری کا یقین نہیں رہا تھا اور وہ باقی ایام گوشۂ عافیت میں گزارنا چاہتے تھے۔ اس کی مثال میں ہم ''اتر خان'' کو پیش کر سکتے ہیں جو بالکل آخری دنوں میں سلطان کو چھوڑ گیا تھا۔

خاتمہ بحث...... اس بحث کا خاتمہ کرتے ہوئے ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ سلطان جلال الدین ایک بشر تھے اور وہ بھی قرونِ اولیٰ کے نہیں، ساتویں صدی ہجری کے پرفتن دور کے۔ پھر انہوں نے عین جوانی میں تخت وتاج سنبھالا تھا اور جوانی ہی میں دنیا سے گزر گئے تھے، اس لیے ان سے ہر موقع پر ایک ادھیڑ عمر پختہ مزاج شخص جیسی دانائی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ ایک نوجوان اور مطلق العنان حکمران کا اس دور کے شاہی اور عسکری ماحول کے معایب سے بچنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ اس پس منظر میں سلطان نے جو کچھ کیا اور جس قدر اپنے دامن کو بچایا وہ بھی کوئی کم حیرت کی بات نہیں۔ بجا ہے کہ ان کی ذات عیوب سے اور ان کی زندگی غلطیوں سے خالی نہیں مگر اس سے کفار کے خلاف ان کے عظیم جہاد کی نفی نہیں ہوسکتی۔ تاریخ میں انہیں ایک مجاہد کا مقام ضرور ملنا چاہیے جس نے امت کو کفار کی غلامی سے بچانے کے لیے زندگی تج دی۔

ہم سلطان کو کوئی ولی اللہ ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں مگر وہ ایک جرأت مند قائد ضرور تھے۔ ہمیں اس تالیف کے ذریعے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ وہ امّت کے ایک غیور اور بہادر فرزند تھے جن کی ہمت اور حوصلے میں ہمارے لیے دعوتِ عمل موجود ہے۔ اللہ کے اس بندے نے عالم اسلام کے دفاع کے لیے اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داری کو ادا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی۔ اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی اور آخر اسی راہ میں خود کو فنا کر دیا۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے اس بندے کے ساتھ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہماری تقصیرات کو بھی معاف کرے اور ہمیں بھی امت کے لیے کچھ کر گزرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حواشی وحوالہ جوات

① بعد کے مؤرخین نے اس کا تذکرہ کیا ہے تو ابن اثیر ہی سے نقل کیا ہے۔

① ابن اثیر، ج ۷، ص ۶۲۲ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

③ سیر اعلام النبلاء، ج ۲۲، ص ۳۲۸

اسباقِ تاریخ

یہ اس کاوش کی آخری سطور ہیں جنہیں آپ گزشتہ تمام اوراق کا خلاصہ اور نچوڑ تصور کر سکتے ہیں۔ ہم اس آخری مرحلے میں ان تاریخی اسباق وعبرتناک حالات پر اجمالی غور کریں گے جو ساتویں صدی ہجری کے اس خونیں منظر نامے سے اُبھرتے ہیں۔

راقم کی نگاہ میں یہ عبرتناک حالات وواقعات درج ذیل امور کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

1 جہاد جاری رہنا چاہیے ...... اس سچی داستان کا ایک ایک حرف ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دیتا ہے۔

جہاد جسے حدیث میں ''ذروۃ سنام السلام'' (اسلام کی چوٹی) کہا گیا ہے اسلام کی بقا، تحفظ اور اشاعت کا ضامن ہے۔ مسلم قیادت پر ہر آن اس کی بھرپور تیاری کرتے رہنا لازم ہے۔ اسلامی ممالک کو ہمیشہ دفاعی واقدامی جہاد کے لیے ترجیحی بنیادوں پر کمربستہ رہنا چاہیے۔ اپنی سرحدوں کے دفاع کے ساتھ ساتھ اسلام کے پیغام کو ہر سرحد سے آگے لے جانے کا جذبہ برقرار رہنا چاہیے۔ مسلم قیادت کو زیبا نہیں کہ وہ کسی ملک یا قوم خصوصاً اپنے ہمسایہ غیر مسلم ملکوں کو کمزور یا بے ضرر تصور کر کے اپنی حربی صلاحیتوں میں اضافے سے غفلت اختیار کرے۔

ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ کفر واسلام کے درمیان سرحدیں ہمیشہ اسی طرح عارضی ثابت ہوئی ہیں جیسے دھوپ اور سائے کی حد بندیاں۔ ان کا ٹھہراؤ ہمیشہ عارضی ثابت ہوا ہے۔ چودہ صدیوں سے یہ نور وظلمت کی یہ کشاکشی جاری ہے۔ مسلمانوں کی پیش قدمی کے دھارے جہاں بھی رکے ہیں وہاں سے جلد یا بدیر ان کی پسپائی ضرور شروع ہوئی ہے۔ خوارزم سے بغداد تک، اسپین سے بلقان تک اور الجزائر سے برصغیر تک ہم اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

اگر پہلی صدی ہجری میں چین کی طرف قتیبہ بن مسلم کی فتوحات کا سیلاب تھم نہ جاتا تو عین ممکن تھا کہ تاتاری اسی زمانے سے اسلام کی آغوش میں ہوتے۔ اگر اسپین کے فاتح مسلمان فرانس کی سرحدوں پر نہ ٹھہر جاتے تو کیا بعید تھا کہ یورپ عالم اسلام کی تہذیب وتمدن کا بہترین امین اور اس کی دعوت کا سرگرم نقیب ہوتا۔ اگر وسطِ ایشیا میں صدیوں تک حکمرانی کرنے والے مسلمان ماسکو کو فتح کرنے سے بے اعتنائی اختیار نہ کیے رہتے تو سوویت یونین کی شکل میں گزشتہ صدی کی سب سے بڑی اسلام دُشمن طاقت نمودار نہ ہوتی۔ کل کے سقوطِ خوارزم سے لے کر آج کے لہولہو افغانستان، سوختہ جان عراق اور تباہ شدہ پاکستان تک جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ ہمارے اپنے اعمال کی پاداش ہے۔ یہ ہماری ان فکری، نظری، سیاسی اور عسکری غلطیوں کا خمیازہ ہے جو تاریخ سے کوئی سبق نہ حاصل کرنے کے باعث ہم بھگت رہے ہیں۔

2 دعوتِ اسلام کی ضرورت ..... مسلمان عروج کی انتہا پر ہوں یا تحت الثریٰ میں، ہر حالت اور ہر دور میں غیر مسلموں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کا کام کسی توقف وتعطل کے بغیر جاری رہنا از بس ضروری ہے۔ کالے، گورے،

چھوٹے بڑے، کمزور یا طاقتور اور ترقی یافتہ یا پس ماندہ اقوام کے امتیاز کے بغیر پورے عالمِ انسانیت کو دعوتِ دین کا مخاطب بنانا چاہیے۔ ہمارے لیے افریقہ کی ظلمتوں اور انٹارکٹیکا کے کُہر میں چھپے انسانوں تک بھی اسلام کی نعمت عظمیٰ پہنچانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا پیرس اور نیویارک میں اسلامی مراکز قائم کرنا۔ عجب نہیں کہ کچھ مدت بعد دنیا کی باگ ڈور انہی پس ماندہ خطوں کی اقوام کے ہاتھوں میں ہو اور وہ کل ایک بڑی طاقت اور ترقی یافتہ دنیا کے طور پر اُبھریں۔ اگر ان کے دلوں تک اسلام کی روشنی پہنچ چکی ہوگی تو وہ سیاستِ عالم میں اُبھرنے کے بعد اسلام کے دست بازو ثابت ہوں گے۔ بصورتِ دیگر وہ شجرِ اسلام کو سوختہ بھی کر سکتے ہیں۔

کسے معلوم تھا کہ ساتویں صدی میں منگولیا کے صحرانشین، متمدن دنیا کو فنا کرنے کی طاقت حاصل کر چکے ہوں گے۔ اگر اسلام کے مبلغ ایک دو صدیاں قبل اُس تاریک خطے میں کام شروع کر چکے ہوتے تو ساتویں ہجری کا آغاز مسلمانوں کے لیے قیامت صغریٰ ثابت نہ ہوتا۔ اگر اندلس، مراکش، الجزائر اور جنوبی افریقہ کے عرب جہاز راں اور ان کے سرپرست حکمران بحیرۂ اوقیانوس کے پار آبادئ دنیا امریکا سے واقف ہونے کے بعد وہاں اسلام کی بھرپور اشاعت کی اہمیت محسوس کر لیتے تو آج امریکا طاغوت کی مکروہ ترین صورت میں نظر نہ آتا۔

اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں کہ ہم صرف پس ماندہ دنیا میں دعوتی کام کرتے رہیں اور ترقی یافتہ اقوام کو بھول جائیں۔ نہیں سیاستِ عالم میں غالب اقوام کو اسلام کی دعوت دینا بھی بے حد اہم ہے۔ ہمیں اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام اپنا لوہا ہر جگہ منوا کر رہے گا۔ اگر یہ کام صحیح خطوط پر تسلسل کے ساتھ جاری رہے تو یورپ و امریکا کا عظیم مسلم براعظموں میں تبدیل ہو جانا کوئی بعید نہیں۔

ساتویں صدی ہجری کے وسط میں مسلمان پوری طرح تاتاریوں کے رحم و کرم پر تھے اور غلامی کی زندگی گزار رہے تھے، ایشیا میں ان کا سیاسی کردار تقریباً ختم ہو گیا تھا، غلبۂ تاتار کی یہ زنجیریں کاٹنے میں جہاں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ، سلطان سیف الدین قطز اور الملک الظاہر بیبرس جیسے اولوالعزم فرمانرواؤں کی جدوجہد کا دخل ہے، وہاں اسلام کے ان داعیوں اور مبلغوں کی کاوشوں کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جن کی اخلاص و حکمت سے بھرپور اسلوبِ دعوت نے تاتاری شہزادوں کے دل موہ لیے اور آخر کار ایک صدی کے اندر اندر تاتاری اسلام کے خادم بن گئے۔

ہے عیاں یہ یورشِ تاتار کے افسانے سے — پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

3 علمی و فنی کمالات کے ساتھ ساتھ کردارِ مردِ مؤمن لازم ہے ..... تاریخ کے یہ اوراق جب ہمیں اس دور کے مسلمانوں کی علمی و فنی کامرانیوں کی حیرت انگیز جھلکیاں دکھاتے ہیں تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ محض مادّی ترقی اور علم و فن کی معراج کو پالینا مسلمانوں کی بقا و تحفظ اور ان کی حقیقی سربلندی کے ذریعہ نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ ساتھ ایمان کی قوت، عمل کی دولت اور کردار کا سرمایہ نہ ہو۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس دور میں مسلمان علم و حکمت کے ہر میدان میں تمام اقوامِ عالم سے آگے تھے۔ ایک طرف اسلامی علوم کے افلاک پر شیخ برہان الدین مرغینانی (صاحب ہدایہ)، علامہ کاسانی (صاحب بدائع والصنائع)، امام فخر الدین رازی (صاحبِ تفسیر کبیر) اور امام نووی (شارح صحیح مسلم) جیسے ستارے چمک رہے تھے۔ دوسری جانب سائنسی و فنی دنیا میں نئی دریافتوں کی رفتار سست پڑنے کے باوجود مسلم فلاسفروں اور سائنسدانوں ہی کا طوطی بول رہا تھا۔ خوارزم،

بغداد، شام اور قاہرہ کے اسلحہ ساز کارخانوں میں دنیا کا بہترین اور جدید ترین اسلحہ تیار ہوتا تھا۔ علم وفن کے ہر شعبے میں مسلمان امام وقت تھے۔ معاشی طور پر بھی دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ سیاست، ثقافت، معاشرت اور تہذیب وتمدن سے لے کر صنعت وحرفت، تجارت، اقتصادیات تک ہر لحاظ سے دنیا ان کی خوشہ چینی کر رہی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر مسلمانوں میں وہ روح، وہ قوت اور تڑپ مفقود ہوگئی تھی جو ان کی ترقی وبقا کا اصل سبب تھی، بقول اقبال مرحوم

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا، تلقینِ غزالی نہ رہی

یہ علمی، فنی، اقتصادی اور صنعتی ترقی جسے اسلام کے تحفظ اور اس کے ابدی پیام کی اشاعت کے لیے استعمال ہونا چاہیے تھے، محض تمدن کی چمک دمک اور نفس کی راحت کوشی کے لیے استعمال ہو رہی تھی۔ مسلمانوں کا تہذیب وتمدن دنیا میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور آسائش بخش تھا اس لیے وہ سب سے زیادہ آرام پسند اور مادّہ پرست ہو چکے تھے۔ ''حب الدنیا وکراہیۃ الموت'' (دنیا کی محبت اور موت سے نفرت) کے مرض نے انہیں پوری طرح اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ یہ وہ مرض ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں مسلمانوں کی بدترین پستی اور شرمناک مسکنت کے اصل سبب کے طور پر واضح کر دیا تھا اور پیش گوئی فرمائی تھی کہ اس مرض کے ہوتے ہوئے اقوامِ عالم انہیں دسترخوان پر سجائے گئے کھانوں کی طرح ہڑپ کرنے لگیں گی۔

بالکل ایسا ہی ہوا، یہ پیش گوئی آفتابِ نیمروز کی مانند روشن اور سچ ثابت ہوئی، مسلمانوں کی تمام تر مادّی ترقیات، علمی کارنامے، فنی مہارتیں، اقتصادی عروج اور صنعتی کامیابیاں اس وقت دھری کی دھری رہ گئیں جب دشت گوبی کے فاقہ کوش مگر سخت جان تاتاریوں نے ان پر یلغار کی۔ مسلمان بہتر اسلحہ سازی کے ذور پر ان کی روک تھام کر سکے، نہ علمی وسائنسی کارناموں کا ڈھیر لگا کر ان کے آگے کوئی بند باندھ سکے۔ مسلم حکام کے کردار کی کمزوریوں، علمی کوتاہیوں، سیاسی فیصلوں میں مسلسل غلطیوں اور باہمی جھگڑوں نے انہیں کہیں کا نہ رہنے دیا۔

خوارزم سے بغداد تک علوم وفنون کے وہ شش صد سالہ ذخائر چند برسوں میں نذر آتش ہوگئے جن کی حفاظت کے لیے مسلمانوں کے پاس کردار کی دولت نہ رہی تھی۔ اسلامی ممالک کے سرکاری خزانوں میں صدیوں سے جمع کیا جانے والا وہ ہزاروں من سونا چاندی آخر تاتاریوں کے قدموں میں بکھر گیا جسے اسلام کے پیغام کی اشاعت اور جہاد کے ہر سرحد سے آگے تسلسل پر خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا گیا۔

بلاشبہ علوم وفنون مسلمانوں کی گم گشتہ میراث ہیں، ان میں اقوامِ عالم سے مسابقت کرنا مسلمانوں پر لازم ہے، مگر علم وفن اور تہذیب وتمدن کے ہر تاج محل کی حفاظت کے لیے دلِ مردِ مؤمن اور مجاہد کی شمشیرِ بے نیام ناگزیر ہے۔

[4] خلافت کا قیام واستحکام ..... مسلمانوں کے درمیان رنگ ونسل اور قومیت سے بالاتر مستقل اتحاد کے لیے خلافتِ اسلامیہ کا قیام، بقا اور اس کا استحکام ناگزیر ہے کیونکہ یہی مرکزِ وحدت مسلم ممالک کی اکائیوں کو ایک صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔ بیرونی خطرات سے بچاؤ، اندرونی بحرانوں سے حفاظت اور عالمی تناظر میں مسلمانوں کا ایک مؤثر قوت بننا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ''نظامِ خلافت'' کو ازسرِنو قائم نہیں کر دیا جاتا اور اس کے استحکام کو علاقائی ونسلی مفادات پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوگئی　　اُڑ گیا دنیا سے تو مانندِ خاکِ رہگزر

تا خلافت کی بناء دنیا میں ہو پھر استوار　　لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

تا تاریوں کی یورشِ ناگہاں سے عالم اسلام کیپامال ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ خلافت کا ادارہ مستحکم اور فعال نہیں تھا۔اس کے برعکس سقوطِ بغداد اور خلافتِ عباسیہ کے خاتمے کے بعد عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں نے فوراً مصر میں خلافت کو فعّال کرلیا تھا۔

دورِ حاضر میں بھی خلافت سے محروم ہوکر ہم تقریباً ایک صدی سے آگے بڑھنے کے لیے ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں مگر راہِ نجات سجھائی نہیں دیتی۔اگر ہم نے خلافت کا ادارہ بحال کرنے سے پہلوتہی جاری رکھی یہ کوششیں بدستور رائگاں ہی جاتی رہیں گی۔

5 اقلیت کو مقتدانہ بنایئے..... تا تاری یلغار کے دوران مسندِ خلافت پر ایک اقلیتی فرقے کے فرد کا متمکن ہونا اور منصبِ خلافت کے فرائض کو پس پشت ڈال کر گھر پھونک تماشا دیکھنا، انتہائی عبرت انگیز ہے۔اس سے سبق ملتا ہے کہ اقلیتی عقائد ونظریات کے حامل افراد عالمِ اسلام کے عمومی مفادات سے مخلص نہیں ہوسکتے۔قیادت کا بارِ گراں عموماً ان کے ہاں بازیچۂ اطفال بن جاتا ہے۔وہ محض اپنے مخصوص متعصبانہ دائرہ کار میں کام کرتے ہیں۔ وسعت نظری سے ان کی محرومی بڑے بڑے المیوں کو جنم دیتی ہے۔اگر عباسی خلیفہ ناصر اپنے آباؤ اجداد کی طرح صحیح معنوں میں اہل سنت والجماعت کے عقائد کا پیروکار ہوتا تو مسلمانوں کے مشترکہ مفادات سے اتنا لاتعلق نہ رہتا۔ تا تاریوں جیسے بے رحم دشمنوں کو مسلمانوں پر حملے کی دعوت دیتے ہوئے اسے خود سے شرم محسوس ہوتی۔

یہاں موروثی حکومت کی تباہ کاریوں پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے جو تاریخ اسلام کا ایک بہت بڑا المیہ رہا ہے۔یہ عباسیوں کے ''موروثی نظریئے'' ہی کا کمال تھا کہ ایک فرد عقائد ونظریات میں جمہور مسلمین سے برگشتہ ہونے کے باوجود محض خلیفہ کا بیٹا ہونے کے ناتے منصب خلافت پر فائز رہا اور ابنائے زمان کے نزدیک اس کی ''اہلیت'' پر کوئی حرف نہ آسکا مگر اس ''اصولِ موروثیت'' کی پاسداری کا مسلمانوں کو جو خمیازہ بھگتنا پڑا اس پر ماتم کرنے کے لیے لاکھوں حروف بھی کم پڑ گئے۔

6 باہمی محاذ آرائی سے گریز..... سیاسی پستی کی انتہاء میں گرے ہوئے مسلمان اگر اسلام دُشمن طاقتوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہ بن سکیں تب بھی کم از کم ان کو ایک دوسرے کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔عام حالات میں بھی اتحادِ ملت ناگزیر ہے مگر خاص طور پر دورِ ابتلاء میں تو اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔اور اگر اتحاد نہ سہی، تب بھی باہم سر پھٹول کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکل سکتی۔

قوتِ　نیکی　نداری　بد　مکن

مگر خوارزم، بغداد، مصر اور شام جیسے مسلم ممالک یورش تا تار کے دوران بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء رہے۔پھر ان ممالک کی اندرونی سیاست میں بھی کشمکش جاری رہی۔خوارزم میں تا تاریوں کے عین حملے کے وقت وسط ایشیا کے امراء مرو، نسا اور غزنی پر قبضے کے لیے ایک دوسرے کا خون بہا رہے تھے۔ایسے میں طوفان سے ٹکراتی کشتی کیسے پار لگ سکتی تھی۔اگر مسلم ممالک، مسلم ادارے، جماعتیں، تنظیمیں اور گروہ اُمت کے مشترکہ اہداف کے لیے متحد ہوجائیں تو کیا کہنے......لیکن ادنیٰ درجے میں وہ اپنے اپنے طور پر بھی کام کرتے رہیں تو بھی ہمارے تنزل کی

رفتار کچھ کم ہوسکتی ہے۔ ذاتی اغراض، وقتی تحفظات اور معمولی اختلافات کی بناء پر ایک دوسرے کے خلاف سراپا جنگ بن جانے کی منحوس عادت سے چھٹکارا حاصل کیے بغیر ہم راہِ ترقی پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔

عالمِ اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا جذبہ رکھنے والے افراد کو ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے کی جدی پشتی روایت ترک کرنا پڑے گی۔ کیوں کہ اس رسمِ بد کے ہوتے ہوئے سلطان جلال الدین جیسا مجاہد بھی سر دھڑ کی بازی لگانے کے باوجود اپنے تمام اہداف حاصل نہیں کر پاتا۔ اگر یہ قبیح عادت ترک کر دی جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ امت کے رجالِ کار اپنا کام کر گزریں گے۔

7 اغیار کو مداخلت کا موقع نہ دیا جائے ..... مسلمانوں کے باہمی تنازعات کسی حد تک بھی پہنچ جائیں، انہیں اقوامِ غیر کو باہمی جھگڑوں میں مداخلت کا موقع ہرگز نہیں دینا چاہیے۔ ورنہ نتیجہ وہی نکلتا ہے جو خوارزم و بغداد کے تنازعے میں تاتاریوں کو شامل کرنے سے نکلا، جو مغربی و مشرقی پاکستان کے اختلافات میں بنگالیوں کے بھارت سے مدد طلب کرنے کا ظاہر ہوا، جو عراق اور کویت کے جھگڑے میں امریکا اور اس کے اتحادیوں کی مداخلت سے رونما ہوا۔

دورِ حاضر میں تو غیر اقوام سے تصفیہ طلب کرنا بھی انہیں مداخلت کی دعوت دینے کے مترادف ثابت ہو رہا ہے۔ مسلمانوں نے خود اپنے تنازعات کے حل کی طاقت عالمی طاغوتوں کے ہاتھوں میں دے دی ہے جس کے بھیانک نتائج سامنے آرہے ہیں۔

8 خارجہ پالیسیوں اور معاہدوں میں احتیاط لازم ہے ..... گزشتہ اوراق کے معاملے سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ غیر اقوام سے تعلقات اور ان کے حوالے سے خارجہ پالیسیوں کی تشکیل میں غیر معمولی احتیاط اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔ ان سے سفارتی و تجارتی تعلقات نہایت نپے تلے انداز میں قائم کرنا چاہئیں۔ تجارتی، تعلیمی اور دفاعی سرگرمیوں کی آڑ میں ان کے اصل مقاصد پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہیے۔ کیونکہ عموماً استعماری طاقتیں عموماً ایسے پُرکشش عنوانات کے پس پردہ اپنی مذموم اغراض کو پروان چڑھا رہی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ چنگیز خان سے خوارزم سے تجارتی تعلقات کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا۔

9 دُشمن کو کمزور نہ سمجھا جائے ..... جب تک دفاعی طاقت کے استحکام پر پورا بھروسہ، اپنی قوتِ برداشت پر یقین اور آگے بڑھ کر حملہ کرنے میں کامیابی کا ظنِ غالب نہ ہو، کسی طاقتور دُشمن سے یکدم جنگ چھیڑنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے بلکہ پہلے اس کی طاقت کا پورا پورا اندازہ لگالینا چاہیے۔ جنگ ناگزیر ہو تب بھی اس کی تیاری کے لیے مناسب وقت اور تیاری پر بھرپور توجہ صرف کرنا ضروری ہے۔ دُشمن کو کمزور سمجھنے کا انجام ہمیشہ تباہ کن ہوتا ہے اور جلد بازی کے فیصلے ہمیشہ نقصان دہ ہوتے ہیں۔ علاؤ الدین خوارزم شاہ سے اسی قسم کی غلطیاں ہوئیں۔ اس نے تاتاریوں کو جنگلی لٹیرے تصور کر کے انہیں زور آزمائی کی دعوت دے ڈالی اور پورے عالمِ اسلام کے خلاف ایک نہ ختم ہونے والی جنگ مول لے کر اَن گنت بندگانِ خدا کی ہلاکت کا سبب بنا۔

10 دُشمن کو کبھی مداخلت کا جواز فراہم نہ کیا جائے ..... ہمسایہ ممالک کے عزائم خطرناک محسوس ہوں تو ایسے میں ان سے سیاسی و سفارتی معاملات میں غیر معمولی تدبر اور حکمت و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خصوصاً ان حالات میں جبکہ حریف طاقت میں ہم پلہ یا غالب ہو بہت زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ ایسے میں عاجزی اور مسکنت بھی مہلک

ہے اور غرور و تکبر بھی تباہ کن۔ خیال رکھنا چاہیے کہ ایسے نازک حالات میں کوئی ایسی غلطی نہ ہونے پائے جسے حریف ملک دنیا والوں کی نظروں میں حملے کا جواز بنا سکے۔ جیسا کہ خوارزم شاہ کے ہاتھوں تاتاری قاصد کے قتل نے چنگیز خان کو حملے کا بہانہ فراہم کر دیا۔

یہ درست ہے کہ ہم اسلامی اصولوں سے کسی حال میں دست بردار نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی بجا کہ اپنی عزت، آزادی اور خودمختاری پر کسی حال میں سمجھوتا نہیں کرنا چاہیے، یہ بھی تسلیم کہ اغیار سے تنازعات میں باوقار اور دوٹوک انداز ہی ہماری خودمختاری کی بقا کی ضمانت ہے مگر آدابِ سیاست واطوارِ جہانبانی کا تقاضا ہے کہ ہم کبھی بھی حماقت، عجلت پسندی اور عجب و پندار پر مبنی فیصلے کو دُشمنوں کی حربی سازشوں کے لیے راہیں ہموار کرنے کا سبب نہ بننے دیں۔

11 ناگزیر جنگ کے لیے جامع حکمت عملی کی ضرورت ..... طاقت میں برتر دُشمن سے تصادم ناگزیر ہو جائے تو اس جنگ کے لیے نہایت گہری اور جامع منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ ایسے میں روایتی اندازِ حرب اپنانا بے سود ہوتا ہے اور اندھا دھند اقدامات مہلک ثابت ہوتے ہیں جبکہ گہری منصوبہ بندی اور نت نئی چالوں کے ذریعے کم طاقت سے زیادہ کام لیا جا سکتا ہے۔

چنگیز خان کے مقابلے میں علاؤ الدین خوارزم شاہ نے روایتی اور سرسری انداز میں منصوبہ بندی کی تھی لہٰذا شکست پر شکست کھاتا چلا گیا جبکہ سلطان جلال الدین نے نسبتاً کم افرادی قوت کے ساتھ چنگیز خان سے ٹکر لی اور بہترین حکمت عملی کے تحت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔

12 آسمانی آفات دیکھ کر تلافیٔ مافات ضروری ہے ..... تاریخ کی یہ داستان بتا رہی ہے کہ آفاتِ سماویہ کا نزول ایک تسلسل سے ہونے لگے تو اربابِ حل و عقد کو سر جوڑ کر بیٹھ جانا چاہیے اور اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ ایسے میں پوری ملت اور قوم کا اجتماعی طور پر اپنے رنگ ڈھنگ بدلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ پھر بھی اگر غلطیوں کا تدارک نہ کیا جائے تو پھر سمرقند و بخارا جیسے حالات پیش آ کر رہتے ہیں۔ ساتویں صدی ہجری کے مسلم حکام اور عوام نے بجلیوں، آندھیوں اور زلزلوں کے اس سلسلے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا تھا جو تاتاری یلغار سے پہلے دس برس تک انہیں جھنجھوڑتا رہا۔ پس وہ پیش آ کر رہا جس کو بیان کرنے سے تاریخ نگاروں کے قلم عاجز آ گئے۔

آج بھی آسمانی آفات اور ناگہانی حوادث ہمیں جھنجھوڑ رہے ہیں۔ زلزلے، خشک سالی اور سیلاب ہمیں بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کیا ہم آنکھیں کھولنے اور اپنے انفرادی و اجتماعی اعمال کے محاسبے کے لیے تیار ہیں؟

13 علم و عرفان کے ادارے تعمیر ملت کی بنیاد ہیں ..... علاؤ الدین خوارزم شاہ کے دور نے یہ حقیقت ثابت کی کہ جن تعلیم گاہوں، کتب خانوں اور مدارس کی حفاظت کے لیے جوانانِ ملت کی شمشیریں بے نیام نہ ہوں وہ دشمنوں کے ہاتھوں پامال ہو کر رہتی ہیں، مگر جلال الدین خوارزم شاہ کے دورِ حکومت سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اگر سارا زور معرکہ آرائیوں پر صرف ہو جائے اور افرادِ ملت کو علم و معرفت سے آراستہ کرنے والے ادارے فروغ نہ پا سکیں تو آخر کار قوم صالح قیادت سے محروم ہو جاتی ہے اور زمام کار جاہل و ناخدا ترس افراد کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے جو قوم کی کشتی کو بیچ منجدھار میں ڈبو دیتے ہیں۔

جلال الدین خوارزم شاہ اور ان کے حقیقی رفقاء کی تربیت امام رازیؒ، شیخ نجم الدین کبریٰؒ اور خواجہ فرید الدین

عطارؒ جیسے اصحابِ علم ومعرفت نے کی تھی مگر خود سلطان جلال الدین کے دورِ حکومت میں تعلیمی اداروں کو قرار واقعی فروغ مل سکا نہ خانقاہوں کو۔ اس میں سلطان کی مصروفیات، ہنگاموں، جنگوں اور وسائل کی نایابی جیسے مسائل کا یقیناً بہت دخل تھا مگر نتیجہ تو یہی نکلا کہ آخر میں خود سلطان کے پاس قابل افراد نہ رہے اور ان کی تحریکِ جہاد سبوتاژ ہوگئی۔

14 سیاسی غلطیاں معاف نہیں ہوتیں ..... تاریخ کے یہ اوراق ہمیں بتا رہے ہیں کہ خدا کا قانون کسی قوم کی سیاسی غلطیوں کو معاف نہیں کرتا۔ ان کے اثرات ظاہر ہوکر ہی رہتے ہیں۔ انفرادی گناہوں کو توبہ کرکے مٹایا جاسکتا ہے، اجتماعی گناہوں کو ترک کرکے رب کو منایا جاسکتا ہے مگر قوم کے حکمران جب سیاسی غلطیوں پر اتر آئیں تو ان سے پیدا شدہ مہلکات کی تلافی بہت مشکل ہوتی ہے۔ سیاسی غلطیاں وہ تیر ہیں جو کمان سے نکل کر واپس نہیں آتیں۔ جب سیاسی لغزشیں تسلسل سے ہونے لگیں تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ قوم کا انجام قریب ہے۔ علاؤالدین خوارزم شاہ نے چنگیز خان کی قوت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل نہ کرکے پہلی سیاسی غلطی کی، خلیفہ سے دشمنی مول لے کر دوسری سیاسی غلطی کی، تاجروں کے مسئلے کو شرعی عدالت کے سپرد کرنے کے بجائے سرحدی حاکم کو تاجروں کے قتل کا اختیار دے کر تیسری سیاسی غلطی کی، چنگیز خان کے قاصد کو قتل کراکے چوتھی سیاسی غلطی کی۔ ان غلطیوں کے اثرات اور ردِ عمل کو نجم الدین کبریٰؒ جیسے اولیاء کی موجودگی بھی نہ روک پائی۔ اُدھر خلیفہ ناصر نے چنگیز خان کو خوارزم پر حملے کی دعوت دے کر جو سیاسی حماقت کی تھی اس کی پاداش میں بغداد تودۂ خاک بن کر رہا اور بغداد کے ہزارہا فقہاء اور مشائخ کی دعائیں بھی مرکزِ خلافت کو اس بھیانک انجام سے نہ بچا پائیں۔

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنی بہادری، حمیت اور جذبۂ جہاد کے باوجود آخری سالوں میں اپنے ہمسایہ ممالک سے تعلقات بہتر بنائے رکھنے کی زیادہ ضرورت محسوس نہ کی۔ جب وہ الجزیرہ، شام اور مصر کے حکمرانوں کے خاندانی تنازعات میں فریق بنے تو دیگر حکام کو تاتاریوں سے جہاد میں ان کا ساتھ نہ دینے کا اچھا خاصا بہانہ مل گیا۔ بالکل آخر میں سلطان نے ارزن الروم کے حاکم رکن الدین کے کہنے میں آکر سلطانِ ایشیائے کوچک کو بھی تنازعہ کھڑا کرنے کا موقع فراہم کردیا اور یوں مسلم ملکوں کے درمیان وہ جنگ چھڑی جس نے تاتاریوں کے خلاف بنائے جانے والے حصار کے پرخچے اڑا دیے۔ اگر مناسب سفارت کاری کے ذریعے یہ تنازعات دور کرلیے جاتے تو سلطان جلال الدین کی کوششیں ان کی زندگی ہی میں بار آور ثابت ہوسکتی تھیں اور تاتاریوں کو بغداد اور شام کی طرف بڑھنے سے ہمیشہ کے لیے روکا جاسکتا تھا مگر غیر محتاط سیاسی فیصلوں نے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا جس کا بدترین نتیجہ ظاہر ہوکر رہا۔

بات وہی ہے...... قدرتِ خداوندی سیاسی غلطیوں کو معاف نہیں کرتی۔

15 ایک ہوں مسلم ..... یہ اوراق تاریخ ہمیں پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بقا اور ترقی کا راز ان کی وحدت و یگانگت میں ہے۔ ان کا انتشار ان کے زوال اور بربادی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ تاتاریوں کی یلغار کا ہر قدم اور سلطان جلال الدین کی جدوجہد کا ہر موڑ ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے　　نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاکِ کاشغر

ہجری وعیسوی تقویم کا فریم

اس کتاب کے تقریباً تمام مآخذ میں صرف ہجری تاریخوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔عیسوی تاریخوں سے ان کی تطبیق کے لیے ہم نے عبدالقدس ہاشمی صاحب کی ''تقویم تاریخی'' سے مدد لی ہے، چونکہ اس کا مدار تخمینے پر ہے لہٰذا اس میں فی الواقع کسی غلطی کا امکان نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔اس دور کی تاریخوں میں متعدد مقامات پر ماہ سن کا حوالہ نہیں مل پاتا کہ جس سے اس واقعے کے زمانے کی تعیین کی جاسکے۔

اس کتاب میں بھی ایسے بہت سے اہم واقعات درج ہیں جن کے زمانے کی حتمی تعیین کسی طرح نہیں ہوسکتی، تاہم راقم نے قرائن سے اندازہ کر کے ان کی توقیت کے متعلق ایک اپنی رائے قائم کی ہے جو صحیح نہیں تو ان شاء اللہ صحیح سے قریب تر ضرور ہوگی۔ایسے مقامات پر اندازاً کا لفظ لکھ دیا گیا ہے۔

واقعہ	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
علاؤالدین محمد کی تخت نشینی	بدھ ۲۰ شوال ۵۹۶ھ	۱۳ اگست ۱۲۰۰ء
بغداد پر حملہ	(اندازاً) ۶۱۴ھ	نومبر ۱۲۱۷ء
چنگیز خان سے تجارتی معاہدہ	(اندازاً) ذی قعد ۶۱۵ھ	فروری ۱۲۱۸ء
چنگیز خان کے قاصد کا قتل	(اندازاً) محرم ۶۱۶ھ	مارچ ۱۲۱۹ء
چنگیز خان کی پیش قدمی کا آغاز	(اندازاً) رجب ۶۱۶ھ	ستمبر ۱۲۱۹ء
جوجی اور خوارزم شاہ کی ٹکر	(اندازاً) ذوالقعدہ ۶۱۶ھ	جنوری ۱۲۲۰ء
قوقند و اترار پر حملہ	(اندازاً) ذوالحجہ ۶۱۶ھ	فروری ۱۲۲۰ء
سقوط بخارا	محرم ۶۱۷ھ	مارچ ۱۲۲۰ء
سقوط سمرقند	ربیع الاوّل ۶۱۷ھ	مئی ۱۲۲۰ء
علاؤالدین محمد خوارزم شاہ کی وفات	(اندازاً) شعبان ۶۱۷ھ	اکتوبر ۱۲۲۰ء
سلطان جلال الدین کی تخت نشینی	(اندازاً) رمضان ۶۱۷ھ	نومبر ۱۲۲۰ء
سلطان جلال الدین کی اورگنج سے ہجرت	(اندازاً) شوال ۶۱۷ھ	دسمبر ۱۲۲۰ء
اورگنج کا محاصرہ	(اندازاً) شوال ۶۱۷ھ	دسمبر ۱۲۲۰ء
سلطان کی شادیاخ سے روانگی	۱۵ ذوالحجہ ۶۱۷ھ	۱۰ فروری ۱۲۲۱ء

شاہ پور خواست کا قیام	محرم ۶۲۲ھ	فروری ۱۲۲۵ء
بغداد روانگی	(اندازاً) صفر ۶۲۲ھ	مارچ ۱۲۲۵ء
دقوقا پر قبضہ	ربیع الاول ۶۲۲ھ	اپریل ۱۲۲۵ء
مراغہ پر قبضہ	جمادی الثانیہ ۶۲۲ھ	جولائی ۱۲۲۵ء
فتح تبریز	۱۷ رجب ۶۲۲ھ	۲۵ جولائی ۱۲۲۵ء
پہلا معرکہ گرجستان	شعبان ۶۲۲ھ	اگست ۱۲۲۵ء
وفات خلیفہ ناصر	۳۰ رمضان ۶۲۲ھ	۱۵ اکتوبر ۱۲۲۵ء
دوبارہ گرجستان روانگی	ذوالحجہ ۶۲۲ھ	دسمبر ۱۲۲۵ء
گرجستان پر دوسرا حملہ	محرم ۶۲۳ھ	جنوری ۱۲۲۶ء
تفلیس کی فتح	۸ ربیع الاول ۶۲۳ھ	۸ مارچ ۱۲۲۶ء
براق حاجب کی بغاوت	جمادی الثانیہ ۶۲۳ھ	جون ۱۲۲۶ء
وفات خلیفہ ظاہر	ہفتہ ۱۴ رجب ۶۲۳ھ	۱۱ جولائی ۱۲۲۶ء
گرجستان پر تیسرا حملہ	رمضان ۶۲۳ھ	ستمبر ۱۲۲۶ء
الملک المعظم کی سلطان سے علاحدگی	شوال ۶۲۳ھ	اکتوبر ۱۲۲۶ء
تفلیس کی سوختگی	ربیع الاول ۶۲۴ھ	فروری ۱۲۲۷ء
باطنیون سے لڑائیاں	(اندازاً) رجب ۶۲۴ھ	جون ۱۲۲۷ء
رے میں تاتاریوں سے معرکہ	(اندازاً) شعبان ۶۲۴ھ	جولائی ۱۲۲۷ء
چنگیز خان کی موت	بدھ ۴ رمضان ۶۲۴ھ	۱۸/ اگست ۱۲۲۷ء
الملک المعظم کی وفات	ذوالقعدہ ۶۲۴ھ	اکتوبر ۱۲۲۷ء
اصفہان میں تاتاریوں سے معرکہ	۲۲ رمضان ۶۲۵ھ	۲۴ اگست ۱۲۲۸ء
اصفہان میں تاتاریوں سے دوبارہ معرکے	شوال ۶۲۵ھ	ستمبر ۱۲۲۸ء
گرجی متحدہ افواج سے لڑائی	(اندازاً) ذوالعقدہ ۶۲۵ھ	اکتوبر ۱۲۲۸ء
خلاط پر حملہ	شوال ۶۲۶ھ	اگست ۱۲۲۹ء
فتح خلاط	اتوار ۲۸ جمادی الاولیٰ ۶۲۷ھ	۱۴ اپریل ۱۲۳۰ء
جنگ یاسی چمن	جمعہ ۲۸ رمضان ۶۲۷ھ	۱۹ اگست ۱۲۳۰ء
تاتاریوں کی یلغار	محرم ۶۲۸ھ	نومبر ۱۲۳۰ء
سلطان کی شہادت یا روپوشی	وسطِ شوال ۶۲۸ھ	وسطِ اگست ۱۲۳۱ء

کتابیات

نمبر شمار	کتاب کا نام	مؤلف	سن وفات	سن تکمیل کتاب	ناشر
۱	قرآن مجید				
۲	بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ			میر محمد کتب خانہ
۳	صحیح بخاری شریف	امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ	۲۵۲ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۴	صحیح مسلم شریف	امام مسلم بن الحجاج القشیری النیشابوریؒ	۲۶۱ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۵	سنن النسائی المجتبیٰ	امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائیؒ	۳۰۳ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۶	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزیؒ		۷۳۷ھ	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۷	عمدۃ القاری (شرح بخاری)	علامہ بدرالدین عینیؒ			
۸	المنہاج (شرح مسلم)	امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ	۶۷۶ھ		قدیمی کتب خانہ، کراچی
۹	المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم (شرح مسلم)	امام العباس احمد بن عمر القرطبی	۶۵۶ھ	۸شعبان ۶۳۷ھ	دارابن کثیر، بیروت
۱۰	مرقاۃ المفاتیح	شیخ علی بن سلطان محمد القاری الہرویؒ	۱۰۱۴ھ		مکتبہ امدادیہ ملتان
۱۱	معجم البلدان	ابوعبداللہ یاقوت الحموی	۶۲۶ھ		داراحیاء التراث العربی
۱۲	معجم الادباء	ابوعبداللہ یاقوت الحموی	۶۲۶ھ		داراحیاء التراث العربی
۱۳	الکامل فی التاریخ	عزالدین ابن اثیر الموصلی الجزریؒ	۶۳۰ھ		داراحیاء التراث العربی (بیروت)

۱۴	سیرۃ سلطان جلال الدین منکبرتی	شہاب الدین محمد بن احمد النسوی	۶۳۹ھ		دار الفکر العربی قاہرہ
۱۵	تاریخ جہانکشا جوینی	عطاملک جوینی	۶۸۱ھ		فوٹو اسٹیٹ
۱۶	تاریخ مختصر الدول	غریغورس الملطی ابن العبری	۶۸۵ھ		مؤسسۃ منابع الثقافۃ الاسلامیہ قیم، ایران
۱۷	وفیات الاعیان فی انباء ابناء الزمان	ابن خلکان	۶۸۱ھ		
۱۸	المختصر فی اخبار البشر	اسمٰعیل بن علی ابوالفداء	۷۳۲ھ		
۱۹	تتمۃ المختصر فی اخبار البشر	زین الدین ابن عمر بن المظفر ابن الوردی	۷۴۹ھ		دار المعرفۃ (بیروت)
۲۰	جامع التواریخ	رشید الدین فضل اللہ ہمدانی	۷۱۸ھ		فوٹو اسٹیٹ
۲۱	تاریخ گزیدہ	حمد اللہ مستوفی قزوینی		۷۳۰ھ	قدیمی قلمی نسخے کا عکس
۲۲	البدایۃ والنہایۃ	حافظ اسماعیل ابن عمر ابن کثیر الدمشقیؒ	۷۷۴ھ		دار الکتب العلمیہ (بیروت)
۲۳	تاریخ الاسلام الکبیر	حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبیؒ	۷۴۸ھ		
۲۴	سیر اعلام النبلاء	حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبیؒ	۷۴۸ھ		مؤسسۃ الرسالۃ بیروت
۲۵	العبر فی خبر من غبر	حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبیؒ	۷۴۸ھ		دار الکتب العلمیہ بیروت
۲۶	الاعلام بوفیات الاعلام	حافظ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبیؒ	۷۴۸ھ		دار الفکر، بیروت
۲۷	کتاب الذیل علیٰ طبقات الحنابلۃ	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب حنبلی	۷۹۵ھ		دار المعرفۃ، بیروت
۲۸	الذیل علیٰ طبقات الحنابلۃ	ابن رجب حنبلیؒ			
۲۹	کتاب العبر ودیوان المبتدأ والخبر المعروف بہ "تاریخ ابن خلدون"	علامہ عبدالرحمٰن بن محمد ابن خلدونؒ	۸۰۸ھ		بیروت
۳۰	النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر وقاہرہ	یوسف بن تغری بردی ظاہری	۸۷۴ھ		وزارۃ الثقافۃ والارشاد۔ قاہرہ
۳۱	روضۃ الصفا	محمد بن خاوند شاہ دمیر خواند	۹۰۳ھ		فوٹو اسٹیٹ
۳۲	تاریخ الخلفاء	علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر السیوطیؒ	۹۱۱ھ		

۳۳	طبقات ناصری	قاضی منہاج السراج			
۳۴	نہایۃ الارب	علامہ نویری			
۳۵	چنگیز خان	ہیرلڈلیمب، ترجمہ از عزیز احمد	۱۹۶۲ء		
۳۶	شذرات الذہب	ابن عماد حنبلی	۱۰۸۹ھ		داراحیاء التراث العربی، بیروت
۳۷	کشف الظنون	مصطفیٰ حاجی خلیفہ کاتب چلپی			نور محمد کتب خانہ، کراچی
۳۸	معجم المطبوعات العربیۃ والمعرّبہ	یوسف الیان سرکیس			مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ قاہرہ
۳۹	تاریخ خوارزم شاہی	غلام ربانی عزیز		۱۹۷۷ء	مجلس ترقی ادبِ لاہور
۴۰	تاریخ اسلام	علاّمہ اکبر شاہ نجیب آبادی			نفیس اکیڈمی، کراچی
۴۱	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین ندوی		۱۹۳۹ء	دارالاشاعت، کراچی
۴۲	آئینہ حقیقت نما	علاّمہ اکبر شاہ نجیب آبادی			نفیس اکیڈمی، کراچی
۴۳	تاریخ ادبیاتِ ایران	ڈاکٹر ایڈورڈ براؤن			
۴۴	حسن بن صباح	مولوی عبدالحلیم شرر			صدیقی ٹرسٹ
۴۵	امام رازیؒ	مولانا عبدالسلام ندوی			ادارہ اسلامیات، لاہور
۴۶	برصغیر اور عرب مؤرخین	خورشید احمد فاروقی			نفیس اکیڈمی، کراچی
۴۷	تاریخ ملت	مفتی زین العابدین سجاد، مفتی انتظام اللہ شہابی			ادارہ اسلامیات، لاہور
۴۸	بنبھور			۱۹۸۶ء	محکمہ آثار قدیمہ پاکستان، کراچی
۴۹	دنیا کے ظالم حکمران	امان اللہ خان ارمان سرحدی			شیخ غلام علی پبلشرز، لاہور
۵۰	غلامانِ اسلام	علامہ سعید احمد اکبر آبادی		۱۹۴۰ء	ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی
۵۱	تقویم تاریخی	عبدالقدوس ہاشمی			ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد
۵۲	اسلامی انسائیکلوپیڈیا	سید قاسم محمود			شاہکار بک فاؤنڈیشن، کراچی

۵۳	اسلامی انسائیکلو پیڈیا	پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ			پنجاب یونیورسٹی
۵۴	تاریخ دعوت وعزیمت	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ء		مجلس نشریات اسلام، کراچی
۵۵	مراۃ الاسرار	شیخ عبدالرحمٰن چشتیؒ ترجمہ کپتان واحد بخش سیال	۱۰۹۴ھ		
۵۶	ہزار سال پہلے	مولانا مناظر حسن گیلانی صاحبؒ			نفیس اکیڈمی، کراچی
۵۷	نزہۃ الخواطر	شیخ عبدالحئی الحسنی	۱۳۴۱ھ		طیب اکیڈمی، کراچی
۵۸	تاریخ نگارستان (فارسی)				قدیم نسخہ
۵۹	کراچی سے خیبر تک	یونس حسنی			مجلس نشریات اسلام، کراچی
۶۰	درۂ خیبر	حکیم محمد سعید			ہمدرد فاؤنڈیشن، کراچی
۶۱	حاشیہ مختصر المعانی				منشورات الحکمۃ قم ایران
۶۲	اطلس تاریخ الاسلام	حسین مؤنس			قاہرہ
۶۳	جامع تاریخ ہند	محمد حبیب/خلیق احمد			تخلیقات، لاہور
۶۴	نفحات الانس	ملا عبدالرحمٰن جامی (اردو ترجمہ)	۶۸۰ھ		مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
۶۵	☆ ''الاوامر العلائیہ فی الامور العلائیہ'' المعروف بہ ''سلجوق نامہ''	مصنف ''علامہ ابن بی بی'' مترجم ''محمد زکریا مائل''	۶۸۰ھ		مرکزی اردو بورڈ گلبرگ لاہور
۶۶	☆ افغانستان در مسیر تاریخ	میر غلام محمد غبار			پیام مہاجر، قم، ایران
۶۷	مقدمہ مثنوی ومعنوی، ج ۵	قاضی سجاد حسین			لاہور
۶۸	ظفر المحصلین	مولانا محمد حنیف گنگوہی			دارالاشاعت، کراچی
۶۹	☆ تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ			
۷۰	تاریخ نہضتہائے ملی ایران	عبدالرفیع حقیقت			ایران
۷۱	اردو ڈائجسٹ اپریل ۲۰۰۲ء				لاہور

نوٹ ...... اس فہرست میں اصل مآخذ وہی ہیں جن کے ساتھ ☆ کا نشان دیا گیا ہے۔ باقی کتب وہ ہیں جن سے جزوی طور پر کہیں کہیں استفادہ کیا گیا ہے۔

صدائے دل

یہ دردناک داستان ایک ایسے دور میں تحریر کی گئی ہے جب کہ اسلام اور کفر کے درمیان ایک فیصلہ کن لڑائی کا وقت بہت قریب آ چکا ہے، کفر مغرب کا ہو یا مشرق کا، اسلام اور اس کے نام لیواؤں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے ترکش کے تمام تیر اکٹھے کر چکا ہے۔ ہندو کی صورت میں اس دور کے عفریت اپنے لاؤ لشکر سمیت مملکت خداداد پاکستان پر چڑھائی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ماوراء النھر کے مسلمانوں کو فکری اور نظریاتی محاذ ایک مرتبہ پھر ایسی آندھیوں کا سامنا ہے جو کہ آج سے آٹھ سو سال قبل ان کے آباؤ اجداد کے ساتھ پیش آمدہ المیوں سے کم سنگین نہیں۔ قفقاز کے مسلمان جذبۂ حریت کے انہی ناقابل فراموش مناظر کو دھرا رہے ہیں جو کسی زمانے میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی قیادت میں اس دور کے بہادر مسلم نوجوان پیش کر چکے تھے۔ بیت المقدس آج پھر کفار کے چنگل میں ہے، کعبۃ اللہ اور روضۃ الرسول کے امین جزیرۃ العرب کے گرد یہود و نصاریٰ کا اقتصادی اور عسکری محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا جا رہا ہے۔ عالم اسلام کا کوئی گوشہ آج کفار کی چیرہ دستیوں سے محفوظ نہیں ہے۔

آج ایک طرف کفریہ طاقتوں کے سرغنوں میں چنگیز خان کی روح ایک بار پھر کارفرما دکھائی دے رہی ہے، تو دوسری طرف سلطان جلال الدین کی صدائے جہاد بھی ایک مرتبہ پھر گونج رہی ہے۔ ان کا کردار مسلمانوں کو عسکری و نظریاتی جہاد کے میدانوں میں پکار رہا ہے۔ تو کیا اب پھر مسلمان اپنے فریضے سے پہلو تہی کریں گے؟ کیا ایک مرتبہ پھر اسلام کے اس لہلہاتے چمن کو ویران کر دیا جائے گا؟؟

آنکھیں کھولیے اور دیکھئے...... کشمیر میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ چیچنیا میں یہ کہانی دھرائی جا چکی ہے، بوسنیا اور کوسوو زبان حال سے دھائی دے دے کر خاموش ہو چکے ہیں، افغانستان، عراق اور فلسطین کے مسلمان ہمیں اپنی مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ تو اے مسلمانو! کیا تم اب بھی مستی کی نیند میں غرق رہو گے۔ کیا تم اب بھی آپس کے اختلافات اور انتشار کا شکار رہو گے؟ کیا اب بھی...... کیا اب بھی...... کیا اب بھی......؟؟ حالات تمہیں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگا رہے ہیں، کل قیامت کے دن تمہارے پاس یقیناً کوئی عذر نہیں ہوگا۔